کتابِ مستطاب

تجلیاتِ صداقت

بجواب

آفتاب ہدایت

تالیف

حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار

الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر

عباس بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر لکھنو (انڈیا)

فہرست اجمالی مضامین تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت

یعنی ایک ہزار سے زائد عناوین میں صرف 314 عناوین کا انتخاب

باسمہٖ سبحانہٗ

تجلیاتِ صداقت کی طبع ثالثہ پر اظہارِ تشکر:

اس کتابِ مستطاب کی طباعتِ ثالثہ کے سلسلہ میں جناب الحاج عامر صفدر پاشا صاحب آف چکوال حال وارد لندن (برطانیہ) کا قلبی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کی خاطر اسکے جملہ اخراجات برداشت کئے ہیں۔اس لئے کتاب جو اس دیدہ زیب شکل وصورت میں مدّت کے مشتاق ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔یہ انہی جناب کے ایثار وقربانی کا ثمرہ ہے۔جزا اللہ خیر الجزا فی الدارین۔

دعا ہے کہ خداوند انکی والدہ ماجدہ کو جناب سیدہؑ کائنات صلوات اللہ علیہا کے جوارِ پُرانوار میں مقام بلند وبالا مرحمت فرمائے اوران کے والد ماجد کا سایۂ عاطفت دراز فرمائے۔اوران کے توفیقاتِ خیر میں مزید اضافہ وازدیاد فرمائے اور اپنی اولاد امجاد کے ساتھ اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

بجاہِ النبیؐ وآلہٖ الطاہرینؑ

والاحقر الشیخ **محمد حسین** عفی عنہ لقلمہٖ سرگودھا

27 فروری 2014ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (سورہ بینہ آیت 7)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں (ترجمہ نذیری)

و عن جابر بن عبداللہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ و سلم فاقبل علی رضی اللہ عنہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ و نزلت ان الذین آمنوا (الایۃ) فکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و سلم اذا اقبل علی قالوا اجاء خیر البریہ

جناب جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ حضرت علیؑ تشریف لائے آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگاری حاصل کرنے والے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"ان الذین آمنوا.......الخ"

اس کے بعد جب بھی کسی بزم میں حضرت علیؑ تشریف لاتے تو صحابہؓ کہتے خیر البریہ "بہترین خلائق آ گئے"

ملاحظہ فرمائیے:

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۳۰ ص ۱۴۶ طبع قاہرہ، تفسیر در منثور للسیوطی ج ۶ ص ۳۷۹ طبع مصر، تفسیر فتح القدیر للقاضی شوکانی ج ۵ ص ۴۷۷ طبع مصر، تفسیر فتح البیان للصدیق حسن خان ج ۱۰ ص ۳۳۳ طبع قاہرہ وغیرہ)

کتابِ مستطاب

تجلیاتِ صداقت

بجواب

آفتابِ ہدایت

تصنیف لطیف

صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار علامہ الحاج الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہٗ العالی

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان و علمہ البیان و وفقنا لحمایۃ الحق و اھلہ بالقلم و اللسان و الصلوٰۃ و السلام علی من ارسل الیٰ کافۃ الانام و علی آلہٖ سادۃ الانس و الجان و اللعنۃ الدائمۃ علی اعدائھم اللئام الی یوم القیام۔

تمہید سدید:

اصحاب ایمان وایقان پر مخفی ومحتجب نہ رہے کہ چکوال ضلع جہلم (موجودہ ضلع چکوال) کے بعض ہمدردان قوم وملت نے میری توجہ ایک کتاب کی طرف مبذول کرائی جس کا نام بموجب

؎ برعکس نہند نامِ زنگی کافور

''آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت'' ہے جو موضع بھیں ضلع جہلم کے جناب مولوی کرم الدین صاحب کے علم وفضل کا شاہکار ہے اس کا چھٹا ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے مؤلف نے اسے ایسی جامع کتاب قرار دیا ہے جس کے ہوتے ہوئے ان دوسری کتابوں کی ضرورت نہیں رہتی جو تردید شیعہ میں تصنیف ہوئی ہیں'' (آفتاب ص ۲۶) اور مولف موصوف کے فرزند جناب قاضی مظہر حسین صاحب جو کہ اس کتاب کے ناشر بھی ہیں اور ایک لحاظ سے شریکِ تالیف بھی اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں کہ

''یہ کتاب تمام اردو تصنیفات میں ایک ممتاز مقام حاصل کر چکی ہے'' (مقدمہ کتاب ص ۶)

ایک اور جگہ مؤلف کے حالات میں لکھتے ہیں

''اپنے بعد اس سلسلہ میں ایک جامع اور لاجواب تصنیف ''آفتاب ہدایت'' چھوڑ گئے'' (ص ۱۵)

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں

''ماشاء اللہ یہ کتاب مناظرین اہلسنت کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ کا حکم رکھتی ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسری مبسوط کتابوں کے مطالعہ کی چنداں ضرورت نہیں رہتی'' (ص ۱۶) اسی طرح دوسرے تقریظ لکھنے والوں نے بھی نظم ونثر میں اس کی تعریف و توصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے ہیں سچ ہے

؎ عاقل بعقل خود ناز دو مجنوں بجنوں كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

علمائے شیعہ کی روش ورفتار اور انکے علمی شاہکار:

چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ شیعہ علماء اعلام نے ہمیشہ اپنی روایتی رواداری اور مثالی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کبھی دوسرے ملل و مذاہب پر طعن وتشنیع کرنے یا ان پر بے جا زبانِ اعتراض دراز کرنے میں پہل نہیں کی۔ ہاں البتہ ان کا یہ وتیرا ضرور رہا ہے کہ اگر کسی نے کبھی ان کے مذہب حق پر تقریراً یا تحریراً کوئی اعتراض وایراد کیا ہے تو انہوں نے جواب کا حق استعمال کرتے ہوئے دفاع کا حق ادا کیا ہے۔ اور مکمل ومسکت جواب باصواب دیکر معترض کا ناطقہ بند کیا ہے بلکہ ایک ایک کتاب کے کئی کئی جواب لکھ کر ہمیشہ اپنی علمی برتری کا سکہ جمایا اور اپنی فنی مہارت کا لوہا منوایا ہے گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں

؎ باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم ☆ سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

حق وباطل کی باہمی کشاکش اوآویزش بہت پرانی ہے اور اس کی تاریخ بہت قدیم کیونکہ

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ☆ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

مگر ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ اسلام میں اس نزاع وچپقلش اور اس کے نتائج وآثار کی بعض جھلکیاں دکھاتے ہیں:

۱۔ قاضی عبدالجبار معتزلی نے مسئلہ امامت پر کتاب ''مغنی'' لکھی تو جناب علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ''الشافی فی الامامۃ'' لکھ کر مولف کی کمر توڑ دی ۲۔ سرکار علامہ حلی نے صداقت مذہب حق پر ''منہاج الکرامہ'' اور ابن تیمیہ حرانی نے اس کے خلاف قلم اٹھا کر ''منہاج السنتہ'' حوالہ قلم کی تو علامہ سید مہدی قزوینی نے ''منہاج الشریعہ'' لکھ کر مخالفین کے دانت کھٹے کردیئے ۳۔ شہید سعید جناب قاضی نوراللہ شوشتری نے برادرانِ اسلامی کی ہفوات کی رد اور مذہب اہلبیتؑ کی حقانیت پر ''احقاق الحق'' لکھی اوابنِ روز بہان نے ''ابطال الباطل'' لکھ کر اس کے جواب دینے کی ناکام کوشش کی تو آیۃ اللہ الشیخ محمد حسن المظفر نجفی نے ''دلائل الصدق'' ۳ مجلد سپرد قلم کرکے دلائل وبراہین کے تیز حربوں سے باطل کا سرقلم کردیا ۴۔ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ لکھ کر مذہب حق پر بجلیاں گرانے اور اسے جلانے کی ناکام کوشش کی تو شہید ثالث قاضی نوراللہ شوشتری نے ''الصوارم المہرقہ'' اور فاضل سید امیر محمدؒ قزوینی نے ''نقص الصواعق'' لکھ کر ان کی کوشش وکاوش کو بیکار کردیا۔ ۵۔ متحدہ ہندوستان میں مناظرہ کا دروازہ کھولتے ہوئے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے صواقع کابلی کا سرقہ کرکے ''تحفہ اثناعشریہ'' نامی کتاب شائع کی۔ تو علماءشیعہ نے اس کے جواب میں تحقیقات انیقہ کے دریا بہادیئے اور ناصبیت وخارجیت کی کشتی کو ڈبو دیا۔ درج ذیل کتب جلیلہ اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں

(۱) نزھۂ اثناعشریہ ۱۲ جلد، (۲) عبقات الانوار ۳۰ جلد، (۳) تشیید المطاعن ۳ ضخیم جلد، (۴) حسام الاسلام (۵) برھان السعادۃ، (۶) مصارع الافہام، (۷) احیاء السنتہ، (۸) بوارق موبقہ، (۹) تقلیب المکائر، (۱۰) صوارم الٰہیات، (۱۱) جواہر عبقریہ، (۱۲) شوارق النصوص، (۱۳) طعن الرماح، (۱۴) بارقۃ ضیغمیہ، (۱۵) ذوالفقار حیدری چند مجلدات اور حال ہی میں مولانا ملک

آفتاب حسین جوادی نے ''الھدیۃ السَّنیۃ بجواب تحفہ اثناعشریہ'' دوضخیم جلدوں میں لکھی ہے جوعنقریب منظر عام پر آنیوالی ہے انشاءاللہ
یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان جوابی کتب میں سے کسی کتاب کا جواب الجواب لکھنے کی آج تک کسی عالم ومناظر اہلسنت کو جرأت وتوفیق نہیں ہوسکی اور نہ ہی آئندہ اس وقت تک ہوسکتی ہے جب تک اپنے تمام مذہبی کتب ورسائل کو دریا بُرد نہ کردیں۔انشاءاللہ العزیز

بے حیائی وڈھٹائی کی انتہاء :

بایں ہمہ ڈھٹائی اور بے حیائی ملاحظہ ہو کہ آج تحفۂ اثناعشریہ کے اُردو ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھا جارہا ہے کہ ''یہ وہ کتاب ہے جس کا آج تک شیعوں نے جواب نہیں دیا'' **لاحول ولا قوۃ الا باللہ**

؎ ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے۔۔۔؟

۶۔الغرض مولوی حیدر علی نے منتہی الکلام لکھی تو علامہ سید حامد حسین لکھنوی نے آٹھ جلدوں میں ''استقصاء الافحام'' شائع کر کے باطل کا سارا غرور خاک میں ملا دیا ۷۔مہدی علیخان نے ''آیات بینات'' لکھی تو اس کے جواب میں فوراً ''رمی الجمرات'' ۳جلد، کشف الظلمات ۴جلد اور آیات محکمات ۳جلد منصۂ شہود پر آگئیں اور قصرِ باطل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۸۔احتشام الدین مراد آبادی نے ''نصیحۃ الشیعہ'' لکھی تو اس کے جواب میں ''روشنی'' اور ''انتصار الشریعہ'' منظر عام پر آگئیں ۹۔ملا قطبی نے ''حقیقت مذہب شیعہ'' نامی رسالہ شائع کیا تو فوراً شیعی قلم حرکت میں آگئے اور ''حقیقت مذہب حنفیہ'' و''ابطال الاستدلال'' جیسے تحقیقی جواب پیش کردیئے گئے ۱۰۔''سرمۂ چشم شیعہ'' لکھی گئی تو اسکے جواب میں ''سرمۂ چشم سنی'' اور ''آئینہ مذہب سنی'' نامی کتابیں جلوہ آرائے عالم ہوگئیں۔ ۱۱۔''مذہب شیعہ'' سیالوی شائع ہوئی تو اس کے جواب میں ''تنزیہہ الامامیہ'' جیسی محققانہ کتاب عالمِ وجود میں آگئی۔جب عصر حاضر کے چند مذہبی انتہا پسندوں کی طرف سے شیعہ کے خلاف ''خطبات جیل'' نامی ایک انتہائی دل آزار کتاب شائع ہوئی تو فوراً ''السیف البارق'' کے نام سے نہایت مدلل، مسکت اور سنجدیہ علمی جواب منصۂ شہود پر جلوگر ہوا۔الغرض جب بھی کسی دشمنِ اہلبیتؑ نے مذہب حق کے خلاف ژاژ خائی کرتے ہوئے خامہ فرسائی کی تو علماء حق نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور اس انداز سے محققانہ جواب دیا کہ پھر اہل خلاف کو جواب الجواب لکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔چنانچہ ہماری بیسیوں کتب آج تک لاجواب موجود ہیں مگر اہل خلاف اپنی ایک قابل ذکر کتب ایسی نہیں پیش کرسکتے جس کا تحقیقی جواب اہل حق کی طرف سے نہ دے دیا گیا ہو۔ہاں یہ اور بات ہے کہ علماء شیعہ نے رطب ویابس کے کسی مجموعہ کو ناقابل جواب والتفات سمجھ کر نظر انداز کردیا ہو۔

وجہ تصنیف کتاب ھذا:

چنانچہ زیر نظر کتاب ''آفتاب ہدایت'' کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ہمیشہ علماء شیعہ نے اس لچر کتاب کو ناقابل توجہ و التفات قرار دیتے ہوئے اسے نظر انداز کیا مگر مولف اور بعد ازاں ان کے فرزند دلبند نے بزعم خویش اسے اہل تشیع کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے اسے لاجواب کتاب قرار دے دیا اور اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن شائع کر کے اور اسے عوامِ شیعہ کے ہاتھوں میں دے کر محبان حیدر کرارؑ کی دل آزاری کرنے کی مذموم جسارت کی اور ان کی ملی غیرت کو للکارا چنانچہ ان کی اس روش و رفتار سے دل برداشتہ ہو کر بعض مومنین چکوال نے اس راقم آثم سے پُر زور استدعا کی کہ میں اس کے جواب میں اشہبِ قلم کو جولانی دوں اگر چہ یہ وقت باہم آویزی کا نہیں بلکہ متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے کام کرنے کا ہے۔ اسی لئے ہم سب سے زیادہ اتحادِ اسلامی کے حامی ہیں جیسا کہ ہمارے قارئین و سامعین پر واضح و لائح ہے نیز یہ کتاب اپنے بودے طرزِ استدلال لچر مضامین، رکیک ایرادات، بھونڈے اعتراضات، بے بنیاد الزامات اور انتہائی بھدی و بے ربط عبارات کی وجہ سے اس قدر قابل تو نہ تھی کہ اس کو درخورِ اعتنا سمجھ کر اس کے رد میں نفس نفیس کو صرف کیا جاتا مگر ایک تو ان حضرات کے مخلصانہ اصرار فرمانے، دوسرے عوام کو غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچانے، تیسرے ان لوگوں کی فریب کاری کا پردہ چاک کرنے، چوتھے مذہب حق کی حقانیت کو اجاگر کرنے اور پانچویں ان لوگوں کے زعم لاجوابی کو توڑنے کی غرض سے بکرہ خاطر اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر اس میدان میں قدم رکھنا پڑا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ بہر کیف قارئین کرام سے التماس ہے کہ بموجب ''المامور مجبور و المجبور معذور'' اس حقیقت حال کو پیش نظر رکھ کر ہماری اس تازہ کاوش کا مطالعہ فرمائیں

ع۔ والعذر عند کرام الناس مقبول　　　الغرض ع۔ خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

ہم اپنے مقصد (احقاقِ حق اور ابطالِ باطل) میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ اس کا فیصلہ انصاف پسند اور دانشمند قارئین کرام کے ذوق سلیم پر چھوڑا جاتا ہے ہم بفحویٰ ''اعجاب المرء بنفسہ دلیل علیٰ ضعف عقلہ''

یعنی ع۔ ثنائے خود بخود کردن نزیبد مرد دانا را اسکے متعلق کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں:

اعلانِ واجب الاذعان:

باوجود اختصار کے ہم نے پوری دیانتداری کے ساتھ موضوع پر مولف آفتابِ ہدایت کے تمام پیش کردہ دلائل کا انہی کے عین الفاظ میں ایسا جامع خلاصہ پیش کیا ہے کہ ان کے استدلال کا کوئی شوشہ بھی نہیں چھوٹنے پایا۔ بعد ازاں اس کا مدلل و مکمل جواب پیش کیا ہے تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آجانے کے بعد قارئین کو حق و باطل اور صحیح و سقیم کے درمیان امتیاز کرنے میں آسانی ہو لہٰذا

ہم یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب ''تجلیاتِ صداقت'' کے جواب میں قلم فرسائی کا شوق فرمانا چاہیں تو ان کا فرض ہوگا کہ اسی طرح وہ بھی ہمارے تمام دلائل و براہین کا جامع خلاصہ پیش کر کے اس کا جواب دیں اگر یہ التزام نہ کیا گیا تو ہم اس جواب کو کالعدم اور ناقابل توجہ سمجھیں گے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿17﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿18﴾ (سورۃ الزمر)

تجلیاتِ صداقت کی طبع ثانی پر اظہار حقیقت وتشکر:

مخفی نہ رہے کہ تجلیات صداقت کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء بمطابق ۱۳۹۳ ھ میں شائع ہوا تھا۔ باوجودیکہ اس کا کاغذ اچھا نہ تھا کتابت عمدہ نہ تھی۔ اور طباعت دیدہ زیب نہ تھی۔ مگر پھر بھی قوم نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے بے حد پسند کیا۔ موافق ومخالف اس کے دلائل کی پختگی، براہین کی عمدگی، عبارات کی متانت اور اشارات کی رزانت کے معترف اور اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں والحمدللہ علی احسانہ۔

اب جبکہ پہلی اشاعت کے نویں سال یہ کتاب دوسری بار ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہی ہے اور قارئین کرام کے مدت سے مشتاق ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے تو ہمارا دل ودماغ تشکرِ ایزدی کے مخلصانہ جذبات سے سرشار نظر آتا ہے کہ اس ذات ذوالجلال نے جہاں اس کتاب کو قبول عام کی سند عطا فرمائی ہے۔ وہاں کسی دشمنِ اہلبیتؑ کو اس کے خلاف خامہ فرسائی کی توفیق نہیں دی۔ حتیٰ کہ مولف آفتاب ھدایت کے فرزند خدام اہلسنت صوبہ پنجاب کے امیر قاضی مظہر حسین صاحب، جو اپنے خلاف چند صفحہ پمفلٹوں کا جواب چند سو صفحوں میں دینے کے پرانے عادی ہیں، تجلیاتِ صداقت کی اشاعت کے بعد اس طرح ان کو سانپ سونگ گیا ہے اور اس طرح طویل خاموشی اختیار کی ہے کہ گویا رہسپار عالم بقا ہو گئے ہیں ہاں البتہ ۶۱۶ صفحہ کی مفصل کتاب کے خلاف صرف ایک ۵۶ صفحہ کا پمفلٹ شائع کیا تھا جسکا متعلقہ مقامات پر جواب دے دیا گیا ہے اور اس میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ جوابی کتاب شائع کریں گے۔ یہ کرینگے اور وہ کرینگے مگر کئی سال کے طویل عرصہ میں کچھ بھی نہ کیا نہ کرینگے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ☆ یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ہاں البتہ کبھی کبھار اپنی زندگی کا ثبوت دینے اور اپنی بزم کے ارکان کو طفل تسلی دینے کی خاطر تجلیات صداقت کو ضبط کرنے اور اس کے مصنف کو پابند سلاسل کرنے کے متعلق ایک آدھ ریزولیشن پاس کر کے اخبارات میں چھپوا دیتے ہیں آخر کیا کریں۔

ع۔ روزی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

کیا وہ حکومت کے متعلقہ عملہ کو اس قدر جاہل وساہل اور غافل جانتے ہیں کہ وہ ظالم ومظلوم، جارح ومجروح اور بادیٔ اور مجیب کے درمیان تمیز وتفریق نہیں کر سکتے۔ وہ تجلیاتِ صداقت کی ضبطی کا مطالبہ کرتے وقت اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر خدانخواستہ کبھی تجلیاتِ

صداقت ضبط ہوئی تو آفتابِ ہدایت اس سے پہلے ضبط ہوگی۔ ''لان البادی اظلم''

بہر حال بفضلہٖ تعالیٰ اب جبکہ یہ کتاب بفحویٰ ''نقاشِ نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل'' نظر ثانی اور جابجا مفید ومحققانہ اضافہ جات کے بعد ظاہری ومعنوی خوبیوں کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہوکر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ تو ان کے خداداد شوق وذوق سے رجاء واثق وامید کامل ہے کہ پہلے سے بھی بڑھ کر اس کی قدر کریں گے۔ خود پڑھیں گے اور دوسروں کو پڑھائیں گے۔ اور اس طرح اپنا نام ناشرین وناصرین دین کی مقدس فہرست میں درج کرائیں گے۔

فان اللہ لایضیع اجر المحسنین۔ واللہ من وراء القصد۔ وھو الموفق والمعین

والانا الاحقر الشیخ محمد حسین عفی عنہ بقلمہ سرگودھا

۲۰ اپریل ۱۹۸۱ء بمطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۰۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریمؐ و آلہ الطاھرین المعصومین علیھم الصلاۃ و التسلیم

قدیم الایام سے دشمنان دین وایمان محبان اہل بیت علیہم السلام کو بجائے ''شیعہ خیر البریہ'' کہنے کے بطور طنزاً ''رافضی'' کہہ کر اپنے دل کا بخار نکالتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۶ ج ۳ سے بموجب ''**کلمة حق یراد بها الباطل**'' امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں جیسا کہ مولف نے بھی یہی روش اپناتے ہوئے لکھا ہے کہ آنجنابؑ نے فرمایا:

''**واللہ ماھم سموکم بل اللہ سماکم**'' (خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام ''رافضی'' رکھا ہے) پھر فتنۂ رفض کو فتنۂ ارتداد سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہا جاتا ہے ''آریہ عیسائی وغیرہ مخالفین اسلام کو قرآن پاک اور احادیث رسولؐ پر ناپاک حملے کرنے کا مصالحہ ہی روافض کی تصانیف سے ملتا ہے'' (آفتاب ہدایت ص ۲۶)

الجواب:

و باللہ التواب التوفیق لقمع کل شاک و مرتاب! ہم لفظ شیعہ کے معانی، اس کی جلالت اور قدامت پر وہاں بحث کریں گے جہاں آخر میں مولف نے اس پر بحث کی ہے انشاء اللہ اب سر دست صرف اس قدر لکھا جاتا ہے کہ لفظ ''رفض'' میں فی نفسہ نہ کوئی اچھائی ہے اور نہ بُرائی بلکہ وہ جو کچھ بھی حسن یا قبیح حاصل کرتا ہے وہ اضافت و نسبت سے کرتا ہے کیونکہ رفض کے لغوی معنی ہیں ''ترک کرنا''، ''چھوڑنا'' جس طرح اچھائی کا ترک کرنا بُرا ہے اسی طرح برائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہٰذا اگر حضرات شیعہ کو اس اعتبار سے ''رافضی'' کہا جائے کہ یہ بُرے لوگوں اور بری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے اور یہی امام علیہ السلام کے مفصل فرمان کا ماحصل ہے جس کا صرف ایک جملہ اوپر استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونیوں نے ان جادوگروں کو دیا تھا جو اعجاز موسویؑ دیکھ کر حلقہ بگوش توحید ہو گئے تھے اور فرعون کی ربوبیت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا اور شیعیان حیدر کرار کو بھی اسی لئے ''رافضی'' کہا جاتا ہے کہ وہ بھی امت محمدیہ کے بعض فرعون صفت لوگوں کی اتباع و پیروی ترک کر کے خدا و مصطفیٰؐ اور ائمہ ھدیٰؑ کو مرکز رشد و ہدایت تسلیم کرتے ہیں۔

اہل انصاف قارئین کرام غور کریں کہ امام عالی مقام کے اس تمام کلام کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ خیر البریہ کی اس سے مدح ظاہر ہوتی ہے یا قدح؟ مگر اس کا کیا علاج کہ

؎ چشم بداندیش کہ برکندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر

بانیٔ اسلامؐ پر اعتراض کا ماخذ کتب اہلسنت میں:

اور مؤلف نے یہ جو کہا ہے "مخالفین اسلام کو قرآن و پیغمبر اسلام پر حملہ کرنے کا مصالحہ ہی کتب روافض سے ملتا ہے" یہ ڈھٹائی کی انتہا ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ **لعنت اللہ علی الکاذبین**۔ اصل حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے مخالفینِ اسلام بانیٔ اسلامؐ اور تعلیماتِ اسلام پر جو ناپاک حملے کرتے رہتے ہیں ان کا مصدر و ماخذ مخالفین کی وہ کتابیں ہیں جو ہر قسم کے رطب و یابس کا مجموعہ ہیں ان لوگوں کو شیعیان حیدر کرار کی کتب سے کبھی اسلام و بانیٔ اسلام پر اعتراض کرنے کی جرات ہو ہی نہیں سکی۔

ع مرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

اسلام و بانیٔ اسلام کے خلاف لکھی گئی رسوائے زمانہ "ستیارش پرکاش" اور "رنگیلا رسول" وغیرہ جیسی کتابیں موجود ہیں اہل تحقیق ان کی طرف رجوع کر کے بڑی آسانی سے سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکتے ہیں اسی لیئے تو چکڑالوی اور پرویزی حضرات اس بات پر زور دے رہے ہیں اور برابر مشورہ دے رہے ہیں کہ ان کتابوں میں سے یہ گندہ مواد خارج کیا جائے ورنہ "رنگیلا رسول" جیسی کئی رسوائے زمانہ اور کتابیں ان سے تیار کی جا سکتی ہیں ہم صرف اتنا عرض کرینگے کہ

؎ اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت ☆ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اسلام کی تصویر کشیاں:

مولف کتاب نے بزعم خویش اسلام کی دو تصویریں پیش کی ہیں ایک اپنے نقطۂ خیال سے اور دوسری رافضیوں کے نقطۂ نظر سے۔ مگر افسوس ہے کہ دوسرے مباحث کی طرح انہوں نے یہاں بھی عدل و انصاف کا خونِ ناحق ہے اور چہرہ حقیقت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے پہلے ہم ان کی پیش کردہ خیالی تصویروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں پھر ہم حقیقی تصویریں پیش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

مؤلف کی پہلی "تصویر اسلام" اہلسنت کے نقطہ خیال سے:

"ہادی اسلامؐ نے اپنی واحد طاقت سے حسب فرمانِ ایزدی دنیا کے بڑے بڑے اصحاب جاہ و جلال کو چیلنج دے کر توحید الٰہی کی طرف بلایا..... ان کے خانہ ساز خداؤں کے دلائل قاہرہ سے تردید کی..... ان برے بڑے جبابرہ کو آپ سے مقابلہ کا حوصلہ نہ ہو سکا تا آنکہ ابوبکر، عمر فاروق، عثمان، حیدر کرار جیسے مبارک نفوس حلقہ بگوش ہو گئے..... مرتے دم تک اپنے آقا کا ساتھ نباہا..... کہ مخالف قوتیں رشک کرتی ہیں..... ان ہی پاک ہستیوں کے طفیل اقطاع الارض عرب و عجم میں اسلام کا نور ضیا افگن ہوا..... یہ خدا کے جری (پہلواں) اگر چہ بحکم اشداء علی الکفار مخالفین اسلام پر نہایت چیرہ

دست تھے مگر وہ بحکم رحماء بینھم آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان اور باہم شیر وشکر تھے..... آپؐ کی وفات کے بعد مجلسِ شوریٰ نے جس صاحب کو حضور علیہ السلام کی جانشینی (خلافت) کے لئے انتخاب کیا سب نے بلا چون وچرا اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے آگے سر جھکا دیا'' (انتہیٰ ملخصاً ص ۲۷، ۲۸ آفتاب)

اسلام کی دوسری تصویر بخیال رافضی:

''ہادی اسلام نے عمر بھر کی وعظ وتبلیغ سے سچے مسلمان فاطمہؓ، علیؓ، حسنینؓ اور اپنے کنبہ کے لوگوں کے علاوہ صرف چند کس ابوذرؓ وسلمانؓ پیدا کئے..... باقی سب کے سب آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے طرفہ یہ کہ رسول کو اپنی زندگی میں یہ معلوم تھا کہ یہ لوگ منافق ہیں..... میری وفات کے بعد میرے بھائی علیؑ اور ان کی اولاد کے دشمن بن جائیں گے..... ان میں سے اصحاب ثلاثہ کا رسولؐ پر کچھ ایسا رعب پڑ گیا تھا کہ ڈر کے مارے ان کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ ان کو اپنے دربار سے نکال دیں..... بوقت وفات حضور علیہ السلام نے قلم دوات طلب فرمائی تاکہ علی کی خلافت کے متعلق کچھ وصیت کریں۔ مگر وہ وقت بھی عمر نے ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر ٹال دیا..... اہلبیتؑ جن میں علی المرتضیٰ بھی تھے یہ حوصلہ نہ کر سکے کہ کہیں سے قلم دوات لا کر اپنے حق میں وصیت لکھوا لیتے..... حضور علیہ السلام فوت ہوگئے علیؑ کے ساتھ سوائے معدودے چند تعداد ابوذر، سلمان وغیرہ کے کوئی تھا ہی نہیں تمام مسلمانوں نے اتفاق کر کے ابوبکر کو تختِ خلافت پر بٹھا دیا..... علی المرتضیٰ گوشہ نشیں ہو کر قرآن جمع کرنے میں مصروف ہوگئے..... خالد بن ولید اور عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا..... بی بی دروازہ پر آئیں۔ عمر نے غضبناک ہو کر ان پر دروازہ گرا دیا..... (محسن کو شہید کر دیا)..... علی المرتضیٰ پرلے درجہ کے بہادر اور جری تھے..... مگر بایں ہمہ اپنی زوجۂ محترمہ کی یوں بے عزتی دیکھ کر نہ ذوالفقار نیام سے نکالی۔ نہ اپنی خداداد شجاعت کے جوہر دکھائے..... شیر خدا کی گردن میں رسی ڈال کر..... ابوبکر کے پاس لے گئے..... اور بزور بیعت کرائی پھر تینوں خلافتوں میں تقیہ سے کام لیتے رہے..... آخر شہادت عثمان کے بعد آپ کو منصبِ خلافت نصیب ہوا لیکن ثلاثہ کا خوف دل پر کچھ ایسا غالب تھا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ نہ بدعت عمر تراویح کو موقوف فرما سکے..... طرفہ یہ کہ خدا کے کلام پاک کو ثلاثہ نے بگاڑ کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ سورتوں کی سورتیں اور آیتوں کی آیتیں نکال ڈالیں۔ سترہ ہزار آیات کا قرآن جبرائیلؑ رسولؐ کے پاس لایا تھا۔ ثلاثہ نے ۶۶۶۶ آیات رہنے دیں، باقی نکال دیں۔ اصلی قرآن حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا جو ثلاثہ کے پاس پیش کیا جو انہوں نے قبول نہ کیا''..... اب بتائیے کہ ایک مخالف اسلام کے دل میں اسلام اور ہادئ اسلام کی کیا وقعت رہ جائیگی اور مسلمان صداقت اسلام کے لئے کون سی دلیل پیش کر سکے گا؟ (انتہیٰ ملخصاً ص ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲)

الجواب:

مولف آفتاب ہدایت کی پیش کردہ دونوں تصویریں قارئین کرام نے ملاحظہ کرلیں جو انہوں نے بڑی جگر کاوی کے ساتھ اصل حقائق کو تروڑ مروڑ کر پیش کی ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ اسلام کے وہ دونوں نقشے پیش کرتے ہیں جو شیعہ و سنی کتب سے ظاہر و آشکار ہوتے ہیں تاکہ دونوں نقشوں کو دیکھنے کے بعد کسی طالب حق و حقیقت کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں کسی قسم کی دقت اور زحمت نہ ہو۔

اسلامی اصول وفروع کا نقشہ اہلسنت خیال کے مطابق:

اہلسنت کے نزدیک توحید:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہم السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا اس کی لمبائی ۶۰ گز بنائی۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الاداب باب السلام ص 219 ج ۲ بخاری پ ۱۸ ص ۱۰۲) اللہ تعالیٰ جنت کے ایک باغ میں اپنا دیدار کرائے گا مسلمانوں کے ساتھ روبرو گفتگو کرے گا۔ اور اپنے منہ سے پردہ اٹھا کر مسلمانوں سے مجلس کرے گا (مشکوٰۃ مترجم باب صفۃ الجنۃ واھلھا ج ۴ ص ۱۸۹ مطبع القرآن والسنۃ امرتسر۔ ابن ماجہ ص ۱۸۳) جب خدا عرش پر بیٹھتا ہے تو وہ اس طرح چرچراتا ہے جس طرح نئی زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۷۵ طبع حیدرآباد دکن)

خدا کی آنکھیں دکھنی آئیں تو فرشتوں نے بیمار پرسی کی۔ اللہ تعالیٰ طوفان نوح پر اتنا رویا کہ آنکھیں جوش کر آئیں وہ عرش پر بیٹھا ہے اور عرش سے باہر ہر طرف چار چار انگشت ہے (کتاب الملل والنحل ج ۱ ص ۸۷، ۹۷ طبع قاہرہ وص ۸۴ طبع بمبئی)

قیامت کے دن خدا اپنا قدم جہنم میں ڈالے گا اس وقت دوزخ کہے گی بس اب میں بھر گئی (بخاری مترجم کتاب التفسیر پ ۲۰ ص ۳۳ طبع مصر ج ۳ ص ۱۱۹) خدا کے جوتے سونے کے ہیں اور چہرہ پر سنہری پردہ لٹک رہا ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۵۸، نمبر ۱۱۵۴ طبع حیدرآباد)

اس کا مکان عرش معلیٰ پر ہے اور اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے وہ جہت فوق میں ہے جہاں چاہے جاسکتا ہے اوپر چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔ کلام کرتا ہے، ہنستا ہے، تعجب کرتا ہے (انوار اللغتہ پ ۱۴ ص ۱۱۵۔ ص ۱۸، ۲۰، ۲۵۔ پ ۵ ص ۱۵۷، ص ۱۲۳ طبع بنگلور از علامہ وحید الزمان مترجم صحاح ستہ)

اہلسنت کے نزدیک شان رسالت:

"کان محمد علیٰ دین قومہ الی اربعین سنۃ" چالیس برس تک آنحضرتؐ اپنی قوم کے دین (کفر) پر تھے (تفسیر کبیر

فخر الدین رازی ج ۸ ص ۴۳۴) ایک دن مجلس قریش میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ والنجم پارہ ۲۷ آیت نمبر ۱۹، ۲۰ نازل فرمائی جناب رسول اللہؐ نے اس کو پڑھا جب اس آیت أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر بتوں کی تعریف میں یہ اشعار جاری کر دیئے جنہیں سن کر کفار خوش ہو گئے۔

ے تلک الغرانیق العلیٰ ☆ و ان شفاعتھن لترتجیٰ

یعنی "بت بڑے بزرگ ہیں اور تحقیق ان سے شفاعت کی امید رکھنی چاہیئے"

(تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۳۴ طبع لکھنو، تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۱۳ طبع مصر وغیرہ) آنحضرت کے سینہ کا دو دفعہ آپریشن کر کے دھویا گیا۔ اور اسے نور ایمان وحکمت سے بھرا گیا (مسلم مترجم ص ۱۱۰۳۔ ترمذی ص ۴۶۹) آپ کو اس قدر نسیان تھا کہ قرآن بھول جاتے تھے (صحیح مسلم مترجم ج ۲ ص ۸۱۴۔ بخاری باب نسیان القرآن مصری ج ۴ ص ۱۴۵ پ ۲۱) آنحضرتؐ اپنی حیض والی بیبیوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ (بخاری ج اپ ۲ کتاب الحیض، مسلم مترجم ج ۱ ص ۴۷۳) آنحضرتؐ نے بی بی عائشہ کو حبشیوں کا کھیل دکھایا (بخاری مترجم کتاب العیدین پ ۴ ص ۴۳ طبع لاہور و مصری ج ۲ ص ۹۶ ہکذا فی صحیح المسلم ج ۱ ص ۲۹۲) آنجناب کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ (بخاری مترجم پ ۱ ص ۸۹ طبع احمدی لاہور)

بی بی عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ بحالت روزہ بوس و کنار اور مباشرت فرماتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۲۵۸ کتاب الصوم باب المباشرہ والصائم طبع لاہور)

امام زہری کہتے ہیں کہ اسلام میں پہلے پہل عشق نے جو قدم رکھا وہ رسول اللہ کا عشق جناب عائشہ سے تھا اسی وجہ سے امام مسروق جناب عائشہ کو حبیبۂ رسول کہا کرتے تھے۔ (الجواب الکافی لابن القیم الجوزیہ ص ۱۶۴ طبع قاہرہ) مسجد فضیخ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا گیا جو آپ پی گئے اس لئے اسے مسجد فضیخ کہا جاتا ہے (جذب القلوب للشاہ عبدالحق محدث الدہلوی ص ۱۹۱ طبع کلکتہ ۱۲۶۲ھ)

اہلسنت کے ہاں شانِ صحابہؓ:

خدا فرماتا ہے مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ "تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کے خریدار ہیں اور کچھ وہ ہیں جو دین کے طلبگار ہیں سورہ آل عمران آیت ۱۵۲۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "**ان فی اصحابی منافقین**" یقیناً میرے اصحاب میں کچھ منافق موجود ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴) آنحضرتؐ نے ابوبکر صاحب کو خطاب کر کے فرمایا "**الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل**"۔ تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طریقہ سے چلتا ہے (درمنثور ج ۴ ص ۵۴ مطبع مصر) خلیفہ دوم نے خود ان الفاظ میں اقرار کیا ہے "**یا حذیفة بالله انا من المنافقین**"۔ "اے حذیفہ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں"

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۵ طبع مصر) جناب عائشہ نے کہا ''ان عثمان ابطل الحدود و توعد الشھود'' ''عثمان نے شرعی حدود توڑ دیئے ہیں اور گواہوں کو دھمکیاں دیتا ہے'' (انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۳ طبع یروشلم) ماعز اسلمیؓ صحابی نے زنا کیا جسے آنحضرتؐ نے سنگسار کیا حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت مسطحؓ بن اثاثہ اور حمنہؓ بنت جحش نے قذف کا ارتکاب کیا (جناب عائشہ پر تہمت زنا لگائی۔ آنحضرتؐ نے ان پر شرعی حد جاری فرمائی فتاویٰ عزیزی مترجم ج ۱ ص ۲۴۳ طبع لکھنو) سمرہ بن جندب نے آٹھ ہزار آدمی قتل کئے (نصائح کافیہ ص ۶۷ طبع بیروت) ولید بن عقبہ شراب خور تھا (شرح فقہ اکبر ص ۹۲ طبع لاہور)

ان ''اشد علی الکفار'' کے مصداقوں نے آنحضرتؐ کا ایسا ساتھ دیا کہ آپؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بز ہائے کوہی کی طرح چھلانگیں لگاتے ہوئے پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے اور آنجنابؐ بار بار بلاتے تھے مگر یہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتے تھے ''اذ تصعدون و لا تلون علی احد و الرسول یدعوکم'' (تفسیر در منثور ج ۲ ص ۸۸ تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۹۰ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۴،۱۰،۴۱ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۱۰۸، ۱۲۲ صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۵ طبع مصر وغیرہ) اور ''رحماء بینھم'' کے مصداق ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں ملاحظہ ہو معاویہ کا جناب امیر علیہ السلام پر لعنت کرانا (الخلفاء الراشدون ص ۴۵۱ طبع بیروت، تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹۔ صواعق محرقہ ص سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۸۷ طبع لاہور وغیرہ) اور حضرت عائشہؓ کا معاویہ و عمرو بن العاص پر لعنت کرنا ملاحظہ ہو (مروج الذھب ج ۲ ص ۲۸۷، تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۶۲ وغیرہ) اور ایک دوسرے کی مار مار کر پسلیاں توڑتے ہیں (ملاحظہ ہو عثمان کا ابن مسعود کو قرآن نہ دینے پر پٹوانا تاریخ خمیس ص ۲۶۷ طبع مصر) ایک دوسرے کو جلاوطن کرتے ہیں (ملاحظہ ہو عثمان کا ابوذر کو جلاوطن کرنا روضہ الاحباب ج ۲ ص ۱۸۴ طبع انوار محمدی لکھنو، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۶۹ روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل ج ۱۱ ص ۱۲۳) ایک کا ہاتھ ہے دوسرے کی داڑھی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۱۲ طبع مصر تاریخ اعثم کوفی ص ۷۹ طبع بمبئی) ابوبکر کو خلیفہ بناتے وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ہڑبونگ مچایا گیا اور جس طرح انصاف کا خون ناحق بہایا گیا اور جس دھاندلی سے پہلے صاحب کو مسند اقتدار پر بٹھایا گیا وہ تاریخ اسلام پر نگاہ رکھنے والوں پر مخفی دستور نہیں ہے جسمیں علاوہ اور لوگوں کے تمام بنی ہاشم مخالف تھے (ملاحظہ ہو بخاری ج ۴ ص ۱۱۰، ۱۱۱ طبع مصر) حضرت امیر علیہ السلام حضرت ابوبکر کو خطاب کر کے فرماتے ہیں

ے اِن کنت بالشوریٰ ملکت امورھم ☆ فکیف بھذا والمشیرون غیب
و ان کنت بالقربیٰ حججت خصیمھم فغیرک اولیٰ بالنبی و اقرب

(نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۳ طبع مصر)

انہی حقائق کی بناء پر تو علامہ تفتازانی کو مجبوراً لکھنا پڑا ان ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات و المشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ و المذکور علی السنتم الثقاۃ یدل بظاھرہ علیٰ ان بعضھم قدحا و عن طریق الحق و

بلغ حد الظلم و الفسق و کان الباعث له الحقد و العناد و الحسد الخ یعنی صحابہ میں جو جنگ و جدال، قتل وقتال اور فتنہ وفساد واقعہ ہوا جیسا کہ کتب تواریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہے وہ بظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بعض صحابہ جادۂ حق سے منحرف ہوگئے۔ اور ظلم وجور اور فسق وفجور کی حد تک پہنچ گئے اور اس (ظلم وفسق کی حد تک پہنچنے کا) سبب کینہ حسد اور دشمنی تھا۔ (شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۶ طبع استنبول)

حنفیوں کے نزدیک نماز کا نقشہ:

فروع دین میں سے سب سے بڑا اسلامی رکن نماز ہے جس پر دوسرے تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے اس نماز کا مولفِ آفتاب ہدایت کے امام اعظم نے جس طرح حلیہ بگاڑا ہے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

''سلطان محمود بن سبکتگین غزنوی حنفی مذہب پر تھا لیکن علمِ حدیث کا بھی شائق تھا لوگ اس کے سامنے احادیث نبویہؐ پڑھتے اور وہ توجہ سے سنتا تھا اسے اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق اور امام ابی حنیفہ کے مخالف معلوم ہوتی تھیں اس لئے اس نے حنفی شافعی علماء کو اپنے دربار میں جمع کیا اور حکم دیا میرے سامنے ایک مذہب کی دوسرے پر ترجیح ثابت کرو۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دو دو رکعت شافعی وحنفی مذہب کے مطابق ادا کی جائے۔ تاکہ بہ آسانی دونوں مذہبوں کا باہمی فرق معلوم ہو جائے۔ چنانچہ قفال مروزی نے (جو بڑا فقیہ اور یگانۂ زمانہ علامہ تھا۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۵۲) پہلے مذہب شافعی کے مطابق کامل طہارت اور ارکان معتبرہ کے ساتھ نماز پڑھی پھر امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق اس طرح پڑھی کہ پہلے کتے کا رنگا ہوا چمڑا زیب تن کیا اور اس کا بھی چوتھا حصہ نجاست سے تر کرلیا پھر کھجور کے نچوڑے اور جوش دیئے ہوئے پانی سے (جو ایک قسم کی ہلکی سی شراب ہے) وضو کیا موسم گرما تھا چنانچہ اس پر خوب مچھر ومگس جمع ہوئے اور وضو بھی الٹا کیا۔ یعنی پہلے پاؤں پھر ہاتھ اور بعد ازاں منہ دھویا پھر قبلہ رخ ہو کر بلا نیت فارسی زبان میں تکبیر کہی (خدا بزرگ است) پھر ایک آیت (مدہامتان) کا ترجمہ فارسی میں پڑھا ''دو برگ سبز'' بعد ازاں کوے کی طرح بلا فاصلہ دو ٹھونگے مارے اسی طرح طمانیت کے بغیر رکوع کیا اور تشہد پڑھے بغیر اور بغیر سلام پھیرے صرف ایک گوز لگا کر نماز تمام کی اور عرض کیا اے بادشاہ! یہ ہے نماز ابوحنیفہ کے مذہب پر! بادشاہ نے چیں بچیں ہو کر کہا یہ نماز ابوحنیفہ کی کتابوں سے ثابت نہ کی تو میں تجھے قتل کردوں گا۔ بھلا ایسی نماز بھی کوئی امام جائز سمجھ سکتا ہے؟ اور حنفی علماء نے بھی انکار کیا۔ قفال نے حنفیوں کی کتب طلب کیں اور حوالوں سے ثابت کیا۔ بادشاہ نے ایک نصرانی کو حکم دیا کہ اصل حوالہ جات دیکھ کر تصدیق کرے۔ بالآخر جب اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ ابوحنیفہ کی مذہب پر قفال نے جو نماز پڑھی ہے وہ حنفی فقہ کے مطابق درست ہے تو بادشاہ نے ابوحنیفہ کی تقلید چھوڑ کر شافعی کا مذہب اختیار کیا'' (دفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۱۱۳ ذکر سلطان محمود غزنوی۔ حیوٰۃ الحیوان دمیری ج ۲ ص ۲۲۵ طبع بیروت ۔مراۃ الجنان یافعی، مغیث الخلق لابی المعالی الجوینی وغیرہ)

یہ ہے حنفی مذہب کے مطابق اسلام اور اس کی مقدس تعلیمات کا نقشہ جس کی وجہ سے مخالفین اسلام یہود، نصاریٰ اور آریہ وغیرہ اسلام پر سخت ناروا حملے کرتے رہتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں قارئین کرام خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ بقول مولوی کرم دین آف بھیں ''ایک مخالف اسلام کے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کی کیا وقعت رہ جائے گی اور ان عقائد کا حامل مسلمان صداقت اسلام پر کون سی دلیل پیش کر سکے گا''؟

اسلام کی اصولی و فروعی تصویر شیعہ نقطہ نظر سے:

یہ شرف صرف مذہب شیعہ خیر البریہ اور اس کے مذہبی لٹریچر کو حاصل ہے کہ وہ اسلام کی ایک ایسی جامع و مکمل اور ایسی حسین و جمیل تصویر پیش کرتا ہے کہ اس پر کسی کو حرف گیری اور زبان اعتراض دراز کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی دشمنِ اسلام ہماری کتابوں سے اسلامی حقائق پر اعتراض نہیں کر سکا ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ شیعہ نقطۂ نگاہ سے اسلام کا صحیح نقشہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

توحید الشیعہ:

تمام مخلوقات مادی و روحانی اور تمام مکوّنات ارضی و سماوی کے مالک و خالق اور محیی و ممیت ذات مجتمع جمیع صفات کمال اور بے مثل و بے مثال ہستی کا نام ''اللہ'' ہے جو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا ہے وہ ہر لحاظ سے واحد و یگانہ ہے اس کی ذات و صفات اور افعال و عبادات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ابدی و ازلی اور لم یلد ولم یولد کا مصداق اور ہر شئے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے اور ہر چیز کا علمی احاطہ رکھتا ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا اور کسی کی عبادت روا نہیں ہے ساری کائنات اس کی محتاج ہے مگر وہ ایسا غنی مطلق ہے کہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے اس کے کمالات ذاتی ہیں اسی کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی بست و کشاد اور اس کے نظم و نسق کی باگ ڈور ہے وہ ایسا عادل و منصف ہے کہ ظلم و جور کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ اس نے یہ تکوینی امور کسی کے سپرد نہیں کئے وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا نہ ہی حوادث اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ دنیا و آخرت میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

لَّا تُدۡرِكُهُ ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَهُوَ يُدۡرِكُ ٱلۡأَبۡصَٰرَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلۡخَبِيرُ ﴿الأنعام: ۱۰۳﴾ سبحان من ھو ھکذا ولا ھکذا غیرہ۔ کذلک اللہ ربی۔ کذلک اللہ ربی۔ کذلک اللہ ربی۔

شانِ رسالت عند الشیعہ

نبی و رسول اس انسانِ کامل کو کہا جاتا ہے جس کا دامن تمام امکانی کمالات سے متصف اور تمام صفات رذیلہ سے مبرا ہو اور مہد سے لحد تک ہر قسم کے گناہ و عصیان سے منزہ ہو۔ شرف مکالمۂ ربانی و وحی رحمانی سے مشرف ہو اور تبلیغ احکام و نیلِ مرام میں خالق و

مخلوق کے درمیان وسیلہ ہو اس لئے اس کے لیئے دو جنبوں کا حامل ہونا ضروری ہے ایک جنبۂ نورانی و روحانی جس کی بناء پر خدا سے احکام حاصل کر سکے اور دوسرا جنبۂ بشری و جسمانی جس کی بناء پر لوگوں تک وہ احکام پہنچا سکے اور امور تکوینی میں لوگوں کی عرضداشتیں سن کر ان کو رب جلیل کی بارگاہ میں پیش کر کے اور سفارش و شفاعت کر کے منظور کرا سکے۔ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے

؎ گفتہ اور گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

خدائے حکیم نے ہدایت خلق کے لئے بہت سے انبیاء و مرسلینؑ بھیجے اور سب سے آخر میں سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تاجدار ختم نبوت بنا کر بھیجا آپؐ تمام انبیاء و مرسلین کے انفرادی کمالات کے مع شئی زائد جامع تھے جو ذات و صفات کے اعتبار سے اس قدر عظیم المرتبت تھے کہ کفار بھی باوجود کوشش بسیار کے ان میں کسی نقص و عیب کی نشاندہی نہ کر سکے الغرض آنحضرتؐ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے صحیح مصداق ہیں جس طرح اِلہٰ و خدا ہونے کے لحاظ سے خدا بے مثل و بے مثال ہے مخلوق خدا ہونے کے اعتبار سے محمدؐ عربی (فداہ ابی و امی) بے مثل و بے مثال ہیں وہ ماینطق عن الھویٰ کے مصداق بھی ہیں اور لولاک لماخلقت الافلاک کے تاجدار بھی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

آنحضرتؐ کی اطاعت مطلقہ واجب ہے اور دخول جنت و نار کا دار و مدار انہی کی فرمانبرداری اور نافرمانی پر ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی وہ فازو او سعدوا فی الدنیا و الآخرہ مگر ایسے لوگوں کی تعداد پہلے بھی بالکل قلیل تھی اور اب بھی قلیل ہے (و قلیل من عبادی الشکور) آنحضرتؐ کی بزم رسالت میں بیٹھنے والے تمام لوگ مؤمن کامل نہ تھے بلکہ ان میں ہر قسم و ہر قماش کے لوگ موجود تھے آنحضرت مختار تھے چاہتے تو ان کو قتل کر دیتے اور چاہتے تو ان کو اپنی بزم سے نکال دیتے۔

منافقین کو قتل نہ کرنے کی وجہ:

قرآن و سنت شاہد ہیں کہ آنجنابؐ نہ ان لوگوں سے مرعوب تھے اور نہ خائف تھے لیکن ایسا کرنے سے آپ کو اپنے مشن کے ناکام ہونے کا اندیشہ تھا چنانچہ جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ منافقوں کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا ان الناس یتحدثون ان محمداً یقتل اصحابہ۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے (صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۸ طبع مصر) اس طرح تبلیغ رسالت رک جائے گی اس لئے آنحضرتؐ نے تالیف قلب کی حکمت عملی اختیار کی اور منافقین کے ساتھ صرف لسانی جہاد پر اکتفا فرمایا مگر

؎ نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے ☆ ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکسِ سرو کنارِ جو کا

منافقین کی کارستانیاں:

ایسے لوگ آنحضرتؐ کے حین حیات میں دبے ہوئے تھے اور خفیہ ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے مگر آپ کی وفات کے بعد ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا چنانچہ جناب حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے ان المنافقین الیوم شر منهم علی عهد النبی کانوا یومئذ یسرون والیوم یجهرون یعنی آج کل منافقوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے جو عہد نبوی میں تھی کیونکہ اس وقت یہ پوشیدہ طور پر ریشہ دوانیاں کرتے تھے اور آج کھلم کھلا کارستانیاں کر رہے ہیں (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۴۱ طبع مصر) اس سلسلے میں فاضل شبلی نعمانی لکھتے ہیں "آنحضرت نے جس وقت وفات پائی تو مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں" (الفاروق جلد ا ص ۵۳ طبع لاہور) اور اس میں رسول اسلامؐ کی کسرِ شان نہیں اور نہ ان کے کامل بلکہ اکمل معلم اخلاق وشریعت ہونے پر کوئی ایراد وارد ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ چندروز کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں اور پوری قوم سوائے معدودے چند افراد کے گوسالہ پرستی کا شکار ہو کر مرتد ہو جاتی ہے مگر بایں ہمہ حضرت موسیٰؑ پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ انہی لوگوں کو نااہل قرار دیا جاتا ہے جنہوں نے فیضان نبوت سے کچھ استفاضہ نہ کیا تھا۔ تو یہاں بھی ان مرتدین کے ارتداد اور خلافت علوی کے انکار کو انہی لوگوں کی نااہلی کا نتیجہ وہ ثمرہ قرار دیا جائے گا کیونکہ

ے ہر کہ روئے بہبود نداشت ☆ دیدن روئے نبی سود نداشت

ورنہ آنحضرت نے تو راہنمائی کرنے اور اتمام حجت فرمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اپنے ولی عہد کا قولی طور پر تو بار بار تعارف کرایا تھا اور اعلان فرمایا تھا حتیٰ کہ اپنے آخری دور میں عملی طور پر بھی غدیر خم کے مقام پر رسم دستار بندی ادا کردی تھی مگر
ع جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں۔

قضیۂ قرطاس:

آنحضرتؐ اپنے آخری لحات حیات میں چاہتے تھے کہ اس بات کو ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تاکہ کل کلاں کسی کو یارائے اباء وانکار نہ رہے مگر یار لوگ تاڑ گئے۔ اس لئے مزاحمت کی اور "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ بلند کر کے آنحضرت کو وصیت نامہ نہ لکھنے دیا اس سے آنحضرت کو اس قدر صدمہ ہوا کہ ان کو "قوموا عنی" فرما کر آخری وقت اپنی بزم سے نکال دیا (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۰۰ باب مرض النبی ووفاتہ، مشکوۃ ص ۵۴۰ وغیرہ)

حضرت علیؑ نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی:

ظاہر ہے کہ تحریر رسولؐ کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی یہ تمام کارروائی حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کی خاطر کی گئی

تھی اور اب جبکہ لوگوں نے آنحضرتؐ کے دماغ پر بھی شدت مرض کی وجہ سے ہذیان کا الزام عائد کر دیا تھا اگر حضرت علیؑ وہ تحریر لکھوا بھی لیتے تو ان لوگوں کی نظروں میں اس کی کیا وقعت ہوتی؟ بظاہر تو اس کا انجام اس سے بھی بدتر ہوتا جو ہبۂ فدک کے متعلق تحریر رسولؐ کا ہوا تھا علاوہ بریں ظاہر ہے کہ حکیم سے نسخہ بیمار لکھواتا ہے نہ کہ تندرست۔ تو جب مریض الٹا طبیب پر ہذیان کا اتہام لگائیں تو اس حالت میں تندرست کو نسخہ لکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟ (قضیۂ قرطاس اور مسئلہ فدک کی تفصیلات کا انتظار فرمائیے)

احراق باب فاطمہؑ:

بہر کیف اس جماعت کے کھلم کھلا مخالف اسلام افعال اور حرکات ناشائستہ میں سے ایک عظیم جرم غصب خلافتِ علویؑ اور عترت نبویہ پر مختلف مظالم کی یورش و یلغار بھی ہے یہ لوگ دروازہ فاطمیہ پر آگ اور لکڑیاں لے گئے اور گھر جلانے کی دھمکیاں دیں (الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۳ طبع مصر۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۸۔ العقد الفرید ج ۳ ص ۶۳ طبع مصر) جناب سیدۂ عالم کے پہلوئے اقدس پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ محسن کی شہادت واقع ہوئی (الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ ص ۲۰ طبع مصر) اور جناب امیر علیہ السلام کو روآں دوآں مسجد نبوی کی طرف لے گئے اور بیعت کرنے کیلئے قتل تک کی دھمکیاں دیں۔ (الامامۃ السیاسۃ ص ۱۴۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۷)

وجہ عدم قتال علیؑ با ثلاثہ:

مگر بایں ہمہ جناب امیر خیبر گیرؑ نے نہ ذوالفقار نیام سے نکالی اور نہ خدا داد شجاعت کے جوہر دکھائے کیونکہ آپکو دو چیزیں مانع تھیں "اولاً" شیر خداؑ کو رسول مقبولؐ نے ایسے حالات میں صبر وضبط سے کام لینے کی وصیت فرما کر جکڑ دیا تھا اور بتایا تھا فرمایا کہ "بعد از من بسیارے از مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ گردی و وسعت در عروہ وثقی تحمل زدہ طریقہ حق پیش گیری و چوں بینی کہ دنیا مرضی و مختار خلق گردد و باید کہ تو آخرت را اختیار کنی الخ" (معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۳۴۰۔ روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۳۹۳ طبع لکھنو۔

کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۸ طبع حیدر آباد۔ ازالۃ الخفاج ۱ ص ۱۲۵ طبع بریلی۔ خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۸ طبع حیدر آباد وغیرہ) چنانچہ حضرت عمر کے مظالم کے وقت آنجنابؑ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا" **و فی النفس کلام لولا سابق قول و سالف عہد لشفیت غیظی بخنصری و بنصری (الی ان قال) ولکن ملجم و صابر**"۔

یعنی میرے دل میں کچھ کلام موجود ہے۔ اگر سابق قول اور گذشتہ عہد و پیمان کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اپنے غیظ وغصہ کو دو چھوٹی انگلیوں سے دور کر دیتا (شمشیر بکف ہو کر جنگ کرتا) مگر میں پابند ہوں اور اس لئے خاموش ہوں۔ اور صبر کرتا ہوں (محاضرات ابن

عربی ج ۲ ص ۸۲)

کمزور دست و بازو شیر خدا نہ تھا ☆ سب قدرتیں وہی تھیں پر حکم خدا نہ تھا

''ثانیاً'' اس وقت جنگ کرنے سے اسلام کے دارالحکومت میں خانہ جنگی شروع ہوجاتی چاروں طرف سے دشمنان اسلام کو حملہ کرنے کا موقع مل جاتا اور اس طرح اسلام نیست و نابود ہوجاتا۔ چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جب جناب سیدہ نے ان مصائب سے دل برداشتہ ہوکر جناب امیر کو تلوار نیام سے نکالنے کے لئے کہا تو اس اثنا میں موذن کی آواز بلند ہوئی 'اشھد ان محمداً رسول اللہ ﷺ'' حضرت امیر علیہ السلام نے جناب سیدہؑ سے فرمایا اسیرک زوال ھذا النداء کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ روئے زمین سے یہ ندا ختم ہوجائے؟ بی بی عالم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ''ذاک ما اقول'' یہی وہ چیز ہے جو کہتا ہوں۔ (کہ میرے جنگ کرنے سے یہ آواز ختم ہوجائے گی) (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص ۵۷ طبع بیروت)

جناب امیر علیہ السلام نے اپنے دور میں کیوں شرعی اصلاحات نافذ نہ کیں:

جناب امیر علیہ السلام اپنے مختصر ظاہری دور حکومت میں یہ ضرور چاہتے تھے کہ اصحاب ثلاثہ کے جاری کردہ بدعات کا قلع قمع کریں اور اس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی کیا تھا مگر یہ اصلاح مشروط تھی ثبات قدم کے ساتھ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے لو ثبتت قدمای لغیرت اشیاء (نہج البلاغہ) اگر مجھے ثبات قدم میسر آ گیا تو میں بہت سی اصلاحات کرونگا مگر مولوی کرم الدین صاحب کے بزرگوں کی کرمفرمائیوں سے امیر المومنین کو اپنے ظاہری پنجسالہ دور خلافت میں ایک دن بھی امن وسکون نصیب نہ ہوا لہٰذا نہ ثبات واستقرار حاصل ہوا اور نہ وہ یہ اصلاحات نافذ کرسکے جو کرنا چاہتے تھے جن میں سے اپنے جمع کردہ قرآن مجید کا رائج کرنا، حق فدک اس کے حق داروں کو واپس کرنا اور تراویح وغیرہ بدعات کا بند کرنا بھی شامل تھا۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً (ہم نے سطور بالا میں جن امور کا اجمالی تذکرہ کیا ہے ان کی تفصیلات معلوم کرنے کیلئے شائقین ہماری کتاب ''اثبات الامامت'' کی طرف رجوع فرمائیں)

امامت وخلافت عندالشیعہ:

شیعہ امامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اُمت کیلئے خلیفہ وامام کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ نبی و رسول کا اور امام کے وہی شرائط ہیں جو نبی و رسول کے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ ان پر صرف وحی شریعت نازل نہیں ہوتی اور وہ مشرع شریعت نہیں ہوتے ویسے نبی کیطرح خلیفہ وامام کا تقرر بھی خدائے رحمن اپنے خاص فضل وانعام سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدائے منان نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بانی اسلام کے بعد ان کی مسند کے بارہ (۱۲) وارث مقرر کیئے جو سوائے مقام وخصائص نبوت کے دیگر تمام صفات جلال ولغوت کمال میں شریک رسولؐ تھے اور تمام فضائل وفواضل میں آنحضرتؐ کے بعد ساری کائنات کے سید وسردار اور ہر اعتبار سے

سر آمد روزگار تھے جو منصوص من اللہ و من الرسول تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں حضرت امام علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ امام علی زین العابدینؑ۔ امام محمد باقرؑ۔ امام جعفر صادقؑ۔ امام موسیٰ کاظمؑ۔ امام علی رضاؑ۔ امام محمد تقیؑ۔ امام علی نقیؑ۔ امام حسن عسکریؑ۔ امام محمد مہدیؑ منتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ۔ یہ بارہویں لعل ولایت اس وقت بھی بقید حیات زندہ و پائندہ موجود ہیں اور اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک یہ ظہور فرما کر دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح پر نہیں کر دیں گے جس طرح پہلے ظلم و جور سے لبریز ہو چکی ہوگی۔ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۴۷، مشکوۃ ص ۵۰۲ طبع دہلی، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۸۸ طبع نول کشور وغیرہ) عجل اللہ تعالیٰ فرجہ و سہل مخرجہ۔ و اھلک اعدائہ اجمعین

شان قرآن عند الشیعہ :

ہم قرآن کو اللہ کی آخری مقدس الہامی اور منزل من اللہ کتاب اور اس کے ہر امر و نہی کو واجب العمل جانتے ہیں اور اسے تمام عالمین کی رشد و ہدایت کیلئے خدا کا بے عیب آخری دستور العمل مانتے ہیں اور حق اور باطل معلوم کرنے کا اسے واحد معیار تسلیم کرتے ہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت کی حد اعجاز تک پہنچا ہوا کلام معجز نظام ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اس کی ایک سورہ کی مانند سورہ نہیں بنا سکتی۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (سورۃ اسراء 88۔)

جمال و نور قرآن نور جانِ ہر مسلماں ہے ☆ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

الغرض قرآن بانی اسلام کی صداقت و حقانیت کا وہ معجزہ خالدہ ہے جس کی معجزانہ شان بان آج بھی اسی طرح قائم ہے جسطرح آنحضرتؐ کے ظاہری حین حیات میں تھی اور صبح قیامت کے طلوع ہونے تک اس کی یہ شان وآن قائم رہے گی انشاء اللہ

قیامت عند الشیعہ :

قیامت برحق ہے جس میں خدائے عادل تمام اولین و آخرین کو جمع کر کے نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا دے گا اسی طرح ہم جنت و جہنم کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔

اسلامی عبادات عند الشیعہ :

ہم نماز، روزہ، حج، زکوۃ، خمس اور جہاد وغیرہ اسلامی عبادات کو ان کی فطری شان و اسلامی روح و آن کے مطابق واجب و لازم جانتے اور بجالاتے ہیں ان کے انکار کرنے والے کو کافر اور بلا عذر شرعی ترک کرنے والے کو فاسق و فاجر جانتے ہیں۔

نتیجہ الکلام:

اب جائے غور و تامل ہے کہ اسلام کی تصویر جو شیعیان حیدر کرار پیش کرتے ہیں یہ کس قدر حسین و جمیل اور کامل و اکمل ہے کیا

اس پر کسی مخالف کو کسی قسم کے طعن و تشنیع کرنے کی جرات و جسارت ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ☆ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

کیا شیعہ قرآن کو نہیں مانتے ؟:

مولوی کرم دین آف بھیں نے اصل حقائق اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے بلکہ آنکھوں پر تعصب و عناد کی پٹی باندھ کر اپنے پیر و مرشد عبدالشکور لکھنوی اور دیگر متعصب مناظرین اہلسنت کی اندھی تقلید و تاسی میں اپنی کتاب کے ص ۳۲ سے لیکر ص ۶۰ تک برابر اس بات کے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شیعہ قرآن کو نہیں مانتے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ☆ تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ہم پہلے ان کے استدلالات یا بالفاظ مناسب خزعبلات اور پریشان خیالات کا جامع خلاصہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد ان پر نقد و تبصرہ کریں گے انشاء اللہ العزیز

مؤلف کے استدلات کا جامع خلاصہ:

''شیعہ کا اعتقاد ہے کہ اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے جمع کیا تھا اور اصحاب ثلاثہ کے سامنے پیش کیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اس لیئے آپ نے اُسے غائب کر دیا..... اصول کافی ص ۱۳۹ میں ہے امام محمد باقرؑ کہتے ہیں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے سارے قرآن کو جیسا کہ نازل ہوا ہے جمع کر لیا ہے وہ بڑا جھوٹا ہے قرآن کو جیسا کہ خدا نے نازل کیا بغیر علی اور آئمہ بعد کے کسی نے جمع نہیں کیا۔ نیز اصول کافی ص ۶۷۱ میں ہے، ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی آپ نے فرمایا کہ جو قرآن جبرائیل رسول پاک کے پاس لے کر آئے وہ ستر ہزار آیات کا ہے۔ پھر مرزا احمد علی صاحب مرحوم کے رسالہ ''الانصاف فی الاستخلاف'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے موجودہ قرآن کی ترتیب کی چند غلطیاں ظاہر کی ہیں مثلاً ''بالاتفاق اہل اسلام سورۃ اقراء سب سے اول نازل ہوئی لیکن قرآن مرتب میں اس کو اخیر پارہ میں جگہ دی گئی الیوم اکملت لکم دینکم آخر میں نازل ہوئی لیکن اس کو بیچ میں جگہ ملی اور لیجئے ان ھذان لساحران موجودہ صرف و نحو کے لحاظ سے غلط ہے الخ..... اس کے جواب میں مولف صاحب نے لکھا ہے کہ ''ترتیب القرآن مطابق تنزیل نہیں بلکہ موافق تلاوت رسول خدا و تعلیم جبرائیل ہے جیسا کہ علامہ کرمانی نے برہان میں لکھا ہے بے شک سور و آیات قرآن کی ترتیب عہد نبوی میں ہو چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ بھی کر لیا تھا اور اسی ترتیب سے حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی کتابت کروا کر قرآن پاک کی اشاعت کر دی (بعد ازاں مذکورہ آیات کے باہمی ربط کا ذکر کر کے ان

هذا ان والی آیت میں ان کو مقفہ قرار دے کر ملغٰی عن العمل ثابت کیا ہے پھر یہ لکھ کر کہ حضرت علی کا ترتیب دادہ قرآن جناب امام مہدیؑ کے پاس ہے۔امام زمانہؑ کے متعلق ژاژ خالی کر کے اپنے خبثِ باطن کا ثبوت دیا ہے کہ ''امام مہدی'' کب آئیں گے وہ تو بقول شخصے ؏ کچھ کہ ایسے سوئے سونے والے کہ جگانے کی انہیں قسم ہے۔امام غائب کی آمد کے متعلق شیعہ کے عجیب وغریب خیال ہیں جن کے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے۔(اصول کافی ص ۲۳۲) میں ہے: خدا نے اس کام (ظہور مہدی) کا وقت ۷۰ ھ مقرر کیا تھا مگر جب امام حسینؑ شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ اہل زمین پر غضبناک ہوگیا اور اس نے اس کام کو ۱۴۰ھ تک پیچھے ہٹا دیا ہم نے تم سے بیان کر دیا اور تم نے بات مشہور کر دی اور پردہ فاش کر دیا خدا نے اس کے بعد کوئی وقت ہم کو نہیں بتایا۔راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث امام جعفر صادق سے بیان کی انہوں نے کہا ایسا ہی ہوا اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ قاتل امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے تب ہی تو امام مہدیؑ کی آمد رک گئی الخ۔۔۔آئمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور اپنی موت پر ان کو قابو ہوتا ہے۔چاہے مریں یا نہ مریں'' (اصول کافی ص ۱۵۸)

شیعہ کے متعدد قرآن:

ابھی تک مولف کے ترکش بہتان میں کچھ تریاق ہیں اب وہ انہیں چھوڑتے ہوئے لکھتے ہیں: ستر گز کا قرآن اصول کافی ص ۱۴۶ میں ہے **قال یا ابا محمد فان عندنا الجامعة و ما یدریھم ما الجامعة قال قلت جعلت فداک و ما الجامعة قال صحیفة طولھا سبعون ذراعًا**۔امام جعفر صادق نے فرمایا اے ابو محمد! ہمارے پاس ایک جامع ہے ان کو کیا معلوم کہ وہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں آپ پر قربان! فرمائیں وہ جامع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن ہے جو ستر گز لمبا ہے۔

مصحف فاطمہ:

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ شیعہ کا ایک اور قرآن مصحف فاطمہ بھی ہے چنانچہ اصول کافی ص ۱۴۶ میں ہے (ترجمہ) امام علیہ السلام نے فرمایا ہمارے پاس ایک مصحف فاطمہ بھی ہے اور تم جانتے ہو مصحف فاطمہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک قرآن ہے جس میں تمہارے قرآن سے سہ گنا زیادتی ہے اور خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک لفظ بھی نہیں۔

جفر:

اسی طرح شیعہ کا ایک اور قرآن جعفر ہے۔جیسا کہ اصول کافی ص ۱۴۶ میں ہے (ترجمہ) امامؑ نے فرمایا ''ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ جفر کیا ہے؟ کہا وہ چمڑے کا ایک تھیلا ہے جس میں انبیاء و اولیاء کے علوم بھرے پڑے ہیں۔اور علمائے بنی اسرائیل کے بھی اس میں علوم ہیں'' اب سوال یہ ہے کہ شیعہ کے اتنے بڑے اور لمبے لمبے قرآن ہیں کہاں؟

شیعہ اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

تحریف آیات قرآنی:

اگر چہ پچھلی روایات سے بوضاحت ثابت ہوگیا کہ روافض کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور وہ اس کو محرف سمجھتے ہیں لیکن عوام کی تسلی کیلئے ہم ذیل میں چند آیات اصول کافی سے لکھتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اصل آیت یوں تھی اور قرآن میں اس کے خلاف یوں درج ہے (اس سلسلہ میں چند آیات پیش کی ہیں مثلاً آیات الست بربکم قالوا بلیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ اصول کافی میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی ''**الست بربکم و ان محمداً رسولی و ان علیا امیر المومنین علیہ السلام** اور آیت ''**من یطع اللہ و رسولہ**'' اس طرح تھی ''**من یطع اللہ و رسولہ فی ولایۃ علی و الائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً**'' آیت ''**سئل سائل بعذاب واقع**'' یوں تھی ''**سئل سائل بعذاب واقع للکافرین فی ولایۃ علی لیس لہ من دافع**'' (**سورۃ المعارج آیت نمبر 1**)

''احمد بن محمدؒ بن ابی نصر سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھے ایک قرآن دیا اور فرمایا کہ اس میں نظر نہ کرنا بس میں نے جو اس میں سورہ لم یکن الذین کفروا الخ پڑھی تو اس میں ستر شخصوں کے نام مع ولدیت پائے راوی نے کہا امام نے مجھے کہلوا بھیجا کہ وہ قرآن میرے پاس بھیج دو مگر موجودہ قرآن میں نہ ستر قریش کے نام ہیں اور نہ اہل بیت کے فضائل'' شیعہ کو ان روایات کے ماننے سے کوئی چارہ نہیں لیکن بحث کی خاطر ''تقیتاً'' کہہ دیا کرتے ہیں کہ ''ہمارا قرآن پر ایمان ہے اس حالت میں ناواقف اہل السنۃ مسلمان دھوکہ میں آجاتے ہیں'' سو واضح ہو کہ اس بارہ میں علماء شیعہ متقدین میں اختلاف ہے ان کے بڑے ثقہ آئمہ حدیث وتفسیر تو اس قرآن کے ناقص ہونے کے قائل ہیں جیسے ثقۃ الاسلام کلینی، علی بن ابراہیم قمی فاضل نوری وغیرھم لیکن بعض تحریف کے منکر ہوئے اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن کامل اور صحیح یہی ہے جو بین الدفتین میں موجود ہے۔ ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔ شیخ صدوقؒ، سید مرتضیٰ، ابوجعفر طوسی، شیخ طبرسی۔ سو واضح ہو کہ ان دونوں فریق میں سے اس کا قول قابل قبول ہوگا جس کی تائید میں احادیث مرویہ آئمہ اہلبیت پائی جائیں سو پہلے فریق نے بہت سی احادیث پیش کی ہیں مگر دوسرے فریق کا صرف اپنا قول ہی ہے کوئی حدیث وہ دلیل میں پیش نہیں کرتے پھر ان کا قول بلا دلیل کیسے مانا جاسکتا ہے؟

عقلی دلیل:

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ عقلی دلیل، اس امر پر کہ شیعہ مذہب کی رو سے اس قرآن پر ان کا ایمان ہونا ممکن ہی نہیں، یہ ہے

کہ شیعہ مانتے ہیں کہ یہ قرآن جمع کردہ علیؑ نہیں ہے بلکہ ابوبکرؓ وعثمانؓ کے اہتمام سے جمع ہوا ہے شیعہ ان ہر دو اصحاب کو مسلمان نہیں مانتے بلکہ کافرومنافق سمجھتے ہیں۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک غیر مسلم شخص جمع وترتیب قرآن کے وقت ایسا متدین بن جائے کہ ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ جس دستاویز میں ایک لفظ میں بھی جعل سازی کر کے تغیر وتبدل کردیا جائے وہ ساری دستاویز ردی اور مشکوک ہوجاتی ہے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:

یہ عجیب الزام ہے جو شیعہ جواب سے عاجز ہوکر کمال ڈھٹائی سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ تم بھی تحریف کے قائل ہو.....در منثور یا اتقان میں ایسی روایات ہیں کہ فلاں سورہ اتنی آیات کی تھی اب اتنی ہے.....میں کہتا ہوں کہ ہمارا ایمان در منثور پرنہیں اور نہ ہم امام سیوطی کے مقلد ہیں.....علاوہ بریں اتقان یا درمنثور میں ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ قرآن میں کوئی تحریف کی گئی ہے بلکہ انہوں نے آیات منسوخہ کے اقسام لکھے ہیں۔ایک منسوخ التلاوہ ہے جو پہلے نازل تو ہوئی مگر بعد میں منسوخ التلاوہ ہوگئیں اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے نہ کہ بعد کا.....

کوئی شیعہ حافظ قرآن نہیں ہوسکتا:

اس موضوع پر یہاں ص ۵۷ پر اور آخر کتاب میں ص ۳۷۶ پر بھی اظہار خیال کیا ہے "سنی قرآن کو حرز جان سمجھتے ہیں سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ قرآن سنیوں میں ملیں گے لیکن ان کے مقابلہ میں چراغ لے کر ڈھونڈو اور ہندو پنجاب کی خاک چھان مارو تو ایک حافظ بھی شیعہ سے ملنا دشوار ہے جن لوگوں کے سینوں میں جامعین قرآن کا بغض بھرا ہوا ہے ان میں خدا کی کتاب کا نقش جم نہیں سکتا۔قرآن کا معجزہ مانا ہوا ہے کہ شیعہ میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہوسکتا۔

لطیفہ:

یہاں مؤلف نے چکوال کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے شیعہ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حافظ پیش کریں اگر وہ پانچ پارے صحیح سنادے تو ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا انہوں نے بعد از خرابی بسیار حافظ کفایت حسین صاحب کو پیش کیا جنہوں نے صرف آدھ رکوع میں بیس غلطیاں کیں اور سخت شرمسار ہوئے ہر چند شیعہ کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حافظ قرآن ہم بھی پیدا کریں

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تا نبخشد خدائے بخشندہ

(آفتاب از ص ۳۲ تا ۶۰)

الجواب:

شیعہ کا ایمان بالقرآن

سابقہ مباحث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ شیعہ خیرالبریہ اس قرآن کریم کو خدا کی آخری کتاب الہامی وصحیفہ ربانی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اسی کے اوامرو نواہی پر عمل درآمد کرتے اور کراتے ہیں اسی قرآن کی تفسیر لکھتے ہیں اسی کے ترجے کرتے ہیں اور اسی کے اکرام واحترام کو واجب و لازم سمجھتے ہیں ان کے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نے اسی قرآن کو معیارحق وباطل اور غلط وصحیح حدیث معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے اور اسی کی سورتوں کے نام بنام فضائل اور تلاوت کرنے کے ثواب بے حساب بیان فرمائے ہیں اور شیعہ حسب فرمان آئمہ علیہم السلام قرآن کو مکمل ضابطہ حیات اور حرز جان جانتے اور مانتے ہیں اگر ایمان بالقرآن کے یہی معنیٰ ہیں تو پھر حضرات شیعہ خیرالبریہ بفضلہ تعالیٰ سب مسلمانوں سے بڑھ کر قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر ایمان بالقرآن کا کوئی اور مفہوم ہے تو پھر پہلے اس کی وضاحت کی جائے اور پھر ایمان بالقرآن کا فیصلہ کیا جائے لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ باقرار خود مؤلف ''شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان اس قرآن پر ہے ہم اس کو صدق دل سے مانتے ہیں اور اس پر حلفیں اٹھانے پر بھی آمادہ ہوجاتے ہیں'' (ص ۵۲ آفتاب) اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ''بعض علماء اعلام مثلاً شیخ صدوق وسید مرتضیٰ علم الھدیٰ وشیخ طوسی وطبرسی علیہم الرحمۃ تحریف کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کامل اور صحیح یہی ہے جو بین الدفتین موجود ہے (ص ۵۲) مگر بایں ہمہ ان برادران یوسفؑ کی بارگاہ میں کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور وہ بڑی ڈھٹائی وبے حیائی کے ساتھ بزاخفش کی طرح سر تکبر ہلا ہلا کر برابر یہی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ ''ہم نہیں مانتے''، ''ہم نہیں مانتے''

ع تمہی کہہ دو یہ انداز گفتگو کیا ہے

برادران اسلامی کی یہ روش قرآن وتعلیمات اسلام کے خلاف ہے:

حالانکہ اسی قرآن کا فرمان ہے کہ **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا** (سورہ النساء آیت 94) جو بندہ تم پر سلام کرے تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم اس سے کہو کہ تو مومن نہیں ہے اسلامی غزوات کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک جنگ میں ایک کافر مسلمان کی تلوار کی زد میں آگیا اس نے کہا **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** مگر اس مسلمان نے اس کے کلمے کا اعتبار نہ کیا اور اسے تہ تیغ کردیا آنحضرتؐ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس مسلمان کو بلا کر سرزنش کی کہ جب اس نے کلمہ اسلام پڑھ لیا تھا تو پھر تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ قاتل نے یہ عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ وہ دل سے اقرار نہیں کررہا تھا بلکہ میری تلوار کے ڈر سے کلمہ

پڑھ رہا تھا آنحضور نے فرمایا: اشققت قلبہٗ کیا تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا کہ دل سے نہیں پڑھ رہا؟ اس پر وہ منفعل ہو کر خاموش ہو گیا۔ خدا تو قرآن میں یہ فرماتا ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے دلوں کا بھید وہ جانتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بھائی اس صفت میں اپنے تئیں شریک خدا سمجھتے ہیں جب ہی تو ہمارے اس اقرار و اظہار کو تقیہ کی پیداوار قرار دے کر ہم پر غیر مومن بالقرآن ہونے کا جابرانہ فتویٰ عائد کرتے ہیں چنانچہ آفتاب ہدایت کا مولف رقمطراز ہے (بحث کی خاطر تقیتاً کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے ص ۵۳ آفتاب) حالانکہ ان اقرار کرنے والوں میں ایسے ایسے علماء عظام شامل ہیں جنہوں نے اہلسنت کی رد میں مستقل کتابیں لکھی ہیں پھر اس مسئلہ میں ان کو تقیہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بہر حال یہ تاویل عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے سچ ہے

ع ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

بعض اہل انصاف سنی علما کا اعتراف حقیقت:

یہی وجہ ہے کہ بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کا اسی قرآن پر ایمان ہے اور ان کے بیانات ان کے قلبی واردات کی عکاسی و غمازی کرتے ہیں چنانچہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اپنی کتاب تاریخ القرآن ص ۶۲ تا ص ۶۷ طبع کراچی بذیل عنوان ''شیعہ اور قرآن'' شیعہ اکابر علماء متقدمین و متاخرین کے بیانات شافیہ نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''یہ ان علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں اور ان اقوال میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے کیونکہ ان سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے علماء اہلسنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا اور ابو جعفر قمی کی کتاب ''الاعتقاد'' اور ملا محسن کی ''تفسیر صافی'' یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں اس لیئے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دیں گے۔ اسی طرح مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی مقدمہ تفسیر حقانی ص ۷۳ طبع لاہور پر لکھتے ہیں ''محققین علماء شیعہ سے کوئی بھی اس (تحریف قرآن) کا قائل نہیں ہے'' اگرچہ ہم اپنی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں مگر یہاں بھی بقدر ضرورت اس بحث کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

شیعہ علماء اعلام کا اظہار حقیقت:

رئیس المحدثین جناب شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں ''اعتقادنا (فی القرآن) ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ ھو مابین الدفتین و ھو مافی ایدی الناس لیس باکثر من ذالک (الی ان قال) و

من نسب الينا انانقول انه اکثر من ذلک فھو کاذب۔‘‘

ہمارا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے پاس موجود ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دیتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے (اعتقادات شیخ صدوقؒ ص ۹۳ طبع قم)

ایسا ہی افادہ علامہ سید مرتضیٰؒ، علامہ شیخ طوسیؒ، علامہ طبرسیؒ، علامہ حامد حسینؒ، علامہ بلاغیؒ، علامہ حائریؒ، علامہ خوئیؒ، اور علامہ علی نقیؒ وغیرہم نے اپنی کتب جلیلہ میں فرمایا ہے صرف یہی نہیں کہ یہ نظریہ ان علماء اعلام کی ذاتی رائے کا نتیجہ ہے بلکہ انکا یہ عندیہ آئمہ اطہار علیہم السلام کے ارشادات پر مبنی ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا ہاں البتہ ہم اتنا ضرور کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم کی ترتیب اس کی نزولی ترتیب کے مطابق نہیں ہے اور بعض سورتوں کی بعض آیات دوسرے بعض سورتوں میں درج ہوگئی ہیں اور یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا اعتراف ہمارے مخاطب نے بھی دبے لفظوں میں کرلیا ہے کہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں ہے بلکہ موافق تلاوت رسول خدا اور تعلیم جبرئیل ہے۔ (آفتاب ص ۳۷) جب تم خود بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہو تو پھر اہل تشیع کے خلاف ع۔ یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟ اسمیں تمہاری کوئی مادی غرض اور شکمی مصلحت تو کارفرما نہیں؟

چاہتے ہو قوم میں جوتھی سدا چلتی رہے ☆ کشتی اسلام کے پھر کیوں نہ ہو تم ناخدا

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ موجودہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں ہے یہ کہنا کہ: ’’موافق تلاوت رسول و تعلیم جبرئیل‘‘ یہ بات ناقابل فہم و ادراک ہے اور جس طرح سورتیں نازل ہوتی ہیں کیا ان کے مطابق آنحضرت ان کی تلاوت نہیں فرماتے تھے؟ کیا ترتیب تلاوت مختلف تھی؟ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (سورہ یونس آیت نمبر 35)

جمع قرآن کے سلسلہ میں برادران اسلامی سے چند سوالات:

اسی طرح یہ بات بھی لاینحل معمہ سے کم نہیں ہے کہ ’’بے شک سورہ آیات قران کی ترتیب عہد نبوی میں ہوچکی تھی اور بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ بھی کرلیا تھا اور اسی ترتیب کے مطابق حضرت عثمان نے قرآن کریم کی کتابت کروا کر قرآن پاک کی اشاعت کردی (آفتاب ہدایت ص ۳۸) سچ ہے کہ ایک غلطی کو چھپانے کیلئے کئی غلطیاں کرنی پڑتی ہیں اور ایک جھوٹ کیلئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں لیکن مسلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اولاً یہ کہ اگر بقول مولف عہد رسالت میں قرآن مرتب[1] ہوچکا تھا تو پھر عہد ابی بکر میں اس کی دوبارہ ترتیب کیوں عمل میں لائی گئی؟ ثانیاً اگر پہلے سوال سے قطع نظر کرتے ہوئے عہد

---

[1] (حالانکہ تفسیر اتقان ج 1 ص 58، 59 طبع مصر پر متعدد اخبار و آثار موجود ہیں جن سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حین حیات میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔ منہ عفی عنہ)

شیخین میں کسی ضرورت کے ماتحت ترتیب قران کو جائز بھی تسلیم کرلیا جائے تب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیخین کے جمع کردہ قرآن کی موجودگی میں جناب عثمان کو از سرنو تیسری مرتبہ قرآن کو مرتب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ؟

ثالثاً اگر یہ آخری عثمانی ترتیب شیخین کی ترتیب کے مطابق اور ان کی ترتیب رسول خدا کی ترتیب کے موافق تھی تو عثمان صاحب کو اپنے جمع کردہ قرآن کے علاوہ دوسرے قرآنوں کے جلانے کی کیوں ضرورت پیش آئی ؟ (بخاری شریف ۳ ص ۱۴۰ طبع مصر)۔

رابعاً اگر جناب عثمان کی جمع و ترتیب بالکل ترتیب رسول کے مطابق تھی تو پھر جامع قرآن کے لقب کے جناب رسول خداؐ مستحق ہیں یا عثمان کیا اہلسنت میں کوئی رجل رشید ہے جو ان سوالات کے تحقیقی اور مقنع جوابات دے کر منہ مانگا انعام حاصل کرے! مگر ہم علی وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ☆ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حضرت امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن کیسا تھا؟

اہلسنت ان روایات کو جن میں حضرت امیر علیہ السلام کے قرآن مرتب کرنے کا تذکرہ ہے جامہ عثمان کی طرح خوب اچھالتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن اب امام زمانہ کے پاس ہے۔ لہٰذا ان کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہوسکتا اس سے وہ عوام الناس کو یہ تاثر دینے کی سعیٔ نافرجام کرتے ہیں کہ آنجناب کا جمع کردہ قرآن موجودہ قرآن سے حقیقت اور مطالب کے اعتبار سے بالکل الگ تھلک تھا۔ حالانکہ کتب اہلسنت سے اس کی تائید نہیں بلکہ اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور واضح ہوتا ہے کہ آنجنابؑ نے ترتیب نزول کے مطابق اسے مرتب فرمایا تھا چنانچہ تفسیر اتقان ج ۱ ص ۲۷ طبع مصر میں ہے **قد ورد عن علیؑ انه جمع القرآن علی ترتیب النزول عقب موت النبیؐ اخرجه ابن ابی داؤد کذافی** ص (۶۲، ۶۳) ''یعنی ابوداؤد کے بیان کے مطابق حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد قرآن کو اس کی ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا'' اور مزید برآں اس میں ایسے تفسیری و تشریحی بیانات و اشارات بھی تھے جن سے آیات قرآنیہ کا باہمی ربط اور ان کا شان نزول معلوم ہوجاتا تھا اسی بنا پر عظیم عالم اہلسنت ابن سیرین کہا کرتا تھا کہ ''**لو اصیب ذالک الکتاب کان فیه العلم**'' اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مجید دستیاب ہوجاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آجاتا (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۵ طبع جدید مصر) ابن سیرین سے یہ بھی مروی ہے کہ آنجنابؑ نے اس میں ناسخ و منسوخ کو بھی جمع کردیا تھا (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۵۸)

ان شیعی روایات کا جوموہم تحریف ہیں تحقیقی جواب:

مذکورہ بالا تحقیقی بیان حقیقت ترجمان سے ان شیعی روایات کا حقیقی حل بھی واضح وعیاں ہوجاتا ہے جو بظاہر مدہم تحریف ہیں۔ جن کا ایک شمہ مولف آفتاب نے بھی نقل کیا ہے۔ مثلاً جابر والی روایت کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جوشخص سوائے علی اور ائمہ اہلبیت کے نزول کے مطابق جمع قرآن کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے (اصول کافی) اس میں بھی ''کما انزله الله'' کے الفاظ موجود ہیں اور جن روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی یا جبرئیل اسے یوں لائے تھے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا حقیقی مفہوم جو بموجب ''إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ'' جمعہ جبرئیل امین رب جلیل کی بارگاہ سے لائے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ جملے تفسیری توضیحی تھے اسی طرح وہ روایت جس میں درج ہے کہ امام رضا نے ابن ابی نصر کو قرآن دیا۔ اور اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں بذیل سورہ لم یکن الذین کفروا الخ ستر شخصوں کے نام بقید ولدیت موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ تفسیر وتشریح قرآن تھی نہ کہ تنزیل قرآن یہ ایسا صاف وسادہ مفہوم ہے جو کسی سلیم الطبع اور صحیح الدماغ آدمی پر مخفی ومستور نہیں ہے۔ ع   الله علی اکمہٖ لم یبصر القمرا۔

الزامی جواب:

اور اگر اس مفہوم کے تسلیم کرنے میں برادران اسلام کو انکار ہوتو پھر ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ اگر ایسی روایات کی بنا پر شیعوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہوسکتا تو پھر

ع   این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بعینہٖ اسی قسم کی بکثرت روایات خود اہلسنت کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں اہلسنت کا بھی ایمان قرآن مجید پر نہ ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے لہٰذا۔

ع   یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

اب جب کہ بقول اہلسنت موجودہ قرآن پر شیعیان علیؑ کا ایمان نہیں اور بقول شیعہ اہلسنت کا اس پر ایمان نہیں تو آخر قرآن پر کس کا ایمان ہے شاید غیر مسلمانوں کا ہوگا؟

ع   شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ لیجئے ان روایات کا ایک شمہ ہم بیان کیے دیتے ہیں

وہ روایات اہلسنت جو موہم تحریف ہیں:

(۱) موجودہ قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ یوں پڑھی جاتی ہے حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ وقوموا لِلّٰہِ قانتین جبکہ تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۳۰۲ طبع مصر میں عمرو بن رافع سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں ''کنت کتب مصحفاً لحفصة زوج

النبیؐ فقالت اذ بلغت هذه الایة فاذنی حافظو اعلی الصلوٰت و الصلوة الوسطیٰ فلّما بلغتها أذنتها فاملت علی حافظوا علی الصلوٰت و الصلوة الوسطی و الصلوة العصر و قوموا اللہ قانتین و قالت اشهد انی سمعتها من رسول اللہؐ یعنی میں جناب حفصہ زوجہ رسولؐ کے قرآن کی کتابت کرتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب آیت حافظوا علی الصلوٰت الخ تک پہنچو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو اطلاع دی انہوں نے اس آیت کو اس طرح لکھا ''حافظوا علی الصلوة الوسطی صلاة العصر'' اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس آیت کو جناب رسولؐ خدا سے اسی طرح سنا ہے مگر موجودہ قرآن میں صلوٰة العصر نہیں ہے۔

(۲) موجودہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے ''یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالته و اللہ یعصمک من الناس'' مگر تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر میں جناب ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں ہم اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے ''یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ''ان علیاً مولی المومنین'' و ان لم تفعل فما بلغت رسالته الخ'' مگر آج ان علیاً مولی المومنین ندارد ہے۔

(۳) تفسیر اتقان ج ۱ ص ۲۵ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۸۰ پر متعدد روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے قرآن مجید میں آیت ''رجم'' بھی تھی۔ ابی بن کعب بیان کرتے ہیں ''کنا نقرأ فیها آیة الرجم قلت و ما آیة الرجم؟ قال اذا زنا الشیخ و الشیخة فارجموهما'' اَلْبَتَّةَ نکالاً من اللہ و اللہ عزیز حکیم یعنی ہم اس سورہ (احزاب) میں آیت رجم بھی پڑھا کرتے تھے میں (ذرین حبیش) نے کہا کہ وہ آیت رجم کیا تھی؟ کہا اذا زنا الشیخ الخ مگر موجودہ قرآن میں اس آیت کا کہیں نام و نشان نہیں ہے جناب عمر کہا کرتے تھے ''لو لا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبت آیة الرجم بیدی'' اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے کتاب خدا میں زیادتی کردی ہے تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن مجید میں آیت رجم لکھ دیتا (بخاری ج ۴ ص ۱۶۳ طبع مصر) اس سے جناب عمرؓ کا تقیہ باز ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۴) موجودہ قرآن مجید میں یہ آیت اس طرح ہے ''إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا'' مگر یہ روایات اہلسنت سے ثابت ہوتا ہے کہ ''قبل ان یغیر عثمان المصاحف'' عثمانؓ کے قرآن مجید میں تغیر و تبدل کرنے سے پہلے جناب عائشہؓ کے مصحف میں اس آیت کا تتمہ اس طرح تھا ''و علی الذین یصلون الصفوف الاول'' مگر آج یہ تتمہ موجود نہیں ہے (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۲۲۰ و اتقان ج ۲ ص ۲۵)

(۵) موجودہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے کفی اللہ المؤمنین القتال لیکن اہلسنت کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں آیت یوں نازل ہوئی تھی ''کفی اللہ المؤمنین القتال بعلی بن ابی طالبؑ'' (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۶۱) مگر موجودہ قرآن

میں اس آیت کے اندر جناب امیر علیہ السلام کا اسم گرامی موجود نہیں ہے بنظر اختصار اسی مختصر مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ

ع سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کیلئے۔

؎ اندکے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدیم ☆ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

قارئین کرام نے بچشم خود ملاحظہ فرمایا ان روایات کا لب ولہجہ بعینہ وہی ہے جو شیعہ روایات کا ہے لہٰذا بات بالکل واضح ہے کہ اگر ان روایات کی بنا پر شیعیان علیؑ کا قرآن پر ایمان نہیں ہوسکتا تو پھر ان روایات کی وجہ سے اہلسنت کا بھی قرآن پر ایمان نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ اپنے ایمان بالقرآن کو ثابت کرنے کے لئے جو جواب ان روایات کا پیش کرینگے بعینہ وہی جواب ہماری طرف سے بھی ہماری روایات کا سمجھ لیں فما هو جوابکم فهو جوابنا یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر مولوی کرم الدین آف بھیں بقول خود ''امام جلال الدین سیوطی کے مقلد نہیں'' تو ہم بھی ثقۃ الاسلام کلینیؒ اور ان کے استاد محترم جناب علی بن ابراہیم قمیؒ کے مقلد نہیں ہیں (اور جہاں تک ان کی نقل کردہ روایات کا تعلق ہے ان کا حل ہم نے پیش کر دیا ہے)۔

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ☆ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

نسخ والی تاویل علیل کا ابطال:

مولوی کرم دین صاحب نے ان روایات سے اپنا گلو خلاصہ کرنے کے لئے ''نسخ'' کا کمزور سہارا لینے کی بیجا کوشش بھی کی ہے کہ ''آیات نازل تو ہوئیں مگر بعد میں منسوخ التلاوہ ہوگئیں اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے نہ بعد کا'' یہ تاویل بچند وجوہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہونے کیوجہ سے قابل اعتبار نہیں ہے۔

اولاً: نسخ صرف عہد رسالت میں واقع ہوسکتی ہے نہ کہ ان کے بعد چنانچہ تفسیر اتقان جلد ۲ ص ۲۶ طبع مصر میں بالوضاحت لکھا ہے کہ ''غیر جائز نسخ شئی من القرآن بعد وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی وفات رسولؐ کے بعد نسخ قرآن جائز نہیں ہے'' مگر ان روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ عثمانؓ کے تغیر و تبدل کرنے سے پہلے ازواج النبی فلاں آیت کو اس طرح پڑھتی اور لکھواتی تھیں اور فلاں فلاں صحابی فلاں آیت کو اس طرح پڑھتے تھے۔ اگر فی الواقع وہ آیات منسوخ ہوگئی تھیں تو کیا رسولؐ کی گھر والیوں کو اس بات کا علم نہ تھا جس کا مولوی کرم دین کو ہوگیا؟

؎ سر خدا را کہ عارف سالک بکس نگفت ☆ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

ثانیاً: نسخ کے چند شرائط ہیں جب تک وہ موجود نہ ہوں اس وقت تک کسی آیت کو منسوخ تصور نہیں کیا جاسکتا منجملہ ان شرائط کے ایک یہ ہے کہ ''انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا'' یعنی نسخ کے سلسلہ میں صرف جناب رسولؐ خدا کی صریح حدیث یا کسی صحابی کے صریحی قول پر ہی اعتماد کیا جاسکتا ہے

جس میں یہ وضاحت ہو کہ فلاں آیت نے فلاں آیت کو منسوخ کر دیا ہے (اتقان ج ۲ ص ۲۴) دوسری یہ کہ نسخ کے متعلق سوائے حدیث صحیح یا بینہ و برہان کے صرف عام مفسرین کے قوم بلکہ آئمہ مجتہدین کے اجتہاد پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (اتقان ج ۲ ص ۲۴)

بعد ازیں مولوی کرم الدین صاحب جو بیچارے نہ مفسر ہیں اور نہ مجتہد ان کے کھوکھلے دعویٰ کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ ہاں اگر ان کے ہمنواؤں میں کچھ علمی دم خم ہے تو اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح پیش کریں اور اپنے علم و فضل اور وسعت نظری کی ہم سے داد لیں فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔(سورہ البقرہ آیت 24)

ثالثاً: ارشاد قدرت ہے مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ''ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس سے جیسی اور آیت لاتے ہیں'' (سورۃ بقرہ آیت ۱۰۶) اس ارشاد ربانی سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ جس قدر آیات منسوخ ہوں اتنی ہی ناسخ آیات موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر نسخ کے دعویدار اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو وہ ان آیات کی ناسخ آیات پیش کریں۔ اور ہم سے ایک ہزار روپیہ نقد بطور انعام حاصل کریں کوئی ہے مرد میدان جو حاصل کرے یہ انعام؟

ع کس بمیداں در نمی آید سوراں را چہ شد؟

بعض علماء کا نظریہ پورے مذہب کا نظریہ نہیں ہوسکتا:

جب مؤلف آفتاب ہدایت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''اس مسئلہ میں علماء شیعہ کے درمیان اختلاف ہے بعض تحریف کے قائل ہیں اور بعض اس کے منکر'' (ص ۵۲ آفتاب) تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بعض علماء کے نظریے کو پورے مذہب کا نظریہ قرار دیتے ہوئے پورے مذہب کو مطعون کیا جائے الغرض جب تک کسی مذہب کے تمام ذمہ دار علماء کا کسی نظریہ پر اتفاق نہ ہو اس وقت تک اس مذہب کا نظریہ قرار نہیں دیا جاسکتا باقی رہا مولوی صاحب موصوف کا یہ کہنا کہ ''دوسرے فریق (یعنی منکرین تحریف) کا صرف اپنا قول ہی ہے کوئی حدیث دلائل میں وہ پیش نہیں کرتے پھر ان کا قول بلا دلیل کس طرح مانا جاسکتا ہے'' (ص ۵۳) تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ فریق اپنے نظریے کے ثبوت میں آئمہ معصومینؑ کے ارشادات پیش کرتا ہے مگر ان کے دیکھنے کیلئے دیدۂ بینا چاہیئے۔

ع۔ دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

موجودہ قرآن کی توثیق از آئمہ اہلبیتؑ:

لیجئے ہم ذیل میں ان احادیث و ارشادات کا ایک شمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

(۱) جناب امیر علیہ السلام اسی موجودہ قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں ''ان اخذتم بما فيه نجوتم من النار و دخلتم الجنة'' اگر تم نے اس پر عمل کیا تو جہنم سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے (احتجاج طبرسی ص ۱۸۲ طبع نجف)

(۲) حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین ۔۔۔ الخ'' اور یہ قرآن وہی ہے جو کچھ دو دفتیوں میں موجود ہے'' (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۷)

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اقرأوا کما یقرء الناس۔ قرآن کو اسی طرح پڑھو جس طرح دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں (مقدمہ سادسہ تفسیر صافی) حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اجمعت الامۃ قاطبۃ لا اختلاف بینھم فی ذلک ان القرآن حق لا ریب فیہ عند جمیع فرقھا (الی ان قال علیہ السلام) فاذا شھد الکتاب بتصدیق خبر و تحقیقہ فانکرتہ طائفۃ من الامۃ وعارضہ بحدیث من ھذہ الاحادیث المزورۃ فصارت بانکارھا و دفعھا الکتاب کفار أضلالاً الخ'' یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں پس جب قرآن کسی حدیث کی شہادت دے دے اور امت کا کوئی گروہ اس کا انکار کر دے اور کسی من گھڑت حدیث کو اسکے مقابلہ میں پیش کر دے تو وہ اس انکار کی وجہ سے گمراہ اور کافر بن جائے گا (احتجاج طبرسی ص ۲۴۹ طبع النجف)

روایت صادقؑ کا جواب:

باقی رہی وہ روایت صادقؑ جس میں وارد ہے کہ قرآن سترہ ہزار آیات تھیں اور موجودہ قرآن کی آیات بقول مولف ۶۶۶۶ ہیں (ص ۳۴ آفتاب) بعداز تسلیم صحت سند اس کے دو جوابات دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلا جلی جواب:

محققین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن کے رکوعات و آیات کی تقسیم اور ان کا تجزیہ پیغمبر اسلامؐ سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ محض تلاوت کی سہولت کی خاطر بعد کی پیداوار ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہ اختلاف آیات کی کمیت (مقدار) کے اختلاف پر مبنی ہو یعنی بعض نے ایک حصہ قرآنی کو ایک آیت شمار کیا ہو اور بعض نے اس دو آیتیں قرار دے دیا۔ چنانچہ ابن عباس کا قول ہے کہ ''جمیع آی القرن ستۃ آلاف آیۃ و ستمائۃ آیۃ و ست عشرۃ آیۃ'' یعنی آیات قرآنی کی کل تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) ہے (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۶۷ طبع مصر) فاضل درنی چھ ہزار قرار دیتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ چھ ہزار دو سو چار ہیں (اتقان ج ۱ ص ۶۹) اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی حمائل مترجم میں جو انڈکس دیا ہے اس میں ۶۲۶۳ آیات درج ہیں اور مولوی کرم دین صاحب ۶۶۶۶ بتاتے ہیں۔ تو اس اختلاف کی سوائے اس کے اور کیا تاویل کی جاسکتی ہے چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور دیگر کئی علماء نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔

دوسرا الزامی جواب:

عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے "لا یقولن احد کم قد اخذت القرآن کلہ و ما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر" "تم میں کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن شریف حاصل کرلیا ہے اسے کیا خبر کہ پورا قرآن شریف کتنا تھا؟ بہت سا قرآن تو جا چکا ہے" (تفسیر در منثور ج ۱ ص ۲۵)، (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۲۵ طبع لاہور) تو جو جواب اہل سنت اس روایت کا دیں گے حذو النعل بالنعل و القذۃ بالقذۃ۔

جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ والے ایراد کا جواب:

مؤلف آفتاب نے شیعہ کے متعدد قرآن کا نرالا عنوان قائم کر کے اس کے ذیل میں جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ والی روایات کو جو غلط انداز اور غلط ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے اس سے انہوں نے اپنے علم و فضل اور دین و دیانت کا بھانڈا چورا ہے پر پھوڑ دیا ہے سچ ہے۔

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلشن اندر طعنۂ پاکان زند

اہل علم و بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ائمہ طاہرینؑ کے خداداد معارف و علوم کے مختلف طرق و انحاء میں سے چند طریقے جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ بھی ہیں۔ جو مختلف معارف آفاقیہ، حقائق کونیہ، علوم انفسیہ اور حالات گذشتہ و آئندہ نیز حلال و حرام کی تفصیلات پر مشتمل کتابیں ہیں جامعہ کے متعلق روایت میں لفظ "صحیفہ" اور مصحف فاطمہؑ کے متعلق لفظ "مصحف" وارد ہے۔ صحیفہ و مصحف کا ترجمہ قرآن کرنا جہالت یا ابلہ فریبی کی بدترین مثال ہے حالانکہ عربی زبان کے طفل مکتب بھی جانتے ہیں کہ صحیفہ کے لغوی معنی قرطاس مکتوب کے ہیں (یعنی وہ کاغذ جس پر کچھ لکھا ہوا ہو) اور مصحف کے معنیٰ ہیں "کتاب" اگر قرآن مجید کو صحیفہ یا مصحف کہا جاتا ہے تو بھی اسی اعتبار سے کہ وہ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب ہے قرآن کو صحیفہ یا مصحف کہنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ہر صحیفہ و مصحف قرآن ہے یہاں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے فتدبر و لا تکن من الجاحدین۔

؎ جس کے پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے ☆ ہر ہاتھ کو غافل ید بیضا نہیں کہتے!

اسی طرح جفر کے متعلق روایت میں دعاء من ادم (چمڑے کا ایک ظرف) وارد ہے۔ بھلا اس کو قرآن سے کیا ربط ہے؟ واہ مولوی کرم الدین جی واہ! ع این کار از تو آید و مرد آن چنین کنند۔ نعم ما قیل

؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام ☆ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ہم نے سطور بالا میں جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ کی بالاجمال جو تشریح کی ہے یہ اصول کافی کے متعلقہ ابواب دیکھنے سے

باآسانی واضح ہوجاتی ہے چنانچہ جفر کے متعلق امام جعفر صادق نے فرمایا ''دعاء من ادم فیه علم النبیین و الوصیین و علم العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل '' (اصول کافی ص ۱۱۸ طبع ایران) ''وہ چمڑے کا ایک تھیلا ہے جس میں انبیاؑ واوصیاءؑ اور بنی اسرائیل کے علماء کا علم موجود ہے'' اسی طرح مصحف فاطمہؑ میں بعض علوم ما یکون کا تذکرہ ہے اور جامعہ میں مسائل حلال وحرام کی تفصیلات مذکور ہیں بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے بھی ان صحف کی صحت اور وجود کا اعتراف کیا ہے چنانچہ شواہد النبوۃ جامی ص ۱۸۷ طبع نولکشور میں بذیل حالات امام ششم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لکھا ہے یہ کتاب جفر مشہور ہے جو آئمہ اہلبیت کے علوم واسرار پر مشتمل ہے اس کا تذکرہ امام رضاؑ کے کلام میں بالوضاحت موجود ہے جب مامون نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہا تو امام نے فرمایا جفر و جامعہ اس کے خلاف رہنمائی کرتے ہیں الخ اسی طرح کتاب نسیم الریاض شرح شفا الخفاجی طبع مصرج ا ص ۱۳۱ پر ''مصحف فاطمہؑ'' کا تذکرہ موجود ہے نیز کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون مطبوعہ مصر میں بھی جفر وجامعہ کی پوری پوری تشریح وتوضیح موجود ہے اور چونکہ یہ اشیاء تبرکات امام سے ہے اس لیے وہ امام العصر والزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے پاس موجود ہے دوسرے لوگوں سے ان کا نہ پہلے تعلق تھا اور نہ اب ہے فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید۔

بقول اہلسنت قرآن میں غلطیاں ہیں:

مولوی صاحب نے بموجب آنیکہ نزلہ ہر عضو ضعیف می ریزد حضرت علامہ حائری مرحوم کے تلمیذ رشید مولانا مرزا احمد علی صاحب مرحوم پر جو نزلہ گرایا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ حاشا وکلا کوئی بھی شیعہ کبھی یہ جرأت و جسارت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے تو آپ کے بزرگوں کا کاشتہ برداشت کیا ہے۔ اور آپ کے خلفا کا آموختہ دہرایا ہے اگر شک ہو تو ذرا امام جلال الدین سیوطی کی کتاب الاتقان ج ا ص ۱۰۳ طبع مصر اٹھا کر دیکھیں۔ یہ بحث بہت طویل ہے صاحب استقصاء الافحام نے پورے تیس صفحات تک اسے پھیلا کر لکھا ہے ہم صرف بطور نمونہ دو چار حوالے پیش کرتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ قرآن میں غلطیوں کا کونسا فرقہ اور کس فرقہ کے پیشوا قائل ہیں۔

۱۔ جناب عثمان کے حکم سے کتاب قرآن مکمل ہوگئی اور قرآن ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد کہا: ان فی القرآن لحناً و سیقمه العرب بالسنتها۔ یعنی قرآن میں کچھ غلطیاں ہیں عرب انہیں خود بخود درست کرلیں گے (تفسیر معالم التنزیل ص ۵۷۹ طبع بمبئی، اتقان ج ا ص ۶۷، مشکل القرآن لابن قتیبه ص ۳۷۰)

۲۔ انّ هذان لساحران قالوا ذلك خطا من الكتاب اس آیت کے بارے میں کہا کہ کاتبوں سے غلطی ہوگئی ہے کہ انّ هذين کی بجائے انّ هذان لکھ دیا۔ وقيه كفاية لمن ادنى دراية۔ (معالم التنزیل واتقان)

۳۔ لكن الراسخون فی العلم منهم والمؤمنون يؤمنون بما انزل اليک و ما انزل من قبلک والمقيمينَ الصلوة اس

آیت میں واالمقیمین الصلوۃ کے متعلق جناب عائشہ اور ابان بن عثمان کا فیصلہ ہے کہ یہ غلط ہے (دراصل اسے والمقیون الصلوۃ ہونا چاہیئے تھا) (تفسیر اتقان)

عقلی دلیل کا جواب:

باقی رہا یہ امر کہ جس جامع قران کے ایمان پر شیعہ کو ایقان نہیں اس کے جمع کردہ قرآن پر وہ کس طرح ایمان لا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ ہم اس لئے اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے آئمہ معصومینؑ نے اس کی توثیق کردی ہے جیسا کہ سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اگر ان کی توثیق نہ ہوتی تب البتہ ہمارے لئے اس پر اعتماد کرنا مشکل ہو جاتا مگر جب علمی مشکل کشاؤں نے یہ مشکل حل کردی ہے تو اب اس کی وثاقت میں کوئی اجمال واشکال باقی نہیں رہ جاتا والحمدللہ علی احسانہ۔

شیعہ میں حافظ قرآن نہ ہونے کا مضحکہ خیز استدلال:

سچ ہے کہ ''الغریق یتشبث بکل حشیش'' جس طرح ڈوبنے والا تنکے کا سہارا تلاش کرتا ہے اسی طرح ان حضرات کو جب اپنے مذہب کی صداقت پر عقلی ونقلی دلائل و براہین نہیں ملتے تو ایسے عجیب وغریب مذبوحی حرکات کرتے ہیں مماتضحک منه الثکلی۔ بھلا اس بات میں بھی کوئی وزن ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے اگر افریقہ کے صحرائے اعظم میں یا قرون مظلمہ میں کوئی شخص ایسی بے پر کی اڑاتا ہے تو اس کا صحیح مقام ''پاگل خانہ'' ہے ہم نے توثقہ آدمیوں سے سنا ہے کہ عیسائیوں اور آریوں میں بھی حافظ قرآن ہوتے تھے اور ہیں اور ہم نے قرآن میں یہ پڑھا ہے کہ شیطان لوگوں کو قرآن بھلاتا ہے **فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ** (اور یہ شیطان کا ہی فعل ہوسکتا ہے) مگر برادران اسلام یہ کہتے ہیں کہ ''اصحاب ثلاثہ'' لوگوں کو قرآن بھلا دیتے ہیں۔ اب ارباب دانش وبینش خود غور فرمائیں کہ اصحاب ثلاثہ کی توہین یہ لوگ کرتے ہیں یا ہم؟ سچ ہے کہ نادان دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

بعض شیعہ حفاظ کا تذکرہ:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذہب شیعہ میں ہمیشہ بڑے بڑے حافظ قرآن رہے ہیں اور رہینگے۔ امامیہ مشن لکھنو نے دو جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ''تذکرہ حفاظ شیعہ'' ہے جس میں صرف شیعہ حفاظ کے حالات وسوانح حیات مذکور ہیں اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ کرام موجود ہیں۔ ذیل میں بعض حفاظ کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں:

(۱) صدر الحفاظ والوعاظ مولانا الحاج حافظ سیف اللہ صاحب جعفری مدظلہ[1] آف چونیاں ضلع قصور (۲) رئیس الحفاظ حافظ عبدالعلی صاحب آف جمن شاہ ضلع مظفر گڑھ (۳) رئیس الحفاظ حافظ راجہ محمد عنایت صاحب آف گڑھا تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم (۴) زعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ سید ریاض حسین صاحب نجفی علی پور مظفر گڑھ (۵) افتخار الحفاظ حافظ شیر خان چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا (۶) فخر الحفاظ مولانا حافظ سید محمد سبطین صاحب آف علی پور ضلع مظفر گڑھ (۷) عماد الحفاظ مولانا سید محمد حسین صاحب آف علی پور (۸) فخر الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف رجوعہ ضلع جھنگ (۹) نخبۃ الحفاظ حافظ شیر محمد صاحب آف جسوال تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (۱۰) زبدۃ الحفاظ حافظ سید قادر علی شاہ صاحب آف بھابڑہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۱) عمدۃ الحفاظ حافظ سید فضل حسین صاحب آف کوٹلہ قائم علی شاہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (۱۲) ظہیر الحفاظ جناب مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب آف پنڈ دادنخان ضلع جہلم (۱۳) فخر الحفاظ حافظ اقبال حسین صاحب آف نبی شاہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۴) نعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ غلام حیدر صاحب آف چک نمبر ۸ آف گھوڑ پور تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۵) قیم الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف وجھ ضلع سرگودھا (۱۶) عمدۃ الحفاظ حافظ قاری نور محمد صاحب آف پنڈی گھیپ ضلع اٹک (۱۷) معین الحفاظ حافظ محمد سبطین صاحب آف لڑی بجیال تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم۔ وغیرہم کثر اللہ مثالھم۔

شیعہ حفاظ قرآن کی قلت کی وجہ:

ہاں یہ درست ہے کہ جس طرح بمقابلہ برادران اسلامی ہماری تعداد کم ہے اسی نسبت سے ان کے حفاظ کے بالمقابل ہمارے حفاظ کرام کی تعداد بھی قلیل ہے (وقلیل من عبادی الشکور) ان کے ہاں کثرت کی وجہ وہ نہیں جس کا ذکر مؤلف نے کیا ہے بلکہ یہ بدعت عمر (نماز تراویح) کی برکت ہے ان کی اکثریت دنیوی فائدہ کی خاطر قرآن حفظ کرتی ہے اور ہماری اقلیت محض ثواب اخروی کی خاطر یاد کرتی ہے وشتان ما بینھما۔

؎ سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ☆ ببیں تفاوت راہ کجا است تا بکجا

آخر کلام میں مولف نے چکوال میں شیعوں کو اپنے جس چیلنج کرنے اور رئیس الحفاظ حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم کو بلائے جانے اور ان کے ناکام ہونے کا جو لطیفہ بیان کیا ہے وہ اہلیان چکوال کے ثقہ بیان کے مطابق بالکل کثیفہ ہے اس مناظرہ کے دیکھنے والے بفضلہ تعالیٰ کچھ ذمہ دار افراد آج بھی بقید حیات موجود ہیں۔ جو شیعہ علماء وحفاظ کی نمایاں کامیابی کے چشم دید گواہ ہیں۔ نہ معلوم

---

[1] اب مرحوم ہو چکے ہیں آپ کا انتقال 12 اگست 1400 ہجری بمقام میو ہسپتال لاہور ہوا اور چونیاں ضلع قصور میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا، انکی وفات سے مذہب وملت کی دیوار میں وہ رخنہ اور شگاف پیدا ہوا ہے جس کے پر ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے۔ جادرت، عدائی وجاور بہ۔ شان بین جوارہ و جواری (سوگوار مصنف)

بزعم خود "صدیق" کے ماننے والوں کی آنکھوں کا پانی کہاں ڈھلک گیا ہے کہ ان کو صریح کذب بیان کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی سچ ہے۔

ع۔ بے حیا باش و ہر چہ خواہی گو

اس مناظرہ کی مکمل روائیداد کتاب "میزان المقال در مناظرہ چکوال" میں مندرج ہے تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

جہاں تک امام زمانہؑ اور قاتلان سید الشہداء کے مذہب کے متعلق صاحب کتاب کی ہرزہ سرائی کا تعلق ہے تو ہم اس کتاب کے ان مناسب مقامات پر جہاں بالتفصیل مؤلف نے ان موضوعات کو چھیڑا ہے ان پر مفصل نقد تبصرہ کرینگے انشاء اللہ قارئین کرام انتظار فرمائیں **فقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلناه هباءً منثوراً**۔ اب ہم ذیل میں ان کے مایہ ناز مسئلہ "مدح صحابہ" کا تذکرہ مع اپنے تبصرہ کے پیش کرتے ہیں و بیدہ ازمۃ التحقیق و ھو خیر رفیق۔

فضائل اصحاب ثلاثہ کا ثبوت قرآن کریم سے

اس عنوان کے تحت مؤلف کتاب نے ص ۶۰ سے لے کر ص ۱۰۰ تک وہ آیات قرآنی درج کی ہیں جن سے بزعم خویش "اصحاب ثلاثہ کے فضائل روزِ روشن کی طرح واضح ہیں" (ص ۶۰) اس سلسلہ میں انہوں نے اٹھائیس عدد آیات مبارکہ کو پیش کر کے ان سے استدلال کیا ہے ہم انہی کی ترتیب کے مطابق نمبروار یکے بعد دیگرے ان آیات کو انہی کے ترجمہ اور خلاصۂ استدلال کے ساتھ درج کرنے کے بعد بڑے اختصار مگر دلائل قاہرہ کے ساتھ ثابت کریں گے کہ ان آیات کا فضائل ثلاثہ کے ساتھ اتنا بھی ربط و تعلق نہیں ہے جتنا کہ سراب کا آب کے ساتھ ہوتا ہے معزز قارئین سے التماس ہے کہ وہ فریقین کے کلام و بیان اور دونوں کے استدلال کو بنظر انصاف دیکھنے کے بعد حق و باطل کا فیصلہ کریں اِعۡدِلُوا هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰ !

پہلی آیت وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورہ انفال آیت نمبر 74)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جنہوں نے مسلمان مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ لوگ بالتحقیق مؤمن ہیں ان کے لئے غفران اور اعلیٰ نصیب بہشت ہے"

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بڑے صفائی سے کھلے الفاظ میں اصحابِ ثلاثہ کے ایمان حقیقی اور ان کے بخشا جانے اور جنتی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے اصحاب ثلاثہ بے شک والذین آمنوا کے پورے طور پر مصداق ہیں اور آنحضرت کے

ساتھ ایمان لائے۔اپ کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی کفار سے جہاد کئے الخ۔۔

الجواب:

قبل اس کے اس استدلال کا جواب دیا جائے قارئین کرام ایک قاعدہ کلیہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے جو نہ صرف یہاں بلکہ آئندہ تمام متعلقہ آیات ومباحث میں بھی بہت کارآمد وسود مند ثابت ہوگا۔اور وہ یہ ہے کہ بموجب ''القرآن یفسر بعضه بعضاً'' (بعض قرآن دوسرے بعض قرآن کی تفسیر کرتا ہے)۔جہاں بھی قرآن میں صرف اسلام وایمان لانے یا صرف ہجرت ونصرت کرنے یا صرف بیعت رسول کرنے پر بے حساب اجر وثواب بیان کئے گئے ہیں وہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہیں اگر وہ شرائط پائے گئے تو ثواب بھی ملے گا اور دوسرے آثار بھی مرتب ہوں گے اور اگر وہ شرائط نہ پائے گئے تو نہ وہ ثواب ملے گا اور نہ ہی دوسرے آثار مرتب ہوں گے کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط۔وہ شرائط اگرچہ بہت ہیں مگر سب کی بازگشت تین بڑے شرائط کی طرف ہے جو یہ ہیں: (۱)ایمان،(۲)عمل صالح مع اخلاص،(۳)استقامت اور خاتمہ بالخیر۔ذیل میں بقدر ضرورت ان ہر سہ شرائط کی وضاحت کی جاتی ہے۔

حصول ثواب اور کسب فضائل کے شرائط کے بیان:

پہلی شرائط ایمان ہے قرآن مجید کی مختلف کڑیاں باہم ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول ثواب کی پہلی شرط خالص ایمان ہے چنانچہ ارشادات قدرت ہے: **وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا** (سورۃ توبہ آیت ۷۲) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے اللہ نے (بہشت کے) باغوں کا وعدہ کرلیا ہے جن کے تلے نہریں (پڑی) بہہ رہی ہوں گی (اور وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد) اس سے معلوم ہوا کہ وعدہائے جنت صرف اہل ایمان سے ہیں۔مزید برآں دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔**إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ** (سورۃ اعراف آیت ۵۰) خدا نے جنت اور اس کی نعمتیں کافروں پر حرام قرار دے دی ہیں لہٰذا جب بھی خدا اہل ایمان کے کسی گروہ سے دخول جنت وغیرہ کا کوئی وعدہ فرمائیگا تو کسی بھی شخص کو اس گروہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کی اچھی طرح چھان بین کرنا لازم ہوگی کہ آیا اس شخص میں ایمان پایا جاتا ہے یا نہ؟

دوسری شرط عمل صالح ہے:

چونکہ ایمان ایک کیفیت قلبی ہے جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے **وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ** سورہ الحجرات آیت نمبر 14 لہٰذا ایک ظاہر بین انسان کیلئے اس کے وجود کی تصدیق کرنے کے لئے عمل صالح کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ظاہر آئینہ

باطن ہوتا ہے لہٰذا اس کے بغیر نہ ایمان مکمل ہوسکتا ہے اور نہ ہی ثابت وراسخ چنانچہ ارشاد قدرت ہے: ''إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ '' (سورۃ حج آیت ۱۴) جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کو خداوند کریم ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ''وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ '' (سورۃ شوریٰ آیت ۲۲) جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کیئے خدا ان کو باغہائے بہشت کے سبزہ زاروں میں داخل کرے گا وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لئے موجود ہوگا یہی تو خدائے کریم کا بڑا فضل واحسان ہے۔'' إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ '' (سورۃ العصر آیت ۲، ۳) قسم ہے زمانہ کی تمام لوگ خسارے میں ہیں سوائے انکے جو ایمان اور عمل صالح بجالائے'' إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا '' (سورۃ بینہ آیت ۷، ۸) بے شک جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی جزا یہ ہے کہ ان کے رہنے کیلئے باغ بہشت ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں اور ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ایمان کا ثمرہ مشروط ہے اعمال صالحہ کیساتھ۔

ع۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی (ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ کی روح ''اخلاص'' ہے ارشاد قدرت ہے: ''اعبدو الله مخلصين له الدين'' یعنی خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے)۔

تیسری شرط استقامت اور خاتمہ بالخیر ہے:

اس سلسلہ کی آخری اور اہم شرط جو فی الحقیقت چند شرائط کی جامع ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایمان پر ثابت قدم رہے اس کی صداقت وحقانیت میں شک وشبہ نہ کرے اور اسی پر اسکا خاتمہ بھی ہو۔ کیونکہ اسی پر نجات کا دارومدار ہے آنحضرت کا ارشاد ہے: انما الاعمال بالخواتم (بخاری ومسلم مشکوۃ باب الایمان بالقدر) نیز اس اثناء میں اس سے کوئی ایسا جرم بھی سرزد نہ ہو جو حبطِ اعمال کا موجب ہو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

(۱) إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورۃ احقاف آیت ۱۳، ۱۴) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ پروردگار اللہ ہے (پھر آخر تک) اسی عقیدے پر قائم رہے تو (آخرت) میں نہ تو ان پر (کسی قسم کا) خوف ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر رہیں گے یہی تو ہیں اہل جنت کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ ان کے عملوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں کرتے رہے۔

(۲) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ

الصَّادِقُونَ (سورۃ حجرات آیت ۱۵) پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا اور اللہ کے رستہ میں اپنی جان و مال سے کوشش کی حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (سورۃ حجرات آیت ۲) مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو اور نہ ان کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسے تم ایک سے ایک زردر سے بولا کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

(۴) الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (سورۃ انعام آیت ۸۲) جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں بے انصافی کی آمیزش نہیں کی یہی لوگ ہیں جو امن واطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر بھی ہیں۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (سورۃ محمد آیت 33) مسلمانو! اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کے حکم پر چلو (اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔

(۶) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (سورۃ کہف آیت ۱۰۳، ۱۰۴) اے پیغمبر کہہ دو! تر وہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں، ہاں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی کوشش سب گئی گزری ہوئی اور وہ اپنی غلطی فہمی سے اسی خیال میں ہے کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورۃ الانفال آیت ۱۵، ۱۶)

(۸) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ (سورۃ نور آیت ۶۲) سچے مسلمان تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کسی ایسی بات کیلئے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے پیغمبر کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک پیغمبر سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔

(۹) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۴۲) کیا تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے۔ حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں ں کو جانچا ہے جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا ہے جو (لڑائی میں) ثابت قدم رہتے ہیں۔

(۱۰) وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ

اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡءُ الدَّارِ (سورۃ رعد آیت ۲۵) اور جو لوگ خدا کے ساتھ پکا قول و قرار کر کے پیچھے عہد شکنی کرتے اور جن تعلقات کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو توڑتے اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے پھٹکار ہے اور ان کے لیئے پھٹکار کے علاوہ برا انجام بھی ہے (ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی) ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگی کہ جب تک ان تمام شرائط کو ملحوظ نہ رکھا جائے اس وقت تک کسی شخص کو اللہ کے وعدوں کس مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان شرائط کو پیش نظر رکھے بغیر صرف بعض مطلق آیات پر نظر کر کے کوئی نظریہ قائم کرنے والا شخص ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی اس حدیث کہ ''ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات دخل الجنۃ'' (جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ دے اور پھر مر جائے وہ داخل جنت ہوگا) (بخاری ج ا ص ۱۴۲ طبع مصرج ۴ ص ۱۹ مشکوۃ کتاب الایمان فصل اول ص ۶ طبع دہلی) پر نظر کر کے یہ عندیہ قائم کرو کہ نجات کے لئے صرف کلمہ توحید کا اقرار کر لینا کافی ہے اور کسی عقیدہ و عمل کی ضرورت نہیں ہے تو جس طرح بلا شبہ یہ استدلال غلط ہے اسی طرح احتجاج بھی غلط ہے جس طرح یہاں بموجب ''الاحادیث یفسر بعضھا بعضاً'' کہا جاتا ہے کہ کلمہ توحید مفید ضرور ہے مگر بشرطہا و شروطہا

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل؟ ☆ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اسی طرح وہاں بھی بموجب القرآن ''یفسر بعضہ بعضاً'' دوسری آیات کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ جب تک دوسرے شرائط موجود نہ ہوں اس وقت تک صرف ہجرت کرنا یا نصرت کرنا یا بیعت کرنا نجات کیلئے کافی نہیں ہے۔

اس تمہیدی بیان حقیقت ترجمان کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وہ لوگ (اس کے محبوب القلوب اصحاب ثلاثہ) اس پیش کردہ آیت مبارکہ میں داخل نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت مبارکہ میں جن لوگوں سے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱)۔ایمان، (۲)۔ہجرت، (۳)۔جہاد، (۴)۔پناہ دینا، (۵)۔نصرت کرنا۔ آخری دو صفتوں کا تعلق تو چونکہ انصار سے ہے۔ اور یہ حضرات مہاجرین میں شمار کئے جاتے ہیں اس لئے ان صفتوں کا تو ان میں تلاش کرنا ہی عبث ہے۔ البتہ پہلی تین صفتوں کے متعلق گذارش ہے کہ قطع نظر دوسری شرائط کے یہاں ان تینوں صفات میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں نہ خالص ایمان ہے نہ خالص ہجرت ہے اور جہاد کا فقدان تو عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت ذیل میں تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اصحاب ثلاثہ کے ایمان کا بیان

حضرت ابو بکر کا ایمان:

کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت پیغمبر اسلام سے کچھ عرصہ قبل ایک راہب نے جناب ابو بکر کو خبر دی تھی کہ عنقریب ایک دعویدار نبوت ظاہر ہوگا اور تمہیں ان کی وجہ سے بڑے دنیوی فوائد حاصل ہونگے حتی کہ ان کی وجہ سے تمہیں

حکومت ہاتھ آئے گی (تاریخ الخلفاء ص ۲۳ صواعق محرقہ ص ۴۵ سیرۃ حلبیہ ج ا ص ۳۱۰ ازالۃ الخلفاء مقصد ۲ ص ۸، ۹ طبع صدیقی بریلی) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی طمع و لالچ میں آ کر آپ نے حسبِ ظاہر اسلامی کلمہ پڑھا کیونکہ ابتداء اسلام میں آنحضرتؐ کے پاس کوئی خاص مال ومنال نہ تھا مگر چونکہ راہب نے (جس کی پیشنگوئی پر آپ کو پورا یقین تھا) ملکی فتوحات اور غنائم کی خبر دی تھی اسے لئے بقول اینکہ دنیا با امید قائم است آپ بظاہر سایہ کی طرح آنحضرتؐ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے تا کہ وقت آنے پر پورا پورا استفادہ کر سکیں کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جسے نا سمجھ لوگ فضائل ابوبکر میں پیش کیا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''**ما سبقکم ابو بکر بصوم ولا صلوۃ الا بشئی و قر فی صدرہ**'' (مجالس المؤمنین) ابوبکر نے تم پر کسی صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے سبقت حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کی ہے جو ان کے سینہ میں راسخ ہو چکی تھی (یعنی بحیرا راہب کی پیشین گوئی) یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ ان کے ایمان کو ہمیشہ نا قابل ایقان سمجھتے تھے اگر چہ وہ اسلام بھی لائے مگر آنحضرتؐ پھر بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ ''**الشرک فیکم اخفی من ربیب النمل**'' کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے، جب خلیفہ صاحب نے کہا یا رسول اللہ! کیا شرک یہ نہیں ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور خدا کو مانا جائے؟ تو آنحضورؐ نے ڈانٹ کر فرمایا: ''**ثکلتک امک یا ابابکر الشرک اخفی فیکم من ربیب النمل**'' اے ابوبکر! تیری ماں تیرے ماتم میں روئے! شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی چلتا ہے (کنز العمال ج ۲ ص ۱۲۹ طبع حیدر آباد تفسیر ابن کثیر مطبوع بر حاشیہ فتح البیان ج ۵ ص ۲۲۹ طبع مصر، در منثور ۴ ص ۵۴ طبع مصر وغیرہ)

اور شیطانی تسلط کا یہ عالم تھا کہ خود کہا کرتے تھے۔ میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر غالب آ جاتا ہے۔ لہٰذا جب میں سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا (الامامۃ والسیاسۃ۔ ص ۱۳ طبع مصر) اس کے ساتھ ساتھ یہ آیہ مبارکہ بھی پیش نظر رہیں کہ خدوند عالم نے شیطان سے فرمایا تھا: ''ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الخ'' بے شک جو میرے (خاص) بندے ہونگے ان پر تیرا کوئی زور نہ ہوگا (سورۃ الحجر آیت ۴۲) ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ''**إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ**'' (سورۃ نحل آیت ۹۹، ۱۰۰) جو لوگ مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں ہے۔ ہاں اس کا زور تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اسے خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ''**إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ**'' (سورہ الاعراف آیات 27) ہم شیطان کو انہی لوگوں کا ولی بناتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے رکھتے ان آیات نے تو ان کا رہا سہا بھرم بھی ختم کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت عمر کا ایمان:

آنحضرت کے اعلان نبوت کے چند سال بعد تک جناب عمر برابر پیغمبر اسلام کو مختلف طریقوں سے اذیت پہنچاتے رہے اور ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے حتی کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کرے گا میں اُس کو سرخ وسیاہ رنگ کی ایک سو اونٹنی اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ یہ سن کر عمر جوش میں آگئے اور شمشیر بکف ہو کر رسولؐ کو قتل کرنے کے مذموم ارادے سے روانہ ہوئے الخ (دیکھئے تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۹۶ طبع موسسہ شعبان بیروت، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۷۵، ۷۶، طبع جدید صواعق محرقہ ص ۵۵، طبع قاہرہ) شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۵۹ طبع بیروت میں روایت کا تتمہ یوں مروی ہے کہ جب عمر تلوار حمائل کئے ہوئے آنحضرتؐ کے بیت الشرف پر پہنچے تو آپؐ باہر تشریف لائے اور عمر کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھنجھوڑ کر فرمایا: ”ما انت بمنتہ یا عمر! حتی ینزل اللّٰہ بک من الخزی و النکال ما انزل بالولید بن المغیرۃ فقال عمر اشھدان لا الہ الا اللّٰہ الخ“ اے عمر! معلوم ہوتا ہے تم اس وقت تک اس حرکت سے باز نہیں آؤ گے جب تک تمہارے بارے میں ذلت ورسوائی کی وہی باتیں خدا نازل نہ کردے جو ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل کی ہیں (یہ دھمکی سن کر فوراً) عمر نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا“ یہ ہے جناب عمر کے اسلام لانے کی اصل رام کہانی جو علماء اہلسنت کی زبانی پیش کردی گئی ہے نہ وہ جو اُن کے ہوا خواہ بڑے طمطراق سے بیان کیا کرتے ہیں کہ وہ ایک بار اپنی ہمشیرہ کے پاس گئے اور ان سے قرآن کے کچھ اجزا سن کر اتنے متاثر ہوئے کہ کلمہ اسلام پڑھ کے مسلمان ہو گئے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے قرآن تو وہ پہلے بھی مسلسل چھ سال سے سن رہے تھے اس وقت اثر کیوں نہ ہوا تھا؟ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریمؐ کی دھمکی اپنا کام دکھا گئی تھی۔ اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ خدا نے ولید کے بارے میں کیا نازل کیا تھا؟ تو سورہ نون کی آیات کی تلاوت کرلیں ارشاد ہوتا ہے: ”وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ“ (سورۃ ن والقلم آیت ۱۰ تا ۱۳) اور تم (کسی ایسے نابکار) کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھاتا ہے (اور) آبرو باختہ ہے (لوگوں پر) آوازے کسا کرتا ہے (ادھر کی ادھر، اُدھر کی ادھر) چغلیاں لگاتا پھرتا ہے اچھے کاموں سے روکتا رہتا ہے (حد بندگی) سے بڑھ گیا ہے بدہے اکھڑ ہے (ان عیوب) کے علاوہ بداصل بھی ہے“ (ترجمہ نذیری) یہ تو صحیح ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمۂ اسلام پڑھنے سے وہ آیتیں ان کے بارے میں نہ اُتریں جن کی آنحضرتؐ نے ان کو دھمکی دی تھی مگر قابل غور بات یہ ہے کہ آیا اس سے وہ مشابہت بھی ختم ہوگئی اور وہ حقیقت بھی بدل گئی جس کی بنا پر آنحضرتؐ نے مذمت والی ان آیات کے نازل ہونے کی دھمکی دی تھی؟

ع   صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

فتدبر ولا تکن من الغافلین

تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار اسلام کے بعد بھی ان کا قلبی میلان اپنے سابقہ مذہب ہی کی طرف رہتا تھا۔ چنانچہ بطور نمونہ صرف ایک واقعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے: جناب جابر بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب تورات کا ایک نسخہ لائے اور بارگاہ نبوی میں اسے پڑھنا شروع کیا۔ وہ جوں جوں پڑھتے جاتے آنحضرتؐ کے چہرے انور کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا جب جناب ابوبکر نے یہ ماجرا دیکھا تو عمر سے کہا تجھے رونے والیاں روئیں کیا رسول کریمؐ کے چہرے پر نظر نہیں کرتا؟ جب عمر نے آنحضرتؐ کے چہرے پر غیظ وغضب کے آثار آشکار دیکھے تو کہا کہ ہم خدا اور رسول کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ہم خدا کے خدا، اسلام کے دین برحق اور محمدؐ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ نے قسم کھا کر فرمایا (مشکوۃ ص ۲۴، ازالۃ الخفاج ا ص ۱۲۹ مطبع صدیقی بریلی، وغیرہ) مجھے اس خدائے قدیر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر اس وقت جناب موسیٰؑ ظاہر ہو جائیں تو تم یقیناً مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کر لو گے۔ اور اگر ایسا کرو گے تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے حالانکہ (میرا مقام وہ ہے کہ) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرے زمانہ کو پالیتے تو ضرور وہ میری اتباع کرتے۔ آنحضرتؐ نے اپنے اس حلفیہ بیان سے ان حضرات کے ایمان کا بھانڈا بالکل چوراہے پر پھوڑ دیا ہے (عاقلاں را اشارتی کافی است)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جناب عمر کا شک فی النبوۃ کرنا اور اس کا اظہار ان الفاظ میں کرنا کہ "ماشککت منذ اسلمت الا یومئذٍ"، کتب کثیرہ میں باسانید کثیرہ مروی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۷۷ سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۲۷ وغیرہ)

اس کے ساتھ ساتھ سورہ حجرات کی وہ آیت بھی پیش نظر رہے جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا سورہ الحجرات آیت 15 الخ" کہ مومن تو بس وہی لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کبھی شک نہ کریں اس سے جناب کے ایمان کی قلعی بالکل کھل جاتی ہے اور حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔
ع۔ کردم اشارتے ومکرر نمی کنم

حضرت عمر عموماً جناب حذیفہ بن یمانؓ سے (جن کو آنحضرتؐ نے بعض منافقین کے نام بتائے تھے اس لئے انکو صاحب السر راز دان رسولؐ کہا جاتا تھا) دریافت کیا کرتے تھے کہ کہیں میرا نام تو منافقوں میں نہیں ہے؟ مگر وہ حکم نبوی کے مطابق ہمیشہ اظہار حقیقت سے گریز کرتے تھے۔ بالآخر ایک دن خود ہی کہہ دیا۔ "باللہ یا حذیفۃ انا من المنافقین" اے حذیفہؓ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں، (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۰۷ طبع مصر) صاحبان انصاف غور فرمائیں جو صاحب خود قسمیں کھا کھا کر اپنے منافق ہونے کا اعلان کریں تو ہم کیونکر ان کو مؤمن کامل تصور کر سکتے ہیں؟ یہ تو مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا۔ جسے دانشمندانہ اقدام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اوپر آیت قرآنیہ کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں ان کی آواز پر اپنی آواز بند کرنے سے اعمال

حبط وضبط ہوجاتے ہیں اور کتب حدیث وتاریخ گواہ ہیں کہ قرطاس کے واقعہ نائلہ کے وقت جناب عمر نے علاوہ دیگر گستاخیوں کے ایک یہ بے ادبی بھی کی تھی جس کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ''قوموا عنی'' (میری بزم نبوت سے اُٹھ جاؤ) فرما کر ان کو اپنی بارگاہ سے نکال دیا (بخاری ج ۴ ص ۱۰۰ طبع مصر مشکوۃ ج ۲ ص ۵۴۰) ہم ایسے شخص کو کس طرح آنکھیں بند کر کے مومن کامل مان لیں؟ نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ جناب امیر علیہ السلام ابوبکر وعمر صاحبان کو کاذب، آثم اور خائن سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ مع شرح نووی) اور **الحق مع علی و علی مع الحق** ایک مسلم الثبوت حدیث نبوی ہے۔ **العاقل یکفیہ الاشارۃ و البلید لا ینفعہ الف عبارۃ۔**

حضرت عثمان کا ایمان:

بعض مورخین کے بیان سے واضح وعیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان نے اسلام کو حقیقی دین مبین سمجھ کر اظہار اسلام نہیں کیا تھا بلکہ بعض مسلمانوں عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے شوق میں کلمہ پڑھا تھا۔ چنانچہ کتاب خصائص کبریٰ علامہ سیوطی ج ا ص ۱۳۱ طبع حیدرآباد دکن میں باسناد ابن عساکر لکھا ہے کہ حضرت عثمان عورتوں کے بڑے شائق تھے۔ اور جناب رقیہ جمال باکمال کی مالک تھیں۔ عثمان کو ان سے شادی کرنے کا شوق دامنگیر ہوا مگر ان کا عقد پہلے عتبہ بن ابولہب سے ہو چکا تھا جب ان کو ادھر سے طلاق ہوگئی تو جناب عثمان اسلام لے آئے اور گوہر مقصود سے اپنا دامن بھرا یعنی رقیہ سے ان کا عقد ازدواج ہوگیا۔

اب ارباب بصیرت انصاف فرمائیں کہ جو صاحب صرف حسبِ دل خواہ عورتوں سے شادی فرمانے کی خاطر اسلام لے آئیں ہم کس طرح ان کو کامل الایمان مان سکتے ہیں؟

پھر اسلام لانے (بلکہ خلافت اسلامیہ کی سند پر قابض ہونے) کے بعد بھی انکی حالت یہ تھی کہ جناب عائشہ ام المؤمنین کا فتویٰ ان کے حق میں یہ تھا کہ ''**اقتلو انعثلاً فانہ قد کفر او فجر**'' اس نعثل[1] کو قتل کردو کہ وہ کافر (یا کہا فاجر) ہوگیا ہے (روضہ الاحباب ج ۳ ص ۱۲ طبع انوار محمدی لکھنو کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۸۰ طبع مصر، تاریخ ابن جریر طبری ج ۵ ص ۱۷۲ طبع مصر، الامامتہ والیساستہ ج ا ص ۴۸ طبع ثانی مصر، تذکرہ خواص الامہ ص ۳۸، ۴۰ طبع ایران، انوار اللغتہ پ ۵ ص ۱۰۹ طبع بنگلور، وغیرہ)

یہ تو تھا ام المومنین کا قولی فتویٰ اور جن لوگوں نے اس پر عمل درآمد کیا ان میں بیسیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی اصحاب رسول یا تابعین لہم باحسان شامل تھے جنہوں نے صرف انہیں قتل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ تین دن تک دفن بھی نہیں ہونے دیا اور انکی لاش

---

[1] (نہایہ ابن اثیر باب النون مع العین ج ۴ ص ۲۸۷ طبع مصر میں ہے۔ عثمان کے مخالف لوگ ان کو نعثل کہتے تھے۔ مصر کے ایک لمبی داڑھی والے آدمی سے تشبیہ دیتے ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نعثل بوڑھے احمق کو کہتے ہیں بہر حال ؎ تا نباشد چیزے گے کس نگوید چیزہا۔ منہ عفی عنہ)

مزبلہ پر پڑی رہی (حیوۃ الحیوان ج ا ص ۵۱ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۸۱) اور بالآخر بعض لوگوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بمقام ''حش کوکب'' (جو کہ یہودیوں کا قبرستان تھا) دفن کر دیا جسے معاویہ نے اپنے دور حکومت میں جنۃ البقیع میں شامل کیا (تاریخ خمیس ص ۲۶۵ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۷۰ طبری ج ۵ ص ۱۴۴، مروج الذہب بر حاشیہ کامل ص ۱۴۹، اصابہ بذیل ترجمہ جبلہ بن عمر ج ا ص ۲۲۴، وغیرہ) برادران اسلامی کے نظریہ کے مطابق قاتل بھی رضی اللہ ہیں اور مقتول بھی رضی اللہ۔ اس لئے اس نازک معاملہ میں ہمارے لئے سکوت ہی بہتر ہے کیونکہ ع اگر گوئم زبان سوزو۔ قتل عثمان سے قبل مہاجرین نے جو خط اہل مصر کے نام لکھا تھا اس میں یہ الفاظ موجود تھے۔ ''فان کتاب اللّٰہ قد بدل و سنۃ رسول اللّٰہ تدغیرت'' یعنی عثمان کے دور میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو متغیر و متبدل کر دیا گیا ہے (الامامۃ والسیاسۃ طبع ثانی مصر ص ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۳۸) مہاجرین کی اس شہادت کے بعد مزید کسی گواہ کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے (لان العیان یغنی عن البیان) اس لئے ع سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے۔

ے اندے کہ غم دل باتو گفتم و بجان ترسیدیم ☆ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است!

اصحاب ثلاثہ کی ہجرت کا بیان:

حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان ثلاثہ کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد ہجرت کے موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی کوئی خاص ضرورت رہتی ہے کیونکہ ہجرت ایمان کی فرع ہے یعنی اگر کسی شخص کا ایمان خالص و کامل ہے تو اس کی ہجرت بھی کامل اور خالص ہوگی اور اگر کسی کا ایمان ہی محل نظر ہو تو پھر اس کی ہجرت بھی ویسی ہوگی۔ بہر حال چونکہ بحیرا راہب نے ملکی فتوحات اور مالی غنائم کی پیشین گوئی کی تھی (جیسا کہ اس کی تفصیل ایمان ابوبکر میں بیان ہو چکی ہے) تو اسی طمع ولالچ کے ماتحت جس طرح اظہار اسلام کیا تھا اسی طرح ہجرت کی تکلیف بھی برداشت کی تھی جیسا کہ عام لوگ متوقع کامیابی و کامرانی اشتیاق میں طرح طرح کی مصیبتیں اور زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ اگر چہ نتیجہ بعض اوقات برعکس ہی برآمد ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بغیر خلوص نیت کے نہ کوئی ہجرت ہجرت ہے اور نہ کوئی عمل عمل ہے چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے: ''انما الاعمال بالنیات و انما لامرءٍ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ و رسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ و رسولہ و من کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ'' یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا۔ لہٰذا جس شخص کی ہجرت خدا اور رسول کیطرف اور انکی خاطر ہوگی۔ اس کی تو خدا اور رسولؐ کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہوگی۔ تو اسکی ہجرت اسی چیز کی طرف سمجھی جائے گی'' (مشکوۃ فصل اول ص ۱۱ طبع دہلی) (اس ارشاد نبوی میں تو اول اور ثالث کی ہجرت صریح اشارہ پایا جاتا ہے اور دراصل مہاجر تو وہ ہے جو مناہی و معاصی کا تارک ہو چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے: ''المسلم من سلم المسلمون من یدہٖ و لسانہٖ و المھاجر من ھاجر ماینھی اللّٰہ عنہ رواہ النجاری'' (مشکوۃ کتاب الایمان فصل اول ص ۱۲) یعنی حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ

اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور اصلی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے الگ رہے جن سے خدا نے منع کیا ہے، اسی کتاب کے ص ۱۵ پر یوں مروی ہے فرمایا: ''المهاجر من هاجر الخطایا و الذنوب'' درحقیقت مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے اپنا دامن بچائے ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ جو شخص باوجود ظاہری ہجرت کے گناہوں سے (جن میں ایک گناہ کبیرہ جنگ سے فرار بھی ہے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۹ طبع مصر) اپنے دامن کو نہ بچا سکے۔ نیز اس کی ہجرت خالصاً بوجہ اللہ نہ ہو تو اس کی یہ ہجرت بالکل بے کار سمجھی جائے گی اور اس کا وجود و عدم برابر متصور ہوگا۔ **کما لا یخفی علی اولی الالباب۔**

اصحاب ثلاثہ کے جہاد کا بیان:

باقی رہی تیسری صفت یعنی جہاد فی سبیل اللہ بدقسمتی سے اصحاب ثلاثہ کا دامن اس سعادت سے بالکل خالی اور حصہ صفر کے برابر نظر آتا ہے ان کی زندگیوں کا ایک خاصا حصہ رسولؐ خدا کے ساتھ غزوات نبویہ میں شرکت کرنے میں گزر گیا، مگر اہل تاریخ کا یہ بیان اب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ: ''ماضرَبوا ولا ضُرِبوا قط'' یعنی اس پورے زمانہ میں نہ کبھی کسی کو کوئی ضرب لگائی تھی اور نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی تھی واہ رے شجاعت شہامت؟

شجاعت اس کو کہتے ہیں؟

اور کتب سیر و تواریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی جنگ میں قدم نہیں جمائے تھے، بلکہ ہمیشہ راہِ فرار اختیار کرنے میں سلامتی دیکھی ہے، ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ بعض اسلامی غزوات سے ان حضرات کے فرار کا اقرار انہی کے علماء کبار کی زبان سے درج کرتے ہیں کیونکہ

؎ خوشتراں باشد کہ سرِّ دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

جنگِ بدر:

اسلام کی یہ پہلی معرکۃ الآراء جنگ تھی جس میں مسلمان بہت ہی قلیل المقدار اور وہ بھی اسلحۂ جنگ سے تہی دست تھے۔ دوسری طرف کفار کا لشکر جرار تھا۔ جو پوری طرح اسلحۂ جنگ سے مسلح تھا۔ اس جنگ میں اہل ایمان کی بڑی کڑی آزمائش تھی اس میں بہت سے لوگ بری طرح ناکام ہوئے اور جو ثابت قدم رہے خداوند عالم نے تین ہزار فرشتے نازل نازل کر کے ان کی مدد فرمائی بالآخر خدا کے فضل و کرم سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا بڑے بڑے صنادید قریش مارے گئے، باقیماندہ نے راہ فرار اختیار کی۔ ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں جس قدر کفار قتل ہوئے ان میں سے نصف تنہا جناب امیر علیہ السلام نے واصل جہنم کئے اور نصف باقی مسلمانوں اور تین ہزار فرشتوں نے مل کر قتل کئے (شرح تجرید از علامہ قوشجی ص ۳۸۷) اس جنگ میں برے برے ضادید

قریش آنجنابؑ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئے صاحب روضۃ الصفا کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عثمان تو اور بہت سے اصحاب کی طرح اس جنگ میں سرے سے شامل ہی نہیں ہوئے تھے (کذافی ازالۃ الخفاج ا ص ۷۷ طبع صدیقی بریلی) اوراس کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے (جوعذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے) کہ ان کا خیال تھا کہ جنگ ہوگی ہی نہیں۔ ہاں البتہ جناب ابوبکر وعمر کے آنحضرتؐ کے ہمراہ جانے کا تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے مگر تاریخ ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ ہاں جناب ابوبکر کے متعلق بعض کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ وہ ''عریش'' پر (جوکھجور کی شاخوں کا ایک چھپر تھا اور آنحضرتؐ کے بیٹھنے کیلئے بنایا گیا تھا) آنجنابؐ کے ساتھ بیٹھے ہوئے دور سے جنگ کا نظارہ کر رہے تھے ارشاد قدرت ہے: ''**فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً** '' کہ خدا نے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر فضیلت دی ہے (سورۃ نساء آیت ۹۵)

جنگ اُحد:

جنگ احد سے اصحاب ثلاثہ کے فرار کا اہلسنت کے علماء کبار نے اقرار کیا ہے ذیل میں چند حوالے سپرد قلم کئے جاتے ہیں تاریخ خمیس ج ا ص ۴۳۱ طبع بیروت پر مرقوم ہے: ''**قال ابو بکر لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ فکنت اول من جاء النبیؐ**'' ابوبکر صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ جب احد کے دن تمام لوگ رسولؐ خدا کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے رسول کے پاس واپس آ گیا تھا (یعنی صرف تین دن کے بعد)

کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۴ طبع حیدرآباد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ''**کلما ذکر أحد ابی بکیٰ**'' جب بھی میرے والد احد کا دن یاد کرتے تھے تو رونے لگتے تھے۔

تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۸، ۱۲۲ میں ہی: ''**و من المنھزمین عمر الا انہ لم یکن فی اوائل المنھزمین و لم یبعد الخ**'' یعنی احد کے دن منجملہ بھاگنے والوں کے ایک عمر بھی تھے مگر وہ سب سے پہلے بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ ہی زیادہ دور گئے تھے (بلکہ صرف بھاگ کر کوہ احد پر پناہ لی تھی) تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۸۸ بذیل آیت **ان الذین تولو منکم یوم التقی الجمعان**۔ خود جناب عمر کی زبانی نقل کیا ہے کلیب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بروز جمعہ جناب عمر نے خطبہ میں سورہ آل عمران پڑھی۔ اور ان کو یہ بات پسند تھی کہ اس سورہ کو خطبۂ جمعہ میں پڑھیں، جب اس آیت (**ان الذین تولو الخ**) پر پہنچے تو کہا: ''**کان یوم احد ھزمنا فقربات حتی صعدت الجبل فلقد رآیتنی انذو کاننی اروی**'' جب بروز احد ہمیں شکست ہوئی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ میں اس طرح پہاڑ پر چھلانگیں لگا رہا تھا کہ گویا پہاڑی بکری ہوں۔

اسی طرح جناب عثمان کا فرار بھی ثابت ہے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۸، ۱۲۲ طبع مصر قدیم میں لکھا ہے ''**و منھم عثمان انھزم**

مع رجلین من الانصار یقال لھما سعد و عقبۃ انھزمو حتی بلغوا موضعاً بعیداً ثم رجعوا بعد ثلاثۃ ایام الخ''۔ یعنی مجملہ اُحد کے بھگوڑوں کے ایک عثمان بھی تھے جو سعد وعقبہ نامی دو انصاری مردوں کے ساتھ بھاگے تھے اور بھاگتے بھاگتے بہت دور نکل گئے تھے یہاں تک کہ تین دن کے بعد واپس آئے تھے اسی طرح ازالۃ الخفاج ا ص ۷۷ طبع صدیقی بریلی۔ اور خصائص نسائی ص ۶۲ طبع محمدی لاہور پر بھی فرار عثمان کا تذکرہ موجود ہے۔

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۸۷ طبع مصر پر مذکور ہے ''لما کان یوم احد انھزم الناس صعدوا فی الجبل و الرسول یدعوھم فی اخراھم''، یعنی اُحد کے دن جب مسلمان بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو رسولؐ ان کو پیچھے سے بلاتے تھے کہ میری طرف آؤ۔! مگر قرآن خبر دیتا ہے کہ وہ کچھ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ **إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ** (سورہ آل عمران 153)۔ ہاں یہ یاد رہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حسب معمول اس جنگ میں بھی خداداد شجاعت و بہادری کے وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے اور شمع رسالت کے اس حقیقی پروانے نے جان نثاری و جان سپاری کے ایسے بے نظیر نمونے پیش کئے کہ آسمان کے فرشتوں نے یہ کہہ کر ترانے پڑھے:

لا فتی الا علی علیہ السلام لا سیف الا ذو الفقار

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۸ معارج رکن رابع ص ۱۰۷ وغیرہ) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۷ میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ سے فرمایا: (چون است کہ تو چرا بہ برادران خود ملحق نگشتی) تم اپنے بھاگنے والے بھائیوں میں کیوں شامل نہ ہوئے؟ جناب امیرؑ نے عرض کیا: ''لا کفر بعد ایمان'' (ایمان کے بعد کفر نہیں ہے) جبرائیلؑ نے زمین پر اتر کر علیؑ کی ہمدردی و جان نثاری کی یوں داد دی کہ یا رسول اللہ! ھذہ المواساۃ (یہ ہمدردی و ایثار ہے) آنحضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو انہ منی و انا منہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اس پر ستم ظریفی یہ بھی ہوئی کہ شیطان نے جعل بن سراقہ کی شکل میں متشکل ہو کر تین بار یہ ندا دی کہ ''الا ان محمداً قد قتل'' آگاہ باشید کہ محمدؐ قتل ہو گئے، اس منحوس ندا نے رہی سہی کسر بھی نکال دی (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۳ طبع نولکشور) اس وقت بعض منافقوں نے کہا: ''لو کان نبیاً لما قتل ارجعوا الی اخوانکم و الی دینکم الاول'' اگر آپ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے چلو اپنے سابقہ بھائی بندوں اور اپنے سابقہ دین کی طرف (تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۳۴ طبع مصر) اور بعضوں نے تو ابوسفیان کی خدمت میں اپنی تن بخشی کرانے کے انتظام بھی کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ کتاب عروج الاسلام ترجمہ تاریخ کامل بن اثیر ج ۶ ص ۲۴۸ میں ہے ''جس وقت مشہور ہوا کہ رسول اللہؐ مارے گئے تو کچھ مسلمانوں نے کہا کہ کوئی ایسا ہے کہ جو عبداللہ بن ابی بن سول کو جا کر بلا لائے تا کہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لئے امان اس سے پہلے حاصل کر لے کہ ہم کو وہ قتل کر ڈالیں''۔

ان حقائق کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کا یہ فرمان بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ''و ما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ

و لیعلم المومنین و لیعلم الذین نافقوا۔ الایۃ'' جس روز (مسلمانوں اور کافروں کی) جماعتوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اس روز تم کو (شکست وغیرہ کی) جو مصیبت پہنچی تھی وہ خدا کے حکم سے تھی اور اس سے یہ غرض بھی تھی کہ خدا اہل ایمان کو معلوم کرلے اور منافقوں کو بھی معلوم کرلے سورہ آل عمران آیت ۸۔ اسی طرح آیت مبارکہ ''مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ '' (سورہ آل عمران آیت 179) میں بھی یہی فلسفۂ جنگ و ہزیمت بیان کیا گیا ہے کہ طیب اور خبیث الگ الگ ہوجائیں۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب معالم التنزیل ص ۲۰۱ طبع بمبئی لکھتے ہیں: ''و معنی الآیۃ حتی یمیز المنافق من المخلص فمیز اللّٰہ المومنین من المنافقین یوم احد حیث اظھروا النفاق و تخلفوا عن رسول اللہ ''یعنی اس آیت کے معنی ہیں کہ (یہ جنگ اور اس کے شدائد اس لئے در پیش آئے تھے کہ) خدا منافقوں کو مخلص مومنین سے علیحدہ کردے۔ چنانچہ اس نے احد کے دن ایسا کردیا اور مومنین کو منافقین سے الگ کردیا یعنی منافق لوگ اپنے نفاق کا پردہ چاک کرکے رسول سے علیحدہ ہوگئے (کذا فی تفسیر الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۰۴ طبع مصر) ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔

ایک شبہ کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ جب خدا نے ان لوگوں کا یہ جرم معاف کردیا تو پھر اس کے ذکر سے کیا حاصل؟ ہمیں اس کے جواب میں صرف یہ کہنا ہے کہ کسی جرم کی سزا معاف ہوجانے سے وہ جرم جرم ہونے سے خارج نہیں ہوجاتا مثلاً ایک آدمی نے چوری کی اور اس کا یہ جرم ثابت بھی ہوگیا مگر اس کو معافی دے دی گئی اور شرعی حد اس پر جاری نہیں ہوئی تو اس سے چوری چوری ہونے سے خارج نہیں ہوجاتی اور نہ چور چور ہونے سے خارج ہوتا ہے اور جو بدنامی اس آدمی کی اس وجہ سے ہوئی تھی وہ دور نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس جنگ میں مجرم حضرات فرار کی سزا سے بچ گئے مگر اس سے فرار کا داغ تو نہیں مٹا وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے لئے کلنک کا ٹیکہ بن گیا۔ علاوہ بریں ان حضرات سے اس کے بعد بھی برابر یہ گناہ کبیرہ سرزد ہوتا رہا۔ چنانچہ واقعات ذیل سے واضح و عیاں ہے اس لئے ان کے حمایتکار اس عفو کی آڑ لے کر کہاں کہاں اس کو سپر بنائیں گے۔

جنگ خندق و احزاب:

درحقیقت اس سے پہلی تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام عرب و یہود متفقہ قوت و طاقت سے کرنا چاہتے تھے اس جنگ میں عرب کے مختلف قبائل شامل تھے۔ فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار سے زائد تھی اور عمرو بن عبدود جیسے عرب کے نامی گرامی بہادر جرنیل و شہسوار ساتھ تھے جو تنہا ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا جنگ بدر میں زخمی ہوکر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا میں بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ (سیرۃ النبی شبلی) ادھر اصحاب پیغمبر نے

(جن کی تعداد کم وبیش تین ہزار تھی) فوجوں کی یہ کثرت دیکھی تو اکثریت کی حالت یہ تھی کہ مارے خوف و ہراس کے کلیجے منہ کو آ گئے۔ سکرات موت کی کیفیت طاری ہوگئی خدا اور رسول پر اعتراض کرنے لگے کہ ہم سے فتح ونصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ سب فریب ودھوکہ تھے کچھ لوگ آنحضرتؐ سے آ کر کہنے لگے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اس لئے اجازت دیجئے۔ اور جاتے وقت مخلص اصحاب کو بھی بہکانے کی کوشش کی۔ کہ چلو گھر چلو ہم مخالف فوج کی اس سیل بے کراں کے بالمقابل نہیں ٹھہر سکتے خداوند عالم نے ان تمام واقعات کی اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے "وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا" (سورہ احزاب آیت ۱۰ تا ۱۳) مطلب وہی ہے جو سطور بالا میں مذکور ہوا ہے مگر کامل ایمان صحابہ کرام پر ان کے بہکانے کا بالکل کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ دشمن کی اس کثیر التعداد فوج کو دیکھ کر ان کے یقین وایمان میں مزید استحکام پیدا ہوگیا چنانچہ خداوند عالم ان کے حال کی اس طرح خبر دیتا ہے "وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا" (سورۃ احزاب آیت 22)

پیغمبر اسلامؐ نے جناب سلمان محمدیؓ کی رائے کے مطابق حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے ارد گرد خندق کھودی تھی جسے دشمن عبور نہیں کرسکتا تھا خندق اتفاقاً ایک جگہ سے کم عریض (تھوڑی چوڑی) تھی عمرو بن عبدود نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور اس پار پہنچ کر پیغمبر اسلامؐ سے مبارز طلب کیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے صحابہ کو مقابلے کیلئے فرمایا مگر مورخین لکھتے ہیں کہ بزم صحابہ میں یوں سناٹا طاری تھا۔ "کانهم علی رؤوسهم الطیور" کہ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۱۸ طبع انوار محمدی لکھنو) سب سے زیادہ رعب جناب عمر بن الخطاب پر طاری تھا۔ کیونکہ جب آنحضرتؐ نے صحابہ سے اس خاموشی کا سبب دریافت کیا تو جناب عمر یوں گویا ہوئے یا رسول اللہ! یہ عمرو بن عبدود ہے جو عرب کے بہادروں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا (پھر عمرو کے ساتھ اکٹھے سفر شام کرنے اور ایک ہزار ڈاکوؤں کے حملہ کرنے اور عمرو کے تنہا ان کا مقابلہ کر کے ان کو بھگانے والا مشہور واقعہ بیان کیا) جو روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۵۳ معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۱۶۱ طبع بمبئی وغیرہ میں مذکور ہے جسے سن کر اصحاب کے اور بھی چھکے چھوٹ گئے۔ المختصر آنحضرتؐ نے تین بار اس حکم کا تکرار فرمایا لیکن جب ہر بار سوائے حیدر کرار غیر فرار کے اور کوئی شخص شمع رسالت کا پروانہ اشداء علی الکفار کا مظہر بن کر آمادہ پیکار نہ ہوا تو تیسری مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت دی اور مزید برآں اپنے دست مبارک سے انہیں اپنی زرہ پہنائی سر پر اپنا عمامہ باندھا تلوار ذوالفقار مرحمت فرمائی اور دعا دے کر روانہ کیا (خصائص کبریٰ سیوطی ج ۱ ص ۲۳۱ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۴۰) جب جناب امیرؑ میدان کارزار کی طرف بڑھے تو فرمایا "قدبرز الایمان کله الی الکفر کله" (حیوۃ الحیوان

ج ۱ ص ۲۴۹، ۲۷۴ طبع مصر) یہ وقت اسلام اور مسلمانوں کے لئے بڑا نازک مرحلہ تھا اسلام کی بقاو فنا کا سوال درپیش تھا المختصر حیدر کرار اس دیو پیکر سرخیل لشکر کفار کے مقابل گئے اور زبردست رن پڑا۔ بال آخر اسد اللہ الغالب نے ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ ادھر آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اُدھر پیغمبر اسلام سجدۂ شکر میں جھک گئے اور فرمایا ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین (شرح مقاصد ص ۳۰۰، ۳۰۱، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴ طبع نولکشور۔ روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۱۹ طبع انوار محمدی لکھنو وغیرہ) عمرو بن عبدود کا قتل ہونا تھا کہ مخالفین میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس طرح خداوند عالم کا وہ وعدۂ فتح پورا ہوا جو اس نے مومنین سے کیا تھا۔ کفار اپنے مذموم ارادوں میں ناکام ہوئے اور اسلام کی شاندار فتح ہوئی۔

ے جس وقت ظفر یاب ہوئے حیدر کرار ☆ ایک ہاتھ میں سر عمرو کا تھا ایک میں تلوار

فرمایا نبی نے یہ اعلان یہ تکرار ☆ افضل ہے دو عالم کی عبادت سے ایک وار

سر فتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے

جبرئیل امین چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ نے اسلام و مسلمانوں کی جو خدمت کی وہ قارئین کرام نے ملاحظہ کر لی آخر میں اس جنگ سے متعلق ایک اور واقعہ سماعت فرمالیجئے۔ جس سے ان حضرات کے جہاد و ایمان کا راز بالکل ہی طشت از بام ہو جاتا ہے۔ خندق کی رات (جبکہ سخت سردی پڑ رہی تھی اور بارش بھی برس رہی تھی) آنحضرت نے فرمایا کوئی آدمی ہے جو اس وقت جا کر کفار کی خبر لائے۔ جو ایسا کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ہمراہ ہوگا مگر کوئی آدمی نہ اٹھا۔ دوبارہ یہی اعلان فرمایا مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ تیسری مرتبہ فرمایا ''یا ابا بکر! تم جا کر خبر لاؤ ابوبکر نے کہا استغفر اللہ و رسولہ میں خدا اور رسول سے معافی چاہتا ہوں پھر فرمایا ان شئت ذھبت یا عمر! اے عمر اگر چاہو تم چلے جاؤ! عمر نے بھی کہا استغفر اللہ و رسولہ پھر حذیفہ سے فرمایا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور تعمیلِ حکم کی''، تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸۵ طبع مصر) تھوڑے سے اختلافی الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ ان کتابوں میں مذکور ہے (کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۹ طبع حیدر آباد، مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۱۸ طبع مصر، مسند احمد حنبل ج ۵ ص ۳۹۲ طبع بیروت، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۶۹ طبری ج ۳ ص ۵۲ وغیرہ) اس واقعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ان حضرات میں فداکاری و جان نثاری اور حکم رسول کی پاس داری کا کس قدر جذبہ موجود تھا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جنگ خیبر:

غزوۂ خیبر اسلامی غزوات میں اس ایک عظیم غزوہ ہے جو یہودیوں سے لڑا گیا خیبر میں یہودیوں کے مضبوط قلعے تھے جس میں تقریباً بیس ہزار جنگی آدمی موجود تھے ان میں سے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموس تھا جس کا مسلمانوں نے محاصرہ کر رکھا تھا ہر روز

آنحضرتؐ کسی صحابی کو علم لشکر دے کر فتح کے لئے روانہ کرتے مگر معمولی ہنگامے کے بعد بے نیل مرام واپس آجاتے ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ اس اثنا میں آنحضرتؐ نے ایک بار حضرت ابوبکر اور دو بار حضرت عمر کو بھی اسلامی لشکر کی قیادت سونپی مگر ہر بار جونہی حارث (برادر مرحب) سے مڈبھیڑ ہوئی تو سوائے راہ فرار اختیار کرنے کے کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا جب بھاگتے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ لشکر کو بزدل بتاتے اور لشکر ان کو بزدل بتاتا یجبنھم و یجبونہ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۸۳) کنز العمال کی روایت کے الفاظ: ''فلم یلبثوا ان ھذموا عمر و اصحابہ'' یعنی بالکل تھوڑی دیر میں یہودیوں نے عمر اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دیا اور شرح تجرید فاضل قوشجی ص ۳۸۷ کے الفاظ یہ ہیں: ''فرجعوا منھزمین خائفین'' یعنی وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے ان حقائق کا شبلی نعمانی جیسے متعصب مورخ نے بھی اقرار کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھیجا۔ لیکن دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں جم نہ سکے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی فوج نے نامردی کی۔ لیکن فوج والوں نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی'' (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۵۶) بعد ازاں شبلی نے اس روایت پر جو قدح کی ہے وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے کما لا یخفی

ان لوگوں کی روش و رفتار سے ملول خاطر ہو کر ایک رات آنحضرتؐ نے یہ اعلان واجب الاذعان فرمایا: ''لاعطین الرأیۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ لا یرجع حتی یفتح اللّٰہ علی یدیہ'' کل میں علم لشکر اس مرد کو دوں گا جو بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا اور دشمن کو پیٹھ دکھانے والا نہ ہوگا وہ خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہوگا اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہونگے وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا جب تک خدا اس کے ہاتھوں پر (قلعہ خیبر) فتح نہیں کر دے گا (روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۸۳ طبع بمبئی، روضہ الاحباب ج ۱ ص ۲۶۲ طبع انوار محمدی لکھنو، معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۲۱۳ مسند احمد حنبل ج ۱ ص ۹۹ طبع مصر وغیرہ) وہ رات اصحاب نے بڑی بے چینی اور انتظار میں گذاری کیونکہ ہر آدمی کی یہی تمنا تھی کہ کل علم لشکر اسے ملے (خصائص نسائی ص ۱۲ طبع مصر) اور حضرت عمر کی بے چینی تو اور بھی قابل داد ہے وہ کہا کرتے تھے ''من امارت را ہرگز دوست نداشتم مگر دراں روز'' میں نے اس دن کے سوا کبھی امارت و ریاست کی خواہش نہیں کی (روضہ الصفا ج ۲ ص ۱۸۴ طبع بمبئی و روضہ الاحباب ج ۱ ص ۲۶۲ طبع لکھنو) صاحب حملۂ حیدری نے جناب عمر کی اس دلچسپ خواہش پر خوب طنز کیا ہے۔

عجب زو کہ ایں آرزوئے نمود ☆ مگر غیر فرار نہ شنیدہ بود

جب صبح ہوئی اور اصحاب جمع ہوئے تو آنحضرتؐ نے سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور فرمایا! علیؑ کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ وہ اس قدر آشوب چشم میں مبتلا ہیں کہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ جب جناب لائے گئے تو آنحضرتؐ نے ان کا سر مبارک اپنے زانوئے اقدس پر رکھا اور آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یوں دعا دی خداوندا! ان کو

سردی وگرمی سے بچا چنانچہ حضرت علیؑ نے اسی وقت شفا پائی۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنی زرہ آپ کو پہنائی ذوالفقار کمر کے ساتھ باندھی اور علم لشکر ہاتھ میں دے کر روانہ کیا (روضۃ الاحباب ج ا ص ۲۶۲ طبع انوار محمدی لکھنو) تھوڑی دور جا کر جناب امیر نے عرض کیا: ''علیٰ ماذا اقاتل؟'' کہاں تک اور کس بات پر لڑوں؟ آنحضرت نے فرمایا: ''**قاتلهم حتی یشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله**''، یعنی جب تک کلمہ شہادت نہ پڑھیں اس وقت تک جنگ برابر جاری رکھو الحقصر آنجناب میدان کارزار میں پہنچے قلعہ قموس کے پاس پہنچ کر علم پتھر میں گاڑ دیا حسب دستور مرحب کا بھائی حارث اپنے لاؤلشکر کے ساتھ سامنے آیا (جو پہلے صحابہ کرام کو بھگا بھگا کر کافی دلیر ہو چکا تھا) حیدر کرار نے ایک ہی وار میں اسے دارالبوار پہنچا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر مرحب کو تاب ضبط نہ رہی اسلحۂ جنگ سے لیس غصہ سے چور اور نشۂ شجاعت سے مخمور ہو کر یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا ؎ **انا الذی سمتنی امی مرحباً** الخ۔۔۔ میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے مرحب رکھا ہے۔ اس کے جواب میں شاہ مرداں شیر یزداں یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے

؎ **انا الذی سمتنی امی حیدراً**، میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے مرحب نے چاہا کہ وہ پہلے وار کرے مگر جناب امیرؑ نے آگے بڑھ کر ذوالفقار صاعقہ بار سے ایک ایسا زبردست وار کیا کہ ملعون کے سروتن کو دونیم کرتی ہوئی تلوار اس کے زین کے قربوس تک پہنچ گئی۔ حضرت امیر خیبر گیر مرحب کو قتل کرنے کے بعد دوسرے بہادروں کی طرف بڑھے اور سات اور بہادروں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر یہودیوں پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور راہ فرار اختیار کی۔ حضرت علیؑ ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ قموس تک پہنچ گئے اور اس کے آہنی دروازہ میں ہاتھ ڈال کر اس طرح سے زور سے اکھاڑ کر دور پھینکا کہ سارا قلعہ ہل گیا۔ اہل قلعہ نے الامان کی آوازیں بلند کیں اور جناب امیرؑ نے جناب رسول خداؐ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ان کو امان دی اور اس طرح یہ جنگ فتح ونصرت سے ہمکنار ہوئی جب جناب امیرؑ اس نمایاں کامیابی کے بعد واپس تشریف لائے تو آنحضرتؐ نے خیمہ سے نکل کر آپؑ کا استقبال کیا اور بغل گیر ہو کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا یا علی! تمہاری سعی مشکور ہے، خدا تم سے راضی ہے اور میں بھی راضی ہوں (روضۃ الصفاج ۲ ص ۱۸۴ و روضۃ الاحباب ج ا ص ۲۶۳ طبع انوار محمدی لکھنو وغیرہ) خدا کا یہ ارشاد پہلے پیش کیا جا چکا ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ** (تا قولہ تعالیٰ) **فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ** (سورۃ انفال آیت 15 تا16) آیت مبارکہ میں تو یہ حکم صریح موجود ہے کہ جب کفار سے مدبھیڑ ہو تو ان کو ہرگز پیٹھ نہ دکھانا۔ لہٰذا صادق الایمان وہی ہوگا جو میدان جنگ میں جائے تو یا فتحیاب ہو کر واپس آئے یا پھر شہید ہو جائے مگر اصحاب ثلاثہ عجیب مؤمن ہیں کہ میدان میں جاتے ہیں اور بلا فتح مع السلامت کفار کو پیٹھ دکھا کر واپس آجاتے ہیں نہ معلوم مولوی کرم الدین صاحب اور ان کے ہمنوا اس آیت کے آخری حصہ **فقد باء بغضب من الله و مأواه جهنم** (کہ ایسا کرنے والا غضب خداوندی میں گرفتار ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا) کی کیا تاویل کرتے ہیں؟

دل اہل نظر سے انصاف طلب ہے

جنگ حنین:

فتح مکہ کے بعد یہ جنگ لڑی گئی یہ جنگ بھی بڑی معرکتہ الاراء تھی۔ کفار کی تعداد تقریباً تیس ہزار اور مسلمانوں کی سولہ اور بقولہ بارہ ہزار تھی اور اس مرتبہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر بڑا ناز تھا چنانچہ جب اسلامی فوج ظفر موج حنین کی طرف جارہی تھی تو جناب ابوبکر نے اپنی کثرت تعداد پر بھروسہ کرتے ہوئے کہا ''اب ہم ہرگز مغلوب نہ ہونگے'' جب آنحضرتؐ نے یہ فقرہ سنا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا اور یہی فقرہ خدا کی ناراضگی کا سبب بنا اور ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا (روضتہ الاحباب ج ۲ ص ۳۰۸ طبع لکھنو، روضہ الصفاء ج ۲ ص ۲۱۲ طبع بمبئی وغیرہ) ابتدائی ہزیمت کی کیفیت شبلی نعمانی کے لفظوں میں سن لیں لکھتے ہیں ''فوج اسلام نے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہ سکتے تھے حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں ادھر کمین گاہوں سے تیر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسادیا مقدمتہ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہر کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے'' (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۹۷) اب باقی کس قدر رہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ روضتہ الصفاء ج ۱ ص ۲۱۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند افراد آنحضرت کے ہمراہ رہ گئے جن میں نو بنی ہاشم میں سے تھے اور روضتہ الاحباب ج ۱ ص ۳۰۹ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف چار شخص باقی رہ گئے (۱۔ حضرت علیؑ ۲۔ جناب عباس ۳۔ جناب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ۴۔ جناب عبداللہ بن مسعود تاریخ خمیس میں بھی اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے کیفیت یہ تھی کہ حضرت علیؑ وعباسؓ سامنے سے آنحضرت کی حفاظت کر رہے تھے اور جناب ابوسفیان بن حارث سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور ابن مسعود بائیں جانب تھے نیز فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ جب اصحاب آنحضرتؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر چلے گئے تو صرف چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم میں سے اور ایک غیر ہاشمی (جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہیں) اس وقت آنحضرتؐ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب ـــــــــــــــ انا ابن عبد المطلب

اور فاضل قوشجی نے ان ساتھ دینے والوں کی تعداد نو لکھی ہے۔ بہر حال خواہ سولہ ہوں یا نو ہوں یا چار ان میں کہیں بھی اصحاب ثلاثہ کے نام نظر نہیں آتے۔ لہٰذا وہ تو بالیقین مفرورین میں شامل تھے چنانچہ بخاری ج ۳ ص ۴۳، ۵۵ طبع مصر میں ابوقتادہ سے مروی ہے **و اذا ذھزم المسلمون و الھزمت معھم فاذ العمر بن الخطاب فی الناس فقلت ماشان الناس قال امر اللہ** ''اور جب مسلمان بھاگے اور میں بھی بھاگا تو میں نے اس جماعت میں جناب عمر کو بھی چند لوگوں کے ساتھ دیکھا میں نے ان سے کہا لوگوں کا کیا حال ہے کہا خدا کی مرضی''

اس وقت آنحضرتؐ نے جناب عباس کو حکم دیا: ”جو کہ بلند آواز والے تھے، کہ اصحاب کو ندا دو چنانچہ انہوں نے با آواز بلند کہا یامعشر الانصار یا اصحاب الشجرہ یا اصحاب سورۃ البقرہ اے گروہ انصار اے درخت والو، اے سورہ بقرہ والو (اس میں بیعت الرضوان کی طرف اشارہ تھا جس میں اس بات پر بیعت کی تھی کہ اب کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے“۔

بہر حال اس ندا کا یہ اثر ضرور ہوا کہ سو انصار واپس بارگاہ نبویؐ میں پہنچ گئے مگر ان میں مہاجر کوئی نہیں تھا (ملاحظہ ہو تاریخ روضۃ الصفاج ۲ ص ۲۱۳ اور تفسیر در منثور ج ۱ ص ۲۲۵ طبع مصر)

الغرض جب انصاری واپس آگئے اور پھر لڑائی شروع ہوئی تو کفار کی طرف سے ایک نامی گرامی پہلوان ابوجرول رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا اس کی صورت وصولت سے اصحاب ایسے مرعوب ہوئے کہ سوائے شاہ مرداں شیر یزداں کے اور کوئی مقابلہ کے لئے نہ نکلا آنجناب نے ذوالفقار شربار کے ایک ہی وار سے اسے فی النار کیا جس سے کفار کا حوصلہ پست ہو گیا ان کے اور بھی ستر آدمی مارے گئے جن میں چالیس اسد اللہ الغالب نے قتل کئے اور باقی تیس دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے (معارج النبوہ رکن چہارم ص ۲۶۴)

خداوند عالم نے انہی واقعات حنین کا ان آیات میں تذکرہ فرمایا ہے ’لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ثُمَّ أَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ‘ (سورۃ توبہ آیت ۲۵، ۲۶) (مسلمانو) اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور (خاص کر) حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو معذور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے ایسے لشکر بھیجے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اور (آخر کار) کافروں کو بری مار دی اور کافروں کی یہی سزا ہے“ (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب)

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ امر مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں رہتا کہ ”جن اہل ایمان پر سکینہ خداوندی“ نازل ہوا ان سے مراد وہ مخلص باصفا صحابی ہیں جو آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے (جنکی تعداد سابقاً ذکر ہو چکی ہے) اور وہ سو انصاری جو جناب عباسؓ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پھر جم کر میدان دغا میں داد شجاعت دی بہر حال ہمارے مخاطب کے خاص ممدوح یعنی اصحاب ثلاثہ پر اس کا اطلاق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ وھوالمقصود بیعت شجرہ میں فرار نہ کرنے پر بیعت کر چکے تھے اور اس سے پہلے جنگ احد میں فرار ہو چکے تھے۔ خیر وہ تو خدا نے معاف کر دیا مگر آئندہ کے لئے یہ تہدید شدید ضرور فرما دی تھی کہ

''وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ''(سورۃ فتح آیت ۱۶)

یعنی اگر اب بھی اسی طرح فرار کیا جس طرح اس سے پہلے (جنگ احد میں) کیا تھا تو خدا تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔لیکن سطور بالا میں ناقابل رد تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس کے بعد بھی یہ حضرات جنگ خیبر و جنگ خندق اور حنین میں برابر اس عہد کی مخالفت کر کے میدان جنگ سے بھاگتے رہے تو اب یقیناً وہ مندرجہ ذیل آیت کی زد میں آجائیں گے'' وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا '' (سورۃ احزاب آیت ۱۵) (حالانکہ یہی لوگ اس سے) پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ نہ دکھائیں گے (اور ان لوگوں نے جو) خدا سے عہد (کیا تھا) اس کی تو ان سے باز پرس ہو کر رہے گی۔ (ترجمہ نذیری) اسی طرح یہ آیت بھی ان پر منطبق ہوگی۔''وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ''(سورہ انفال 16) (جو کافروں کو پیٹھ دکھائے گا وہ خدا کے قہر و غضب میں مبتلا ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بری جائے بازگشت ہے)۔ظاہر ہے کہ یہ مذمت و سرزنش کسی خاص جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں عمومیت پائی جاتی ہے یہ ہے ان حضرات کے ''اشداءُ علی الکفار'' کی شجاعت اور صولت و سطوت کی داستان عبرت توامان جو اختصار سے ساتھ گوشگذار کردی گئی ہے لیکن آہ ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار۔ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ بات واضح و آشکار ہوگئی کہ جو آیت مبارکہ مولوی کرم الدین صاحب نے اصحاب ثلاثہ کے حق میں پیش کر کے اس سے ان کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کی وہ کوشش ناکام ناتمام ہے اصحاب ثلاثہ اور ان کے تابعین ہرگز اس میں شامل نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

؎ من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم ☆ تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

ہم اس طویل سمع خراشی کے لئے اپنے معزز قارئین سے معذرت چاہتے ہیں کہ باوجود بنا بر اختصار یہاں رشتہ کلام غیر معمولی طور پر طویل ہو گیا مگر ہمارے اس تفصیلی بیان حقائق ترجمان سے دراصل ان تمام آیات کا جواب باصواب معلوم ہو گیا ہے جو مولوی صاحب نے اس سلسلہ میں پیش کی ہیں یا اس مقام پر محبانِ ثلاثہ پیش کیا کرتے ہیں چنانچہ ہم آئندہ (دوسری متعلقہ آیات کے ذیل میں اسی تفصیلی جواب کا حوالہ دے کر بہت اختصار کے ساتھ کام لیں گے اس طرح اس طوالت کی کچھ تلافی ہو جائے گی انشاء اللہ ''والحمدللہ علی وضوح الحق والحقیقت تلک آیات اللہ فنتلوھا علیک بالحق فبای حدیثٍ بعد اللہ و آیاتہ یؤمنون''

دوسری آیت

''وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ''

(سورۃ النحل آیت 41) ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کے مظلوم ہونے کے بعد ہم ان کو دنیا میں اچھا

ٹھکانا دیں گے اور قیامت کا اجر تو بہت بڑا ہے' باری تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین کاملین کی شناخت کا جنہوں نے محض خدا کی راہ میں سچی نیت سے ہجرت اور اتباع رسول میں وطن چھوڑا ایک عمدہ نشان بتلا دیا ہے وہ یہ ان کی قابل قدر سچی جانفشانی اور مخلصانہ خدمت کا معاوضہ ان کو دنیا میں بھی عطا ہوگا **لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** یعنی ان کو مسند جلیل خلافت عطا ہوگی اور قیامت میں ان کا رتبہ بہشت میں بہت ہی اعلیٰ ہوگا اب ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اصحاب ثلاثہ کے حق میں پوری ہوئی یا نہ؟ ماننا پڑے گا کہ پوری ہوئی اور بڑی صفائی سے اصحاب ثلاثہ آنحضرتؐ کی زندگی میں مقرب خاص اور حضوری رہے اور آپ کے ارتحال کے بعد آپ کی مقدس اور مبارک مسند پر جاگزین ہوئے۔ خلافت رسولؐ کی کرسی کا اعزاز نصیب ہوا جس قدر فتوحات ملکی ان کو نصیب ہوئیں ان کی شہادت اب تک تاریخ عالم میں موجود ہے'' الخ

(آفتاب ص ۶۲، ۱۹۱)

الجواب:

اس استدلال کی رکاکت و کمزوری ارباب علم واطلاع پر پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اولاً اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے ان اصحاب باصفا سے دنیا میں حسنہ اور آخرت میں اجر عطا کرنے کا وعدہ جلیلہ فرمایا ہے جنہوں نے محض رضائے خدا کے لئے ہجرت کی (ہاجروا فی سبیل اللہ) جسے مولوی صاحب نے بھی تسلیم کرلیا ہے ابھی ہم اوپر پہلی آیت کے جواب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کرچکے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ کی ہجرت خالصاً لوجہ اللہ نہ تھی اور یہ امر بھی اس مقام پر منکشف کیا جاچکا ہے کہ اس قسم کے خدائی وعدے چند شرائط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں کہ منجملہ ان میں سے ایک ایمان دوسری استقامت اور تیسری عمل صالح ہے۔ اور یہاں یہ تینوں شرطیں مفقود ہیں (تفصیل پہلی آیت کے جواب میں گزرچکی ہے) پھر کس طرح ان تمام حقائق کے آنکھیں بند کرکے ان حضرات کو اس آیت کا مصداق تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

ثانیاً ''حسنہ دنیوی'' سے مسند خلافت اور دنیوی اقتدار مراد لینا تفسیر بالرائے کی (جو بالاتفاق حرام ہے) ایسی بدترین مثال ہے کہ جس کی نظیر شاید خود اصحاب ثلاثہ کے حالات میں بھی نہ مل سکے گی کیونکہ تاریخ اسلام میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔

خلفاء ثلاثہ کی کتاب اللہ سے لاعلمی:

جب ان حضرات سے کسی ایسی آیت کے معنی دریافت کئے جاتے جو انہیں معلوم نہ ہوتے تو اپنی لاعلمی کا صاف اقرار کرلیتے تھے یا اگر وہ کوئی غلط معنیٰ بیان کرتے اور پھر ان کو صحیح معنیٰ بتائے جاتے تو اعتراف کرلیتے تھے چنانچہ جب جناب ابوبکر سے وفاکھتہً دایأء کے معنیٰ دریافت کئے تو انہوں نے جواب دیا ''سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم'' کون سا

آسمان مجھ پر سایہ ڈالے گا اور کون سی زمین مجھے اپنے اوپر اٹھائے گی اگر میں کتاب خدا کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۱۵ طبع مصر)

اسی طرح جناب عمر نے مغالات فی المهدد (عورتوں کا حق مہر زیادہ مقرر کرنے) کی مناہی کی اور ایک بوڑھی عورت نے قرآنی آیت **وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا** سورہ النساء آیت 20 کیساتھ استدلال کیا تو جناب عمر نے بایں الفاظ اقرار کرلیا، **كل الناس فقهه من عمر حتى العجائز فى الخدود**۔ سب لوگ عمر سے زیادہ مسائل شریعت جانتے ہیں حتیٰ کہ پردہ نشین بوڑھی عورتیں بھی (کنز الاعمال ج ۸ ص ۲۹۵ حیدر آباد ازالتہ الخفاج ۱ ص ۱۵۹، ۱۷۷ سہیل اکیڈمی لاہور بالفاظ مختلفہ، حیواۃ الحیوان ج ۱ ص ۴۷ تفسیر مدارک ج ۱ ص ۱۶۸ تفسیر کبیر ۴ج ۳ص ۲۵۳ طبع مصر)

ایک بار جناب عثمان نے ایک ایسی عورت کے رجم کا حکم دے دیا جس نے چھ ماہ کے بچے کو جنم دیا تھا حضرت علیؑ نے ٹوکا کہ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خدا فرماتا ہے: "**حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا**" (احقاف آیت 15) یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی کل مدت تیس مہینے ہے پھر فرماتا ہے **وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ** (سورہ البقرہ233) کہ مائیں پورے دو سال اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اس سے معلوم ہوا کہ دوسال دودھ پلانے کی مدت اور چھ ماہ حمل کی مدت اس طرح کامل تیس ماہ ہوگئے جناب امیر علیہ السلام کا یہ قرآنی استدلال سن کر عثمان نے آدمی بھیجا کہ اس عورت کو رجم نہ کیا جائے مگر افسوس کہ خلیفہ کی لاعلمی کیوجہ سے وہ (بیچاری) اس وقت رجم کی جاچکی تھی۔ (موطا امام مالک مع شرح کشف المغطا لمن الموطا ص ۵۴۳ طبع لاہور)

مگر آج ثلاثہ کے مریدان باصفا اور وکیلان بلاتنخواہ قرآنی آیات کے من مانی معنی بیان کرتے ہیں اور خلق و خالق سے ذرہ بھی شرم وحیا نہیں کرتے اور وہ بھی اصحاب ثلاثہ کی حمایت میں کیا ان کی اس روشن رفتار سے اصحاب ثلاثہ کی روحیں ان سے خوش ہونگی؟ اگر یہ معنی کرنے والوں میں کچھ بھی جرأت ہے تو وارثان قرآن کی کوئی صحیح حدیث تائید میں پیش کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں (اور ہرگز نہیں کرسکتے) تو انہیں **من فسر القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار** (جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کرے اس کا اپنا ٹھکانا جہنم ہے (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۵) کی نبوی تہدید شدید سے ڈرنا چاہیئے۔

ثالثاً اگر حسنہ دنیوی سے دنیاوی مسند اقتدار مراد لی جائے تو پھر ان تمام انبیاء و مرسلین کو اس حسنہ سے تہی دست ماننا پڑے گا جن کو دنیوی اقتدار نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ قید و بند میں مبتلا رہ کر اور وہ سپار عالم بقا ہوگئے یا بڑی بے دردی وسفا کی کے ساتھ شہید کردیئے گئے ارشاد ایزدی ہے **فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا** سورہ الاحزاب 26 (جب کوئی نبی ورسول بھیجتا تھا) تو تم بعض کو قتل کردیتے تھے اور بعض کو قید کردیتے تھے تو کیا یہ معنیٰ کرنے والے نبیوں کا اس حسنہ سے تہی دامن ہونا تسلیم کریں گے؟ حالانکہ ان ذوات مقدسہ کے دامن حسناتِ دنیوی و آخروی سے پر ہوتے ہیں۔

رابعاً اگر ''حسنہ'' کے یہی معنی ہیں (مسند اقتدار کا حاصل ہونا) تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہجرت کرنے والے یا ان میں سے محض خدا کی راہ میں سچی نیت سے ہجرت کرنے والے صرف ''اصحاب ثلاثہ'' ہی تھے؟ کیا ان کے علاوہ اور لوگ نہیں تھے اور جب تھے تو حسب وعدہ خداوندی صرف اصحاب ثلاثہ کو دنیا میں معاوضہ کیوں عطا فرمایا گیا اور دوسروں کو کیوں محروم رکھا گیا دوسروں کی اس محرومی کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ معاوضہ ملنے کے سبب میں سب باہم شریک ہیں اسکے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ سب مخلص نہ تھے تو ہمارا مدعا حاصل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ سب مخلص تھے تو پھر بتایا جائے کہ اکثریت کی اس حسنہ سے محرومی کا باعث کیا ہے؟

خامساً۔ مستدل کا یہ کہنا کہ ''آنحضرتؐ کی زندگی میں مقرب خاص اور حضوری رہے'' ان کے مقرب بارگاہ اور حضوری خاص ہونے کا سابقہ اوراق میں پردہ چاک کیا جا چکا ہے کہ زندگی بھر ان پر خدا اور رسولؐ کی وعید وتہدید کے تازیانے برستے رہے اور بالآخر پیغمبرؐ نے اپنے آخری لمحات حیات میں انہیں اپنی بزم رسالت سے بھی اُٹھا دیا تھا۔ (بخاری شریف)

سادساً مؤلف (آفتاب) کا یہ کہنا کہ ''آپ کے ارتحال کے بعد کرسی خلافت کا اعزاز نصیب ہوا'' یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ آیا ان کو یہ اعزاز خدا نے عطا فرمایا تھا؟ اگر ایسا ہے تو وہ آیت پیش کی جائے یا رسول خدا نے انہیں یہ شرف بخشا تھا؟ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث نبویؐ پیش کی جائے! اور اگر نہ خدا نے انہیں خلیفہ بنایا اور نہ رسولؐ نے اس کا اعلان فرمایا بلکہ لطائف الحیل سے خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ خلیفہ کو محروم اقتدار کرکے اپنے بعض جی حضوری قسم کے ہمنواؤں کی ملی بھگت سے خود بخود مسند خلافت[1] پر قبضہ کرکے بیٹھ گئے تو پھر سوچنا چاہیئے کہ یہ لائق فخر کارنامہ ہے یا خیانت مجرمانہ؟

سابعاً بایں ہمہ اگر ظاہری اقتدار کا حاصل ہو جانا قابل رشک شرف واعزاز ہے تو پھر اصحاب ثلاثہ اس اعزاز کے حاصل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ یزید پلید، ولید عنید تا مروانِ طرید اور متوکل مرید وغیرہم جیسے شراب خور ظالم و جفا کار اور خبیث و بدکار بھی اسی شرف میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ کیونکہ اقتدار تو ان کو حاصل ہوا تھا اور ان کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ مسندِ رسولؐ پر بیٹھے ہیں!

ثامناً۔ ملکی فتوحات کو صداقت کی دلیل قرار دینا بھی مولف محترم کی خوش فہمی ہے ورنہ معمولی دینی معلومات رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس چیز کو کسی شخص کی صداقت اور حقانیت کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اہلسنت کی متعدد روایات میں وارد ہے ان اللّٰہ یوید الدین باقوام لا خلاق لھم۔ خدا دین کی تائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۱ ص ۱۸ ج ۵ ص ۲۱۲ طبع حیدر آباد تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۵ طبع مصر روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۵۳۴ طبع انوار محمدی لکھنو وغیرہ)

---

[1] خلافت ثلاثہ کی کیفیت انعقاد کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''اثبات الامامت'' کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ ''امر بلالاً فنادیٰ فی الناس انه لا یدخل الجنة الا نفس مسلم و انّ اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر '' آنحضرتؐ نے جناب بلالؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کریں کہ بغیر مسلمان کامل کے اور کوئی شخص بہشت عنبر سرشت میں داخل نہ ہوسکے گا اور خدا اس دین کی تائید فاسق و فاجر شخص سے بھی کر دیتا ہے۔ فاعتبرو یا ادنی الابصار

؎ مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے ☆ آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

تیسری آیت:

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (سورۃ حج آیت ۴۰)

ترجمہ ''جو لوگ اپنے دیار سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس بات پر کہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ایک خدا ہے'' اس آیت میں بھی ان مہاجرین کی شناخت بتلائی گئی ہے کہ ھاجروا فی سبیل اللہ کے مصداق وہی لوگ ہیں جو صرف خدا کی توحید کا کلمہ پڑھنے پر اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے تھے۔ یا کسی اور بات پر اپنے دیار سے بھاگتے تھے ہرگز نہیں صرف اسی دعویٰ ''ربنا اللہ کے بدلے جو مخالفین اسلام کو ناگوار گزرتا تھا۔ انہی لوگوں کا نشان رب العباد ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: ''الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ الخ'' یہ ایسا مخلص گروہ ہے کہ ان کو زمین پر تمکن (اقتدار) حاصل ہو جائے تو پھر بھی نماز پڑھتے، زکوۃ دیتے بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے منع کرتے ہیں، دیکھو یہ نشان ان نفوس مقدسہ میں کیسا چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے الخ افسوس شیعہ ایسے پاک نفوس کے حق میں بدگمانی کرتے ہیں الخ (آفتاب ص ۶۲)

الجواب:

اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس قسم کی مطلق آیات سے دوسری شرائط و قیود کا لحاظ کئے بغیر استدلال کرنا بلاتشبیہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص ''من قال لا الہ الا اللہ و مات علیه دخل الجنة'' (بخاری و مسلم وغیرہ) سے استدلال کرتے ہوئے کہے کہ نجات کے لئے صرف بطور لقلقہ لسانی ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دینا کافی ہے (حتی کہ اسکے ساتھ محمد رسولؐ اللہ کہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تا با اعمال دیگر چہ رسد؟ اور اگر وہ استدلال صحیح نہیں ہے تو یہ استدلال بھی درست نہیں ہے اور چونکہ اصحاب ثلاثہ ان مقررہ شرائط پر پورے نہیں اترتے اس لئے اس فضیلت سے محروم متصور ہونگے منجملہ دیگر شرائط کے ایک اہم شرط اخلاص فی العمل بھی ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے یہ حقیقت قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کو کفار نے مکہ سے نکالا اور وہ

ہجرت کر کے مدینے آئے وہ تمام مخلص نہ تھے بلکہ بعض کی ہجرت خالصاً لوجہ اللہ تھی اور بعض کی طمع مال ومنال چنانچہ خداوند عالم انہی صحابہ کو خطاب کر کے فرماتا ہے "مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ" (سورہ آلِ عمران آیت 152) (تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں اور بعض دین کے ایک اور مقام پر فرماتا ہے: "تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ" (سورہ انفال 67) تم دنیوی متاع چاہتے ہو حالانکہ خدا تو آخرت چاہتا ہے۔ دنیا کے یہ طلب گار اگر مہاجر وانصار نہیں ہیں تو پھر وہ لوگ کون ہیں؟ اور بالذات یہ خطاب کن لوگوں سے ہے یہ درست ہے کہ بظاہر تو ان ہجرت کرنے والوں کا جرم کفار کی نظر میں یہی اقرار توحید تھا مگر جب علیم بذات الصدور ذات نے وضاحت فرمادی کہ سب مہاجر اس کام میں مخلص نہ تھے تو اب ہم بلاخوف ردیہ کہہ سکتے ہیں کہ مولف کے ممدوحین کی یہ ہجرت للدنیا تھی نہ کہ للدین

تمول ابوبکر:

چنانچہ انہوں نے مدینہ پہنچ کر غنائم وغیرہ ذرائع سے خوب دولت کمائی اور حطائم دنیا کو خوب دل کھول کر سمیٹا ذیل میں اس کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے کئی ہزار درہم ان کے گھر سے ضبط کر کے بیت المال میں داخل کیے (الریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع مصر)

۲۔حضرت صدیق کے پاس چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے (تاریخ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۲۰۵ طبع مصر)

تمول عمر:

۱۔آپ نے اپنے خاص مال سے اپنے ایک خسر کو دس ہزار درہم دیئے (طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۲۱۹ طبع لیدن)

۲۔اپنے عہد خلافت میں پانچ ہزار درہم اپنی تنخواہ مقرر کی (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۴۰)

۳۔شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ (وقت رحلت) جب قوم کے کام سے فراغت ہوچکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہوسکے تو بہتر ورنہ خاندان بنی عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کرسکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے) دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق لیکن عمر بن شیعہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا

(دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۵۳) الخ (الفاروق ج ۱ ص ۱۷۲ طبع لاہور)

تمول عثمان:

۱۔ ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے شام سے آئے (الریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۰)

۲۔ ایک کنواں پینتیس ہزار درہم میں خریدا (ایضاً ج ۲ ص ۹۲)

۳۔ پچیس ہزار درہم میں ایک زمین خریدی (ایضاً)

۴۔ شہادت کے وقت آپ کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار اور ہزار اونٹ ربذہ میں موجود تھے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳) جناب عبدالرحمن بن عوف (جو کہ حضرت عثمان کے داماد اور مجلس شوریٰ کے میر مجلس تھے) نے وقت وفات چالیس ہزار نقد اور پانچ سو گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار اونٹ چھوڑے (الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۸۸) اگر ان حضرات کے دوسرے متعلقین مثل طلحہ و زبیر وغیرہ کے تمول کی داستانیں بیان کی جائیں تو لوگ کان پکڑنے لگیں خدا کا وعدہ ہے "انی لا اضیع عمل عامل منکم" کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا لہٰذا جو دنیا کے لئے تگ و تاز کرتا ہے خدا اسے دنیا دے دیتا ہے اور جو آخرت کیلئے کدو کاوش کرتا ہے اسے ثواب بے حساب سے نوازتا ہے یعنی

؎ دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اصحاب ثلاثہ اور انکے ہمنواؤں کے خشوع و خضوع کا اجمالی تذکرہ:

۱۔ ارشاد ربانی ہے "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" (سورۃ مومنون آیت ۱، ۲)

وہی اہل ایمان رستگاری حاصل کریں گے جو گریہ وزاری اور عجز و انکساری کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ اور ان کے ہم نوالہ وھم پیالہ حضرات جس خوف و خشیہ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے اس کی جھلکیاں قرآن اور تاریخ اسلام کے صفحات پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ بطور نمونہ مشتے از خروارے ملاحظہ ہو عن ابن عباس قال کانت امراۃ تصلی خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم حسناء من احسن الناس فکان بعض القوم یتقدم حتیٰ یکون فی الصف الاول لئلا یراھا و یستاخر بعضھم حتیٰ یکون فی الصف المؤخر فاذا رکع نظر من تحت ابطیہ فانزل اللّٰہ "و لقد وعلمنا المستقدین منکم ولقد علمنا المستاخرین" (تفسیر در منثور ج ۴ ص ۹۷) یعنی ایک نہایت حسین و جمیل عورت جناب رسول خداؐ کے پیچھے آ کر نماز پڑھا کرتی تھی بعض اصحاب اس لئے پہلی صف میں کھڑے ہوتے تا کہ ان کی اس پر نظر نہ پڑے اور بعض اس لئے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تا کہ اس عورت کو دیکھ سکیں جب رکوع میں جاتے تو بغلوں کے نیچے اسے دیکھتے رہتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی و لقد۔۔۔" ان

حضرات کے ممدوحین کے زہد و ورع کا عالم یہ ہے کہ عین حالت نماز میں بھی نامحرم عورتوں کو تا کا کرتے تھے یہ درست ہے کہ اس روایت میں اصحاب ثلاثہ کی تصریح نہیں ہے مگر ایسا کرنے والے تھے تو صحابہ کرام اور مہاجرین عظام کہاں ہیں الصحابۃ کلھم عدول کی گردان کرنے والے وہ آئیں اور یہ روایت ملاحظہ فرمائیں جسے سیوطی کے علاوہ بھی بہت سے مفسرین ومحدثین نے نقل کیا ہے اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ کا ہے۔

۲۔نماز جمعہ کی حالت میں اصحاب کا نماز توڑ کر مال تجارت کیلئے دوڑ جانا خود قرآن مجید میں مذکور ہے: ''پیغمبر اکرمؐ کے عہد میں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اتنے میں ملک شام کی ٹانڈا تجارت کا غلہ لے کر آیا اور اس نے لوگوں کو آگاہ کرنے کیلئے نقارہ بجایا جو لوگ بیٹھے خطبہ سن رہے تھے اس ٹانڈے کی سیر دیکھنے کے لئے اور کچھ خرید وفروخت کے لئے کھسک گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے اس پر یہ عتاب نازل ہوا''۔(حاشیہ ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی ص ۷۲۲ طبع دہلی) یعنی یہ آیت نازل ہوئی'' **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا** ''(سورہ جمعہ آیت 11) سب مفسرین نے اس آیت مبارکہ کا یہی شانِ نزول بیان کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین نے بپاس خاطر صحابہ ''خطبہ'' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے ورنہ بخاری شریف میں تو بروایت جابر بن عبداللہ انصاری یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہ پڑھ رہے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ''**بینما نحن نصلی مع النبیؐ اذا قبلت غیر تحمل الطعام**''۔

نیز عام طور پر تو یہی مشہور ہے کہ بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے اگر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے'' **(علی مناقلہ فی المحکمات) لم یبق مع النبی الا رجلان و امرٔۃ**'' کہ آنحضرتؐ کے پاس صرف ایک عورت اور دو مرد باقی رہ گئے تھے واللہ العالم اگر چہ یہاں بھی جانے والوں کی صراحت نہیں ہے مگر قرین عقل بات یہی ہے کہ اس میں وہ لوگ تو پیش پیش ہوں گے جن کا پیشہ ہی تجارت تھا اور گلیوں کوچوں میں پھیرے لگایا کرتے تھے۔ارباب انصاف، انصاف فرمائیں کہ جو لوگ نماز جیسی عظیم عبادت کو توڑ کر لہو ولعب اور مال متاع کے پیچھے دوڑ جائیں ان کو کیونکر مومن مخلص کہا جاسکتا ہے ارشاد ایزدی ہے'' **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ** ''(سورۃ منافقون آیت ۹) اے ایمان والو تمہیں مال واولاد خدا کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کریں گے وہ نقصان اٹھائینگے''

حضرت عمر کہا کرتے تھے **اجھش جیشی و انا فی الصلوٰۃ** (کنز العمال ج ۴ ص ۲۱۳ طبع حیدر آباد کذا فی الفاروق ج ۲ ص ۲۱۳ طبع لاہور) میں نماز بھی پڑھتا تھا اور لشکر بھی مرتب کرتا رہتا ہوں ایک مرتبہ فرمایا **کان عمر بن الخطاب یقتل القلمۃ فی الصلوٰۃ** عمر بن الخطاب حالت نماز میں جوئیں مارتے تھے (کنز العمال ص ۴ ۲۳ طبع حیدر آباد) سبحان اللہ ایسے پاک نفوس اور خاشع وخاضع نمازی شاید چشم ملک نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے

؎ بزبان تسبیح و دردل گاؤخر ☆ این چنین تسبیح تا کے دارد اثر

یہ خاندان نبوت تھا کہ نماز وعبادت میں محویت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ خوف و خشیہ الٰہی سے گریہ و بکا کرتے کرتے چوب خشک کی طرح گر پڑتے تھے اور حالت نماز میں پائے اقدس سے تیر نکال لیا جاتا تھا تو خبر تک نہ ہوتی تھی۔

بہرحال ؎ آں زمیں را آسمانی دیگر است

علاوہ بریں یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ اگر آیت مبارکہ "الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ" (سورہ حج آیت 41) الخ کے مصداق یہ حضرات ہیں تو پھر اس آیت کے مصداق کون ہیں؟ جس میں خدا فرماتا ہے "فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ" (سورۃ محمد آیت ۲۲، ۲۳) پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی یہ لوگ ہیں جنکو لعنت کی ہے انکو اللہ نے بس بہرا کر دیا انکو اور اندھا کر دیا (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب) سچ ہے

؎ ہر کہ روئے بہبود نداشت ☆ دیدن روئے نبی سود نداشت

چوتھی آیت:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (سورہ حشر آیت 8) واسطے ان مفلس مہاجرین کے جو اپنے دیار واملاک سے نکالے گئے اور اللہ کا فصل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں اس آیت میں خداوند عالم نے ان فقراء مہاجرین کو صادق و مصدوق ٹھہرایا ہے جو اپنے دیار واموال چھوڑ کر مخلص خدا کے فضل اور اس کی رضا کے طلب میں جلاوطن ہو گئے اور "ینصرون اللہ و رسولہ" کے مصداق تھے شیعہ بتائیں کہ اصحابِ ثلاثہ اس آیت کے مصداق ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ انکو صادقین کا مبارک لقب عطا فرماتا ہے اولئک ھم الصادقون کہنے والا کون ہے؟ اگر یہ خدا کا کام ہے تو یقیناً سمجھو کہ اس فقرہ کے اثر سے ابوبکر کی نسبت وصف صدق میں مبالغہ کا صیغہ یعنی (صدیق) شہرت پذیر ہوا ابوبکر رسول پاکؐ کی نصرت میں سب سے اول نمبر پر ہیں آپ نے خدمت اور حفاظت کا حق غارِ ثور جیسے ہولناک مکان میں پورے طور پر ادا کیا، الخ۔ (آفتاب ص ۶۳)

الجواب:

بے شک اس آیت مبارکہ میں مہاجرین کی شان بیان کی گئی ہے مگر معمولی غور و تامل کرنے سے واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ

آیت سب مہاجرین پر صادق نہیں آتی بلکہ صرف ان حضرات پر منطبق ہوتی ہے جن میں تین جلیلہ صفات پائے جائیں ا۔فقیر ونادار و ہوں نہ کہ غنی و مالدار، ۲۔ان کی ہجرت خدا کی رضا جوئی کیلئے ہو نہ کہ طلب دنیا کے لئے، ۳۔اور وہ جہاد کر کے خدا اور رسول کی نصرت کا حق بھی ادا کریں مگر سوئے اتفاق یہ کہ اصحاب ثلاثہ میں ان تینوں صفات کا فقدان ہے جہاں تک ان کے فقیر و نادار نہ ہونے بلکہ غنی و مالدار ہونے کا تعلق ہے تو وہ ابھی اوپر تیسری آیت کے جواب میں محبان ثلاثہ کے اپنے بیانات سے ثابت کیا جاچکا ہے اور جہاں تک ان کی ہجرت کے خالصاً لوجہ اللہ نے ہونے بلکہ طلب دنیا کے لئے ہونے کا تعلق ہے تو اس پر پہلی اور تیسری آیت کے جواب میں کافی تبصرہ کیا جاچکا ہے کہ

ع ولیکن نہ جملہ زراہ یقین ☆ یکے بہر دنیا یکے بہر دین

اور جہاں تک خدا اور رسول کی نصرت سے منہ موڑنے اور ہر جہاد سے کفار کو پیٹھ دکھا کے میدان چھوڑنے کا تعلق ہے تو اس بات کو پہلی آیت کے جواب میں ناقابل رد و انکار ثقہ مفسرین، محدثین اور مورخین کے بیانات شافیہ کی روشنی میں کماحقہ ثابت کیا جاچکا ہے (ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے) اور یہ بات مسلم ہے کہ شرف ہجرت کا حاصل ہونا دوسرے شرائط کے علاوہ صبر وثبات کے ساتھ جہاد کرنے پر موقوف ہے، چنانچہ خدا رسول فرماتا ہے ''ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورہ نحل آیت 110) پھر جو لوگ مبتلائے مصیبت رہے پیچھے گھر بار چھوڑے پھر (خدا کی راہ میں) جہاد کئے اور (تکلیفوں پر) صبر کیا (اے پیغمبرؐ) ہمارا پروردگار ان (سب امتحانوں) کے بعد (قیامت کے دن) البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔(ترجمہ نذیری)

لہٰذا جب اصحاب ثلاثہ میں ان صفاتِ ثلاثہ میں سے کوئی صفت بھی نہیں پائی جاتی تو پھر کس طرح ان کو اس میں داخل کیا جا سکتا ہے؟ برادران اسلامی میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ابوبکر صاحب کو ''صدیق'' کا لقب جلیل جناب رسول خداؐ نے مرحمت فرمایا تھا۔ مگر مولوی کرم الدین صاحب کے بیان سے واضح وعیاں ہوگیا کہ یہ عطیۂ رسولؐ نہیں بلکہ اس فقرہ (اولئک ہم الصادقون) کے اثر سے شہرت پذیر ہوا ہے

ع جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

حضرت علیؑ صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں:

جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں'' الصدیقون ثلاثہ، حبیب النجار مومن آل یس و حزقیل مؤمن آل فرعون و علی ابن ابی طالب و ھو افضلھم اخرجہ البخاری'' (مسند الفردوس ج ۲ ص ۴۲۱ طبع جدید بیروت، ریاض النظرہ ج ۲ ص ۱۳۴ طبع قاہرہ) اور صدیق اکبر کا لقب جلیل تو جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے جناب رسولؐ نے آپکو خطاب کرتے ہوئے فرمایا''

انت الصدیق الاکبر و انت الفاروق الذی تفرق بین الحق و الباطل، یا علیؑ! تم صدیق اکبر اور حق و باطل میں فرق کرنے والے فاروق ہو (ریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع قاہرہ)

جناب امیر المومنینؑ خود فرمایا کرتے تھے: ''انا عبداللہ و اخو رسولہ و انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللہؐ قبل الناس بسبع سنین'' میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے علاوہ جو اس کا ادعا کرے گا وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہوگا میں نے عام لوگوں سے سات برس پہلے رسولؐ خدا کے ساتھ نماز پڑھی (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵ طبری ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲) اور جہاں تک سفر ہجرت میں ابوبکر صاحب کا نصرت رسول اور غارِ ثور میں حفاظت رسول کرنے اور انوار رسالت سے استفادہ کرنے کا تعلق ہے اس پر ہم عنقریب آیت غار کے ضمن میں مفصل تبصرہ کریں گے (انشاء اللہ) اور ثابت کریں گے کہ یہ آیت غار جناب ابوبکر صاحب کے لئے باعث فخر و ناز نہیں موجب عار و شنار ہے۔ یہ ہمارے بھائیوں کی سادہ لوحی ہے کہ وہ اس واقعہ کو فضائل ابوبکر میں شمار کرتے ہیں۔ جو اگر رزائل میں شامل نہیں تو فضائل میں بھی قطعاً داخل نہیں ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است!

پانچویں آیت:

''وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورہ توبہ آیت 100) اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور انصار لوگ اور جو نیکی میں ان کے تابع ہوئے خدا ان سے راضی ہوا۔ اور وہ خدا سے راضی ہوئے اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ اس میں ہمیشہ عیش کریں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کے مراتب کا بیان ہے خداوند کریم نے سب کا ذکر درجہ وار فرمایا ہے مدارج میں پہلے مہاجرین، پھر انصار، بعدہ تابعین ہیں۔ اسی ترتیب سے آیت میں اس کا ذکر ہوا اللہ تعالیٰ نے ہر سہ گروہ صحابہ کا جنتی ہونا اور ان کو پروانہ خوشنودی بارگاہ ایزدی سے عطا ہو جانا بیان فرما دیا ہے یہ آیت پکار کر کہتی ہے کہ فضیلت میں مہاجرین دوسرے صحابہ کرام پر فائق ہیں اور پھر مہاجرین میں سے سب سے بڑا رتبہ اس شخص کا ہے جو سب سے اسبق فی الہجرۃ مع الرسولؐ ہے جانتے ہو وہ کون شخص ہے؟ ابوبکر صدیق ہیں جو بحکم اس آیت کریمہ کے افضل الصحابہ ہیں؟ الخ۔۔۔ (آفتاب ص ۶۴)

الجواب:

معلوم نہیں مہاجرین و انصار کی فضیلت والی آیات کی بلا تحقیق و تدقیق بھرتی کرنے سے لائق مولف یا ان کے ہم خیال دوسرے حضرات کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ جب تک یہ واضح نہ ہوجائے کہ اصحاب ثلاثہ ان میں شامل ہیں اور ان میں وہ تمام شرائط بھی پائے جاتے ہیں جو شرف ہجرت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساون کے اندھے کیطرح (جسے ہر شے سبز نظر آتی ہے) یہ حضرات بھی کچھ اس طرح فنافی الثلاثه ہوگئے ہیں کہ ان کو بھی ہر جگہ صرف ثلاثہ کی جلوہ نمائی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے اگرچہ دراصل وہاں ان کا نام ونشان بھی نہ ہو بہر حال یہاں چند امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ یہاں سبقت سے مراد کیا ہے آیا سبقت فی الاسلام یا سبقت فی الھجرۃ یا سبقت فی النصرت؟ اس میں مفسرین اسلام کے درمیان اختلاف ہے جس شق کو بھی اختیار کیا جائے اصحاب ثلاثہ بہر صورت اس شرف سے محروم نظر آتے ہیں بظاہر قول راجح یہ ہے کہ یہاں سبقت سے مراد سبقت اسلامی ہے جو مہاجرین و انصار ہر دو کو شامل ہیں (آیت میں ''من'' بیانیہ) اور (سورۂ واقعہ کی آیتمبارکہ 10 اور 11) ''**وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ**'' سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ سابق الاسلام ہیں:

بہر نوع جہاں تک سبقت اسلامی کا تعلق ہے تمام شیعہ خیر البریہ اور تمام محققین اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ شرف خدائے منان نے صرف امیر مومنان حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ بلکہ علامہ ابن عبد البر دسنی نے تو اپنی کتاب استیعاب ج ۲ ص ۴۵۷ طبع حیدر آباد میں اس پر دعائے اجماع کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التھذیب ج ۱ ص ۱۳ ۳ طبع دہلی پر اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے کہ ''المرجح انه اوّل من اسلم'' ترجیح اسی قول کو ہے کہ آپ (حضرت علیؑ) ہی سابق الاسلام ہیں، فاضل مورخ ابوالفدا اپنی تاریخ ج ۲ ص ۱۱۸ طبع مصر پر لکھتے ہیں ''فذکر صاحب السیرۃ و کثیر من اهل العلم ان اول الناس اسلاماً علی بن ابی طالب رضی الله عنه و عمره تسع سنین و قیل سنین و قیل احدی عشر سنتہً (الی ان قال) و کان فی حجر رسول اللهؐ قبل الاسلام (الی ان قال) فلم یزل علی مع النبی حتی بعثه الله نبیاً فصدقه علی'' صاحب سیرۃ اور اکثر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی ہی سب مسلمانوں سے سابق الاسلام ہیں۔ اظہار اسلام کے وقت آپ کی عمر نو برس تھی اور بعض نے کہا ہے کہ گیارہ سال تھی۔ اپ ظہور اسلام سے پہلے آنخضرت کی آغوش تربیت میں تھے۔ جب خدا نے آپکو مبعوث برسالت فرمایا: تو آپ نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی، چنانچہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ والذی جاء بالصدق و صدق به اولئک هم الصادقون (ع ۲) جو صدق لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی صادقین ہیں کی تفسیر میں مروی ہے والذی جاء

بالصدق رسول اللہ والذی صدق بہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ یعنی الذی جاء بالصدق سے مراد رسول خدا اور صدق بہ سے مراد علی ابن ابی طالبؑ ہیں (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۳۲۸) اور اس پر تو تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ نے مہد سے لے کر لحد تک ایک لحہ کے لئے بھی کبھی شرک نہیں کیا چنانچہ اسی لئے ان کے نام کے ساتھ کہا جاتا ہے کرم اللہ وجہہ (صواعق محرقہ ص ۲۷ طبع قدیم مصر) میں سمجھتا ہوں کہ خود حضرت رسول خداؐ کے فیصلہ کے بعد کہ ''اوّلکم اسلاماً علی ابن ابی طالبؑ'' تم سب سے سابق الاسلام علیؑ ہیں (استیعاب ابن صبد البرج ج ۲ ص ۴۵۷) وانہ اول اصحابی اسلاماً۔ واکثرھم علما و اعظمھم حلماً کہ حضرت علیؑ میرے تمام اصحاب سے سابق الاسلام سب سے زائد العلم اور عظیم الحلم ہیں (ایضاً ص ۶۰) یہ بحث فضول ہے جو شخص آنحضرت کے واضح فیصلہ کو تسلیم نہیں کرے گا وہ اس آیت کی تہدید سے نہیں بچ سکتا **وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا** (سورہ النساء آیت 115) (جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے تو ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور ہم اسے جھنم میں جھلسا دیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے)

خود حضرت امیرؑ بھی اس بات کے مدعی تھے فرماتے ہیں: ''انا اول من صلی و اول من آمن باللہ و رسولہ ولم یسبقنی الی الصلوۃ الا نبی اللہ'' ''میں پہلا شخص ہوں جس نے (رسولؐ کے ساتھ) نماز پڑھی۔ اور میں پہلا آدمی ہوں جس نے خدا اور رسول پر ایمان کا اظہار کیا اور سوائے جناب رسول خداؐ کے اور کسی شخص نے نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں کی'' (استیعاب ج ۲ ص ۴۵۸، ۴۵۹) اور آپ کا یہ مشہور شعر بھی اس سلسلہ میں نص صریح کی حیثیت رکھتا ہے۔

؎ سبقتکم الی الاسلام طراً ☆ غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے اظہار اسلام میں اس وقت تم سب لوگوں پر سبقت حاصل کی جبکہ میں ہنوز سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا ابوبکر صاحب (جن کی سبقت اسلامی کے بڑے ڈھنڈورے پیٹے جاتے ہیں) کے متعلق خود مؤرخین اہلسنت کی تصریحات موجود ہیں کہ ان سے پہلے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ مؤرخ جلیل علامہ طبری نے تو یہ روایت بھی درج کی ہے کہ ان سے پہلے پچاس سے زیادہ آدمی ایمان لا چکے تھے۔ چنانچہ ابن حمید نے محمد بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ محمد کہتے ہیں ''قال قلت لابی کان ابوبکر اولکم اسلاماً فقال لا واسلم قبلہ اکثر من خمسین'' ''میں نے اپنے باپ (موسیٰ) سے دریافت کیا کہا ابوبکر تم لوگوں سے پہلے اسلام لائے تھے؟ کہا نہیں پچاس سے زیادہ آدمی ان سے پہلے اسلام لا چکے تھے (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۵ طبع مصر) علاوہ برایں ان کی سابق الاسلامی کے متعلق نہ کوئی حدیث رسول موجود ہے اور نہ ہی تاریخ سے خود آپ کا یہ دعویٰ کرنا ثابت ہے۔ بلکہ یہاں تو مدعی سست و گواہ چست والا معاملہ ہے اور عمر صاحب کا بعثت کے چھٹے سال اسلام لانا۔ پہلے ایمان عمر کے حالت میں درج کیا جا چکا

ہے۔اور جناب عمران کے بھی بعد اسلام لائے تھے۔لہٰذا بنابریں ماننا پڑتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ سبقت اسلامی کے اس شرف سے محروم ہیں۔

ہجرت حبشہ کا اجمالی تذکرہ:

اور اگر اس سبقت سے سبقت فی الہجرت مراد لی جائے۔تو باتفاق تمام اہل اسلام ہجرت مدینہ پر ہجرت حبشہ کو تقدم زمانی حاصل ہے کیونکہ وہ اس مدینہ والی ہجرت سے پہلے واقع ہوئی تھی ہاں اس میں ضرور اختلاف ہے کہ اس ہجرت میں مہاجرین کی تعداد کیا تھی؟ چنانچہ حاشیہ قرآن مترجم مولوی نذیر احمد ص ۱۹۳ وحمائل مترجم مولوی شاہ عبدالقادر ص ۱۹۲، پ ۷ ع ۱) میں ان کی تعداد اسی ۸۰ لکھی ہے قرآن مجید مترجم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مقدمہ ص ۳۶ طبع دہلی پر ان کی تعداد تین سو درج ہے، طبقات ابن سعد مطبوعہ لیدن ج ۱ ص ۱۳۸ میں ایک سو ۱۰۰ سے زائد لکھی ہے، عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۷ میں بیاسی ۸۲ نفوس کا تذکرہ ہے، روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۹۰ میں نوے سے زائد لکھی ہے اور روضۃ الاصفاج ۲ ص ۵۵ طبع بمبئی و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷ طبع نولکھنو میں صرف جماعت کثیرہ لکھا ہے، بہرنوع انکی تعداد جو بھی ہو مگر ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جناب ابوبکر و عمر اس جماعتِ مہاجرین اولین میں ہرگز شامل نہیں تھے اور اسی ہجرت کو مؤرخین نے الھجرۃ الاُولیٰ قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۲۱ طبع مصر) لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے بھی مولف کے خاص ممدوحین (اصحاب ثلاثہ) اس سعادت سے تہی دامن نظر آتے ہیں افسوس ہے کہ مریدان باصفا ہاتھ پیر تو بہت مارتے ہیں مگر

؎ کوئی امید بر نہیں آتی ☆ کوئی صورت نظر نہیں آتی

سچ ہے

؎ تہی داستانِ قسمت را چہ سودا از رہبر کامل ☆ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اور اگر اس سبقت سے سبقت فی النصرت مراد لی جائے تو اسمیں پہلی خرابی تو یہ ہے کہ اس سے مہاجرین خارج ہوجائینگے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ انصار ہونے میں سبقت کرنا بلا تاویل بظاہر نظروں میں جچنے والی بات نہیں۔

ثانیاً۔دیکھنا یہ ہے کہ مہاجرین وانصار سے جنت الفردوس کے جو یہ وعدے کئے گئے ہیں آیا یہ مطلق ہیں یا کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہیں؟ اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں یہ بات قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح وآشکار کی جاچکی ہے۔کہ یہ وعدے ہرگز مطلق نہیں ہیں بلکہ صدق ایمان، عمل صالح، خلوص نیت اور استقامت کے ساتھ مشروط ہیں نیز اسی مقام پر نیز دوسرے کئی مقامات پر کئی بار یہ حقیقت بھی آشکار کی جاچکی ہے کہ بدقسمتی سے اصحاب ثلاثہ میں یہ شرائط موجود نہیں تھے لہٰذا بموجب ''اذا فات الشرط فات المشروط'' وہ وعدہائے جنت بھی ان کے حق میں کالعدم سمجھے جائیں گے۔

یہاں تک تو روئے سخن مہاجرین کی طرف تھا بفضلہٖ تعالیٰ ثابت ہوگیا کہ یہ شرف ہجرت انہی لوگوں کو فائدہ دے گا جوان میں سے مومن مخلص اور مجاہد صابر تھے اور شاک ومرتاب نہیں تھے بلکہ دین مبین پر ثابت و مستقیم تھے۔

انصار میں وہ لوگ بھی تھے جو رسولؐ خدا پر اعتراض کیا کرتے تھے:

اسی طرح اس آیت مبارکہ جن میں انصار کی مدح کی گئی ہے ان سے مراد وہ انصار ہیں جنہوں نے خلوص نیت کے ساتھ ''قربۃً الی اللہ'' جان و مال سے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و اعانت کی تھی ان میں ایسے لوگ ہرگز شامل نہیں ہوسکتے جن کی نیتیں خالص نہ تھیں یا جن کے اعمال وافعال شائستہ نہ تھے ورنہ ظاہر ہے کہ بظاہر تو انصار کے زمرہ میں ایسے لوگ بھی داخل تھے جو مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے سلسلہ میں آنحضرتؐ پر زبان اعتراض دراز کیا کرتے تھے جس کی قرآن ان الفاظ میں خبر دیتا ہے ''**وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ** ''(سورہ توبہ آیت ۵۸) اے رسول! ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو صدقات وخیرات کی تقسیم کرنے میں تم پر عیب لگاتے ہیں پس ان کو (خواہش کے مطابق) حصہ مل جائے تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر (مرضی کے مطابق حصہ) نہ ملے تو پھر ناراض ہوجاتے ہیں۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۲۰) (مصححہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری طبع دہلی) میں ہے انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ قال الناس من الانصار الخ یعنی جب مال ہوازن آنحضرتؐ نے تقسیم کیا تو اس میں سے سو سو اونٹ قریش کو دیئے اس پر انصار نے کہا خدا رسولؐ کو معاف کرے وہ قریش کو تو دیتے ہیں مگر ہمیں نہیں دیتے حالانکہ قریش کے خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہے ہیں بخاری کی اسی جلد ص ۸۸ پر عبداللہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے جنگ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا تو ایک انصاری نے کہا ما اراد بھا وجہ اللہ۔ یعنی اس تقسیم میں رسولؐ خدا نے اللہ کی رضا جوئی کو سامنے نہیں رکھا (معاذ اللہ) میں نے جاکر جب آنحضرتؐ کو اس بات کی اطلاع دی تو آپکے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا: خدا موسیٰ پر رحمت نازل کرے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی تھی مگر انہوں نے صبر کیا تھا (لہٰذا میں بھی صبر کرتا ہوں) جنگ بدر سے جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس سے ایک اوڑھنے کی چادر اور ایک لنگی گم ہوگئی کچھ حضرات نے یہ خیال کیا کہ یہ چیزیں آنحضرتؐ نے اڑائی ہیں اس پر خدا نے رسول کی صفائی میں یہ آیت نازل کی ''**وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ** ''(سورۃ آل عمران آیت ۱۶۱) یہ کسی نبی کی شان نہیں کہ وہ یانت کرے اور جو خیانت کرے گا اسے وہ چیز بروقیامت لانی پڑے گی (ملاحظہ ہو ترجمہ مولوی شاہ عبدالقادر، مولوی نذیر احمد وتفسیر حسینی ج ۱ ص ۸۷، ۸۸ طبع لکھنو) وغیرہ انہی وجوہ کی بنا پر مفسر بیضاوی نے ''**تَبَوَّءُوا الدَّارَ** '' کی تفسیر میں لکھا ہے: **المراد بهم الانصار الذين ظهر صدقهم** کہ اس سے مراد وہ انصار ہیں جن کی صداقت ظاہر ہوچکی ہے (تفسیر بیضاوی)

ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فے نصف النہار واضح وآشکار ہوگیا ہے کہ مہاجر ہوں یا انصار یا ان کے تابعین ابرابر

خوشنودیٔ پروردگار اور جنت الفردوس کا پروانہ انہی کو ملے گا جو کامل الایمان اور صحیح العمل ہوں گے'' و ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء (وقلیل ماھم)۔''

ے یہ رتبہٗ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟

مؤلف کے خاص ممدوح اصحاب ثلاثہ اس سعادت سے بہر حال محروم نظر آتے ہیں باقی رہا رفیق کار کا سفر غار تو اس پر ہم وہاں تنقید وتبصرہ کریں گے جہاں مؤلف آیت غار پیش کریں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

چھٹی آیت:

''لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ '' (سورہ حدید آیت 10) ترجمہ''ان اشخاص کی برابر کوئی نہیں کرسکتا۔ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور کفار سے لڑے۔ یہ لوگ بہت اعلیٰ درجے والے ہیں۔ ان لوگوں نے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور دشمن سے لڑے اور سب کے لئے وعدہ اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے'' اس آیت میں ایزد متعال نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے یاران رسولؐ جنہوں نے جانی ومالی خدمت کا بہت بڑا رتبہ رکھتے ہیں اب کوئی شخص انکار کرسکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ پہلے گروہ میں داخل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اپنی جان ومال کو آقائے نامدار رسولؐ پاک پر نثار کئے ہوئے تھے اور کفار نابکار سے جہاد وقتال کرتے رہے۔ ابوبکر نے اپنا سارا مال جو گھر میں رکھتے تھے لاکر پیش کردیا اور خود کمبل اوڑھ لیا پھر غار ثور میں انہی کے گھر سے سید انس وجان کا نان ونفقہ پہنچتا رہا۔ الخ (آفتاب ص ۶۵)

الجواب:

اس آیت مبارکہ میں پروردگار عالم نے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد جانی اور مالی قربانیاں دینے والونکے مدارج کا تفاوت بیان فرمایا ہے کہ پہلی قسم کو دوسری قسم پر فضیلت حاصل ہے ہمارا اس ارشاد ربانی پر مکمل ایمان ہے بھلا کون ایسا مسلمان ہوسکتا ہے جو ارشاد رب العباد میں شک وشبہ کرسکے؟ مگر اس سے محبان ثلاثہ کے ہاتھ کیا آیا؟ خیر سے ان کے خاص ممدوحین تو نہ پہلے زمرہ میں داخل ہیں اور نہ دوسرے گروہ میں شامل یعنی ع نہ الی الذی نہ اُلی الذی کیونکہ جہاں تک ان کی جانی قربانیوں کا تعلق ہے تو ان پر پہلی آیت کے جواب میں تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے کہ فتح مکہ سے قبل اور اس کے بعد نہ کبھی کسی کافر کو ضرب لگائی تھی نہ کبھی کسی کافر سے کوئی چوٹ کھائی تھی اور نہ ہی کبھی کسی جنگ میں ثابت قدمی دکھائی تھی۔

ع ایں سعادت بزور بازو نیست!

اور جہاں تک ان حضرات کی مالی قربانیوں کا تعلق ہے تو اگر چہ ان کے مریدان باصفا اس سلسلہ میں بہت کچھ بیان کیا کرتے رہتے ہیں (جس کا ایک شمہ اسی آیت کے ذیل میں مولوی کرم الدین صاحب نے بھی بیان کیا ہے) مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قرآنی حقائق اور تاریخی مسلمات سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس ثبوت ملتے ہیں کہ ان لوگوں کو مال خرچ کرنے سے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی چنانچہ جب جنگ اُحد میں اکثر یاران رسول آنحضرتؐ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئے اور آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے؟ تو آپ نے عرض کیا: ''آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا بتو اقتداء است یعنی مرا بشما کار است با یاران و برادران کہ در پے غنیمت رفتند و ہزیمت نمودن چہ کار دارم'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۷ طبع نولکشور) کیا اظہار ایمان کے بعد کافر ہو جاؤں؟ مجھے آپ سے واسطہ ہے مجھے ان یاروں سے کیا سروکار جو مالِ غنیمت کے پیچھے دوڑے اور شکست کھائی''

جناب شبلی نعمانی صاحب نے یہ لکھ کر ان کا رہا سہا بھرم بھی کھول دیا کہ ''غنیمت اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبوں کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا'' (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۵۳۴ طبع لاہور)

آنحضرتؐ کی خبر شہادت سن کر اصحاب ایسے بھاگے کہ بعضوں نے تو مدینہ سے ادھر دم نہ لیا۔ حضرت عمر، طلحہ اور دیگر مہاجرین و انصار نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ اور علیحدہ جا کر بیٹھ گئے الخ (الفاروق حصہ اول ص ۲۲ مطبع قدیمی دہلی)

سارا مال خرچ کرنا تو کجا قرآن و حدیث سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ راہ خدا میں چند درہم بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ آیت مبارکہ: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً'' (سورہ مجادلہ 12) ''اے ایمان کے دعویدارو جب رسول سے تخلیہ میں کوئی بات کرنا ہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو'' شان نزول کے متعلق قریباً قریباً سب مفسرین و محدثین نے یہی لکھا ہے کہ اصحاب رسولؐ یکے بعد دیگرے ہر وقت اور دیر تک آنحضرتؐ سے تخلیہ میں باتیں کرتے رہتے تھے جس سے آنحضرتؐ کو اذیت تو ہوتی تھی مگر اپنے حسن خلق کی وجہ سے کچھ کہتے نہ تھے بالآخر خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے خلوص و ایمان کا امتحان لینے کی خاطر یہ حکم نازل کیا کہ تخلیہ سے پہلے کچھ مال بطور صدقہ دیا کرو۔ بنا برمشہور دس روز تک یہ حکم برقرار رہا۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ سوائے شاہ اولیاء علیؑ مرتضیٰ کے اور کسی نے اس پر عمل نہ کیا چنانچہ آپ کے پاس کل ایک دینار تھا جسے تڑوا کر آپ نے اسکے دس درہم لئے اور ہر روز ایک درہم صدقہ دیتے اور آنحضرتؐ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے حتیٰ کہ اس اثنا میں دس مرتبہ آنحضرتؐ سے راز و نیاز کی باتیں کیں مگر دوسرے صحابہ نے اس دوران تخلیہ کا نام بھی نہ لیا جو غریب و نادار تھے وہ اپنی غربت و تنگدستی کی وجہ سے رک گئے اور جو متمول و مالدار تھے ان کو مال خرچ کرنے کی توفیق نہ ہوئی اس کے بعد خدا نے یہ فرما کر کہ ''أشفقتم ان تقدموا بين يدى نجواكم صدقة'' آیت یہ حکم ہی منسوخ کر دیا ملاحظہ ہو۔ تفسیر در منثور ج ۶ ص ۱۸۵ طبع تیمیہ مصر تفسیر حسینی ج ۲ ص

۳۸۷ طبع نولکشور لکھنو وغیرہ)

یہ حضرت ابوطالبؑ ان کے عظیم فرزند حضرت علیؑ حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت حمزہؓ، جناب سلمان محمدیؓ، جناب ابوذر غفاریؓ، جناب مقدادؓ اور جناب عمارؓ و امثالھم ہی تھے جن کی جانی و مالی قربانیوں کی بدولت درخت اسلام پھلا، پھولا اور پروان چڑھا۔

ولولا ابوطالب وابنہ ☆ لمامثل الدین شخصاً فقاما
فھذا بمکہ آویٰ و حامیٰ ☆ و ھذا بیثر بحس الحماما

یعنی

گر نبودے دست حیدر ذوالفقار ☆ کے شدے اللہ اکبر آشکار

مؤلف نے ابوبکر صاحب کے جس مالی ایثار کا تذکرہ کیا ہے اگر جرأت ہے تو اصول مناظرہ کے مطابق ہماری معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت پڑھ لیں ''حملہ حیدری قسم کی شاعرانہ کتابوں سے مطلب برآری نہیں ہوسکتی ورنہ دعوٰی بلا دلیل سے سوائے رسوائی و جگ ہنسائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اس کے برعکس کتب اہلسنت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ بوقت ہجرت طعام رسانی کا انتظام کرنے کا حضرت علیؑ کو حکم دے گئے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۴، ۲۴۵ طبع مصر) چنانچہ ان کے تشریف لے جانے کے بعد جب تک آنحضرتؐ غار ثور میں قیام پذیر رہے حضرت علیؑ ہی انکے خورد و نوش کا بندوبست کرتے رہے (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۳ ص ۲۴۰ سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۴۳ طبع مصر)

من آنچہ شرط بلاغ است بہ تو می گویم ☆ تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکر صاحب آنحضرتؐ پر اپنا مال خرچ کرنے کے بجائے الٹا ان سے مال ہتھیاتے تھے چنانچہ چار سو درہم سے خرید کردہ اونٹنی آنحضرتؐ کے ہاتھ نوسو درہم میں صرف پانچ سو درہم نفع پر فروخت کی تھی۔ (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸۱ طبع نولکشور)

ساتویں آیت:

''هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۞ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ'' (سورہ انفال آیت 62 تا 64) ''اس خدا نے اے رسولؐ تجھے خاص اپنی نصرت سے تائید کی اور مومنوں کی جماعت سے اور ان کے دلوں کو جوڑ دیا اگر تو ساری زمین کی دولت خرچ کر دیتا ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتا تھا وہ زبردست حکمت والا ہے اے نبی

تجھے کافی ہے اللہ اور تیرے پیروکار مؤمن'' اس جگہ خداوند عالم رسول پاک کو تسلی بخش الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہر چند کفار لڑائیں تیرا بال بیکا نہیں کرسکتے آخر میدان آپؐ کے ہاتھ میں ہوگا آپؐ کی حامی اور مؤید ایک تو ہماری نصرت ہے۔ دوسرا آپؐ کے ماتحت وہ الٰہی فوج ہے جس کا معائنہ ڈاکٹری نسبت امراض قلبی (قساوت وجبن) وغیرہ کرنے والے ہم خود ہیں اس بیڑہ کے جنگی ملازمین کے دل ہم نے باہم ایسے جوڑ دیئے ہیں کہ ممکن نہں کہ کوئی ان میں پھوٹ ڈال سکے اور یہ تالیف قلوب کسی انسانی حکمت کا کام نہیں یہ صرف ہماری زبردست حکمت کا کام تھا رب العباد نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ جماعت رسول میں وایک خاص مخلص جماعت کو بارگاہ الٰہی سے مقربین کا لقب مل چکا ہے۔ پھر شیعہ باوجود الٰہی شہادت کے ان کے بابت کیسے اشتباہ کرسکتے ہیں الخ (آفتاب ص ۶۵)

الجواب:

''**بموجب الحق یجری علی اللسان**'' (حق زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے **والحمد للہ الذی اجری الحق علی لسانہ**) مولف صاحب نے ادھرادھر بہت کچھ ہاتھ پیر مارنے کے بعد بے ساختہ یہ اقرار کرہی لیا کہ جماعت رسول میں ایک خالص مخلص پاک دل گروہ ہمارے خاص حکم سے داخل کیا گیا ہے اور اسی گروہ کو مومن کا لقب مل چکا ہے یہی ہم کہتے ہیں کہ رسولؐ کے ساتھ جو جماعت (مہاجرین وانصار پر مشتمل) تھی وہ ساری کی ساری ان صفات جلیلہ کی حامل نہ تھی جوان آیات مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہا گر اس ساری جماعت کا ڈاکٹری معائنہ نسبت امراض قلبی (قساوت وجبن وغیرہ) خود خدا نے کرلیا ہوتو وہاں نہ نفاق ہوتا نہ ''شک'' اور نہ باہمی بغض وعداوت ہوتی اور نہ یہ بزدلی ہوتی کہ ہمیشہ ہر جنگ میں راہ فرار اختیار کرتے رہے اور نہ خدا کو بار باران کی مذمت میں قرآن نازل کرنا پڑتا (جیسا کہ یہ تمام حقائق سابقہ اوراق میں تفصیلاً بیان کئے جاچکے ہیں) ورنہ اس طرح تو حکیم مطلق کے حکیمانہ معائنہ پر حرف آتا ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اس بڑی جماعت میں مخلص مومنین کی ایک قلیل تعداد ضرور ایسی تھی جسکا دامن مذکورہ بالا نقائص سے پاک تھا جس کا واحد نصب العین ہی یہ تھا کہ اپنا تن من دھن خدا کی راہ میں صرف کر کے اسلام اور بانی اسلام کی حفاظت وحراست کی جائے۔ اسی گروہ کا خدا یہاں تذکرہ فرمار ہاہے تو اب مؤلف کی بیان کردہ تشریح میں تھوڑی سی ترمیم کے بعد اصل تشریح یوں ہوگی کہ ''اس جگہ خدائے کریم رسول پاک کو تسلی بخش الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہر چند کفار تجھ سے ٹکرلڑائیں منافقین میدان چھوڑ جائیں، مشکوک الایمان بزدلی دکھائیں، بدکردار بدعملی کر کے باہمی جھگڑے اُٹھائیں مگر تیرا بال بیکا نہیں کرسکتے دشمن کے مقابلہ میں اپ بالکل مطمئن رہیں آخر میدان آپ کے ہاتھ میں ہوگا دشمن تیرے مقابلے کی کیا تاب رکھ سکتا ہے جب کہ آپ کی حامی و مؤید ایک تو ہماری نصرت ہے دوسرا آپ کے ماتحت وہ الٰہی فوج ہے جسکا معائنہ ڈاکٹری نسبت امراض قلبی (قساوت جبن وغیرہ) کرنے والے ہم خود ہیں'' مگر افسوس مؤلف کے ممدوحین خاص یعنی اصحاب ثلاثہ اس مقدس گروہ میں داخل نہیں ہیں اگر مخلص مومنین میں داخل

ہوتے تو پھر اُن میں وہ جسمانی وروحانی امراض از قسم قساوت وجبن وغیرہ موجود نہ ہوتے جو زندگی کے ہر ہر موڑ اور حیات مستعار کے ہر ہر قدم اور ہر ہر میدان میں ان سے ظاہر ہوتے رہے جن کے بہت سے نمونہ صفحات بالا میں پیش کئے جا چکے ہیں اور مزید برآں آئندہ بیان کئے جائینگے۔ انشاء اللہ العزیز۔ اولئک الذین لم یرو و اللہ ان یطھر قلوبھم اور وہ مقدس گروہ نہیں ہے مگر وہی جس کے اسلامی غزوات میں عدیم النظیر خدمات کا تذکرہ پہلی آیت کے ضمن میں کیا جا چکا ہے یعنی حضرت علیؑ مرتضیٰ اور دیگر بعض اصحاب باوفا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ع خدا رحمت کند آن عاشقانِ پاک طینت را

آٹھویں آیت:

"**مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ**" (سورہ فتح آیت 29) محمد خاص اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ (اس کے خواص) ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں آپس میں محبت کرنے والے ہیں تو ان کو دیکھتا ہے رکوع سجود کرنے والا خدا کا فضل اور رضا چاہتے ہیں ان کے چہروں میں سجود کے نشان موجود ہیں۔ اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ ان خاصانِ بارگاہ احمدی کے اوصاف جمیلہ کا بیان فرماتا ہے اور ان اعلیٰ ہمت جوانمردی اور باہمی اتفاق اور ان کے کریکٹر و چال چلن اطاعت الٰہی کی تعریف کرتا ہے یعنی میرے اس اسلامی شہنشاہ کی کمانڈ ان بہادروں کے ہاتھ میں ہے جو دل سے اس شہنشاہ کا ساتھ دینے والے "والذین معہ" کے مضمون اور معیت کے معنوں پر خوب غور فرمایئے "اشداء علی الکفار" دشمن کی فوج پر غیظ وغضب سے ٹوٹ پڑنے والے دشمن پر ان کی شدت قہر وصولت کا ایک ایسا اثر پڑتا ہے کہ دیکھتے ہی ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں "رحما بینھم"، آپس میں ایک دوسرے پر جان دینے والے صحابہ کرام کے باہمی اتفاق کو ظاہر کرنے کے لئے "رحما" کا لفظ کس قدر موزون ہے وصف رحیمیت ہزار ہزار اتفاق کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے "تراھم رکعاً" یعنی باوجود اس اقتدار عظیم کے جو اسلامی سرداروں کو حاصل ہے پھر بھی "رکعاً" یعنی سر نیاز خم کئے ہوئے سجداً بلکہ سر نیاز زمین پر رکھے ہوئے دیکھ لو۔ "یبتغون فضلاً" الخ یہ خدائی پٹن کے افسر کسی دنیوی اعزاز کے طالب اور دولت کے خواہاں نہیں ہاں صرف اللہ کا فضل اور اس کی کوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ "سیماھم" ان کے ماتھوں پر امتیازی خدائی نشان کثرت سجود کے باعث تاباں و درخشاں ہیں دونوں آیات متذکرہ بالا اس امر کی شاہد عادل ہیں کہ آنحضرتؐ کے ساتھیوں صحابہ کرام میں ایسے سچی محبت والفت اور ایک دوسرے سے پیار تھا جو زائل ہونے والا نہ تھا یہ تو الٰہی شہادت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اور تو اور حضور اکرمؐ کے خاص الخاص اصحاب ثلاثہ کو حضرتؐ سے

بیر تھا اور علی مرتضیٰؑ کو ان سے خصومت پھر قارئین کرام خود ہی انصاف کریں کہ شیعہ کو سچا جانیں یا قول خدا پر ایمان لائیں الخ۔۔۔(آفتاب ص ٦٦، ٦٧)

الجواب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت مبارکہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حقیقی ایمانی وروحانی معیت کاملہ رکھنے والے افراد کاملہ ونفوس ذاکیہ کی بری فضیلت بیان کی گئی ہے مگر اس سے ہمارے بھائیوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے خاص الخاص ممدوحین یعنی اصحاب ثلاثہ اور ان کے تابعین اس مقدس جماعت میں ہرگز شامل نہیں ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ میں جس قدر اس مقدس جماعت کے اوصاف حسنہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ان کا فقدان نظر آتا ہے اس حقیقت کو کماحقہ سمجھنے کے لئے درج ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

”والذین معه“ کے مصداق کی تحقیق:

سب سے پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ ”والذین معہ“ میں معیت کے اقسام شش گانہ سے مراد کیا ہے؟ آیا اس سے ا۔معیت ایمانی مراد ہے یا ٢۔معیت فی النصرہ ولاعانۃ۔٣۔معیت فی الذات یا ٤۔معیت فی الصفات یا ٥۔معیت فی الزمان یا۔٦معیت فی المکان؟ آخری دو معنی یعنی معیت زمانی ومکانی تو قطعاً مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ امر بالبداھۃ ثابت ہے کہ معیت مومن وکافر کے درمیان بھی ثابت ہے کہ دونوں ایک مقام میں ہوتے ہیں ایک زمان میں ہوتے ہیں البتہ باقی اقسام کا احتمال برابر ہے اگرچہ پہلی قسم اطہر ہے بہرحال اہلبیتؑ نبوت تو اس کے فرد اکمل نظر آتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ بہرصورت اس سے خارج؟ چنانچہ اگر اس معیت سے معیت ایمانی مراد لی جائے تو یہ خانوادہ عصمت وطہارت فطری مسلمان ہے لم یعبد وصنماً قط۔انہی کو پیغمبر اسلام نے کل ایمان فرمایا ہے (حیوٰۃ الحیوان) اور انہی کے ایمان کو چودہ طبق سے بھاری قرار دیا ہے (الریاض النضرۃ) اور ان کی ایک ضرب کو ثقلین کی عبادتوں پر فوقیت دی ہے (اربعین رازی) یہی بزرگوار تھے جو ابتداء سے انتہا تک رسولؐ کے ساتھ تھے کبھی ایک لحہ کے لئے بھی کفار کے ساتھ نہیں دیا لیکن اس میں اصحاب ثلاثہ ہرگز شامل نہیں ہیں کیونکہ پہلی آیت کے جواب میں تفصیلی دلائل سے ان کا مخلص مؤمن نہ ہونا ثابت کیا جاچکا ہے لہٰذا جب تک ان کے یہ بہی خواہ پہلے ان کا ایمان ثابت نہ کرلیں اس وقت تک ان کو اس مقدس جماعت میں داخل کرنے کی سعی مشکور نہیں ہوسکتی۔

اور اگر معیت سے مراد معیت فی النصرۃ ولاعانۃ ہے تو اہلبیتؑ نبوی سے بڑھ کر کون معین ومددگار رسولؐ تھا؟ سوائے حیدرؑ کرار جعفر طیارؓ، حمزہ جرارؓ اور عبیدہ نامدارؓ (وامثالھم علیھم رضوان الملک الغفار) کے اور کون شیر بیشۂ شجاعت تھا جس نے اپنی

جان کی بازی لگا کر اسلام و بانیٔ اسلام کی حفاظت و سرفرازی کے لئے اس طرح کام کیا کہ آسمانی فرشتوں نے مدحیہ قصیدے پڑھے۔

لا فتیٰ الا علیؑ ع لا سیف الا ذوالفقار

انہی کی بدولت اسلام کو چار چاند لگ گئے اور چہار وانگ عالم میں اس کے ڈنکے بجنے لگے اور کفر کے پرچم ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوگئے اور ''الا ان حزب اللّٰہ ھم الغالبون'' کے روح پرور مناظر دیکھے گئے وہ لوگ اس کا مصداق نہیں ہو سکتے جن کی تلواریں بے شک طول میں سات بالشت اور عرض میں ایک بالشت تھیں۔ مگر میدان دغا میں کبھی میان سے نکلنے کی نوبت نہیں آئی تھی (کمانقل عن روضۃ الاصفا) اور کبھی راہ خدا میں چوٹ کھانا یا کسی کافر کو قتل کرنا تو کجا اسلامی غزوات میں ان کا کسی مکھی کو مارنا بھی ثابت نہیں ہے اور اگر معیت فی الذات مراد ہے تو مزکورہ بالا مقدس افرد کے علاوہ کون آنحضرتؐ سے نسبی قرابت قریبہ رکھتا ہے اور کون ہے جس کے متعلق پیغمبر اسلام نے انا و علی من نور واحدٍ (ریاض نضرۃ ج ۲ ص ۱۶۴) انا و علی من شجرۃٍ واحدۃ و الناس من اشجارٍ شتی (ارجح المطالب) علی منی و انا منہ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۸) اور لحمک لحمی و دمک دمی فرمایا ہو حضرات ثلاثہ جو تیمی وعدی اور اموی شجرۂ (ملعونہ فی القرآن) کے افراد ہیں ان کو پیغمبرؐ کی ذات سے کیا ربط و تعلق ہے؟

اور اگر اس معیت سے معیت فی الصفات مراد ہے تو خانوادۂ رسالت کے علاوہ اور کون ہے جو صفات نبوی کا آئینہ بردار ہو اور سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے باقی تمام صفاتِ کمالیہ اور نعوتِ جمالیہ میں رسول اسلامؐ کے ساتھ مشارکت رکھتا ہو اور انفسنا و انفسکم کا مصداق ہو۔ وہ اس معیت میں کس طرح شریک رسولؐ ہو سکتے ہیں جن کو خود مدت العمر میں یہ علم نہیں تھا کہ وہ خلیفۂ رسولؐ ہیں (آنحضرتؐ کے قائمقام اور ان کی صفات کے مظہر) ہیں یا خالفہ (وہ احمق جس کے اندر اور کوئی خیر و خوبی نہ ہو) ہیں۔ (نہایہ ابن اثیر ج ا ص ۳۵۰، ۳۵۱ طبع مصر)

اشداءعلی الکفار کی تحقیق؟

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اشداء علی الکفار کے مصداق کون ہیں؟ پہلا مرحلہ طے ہوجانے (یعنی ''والذین معہ'' کے مصداق معین ہوجانے) کے بعد اب دوسرے صفات جلیلہ کے مصداق خود بخود معلوم ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ فقرے اشداء علی الکفار رحماء بینھم، تراھم رکعاً الخ۔۔) اسی مبتدا (والذین معہ) کی خبر بعد خبر ہیں۔ تو جب والذین معہ کے مصداق اہلبیت نبوت ہیں تو وہی ذوات مقدسہ ان صفاتِ جلیلہ کے حامل بھی ہونگی۔ مطلب یہ کہ جو آنحضرت کے ساتھ ہیں وہی کافروں پر سخت اور باہم مہربان ہیں۔ الخ

ولی اللٰہی تفسیر اور اس پر تنقید:

یہ مطلب عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ آیت مبارکہ کے حصے بخرے بخرے کردیئے جائیں اور ہر ہر صفت کا موصوف علیحدہ علیحدہ قرار دیا جائے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخطاء مقصد اول ص ۲۳۸ طبع صدیقی بریلی پر لکھا ہے (اور بالعموم مقررین اہلسنت بھی یہی راگ الاپا کرتے ہیں) کہ: "والذین معه سے ابوبکر اشداء علی الکفار سے عمر رحماء بینهم سے عثمان تراهم رکعاً و سجداً سے حضرت علی یبتغون فضلاً سے طلحہ وزبیر اور سیماهم فی وجوههم من اثر السجود سے عبدالرحمن بن عون، سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح مراد ہیں" تفسیر نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً، عقلاً اس لیئے درست نہیں کہ باتفاق نحویین ومفسرین والذین معه مبتدا ہے اور اشداء علی الکفار رحماء بینهم الخ اس کی خبر بعد ہے۔ مطلب یہ کہ جو والذین معه کے مصداق ہیں وہی اشداء علی الکفار وهی رحماء بینهم ہیں باوجود ان فقروں کے مبتداء خبر ادر موضوع ومحمول ہونے کے اگر الذین معه کا مصداق ابوبکر اور اشداء علی الکفار کا مصداق عمر کو وھکذا ہر ہر صفت کا مصداق الگ الگ شخص کو قرار دیا گیا تو پھر معنی یہ ہونگے کہ: ابوبکر، عمر ہیں اور عمر عثمان ہیں یہ حمل جزئی حقیقی بہ جزی حقیقی ہے جو تمام اہل منطق کے نزدیک عقلاً محال ہے کہ اگر اس حمل کو ممکن ثابت کردیا جائے تو پھر یہ ترتیب بھی ممکن ہوسکتی ہے واذ لیس فلیس ویسے تو ہم بھی اصحاب ثلاثہ کے فی الجملہ باہمی اتحاد کے قائل ہیں مگر صفات میں نہ ذات میں "فتدبر فانه دقیق"

علاوہ بریں کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اگر شیعہ یہ کہیں کہ آیت مبارکہ "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ" (سورہ المائدہ آیت 55) الخ میں "وَالَّذِينَ آمَنُوا" سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں تو زمین سر پر اٹھالی جاتی ہے کہ جمع سے واحد کیونکر مراد ہوسکتا ہے؟ اور یہاں خود جمع سے واحد مراد لے رہے ہیں کہ "والذین معه" سے ابوبکر "اشداء علی الکفار" سے عمر اور "رحماء بینهم" سے مراد عثمان ہیں یہاں ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ شیعوں پر تو بڑے شد و مد سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سوائے چند اصحاب کے دوسرے کے قائل نہیں لیکن یہاں خود اعتراض کنندگان نے اسی چیز کا مظاہرہ کیا ہے کیا ان کو رسول پاک کے ہزاروں بلکہ لاکھوں اصحاب میں سے صرف یہی آٹھ دس افراد اس آیت کے مصداق ملے ہیں؟ اور نقلاً اس لئے درست نہیں کہ "والذین معه" کا مصداق اس لئے ابوبکر کو قرار دیا جاتا ہے۔ کہ وہ غار ثور میں اور سفر ہجرت میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ معیت زمانی ومکانی میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے یہ تو کافر ومومن کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہے بالخصوص معیت فی الغار ابوبکر کے لئے کوئی باعث افتخار کارنامہ نہیں بلکہ الٹا ان کے لئے باعث عار و شنار ہے جیسا کہ اس آیت کے ذیل میں ہم ذکر کریں گے۔

؎ بس کن حدیث غار کہ ننگ است نزد عقل ☆ آں حزن و بے قراریٔ شیخ معمرم

عمر کو "اشداء علی الکفار" اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ انہوں نے مدۃ العمر میں نوفل نامی ایک شخص کو قتل کیا تھا اور ہمارے

مخاطب لکھتے ہیں کہ ''دشمن پر ان کی شدتِ قہر وصولت کا یہ اثر پڑتا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی ان کے چھکے چھوٹ جاتے تھے، مگر تاریخی حقائق اس کے برعکس یہ شہادت دیتے ہیں کہ کفار کو دیکھتے ہی عمر پر ان کی شوکت وصولت وصلابت کا کچھ ایسا اثر پڑتا تھا کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے تھے پیغمبر اسلام کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر پہاڑوں میں جا کر پناہ لیتے اور بزبانے کوہی کی طرح اچکتے پھرتے اور پوری زندگی میں صرف خیبر میں دو بار قیادت جنگ ملی تھی مگر ہر بر کفار کے اوچھے حملے کی بھی تاب نہ لا سکے اور مع الخیر بھاگ کر اور جان بچا کر واپس آ گئے اور ''جب خیبری قلعے سے باہر نکلے تو حضرت عمر کے قدم نہ جم سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامرادی کی لیکن فوج نے خود ان کی نسبت یہی شکایت کی'' (سیرۃ النبی شبلی ج ا ص 356 طبع لاہور) جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے ھل من مبارزٍ؟ کا نعرہ بلند کیا تو ہمارے بھائیوں کے اشداء علی الکفار پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گویا روح تن سے مفارقت کر گئی خدا نے اسکی یوں تصویر کشی فرمائی ہے'' **رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ**''۔ گھبراہٹ سے تمہاری طرف دیکھتے تھے اور ان کی آنکھیں اسطرح گھومتی تھیں جیسے کسی شخص پر موت کی بیہوشی طاری ہو (سورہ الاحزاب آیت 19) (روضۃ الاصفاح ۲ ص ۱۵۳، ۱۵۴ طبع بمبئی، معارج النبوۃ ص ۶۱ وغیرہ) انہی اشداء علی الکفار سے جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: ''مکہ جاؤ اور کفار سے کہو کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آ رہے ہیں تو جناب عمر نے اپنی شدت کا یوں ثبوت دیا کہ یا رسول اللہ ان کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے علاوہ بریں میرے قبیلے بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان بھیجے جائیں کیونکہ وہ خاندان بنوامیہ کے ایک باعزت رکن ہیں'' (تاریخ الامتہ ج ا ص ۱۲۹ از حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری) الغرض کسی ایک اسلامی جنگ میں بھی ان کا جم کر کفار سے لڑنا ثابت نہیں ہے یہی **اشداء علی الکفار** ہیں جن کے متعلق شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ''خلافت کے زمانہ میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے'' (الفاروق ج ۲ ص ۱۴۳ طبع قدیمی دہلی) کیا **اشداء علی الکفار** ایسے ہی ہوتے ہیں؟ شرم شرم۔

؎ گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد ☆ وائے گر زپس امروز بود فردائے

ان حقائق سے واضح وعیاں ہو گیا کہ عمر کا **اشداء علی الکفار** ہونا محض بے بنیاد مفروضہ ہے البتہ وہ اشداء علی ال آل و الاصحاب ضرور تھے اور بقول بعض علماء ''لاریب جناب خلیفہ ثانی اس شدت وصلابت میں لاثانی تھے''

؎ نہ خوف از خداو نہ بیم از رسول

دروازہ جناب سیدہ عالم پر کھڑے ہو کر کہا کہ: ''اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہیں تو میں ان کی وجہ سے گھر میں اگ لگا دوں گا'' (الفاروق شبلی ج ا ص ۳۴ مطبع قدیمی دہلی) حتیٰ کہ اس معصومہ بی بی کو وہ صدمہ پہنچایا کہ جناب محسن کی شہادت

واقع ہوگئی (الملل والنحل ج۱ ص ۲۵ طبع بمبئی) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

اور جہاں تک رحماء بینھم کے رحم ورکرم کا تعلق ہے تو اس کا کچھ شمہ قبل ازیں اسلام کی تصویر کشی اور پہلی آیت کے جواب میں بیان کیا جا چکا ہے اور کچھ بعد ازیں مطاعن عثمان کے ضمن میں بیان کیا جائے گا یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ وہ دوسروں پر نہیں۔ البتہ اپنے اقرباء واعزار پر بہت ہی رحم کیا کرتے تھے چنانچہ اپنے مادری بھائی ولید بن عقبہ جیسے شراب خوار کو کوفہ کا حاکم بنا دیا جس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی مصلہ پر شراب کی قے کی اور کہا اگر چاہو تو کچھ رکعتیں اور پڑھادوں (الاصابہ ج ۳ ص ۶۳۸ مطبوع بیروت وغیرہ)

مروانِ طرید رسول کو نہ صرف مدینہ بلایا بلکہ اسے بہن کا رشتہ بھی دیا اور اپنا میر منشی مقرر کیا اور زکوٰۃ وخمس کے لاکھوں روپے بالخصوص خمس افریقہ اس کے حوالہ کر دیا (الامامت والسیاست ص ۳۰، تاریخ خلفاء ص ۱۰۶) دوسرے اصحاب پر یہ رحم تھا کہ عبداللہ بن مسعود کو اس قدر پٹوایا کہ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی (تاریخ خمیس ص ۲۷۰ طبع مصر) اور جناب عمار بن یاسر کو اس قدر مارا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہوگیا (تاریخ الخمیس ص ۲۷۱ الامامت والسیاست ص ۳۱)

مولوی کرم الدین صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ: ''شیعہ کو سچا جانیں یا خدا پر ایمان لائیں'' ہم عرض کریں گے کہ شیعوں کے نظریہ اور خدا کے ارشاد میں ہرگز کوئی تضاد واختلاف نہیں ہے شیعہ بھی سچے ہیں اور ان کا خدا بھی سچا ہے آپ صرف براہ کرم اصحاب ثلاثہ کو ان آیات میں داخل کرنے کی ناکام کوشش نہ کریں جس سے ان کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

؎ مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائینگے

نویں آیت:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورہ مجادلہ آیت 22) ''نہ پائے گا تو ایسی قوم کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر کہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو مخالف ہوئے خدا کے اور اس کے رسول کے اگر چہ ان کے باپ یا بھائی یا خویش ہوں۔ ان کے دلوں میں خدا نے ایمان رکھ دیا ہے اور ان کو مدد دی اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی سدا رہیں گے ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہیں یہ الٰہی جماعت فلاح والی ہوتی ہے'' اس آیت میں مخلص مومنین کی پڑتال کا ایک عمدہ معیار حق سبحانہ وتعالیٰ نے بتلا دیا ہے وہ یہ کہ اس مخلص جماعت کی پہچان یہ ہے کہ اعداء

خدا و رسول سے کبھی دوستی نہ کریں گے اگر چہ کیسے ہی ان کے اقرباء کیوں نہ ہوں۔ اب ہم صرف اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں تاریخ اسلام شاہد ہے کہ الحب للہ والبغض للہ انہی حضرات کا خاصہ لازمہ تھا۔ جنگ بدر میں فاروق اعظم کے ہاتھ سے عاص بن ہشام آپ کا حقیقی ماموں قتل ہوا۔ قیدیوں کے معاملہ میں رائے دینے کے وقت پکار کر کہہ دیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو قتل کرے۔ فاروق اعظم نے اپنے بیٹے تک پر شرعی حد کے اجراء میں لحاظ نہیں فرمایا تھا کیا شیعہ صاحبان کوئی معتبر شہادت اس کے برخلاف پیش کر سکتے ہیں؟ کسی دشمن خدا و رسولؐ کے ساتھ انہوں نے بارانے گانٹھ لئے ہوئے تھے؟ کبھی بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اسلام کے معاملہ میں کسی اپنے بیگانے کا لحاظ نہ کرتے تھے لیکن شیعہ اس کے برخلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ (معاذ اللہ) کافر و منافق تھے لیکن جناب امیر علیہ السلام ان سے یارانہ گانٹھے رہے ہر معاملہ میں ان کے مشیر کار بنے رہے۔ مال غنائم میں انکے حصہ دار بنے رہے حتیٰ کہ اپنے لخت جگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی خانہ آبادی کے متعلق بھی حضرت عمر کے رہین منت ہوئے تزویج فاطمہ کی سلسلہ جنبائی بھی پہلے صدیق و فاروق نے ہی کی۔ حضرت علیؑ ان منافقین کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے رہے کبھی ان سے قتال و جدال نہیں کی پھر شیعہ بتلائیں کہ امیر علیہ السلام آیت **لا تجدقوماً** الخ کا مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ کیا کوئی شیعہ اس کا جواب دے سکتا ہے؟ (آفتاب ص ۶۸، ۶۹)

الجواب:

مولف کی عادت ہے کہ ہمیشہ خلط مبحث کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں کئی متنازعہ فیہ امور کو چھیڑ کر انکو باہم گڈ مڈ کر دیتے ہیں جس کے جواب میں باوجود اختصار کی کوشش کرنے کے رشتۂ کلام دراز ہو جاتا ہے اسی آیت کو لیجئے اس میں "کفار کے ساتھ محبت نہ کرنے کے" مسئلہ میں کتنے غیر متعلق مسائل گھسیٹ دیئے ہیں اور پھر لطف یہ کہ فرار کے نام لیوا ہو کر حیدر کرار غیر فرار کے شیعوں کو للکار کر کہتے ہیں "کیا کوئی شیعہ اسکا جواب دے سکتا ہے؟" واہ رے قاضی تیری شہبازی!

؎ پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں ☆ جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

واقعاً خدائے رحمن نے مومن اور غیر مومن، مخلص اور غیر مخلص کی پہچان کا یہ میزان مقرر فرمایا ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے اگر چہ وہ انکے خویش و اقربا ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں کے پیارے صحابہ کرام کی اکثریت اس معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ صحابہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو در پردہ اپنے کافر رشتہ داروں اور مشرک دوستوں سے خفیہ تعلقات وراہ ورسم اور دوستی رکھتے تھے۔ چنانچہ خداوند جبار نے بار بار ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی اور انکو کفار کے

ساتھ محبت کرنے سے منع فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ '' (سورہ توبہ 23) اے ایمان کے دعویدارو! اگر تمہارے قریبی رشتہ دار ماں باپ اور بہن بھائی (ایمان کے بالمقابل) کفر کو اچھا سمجھیں تو ان سے دوستی نہ کرو اور جو ان سے میل ومحبت رکھیں گے وہی ظالم ہونگے ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ '' (س الممتحنہ آیت 1) اے ایمان والو! اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے گھروں سے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ ان کی طرف دوستی کے پیغام نہ بھیجو حالانکہ وہ اس (دین) حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے (بلکہ) وہ رسول کو اور تم کو صرف اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو (بایں ہمہ) تم پوشیدہ طور پر ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم کرتے ہو خواہ چھپا کر کرو یا اعلانیہ کرو میں اس سے واقف ہوں تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ (سمجھ لے) کہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا'' اگر جماعت صحابہ میں اس جرم کے مجرم نہ تھے تو خدائے قہار نے یہ تہدید و وعید کن مومنوں کو فرمائی ہے؟ پھر ''الصحابہ کلھم عدول'' کا نظریہ کہا گیا؟ خدا نے تو ایسا کرنے والوں کو فاسق وفاجر قرار دیا ہے ارشاد فرماتا ہے: ''وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ '' (سورہ المائدہ آیت 81) ''یہ لوگ اگر فی الحقیقت خدا اور رسول اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا پر ایمان رکھتے تو کبھی ان کفار و مشرکین کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں سے تو اکثر فاسق وفاجر ہیں''

اب رہا یہ سوال کہ آیا اصحاب ثلاثہ بھی اس زمرہ میں شامل تھے جن کی مذمت ان آیات میں کی گئی ہے یا نہ؟ تو تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کا جواب اثبات میں ہے ذیل میں بعض روایات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۵۶ پر بحوالہ نسائی وحاکم یہ روایت درج کی ہے کہ کفار قریش کے کچھ لوگوں نے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ کے پڑوسی ہیں ہمارے کچھ غلام کاروبار سے جی چرا کر آپ کے پاس چلے آئے ہیں (اور مسلمان بن گئے ہیں) ان کو فی الحقیقت اسلام میں کوئی رغبت نہیں وہ ہمیں واپس کر دیجئے۔ آنحضرتؐ نے ابوبکر سے دریافت کیا تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں یہ آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں (یعنی ان کے آدمی واپس کر دیجئے) یہ سنکر آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا پھر عمر سے فرمایا تم کیا کہتے ہو انہوں نے بھی ابوبکر والا جواب دیا یہ سنکر پھر آپکا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا اسکے بعد کفار سے فرمایا اے گروہ قریش! بخدا خدا ایسا شخص بھیجے گا۔ جس کے قلب کا اس نے ایمان سے امتحان کر لیا ہے جو

تمہیں مارے گا یہ سنکر ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا نہیں عمر نے کہا کیا میں ہوں فرمایا نہیں! بلکہ وہ شخص ہے جو (میرے) نعلین کی مرمت کر رہا ہے اور اس سے پہلے آنحضرتؐ نے اپنے نعلین مرمت کرنے حضرت علیؑ کو دیئے تھے۔

۲۔ایمان عمر کے ضمن میں بحوالہ بخاری لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے تورات لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پڑھنا شروع کی اور آپ کے چہرے انور کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا عمر کے یہودیوں سے میل جول رکھنے اور درس تورات میں شمولیت کرنے کے واقعات کی جناب شبلی نعمانی نے بھی تصدیق کی ہے فرماتے ہیں: ''یہ امر صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن تورات کا درس ہوتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ درس کے دن ان کے وہاں جایا کرتا تھا۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے، ہم مذہبوں میں ہم تم کو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے ہو'' (الفاروق ج ۲ ص ۲۱۹) کیا یہ مولف کی پیش کردہ روایت کی کھلی ہوئی خلاف ورزی نہیں ہے؟

۳۔حضرت عثمان کے تو کفار سے اور بھی گہرے مراسم تھے کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ بنی امیہ کے کچھ کافر جو مدینہ میں جاسوسی کرنے کی غرض سے آتے تھے ان کے قیام وطعام کا انتظام جناب عثمان کے گھر ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ معاویہ بن مغیرہ آپ کے گھر میں چھپا ہوا ہے آنجناب نے عثمان کو حکم دیا کہ تین دن کے اندر اندر اسے مدینہ سے نکال دو مگر آپ نے تعمیل نہ کی کسی صحابی نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا (علی مانقلہ فی المحکمات)۔

باقی رہا عمر صاحب کا جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کرنا یہ صرف افسانہ ہے ورنہ اسلامی تاریخیں دوسرے غزوات کی طرح جنگ بدر میں بھی عمر صاحب کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے میں قاصر نظر آتی ہیں اور جہاں تک اسراء بدر کے متعلق آنحضرتؐ کا عمر سے رائے طلب کرنا اور ان کے یہ رائے دینے کا تعلق ہے کہ ''ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے'' بنا بر تسلیم روایت جب یہ رائے ایسی سفاکانہ بھیمانہ اور خلاف شریعت تھی کہ خود صاحب شریعت نے اسے ٹھکرا دیا تو پھر اس میں مدح کی کونسی بات ہے؟ اگر ان حضرات میں عقل وفکر کی کوئی رمق ہوتی تو اس واقعہ کو قطعاً کبھی عمر کی مدح میں بیان نہ کرتے مگر آہ انھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور سچ ہے

ے ذهب الحمار ليستفيد لنفسه ☆ قرفناً فآب و ماله اذنان

اسی طرح اپنے بیٹے ابوشحمہ پر حد جاری کرنے میں بھی ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ان کا جرم طشت از بام ہو چکا تھا شرعی شہادتیں مکمل تھیں اب اگر حد جاری نہ کرتے تو شائد خالق کی طرف سے تو انکی نبھ جاتی مگر اب مخلوق معاف نہ کرتی علاوہ ازیں اس واقعہ سے تو بموجب ''خود میاں فضیحت و دیگر آں را نصیحت'' ان کی فضیحت ہوتی ہے کہ جو دوسروں پر اشداء ہونے کا دعویدار سو خود اس کی گرفت اپنے گھر میں ایسی ڈھیلی ہو کہ وہاں شرب خمر جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا جائے اہل انصاف فرمائیں کہ اس واقعہ کے ذکر

میں خلیفہ دوم کی فضیحت ہے یا فضیلت؟

مؤلف کے ضمنی مسائل پر تبصرہ:

اصل استدلال کا جواب با صواب تو یہاں تک مکمل ہوگیا ہے اب ان ضمنی مسائل پر بھی مختصر الفاظ میں تبصرہ کیا جاتا ہے جن کو مولف نے یہاں چھیڑا ہے تفصیل کے ساتھ ان پر وہاں گفتگو کی جائے گی جہاں مولف بالتفصیل ان مسائل کا تذکرہ کرینگے انشاء اللہ

حبّ الشئی یعمی و یصمم قولہ حضرت علی علیہ السلام ان سے یارانہ گانٹھے رہے:

جہاں تک حضرت علیؑ کے ثلاثہ کے ساتھ یارانہ گانٹھنے اور اور دوستانہ تعلقات رکھنے کا تعلق ہے اس کے متعلق جناب عمر کی شہادت کافی ہے جو صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ مع شرح نوی طبع دہلی میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ وعباسؓ کو خطاب کر کے کہا: "رایتمافی کاذباً اثماً غادراً خائناً" کہ تم دونوں مجھے جھوٹا گنہگار غدار اور خائن سمجھتے ہو اور (صرف یہی نہیں بلکہ) جو مجھ سے بہتر تھا (ابوبکر) تم اُسے بھی ایسا ہی سمجھتے رہے۔ مگر حضرت علیؑ وعباسؓ نے اس کی رد نہ کر کے بلکہ اپنی خاموشی سے اس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے کہ ہاں ہم تم لوگوں کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا تم نے بیان کیا ہے۔

قولہ "ہر معاملہ میں ان کے مشیر کار رہے":

یہ سفید جھوٹ ہے صرف جنگ قادسیہ اور غزوہ روم میں آپ سے مشورہ لیا گیا تھا اور اپ نے آنحضرتؐ کے فرمان "المستشار مؤتمن" کے مطابق صائب مشورہ دیا قرآن شاہد ہے کہ عزیز مصر نے (جو کہ کافر تھا) جب حضرت یوسفؑ سے مشورہ طلب کیا تھا تو انہوں نے اسے صحیح مشورہ دیا تھا تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عزیز مصر اور جناب یوسف باہم شیر و شکر تھے اور اُن کے تعلقات دوستانہ تھے؟ مالکم کیف تحکمون؟

قولہ "مال غنائم سے حصہ دار بنے رہے":

یہ اتنا بڑا افترا ہے کہ قریب ہے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں جب عام شیر کسی کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا تو کیا اسد اللہ الغالب کے لئے یہ ممکن تھا کہ دوسرے کا کمایا ہوا مال کھائیں حاشا وکلا۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً اس کا کوئی قابل اعتبار ثبوت نہیں ہے۔ اگر بقول حضرات غنائم سے حصہ لیتے تھے اور ان جنگوں کو بھی صحیح سمجھتے تھے تو پھر پورے دور ثلاثہ میں کسی جنگ میں خود کیوں شریک نہیں ہوئے؟ حضرت علیؑ اور اصحاب ثلاثہ کو باہم شیر و شکر بنانے والوں کے پاس ہے کوئی اسکا جواب؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

قولہ ''حتی کہ اپنے لخت جگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی خانہ آبادی کے متعلق بھی حضرت عمر کے رہین منت ہیں'':

اس امر میں مورخین کے درمیان شدید اختلافات ہے کہ جناب بی بی شہر بانو کس دور خلافت میں آئیں؟ عام طور پر یہی مشہور ہے کہ وہ دور عمر میں آئیں۔ مگر محققین مورخین نے اس قول کو رڈ کیا ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے الفاروق جلد ۲ ص ۲۱۸، ۲۱۹ طبع لاہور میں اس کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ عثمان کے دور میں آئیں اسی قول کے بابت شبلی نعمانی نے اپنا رجحان ظاہر کیا ہے لیکن صاحب ناسخ التواریخ اور صاحب منتہی الآمال کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے ظاہری دور خلافت میں آئیں تو جب اس قدر اقوال موجود ہیں تو کیوں نہ اس آخری قول کو اختیار کیا جائے؟

اور بنا بر تسلیم اینکہ عہد عمر میں جنگ قادسیہ کے وقت آئیں تو چونکہ اس جنگ میں حضرت علیؑ کا مشورہ شامل تھا نیز بی بی عاقلہ، بالغہ اور رشیدہ تھیں اور انہوں نے اپنے ارادہ واختیار سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے حبالۂ عقد میں آنا پسند کیا تھا تو اس میں کسی کے احسان یا جس جنگ میں آئیں اس کے جائز یا حرام ہونے کو اس میں کیا دخل ہے؟

قولہ ''تزویج فاطمہؑ کی سلسلہ جنبائی بھی پہلے صدیق وفاروق نے کی تھی'':

بنا بر تسلیم یہ سلسلہ جنبائی اس لئے کی تھی کہ چونکہ پہلے خود اپنے لئے یہ رشتہ طلب کر کے خائب وخاسر ہو چکے تھے اس لئے چاہا کہ اس رسوائی میں حضرت علیؑ کو بھی شامل کرلیں لیکن جسے خدا بلند کرے اسے کون پست کر سکتا ہے اور جسے خدا عزت دے اسے کون ذلیل کر سکتا ہے؟ اگر وہ اس سلسلہ میں مخلص ہوتے تو جب خود عمر رسیدہ تھے کئی کئی بیویاں گھر میں موجود تھیں اور صاحب اولاد بلکہ صاحب احفاد بھی تھے اور دوسری طرف حضرت علیؑ نوجوان غیر شادی شدہ تھے اور پہلے تو اپنی بجائے پہلے پہل ان کے لئے کیوں سلسلہ جنبائی نہ کی؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

قولہ ''حضرت علیؑ ان منافقین کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے'':

اگر آپ کسی سنی یا شیعی روایت سے یہ ثابت کردیں کہ اقتداء کی نیت کی تھی تو ہم منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں صرف خلف یا ''وراء'' وغیرہ الفاظ سے کام نہیں چلے گا۔ اسی طرح تو نماز ''خلف الجدار'' ''رواد وراء الاسطوانة'' بھی ہوجاتی ہے اور ہوتی رہتی ہے کوئی ہے اس انعام کا خواہشمند؟

ے گوئے ایمان و سعادت درمیان افگندہ اند ☆ کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

قولہ: ''کبھی ان سے قتال وجدال نہیں کی'':

جس حکمت و مصلحت کے ماتحت پیغمبر اسلامؐ نے منافقین سے جہاد بالسیف نہیں فرمایا بلکہ صرف قولی جہاد پر اکتفا کی بعینہ اسی مصلحت کی بناء پر شیر خدا نے بھی جہاد بالسیف نہیں کیا فما ھو جوابکم فھو جوابنا ان فی ذلک الآیات لقوم یعقلون۔!

دسویں آیت:

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (سورہ توبہ آیت 20 تا 21)

''جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت اور جہاد کیا اپنی جانی و مالی خدمات سے دریغ نہ کیا خدا کے ہاں بڑا رتبہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور بہشتوں کی جس میں ابدی عیش کریں گے''

ان آیات میں مہاجرین اور مومنین کا اعلیٰ رتبہ ہونا اور ان کا فائز الدارین ہونا بیان کیا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ اس آیت کے مصداق نہ تھے؟ کونسا وصف اوصاف مذکورہ آیت کریمہ سے مسلوب کر سکتے ہیں؟ کیا آنحضرت پر بلا طمع دنیا ایمان نہیں لائے تھے کیا آپ کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل نہیں کیا تھا؟ جہاد فی سبیل اللہ کے فرض کے تارک تھے؟ (آفتاب ص ۶۰)

الجواب:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مؤمنین مخلصین۔ مہاجرین صادقین اور مجاہدین صابرین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں مگر یہ حکم عام ہے پس جس شخص میں بھی یہ صفات جلیلہ پائی جائینگی وہی ان کا مصداق قرار پائے گا مگر مولوی کرم الدین صاحب تو اس سے خاص اصحاب (ثلاثہ) کی فضیلت ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ مسئلہ مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ ''**لادلالة للعام علی الخاص باحدی الدلالات الثلاث**''۔ علاوہ بریں مشکل یہ ہے کہ ان تمام صفات مذکورہ فی ال آیۃ سے اصحاب ثلاثہ کے دامن خالی نظر آتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کے دامن میں کامل ایمان کی دولت ملتی ہے، نہ ان کے پاس خالصاً لوجہ اللہ ہجرت کا ذخیرہ ہے اور نہ ہی ان کے پاس کسی مالی یا جانی جہاد کا ثبوت ملتا ہے تو پھر کس طرح انکو اس آیت میں شامل کیا جاسکتا ہے؟ ہمارا صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں بالخصوص اور دوسری آیات کے جوابات میں بالعموم ان امور کو قرآن کریم و حدیث سید المرسلین کے ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کیا جاچکا ہے اس لئے بار بار ان کے اعادہ و

تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حامیانِ ثلاثہ میں کچھ بھی جرأت وہمت ہے تو پہلے ان کا ایمان اور کسی جہاد میں ان کا صبر وثبات ثابت کریں پھران کو ان آیات میں داخل کرنے کی کوشش کریں جن میں مؤمنین ومجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ودون اثباتہ خرط القتادۃ۔

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ☆ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

گیارھویں آیت:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ توبہ آیت 111 تا 112) ترجمہ ''خدا نے خریدی مؤمنوں سے ان کی جانیں اور مال (کہ اس راہ میں خرچ کریں اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ملے گا) خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور پھر قتل کرتے ہیں (کفار کو) اور قتل ہوتے ہیں (کافروں کے ہاتھ سے) اس کے ذمے وعدہ ہو چکا ہے سچا توراۃ اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ خوشی مناؤ اے ایمان والو اس سودے پر جو خدا نے تم سے کیا (یعنی فانی چیز دے کر ابدی نعیم لے لیا) اور یہی بڑی کامیابی ہے یہ (مسلمان) توبہ کرنے والے (برائیوں سے) بندگی کرنے والے (دل سے) شکر بجالانے والے (نعمت اسلام پر) بے لگاؤ رہنے والے (دنیا کے تعلقات سے) رکوع سجود کرنے والے بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے، نگاہ رکھنے والے حدود اللہ کو۔ اور ان کو مبارکباد دیجئے (کہ ایسے القاب حضور الٰہی سے ان کو عطا ہوئے)''

دیکھو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سچے مؤمنوں کو جنہوں نے اس کی راہ میں جانیں اور اموال حاضر کئے۔ موکد وعدہ بہشت عطا کرنے کا دے دیا اور فرمادیا کہ یہ وعدہ سچے مؤمنوں کے لئے ہے وہ کریم ہے اور الکریم اذا وَعَدَ وفیٰ۔ اب شیعہ حضرات سے ہم پوچھتے ہیں کیا خدا سے یہ سودا کرنے والے اصحاب ثلاثہ نہ تھے؟ انہوں نے اپنی جان ومال خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا اور اس کے عوض خدا نے ان کیلئے عطیہ اخروی کا وعدہ بھی بارگاہ ایزدی سے ہو چکا پھر ان کی شان والا میں شک کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ یہ کتنی بے انصافی ہے کہ حق تعالیٰ تو ان کو مبارکبادی کے ساتھ وعدے دے' ان کی تعریف کرے اور شیعہ اسکے خلاف الٹا ہی راگ گائیں (آفتاب ص ۷۰)

الجواب:

اس آیت کو بھی دوسری آیات مبارکہ کیطرح مولوی صاحب کے مدعا کے ساتھ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ وعدہ ان سچے مؤمنوں کے لئے ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں جانیں اور اموال حاضر کئے" ان کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ رسولؐ میں کچھ غیر سچے مؤمن بھی تھے ورنہ یہ قید (سچے مومنین) عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی اور پہلی آیت کے جواب میں قرآن و حدیث کے مسلمہ حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ بدقسمتی سے اصحاب ثلاثہ اسی زمرہ (یعنی غیر سچے مومنین) میں شامل ہیں لہٰذا اُس وعدے میں جو سچے مومنین سے فرمایا گیا ہے داخل نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں اس آیت میں خدا نے ان سچے مومنین کے جو اوصاف جلیلہ بیان فرمائے ہیں ان کا ان حضرات میں کہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ مثلاً خدا فرماتا ہے کہ میں نے جنت کے عوض ان سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں لہٰذا وہ اپنی جان کو اپنی جان اور اپنے مال کو اپنا مال نہیں سمجھتے (بلکہ وہ اسے اللہ کی امانت جانتے ہیں) اس لئے اس کا لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ مال بھی بے دریغ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر راہ خدا میں لڑتے بھی ہیں پھر یا تو کفار کو قتل کرتے ہیں (اور خود زندہ رہ کر غازی کہلاتے ہیں) یا خود ان کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کرتے ہیں (اور شہید راہ خدا کہلاتے ہیں) بہر حال وہ میدان دغا سے منہ موڑ کر اور پیغمبر خدا کو نرغۂ کفار میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگتے نہیں ہیں مگر اصحاب ثلاثہ کا جنگ بدر و حنین، خندق و خیبر وغیرہا سے اپنی جان بچا کر اور کفار کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کرنا اور کسی ایک جنگ میں بھی ثابت قدمی سے جم کر جہاد نہ کرنا ہم پہلی آیت کے جواب میں مسلمہ تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں۔

ع اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اور جہاں تک ان حضرات کے مالی قربانیوں سے پہلو تہی کرنے اور جی چرانے کا تعلق ہے ہم چھٹی آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں ل کہ جب آیت بخوبی نازل ہوئی جسمیں اصحاب کو آنحضرتؐ سے تخلیہ میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقے دینے کا حکم دیا گیا تھا تو باوجود یکہ دس دن تک یہ حکم باقی رہا۔ مگر ان حضرات کو چند ٹکے خرچ کر کے آنحضرتؐ سے علیحدگی میں بات کرنے کی توفیق نہ ہو سکی جبکہ اس سے پہلے آنحضرتکا آرام سکون خراب کر رکھا تھا۔ کیا ایسے ہی لوگوں سے خدا نے جنت کا پختہ وعدہ کر رکھا ہے جن

کو اپنے قولی و عملی اقرار کے مطابق حضرت رسول خداؐ کی جان سے اپنی جان زیادہ عزیز[لہ] تھی کیا ایسے لوگ رضی اللہ عنہم کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

اس آیت کے صحیح مصداق؟:

اگر اس آیت کے صحیح مصداق دیکھنے ہوں جو ان تمام صفات قرآنیہ سے متصف تھے یعنی ''جو مؤمن کامل تھے، جو مال و جان سے اس طرح جم کر جہاد کرتے تھے کہ معرکہ، جہاد سے قدم سرکانے اور دشمن کو پیٹھ دکھانے کا نام بھی نہیں جانتے تھے جن کی عبادت گذاری اور شب زندہ داری کے باعث پیشانیوں پر گٹھے پڑ گئے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس قدر سخت و شدید تھے کہ کسی عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب کی بھی ذرا برابر رو و رعایت نہیں کرتے تھے تو آیئے انہیں خانوادہ مصطفیٰ میں اور ان کے سچے حبداروں اور پیروکاروں میں دیکھیے۔

ے وہ زور وہ شوکت وہ سخاوت وہ شجاعت ☆ وہ خلق وہ اعجاز وہ ہمت وہ کرامت

وہ خوف الٰہی وہ عبادت وہ عدالت ☆ وہ شکر وہ تسبیح وہ فاقہ وہ قناعت

الطاف یتیموں پر ترحم غربا پر ☆ تھا خاتمہ ان سب کا شۂ عقدہ کشاء پر

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ''اور جو اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام کے حالت میں رات گذارتے ہیں۔'' (سورہ الفرقان آیت 64) انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

انہی سچے مؤمنین اور مجاہدین فی سبیل اللہ میں سے جناب جعفر ابن ابی طالب (برادر حضرت علیؑ) بھی تھے جن کی شجاعت و بسالت کے متعلق مؤرخ شبلی جنگ موتہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں

''یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفر نے علم ہاتھ میں لیا گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کوچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور چور ہو کر گر پڑے حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی

[لہ] ایک مرتبہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہؐ لانت احب الی من کل شئی الا من نفسی یا رسول اللہؐ۔ سوائے اپنی جان کے باقی ہر چیز سے آپ مجھے زیادہ عزیز ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیک من نفسک اس خدائے قدیر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ اس واقعہ سے ایمان عمر کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ مگر اس کے لئے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔ ع دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

(بخاری ج ۴ ص ۹۱ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۸۸ در منثور ج ۳ ص ۲۲۳ ازالۃ الخفاج ۱ ص ۱۱، ۱۹۰ وغیرہ) (منہ عفی عنہ)

تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ داغ نہیں اُٹھایا'' (سیرۃ النبی ج ا ص ۱۷۳ کذا فی تاریخ الامہ ص ۱۳۶ طبع علی گڑھ)

اسی مقدس جماعت کے ایک فرد حضرت حمزہ ہیں جنہوں نے جنگ احد میں شجاعت و دلیری اور جان نثاری کے وہ ان مٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک شہیدان راہ خدا کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے رہیں گے فاضل مؤرخ شبلی لکھتے ہیں:

''کہ حضرت علیؑ اور حضرت حمزہ و ابودجانہ فوجوں کے دلوں میں گھس گئے اور صفین کی صفین صاف کر دیں۔۔۔حضرت حمزہ دو دستی تلواریں مارتے جاتے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔۔۔حضرت علیؑ اور حضرت ابودجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے بہادر نہ زنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھی بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔۔۔اور مطلع صاف ہو گیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔۔۔اور غل مچ گیا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔۔۔اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔۔۔حضرت علیؑ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے۔لیکن کعبہ مقصود رسول اللہ کا پتہ نہ تھا۔حضرت انس کے چچا ابن نضر لڑتے لڑتے موقع سے آگے نکل گئے تو دیکھا کہ حضرت عمر نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے۔ پوچھا عمر بیٹھے کیا کرتے ہو؟ بولے لڑ کر کیا کریں رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ابن نضر نے کہا انکے بعد زندہ رہ کر ہم کیا کریں گے یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔الخ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۷۷ طبع کانپور)

اسی سلسلہ کہ ایک کڑی جناب عبیدہ ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے مقدس خون سے درخت اسلام کی آبیاری کی اور فداکاری کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ اسلامی غزوات کی تاریخ میں اس کی مثال شائد ہی مل سکے اور اسی مقدس گروہ کے سردار و سپہ سالار جناب حیدر کرار غیر فرار تھے، جن کی شدت و صلابت اور شجاعت و بسالت کے کارنامے رقم کرنے سے قلم و زبان عاجز و حیران ہے۔

؎ علیؑ کی تیغ چمکی بارہا اعدا کے لشکر میں ☆ جمل میں بدر میں صفین میں خندق میں خیبر میں

دم پیکار تیغ شاہ مرداں پیر جاتی تھی ☆ زرہ میں چار آئینہ میں دستانہ میں بکتر میں

بہرحال یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ

؎ دم بزد عرب کے دلیر لڑ نہ سکے ☆ وہ گاڑے دین کے جھنڈے کہ پھر اکھڑ نہ سکے

جن کی شجاعت و دلیری پر ملائکہ مقربین نے آواز تحسین و آفرین بلند کی۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں ''ہر گاہی کہ شیر بیشہ علی مرتضیٰ بدفع مشرکاں مشغول گشت رسول فرمودے علی می شنوی مدح خودرا کہ ملکی کہ کام او رضوان است در آسمان میگوید ُلا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۸ طبع نولکشور)

انہی بزرگوں کی شان میں خدا فرماتا ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ'' (سورہ الصّف آیت 4) بے شک خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں یوں صف باندھ کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور یہی لوگ ہیں مصداق ''وَجَاہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ'' کے اور انہی کے حق میں نازل ہوا ہے۔ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ۔ اور انہی سے خدا نے جنت الفردوس کا پختہ وعدہ فرمایا ہے۔ اسی خاندان معلیٰ میں وہ روزہ دار شب زندہ دار عبادگذار موجود ہیں کہ جن میں سے کوئی امام المتقینؑ، کوئی زین العابدینؑ اور کوئی سید الساجدینؑ نظر آتا ہے ولنعم ماقیل

؎ علی ہے نفس مصطفٰی وہی سب اس میں عادتیں ☆ سپر تھر تھرا گیا دکھائیں وہ شجاعتیں
زمین جگمگا اٹھی وہ دل سے کیں عبادتیں ☆ تن ابوتراب سے چمک رہی تھیں آیتیں
رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں

یہی وہ آمر بالمعروف اور ناھی عن المنکر بزرگوار ہیں کہ جنہوں نے یہ فریضہ خداوندی ادا کرتے کرتے اپنی جانیں جان آفرین کے حوالہ کر دیں۔ اور یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے خداوندی حدود و قیود کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اپنا بھرا ہوا گھر لٹوا دیا اور اپنا گلہ کٹوا دیا مگر حدود خداوندی کو ہرگز ہرگز نہ ٹوٹنے دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ☆ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شیعہ بے انصافی نہیں کرتے بلکہ بے انصافی محبان ثلاثہ کرتے ہیں۔ کہ خدا مدح وثنا اور لوگوں کی کرتا ہے اور حامیان ثلاثہ اوروں کا راگ الاپتے ہیں اور ان لوگوں کو ان میں شامل کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں جنکا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا لیکن

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمہ آفتاب را چہ گناہ

بارھویں آیت:

وَجَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ؕ ہُوَ اجۡتَبٰىکُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ہُوَ سَمّٰىکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ ہٰذَا لِیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَہِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ وَتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (سورہ حج آیت 78) ترجمہ: اور خدا کی راہ میں سچا جہاد کرو خدا نے پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔ یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ہے اللہ نے تمہارا نام مسلمان (حکم بردار) پہلے ہی سے رکھا ہوا ہے۔ (یعنی اگلی کتابوں میں) تا کہ رسولؐ تمہارا گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔ دیکھو اس آیت میں مؤمنین مجاہدین کے اسلام و ایمان پر کسی قوی شہادت الٰہی موجود ہے کہ ان کا نام نہ صرف قرآن میں بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں پہلے ہی مسلمان رکھا ہوا ہے۔ کیا خلفائے کرام سے بڑھ کر

جاہدو فی سبیل اللہ کا حامل ہوسکتا ہے؟ پھر شیعہ اگر خدا کی جملہ آسمانی کتابوں سے ان کے سچے اسلام کی شہادت مٹا سکتے ہیں تو مٹائیں الخ (کتاب آفتاب ص ۱۷)

الجواب:

جب مولف محترم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں مؤمنین مجاہدین کے اسلام و ایمان پر شہادت الٰہی موجود ہے تو اب اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے خاص مدوحین یعنی اصحاب ثلاثہ کو اس مقدس گروہ میں شامل کریں تو براہ کرم پہلے زحمت فرما کر اپنے ان خلفاء کرام کا ایمان پر ایقان اور جہاد فی سبیل اللہ میں ان کا صبر وثبات اور قیام و دوام ثابت کریں۔ پھر بڑی خوشی سے ان کے فضائل کا ڈھنڈورا پیٹیں اور اگر وہ یہ کام نہیں کر سکتے اور یقیناً صبح قیامت کے طلوع ہونے تک نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضھم ببعضٍ ظھیراً۔ تو پھر انکو اخلاقاً، شرعاً، رواجاً اور قانوناً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان آیات وافی ہدایات کو جو مؤمنین مجاہدین کے حق میں نازل ہوئی ہیں کھینچ تان کر اپنے چہیتے خلفاء پر فٹ کرنے کی ناکام کوشش کریں۔ ہم نے جن قوی شہادتوں سے ان حضرات میں ایمان کامل کا فقدان اور جہاد سے فرار ثابت کیا ہے جب تک یہ لوگ اپنی تفاسیر، احادیث اور سیر و تواریخ کی تمام کتابوں کو دریا برد نہ کر دیں۔ اس وقت تک وہ اس مخمصہ سے گلو خلوصی نہیں کرا سکتے اس امتِ مسلمہ سے وہی مقدس گروہ مراد ہے، جس کے اسلام و ایمان کی دعا خود حضرت خلیل نے کی تھی "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (سورہ البقرہ آیت 128 تا 129)

اور جو اس فطری اسلام پر قائم و دائم رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی غیر خدا کے سامنے اپنی گردنیں خم نہ کیں اور ان کی پہچان کا سب سے بڑا نشانی یہی ہے کہ جناب خاتم الانبیاءؐ اسی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور یہ نہیں ہیں مگر بنی ہاشم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

تیرھویں آیت:

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ الفتح آیت 18 تا 19) "بالتحقیق رب العالمین ان مومنین سے راضی ہو چکا ہے جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پس خدا نے ان کے دلوں کا حال جان لیا۔ خدا نے ان پر رحمت اتاری اور انکو فتح قریب عطا کی اور بہت سا مال غنیمت انہوں نے حاصل کیا۔ خدا غالب، حکمت والا ہے۔" اس آیت میں خداوند کریم نے بیعت رضوان کے شاملین کو اپنی رضا عطا فرمائی اور ان پر رحمت کا

نازل کرنا اور فتح وحصول غنائم کی مبارک بادری ہے شیعہ بتائیں کیا خوشنودی کا پروانہ منافقین کو بھی ملا کرتا ہے؟ کبھی نہیں جو لوگ اس بیعت میں شامل ہوگئے اور اس پر قائم رہے ان کو منشور رضا الٰہی عطا ہو چکا ہے۔ اور الٰہی دربار سے ملا ہوا منشور پھر واپس نہیں لیا جاتا یہ بات تو مسلم الثبوت ہے کہ اصحاب ثلاثہ میں سے شیخین تو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان رسالت مآبؐ کی تعمیل حکم کے لئے مدینہ منورہ میں سفیر بن کر گئے تھے اور گویا وہ اس بیعت میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ دوم آنحضرتؐ نے حضرت عثمان کو بھی اس طرح بیعت میں شریک فرمایا کہ خاص اپنے دست مبارک کو دست عثمان بتایا (پھر روضہ کافی جلد ۲ ص ۱۵۱) سے اس مضمون کی ایک روایت درج کی ہے اور پھر اس کی تائید مزید حیات القلوب وحملۂ حیدری سے کی ہے مطلب سب کا وہی ہے جو اوپر مذکور ہے اس واقعہ سے حضرت عثمان کی نمایاں فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔

ا۔ آنحضرتؐ کا حضرت عثمان کو دیگر اصحاب کبار سے جن میں حضرت علیؑ بھی تھے اس خاص مہم کے لئے منتخب کرنا۔

۲۔ بیعت رضوان کے وقت حضور علیہ السلام کا اپنے دست مبارک کو دست عثمان قرار دے کر بیعت عثمان لینا پھر تعجب ہے کہ ایسے صریح فضائل کا ثبوت پا کر شیعہ حضرات عثمان کی ذات کی نسبت شک وشبہ کریں۔ **الفضل ما شهدت به الاعداء۔**

ایک اور ثبوت۔ فروع کافی جلد دوم کتاب الروضہ ص ۱۴۶ میں درج ہے۔ ترجمہ امام جعفر صادق نے فرمایا: ''اختلاف بنی عباس کا یقینی ہے اور ندا بھی یقینی ہے امام مہدیؑ کا خروج بھی یقینی ہے۔ راوی نے پوچھا ندا کیونکر ہوتا ہے امام نے کہا کہ ابتداء میں ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے۔ حضرت علیؑ اور ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں اور آخر دن ندا ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں''۔ امام صادق علیہ السلام کی ایسی کھلی زبردست شہادت کے بعد بھی اگر شیعہ حضرات عثمان کی فضیلت کے قائل نہ ہوں تو پھر ان کو خدا سمجھائے۔ سوال: شیعہ کہتے ہیں کہ بیعت الرضوان کے شاملین میں ایسے لوگ بھی تھے، جنہوں نے بیعت کو توڑ دیا اور ان کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا جیسے اجد بن قیس وغیرہ جواب: ایسا شاذ ونادر وجود (اجد بن قیس وغیرہ) اگر بیعت کو توڑ کر کفار میں مل جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ شخص پہلے ہی ضعیف الایمان منافق تھا لیکن اصحاب ثلاثہ کو ایسے مردود پر قیاس کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے جو مرتے دم تک اس عہد پر قائم رہ کر فائز المرام ہوئے اگر یہ لوگ بیعت شکن ہوتے تو مسند خلافت نبوی پر انکو بیٹھنا کس طرح نصیب ہوتا اور حضرت علیؑ شیر خدا ان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے پھر حضرت عثمان جن کو خاندان نبوت میں دو دفعہ دامادی کا فخر حاصل ہوا بشہادت امام صادق علیہ السلام روزانہ آسمانی ندا بقول علی مرتضیٰ ہوتی ہے۔ ایسے ویسے کس طرح قیاس ہو سکتے ہیں۔ شیعو ہوش کرو۔ انصاف انصاف (آفتاب ص ۷۴)

الجواب:

خدا صرف مومنین باتمکین سے راضی ہوا:

یہ آیہ وافی ہدایہ دوسری آیات مبارکہ کی طرح صرف مومنین بالیقین کی شان میں نازل ہوتی ہے نہ کہ منافقین کے حق میں چنانچہ اس کا ثبوت اسی آیت میں باالفاظ جلی موجود ہے لقد رضی اللہ عن المؤمنین کہ خدا راضی ہوا مومنین باتمکین سے جبکہ انہوں نے بیعت کی اس کے بعد فعلم مافی قلوبھم او فانزل السکینۃ علیھم کی ضمیر (ھم) کا مرجع ہر دو مقامات پر یہی اہل ایمان ہیں۔یعنی خدا نے انہی اہل ایمان کا دلی حال معلوم کرلیا اور انہی پر تسلی نازل فرمائی۔

نزولِ سکینہ بانیٔ اسلامؐ یا اہل ایمان پر ہوتا ہے:

مطالعہ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزول سکینہ ہمیشہ یا رسول اسلامؐ پر ہوتا ہے یا اھل ایمان پر ارشاد قدرت ہے"**فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ** (سورہ الفتح آیت 26) خدا نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے تسلی وطمانیت قلب عطا کی اور انکو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا"**هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ**"(سورہ الفتح آیت 4) خدا وہ ہے جس نے اہل ایمان کو دلوں میں اطمینان، تحمل کو اتارا تا کہ ان کے پہلے ایمان میں اور زیادتی ہو پہلی آیت کے جواب میں حضرات ثلاثہ میں ایمان کامل کا فقدان ثابت کیا جاچکا ہے۔تفسیر درج منثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہا"انما انزلت السکینۃ علی من علم منه الوفا بعھدہ" سکینہ صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جن کے متعلق خدا کو علم تھا کہ وہ اس عہد و پیمان پر وفا کریں گے۔

بیعت رضوان کرنے والوں میں بنا بر اصول اہلسنت منافق و فاسق بھی داخل تھے:

اگر"لقد رضی اللہ عن المؤمنین" کی بجائے یوں ہوتا کہ لقد رضی اللہ عن المبایعین تحت الشجرۃ (کہ خدا درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا تب تو عمومی رضا وخوشنودیٔ خدا کا کسی حد تک خیال پیدا ہوتا۔مگر یہاں تو خدا نے پہلے ہی اپنی رضا مندی کو صرف اہل ایمان کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے اور اس میں اس طرف بھی صریح اشارہ موجود ہے کہ اس بیعت کرنے والی جماعت میں کچھ منافق بھی شامل تھے۔جنہوں نے بعد میں نکث بیعت کیا ایک فرد یعنی اجد بن قیس کا وجود تو ہمارے مخاطب نے بھی بایں الفاظ تسلیم کرلیا ہے"اور ایسا شاز و نادر وجود اگر بیعت توڑ کر کفار میں مل جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ شخص پہلے ہی ضعیف الایمان منافق تھا"(آفتاب ص ۴۷) ابھی چند سطریں پہلے یہی مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ"اس آیت میں خداوند کریم نے بیعت رضوان کے شاملین کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی ہے" تو اگر بقول ان کے صرف ایک منافق کا وجود بھی تسلیم کرلیا جائے۔تب بھی

وہ قضیہ موجبہ کلیہ تو بہر حال ختم ہوجاتا ہے کہ ''خدا تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا'' اور یہ معلوم ہے کہ موجبہ کلیہ کا عکس سالبہ جزئیہ ہوتا ہے آیئے اب ہم مزید چند منافقین وناکثین کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۱)۔انہی بیعت کرنے والوں میں سے ایک عبدالرحمن بن عدیس البلوی المصری بھی تھا۔استعیاب برحاشیہ اصابہ ج ۲ ص ۴۱۱ طبع بیروت میں اس کے متعلق لکھا ہے: **کان ممن بایع تحت الشجرۃ رسول اللہؐ قال ابو عمرو ھو کان الامیر علی جیش القادمین من مصر الی المدینہ الذین حصروا عثمان و قتلوہ**۔یعنی یہ شخص درخت کے نیچے بیعت رسولؐ کرنے والوں میں سے تھا اور یہ اس مصری لشکر کا سردار تھا جس نے آکر پہلے عثمان کا محاصرہ کیا اور پھر انہیں قتل کیا (کذا فی مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۱ طبع جدید مصر) عجیب بات ہے کہ قاتل اور مقتول ہر دو بیعت الرضوان میں شامل ہیں۔اب عقلاً یہاں تین صورتیں متصور ہوسکتی ہیں۔یا تو ہر دو کو جنتی قرار دیا جائے یا ہر دو کو جہنمی سمجھا جائے یا ایک کو جنتی اور دوسرے کو جہنمی پہلی صورت میں قاتل ومقتول اور ظالم ومظلوم دونوں کی مساوات لازم آتی ہے جو عقلاً وشرعاً قبیح ہے اور آخری دوشقوں میں سے جس شق کو بھی اختیار کی جائے برادران اسلامی کا وہ قاعدہ کلیہ بہر حال ختم ہوجاتا ہے کہ بیعت رضوان کے شاملین سب جنتی ہیں۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

(۲)۔حضرت عمارؓ کا قاتل ابوالغاویہ بھی بیعت رضوان کے شاملین میں سے تھا۔چنانچہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۷۹ ج ۴ ص ۱۶ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ ''**ان قاتل عمار بن یاسر ابو الغاویہ کان ممن بایع تحت الشجرۃ ذکر ذلک ابن حزم وغیرہ**''۔یعنی ابن حزم وغیرہ (علماء اہلسنت) نے بیان کیا ہے کہ جناب عمار بن یاسرؓ کا قاتل ابوالغاویہ بھی تحت الشجرۃ بیعت کرنے والوں میں سے تھا حالانکہ جناب عمارؓ کے قاتلوں کے متعلق پیغمبر اسلامؐ کا مشہور فرمان ہے **ویح عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ** (بخاری ج ۱ ص ۶۰ طبع مصر) افسوس ہے عمارؓ پر ان کو باغی گروہ قتل کرے گا اور کنز العمال میں صراحت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا **قاتل عمار و ساکہ فی النار**۔یعنی جناب عمار کا قاتل دوزخی ہے۔

(۳)۔انہی بیعت کرنے والوں میں صاحب جمل احمر بھی تھا جس کی اس جماعت میں شمولیت اور پھر اس کے غیر ناجی ہونے کا تذکرہ کنز العمال میں بروایت جابر وغیرہ موجود ہیں۔

(۴)۔اور انہی بیعت کنندگان میں مغیرہ بن شعبہ بھی تھا (جیسا الاصابہ مع الاستیعاب ج ۳ ص ۴۵۲ طبع بیروت) میں مذکور ہے۔یہ وہی مغیرہ ہے جسے عمر نے بصرہ کا گورنر بنایا تھا اور جب اس نے زنا کیا تو اسے معزول کر دیا اور پھر معاویہ نے اپنے دور حکومت میں اسے کوفہ کا گورنر بنایا اور جب کسی بات سے ناراض ہوکر اسے معزول کرنا چاہا تو اس نے بلطائف الحیل خلافت یزید کیلئے زمین ہموار کرکے معاویہ کی خوشنودی حاصل کی اور گورنری پر بحال رہا (الامامتہ والسیاتہ ص ۱۳۸ طبع ثانی مصر، تاریخ الخلفاء ص ۱۳۹ طبع لاہور،

روضۃ الصفاج ۲ ص ۲۶، ۲۵ طبع لکھنو) تو اگر ایسے لوگوں سے خدا راضی ہے تو پھر یزید لعین اور اس کی خلافت سے بھی ہے ورنہ بقول مؤلف ''اسے مسند نبیؐ پر بیٹھنا کس طرح نصیب ہوتا'' کیا ہماری اسلامی برادری یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟

؎ اندکے غم دل با تو گفتم و بجاں ترسیدم ☆ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

یہ بیعت رضوان کس بات پر تھی؟

اور اگر بفرض محال چند لمحوں کے لئے یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ خدا ان سب لوگوں سے راضی ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی تو پھر بھی بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ چند امور قابل غور و تامل باقی رہ جاتے ہیں: اول یہ کہ یہ بیعت کس بات پر لی گئی تھی؟، دوم یہ کہ یہ رضامندی کس بات پر تھی؟، سوم یہ کہ یہ رضامندی مطلق تھی یا کسی شرط کے ساتھ مشروط تھی؟ سو امر اول کے متعلق واضح ہوا کہ چونکہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ سے پہلے جنگ احد، خندق وغیرہ میں اپنے اکثر اصحاب کا فرار دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے اس بات پر بیعت لی تھی کہ آج کے بعد جب بھی میدان جنگ میں جائیں گے تو مر جائیں گے مگر کبھی دشمن کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۹ تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۶۹ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۲۹ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۸ طبع مصر ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۳۶ میں ہے ''فبایعوہ علی ان لا یفروا ابداً'' کہ ان لوگوں نے تحت الشجرہ اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ کبھی بھی جنگ سے فرار نہیں کریں گے۔

اس سے دوسرے امر کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب انہوں نے اس بات پر بیعت کر لی تو خدا کو ان کا یہ فعل پسند آیا اور فتح قریب (فتح خیبر) اور مغانم کثیرہ (مغانم ہوازن وغیرہ) کا وعدہ بھی فرمایا جسے بعد میں صادق الوعد خدا نے پورا بھی کر دیا۔

یہ رضامندی مشروط بایفائے عہد تھی:

اب رہا تیسرا امر تو پہلے دونوں امور کے منقح اور واضح ہو جانے کے بعد اس کی حقیقت بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ رضا وہ خوشنودی کی سند اس بیعت پر بقاو ثبات کے ساتھ مشروط تھی کہ اگر یہ لوگ اس عہد پر قائم رہے تو یہ تمغہ بھی باقی رہے گا لیکن اگر اس عہد کی وفا نہ کی تو پھر یہ تمغہ واپس لے لیا جائے گا چنانچہ اس بات کا تصریحی بیان درج ذیل آیت میں موجود ہے:- **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا** (سورہ فتح آیت 10) (اے پیغمبر) جو لوگ (صلح حدیبیہ) کے وقت تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے) کی بیعت کر رہے تھے وہ تم سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کر رہے تھے (کہ تمہارا نہیں بلکہ) خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے تو جو (ایسا پکا قول و اقرار کئے پیچھے اس کو) توڑے تو توڑنے کا وبال خود اسی پر پڑے گا اور جو اس عہد کو پورا کرتا رہے گا جو اس نے خدا کے ساتھ کر لیا ہے تو عنقریب خدا اس کو

بہت بڑا اجر دے گا (ترجمہ نذیری) صلح حدیبیہ والی بیعت سے مراد یہی بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے چنانچہ قاضی بیضاوی نے بھی یہی لکھا ہے کہ **والایۃ نزلت فی بیعت الرضوان۔**

اس سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ رضامندی اور وعدہ اجر و ثواب اس عہد کی وفا اور اس پر بقا کے ساتھ مشروط ہے ایسا نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کو ابدی خوشنودی کا پروانہ دے کر جنت کا پٹہ ان کے نام الاٹ کر دیا اور انکو کہہ دیا کہ چلو تمہیں کھلی چھٹی ہے جو چاہو کرتے پھرو چاہے وفا عہد کرو چاہے نہ کرو میں بہر حال تمہارے صرف ظاہری اقرار وعدہ و پیمان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم سے راضی ہو گیا ہوں اور تم جنت الفردوس کے وارث اور اس کی حوروں کے شوہر بن گئے ہو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا آدمی یہ بات باور کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب نے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا اقرار کر ہی لیا ہے چنانچہ اپنے استدلال منقولہ بالا میں لکھتے ہیں "جو لوگ اس بیعت میں شامل ہو گئے اور اس پر قائم رہے ان کو منشور رضا الٰہی عطا ہو چکا" (آفتاب ص ۱۷) **الحمد اللہ الذی اجری الحق علی لسانہ۔**

اکثر شائقین بیعت اس عہد سے منحرف ہو گئے:

اب صرف ایک امر قابل غور باقی رہ جاتا ہے کہ آیا یہ بیعت کرنے والے تمام لوگ اپنے کئے ہوئے عہد پر باقی رہے تھے یا اس سے منحرف ہو گئے تھے سو جو امر حدیث و تاریخ کی ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے وہ یہ کہ جس خدشہ کا اظہار خدائے قہار نے پہلے ہی فرما دیا تھا (فمن نکث) وہ صحیح ثابت ہوا یعنی معدودے چند افراد کے سوا باقی بیعت کرنے والوں کی اکثریت اس عہد کو توڑ بیٹھی اور حسب سابق بعد والی جنگوں (مثل خیبر و حنین وغیرہ) میں بھی سابقہ بزدلی کا مظاہرہ کر کے میدان جنگ سے دشمنوں کو پیٹھ دکھا کر فرار ہو گئی باوجودیکہ رسول پکار رہے تھے!

انا النبی لا کذب ☆ انا ابن عبدالمطلب

اور جناب عباس (عم رسول) بحکم رسول بھاگنے والوں کو یا اصحاب الشجرہ کہہ کر بیعت رضوان یاد دلاتے رہے۔ شرم دلاتے رہے مگر بمطابق ارشاد ایزدی **ثم ولیتم مدبرین۔** یار لوگ پھر بھی پیٹھ دکھا کر بھاگ ہی گئے۔ یہ بات یاد رہے کہ ان تمام جنگوں میں ان بھاگنے والوں میں سر فہرست اصحاب ثلاثہ نظر آتے ہیں ان تمام امور کے حوالہ جات دیکھنے کے لئے اسی کتاب کے چند صفحے پہلے الٹنے کی زحمت فرمایئے اور پہلی آیت کے جواب میں واقعات جنگ خیبر و حنین پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے یہ سب حقائق اجاگر ہو جائیں گے حالانکہ خدائے جبار و قہار دھمکی دے چکا تھا "**وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا**" (سورہ فتح آیت 16) "اور اگر اب (اس پختہ عہد و پیمان کے بعد) بھی اس طرح پیٹھ دکھائی جس طرح اس سے پہلے دکھا چکے ہو تو خدا تمہیں سخت عذاب دے گا" اب وہی خدا ان بھاگنے والوں کا ان الفاظ میں شکوہ کرتا ہے۔ "**وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ**"

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا (سورہ الاحزاب آیت 15)''یہ اس سے پہلے خدا سے وعدہ کر چکے تھے کہ اب پیٹھ نہیں دکھائیں گے سو خدا کے وعدے کے مطابق ضرور سوال کیا جائے گا'' بنا بریں یہ لوگ ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست سے خارج سمجھے جائیں گے جن سے رضوان الٰہی اور ثواب بے حساب کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور مومنین کی بجائے ناکثین (و من ینکث) کے زمرہ میں شامل ہو کر ''وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورہ الانفال آیت 16) کی تہدید وعید کے سزاوار قرار پائیں گے ابن مسیب سے روایت ہے وہ اپنے والد (مسیب) سے نقل کرتے ہیں کہ میں براابن عازب سے ملا اور کہا طوبی لک صحبت رسول اللّٰہ و بایعتہ تحت الشجرة۔ طوبی (خوشخبری ہے) تمہارے لئے تم نے صحبت رسول کا شرف حاصل کیا اور تحت الشجرہ بیعت کی! فقال یا ابن اخی انک لا تدری ما احدثنا بعدہ (یہ سنکر انہوں نے) کہا برادر زادہ! تم نہیں جانتے کہ ہم نے اس کے بعد کیا کیا بدعتیں پھیلائیں (بخاری ج ۳ ص ۱۸ ۳ طبع مصر) اور ایسے لوگوں کا انجام بخاری و مسلم کی احادیث حوض سے معلوم ہوسکتا ہے اور پیغمبر اسلامؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد ان لوگوں نے خاندان نبوت پر مصائب و نوائب کے کوہائے گراں گرا کر جس طرح اپنا خاتمہ خراب کیا وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ اور بالخصوص اصحاب ثلاثہ کے احداث و بدعات دیکھنے کیلئے تاریخ الخلفاء وغیرہ اسلامی سیر و تواریخ کے اوراق ملاحظہ فرمایئے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور و انما الاعمال بالخواتیم۔ اللھم ارزقنا حسن الخاتمة بحق النبی و عترتہ الطاھرہ۔

کچھ جناب عثمان کے متعلق:

اور جہاں تک عثمان صاحب کے متعلق مؤلف کی غیر متعلق باتوں کا تعلق ہے تو ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ عثمان کو سفیر بنا کر بھیجنے کا انتخاب آنحضرتؐ نے نہیں کیا تھا آنحضرتؐ نے تو یہ حکم حضرت دوم کو دیا تھا مگر بزعم اہلسنت اشداء علی الکفار بوجہ خوف جان انکار کیا اور انہی کی تجویز پر عثمان کو بھیجا گیا چنانچہ (تاریخ الامتہ ج ۱ ص ۱۲۹ طبع علی گڑھ) میں لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ کفار سے جا کر کہو کہ لڑنے کیلئے نہیں بلکہ صرف اعمال عمرہ بجالانے کیلئے آئے ہیں تو انہوں نے (جناب عمر) جواب میں کہا یا رسول اللہ ان کی طرف سے مجھے جان کا خطرہ ہے علاوہ بریں میری قبیلے بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان بھیجے جائیں کیونکہ وہ خاندان بنی امیہ کے ایک باعزت رکن ہیں۔ (کذافی سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۳۲ و روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۳۷، ۲۳۸ طبع لکھنو وغیرہ) لیجئے عثمان کی فضیلت تو ثابت ہونے سے رہی البتہ عمر صاحب کی ایمان داری اور جان نثاری کے ڈھول کا پول بھی کھل گیا اور ثابت ہوگیا کہ وہ انہی لوگوں میں سے تھے جو امن و آشتی کے وقت تو بڑھ چڑھ کر اپنی فداکاری و جان نثاری کا اظہار کرتے

؎ می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان ☆ تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

من کیستم کہ بہر تو جان را فدا کنم ☆ اے صد ہزار جان مقدس برائے تو

لیکن جب واقعاً جان قربان کرنے کا وقت آتا تو عذر ہائے لنگ کے دفتر کھول کر بیٹھ جاتے۔ کہتے یا رسول اللہ کفار قریش مجھے مار ڈالیں گے اس لئے مجھے معافی دیجئے ایسے ہی لوگوں کے متعلق خدا فرماتا ہے: ''أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ'' (سورہ الاحزاب آیت 19) ایسے لوگ درحقیقت ایمان لائے ہی نہیں اس لیئے خدا نے ان کے تمام اعمال اکارت کردیئے ہیں۔

آنحضرتؐ کے عثمان کی طرف سے بیعت لینے کی مصلحت:

معلوم ہوا کہ جناب عثمان اس لئے سفارت پر بھیجے گئے کہ ان کے کفار قریش سے اچھے تعلقات تھے باقی رہا ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ہاتھ پر بیعت لینا تو بنا بر صحت روایت (جو کہ خبر واحد ہے اور مقام اعتقاد میں ناقابل اعتماد) اس میں بھی ان کی ہرگز کوئی فضیلت نہیں ہے چونکہ آنحضرتؐ باعلام اللہ جانتے تھے کہ عثمان بھی اپنے دونوں ہم نوالہ وہم پیالہ دوستوں کی طرح اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکیں گے بلکہ آئندہ ہونے والی جنگوں میں راہ فرار اختیار کریں گے اس لئے اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو ان کو یہ عذر پیش کرنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے تو فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا۔ اس لیئے آنحضرتؐ نے اتمام حجت کرنے اور ان کے اس عذر کو قطع کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر ان کی طرف سے بیعت لی تا کہ وہ عہد و پیمان سب سے زیادہ پختہ ہو جائے اور توڑنے والے کیلئے کل کلاں سب سے زیادہ باعث وزر و وبال قرار پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ نکث بیعت میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ باقی رہی ان کی مزعومہ دامادی تو اس پر وہاں مفصل بحث کی جائے گی جہاں مؤلف کتاب اس کا باقاعدہ فضائل عثمان میں تذکرہ کریں گے اور جہاں تک روضہ کافی ج ۳ ص ۱۴۶ والی روایت کا تعلق ہے کہ دن کے آخری وقت ندا آئیگی کہ عثمان کے پیرو فائز ہیں تو مولف اور ان کے ہمنواؤں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اولاً تو یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مفضل ابن صالح ابو جمیلہ اسدی النخاس ہے جو علماء ناقدین کے نزدیک ضعیف و کذاب اور وضاع الحدیث ہے ملاحظہ فرمائیں نقد الرجال ص ۳۵۱ طبع قدیم ایران ثانیاً اینکہ اگر اس کو تسلیم کر ہی لیا جائے تو بموجب ''الاحادیث یفسر بعضها بعضاً'' بحار الانوار ج ۱۳ ص ۲۶۳، ۲۷۰ ترجمہ فارسی میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ جو منادی صبح کے وقت حضرت علیؑ کے شیعوں کو فوز و فلاح کی ندا کرے گا (کہ علیؑ اور ان کے پیروکار فائز المرام ہیں) وہ ندائے ربانی ہوگی (لاف الحق مع علی و علی مع الحق) اور جو ندا دن کے آخری حصہ میں ہوگی کہ عثمان کے پیرو فائز ہیں) وہ ندائے شیطانی ہوگی۔ سچ ہے

؎ گلیم بخت کسے کا باختند سیاہ ☆ ب آبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

خروج دجال کے وقت عثمان کے حبدار اس کے تابعدار ہونگے:

حضرت عثمان کے ہواخواہو کو ہم ایک خوشخبری سناتے ہیں میزان الاعتدال ذہبی ج ۲ ص ۱۰۷ طبع مصر بذیل ترجمہ زید بن وہب حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے فرمایا: ''جب دجال خروج کرے گا تو اس کے وہی پیروکار ہوں گے جو عثمان کے جبدار ہونگے'' لیجئے یہ سعادت مبارک ہو مبارک کیونکہ

ے یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دارد رہن کہاں؟

چودھویں آیت:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ آیت 117) ترجمہ ''خدائے رحیم نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر رحمت کی توجہ فرمائی جو تنگی کے وقت آپ کے تابع ہوئے بعد اس کے پھر جانے لگے تھے ان میں سے بعض کے دل پھران پر رجوع برحمت فرمایا۔ خدا ان پر بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے'' اس آیت میں ان مہاجرین وانصار کی تعریف فرماتا ہے جنہوں نے ساعۃ العسرۃ (جنگ تبوک) میں شریک ہو کر آنحضرتؐ کی اتباع کی۔ کیا اس جنگ میں اصحابِ ثلاثہ شریک نہ تھے؟ بلکہ جناب امیر عثمان نے تو اس مہم میں ایک قابل نمایاں خدمت پیش کی تھی وہ یہ کہ تین سو اونٹ مع سامان کے اور ایک ہزار اشرفی طلائی کی امداد دی تھی الخ۔۔۔ (آفتاب ص ۷۴)

الجواب:

اس میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ جن حضرات نے عسرت اور تنگدستی کے وقت آنحضرتؐ کی خلوص نیت کے ساتھ اتباع کی اور مالی وجانی قربانیاں پیش کر کے نخل اسلام لگانے اور اسے پروان چڑھانے میں بھر پور حصہ لیا وہ قابل صد ستائش ہیں اور ان کا یہ کارنامہ زرین حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے مگر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ باالتفاق تمام مورخین اسلام وغیرہ جنگ تبوک تو لڑی ہی نہیں گئی تو اس میں اصحاب ثلاثہ نے کارنامے کیا انجام دیئے؟ یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ جو جنگیں لڑی گئیں ان میں تو ہمیشہ کفار کو پیٹھ دکھا کر میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرتے رہے اور جس جنگ میں مسلمانوں اور کافروں کا آمنا سامنا ہوا ہی نہیں اس میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔

ے بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

باقی رہا عثمان کا مالی ایثار کرنا تو اصول مناظرہ کے مطابق مولف اور انکے ہم مذہبوں کو اسکا قطعی ثبوت کتب شیعہ سے پیش کرنا

چاہیے جب تک وہ ایسا نہ کرینگے تو اس وقت تک ہم پر جواب دہی کا فرض عائد ہی نہیں ہوگا انما یتقبل اللہ من المتقین۔ خدا تو صرف متقیوں کے عمل کو قبول فرماتا ہے تقویٰ کا درجہ تو ایمان سے بھی بلند تر ہے تو جن کا ایمان ہی تا حال ثابت نہیں ہوسکا ان کے تقویٰ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ اور جب تک ایمان و تقویٰ ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک کسی عمل کی قبولیت کا سوال ہی خارج از بحث ہے پھر اس کے پیش کرنے سے کیا حاصل؟ وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَآءً مَّنثُورًا۔ (سورہ الفرقان آیت 23)

پندرھویں آیت:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ (سورہ آلِ عمران 123 تا 124) ترجمہ ''اور بے شک خدا نے تمہیں بدر کی مہم میں نصرت دی تھی۔ درحالانکہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرو۔ تاکہ شکریہ ادا کرو جبکہ تو کہتا تھا مؤمنین سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری امداد کرے'' اس آیت میں شرکاء جنگ بدر کو مؤمنین کا لقب درگاہ رب العزت سے عطا ہوچکا ہے اور شیخین معرکہ بدر میں ضرور شامل تھے۔ جن کی تائید و نصرت کے لئے الہٰ العالمین نے تین ہزار فرشتے بھیجے الخ۔۔۔ (آفتاب ص ۷۴، ۷۵)

الجواب:

دوسری آیات مبارکہ کی طرح اس آیت مقدسہ کے پیش کرنے سے بھی ہمارے بھائیوں اور ان کے ممدوحین کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولاً تو اس آیت میں ان شرکاء بدر سے خطاب ہے جنہوں نے اس جنگ میں مثالی جنگی کارنامے انجام دیئے تھے جیسے حضرت امیر علیہ السلام، جناب حمزہؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الحارثؓ وامثالہم جن کی خداداد شجاعت اور تین ہزار فرشتوں کی متحدہ کدو کاوش سے خدا نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی عنایت فرمائی اور سابقاً پہلی آیت کے جواب میں بضمن جنگ بدر واضح کیا جاچکا ہے کہ شیخین کی اگرچہ اس جنگ میں شرکت تو ثابت ہے مگر ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے کتب فریقین قاصر نظر آتی ہیں اور ارباب عقل و بصیرت جانتے ہیں کہ:

''ایں قسم حاضر نشدن بہتر از حاضر شدن است۔''

ثانیاً۔ بالغرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ تمام شرکاء جنگ کو خطاب ہے تو حقائق قرآنی پر نظر رکھنے والے حضرات سے بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ایمان اور مؤمن کے الفاظ دو معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں ا۔ ایک عمومی معنیٰ ہیں جو اسلام کے مترادف ہے یعنی صرف زبان سے اظہار شہادتین کرنا خواہ عقیدہ قلبی اس کے مطابق ہو یا نہ ہو اور کردار اچھا ہو یا برا۔ ۲۔ دوسرے خصوصی معنیٰ ہیں جس

میں اقرار لسانی کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی اور صحت عمل بھی ضروری ہے اسی پہلے معنی کے اعتبار سے خدا بعض نام و نہاد مومنین سے فرماتا ہے "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ" (سورہ نساء آیت 136) اے ایمان والو (یعنی جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو) خدا اور رسول پر ایمان لے آؤ (یعنی اعتقاد و عمل کو صحیح کرو) دیکھو اس آیت میں لفظ ایمان اپنے انہی دونوں معنی کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے۔ نیز اسی پہلے معنی کے اعتبار سے خداوند عالم نے باغیوں کو بھی مومن کہا۔ "وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللّٰهِ (سورہ حجرات آیت 9) جب مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو باغی گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (صلح) کی طرف رجوع کرے، حالانکہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک باغی لوگ ایمان بلکہ اسلام سے اس قدر دور ہیں کہ ان کی نماز جنازہ بھی جائز نہیں ہے (در مختار ج ا ص ۷۰، مسلم مع شرح نوری ج ا ص ۱۴۳ طبع دہلی) لہٰذا اگر یہ خطاب سب شرکاء جنگ سے ہے تو پھر مومنین کی لفظ کا استعمال اسی عمومی معنیٰ کے اعتبار سے ماننا پڑے گا جس سے استدلال کرنے والوں کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ امکان ہے۔ قد بینا الایات لقوم یعقلون۔

سولہویں آیت:

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورہ آلِ عمران آیت 121) ترجمہ "اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے جا کر مومنوں کو لڑائی کی جگہ پر بٹھاتا تھا خدا سننے والا اور جاننے والا ہے" یہ آیت جنگ احد کا واقع بیان کرتی ہے اس میں شاملین جنگ مذکور کے ایمان پر تنصیص ہے اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ موجود تھے۔ طعن شیعہ۔۔۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ جنگ احد میں رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور جو شخص جنگ سے بھاگ جائے وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔

جواب:

اصحاب ثلاثہ کی نسبت یہ الزام ایک ایسا بیہودہ بہتان وافترا ہے جسکا کوئی ثبوت ہماری کتب معتبرہ سے نہیں دے سکتے اور یہ امر کہ قرآن میں بعض مسلمانوں کے پیٹھ پھیر جانے کا لکھا ہے جیسا کہ "إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ"۔ (سورہ آلِ عمران آیت 155) سو اس آیت یا ایسی دیگر آیات میں کہیں تصریح نہیں ہے کہ یہ کون افراد تھے؟ علی المرتضیٰؑ یا ان کے پیرو تھے یا ثلاثہ یا ان کے اتباع۔ پھر جب ان اشخاص کا یہ قصور معاف کر دیا گیا تو پھر اس معافی کے بعد بڑا ظالم ہے وہ شخص جو ان کو مجرم سمجھے و لقد عفا اللہ عنهم شیعہ کا اس بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ احد کے دن بغیر علیؑ اور

ابودجانہ انصاریؓ کے سب لوگ بھاگ گئے تھے (جیسا کہ فروع کافی ج ۳ ص ۱۴۹ میں درج ہے) سو اگر شیعہ کا یہ قول مان لیا جائے اور یہ الزام ناقابل عفو جرم قرار دیا جائے تو علیؑ کے علاوہ صرف ابودجانہؓ مسلمان رہ جاتے ہیں اور شیعہ کے مسلمہ خالص مومنین مقدادؓ، ابوذرؓ، عمارؓ وغیرہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سب افسانے یار لوگوں کے گھڑے ہوئے اور بالکل خرافات ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جنگ احد میں اصحاب ثلاثہ حضرت علیؑ کی طرح ثابت قدم رہے تھے الخ۔۔۔۔(آفتاب ص ۷۵،۷۶)

الجواب:

مؤلف آفتاب کے یہ بودے اور کمزور استدلال دیکھ کر بے ساختہ عربوں کا یہ مقولہ یاد آتا ہے کہ ''الغریق یتثبث بکل حشیش'' یعنی (ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے) بجائے اس کے کہ وہ کسی اسلامی غزوہ میں اپنے ممدوحین خاص یعنی اصحاب ثلاثہ کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کریں وہ ہر جنگ کے متعلق صرف یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ ''اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ شامل تھے'' گھڑ دوڑ کے مقابلے میں جن گھوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے ان کے تین طبقے ہوتے ہیں۔ پہلا، دوسرا، تیسرا اور جو گھوڑا ان تینوں انعامات میں سے کوئی بھی انعام حاصل نہ کر سکے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں گھوڑا بھی اس دوڑ میں شامل تھا بلاشبہ یہی کیفیت مولف کے اصحاب ثلاثہ کی ہے کہ ہر جنگ میں تحسین و آفرین الٰہی اور نبوی انعام و اکرام تو حضرت علیؑ یا ان کے پیروکار لے جاتے ہیں اور محبان ثلاثہ صرف یہ کہہ کر اپنا دل بہلاتے ہیں کہ ہمارے بزرگ (اصحاب ثلاثہ) بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ اللہ کے بندو! اگر ہمت و جرأت ہے تو ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو پھر خاموشی کو ڈھال بناؤ اور ہمیشہ کیلئے چپ ہو جاؤ کیونکہ

ع خاموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید

لفظ مسلمین کا منافقین پر اطلاق:

باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شاملین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے تو ابھی آیت نمبر ۱۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنیٔ ظاہری ''لسانی اقرار'' کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو بھی مسلمین و مومنین کہا جا سکتا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الایمان ص ۱۴۱ طبع قدیم و ص ۳۰۱ طبع جدید بیروت پر لکھا ہے وقد اتفق العلماء علی ان اسم المسلمین فی الظاھر یجری علی المنافقین لانھم استسلموا ظاھراً کیونکہ انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا ہے (الی ان قال) کما کان النبی یجری علیھم احکام الاسلام الظاھر یعنی سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمین کا نام حسب ظاہر منافقین پر بھی جاری ہوتا ہے جس طرح کہ آنحضرتؐ ان (منافقین) پر اسلام کے ظاہری احکام جاری فرماتے تھے (کذا فی

احیاء العوام للغزالی ص ۱۷ ج ا طبع لکھنو)

جنگ احد سے فرار ثلاثہ کا اہلسنت کی کتب معتبرہ سے ثبوت:

اور جو کہا ہے ''کہ اصحاب ثلاثہ کا جنگ احد سے فرار بیہودہ بہتان وافترا ہے جس کا کوئی ثبوت ہماری کتب معتبرہ میں نہیں ہے اور یہ فسانے اور خرافات ہیں'' یہ فقرے پڑھ کر مولف کی کوتاہ اندیشی وتنگ نظری یا پھر انتہائی تعصب وہٹ دھرمی پر بڑا ہی افسوس ہوتا ہے وہ اس مستند تاریخی واقعہ کو جس کے تذکرہ سے اہلسنت کی کتب معتبرہ چھلک رہی ہیں ''بیہودہ، بہتان وافتراء قرار دیتے ہیں'' اگر مؤلف اس وقت قید حیات سے آزاد نہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ آیا (تاریخ خمیس جلد ا ص ۴۳۱ طبع مصر، کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۴ طبع حیدر آباد، تفسیر کبیر امام رازی ج ۳ ص ۱۰۸، ۱۲۲ طبع مصر، تفسیر درمنثور امام سیوطی ج ۲ ص ۸۸ طبع مصر، اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ) یہ آپ کی کتابیں ہیں یا شیعوں کی؟ اور آیا یہ کتب معتبرہ ہیں یا غیر معتبرہ؟ اور اگر یہ کتب اہلسنت ہیں اور ہیں بھی معتبر! تو جو واقعہ (فرار ثلاثہ بروز جنگ احد) ان تمام کتب میں مذکور ہے (جنکی تفصیل پہلی آیت کے جواب میں بضمن جنگ احد مذکور ہے) تو ایسے مسلم الثبوت واقعہ کو بیہودہ وافتراء قرار دینے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ اور آپ کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر آپ اپنی شپرہ چشمی سے ایسے روشن واقعہ کا انکار کرتے ہیں تو ع چشمہ آفتاب راچہ گناہ؟

یہ کہہ کر فرار ثلاثہ کی خفت کو ہلکا نہیں کیا جاسکتا کہ ''آیت میں بھاگنے والوں کے ناموں کی تصریح نہیں ہے کہ علی المرتضیٰؑ یا ان کے پیرو تھے یا ثلاثہ یا ان کے اتباع'' تو ارباب علم وعقل جانتے ہیں کہ آیات میں ساری تفصیلات کا تلاش کرنا عبث ہوتا ہے۔ تفصیلات تفسیروں حدیثوں اور تاریخوں میں ملتی ہیں۔ سو وہ تصریحات ہم نے آیت إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ کی تفسیر میں کتب تفسیر، حدیث اور تاریخ سے پیش کردی ہیں جس سے محبان ثلاثہ قیامت تک گلوخلاصی نہیں کرا سکتے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ جنگ کے بھگوڑوں کی فہرست میں شاہ مرداں شیر یزداں حیدر کرار غیر فرار کا نام لینا (اگرچہ بطور احتمال ہی ہو) جن کے صبر وثبات کی خدا خود تعریف کرتا ہے ''إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ'' (سورہ الصف آیت 4) اور فرشتے ان کی شان میں یوں رطب اللسان نظر آتے ہیں کہ ''لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار'' جس کی ایک ضربت کو رسول الثقلینؐ ''ثقلین کی عبادت سے بھاری فرماتے ہیں یا ثلاثہ کو صبر وثبات میں حیدر کرارؑ کا مماثل قرار دینا جن کے اسلامی جنگوں سے فرار کا اپنے بیگانے اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں'' ناصبیت وخارجیت کی بدترین مثال ہے۔ بھلا حیدرؑ کرار کو فرار سے کیا تعلق؟ اور فرار کو کرار سے کیا نسبت؟ ع چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ کیونکہ

ع ایں زمین را آسمانے دیگر است

جنگ احد میں جرم فرار کے معاف ہونے کا صحیح مفہوم؟

باقی رہا یہ کہنا کہ جب ان لوگوں کا قصور معاف کر دیا گیا تو پھران کو مرجم کہنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ درست ہے کہ جنگ احد کے بھگوڑوں کو رب کریم کی بارگاہ سے معافی مل گئی تھی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس معافی کا مطلب کیا ہے؟ ارباب عقل پر مخفی نہیں کہ حق تعالیٰ کے اس عفو کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سزا نہیں دی۔ اس عفو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جرم فرار سے بھی بری کر دیئے گئے دیکھئے ایک حاکم کسی مجرم کو (بعد ثبوت جرم سزا معاف کر دیتا ہے لیکن وہ نفس جرم سے بری نہیں ہوتا بلکہ رجسٹر جرائم میں اس کا نام درج کر لیا جاتا ہے اور پولیس اسکے کردار، رفتار، اعمال وافعال پر خاصی نظر رکھتی ہے۔ اسی طرح اگر چہ اصحاب بپاداش جرم فرار عذاب الٰہی سے تو بچ گئے۔ لیکن اس عفو سے داغ فرار نہیں مٹا بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہا **وهو المطلوب** ''یہاں بحث فرار سے ہے نہ کہ سزا سے'' (آیات محکمات) علاوہ بریں یہ عفو بھی صرف جنگ احد سے مخصوص ہے نہ کہ دوسرے غزوات سے۔ للہذا اس عفو کو کہاں کہاں سپر بنایا جائے گا؟

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ کہنا کہ ''اگر شیعہ کا قول مان لیا جائے (کہ صرف حضرت علیؑ اور ابو دجانہ انصاری باقی رہ گئے تھے) تو جناب ابو ذرؓ، سلمانؓ، عمارؓ اور مقدادؓ بھی دائرہ ایمان سے خارج ہو جائیں گے'' تو پہلے ان حضرات کی اس جنگ میں شمولیت آپ ثابت کر دیں پھران کا صبر وثبات ہم ثابت کر دیں گے۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

ان ناقابل رد حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اصحاب ثلاثہ کا جنگ احد میں حضرت علی علیہ السلام کی طرح ثابت قدم رہنا یار لوگوں کا گھڑا ہوا افسانہ ہے اور بالکل خرافات میں سے ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ **والحمدللہ علی ظهور الحجة وكشف المحجة۔**

سترھویں آیت:

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ (سورہ الحشر آیت 2) خدا نے ان یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اجاڑنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔

اس آیت میں جن مسلمانوں نے رسول پاکؐ کے حکم سے یہودیوں کے گھروں کو برباد کیا خدا ان کے ایمان کی گواہی دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب ثلاثہ ان مومنوں کے سرگروہ اور قافلہ کے سردار تھے۔ افسوس قرآن جابجا ان پاک نفوس کے

فضائل بیان کرتا ہے۔مگر شیعوں کے دلوں پر ایسی مہر لگ گئی ہے کہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔(آفتاب ص ۷۶)

الجواب:

خدا نے یہود کے گھروں کو اس بزرگوار کے ذریعہ سے برباد کیا تھا جس کے حق میں پیغمبر اسلامؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ ''لا عطین الرأیة عداً رجلا کرار اًغیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ و لا یرجع حتی یفتح اللّٰہ علی یدیہ ''میں علم کل اس مرد کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھانے والا ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوا اور خدا اور رسول اسے محبت کرتے ہونگے وہ اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک خدا اس کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کو فتح نہ کردے گا۔(روضہ الاحباب جلد ا ص ۲۶۲ طبع انوار محمدی لکھنو، معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۲۱۳، مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۹۹ طبع بیروت، روضۃ الصفا وغیرہ)اور یہ بزرگوار باتفاق فریقین حضرت امیر علیہ السلام تھے یا ان کے ماتحت چند مخلص اہل ایمان۔

شیخین کا جنگ خیبر سے فرار:

باقی رہے آپ کے مومنوں کے سردار اور قافلہ سالار تو یہ بات تو درست ہے کہ ان کو اپنی ساری زندگی میں صرف اسی جنگ خیبر میں پیغمبر اسلامؐ نے لشکر کی سرداری سونپی تھی مگر یہ قافلہ سالاری ان کو راس نہ آئی اور خائب و خاسر بے نیل مرام میدان چھوڑ کر بھاگ آئے، چنانچہ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ''قلعہ قموس مرحب کا تخت گاہ تھا۔اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت ابوبکر وعمر کو بھیجا لیکن وہ ناکام واپس آئے۔طبری کی روایت ہے کہ جب خیبری قلعے سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں جم نہ سکے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی ہے۔لیکن فوج والوں نے خود ان کی نسبت یہی شکایت کی''۔(سیرت النبیؐ ج ا ص ۳۵۶) مگر آنحضرتؐ نے سرداروں کو بدل کر اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ فوج کی شکایت درست تھی۔اصل میں سردار ہی نامرد تھے نہ کہ فوج، یہ بڑے ہی کھلے ہوئے حقائق ہیں خدا اور رسولؐ جا بجا ان بھگوڑوں کی مذمت کررہے ہیں۔مگر محبان ثلاثہ کے دلوں پر کچھ ایسی مہریں لگ گئی ہیں اور نظروں پر کچھ ایسے پردے پڑ گئے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔سچ ہے ''**فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ**۔''(سورہ حج آیت 46)

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسے سنے[1]

---

[1] اگرچہ یہ آیت غزوہ بنی نضیر کے متعلق ہے (جو لڑا نہیں گیا) مگر چونکہ بقول شبلی نعمانی ''یہ واقعہ غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے''(سیرت النبی ج ا ص ۳۰۱) اس لئے ہم نے متن میں واقعات خیبر کا اجمالاً تذکرہ کردیا ہے۔فتدبر(منہ عفی عنہ)

اٹھارویں آیت:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورہ آل عمران آیت 104) ترجمہ "تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے۔ جو داعی الی الخیر آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہو۔ یہ لوگ نجات پانے والے ہیں"۔ اب بتاؤ کہ کیا اصحاب ثلاثہ میں یہ اوصاف نہ تھے؟ جبکہ انہوں نے اپنی زندگی ہی اس کام میں وقف کردی اور ملک کے ملک فتح کر کے ان میں توحید کی روح پھونک دی تو بمنطوق اس آیت کے مفلحون ماننے پڑیں گے (آفتاب ص ۷۷)

الجواب:

ملکی فتوحات دلیل ایمان نہیں:

قبل ازیں دوسری آیت کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان وایقان کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ بعض اوقات خدا اپنے دین کی نصرت ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جن کا خود دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱۸ طبع حیدر آباد، تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۵ طبع مصر وغیرہ)

علاوہ بریں آیت اولیٰ کے جواب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ ہر عمل میں اخلاص ضروری ہے اور یہی چیز روح عمل ہے جس کے بغیر عمل ایک ایسا ڈھانچہ ہے جس میں روح نہ ہو یا ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ بات اپنے مقام پر ثابت کی جاچکی ہے کہ ان حضرات نے جو ملکی فتوحات کیں۔ یہ ان ممالک میں روح اسلام و توحید پھونکنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ حدود مملکت کی توسیع کرنے، ہوس اقتدار کو پورا کرنے اور دونوں ہاتھوں سے مال و دولت سمیٹنے کے جذبہ کے ماتحت تھیں جن کے لئے ثلاثہ کی زندگیاں وقف تھیں جیسا کہ تیسری آیت کے جواب میں واضح کیا جاچکا ہے۔

اے کاش یہ لوگ یہ ملکی فتوحات نہ کرتے۔ انہی لوگوں اور انہی کی ان مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور ان کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے نہ کہ اپنی صداقت وحقانیت کے بل بوتے پر۔ سچ ہے

؎ چوں از قومے یکے بے دانشی کرد ☆ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

ان لوگوں کو کون بتائے کہ اگر اسلام پھیلا ہے تو اپنے فطری اصول و احکام کی صداقت سے یا پھر سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی پاکیزہ سیرت و کردار سے۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے ☆ وہ کیا تھا زورِ حیدرؑ فقرِ بوذرؓ ، صدقِ سلمانیؓ

انیسویں آیت:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (سورہ مائدہ آیت 54) ترجمہ ''خداایسی قوم کولائے گا جن کورسولؐ دوست رکھے گا اور وہ اس کو دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان، کفار پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہے بخشے۔ خدا وسیع علم والا ہے''۔ بتاؤ یہ قوم کون تھی؟ نبی کریمؐ سے سچے دل سے محبت اور نبی کریمؐ ان سے محبت رکھتے تھے۔ کیا ثلاثہ اس کے مصداق نہیں؟ کیا اصحاب رسول اللہؐ اور یاران غاران کا نام یونہی مشہور ہوگیا؟ سوچو اور پھر سوچو (آفتاب ص ۷۷)

الجواب:

حسب الامر ہم نے مکرر اور سہ کرر سوچا ہے۔ لیکن بالآخر ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ بلا سوچے سمجھے ملائے عبدالشکور لکھنوی وغیرہ کے آموختہ کو دہرائے جاتے ہیں اور گویا زبان حال سے ب آواز بلند کہہ رہے ہیں۔ کہ

؎ در پس پردہ صفتِ طوطی داشتہ اند ☆ آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

اگر آپ تھوڑا سا بھی غور وفکر کرتے تو یہ حقیقت خود آپ کی کتابوں سے آپ پر روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوجاتی کہ یہ آیت مبارکہ امیر المومنین یعسوب الدین حضرت علی بن ابی طالب علیہ افضل التحیتہ والتسلیم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب آپ کے اصحاب رسولؐ اور یارانِ غار میدان جنگ سے کفار کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کر گئے تو اب خدا و رسولؐ نے ان صفات جلیلہ کے حامل بزرگوار کو میدان کارزار میں بھیجنے کا فیصلہ کیا ادھر اس آیت کو پڑھیئے اور ادھر اس اعلان رسولؐ کے الفاظ کو دیکھئے جو ابھی اوپر آیت ۱۷ کے جواب میں پیش کیا جاچکا ہے (لاعطین البرأیة غداً الخ۔۔۔) تو عین الیقین حاصل ہوجائے گا کہ دونوں جگہ (آیت وحدیث کے) مصداق جناب حیدر کرار غیر فرار اور ان کے حقیقی تابعدار وجان نثار ہیں اور اگر اس کے ابتدائی حصہ پر سرسری نگاہ ڈالیں گے تو اپنے ممدوحین کا ارتداد بھی معلوم ہوجائے گا۔ جو یوں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ** الخ (سورہ المائدہ آیت 54)۔۔۔اے ایمان کے دعویدار وتم میں سے جو شخص دین سے برگشتہ ہوجائے گا تو خدا ایسی قوم کولائے گا۔ الخ باقی رہی ان کے ''اصحاب رسولؐ'' اور یار غار ہونے کی ''شہرت'' تو محققین کا فیصلہ ہے کہ بلا دلیل و برہان فقط شہرت بیک فلس نمی ارزد! کیونکہ '' رب شهرة لا اصل لها''، ہم اس کے قائل نہیں کہ ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود۔ **قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ** (سورہ البقرہ آیت 111)۔ ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ کے تمام سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے

یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ جولوگ جنگ خیبر میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ عند اللہ مرتد ہیں (اور وہ ہیں مؤلف آفتاب کے مخصوص یار واصحاب) اور جو جم کر لڑے تھے اور قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا وہ خدا رسولؐ کے محب ومحبوب ہیں (اور وہ ہیں جناب حیدر کرارؑ اور ان کے حقیقی پیروکار)۔

بیسویں آیت:

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ الانفال آیت 34) ''اللہ ان کو کیوں عذاب نہ کرے حالانکہ وہ پیغمبر کو مسجد الحرام سے بند کرتے ہیں اور وہ کافر مسجد کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو متقی لوگ ہیں لیکن کافر جانتے نہیں''

بتایئے مسجد الحرام کے متولی کون لوگ تھے جن کے متقی ہونے کی الٰہی شہادت مل رہی ہے۔ مسجد الحرام کے متولی بعد وفات نبوی وہی آپ کے خلفاء راشدین تھے جن کو شیعہ نافہمی سے منافقون کا خطاب دے رہے ہیں اور بشہادت الٰہی مسجد الحرام کعبۃ اللہ کے متولی متقین ہی ہوسکتے ہیں و لکن الشیعۃ لا یعلمون (آفتاب ص ۷۷)

الجواب:

اس میں کیا شک ہے کہ مسجد الحرام ہو یا کعبۃ اللہ یا کوئی اور منبر ومحراب شرعی نقطہ نظر سے اس کے حقیقی ولی وارث متقین بلکہ امام المتقین ہی ہیں شرعی نقطہ نگاہ سے انہی ذوات قادسہ کو امت مرحومہ کی قیادت وسیادت کا حق حاصل ہے مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ بموجب جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جو شخص اپنی قوت بازو سے جس طرح بھی مسجد الحرام کی تولیت پر قابض ہوجائے تو وہ متقین کی فہرست میں شامل ہوجائے گا۔ اگرچہ وہ منافقین غاصبین اور فاسقین کے زمرہ میں داخل ہو؟ ظاہر ہے کہ خلفاء بنوامیہ و بنی عباس کے زمانہ میں جو شخص خلیفہ کہلاتا تھا مسجد الحرام اور کعبۃ اللہ کا متولی بھی وہی ہوتا تھا۔ بناء بریں یہ تولیت صرف اہلسنت کے مزعومہ خلفائے راشدین تک ہی محدود نہیں۔ رہتی بلکہ ان کے بعد مروان، یزید، ولید، سفاح، اور متوکل عباسی لع وغیرہ جیسے نابکار، شراب خوار، اور حرام کار بھی اس کے متولی رہے ہیں۔ لہٰذا مولوی کرم الدین صاحب کے خیال محال کے مطابق تو یہ تمام لوگ متقین ہی قرار پائینگے مالکم کیف تحکمون؟ سوائے سنی سنائی باتوں پر عمل درآمد کرنے والوں کے اور اپنے مذہب کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کرنے والوں کے اور کوئی بھی صحیح الدماغ ایسا بودا اور کمزور استدلال پیش کرسکتا ہے؟ مگر کیا کیا جائے کہ مؤلف کی برادری کی حالت یہ ہے کہ '**لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ**'' (سورہ الاعراف آیت 179) اصل سچ ہے **وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ**۔ (سورہ

نور آیت 40)

اکیسویں آیت:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ (سورہ توبہ آیت 61) ترجمہ: ''منافقین میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک کان ہے (یعنی ہر ایک کی بات سنتا ہے) کہدے کہ کان (سننے والا) تمہارے لئے بہتر ہے جو خدا کے کلام کی تصدیق کرتا ہے اور سچے مومنین کی بات مانتا ہے اور تم میں سے ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو سچے مومن ہیں'' اس آیت میں حق تعالیٰ نے صاف بتادیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلص مومنین کی باتیں سنتے اور ان کی تصدیق فرماتے تھے اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اصحاب ثلاثہ آنحضرت کی مجلس شوریٰ کے اعلیٰ ممبران تھے۔ آپ جملہ امور میں **شاورھم فی الامر** ان سے مشورہ لیتے۔ نیز جس قدر آپ کی نظر عاطفت ثلاثہ پر تھی اس سے انکار ہو نہیں سکتا کیونکہ آپ نے ان کے گھر سے ناطے لئے اور اپنے گھر سے دیئے اور یہ آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی نگاہ عاطفت مومنون پر ہی ہوا کرتی تھی۔ پھر شیعہ صاحبان کا آپ کے مصاحبوں اور آپ کے مخلص دوستوں، آپ کے قرابتداروں کے ایمان میں شک کرنا سخت ناانصافی اور صریح بے ایمانی ہے (آفتاب ص ۷۸)

الجواب:

یہ استدلال بچند وجہ مخدوش و ناتمام ہے اولاً اس آیت کے شان نزول کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایمان کے وہی عمومی معنی مراد ہیں جو پندرہویں آیت کے جواب میں بیان کئے گئے ہیں (یعنی صرف زبانی اقرار شہادتین) اور اسی جگہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس معنیٰ کے اعتبار سے اس کا ظاہری اطلاق منافقین پر بھی ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ کچھ ناقص الایمان لوگوں نے اسلام و بانیٔ اسلام کے خلاف کچھ باتیں کیں جب اہل ایمان نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ان لوگوں کی شکایت کی اور آنحضرتؐ نے ان کو بلا کر ان سے حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے حلفیہ بیان دے دیا کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ آپ نے ان کی تصدیق کردی بزم رسول سے نکل کر انہی لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ رسولؐ تو بالکل کان ہیں (معاذ اللہ) کہ جو کچھ ان کے سامنے کوئی کہہ دے اس کی بات مان لیتے ہیں (جملہ تفاسیر فریقین) انکے اسی قول کی خدائے کریم نے اس آیت میں رد فرمائی ہے کہ آنحضرتؐ کا ایسا ہونا ہی تمہارے لئے بہتر ہے جو ظاہری کلمہ پڑھنے والوں کی بات مان لیتے ہیں۔ ورنہ اگر انہوں نے پوری تحقیق اور چھان بین سے کام لیا تو پھر ان لوگوں کے نفاق و شقاق کا پردہ چاک ہوجائے گا۔ اور وہ ذلیل و رسوا ہوجائیں گے۔ بنابریں ہمارے مخالف نے یہ اپچ کہاں

سے لگائی ہے کہ رسولؐ خدا مخلص مومنین کی باتیں سنتے اوران کی تصدیق کرتے تھے اس آیت کا شان نزول تو یہ بتاتا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین منافقین کی باتیں بھی سنتے اور بظاہران کی تصدیق بھی فرماتے تھے۔

اصحاب سے مشورہ کرنے کی حقیقت:

ثانیاً یہ کہنا بھی خلاف واقع ہے کہ اصحاب ثلاثہ آپ کی مجلس شوریٰ کے ممبران اعلیٰ تھے کیا آنحضرتؐ نے کوئی ایسی مجلس شوریٰ تشکیل دی ہوتی تھی جس کے کچھ مخصوص ارکان تھے؟ تاریخ ایسی کوئی شہادت پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے باتفاق جمیع علماء اسلام آنحضرتؐ لوگوں سے مشورہ کرنے کے محتاج نہ تھے۔ بھلا جن پر ہر وقت فیضان الٰہی ووحی سماوی کا سلسلہ جاری ہوا اور وہ ہر ہر معاملہ میں براہ راست خدائے تعالیٰ سے ہدایت وراہنمائی حاصل کرسکتے ہوں اور خود اعقل الناس ہوں نیز معصوم عن الخطا ہوں وہ کس طرح چند ناقص العقل، گنہگار اور ناقص العیار لوگوں کے مشورہ کے محتاج ہوسکتے ہیں؟ ان ھذا الاختلاق! بات صرف اس قدر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو محض ان کے ہمراہیوں کی تالیف قلب کی خاطر یہ حکم دیا تھا کہ بعض امور حرب وضرب میں ان سے بھی بظاہر مشورہ کرلیا کریں تاکہ وہ خوش باش رہیں اور یہ نہ سمجھیں کہ رسولؐ ہمیں توکسی شمار وقطار میں نہیں سمجھتے۔ ورنہ آنحضرتؐ صرف وحی الٰہی کی متابعت فرماتے تھے اور بحکم اتبع مایوحی الیک منجانب اللہ اس کے مامور تھے نہ کہ کسی مشیر یا تدبیر کے مشورہ کے، افسوس کہ محبان ثلاثہ اپنے ثلاثہ کی محبت میں کچھ ایسے اندھے ہوگئے ہیں کہ وہ ان کی مدح کے جوش میں تنقیص رسولؐ کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آپؐ "بہت باتوں میں انہی کی صلاح ومشورہ پرکام کرتے تھے" (آفتاب ص ۷۸) بلکہ اس طرح توشانِ توحید پر بھی حرف آتا ہے کہ اس نے ایسے کامل العقل اور زائد الفضل افراد کو چھوڑ کر آنحضرتؐ کو کیوں خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا، جو ہر ہر بات میں ان لوگوں کے محتاج تھے؟

آنحضرتؐ منافقوں کے ساتھ زیادہ مدارات فرماتے:

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (سورہ کہف آیت 5) مؤلف نے بار بار سفر وحضر میں آنحضرتؐ کے اصحاب ثلاثہ کو ہمراہ رکھنے اوران پر زیادہ نظر کرم کرنے سے ان کے ایمان پر استدلال کیا ہے توان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ منافقوں کے ساتھ ان کی تالیف قلب کی خاطر مؤمنوں سے بھی زیادہ لطف وکرم فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۶۶۹ طبع مصر پر بذیل آیت و منھم من یلمزک فی الصداقت؟ در آیت ابوبکر اصم جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ایک دن آنحضرتؐ نے اپنے بعض اصحاب سے دریافت فرمایا کہ آیا تم فلاں شخص کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ آپ اسے اپنی بزم میں سب سے زیادہ قریب بیٹھاتے ہیں اروا سے زیادہ

مال ومنال سے نوازتے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا وہ منافق ہے اور اس کے نفاق کی وجہ سے میں ہی اس سے یہ اچھا سلوک کرتا ہوں تا کہ وہ دوسرے لوگوں کے دین وایمان کو خراب نہ کرے‘‘۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ صرف قرب مجلس یا آنحضرتؐ کے کسی پر یا زیادہ نظر التفات اس شخص کے مومن ہونے کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک دوسرے دلائل و براہین سے اس کا ایمان ثابت نہ ہوجائے۔ فتدبر وتشکر۔

رسول کے ناطہ لینے والی فضیلت کا جواب:

ثالثاً ثلاثہ پر آنحضرتؐ کی زیادہ نظر عاطفت کے ثبوت میں یہ پیش کرنا کہ آپ نے ان کے گھر سے ناطے لئے اور خود دیئے یہ بھی انوکھا استدلال ہے۔ جہاں تک ناطہ لینے کا تعلق ہے تو آپؐ نے صرف ثلاثہ سے ہی نہیں بلکہ ابوسفیان (جبکہ وہ کافر تھا) اور حی بن اخطب یہودی سے بھی ناطے لئے ہیں، تو کیا یہاں بھی اس امر کو ان لوگوں پر آنحضرتؐ کی نگاہ عاطفت کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر وہاں نہیں تو یہاں کس طرح اور کیوں؟؟

ےیہ کچھ تو بولو کہ لوگ کہتے ہیں ☆ آج غالب غزل سرا نہ ہوا!

اور جہاں تک ان کو اپنا رشتہ دینے کا تعلق ہے تو ہم اس بات کے بے اصل و بے بنیاد ہونے پر وہاں مکمل تبصرہ کریں گے جہاں مؤلف اس عنوان کے تحت اس خیالی فضیلت کا تذکرہ کرینگے۔ ائمہ معصومینؑ کے ماننے والے شیعیان حیدرؑ کرار نہ بے انصاف ہیں اور نہ بے ایمان۔ مؤلف نے ان کو اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات آپ کی طرح دشمن عقل وخرد نہیں وہ علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ صحبت بے کار ہے اگر اس میں حقیقی اسلام نہ ہو دوستی بے فائدہ ہے۔ اگر اس میں وفا کی جان نہ ہو تو قرابت عبث ہے۔ اگر اس میں ایمان نہ ہو ورنہ اگر صرف صحبت یا قرابت کی کوئی حقیقت یا وقت ہوتی تو پھر بعض قرابتداران و مصاحبان رسولؐ کی مذمت میں خدا قرآن کی پوری پوری سورتیں نازل نہ کرتا **فتدبرو تشکر و لا تکن من المجاهدین**۔ بے ایمانی اور بے انصافی تو یہ ہے کہ فاضل ومفضول، صالح وطالح، عالم وجاہل، عاقل واحمق بہادر و بزدل، کرار وفرار معصوم وگنہگار اور مخلص وریا کار غرض کہ سب کو یکساں سمجھا جائے اور یہ نعرہ بلند کیا جائے کہ

ع ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اور پھر اس واضح فرق کو نظرانداز کر دیا جائے کہ

ع وہ یارِ نبی یہ نفس نبی ہے فرق بہت ان چاروں میں

بائیسویں آیت:

وَاذۡكُرُوا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا (سورہ آل عمران آیت 103) ترجمہ: ''اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ (دوزخ) کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر خدا نے تمہیں اس سے نجات دی'' اس آیت میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ اسلام سے قبل صحابہ کرام کی باہم پشتینی عداوتیں چلی آتی تھیں جن کو اسلام کی روشنی نے بالکل مٹا دیا اور آپس میں ایسی اخوت پیدا کردی کہ اس بھائی بندی کا رشتہ ہمیشہ رہنے والا تھا۔ لیکن شیعہ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ اسلام لاکر بھی ان میں عداوت بدستور رہی۔ ماننا پڑے گا کہ اصحاب ثلاثہ اور علی المرتضی باہم بھائی بھائی اور شیر وشکر تھے۔ نیز آیت سے ثابت ہو چکا ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر یہ لوگ دوزخ کے کنارے پر تھے لیکن اسلام کی نعمت حاصل ہونے کے بعد آتش دوزخ ان پر حرام ہوگئی۔ لیکن اگر شیعہ کا قول مانا جائے تو وفات نبوی کے بعد سوائے معدودے چند اشخاص (تین چار) کے سب کے سب مسلمان مرتد و کافر ہوگئے اور جہنم کے گڑھے میں گر گئے تو پھر فانقذکم کا مضمون غلط ہوگیا اور مخبر صادق کی شہادت جھوٹی ہوگئی (آفتاب ص ۷۸، ۷۹)

الجواب:

استدلال میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں پہلا حضرت علیؑ اور ثلاثہ کا باہم شیر وشکر ہونا اور دوسرے صحابہ پر آتش دوزخ کا حرام ہونا۔ سو جہاں تک پہلے موضوع کا تعلق ہے تو ہم بقدر ضرورت نویں آیت کے جواب میں اس موضوع پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ اعادہ وتکرار کے لئے صفحات کتاب متحمل نہیں ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

ہاں البتہ یہاں دوسرے موضوع پر بقدر ضرورت تبصرہ کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ نعمت اسلام سے پہلے یہ لوگ آتش جہنم کا ایندھن بن چکے تھے۔ خدائے رحیم نے اسلام اور بانی اسلام کو بھیج کر گویا ان کو آتش جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نکال لیا اور جنت میں جانے کا راستہ دکھا دیا۔ ''اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا'' (سورہ دہر آیت 3) مگر یہ کس آیت یا کس حدیث کا ترجمہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان پر آتش دوزخ حرام ہوگئی؟ ان هذا الا بهتان عظيم۔

نجات از دوزخ و دخول در جنت مشروط بچند شرائط ہے:

پہلی آیت کے جواب کی تمہید میں قرآن وحدیث کی ناقابل رد شہادتوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جہنم سے نجات اور جنت کا

حصول اسلام وایمان لانے کے بعد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ منجملہ ان کے ایک شرط عمل صالح بجالانا دوسری شرط موجب حبط اعمال باتوں سے اجتناب کرنا اور تیسری استقامت علی الاسلام اور خاتمہ بالخیر ہونا ہے کیونکہ **انما الاعمال بالخوایتم** ان تمام آزمائشوں میں کامیابی کے بعد کہیں جاکر جہنم سے گلوخلاصی ہوتی ہے اور جنت الفردوس میں قدم رکھنا نصیب ہوتا ہے۔

؎ یہ ممکن ہے بندہ ہو افضل ملک سے ☆ مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اسلام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان کلمہ اسلام پڑھنے کے بعد بالکل مطلق العنان اور اس طرح پدر مادر آزاد ہوجائے کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ بس آتش دوزخ اس پر حرام ہے حاشا وکلا ارشاد قدرت ہے۔

"**أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ** (سورہ عنکبوت آیت 2 تا 3) "کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ (زبان سے) اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور انکو آزمایا نہ جائے گا اور ہم نہ ان لوگوں کو (بھی) آزمایا تھا جوان سے پہلے ہوگزرے ہیں تو خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کرکے رہے گا (جو اظہار ایمان میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی معلوم کرکے رہے گا" (ترجمہ نذیری) ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔"**أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ**" (سورہ آل عمران آیت 142)۔ کیا تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا ہے جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا ہے جو (لڑائی میں) ثابت قدم رہتے ہیں (ایضاً) **غیر ذالک من الایات الکثیرۃ**۔

ہم صادق وصحیح الایمان صحابہؓ کی تعظیم کو جزو ایمان سمجھتے ہیں:

لہٰذا جو خوش قسمت افراد ایمان لانے کے بعد ثابت قدم رہے اور ایمان معیار پر پورے اترے وہ یقیناً دارین میں فائز المرام اور کامران ہوگئے ہم ایسے بزرگوں کی تعظیم وتکریم کو جزو ایمان، ان کی ولا کو حرز جان بلکہ ان کی خاک پا کو طوطیائے چشم بنانا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہیں اور ان کے لئے دعا واستغفار کرنا اپنا مذہبی فریضہ جانتے ہیں جیسا کہ صحیفہ کاملہ کی دعائیں اس پر شاہد صادق ہیں۔ ہاں جو لوگ اس معیار پر پورے نہ اتر سکے وہ "**خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ**" (سورہ حج آیت 11) کے مصداق قرار پائے۔ اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ خدائے حکیم نے چار انگلیاں بھی برابر نہیں بنائیں اسطرح سارے کلمہ پڑھنے والے اور بزم رسالت میں بیٹھنے والے بھی یکساں اور ایک جیسے نہ تھے۔ بقول شاعر

؎ ہر کہ روئے بہبود نداشت ☆ دیدنِ روئے نبی سود نداشت

آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک ہر دور کی طرح اس آخری امتحان میں بھی بہت تھوڑے تھے۔ وہ خوش قسمت افراد جو کامیاب

ہوئے ورنہ اکثر ناکام رہے۔ اگر چہ خدائے مہربان اور نبی آخر الزماںؐ نے انہیں کامیاب کرنے کیلئے اپنا کوئی امکانی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

مگر ؎ جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ارتداد صحابہ کی وبا:

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ گردہ صحابہ میں عام گناہوں سے بڑھ کر رفتہ رفتہ نوبت بارتداد رسید اور یہ سلسلہ قبیحہ اگر چہ آنحضرتؐ کی زندگی میں شروع ہو گیا تھا مگر بعد ازاں تو اس نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی۔

وہ آیات جو ارتدادِ صحابہ پر دلالت کرتی ہے:

ذیل میں بطور نمونہ اس قسم کی چند آیات و روایت پیش کی جاتی ہے (۱) ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ (سورہ منافقون آیت 3) ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا اور اب انکے دلوں پر مہر لگ گئی ہے بس وہ نہیں سمجھتے (۲) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ (سورہ آل عمران آیت 90) جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور کفر میں بہت آگے بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور یہی لوگ ہیں راہ گم کردہ (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ الخ (سورہ مائدہ آیت 54) اے ایمان کے دعویدار و جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگوں کو لائے گا۔ جنہیں وہ دوست رکھتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر ص ۱۴۹ پر لکھا ہے ''بعد از رسالت مآب تمام عرب مرتد شدند الا اہل مکہ و مدینہ (۴) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (سورہ آل عمران آیت 144) اور محمدؐ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں پھر اگر حضرت محمدؐ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (سابقہ کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹے پاؤں پھرے گا وہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کرے گا بلکہ اپنا نقصان کرے گا۔ اور عنقریب خدا شکر گزاروں کو جزائے خیر دے گا۔

وہ احادیث جو ارتداد صحابہ پر دلالت کرتی ہیں:

آنحضرتؐ باعلام اللہ اپنے اصحاب کے مرتد ہونے کی خبر دے گئے ہیں چنانچہ احادیث حوض جو کہ متواتر ہیں (شرح مسلم نووی) اور متعدد طرق و اسانید اور مختلف الفاظ سے صحاح ستہ میں مروی ہیں اس بات پر شاہد عادل ہیں فرماتے ہیں۔ یہاء بر جال من

امتی فیو خذ بھم ذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح و کنت علیھم شھیداً مادمت فیھم الآیۃ یقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم ۔ میری امت کے کچھ آدمیوں کو اس حالت میں پکڑ کر لایا جائیگا کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے بائیں ہاتھوں میں ہونگے (جو کہ جہنمی ہونے کی علامت ہے) میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں مجھے کہا جائے گا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا؟ میں وہی بات کہوں گا جو بندہ صالح و حضرت عیسیٰؑ نے کہی تھی کہ میں تو اس وقت تک ان پر نگران تھا جب تک ان کے درمیان موجود تھا۔ تب مجھ سے کہا جائے گا کہ تمہاری وفات کے بعد یہ لوگ اپنے الٹے پاؤں پھر گئے تھے (بخاری ج ا ص ۹۷ طبع مصر مسلم جلد ۲ ص ۳۸۴۔ خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۲۷ طبع حیدر آباد)

مسلم ج ۲ ص ۲۴۹ طبع دہلی میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انا فرطکم علی الحوض من ورد شرب و من شرب لم یظلماء ابداً او لیرون علی اقوام اعرفھم و یعرفوننی ثم یحال بینی و بینھم فاقول انھم منی فیقال انک لا تدری ما عملوا بعدک فاقول سحقاً سحقاً لمن یدل بعدی میں تم سے پہلے حوض کوثر پر موجود ہوں گا جو وہاں آئے گا اس سے پیئے گا اور جو پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اس اثناء میں میرے پاس کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہونگے کہ اچانک میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا میں کہوں گا کہ یہ تو میری جماعت میں سے ہیں کہا جائے گا تم نہیں جانتے ہو انہوں نے تمہارے بعد کیا عمل کیئے؟ اس وقت میں کہوں گا دوری ہو دوری ہو اس کیلئے جس نے میرے بعد اپنی حالت بدل لی۔ بعض اور روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں مجھ سے کہا جائے گا۔ اشعرت ما عملوا بعدک واللہ ما برجوا بعدک یرجعون علی اعقابھم کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا عمل کئے (گل کھلائے)؟ بخدا یہ تو آپ کے بعد اپنے الٹے پاؤں پر پلٹ گئے تھے (صحیح مسلم، بخاری ج ۴ ص ۸۸ طبع مصر) بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں؟ فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد دین میں کیا کیا احداث و بدعات پھیلائے (صحیح مسلم وغیرہ) آنحضرتؐ اپنے حین حیات میں ایسے بعض لوگوں کے بارے میں اشارہ فرما گئے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ابوبکر صاحب نے آپؐ سے استدعا کی کہ اس کے ایمان کے متعلق کچھ تصدیقی جملے فرما دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ما دری فاتحدثون بعدی۔ مجھے کیا خبر میرے بعد تم کیا کیا احداث اور بدعات پھیلاؤ گے (ملاحظہ ہو موطا امام مالک ص ۱۷۴ طبع دہلی باب الشھداء فی سبیل اللہ اور کتاب المغازی للواقدی ص ۱۰۲ باب غزوہ احد طبع بیروت) علامہ سیوطی نے خصائص ج ۲ ص ۲۷۸ طبع حیدر آباد میں ابن سعد سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ ما عدا ان و ارینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراب فانکر قلوبنا خلاصہ اینکہ ہم جونہی دفن رسول سے فارغ ہوئے تو ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا آیت نمبر ۱۳ کے جواب میں صحیح بخاری جج ۳ ص ۲۸، ۳۰ سے براء بن عازب کا قول نقل کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے

آنحضرتؐ کے بعد احداث و بدعات پھیلانے کا اعتراف کیا ہے بہر حال انہی حالات کا نتیجہ تھا جو غصب حقوق اور قتل نفوس کی صورت میں ظہور پذیر ہوا اور بالخصوص بعض نام نہاد صحابہ نے خاندانِ نبوت پر وہ وہ مظالم ڈھائے اور مصائب شدائد کے وہ کوہائے گراں گرائے کہ بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے

ع ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند

ان احداث و بدعات کی بقدر ضرورت تفصیل مطاعن ثلاثہ کے ضمن میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ

وہ اخبار و اثار جو ارتداد صحابہ پر دلالت کرتے ہیں:

تفسیر نیشاپوری میں ہے (علی ما نقل عنہ) کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں ساٹھ قبیلے مرتد ہو گئے تھے اور ایک قبیلہ دوسرے خلیفہ کے عہد میں۔ (۲) شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں "و لا نسلم ما انکار نمی کنیم کہ در عصر اول مسلمان خوئے فتنہ نداشتند نمی بینی کہ بعد وفات آنحضرتؐ بسیار مرتد گشتند" (قرۃ العینین ص ۱۶۳ طبع مجتبائی دہلی (۳) عروج اسلام ترجمہ تاریخ کامل ص ۵۴۱ میں ہے "حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر نے اسامہ کے لشکر کو روانہ کیا تو تمام عرب مرتد ہو گئے اور ملک میں فساد کی آگ چاروں طرف پھیل گئی اور قریش کے سوا ہر ایک قبیلہ بالکل مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کے پاس ہر طرف سے نبی کے امیروں کے خطوط آئے کہ عرب مرتد ہو گئے اور عموماً سب قبیلوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں مؤلف کا یہ ارشاد کہاں تک درست ہے کہ "شیعہ کے اعتقاد میں سوائے معدودے چند اشخاص کے باقی سب مسلمان مرتد و کافر ہو گئے" اب تو معلوم ہو گیا کہ یہ صرف شیعوں کا ہی اعتقاد نہیں بلکہ سارے اسلامی فرقوں کا یہی نظریہ ہے و من یتکر باللسان و قلبہ مطمئن بالایمان۔

ے نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے ☆ نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

تیئسویں آیت:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورہ آل عمران 164) ترجمہ "خدا نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو ہماری آیتیں سناتا اور پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ پہلے صریح گمراہی میں تھے"

یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ کے شاگردان رشید سب کے

سب جملہ امراض ظاہری و باطنی سے بالکل پاک وصاف ہو گئے تھے اور نور اسلام کی چمک کے بعد ناممکن تھا کہ پھر ظلمت و کفران کے قلوب پاک عود میں کرتی اور واقعی نبی آخری الزمانؐ کی قوت تاثیر ایک معجزہ تھی۔ کہ تھوڑی سی مدت میں مشرق سے مغرب تک نورِ اسلام پھیل گیا۔ لیکن اکثر شیعہ کا قول مانا جائے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بقول شیعہ بہت بڑے اصحاب اربع جو آپ کی کونسل کے اعلیٰ ممبران تھے۔ آپ کے صبح وشام کے مشیر باتدبیر تھے۔ ان کا تزکیہ بھی آپ سے نہ ہوسکا۔ اور آپ کی وفات کے بعد تو سب کے سب مسلمان سوائے تین چار اشخاص کے دل پھر گئے اور کفر و نفاق اختیار کر لیا۔ بھائیو کچھ تو غور کرو۔ کس قدر اسلام اور ہادی اسلام پر دھبہ آتا ہے اور مخالفین کو طعن کا موقع ملتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ بے ہودہ گوئی اور لغویات ہیں الخ (آفتاب ص ۷۹)

الجواب:

اس استدلال میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کی گئی بلکہ اس میں بعض باتیں تو وہ ہیں جو ابتدائے کتاب میں بذیل عنوان ''اسلام کی تصویر جو رافضی پیش کرتا ہے'' بیان کی جا چکی ہیں اور ہم نے ان کے تفصیلی جوابات باصواب بھی وہیں پیش کر دیے ہیں اور بعض وہ ہیں جو آیت نمبر ۲۲ کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کے جواب میں ہم نے بفضلہ تعالیٰ قرآنی آیات، تاریخی واقعات اور روایات متواترات سے اکثر صحابہ کا آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد مرتد ہو جانا ثابت کر دیا ہے۔

اکثر صحابہؓ کے ارتداد و ناکامی سے رسول اسلامؐ کی تعلیم و تبلیغ پر کوئی ایراد وارد نہیں ہوتا:

اور اس میں آنحضرتؐ کے بیان معجز توان اور تعلیم و تبلیغ پر ہرگز کوئی ایراد عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ سراسر آپؐ کے ان ہم نشینوں کی ہی نااہلی و نالائقی ثابت ہوتی ہے اگر کسی مدرسے کے تمام طالب علم ناکام ہو جائیں تب تو ہر آدمی مدرس اور معلم ہی کو موردِ طعن قرار دے گا۔ لیکن اگر چند لڑکے پاس ہو جائیں اور باقی فیل تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ پڑھانے والے نے تو کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ صحیح پڑھایا ہے۔ ورنہ یہ چند لڑکے بھی کامیاب نہ ہوتے۔ لہٰذا اس صورت میں ناکام ہونیوالوں کی ناکامی کی ذمہ داری خود انہی پر عائد ہوگی۔

گذشتہ انبیاءؑ کی تبلیغ اور اس کے مایوس کن نتائج:

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک قوم کو بے مثال تبلیغ کی مگر نتیجہ کیا نکلا فما امن معہ الا قلیل۔ سوائے چند آدمیوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا تو کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی تبلیغ میں کوئی نقص تھا؟ نہیں بلکہ ہر شخص اسے قوم نوحؑ کی نااہلی پر محمول کرے گا اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے بڑی جد و جہد سے اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے عرصہ دراز تک کام کیا مگر ان کے کوہ طور پر جاتے ہی قوم کی اکثریت گوسالہ پرستی کر کے مرتد ہو گئی تو کوئی یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم و تبلیغ ناقص تھی؟ نہیں ہرگز نہیں

بلکہ ہر باانصاف آدمی یہی کہے گا۔ کہ قوم نااہل و ناکارہ تھی۔ تو بعینہ یہی صورت حال یہاں بھی درپیش ہے۔ کیونکہ قانونِ قدرت اور آئینِ فطرت ہے کہ۔

ہر آدمی اپنی فطری استعداد کے مطابق کسب فیض کرتا ہے!:

یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں جب بھی کوئی آزمائش کا موقع آیا تھا تو بہت ہی تھوڑے اشخاص کامیاب ہوتے تھے۔ اور آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد جب بڑی آزمائش کی گھڑی آئی تو تب بھی بہت تھوڑے تھے اوہ خوش قسمت لوگ جو اس امتحان و ابتلاء میں کامیاب ہوئے اور جو ناکام و نامراد ثابت ہوئے تو اسمیں بھی آنحضرتؐ کا کوئی قصور نہیں۔ اور نہ اس سے ان کی تعلیم و تبلیغ پر کوئی ایراد وارد ہوتا ہے۔ بلکہ ہر باانصاف آدمی یہی سمجھے گا کہ

؎ نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سروِ کنار جو کا

حقیقت امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذات والا صفات فیوض و برکات ربانیہ کا سرچشمہ تھی۔ اور ہر آدمی نے اپنی ذاتی فطرت و استعداد اور لیاقت کے مطابق اس سے استفادہ اور کسب فیض کیا ہے۔ جس طرح بارانِ رحمت سے ہر زمین اپنی حیثیت کیمطابق استفادہ کرتی ہے۔

؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ☆ در زار لالہ روئید و در شوم بوم و خس

علامہ تفتازانی کا بیان حقائق ترجمان:

علامہ تفتازانی شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۶ طبع استامبول میں لکھتے ہیں۔ انما وقع بین الصحابة من المحاربات والمشاجوات علیٰ الوحه المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنته الثقاة یدل بظاھرہ علی ان بعضھم قوما قد حاد دعن طریق الحق و بلغ حد الظلم و الفسق الخ یعنی ''صحابہ رسولؐ کے درمیان جو جنگ وجدال اور مشاجرات وتنازعات واقع ہوئے جیسا کہ کتب تاریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبان پر مذکور ہیں۔ وہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ جادۂ حق سے منحرف ہوگئے۔ اور فسق وفجور اور ظلم وجور کی حد تک پہنچ گئے''۔

؎ خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں
ع چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

چوبیسویں آیت:

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۸﴾ (سورہ حجرات آیت 7 تا 8) ترجمہ ''مسلمانو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ ہے۔ اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لے تو تمہیں تکلیف ہو۔ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و شرک نافرمانی سے تمہیں متنفر بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اور ان پر اللہ کا احسان سے خدا دانا حکیم ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ اور مضبوط کر دیا ہے اور ایمان کے ساتھ ان کو محبت طبعی ہوگئی ہے۔ اور کفر و فسق سے ان کو ہمیشہ کے لئے نفرت ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی۔ پھر ان پاک نفوس پر یہ الزام کہ ان کی ایمانی حالت ایسی متزلزل تھی کہ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی ان کا ایمان صرف رسمی اور ظاہری تھا اور آپ کی وفات کے بعد خاندانِ رسالت پر اعلانیہ ظلم کرنے شروع کر دیے کیا یہ آیت کریمہ مذکورہ کی صریح تکذیب نہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت (آفتاب ص ۸۰)

الجواب:

نہ معلوم مؤلف کتاب کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کا خیال بھی نہیں کرتے ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اپنے خاص ممدوحین اصحاب ثلاثہ کا ایمان و ایقان ثابت کریں۔ مگر آیات وہ پیش کرتے ہیں جن میں بالعموم بعض افراد صالحہ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے مگر ان آیات کو اصحاب ثلاثہ سے اتنا بھی ربط نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی سے چھلکے کا ہوتا ہے کیونکہ **لا دلالۃ للعام علی الخاص**۔ اس میں کیا شک وشبہ ہے کہ بعض اصحاب و احباب رسول مقبولؐ ضرور ایسے کامل الایمان تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا اور انہیں گناہ و عصیان سے قلبی نفرت بھی تھی مگر وہ تھے کون؟ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام پر سرسری نظر رکھنے والے حضرات پر ان کی تشخیص چنداں مشکل نہیں ہے وہ وہی تھے جو خود فرمایا کرتے تھے **لو کشف الغطا لما اذددت یقینا** (واجب و ممکن کے درمیان جو حجاب حائل ہیں اگر وہ حجاب اٹھا بھی دیئے جائیں تب بھی میرے ایمان و ایقان میں کچھ اضافہ نہ ہوگا) (کیونکہ وہ آخری نقطہ کمال تک پہنچا ہوا ہے) (ارشاد حضرت علیؑ مندرجہ شرح فقہ اکبر ج ا ص ۱۵۳ طبع گلزار محمدی لاہور) یا ان سے مراد وہ ہیں جن کے متعلق پیغمبرؐ فرماتے ہیں۔ سلمانؓ **منا اھل البیت** (اصابہ وغیرہ) یا وہ جن کے متعلق بانی اسلام شہادت دیتے ہیں ''**ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لھجۃ اصدق من ابی ذر رضی اللہ عنہ**'' آسمان نے کسی ایسے آدمی پر سایہ نہیں ڈالا اور نہ زمین نے اسے اٹھایا

ہے جو ابوذرؓ سے زیادہ راست گو اور سچا ہو (مشکوٰۃ ص ۵۷۹ طبع بمبئی) یا ان جیسے اور افراد کاملہ ونفوس زاکیہ مقصود ہیں جنہوں نے چشمہ فیوض و برکات سے خوب سیر ہو کر اور دل کھول کر استفادہ کیا اور گوہر مقصود سے اپنے دامن کو پر کیا۔ اور بہر حال وہ نام نہاد صحابہ قطعاً اس مقدس زمرہ میں داخل نہیں۔ جن کے متعلق پیغمبر اسلامؐ یہ فرماتے ہیں کہ: الشرک فیکم اخفی من ربیب النمل۔ شرک تم میں چیونٹیوں کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔ (خطاب رسول راجع باابی بکر تفسیر در منثور ج ۴ ص ۵۴، تفسیر فتح البیان ج ۵ ص ۲۲۹ طبع مصر) اور نہ وہ اس میں شامل ہو سکتے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقعہ خود رسالتمآبؐ کی نبوت میں شک کر بیٹھے تھے (ماشککت منذ اسلمت الایومئذٍ قول عمر تفسیر در منثور ص ۷۷ وغیرہ) اور نہ وہ مراد ہو سکتے ہیں جو محض بعض عورتوں سے شادی کرنے کی خاطر اسلام لائے تھے (ملاحظہ ہو کیفیت اسلام عثمان خصائص کبری جلد ۱ ص ۱۳۱ طبع مصر) اور نہ ہی وہ لوگ اس میں داخل ہو سکتے ہیں جو ہر جنگ میں رسول خداؐ کو تنہا چھوڑ کر میدان سے منہ موڑ جاتے تھے (ملاحظہ ہو ثلاثہ اور انکے ہمنواؤں کے فرار کی بحث بذیل جواب آیات اولیٰ) اور نہ ہی وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جن پر خود آنحضرتؐ نے اپنے حین حیات میں شرب خمر، صدور زنا اور قذف محصنات جیسے سنگین جرائم کے ارتکاب پر شرعی حدود جاری فرمائے تھے۔ (مسطح بن اثاثہ، اور ماعز اسلمی وغیرہ کے حالات ملاحظہ ہوں۔ (ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۴۳) اور نہ ہی وہ لوگ اسکے مصداق ہو سکتے ہیں جن کی ابدی ہلاکت کی مخبر صادقؐ نے احادیث حوض میں خبر دی ہے۔ جن کا ایک شمہ سابقہ آیت کے جواب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور نہ ہی ان کے اتباع و پیروکار اس جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب انکے پیر مغاں ہی داخل نہیں تو ان کے مریدان باصفا کس طرح داخل ہو سکتے ہیں؟ یہ وہ لوگ تھے کہ نہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ تھا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے نفرت تھی۔ بلکہ وہ "یَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ" (سورہ آل عمران آیت 167) کہ مصداق تھے۔ ایسے ہی لوگوں نے آنحضرتؐ کے حین حیات میں خفیہ طور پر، اور آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد اعلانیہ طور پر اسلام اور آنحضرتؐ کے خاندان ذی شان کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں۔ بالخصوص آل رسولؐ کے ساتھ ان لوگوں نے جو ناروا سلوک کیا اور ظلم و ستم کے جو کوہائے گراں ان پر گرائے۔ ان کے پیش نظر کسی شاعر نے بجا کہا ہے کہ

ع ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند

ان مظالم کا کچھ اجمالی تذکرہ سابقہ اوراق میں مختلف مقامات پر کیا جا چکا ہے اور آئندہ بھی مناسب مقامات پر کیا جائے گا انشاء اللہ[1]

مگر مولف کی مبالغہ آرائی دیکھئے کہ ایسے لوگوں کو صرف "پاک نفوس" کہنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ "ایمان

---

[1] ان امور کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف رجوع کریں منہ عفی عنہ

کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی'' حالانکہ حقیقی معصوم بھی ترک عصیان پر مجبور نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی عصمت اختیاری ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیر سے مؤلف کو محال کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ایسی بے پر کی نہ اُڑاتے محال خواہ بالذات ہو یا بغیر بہر حال محال ہے اور وہ ممکن کی ضد ہے۔ سچ ہے کہ

؎ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

بایں ہمہ حقائق اصحاب ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا کیا قرآن کی متعدد آیات، پیغمبر اسلام کی معتبر روایات اور تاریخی مسلمات کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ مقام عبرت ہے: مگر آہ۔ ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار؟

؎ کاخ جہاں پر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

پچیسویں آیت:

فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (سورہ فتح آیت 26) ترجمہ ''پھر خدا نے سکینہ (رحمت) اپنے رسولؐ اور ایمان والوں پر نازل کی اور صفت تقویٰ ان کے لئے لازم کردی اور وہ اس انعام کے مستحق تھے اور خدا ہر شے کا علم رکھتا ہے''۔

یہ سورۂ فتح کی آیت ہے جس میں مجاہدین حدیبیہ کے فضائل و مناقب کا بیان ہے۔ جسمیں یہ ذکر ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے اصحاب حدیبیہ پر سکینہ نازل ہوا اور صفتِ تقویٰ ان کے لئے ایسی وصف لازم ہوگئی جو کبھی منفک نہیں ہوسکتی اور یہ بھی فرمایا کہ سچے جاں نثارانِ رسولؐ فی الواقع اس انعام عظیم کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جن لوگوں کے لئے صفت، تقویٰ لازم کی گئی ہو کیا وہ منافق ہوسکتے ہیں؟ (آفتاب ص ۸۱)

الجواب:

اس استدلال میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کی گئی بلکہ وہی بات دوسرے لفظوں میں دوہرائی گئی ہے۔ جو قبل ازیں آیت نمبر ۱۳ میں کہی جاچکی ہے اور ہم اس مقام پر اسکا مکمل و مفصل جواب باصواب پیش کرچکے ہیں لہٰذا اس کے اعادہ و تکرار کی یہاں ضرورت نہیں ہے سردست یہاں صرف اس قدر اجمالی اشارہ کردینا کافی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک حقیقی اہل ایمان پر سکینہ کے نازل کرنے کا۔ دوسرے صفتِ تقویٰ کو ان کے لئے لازم کرنے کا۔ مؤلف نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ ''سچے جان نثارانِ رسولؐ فی الواقع اس انعام عظیم کے سب سے زیادہ مستحق و سزاوار تھے'' اور بدقسمتی سے مؤلف کے محبوب القلوب ثلاثہ ان

دونوں نعمتوں سے تہی دامن نظر آتے ہیں نہ ان کا حقیقی ایمان ثابت ہے (آیت نمبر ا کا جواب ملاحظہ ہو) اور اسلام و بانی اسلام پر جاں نثار کرنے کی بجائے ہر جنگ سے ان کا فرار ضرور ثابت ہے۔ کچھ تو خوف خدا کرو۔ بھلا وہ لوگ کس طرح اس آیت کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر شک فی النبوۃ کیا تھا (در منثور ج ٦ ص ٧٧ طبع مصر) اور اسی بیعت الرضوان میں آئندہ میدان جنگ سے کفار کو پیٹھ نہ دکھانے کا پختہ وعدہ کیا تھا جس سے بعد میں منحرف ہو گئے اور بعد والی جنگوں (جیسے خیبر و حنین وغیرہ) میں بدستور سابق فرار پر فرار کرتے رہے (آیت نمبر ا و نمبر ١٣ کی ء جواب میں یہ سب حقائق بیان کئے جا چکے ہیں فراجع) عربی کا مقولہ ہے ''ثبت العرش ثم انقش'' پہلے تختی ثابت کرو۔ پھر اس پر کچھ نقش و نگار کرو اس لئے اگر ہمت ہے تو پہلے اصحاب ثلاثہ کا حقیقی ایمان ثابت کرو اور پھر کوئی دوسری بات کرو۔ لیکن یقین سمجھو کہ ایسا کرنا تمہارے لئے قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ **وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا** (سورہ اسراء آیت 88)

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ☆ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

چھبیسویں آیت:

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (سورہ توبہ آیت 40) ترجمہ: ''اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کیا مضائقہ) خدا اس کا ناصر ہے (جس نے اس وقت نصرت دی) جبکہ کفار نے اس کو مکہ سے نکال دیا۔ وہ دوسرا تھا دونوں میں سے جبکہ وہ دونوں (دوست) غار میں تھے اور جبکہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کیجئے یقینا خدا ہمارے ساتھ ہے''

اس آیت پر بنظر انصاف غور کرنے سے فضائل صدیقی ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

(ا) ایسے ہولناک وقت میں بامر الٰہی ابوبکر صدیق کا انتخاب ہونا اور صدیق اکبر کا ایسے خطرناک موقع پر اپنے اخلاص میں پکا نکلنا بری بہادری ہے۔ دشمن کی تلواروں کے سایہ تلے سے اپنے پیارے آقا کو بچا کر اپنے کندھے پر سوار کر کے غار ثور میں لے جانا صدیق اکبر کے فضل عظیم پر روشن دلیل ہے۔

(٢) خدا کے حضور ثانی اثنین اور لصحابہ ثانی رسولؐ اور صاحب نبی دو عظیم الشان خطابوں کا عطا ہونا رسول خدا ﷺ کا لا تحزن ایک تسلی بخش فقرہ بھی اس عاشق صادق کے لئے کچھ کم فخر نہیں ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عاشقان ذات احمدی اگر اس سردار دوجہاں کے منہ سے کوئی معمولی اور اتفاقی فقرہ بھی سن لیا کرتے تھے تو مدت العمر اس کا لازمی ورد رکھتے اور اس کو طرہ امتیاز سمجھتے۔ چنانچہ علی المرتضیٰؓ کا چہرہ خاک آلود دیکھ کر فرمایا قم یا ابا تراب۔ وہ فقرہ جناب علی المرتضیٰ کو ایسا پیارا ہوا کہ اپنی کنیت ہی اس کو بنایا۔ ایسا ہی ایک صحابی کو ابوھریرہ کہہ دیا انہوں نے فخر کے ساتھ یہی کنیت اختیار کی۔ ایک دفعہ

ابوذرؓ کے جواب میں فقرہ **علی رغم انف ابی ذر** فرمادیا۔ وہ اس حدیث کو ہر مجلس میں ذکر کرتا اور یہ فقرہ فخر سے دہرایا کرتا۔ آنجناب کا اس خلوت کی مجلس میں ابوبکر جیسے عاشق صادق کو **لاتحزن** کا دلاسا دینا اور پھر اس کا کلام الٰہی میں درج ہونا صدیق اکبر کے حصہ میں تھا۔ کون ہے جو صدیقی مرتبہ کی ہمسری کا دم بھر سکتا ہے؟

(۳) پھر دوسرا پاک فقرہ جو **لاتحزن** کے بعد صدیق اکبر نے اس زبان سے سنا ان **اللہ معنا** کا تعظیمی فقرہ ہے جو صدیق اکبر پر روشن دلیل ہے۔ جانتے ہو معیت کیا معنیٰ رکھتی ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ** (سورہ النحل آیت 128) خدا کی معیت متقین اور محسنین کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ پھر جب معیت ایزدی آیت مذکورہ کی رو سے صدیق اکبر کے لئے منصوص ہوگئی تو پھر اس کا متقی ومحسن ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہ رہا۔ معنیٰ کی ضمیر جمع پر غور کرو۔ **معی یا معک** نہیں فرمایا بلکہ **معنا** فرمایا۔ یعنی خدا تیرے اور میرے دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ سچی خدمت گزاری کا صلہ ہے۔

(۴) پھر قول الٰہی **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ** (سورہ توبہ آیت 40) پر غور فرمائیے۔ یعنی خداوند کریم نے سکینتہ (اپنی رحمت) اس پر نازل فرمائی۔ کیا رحمت الٰہی کا حاصل کرنا کوئی معمولی بات ہے۔

(۵) قول باری تعالیٰ **اذ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ** (سورہ توبہ آیت 40) (کافروں نے رسول کو اس حالت میں گھر سے نکالا کہ اسکے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا) اس امر کی دلیل ہے کہ کفار کو جس قدر عداوت رسول سے تھی۔ اسی قدر ابوبکر صدیق سے بھی تھی اور ہر دو کو یکساں اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ جائے غور ہے کہ قرآن پاک میں جس خصوصیت کے ساتھ ابوبکر صدیق کا صاحب رسول ثانی اثنین ہونا اور فضائل کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے اور کسی صحابی کا ذکر بالتصریح نہیں پایا جاتا۔ واقعہ غار کی تصدیق کتب شیعہ سے۔

واقعہ غار نے تصدیق مصاحبت صدیق اکبر بار رسول اللہ کے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس لئے شیعہ مصنفین اس واقعہ کی تصدیق پر مجبور ہوئے۔ (تفسیر حسن عسکری ص ۲۳۱ میں ہے۔ ان اللہ تعالیٰ (بحذف عربی عبارت) ترجمہ: خلاصہ کلام امام علیہ السلام کا یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعت قریس نے تیرے قتل کی تدبیر کی ہے۔ آگے چل کر فرمایا اور خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق سفر بناؤ۔ اگر وہ موافقت وموانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ پھر حضورؐ ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابوبکر تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو؟ اور کفار قریش جس طرح میرے قتل کے لئے مجھے تلاش کریں ویسے ہی تیرے قتل کے لئے درپے ہوں۔ اور اس بات کی تشہیر ہو کہ تو نے ہی مجھے اس بات پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب سے تجھے قسم قسم کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر آپ کی

محبت میں عمر بھر مجھے عذاب اور تکالیف پہنچتی رہیں (نہ مروں نہ آرام پاؤں) تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی شہنشاہی قبول کروں۔ میری جان و مال اور اہل وعیال سب کے سب آپ پر قربان ہوں (آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں؟) یہ سنکر رسول اللہ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے موافق پایا۔ بالیقین خدا نے تجھے منزلہ سمع وبصر گردانا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے'' شیعوں کے دلوں میں اگر کچھ بھی عزت امام حسن عسکری کی ہے تو وہ امام والا مقام کی روایت پڑھ کر غور کریں کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق کی کس قدر تعریف ہوتی ہے؟ اس روایت سے حسب ذیل امور ثابت ہیں (۱) ابوبکر صدیق کی رفاقت رسول سفر ہجرت میں اللہ کے حکم سے عمل میں آئی۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا ابوبکر صدیق کو اس خدمت کے لئے خاص طور پر منتخب فرمانا دنیائے اسلام میں ابوبکر کی فضیلت کو آشکار کرنا مقصود تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو اطلاع دے دی کہ اگر صدیق اکبر نے اس خدمت کو صدق دل سے انجام دیا تو جنت میں رفاقت رسول نصیب ہوگی الخ۔۔۔ (۴) رسول پاک کا یہ فرمانا کہ ابوبکر تجھے پسند ہے کہ کفار تیرے اور میرے درپے آزار یکساں ہوں؟ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ سفر ہجرت تیرے ہی صلاح ومشورے سے اختیار کیا گیا ہے۔ ابوبکر کی عظمت شان کی دلیل ہے۔ (۵) باوجودیکہ شدائد سفر سے حضور علیہ السلام نے اپنے جانباز عاشق کو آگاہ کر کے یقین دلایا تھا کہ اس سفر میں سخت ترین مصائب کا سامنا ہے۔ پھر عاشق صادق کا ان کو قبول کر کے کہنا کہ مجھے اپنے آقائے نامدار کا ساتھ چھوڑنا ہرگز منظور نہیں۔ بقول شخصے

؎ یک جاں چہ متاعیبت کہ سازیم فدائیت ☆ اماچہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است

(۴) پھر حضورؐ کا یہ فرمانا کہ ابوبکر اللہ علیم وخبیر کو تیرے اخلاص وعقیدت کا علم تھا۔ اس لئے تیرا میرا یہ جوڑا بنایا کہ تو میرے سمیع وبصیر کی بجا ہے۔ الخ

سبحان اللہ اس سے بڑھ کر فضائل صدیقی کا ثبوت شیعہ کی معتبر کتاب سے اور کیا چاہئے!

دوسری شہادت:

واقعہ غار کی تصدیق میں دوسرا استشہاد شیعہ کی بڑی مستند کتاب حملہ حیدری سے پیش کیا جاتا ہے

؎ چنیں گفت راوی کہ سالار دیں ☆ چوں سالم بحفظ جہاں آفریں

بحذف نظم (ترجمہ واکتفا بذکر نتائج بنظر اختصار)

اس واقعہ سے جو شیعہ فاضل مصنف حملہ حیدری نے بیان کیا ہے۔ حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) سفر ہجرت کا راز حضور علیہ السلام نے پہلے اپنے محرم راز صدیق اکبر کو بتادیا تھا۔ (۲) صدیق حضور کا جانثار عاشق رات بھر گھڑیاں گن گن کر اس وقت کا منتظر ہو رہا تھا۔ (۳) ابوبکر نے باوجود پیرانہ سالی حضور والا کو اپنے کندھے پر سوار کیا (۴) عاشق صادق کو خدا تعالیٰ نے فوق العادت طاقت بخشی کہ وہ گراں بار نبوت کا متحمل ہوگیا۔ (۵) جب تیرہ غار میں داخل ہوا تو حضور علیہ السلام کو نہ داخل ہونے دیا جب تک کہ مارو مور موذیت کے تمام سوراخ بند نہ کر لئے۔ (۶) آخر کار گزندافعی کی تکلیف برداشت کی اور اس امر کو عین راحت سمجھا۔ (۷) تین دن رات اس آفتاب عالم تاب کے انوار تاباں تنہا حاصل کئے جنہوں نے دو جہان کو روشن کرنا تھا۔ (۸) حضور سرور کائنات اپنے مخلص دوست ابوبکر کے تین دن رات متواتر مہمان رہے۔ چنانچہ ہر سہ روز کھانا ابوبکر کے گھر سے جاتا تھا۔ کیا رسول اللہ کافر ومنافق کے گھر کا کھانا ایسے نازک وقت میں منظور کرسکتا تھا۔ (۹) سواری کا بندوبست بھی پسر ابوبکر نے کیا اور حضور علیہ السلام نے ایک ہی اونٹ پر اپنے یارِ غار کو اپنے ساتھ سوار کیا اور مبارک سفر ہجرت اس کی ہمراہی میں طے فرمایا۔

تیسری شہادت:

شیعہ کی مستند کتاب تفسیر قمی ص ۱۵۷ میں پائی جاتی ہے۔ **قوله الاتنصروه الخ** (بحذف عربی) ترجمہ ''راوی کہتا ہے مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی اس نے بعض رجال سے جنہوں نے امام صادقؑ تک روایت پہنچائی۔ امام نے فرمایا جب تک کہ تھے رسولؐ پاک نماز میں ابوبکر کو فرمایا کہ میں جعفر اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے اور میں انصار مدینہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابوبکر نے کہا مجھے بھی دکھایئے۔ حضورؐ نے ابوبکر کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے مس فرمایا تو اس کو وہ تماشا نظر آیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تو صدیق ہے'' اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ نماز میں جو اسرار حضور انور مشاہدہ فرما رہے تھے۔ ان کے مشاہدہ میں ابوبکر کو بھی شریک کیا اور آنکھوں کو دست مبارک سے مس فرمایا۔ تو سب کچھ نظر آنے لگا۔ پھر آپ نے ابوبکر سے کہا کہ بے شک تو صدیق ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ابوبکر کو بہ صلہ خدمات سفر ہجرت ومصاحبت غار لقبِ صدیق بارگاہ رسالت مآبؐ سے عطا ہوا تھا۔ جس کی شہادت کتب شیعہ صراحت سے دے رہی ہیں۔ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء الخ**

اعتراضات شیعہ:

واقعۂ غار کے متعلق اگرچہ نص صریح مشعر فضائل صدیق اکبر موجود ہے۔ مگر بقول شخصے

در نظر ہنرش نماید عیب ☆ باد برگندہ کہ بداندیش چشم

شیعہ حضرات نے یہاں بھی فضول اعتراضات کر کے اپنی خوش فہمی کا ثبوت دیا ہے جن کا دفعیہ ضروری ہے اعتراض شیعہ۔ آیت میں لصاحبہ سے ابوبکر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن میں دو مصاحب یوسف کا ذکر ہے یا صاحبی السجن حالانکہ وہ کافر تھے **جواب**۔ سبحان اللہ! شیعہ صاحبان کی قرآن فہمی کا کیا کہنا۔ قرآن میں صاحبی یوسف نہیں بلکہ صاحبی السجن مذکور ہے (جیل کے رہنے والے قیدی)۔ غرض صاحب الرسول کہلانا اور چیز ہے اور صاحبی السجن اور شئی ہے۔ پھر جیل میں رہنے والے یوسف کے ساتھی پیغمبر کے ساتھ نہیں گئے تھے بلکہ اپنے جرم کے باعث اسیر ہوئے تھے اور لصاحبہ والا ساتھی خدا کے خاص حکم اور رسول پاک کے انتخاب سے رفیق سفر بنایا گیا تھا۔ ایسا ہی قال لصحابہ و ھو یحاورہ وغیرہ کو سمجھو۔ صرف صاحب کے لفظ کی فضیلت نہیں بلکہ فضیلت مضاف الیہ (رسول) کی مبارک نسبت سے پیدا ہوئی ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ سچ پوچھو تو شیعہ ایڑی چوٹی کا زور ماریں تو اس صراحت اور وضاحت سے ولایت علیؓ تو کیا قرآن سے علی المرتضیؓ کا صاحب رسول ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔

اعتراض شیعہ: رسول کا ساتھی ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کیونکہ نوح ولوط علیہ السلام کی عورتیں رسول کی ہم صحبت ہونے کی وجہ سے کافر تھیں۔ **جواب**۔ اگر معترض کو کچھ عقل ہوتی تو ان عورتوں پر صدیق کو قیاس نہ کرتا۔ ہر امر میں مستثنیات ہوتے ہیں باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے **اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ** (سورہ نور آیت 26) کا کلیہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن دو عورتوں کے حکم سے استثنا فرما دیا ہے۔ **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ** (سورۃ التحریم آیت 10) الخ لیکن معاذ اللہ کیا خدیجہ الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ کو ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کلا وحاشا اسی طرح صدیق اکبر ایسے جانباز کی صحبت رسول کو امراۃ لوط و نوح پر قیاس کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔

اعتراض: لا تحزن کا کلمہ تعریف کا موجب نہیں ہے۔ یہ صیغہ نہی کا ہے اور جس بات سے خدا نے منع کیا ہوا وہ داخل معصیت ہے۔ **جواب**۔ شیعہ ایسے اعتراض کرتے وقت اگر قرآن کی باقی آیت پر بھی نظر ڈال لیا کریں تو ایسی خرافات لکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس قسم کے کلمات پیغمبروں کی نسبت بھی مذکور ہیں اور جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بنا تو آپ بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ** (النمل آیت 10)''۔

(۲) جب ساحروں نے اپنی رسیاں جادو سے سانپ بنا کر دوڑائے اس وقت حضرت موسیٰ خائف ہو گئے الہ العالمین نے فرمایا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿طه: 68﴾۔ (۳) جب حضرت ابراہیم نے فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا تو ڈر گئے۔ فرشتوں نے تسلی دی۔ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿هود: 70﴾ (۴) لوط کے پاس جب فرشتے آئے تو وہ ڈر گئے۔ فرشتوں نے تسلی دی۔ وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ (عنکبوت آیت 33) (۵) رسول پاک کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿نحل: 127﴾ (۶) مومنین سے خطاب ہے أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿فصلت آیت 30﴾۔

اب شیعہ بتائیں۔ یہ سب نہی کے صیغے میں۔ جو اولی العزم مرسلین کے خطاب میں ہیں کیا لا تخف و لا تحزنون کے خطاب کو ان کی عظمت شان اور شفقت الٰہی پر محمول کرو گے یا ان کی توہین و ہتک قرار دو گے؟

اعتراض: شیعہ کہتے ہیں جب کفار آئے تو ابوبکر رونے لگے تا کہ ان کو اطلاع ہو جائے کہ پیغمبر اسلام غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ **جواب:** اس سے بڑھ کر بے ہودہ اعتراض اور کیا ہو سکتا ہے کیا علیم و خبیر کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ رسول علیہ السلام کو مصاحب ابوبکر دیا گیا اور رسول بھی اس بات سے نا آشنا تھے کہ ابوبکر اللہ سے اندر سے دشمنی رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر نہ روئے نہ چلائے البتہ گھبراہٹ پیدا ہو گئی کہ محبوب دو جہاں خدا کے پیارے رسول کو کافر تکلیف نہ پہنچائیں۔ حزن اپنے لئے نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسری چیز یا شخص کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے و ابیضت عیناہ من الحزن۔ غرض جو اپنی ذات کے لئے گھبراہٹ ہوا اس کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو دوسرے کے لئے ہوا اسے حزن کہتے ہیں۔

اعتراض: انزل اللّٰہ سکینتہٗ علیہ میں علیہ کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہے نہ کہ ابوبکر کی طرف جیسا کہ آیت الا تنصروہ میں باقی ضمائر کے مرجع بھی رسول کریم ہیں۔

جواب: جب شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ گھبراہٹ رسول پاک کو نہیں بلکہ ابوبکر صدیق کو تھی اور اسی لئے لا تحزن محض ان کی تسکین کے لئے فرمایا گیا تو پھر سکینہ (جس کے معنی تسکین ہے) رسول پر اتارنے کی کیا ضرورت تھی؟

اعتراض: ابوبکر کا آنحضرتؐ کو اپنے کندھے پر اٹھانے کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بیت الحرام سے بت توڑنے کے وقت جب اسد اللہ الغالب (علیؑ) نے درخواست کی تھی کہ حضور میرے کاندھے پر سوار ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم گرانبارِ نبوت کو کیسے برداشت کر سکتے ہو۔

جواب: یہ مشیت ایزدی ہے کہ ایک وقت ایک بڑا توانا شخص سے ایک کام نہ ہوسکے تو دوسرے وقت میں وہی کام ایک ضعیف ونحیف آدمی سے لے لے جیسا کہ آیت **إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ** (سورہ الاحزاب آیت 72) گرانبار امانت کو برداشت کرنے کی طاقت آسمان اور زمین کو باوجود اس جسامت کے نہ ہوسکی۔ لیکن اس کو ایک ضعیف مخلوق انسان نے قبول کرلیا۔ پھر وہی خدا اگر وہ کام جو اسد اللہ نہ کرسکے صدیق اکبر کو اس کے کرنے کی توفیق بخش دے۔ تو اسکو کون روک سکتا ہے؟

اعتراض: اندھیری رات کو تاریک غار میں ابوبکر کو سوراخ کس طرح نظر آئے جن کو بند کرتا پھرا۔

جواب: یہ ضروری نہیں کہ چند میل مسافت کے بعد غار ثور تک پہنچنے کے وقت بھی تاریکی شب موجود تھی بلکہ وہاں پہنچنے تک صبح کی روشنی کا وقت ضرور ہوگیا ہوگا۔ نیز اگر شیعہ معترضین کو اس بات کا بھی اعتقاد ہو کہ چہرہ انور رسول اقدس وہ سراج منیر تھا کہ اس کی نورانی شعاعوں کے سامنے آفتاب کی روشنی بھی ہیچ تھی۔ اس شمع انور کی موجودگی میں بھی ابوبکر کو سوراخ نظر نہ آتے ہوں۔ امید ہے کہ اب معترض کو تسلی ہوگی۔ انتہی ملخصاً (آفتاب ازص ۸۱، ۹۴)

الجواب:

ہے نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مخالفین کا طریقہ استدلال:

قدیم الایام سے اہل خلاف اس آیت مبارکہ سے تین طرح سے فضیلت ابوبکر پر استدلال کیا کرتے تھے (جو اگرچہ فی نفسہٖ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا انشاء اللہ۔ (۱) ابوبکر کو صاحب رسول کہا گیا ہے (۲) آنحضرتؐ نے ابوبکر کو اپنے ساتھ شامل کر کے فرمایا ہے ان اللہ معنا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (۳) خدا نے ابوبکر پر سکینہ نازل کیا مگر مولوی کرم الدین آف بھیں نے ایک چوتھے طرز استدلال کا اضافہ کیا ہے کہ (۴) حبیب خدا نے اپنے رفیق سفر سے فرمایا لاتحزن۔ حزن نہ کر۔

لطیفہ:

مولوی صاحب کا یہ طرز استدلال دیکھ کر ہمیں ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے کہتے ہیں کہ کسی عمر رسیدہ آدمی کی کسی بڑے دربار میں گالیاں دے کر توہین کی گئی۔ مگر اس کی کم عقل اولاد اس بات پر فخر ومباہات کیا کرتی تھی کہ ہم اس بزرگ کی اولاد ہیں جس کی فلاں بڑے دربار میں بے عزتی کی گئی تھی۔

بلاتشبیہہ یہی کیفیت ابوبکر اور ان کے مداح خاص مولوی کرم الدین صاحب کی ہے۔ اس بے چارے سفید ریش بزرگ کو بچوں کی طرح بارگاہ نبوی سے سرزنش کی جا رہی ہے کہ چپ بھی کر رو رو کر کیوں مغز کھا رہے ہو۔ مگر ان کے نادان دوست ان کی اس رسوائی پر فخر و ناز کر رہے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

مؤلف کی روش پر تبصرہ:

مؤلف نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح یہاں پورے چودہ صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور اس طول لاطائل میں کام کی ایک بات بھی نہیں کہی۔ وہی طرز استدلال ہے جس کے بیسیوں مرتبہ اہل حق کی طرف سے دندان شکن جوابات دیئے جا چکے ہیں یا پھر فرضی اعتراضات قائم کر کے یا بعض عوام الناس کی زبان سے سنکر اور انکے جوابات میں زد ربیاں صرف کر کے کتاب کے صفحات بڑھائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض اعتراضات ایسے بودہ و کمزور ہیں کہ کوئی اہل علم ایسے اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ بہر کیف ہم کام پرانے اور نئے طرز استدلال کے شافی و کافی جوابات نیز مؤلف کے فرضی اعتراضات شیعہ کے جوابوں کے جواب الجواب پیش کر کے اہل عقل و خرد کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ غیر جانبداری سے غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ اس آیت سے ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یا الٹا ان کی فضیحت یا رسوائی ظاہر ہوتی ہے؟ اور یہ کہ آیا اس آیت میں فضائل ابوبکر کے ستارے چمک رہے ہیں۔ یا ان کے رذائل کے انگارے دمک رہے ہیں۔

اس امر کی تحقیق کہ سفر ہجرت میں آنحضرتؐ با امر الٰہی ابوبکر کو ہمراہ لے گئے تھے یا وہ خود گئے تھے؟

جیسا کہ مولوی صاحب نے یہاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے با امر الٰہی خود ابوبکر صاحب کا انتخاب کیا تھا۔ ہمیشہ اہل خلاف اس امر کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر افسوس

ع بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

تاریخی حقائق سے اس امر کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے۔ اور یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس سفر ہجرت کیلئے نہ ابوبکر صاحب سے کوئی مشورہ لیا تھا اور نہ ہی اس خفیہ سفر میں ان کو ہمراہ لے جانے کا کوئی پروگرام مرتب کیا تھا بلکہ آنجناب تو با امر الٰہی اپنے برادر خورد حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر تنہا اس مہم پر روانہ ہو گئے تھے۔ مگر جب ابوبکر کو کسی طرح آپؐ کے اس سفر کی اطلاع ہوئی تو (خدا معلوم کس قصد سے) راستہ میں آنحضرتؐ سے جا ملے اور ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور آنحضرتؐ نے (خواہ افشائے راز کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ان کو واپس نہ لوٹایا بلکہ ہمراہ ہی رکھا۔ ذیل میں اس موضوع سے چند تاریخی حوالہ جات پیش

کئے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۴۰ طبع مصر۔ خصائص نسائی طبع مصر ص ۹ مترجم اردو طبع لاہور ص ۲۰ پر ہے کہ شب ہجرت ابوبکر آنحضرتؐ کے دولت سرا پر حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ چادر رسول اوڑھ کر بستر رسولؐ پر دراز تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو نبی سمجھ کر کہا یا رسول اللہؐ! حضرت علیؑ نے فرمایا وہ تو چاہ میمون کی طرف چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر انکے پیچھے گئے اور راستہ میں جا ملے۔ حتی کہ پھر غار ثور میں داخل ہوئے (کذا فی ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۱) (۲) کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۳ میں باسناد ابی نعیم ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شب ہجرت حضرت علیؑ چادر نبی اوڑھ کر بستر رسولؐ پر سوئے تھے اور کفار و مشرکین ان کو رسولؐ سمجھ کر پتھر مار رہے تھے۔ اچانک ابوبکر آئے اور کہا یا رسول اللہؐ! حضرت امیرؑ نے چادر سے سر نکال کر فرمایا وہ تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے ہیں چنانچہ ابوبکر ان کے پیچھے گئے اور پھر ان کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے۔ (۳) تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۴۰ میں بروایت ابن مردویہ و ابونعیم فی الدلائل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب رات کے وقت آنحضرتؐ غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور پیچھے سے ابوبکر پہنچے تو رسولؐ خدا نے ان کی آہٹ محسوس کر کے خیال کیا کہ شاید کفار میں سے کوئی کافر ہے جو میری تلاش میں آ پہنچا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے تیز تیز قدم اٹھائے یہ معلوم کر کے ابوبکر کھانسے۔ آنحضرتؐ پہچان کر ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ ابوبکر پہنچ گئے اور پھر دونوں غار میں گئے (۴) تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۴۴، ۲۴۵ و سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۳۸) میں درمنثور کی سابقہ روایت کی طرح مرقوم ہے۔ مگر ان میں یہ اضافہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ابوبکر کی آہٹ محسوس کی تو آنحضرتؐ ان کو کوئی کافر و مشرک سمجھ کر اس قدر تیز تیز چلے کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پائے اقدس کا انگوٹھا زخمی ہوگیا۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے آواز دی تب آنحضرتؐ نے ان کو پہچان کر توقف کیا اور پھر ہمراہ لے گئے۔

قرآن مجید سے بھی اسی مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے **اذاخرجه الذين كفروا** (جبکہ کفار نے رسول کو مکہ سے نکالا) **اخرجه** میں واحد کی ضمیر بتلا رہی ہے کہ کفار نے صرف رسولؐ خدا کو نکالا تھا۔ اگر کوئی اور نکلا ہے تو وہ خود بخود نکلا ہے۔ اس سے اس بات کا بطلان واضح وعیاں ہوجاتا ہے کہ کفار کو صدیق سے وہی عداوت تھی جو رسول پاک سے تھی"۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ان حقائق کی روشنی میں ان آثار کا جعلی ہونا آشکار ہوگیا۔ جن میں آنحضرتؐ کا ابوبکر کو بامر الہی ہمراہ لے جانا بڑے طمطراق سے بیان کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آثار ابوبکر صاحب کے بعض مریدان باصفا کی ایجاد و اختراع ہیں علاوہ بریں اصول مناظرہ کی بنا پر مخالفین کی روایات ہمارے خلاف حجت نہیں ہوسکتیں۔ **كما لا يخفى**۔

تفسیر عسکریؑ والی روایت کا جواب:

جہاں تک تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی روایت کا تعلق جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کارروائی بحکم ایزدی عمل میں لائی گئی تو یہ احتجاج بوجوہ غلط ہے۔ اولاً محققین علمائے شیعہ کے نزدیک اس تفسیر کا استناد امام علیہ السلام کی طرف صحت کی حد تک نہیں پہنچا بلکہ علامہ شیخ جواد بلاغی نے اپنی مشہور تفسیر آلاء الرحمن کے مقدمہ میں قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس تفسیر کی نسبت امام حسن عسکری کی طرف بالکل غلط ہے اس لئے علماء اعلام اسکے مندرجات کی جب تک دوسرے مصادر و ماخذ شریعہ سے مطابقت نہ کرلیں اس وقت تک اس کے متفردات پر اعتماد نہیں کرتے اور چونکہ یہ روایت بھی اس کتاب کے متفردات میں سے ہے جس کی تائید دیگر ارشادات معصومین سے نہیں ہوتی اسلئے وہ نا قابلِ اعتبار ہے۔

ثانیاً قطع نظر امر اول کے اگر الفاظِ روایت پر معمولی سا غور کیا جائے تو اس سے بجائے ابوبکر کی فضیلت کے الٹا اس سے اس کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ مؤلف نے بڑی دیدہ دلیری سے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے۔ مگر پھر بھی وہ بعض جملوں کا صحیح ترجمہ کر گئے ہیں جس سے ابوبکر کی پوزیشن بالکل مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ابتدائی جملے یہ ہیں فانہٗ ان اتسک و ساعدک و ازرک و ثبت علی تعاھدک و تعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک۔ جس کا ترجمہ مولوی کرم الدین صاحب نے یوں کیا ہے ''اگر وہ موافقت و موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بھی تیرے ساتھ ہوگا'' (آفتاب ص ۸۳) یہ حرف شرط ہی ابوبکر کے اظہار ہمدردی و موفقت کو مشتبہ بنا رہا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر وہ فی الواقع مخلص ہوتے تو یہ حرفِ شرط نہ لگائے جاتے۔ بعد ازاں یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ابوبکر کو بلا کر ان سے ماجرا بیان کیا اور انہوں نے بڑا حوصلہ افزا جواب دیتے ہوئے اپنے جذبہ جان نثاری کا اظہار کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا ان اطلع اللہ علی قلبک و وجد ما فیہ موافقاً لما جریٰ علیٰ لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر۔ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اگر خدا تیرے دل پر مطلع ہوا اور اسے تیرے زبان اقرار کیمطابق پایا تو وہ تجھے بمنزلہ میرے کان اور آنکھ کے بنادے گا''۔ ایک مخصوص گروہ کی خدا نے قرآن میں یہ علامت بیان کی ہے۔ **وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ** (سورہ منافقون آیت 4)۔ اگر ان کی ظاہری وضع قطع کو دیکھا جائے تو بھلی معلوم ہوتی ہے اور جب اپنی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں تو سننے پر طبیعت آمادہ ہوتی ہے مگر اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں'' **(كانهم خشب مسندة) يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ** ''(سورہ آلِ عمران آیت 167) منہ سے وہ بات کہتے ہیں ان کے جو دل میں نہیں ہوتی۔ اسلئے پیغمبر اسلامؐ نے حرف شرط لگا کر ان صاحب کی باتوں کو مشکوک بنادیا۔ اور بڑا ابلیغ اشارہ فرمایا کہ تم اسی گروہ سے ہو جو صرف اپنی باتوں سے دوسروں کا من موہ لیتے ہیں۔ اگر وہ مخلص ہوتے تو آنحضرتؐ اسی طرح انکے جذبہ فداکاری کے اظہار کو مشتبہ نہ بناتے۔ مگر ان الفاظ کا ترجمہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب نے یوں کیا ہے ''تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے مطابق پایا

بالیقین خدا نے تجھے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے گردانا'' (ص ۸۴) تو گویا موصوف نے ''انْ'' کو (جو کہ حرف شرط ہے) ''انّ'' پڑھا (جو کہ حرف مشتبہ بفعل ہے)۔ بہر حال اگر مولوی صاحب موصوف نے فی اللواقع ایسا ہی سمجھا ہے تو پھر اپنے علم وفضل کا جنازہ نکالا ہے۔ کیونکہ علم نحو کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ انّ جو حرف مشتبہ بفعل ہے اور تحقیق کے معنی میں آتا ہے۔ وہ فعل پر داخل نہیں ہوتا بلکہ اسم پر داخل ہوتا ہے اور یہاں ''ان'' کے بعد فعل ماضی اطلع موجود ہے جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ ''انْ'' حرف شرط ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اور جعلک منی بمنزلۃ السمع و البصر اسکی جزا ہے کما لا یخفی علی اولی الحجی اور اگر اسے مخفف عن المثقل قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اسمیں دو باتوں کا ہونا لازم ہے۔ ایک یہ کہ اسکے بعد افعال مفید۔ علم وظن یعنی افعال ناقصہ یا افعال شک ویقین ہو دوسرے یہ کہ اس کی خبر پر لام داخل ہو۔ جیسے ان نظنک لمن الکاذبین۔ و ان کانت لکبیرۃ الا علی الخاشعین (ملاحظہ ہو متن متین ص ۲۷۹) اور یہاں ایسی کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے اور اگر یہ کارروائی عمداً کی ہے۔ تو پھر اپنی دیانت و امانت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑا ہے۔ سچ ہے حب الشی یعمی ویصم۔ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ یہ لوگ اصحاب ثلاثہ کی محبت میں کچھ ایسے اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں کہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ حق بات پر کان دھرتے ہیں۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (سورہ البقرہ آیت 18)۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (البقرہ آیت 10) بایں ہمہ پھر بھی شیعہ کو بد اندیش قرار دیتے ہوئے یہ شعر لکھتے ہیں

؎ چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر

اسے کہتے ہیں چوری اور پھر سینہ زوری

؏ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

؎ آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا غور کریں ☆ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

حملہ حیدری والی نظم کا جواب:

اور جہاں تک کتاب حملہ حیدری کی نظم کا تعلق ہے اگر چہ مولف نے اسے شیعہ کی بڑی مستند کتاب کہہ کر سادہ لوح عوام کو غلط تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر ارباب نظر جانتے ہیں کہ حملہ حیدری کا مؤلف و ناظم نہ محدثین شیعہ میں سے ہے اور نہ علماء و مجتہدین میں سے بلکہ وہ فردوسی کیطرح صرف شیعی المذہب شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ شعراء کرام کو علمی تحقیقات اور فنی موشگافیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ تاریخ میں جو رطب و یابس دیکھا اسے شعری قالب میں ڈھال دیا۔ تذکرۂ شعراء کی کتب بالخصوص مآثر الامراء سے معلوم ہوتا ہے کہ حملۂ حیدری کا مؤلف عالمگیر جیسے متعصب سنی بادشاہ کے دور میں قلعہ گوالیار کا کلیدار تھا۔ اس بادشاہ کے وقت شیعہ بڑی تکلیف میں مبتلا تھے۔ لہٰذا جب مصنف حملہ حیدری نے حضرت امیر علیہ السلام کے جنگی کارناموں کو

نظم کرنا شروع کیا تو اس سلسلہ میں جو کچھ کتب اہلسنت جیسے مدارج و معارج النبوۃ وغیرہ میں درج تھا اسے نظم کا جامہ پہنا دیا اور بموجب دروغ برگردن راوی یہ کہہ کر کذب بیانی سے اپنی گلوخلاصی کرالی کہ

من از گفت راوی بیاں می کنم ☆ جوابش بروگفتہ گر بیش و کم

یعنی میں تو صرف راوی کا بیان نقل کرتا ہوں۔ اگر اس نے (اصل واقعہ میں) کچھ کمی بیشی کی ہے تو اس کا ذمہ دار وہ ہے۔

دریں حالات کسی مطلب کے اثبات میں ایسی کتاب کو شیعہ کی بڑی مستند کتاب کہہ کر پیش کرنا اور اس کے مندرجات کو ہمارے خلاف استعمال کرنا انتہائی حماقت یا ابلہ فریبی ہے۔ یا پھر محتاط سے محتاط الفاظ میں انتہائی بے انصافی ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی صحیح بخاری کی صحت سے بھی انکار کردینا اور ہماری کتاب شاعری کو بڑی مستند کتاب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورہ المائدہ آیت 8)۔ جب ان دونوں کتابوں اور ان کے مندرجات کی حقیقت واضح و عیاں ہوگئی تو ان کے مندرجات پر مؤلف نے جو تفریعات قائم کیں تھیں وہ بموجب **بناء الفاسد علی الفاسد** خود بخود ساقط عن الاعتبار ہوگئیں۔ سچ ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج ☆ تا ثریا می رود دیوار کج!!

لفظ "صاحب" کی حقیقت کا انکشاف:

پرستارانِ ثلاثہ آیت میں وارد شدہ لفظ "لصاحبہ" پر بڑا از در دیا کرتے ہیں کہ اس میں ابوبکر صاحب کو رسولؐ کا "صاحب" کہا گیا ہے حالانکہ اگر معمولی ورق گردانی کی جائے اور ادنی عدل و انصاف سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس لفظ میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں ہے۔ لغت عرب میں صاحب (جس کی جمع صحب و اصحاب صحبہ وصحاب وصحبان وصحابہ وصحابہ ہے) کے معنی ہیں ملازم (کسی چیز کو لازم پکڑنے والا) ارشر (کسی چیز سے میل جول رکھنے والا) رجب کہا جائے کہ "صاحب امر الملک" تو اس کے معنی وزیر کے ہوتے ہیں اور جب صاحب الشی کیا جائے تو اس کے معنی کسی شئی کے ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو المنجد ص ۴۱۶ طبع لبنان)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب اسے کہا جاتا ہے جو کسی کے ہمراہ ہو اور اس سے میل جول رکھتا ہو۔ اس میں کوئی شرط نہیں کہ وہ مسلمان ہو یا کافر مخلص ہو یا منافق۔ عالم ہو یا جاہل عاقل ہو یا احمق، نیک ہو یا بد جنتی ہو یا جہنمی بلکہ اس میں تو یہ بھی کوئی قید نہیں کہ انسان ہو یا حیوان اور حیوان ہے پھر تو بیل ہو یا گدھا۔ چنانچہ شاعر عرب کہتا ہے

ان الحمار مع الحمار مطیتہ ☆ و اذا خلوت بہ فبئس الصاحب

یعنی ویسے تو گدھا اچھی سواری ہے۔ مگر جب خلوت ہو (اور وہ دولتیاں مارنے پہ آجائے) تو بہت برا صاحب (ساتھی) ہے۔ یہاں گدھے پر لفظ صاحب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مقام عبرت وتدبر ہے۔

آیت: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ (القمر آیت 29)۔ یعنی قوم ثمود نے اپنے صاحب (ساتھی قدار) کو بلایا۔ اس نے (ناقۂ صالح کی) کونچیں کاٹ دیں یہاں ہر دو فریق (صاحب و مصحوب) کافر ہیں اسی طرح آیت مبارکہ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ (کہف آیت 37)۔ اس (مومن) نے اپنے ساتھی (کافر) سے کہا۔ تو نے اس ذات کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا؟ میں کافر کو مومن کا صاحب قرار دیا گیا ہے۔ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ آیت 82)۔ وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ (الحشر آیت 20) جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح رسول خدا کو کفار کا صاحب کہا گیا۔ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ (سورہ سبا آیت 46)۔ تمہارے صاحب (محمدؐ) کو کوئی جنون نہیں ہے۔ انہی حقائق کی بناء پر تو ہمارے مولوی صاحب نے بادل ناخواستہ یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ''صرف صاحب کے لفظ کی فضیلت نہیں مضاف الیہ (رسول) کی مبارک نسبت سے پیدا ہوئی ہے''۔ (آفتاب ص ۸۹) سے کہتے ہیں۔

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

اگر مولوی صاحب تھوڑی اور فراخ دلی سے کام لیتے اور تھوڑا سا غور و فکر فرماتے تو ان کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا کہ اس مبارک نسبت سے بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ جب تک اپنے پاس دولتِ ایمان و اخلاص نہ ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کون لوگ تھے؟ اتنا تو ہمارے مولوی صاحب مانتے ہیں کہ بزم رسول میں آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں منافق بھی تھے۔ (إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ (سورہ المنافقون آیت 1)۔ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ (سورہ توبہ آیت 101) وغیرہ آیات ملاحظہ ہوں) آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ ان فی اصحابی منافقین۔ میرے پاس بیٹھنے والوں میں کچھ منافق بھی ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۹) تو کیا ان منافقین کو یہ مبارک نسبت کچھ فائدہ دے گی؟ حاشا و کلا!

اور اگر اس بات پر اصرار ہو کہ نبی کی طرف کافر کی نسبت قرآن سے دکھائی جائے تو یہ ارشاد ربانی کافی ہے ''يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ''۔ (سورہ یوسف آیت 39) اسے دو یار و قید خانہ کے کیا خداوند متفرق بہتر ہیں یا اللہ ایک غالب بہتر ہے (ترجمہ شاہ رفیع الدین) اے یاران مجلس بھلا (دیکھو تو سہی کہ جدا جدا خدا اچھے ہیں یا خدائے یکتا اور زبردست۔ (ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی)۔

ایک تاویل علیل کا جواب:

اس مقام پر مؤلف کی یہ تاویل کہ قرآن میں 'صاحبی یوسف'' نہیں بلکہ 'صاحبی السجن'' مذکور ہے۔ وہ ہر دو صاحب السجن (جیل کے رہنے والے قیدی) تھے صاحب الرسول کہلانا اور چیز ہے اور صاحب السجن اور شئی'' (آفتاب

ص ۸۹) بالکل علیل اور محاورات عرب سے انکی ناواقفیت کی روشن دلیل ہے۔ ورنہ ارباب علم جانتے ہیں کہ یہاں صاحب کی اضافت سجن کی طرف سے اسی طرح مجازی ہے جسطرح ''سارق اللیلہ'' میں سارق کی اضافت لیل کی طرف۔ تو کیا سارق الیلہ کا ترجمہ مولوی صاحب یہ کریں گے ''رات کے چرانے والا'' یا یوں کریں گے۔ رات کے وقت چوری کرنے والا؟ یقیناً آخری ترجمہ ہی صحیح ہے۔ رات کی طرف سرقہ کی نسبت مجازاً صرف اس لئے دی گئی ہے۔ کہ وہ سرقہ (چوری) کیلئے ظرف ہے یعنی رات میں چوری واقع ہوئی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خود رات مسروقہ مال نہیں۔ بعینہٖ یہی کیفیت ''یا صاحبی السجن'' کی ہے۔ وہ ہر دو کافر ساتھی تو جناب یوسف کے ہی تھے۔ مگر چونکہ یہ صحبت و ہمنشینی قید خانہ میں ہوئی تھی۔ بایں طور کہ صاحب، ہر دو کافر، مصحوب، حضرت یوسفؑ اور مصحوب فیہ (جہاں صحبت رہی) قید خانہ۔ بدیں وجہ صاحب کی نسبت سجن کیطرف دیدی گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اے قید خانہ میں میرے ساتھیو! اگر اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو آیئے آپ کے بعض نامور مفسرین کی تصریحات پیش کر دیں۔

علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۳۰ طبع مصر میں لکھتے ہیں یرید یا صاحبی فی السجن یعنی حضرت یوسف کی مراد یہ ہے کہ اے قید خانہ میں میرے دو ہمراہیو۔ ایسا ہی تفسیر ابوالسعود مطبوع برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۴۱ اور تفسیر کشاف علامہ زمخشری ج ۱ ص ۱۱۱ میں مرقوم ہے (ای صاحبی فی السجن)

خوش تر آں باشد کہ ستر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

ثانی اثنین کے ساتھ تمسک کا جواب:

محبان ثلاثہ اس بات پر بے جا اترایا کرتے ہیں کہ خدا نے اس آیت میں ابوبکر کو ثانیٔ رسول (ثانی اثنین) فرمایا ہے اور یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔ اسے کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ بھلا اسمیں فضیلت کی کیا بات ہے ثانی اثنین کا ترجمہ ہے ''دو میں کا دوسرا'' مطلب یہ کہ غار میں آنحضرتؐ تنہا نہ تھے بلکہ ایک اور شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔ خود مولوی صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ یہ کیا ہے ''کہ وہ دوسرا تھا دو میں سے'' (آفتاب ص ۸۱) یہ علم الاعداد کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کہیں دو آدمی ہوں گے تو ہر ایک کو ثانی اثنین کہیں گے اور اگر تین ہوں گے تو ہر ایک کو ثالث ثلاثہ تین میں کا تیسرا و علی ھذا القیاس۔ خواہ ایک آقا ہو اور دوسرا غلام یا ایک ملک پاک اور دوسرا سگ ناپاک، ایک ایزد ہو اور دوسرا بت آذر اس کی کوئی قید نہیں اور اگر حضرات کو لفظ ثانی سے دھوکا لگا ہے کہ وہ کبھی مماثلت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ''زید ثانی اسد'' تو یہ خیال بالکل محال ہے۔ کیونکہ جب اس لفظ کے یہ معنیٰ مراد ہوں تو پھر اس لفظ (ثانی) کو اس چیز کی طرف اضافت دی جاتی ہے جس سے مشابہت دینا مقصود ہو جیسے ''زید ثانی اسد'' کہ زید شیر کا ثانی ہے اور یہاں ثانی کی اضافت ہے اثنین کی طرف تو بنابریں معنیٰ یہ ہوں گے وہ ''مشابہ ہے دو سے'' اور یہ بالکل مہمل و بے معنی سی بات

ہے۔علاوہ بریں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس مقام پر خدائے حکیم نے لفظ ثانی آنحضرتؐ کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (سورہ توبہ آیت 40)۔جبکہ نکالا کافروں نے رسول کو۔وہ غار میں دو میں کے دوسرے تھے۔تو اگر یہاں ثانی کے معنی مشابہ ومماثل کے ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ رسول ابوبکر کے مماثل ہیں۔رسول مشتبہ اور ابوبکر مشبہ بہ قرار پائیں گے اور چونکہ یہ مسلم ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے (جیسے ''زید کالاسد'' کہ زید مثل شیر کے ہے میں شیر اقویٰ ہے زید سے (تو اس سے لازم آئے گا کہ ابوبکر جناب رسول خداؐ سے بھی افضل ہوں۔ولم یقل بہ احد من المسلمین فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ان اللہ معنا سے استدلال کا جواب:

مداحان ثلاثہ بڑے طمطراق سے فقرہ ان اللہ معنا سے ابوبکر کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ خدا تیرے اور میرے ساتھ ہے۔اور چونکہ بنص آیت إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ (سورہ النحل آیت 128) خدا کی معیت صرف متقین اور محسنین کو ہی نصیب ہوتی ہے اس سے ثابت ہے کہ ابوبکر متقی ومحسن ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اس جملہ سے بھی ابوبکر کی بجائے فضیلت کے فضیحت ثابت ہوتی ہے۔سچ ہے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیواں تشنہ میں آرد سکندر را

معیت کی دو قسمیں ہیں (۱)۔معیت جسمانی (۲)۔معیت روحانی۔پھر اس معیت روحانی کی چند قسمیں ہیں (۱)۔معیت فی التائید، (۲)۔معیت فی النصرۃ، (۳)۔معیت فی العلم، (۴)۔معیت فی القدرہ، (۵)۔معیت فی الاجر و الثواب چونکہ معیت جسمانی صرف جسموں میں ہوتی ہے۔اور خدا جسم وجسمانیت سے منزہ ہے۔لہٰذا وہ تو یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتی۔اسی طرح معیت فی الاجر و الثواب بھی یہاں مراد نہیں لی جاسکتی۔کیونکہ یہ آخرت میں ہوگی نہ کہ دنیا میں۔باقی رہی معیت روحانی اور اس کی باقی قسمیں تو معیت فی التائید و النصرہ اہل تقویٰ کے شامل حال ہوتی ہے۔جیسا کہ آیت إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ کا مفاد ہے۔لیکن جہاں تک معیت فی العلم و القدرۃ کا تعلق ہے یہ کفار ومشرکین کو بھی حاصل ہے۔ارشاد قدرت ہے۔ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ (سورہ مجادلہ آیت 7) یعنی جہاں بھی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں خدا ان میں کا چوتھا ہوتا ہے اور جہاں پانچ ہوتے ہیں خدا چھٹا ہوتا ہے یا اس سے کم وبیش ہوتے ہیں خدا ضرور ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (سورہ حدید آیت 4) تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (خدا) تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ الغرض علم وقدرت کے لحاظ سے خدا ہر نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسکا ارشاد ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (سورہ ق آیت 16)۔ ہم انسان کی رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں اس معیت سے یہی علم وقدرت والی معیت مراد ہو؟ اذا جاء الاھتمال بطل الاستدلال اور اگر معیت فی التائید و النصرة مراد لی جائے تو پھر قابل غور امر یہ ہے کہ معنا کی ضمیر متکلم سے مراد کون ہیں؟ عین ممکن ہے کہ بطور اطلاق جمع بر واحد یہاں صرف رسولِ خدا مقصود ہوں۔ جیسا کہ کلام مجید میں ''انا'' اور ''نحن'' جمع کے صیغے صرف ذات پروردگار کیلئے استعمال ہوئے ہیں اور یہ اطلاق اہل عربیت کے نزدیک جائز ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی آیت میں اس جملہ کے بعد ہے۔ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا (سورہ توبہ آیت 40)۔ خدا نے اپنے رسولؐ کی نصرت کے ایسے لشکروں سے کی جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ تائید ونصرت صرف رسول کی تھی نہ کہ ابوبکر کی۔

اور اگر یہ بھی تسلیم نہ ہو تو ممکن ہے آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت امیر علیہ السلام شامل ہوں اور بعض اخبار سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب رمی الجمرات نے لکھا ہے کہ جناب ابوبکر صاحب رو رہے تھے۔ آنحضرت نے رونے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا میں اپنے لئے تھوڑا رو رہا ہوں۔ مجھے تو علی کی فکر ہے کہ دشمن ان کو قتل کر دیں گے۔ یہ سنکر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان اللہ معنا۔ تم ہماری فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے (رمی الجمرات ج ا ص ۴۵۴) علاوہ ازیں ان کی گھبراہٹ شانِ اہل ایمان کے خلاف ہے۔ وہ ہر شدت وراحت میں خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (سورہ آل عمران 122) اور اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے۔ اور ابوبکر کو بھی اس میں شامل کیا جائے تب بھی اتنا تو مخاطب بھی تسلیم کرلے گا کہ آنحضرت مقصود بالذات اور ابوبکر بالتبع و بالعرض ہیں۔ تو اس سے زیادہ سے زیادہ ان کا طفیلی ہونا ثابت ہوگا۔ اور یہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بنابریں جب تک ان تمام احتمالات کا سدباب نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس فقرہ سے ابوبکر کی فضیلت ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور انکا سدِ باب اس وقت تک نہیں ہوسکتا۔ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔ (سورہ اعراف آیت 40) (جب تک سوئی کے ناکہ سے اونٹ نہ گذر جائے)

انزال سکینہ والے استدلال کا جواب:

مریدان ثلاثہ اس سے بھی فضیلت ابوبکر پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ خدا نے ان پر سکینہ نازل کیا۔ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (سورہ توبہ آیت 40) مؤلف نے اگرچہ آیت کے ترجمہ میں تو اس فقرہ کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔ لیکن بعد میں لکھا ہے کہ ''چونکہ گھبراہٹ ابوبکر کو تھی اسلئے تسکین بھی انہی پر نازل ہوئی''۔

ثلاثہ کی یا ان کے مریدوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ہاتھ پیر تو بہت مارتے ہیں مگر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اس میں کوئی شک

نہیں کہ نزول سکینہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ مطالعۂ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزول سکینہ یا رسولوں پر ہوتا ہے یا مومنین پر لیکن اس شومئ قسمت کا کیا علاج کہ جن الفاظ میں کوئی فضیلت نہ تھی۔ وہاں تو رسول خداؐ کے ساتھ ابوبکر کا بھی تذکرہ ہے اور جو امر باعث فضیلت تھا وہاں اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ اور یہ ہم صرف اس لئے نہیں کہتے کہ باقی ضمیروں کا مرجع آنحضرتؐ ہیں تو یہاں علیه کی ضمیر کا مرجع انہی کو ہونا چاہیئے بلکہ یہ بدو وجہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ فریقین کے مفسرین نے یہاں افادہ فرمایا ہے۔ چنانچہ جہاں تک قرائت اہلبیت کا تعلق ہے۔ تو انہوں نے تو بجائے علیه کے علیٰ رسوله پڑھا ہے۔ جیسا کہ تفسیر برہان ج ۱ ص ۴۲۴ طبع قدیم میں مروی ہے اور باقی اسلامی برادری کے اکثر مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ نزول سکینہ جناب رسول خدا پر ہوا تھا۔ چنانچہ تفسیر حسینی، تفسیر جامع البیان، معالم التنزیل، ترجمان القرآن، مدارک، فتح البیان، جلالین اور تفسیر ابوالسعود وغیرہ سب تفاسیر میں قریب قریب یہی لکھا ہے۔ فانزل اللّٰہ سکینته علیه۔ ای امنته علی رسول اللّٰہ۔ یعنی خدا نے اپنا امن و امان رسولؐ پر نازل کیا اور مولوی نذیر احمد دہلوی (مشہور سنی مترجم نے) اس فقرہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ''پھر اللہ نے اپنے پیغمبرؐ پر اپنی (طرف سے) تسلی اتاری''۔

ثانیاً اس لئے کہ اس فقرہ کے بعد بلا فاصلہ ارشاد ربانی ہے وایدهٗ بجنود لم تروها یعنی اس نزول سکینہ کی تکمیل اسطرح ہوئی کہ خدا نے ایسے لشکروں سے ان (رسول خداؐ) کی تائید کی جن کو تم دیکھتے نہیں تھے۔ اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ملائکہ کے ذریعے رسول ہی کی تائید کی گئی تھی تو ماننا پڑے گا کہ نزول سکینہ بھی انہی پر نازل ہوا تھا۔ باقی رہا یہ خیال کہ رسولؐ کو گھبراہٹ نہ تھی۔ گھبراہٹ تو ابوبکر کو تھی تو اسکے متعلق اتنا عرض ہے کہ ابوبکر کی گھبراہٹ کی خدا کو کیا پرواہ؟ ہاں جہاں تک رسولؐ کی کیفیت کا تعلق ہے تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ اس تکلیف دہ صورتِ حال میں مطمئن تھے اور انکو کوئی روحانی وجسمانی پریشانی نہ تھی؟ اپنی شان کے خلاف سمجھ کر گھبراہٹ کے اظہار نہ کرنے سے اصل پریشانی کی نفی تو نہیں ہوتی۔ پھر اگر نزول سکینہ کا معیار یہی ہے کہ جو گھبراہٹ ظاہر کرے اس پر سیکنہ نازل ہو۔ تو پھر تو جنگِ خندق وخیبر وحنین کے بھگوڑوں پر سکینہ نازل ہونا چاہیئے تھا مگر خدا تو یہ فرماتا ہے فانزل اللّٰہ سکینته علیٰ رسوله وعلی المؤمنین کہ خدا نے اپنے رسولؐ اور اہل ایمان (صابر مجاہدین) پر سکینہ نازل کیا۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس آیت نے ابوبکر کا نام مومنین کی فہرست سے ہی خارج کر دیا ہے۔ ورنہ اگر وہ مؤمن ہوتے تو آنحضرتؐ کے ساتھ ان پر بھی سکینہ نازل ہوتا و اذ لیس فلیس بنابریں اس آیت سے فضیلت ابوبکر ثابت ہونے سے رہی الٹا اسے ان کا نعمتِ ایمان سے تہی دامن ہونا ثابت ہوگیا۔ و نعم ماقیل

ذهب الحمار لیستفید لنفسه ☆ قرناً فآب و ماله اذ نان

لاتحزن سے اثبات فضیلت کا جواب:

ابوبکر کا غار میں حزن وبے قراری کا اظہار کرنا اور رسولؐ خدا کو بھی بے آرام کرنے کی کوشش کرنا تو ناقابل تردید شہادتوں سے

ثابت ہے چنانچہ (۱) تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان طبع مصر میں ص ۱۷ پر لکھا ہے۔ **فجعل ابو بکر یجزع ان یطلع علیھم احد الخ**۔ ابوبکر نے اس خوف سے جزع فزع شروع کردی کہ کوئی (کافر) ان پر مطلع نہ ہوجائے۔ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۴۶ طبع مصر میں ہے۔ **بکی ابو بکر**۔ اس وقت ابوبکر رونے لگے (۳) تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۵۸ مطبع احمدی دہلی میں لکھا ہے۔ **ان ابا بکر کان منزعجاً**۔ ابوبکر منزعج تھے۔ انزعاج کے معنیٰ لغت میں قلق واضطراب اور بلند آواز سے آہ وفغاں کرنے کے ہیں (ملاحظہ ہو قاموس۔ صراح۔ منجد وغیرہ) اس وقت آنحضرتؐ نے ان سے کہا **لا تحزن**۔ حزن نہ کرو۔ اب اسے تسلی وتسکین کا رنگ دینے سے خفت کا داغ دھل نہیں سکتا۔ لہٰذا یہاں یہ کہا جائے گا کہ ابوبکر کا یہ فعل خدا اور رسول کی نظر میں ناپسندیدہ تھا۔ اس لئے رسول نے ان کی زجر وتوبیخ کی اور اس طفلانہ حرکت پر انہیں ٹوکا۔ اب اس **لا تحزن** کا قیاس انبیاء ومرسلین اور کامل الایمان مومنین کے **لا تخافوا ولا تحزنوا** پر کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس لئے ان کو تسلی دی جاتی ہے کہ کوئی حزن وملال نہ کرو۔ **ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ و اجر کریم** اور یہاں توسرے سے ایمان کامل ہی ثابت نہیں ہے۔ بہر حال کلمہ **لا تحزن** ہر جگہ نہ تسکین و تسلی کے لئے آتا ہے اور نہ ہر مقام پر زجر وتوبیخ کیلئے۔ بلکہ اس بات کا فیصلہ ہر ہر جگہ قرائن حال ومقال کو دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے کہ کہاں تسلی کیلئے ہے اور کہاں زجر کیلئے کیونکہ

ع ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

مگر اس کے لئے عقل وافر اور توفیق کامل درکار ہے۔ جو نصیب اعدا نہیں ہے۔ نیز مولف نے خوف وحزن کے درمیان جو فرق بیان کیا ہے وہ ایجاد بندہ کے زمرہ میں داخل ہے جس کا کوئی ثبوت لغت عرب میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ابوبکر کی یہ جزع فزع اور یہ خوف وہراس اپنی ہلاکت کے ڈر سے تھا نہ کہ پیغمبر اسلامؐ کے لئے **ان یقولون الا کذباً**

ے بس کن کہ حدیث غار کہ عار است نزدِ عقل ☆ آن حزن و بے قراری شیخ معمم

مشکل مقامات پر ابوبکر رونے سے آنحضرتؐ کی امداد کیا کرتے تھے:

معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے اس سفر میں صرف رونے دھونے سے آنحضرتؐ کی امداد ونصرت کی تھی وبس اور وہ اس سلسلہ میں بڑے مشتاق تھے جب بھی کوئی مشکل موقع آتا تھا تو آپ رونے پر خوب زور دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کفار نے مسجد الحرام میں آنحضرتؐ کو پکڑ کر سر وریش سے کھینچنا شروع کیا یہ دلخراش منظر دیکھ کر ابوبکر الگ کھڑے رہے اور رو رو کر صرف یہ کہا **اتقتلون رجلاً ان یقولو ربی اللہ**۔ کیا تم صرف اس بات پر ایک آدمی کو قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۱) اسی طرح جب اس سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک دہانہ غار کے قریب آپہنچا تو آپ نے رونے پر خوب زور صرف فرمایا (در منثور ج ۳ ص ۲۳۹)

تفسیر قمی والی روایت نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ:

مؤلف نے تفسیر قمی سے جو روایت نقل کی ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کا ابوبکر کو لقب صدیق عطا کرنے کا تذکرہ ہے۔ یہ استدلال بدو وجہ نا قابل اعتبار ہے۔ اولاً یہ روایت مرسل و مجہول ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ایسے اعتادی امور میں ایسی روایات نا قابل اعتماد ہوتی ہیں۔ ثانیاً مؤلف نے اس کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ ورنہ پوری روایت دیکھنے کے بعد بجائے فضیلت کے الٹا شیخ صاحب کی رذیلت ثابت ہوتی ہے۔ اصل بات یوں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ شیخ گریہ کن باوجود لاتحزن کا تازیانہ لگنے کے خاموش نہیں ہورہے تو آنحضرتؐ نے ان کی توجہ کو دوسری طرف پھیرنے کے لئے جناب جعفر طیارؓ کی کشتی کا معجزہ دکھایا۔ مگر اس کا بھی کوئی خوشگوار اثر نہ ہوا جیسا کہ روایت کا حذف شدہ حصہ اس طرح ہے کہ **فقال فی نفسه الآن صدقت انک ساحر** ۔ اس وقت ابوبکر نے دل میں کہا کہ آنحضرتؐ جادوگر ہیں۔ جب باعلام اللہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شیخ صاحب کی اس قلبی کیفیت کی اطلاع ہوئی تو فرمایا انت الصدیق اس پس منظر میں اس فقرہ کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ استفہام انکاری ہے (بحذف حرف الاستفہام) یعنی کیا تو صدیق ہے؟ (یعنی کیا صدیق ایسے ہوتے ہیں؟) دوسرے یہ کہ یہ بطور تذلیل وتحکم کے ہے۔ جیسے خدا اہل دوزخ سے کہتا ہی: ''ذق انک انت العزیز الکریم۔ چکھ ذائقہ جہنم کا کیونکہ تو صاحب عزت وکرامت ہے''۔

ع آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

مہمانیٔ ابوبکر کا جواب:

یہ جو کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ تین دن ابوبکر کے مہمان رہے۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ خود کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کیلئے طعام بھجوانے کا انتظام حضرت علی علیہ السلام نے کیا تھا۔ چنانچہ تفسیر در منثور ج ۳ ص ۲۴۰ اور سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۴۳ طبع مصر میں ہے کہ عامر بن فہیرہ کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام نے طعام کی رسائی کا انتظام فرمایا تھا۔ نہ معلوم یہ لوگ ایسے من گھڑت قصص کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

ع جھوٹ کے ہوتے نہیں پیرائے دوست

ے **و کم قدرأینا من فروع کثیرة ☆ تموت اذا لم تحیهن اصول**

ابوبکر کے آنحضرتؐ کو کندھے پر اٹھانے کا جواب:

اسی طرح یہ فرضی فضیلت بھی بڑے زور وشور سے بیان کی جاتی ہے کہ سفر ہجرت میں ابوبکر صاحب نے آنحضرتؐ کو کاندھے پر اٹھایا تھا اور بار نبوت کے متحمل ہوئے تھے۔ یہ بات تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ باوجود اس کے

کہ پائے اقدس سے خون جاری تھا مگر پیدل چل کر غار تک پہنچے تھے۔ چنانچہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۴ پر ہے **فانطلقا و رجل رسول اللہ تسلو دمًا حتی انتھا الیٰ الغار** (یعنی جب راستے میں ابوبکر آ ملے اور آنحضرتؐ کا ان کو کافر سمجھ کر تیز چلنے کی وجہ سے پائے اقدس کا انگوٹھا زخمی ہوگیا تھا تو دونوں چلے اس حالت میں کہ آنحضرتؐ کے پاؤں سے خون جاری تھا۔ حتی کہ غار تک پہنچ گئے۔ اور اگر یہ بات بعض کتب اہلسنت میں درج ہے تو وہ ہمارے خلاف سند نہیں ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو اس میں کونسی فضیلت کی بات ہے؟ آنحضرتؐ خچر اور گدھے پر تو بالعموم سوار ہوا ہی کرتے تھے اور وہ آپ کا بوجھ برداشت بھی کرتے تھے۔ گو اگر کبھی آنحضرتؐ نے شیخ صاحب سے انہی رہواروں والا کام لے لیا تو ہو تو اس سے زیادہ سے زیادہ اس پیر سال بزرگ کو وہی شرف حاصل ہوگا جو ان حیوانات کو حاصل تھا۔ ہم اسلامی برادری کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ ایسے بے سر و پا فضائل بیان کر کے اور نادان دوست کا کردار ادا کر کے اپنے خلفاء کو مزید ذلیل ورسوانہ کیا کریں۔

ؔ مانیں نہ مانیں مالک و مختار آپ ہیں
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

شب ہجرت حضرت امیرؑ کا محیر العقول کارنامہ:

ابوبکر صاحب کے متعلق اس واقعہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ ہم نے واضح و آشکار کر دیا ہے۔ ان کو یہاں سوائے ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن وہ شیر کردگار۔ امام ابرار یعنی حیدر کرار غیر فرار جس نے بحکم ایز دجبار ایسے حالات ناسازگار میں بستر رسول مختارؐ پر سو کر ایثار و فداکاری اور جاں نثاری کا وہ عدیم المثال مظاہرہ کیا جس کی نظیر جبرئیل و میکائیل جیسے مقرب بارگاہِ خدا جلیل القدر فرشتے بھی پیش نہ کر سکے اور جن کے جذبۂ ایثار پر خود خدائے بزرگ و برتر نے فخر و مباہات کیا۔ اور ان کی شان میں آیت مبارکہ **و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ و اللہ رؤف بالعباد** نازل فرمائی۔

ؔ شب ہجرت شدہ آمادۂ ایثار حیات ☆ جز علی کیست کہ ایں طرز وفا میداند؟

مذکورہ بالا اجمالی حقائق کی تفصیلات معہ حوالہ جات معلوم کرنے کے شائقین مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں۔ مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۵۵۲، ارجح المطالب ص ۴۰۷، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۳ سیرۃ النبی ج ۱ ص 197، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۳۶، کامل بن اثیر ج ۲ ص ۳۹، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۹ وغیرہ وغیرہ۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ کمالات علویؑ کا اقرار کریں۔ انکی نشر و اشاعت کریں اور ان پر ایمان لے آئیں اسکے برعکس نہ صرف یہ کہ یہ لوگ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں بلکہ یہ کہہ کر شیعایانِ حیدر کرار کے زخموں پر نمک پاشی بھی کرتے ہیں کہ ''شیعہ ایڑی چوٹی کا زور ماریں تو اس صراحت وضاحت سے وہ ولایت علیؑ تو کجا قرآن سے علیؑ

المرتضیٰ کا صاحب رسول ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔" (آفتاب ص ۷۹) کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم۔ یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔

؎ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کیونکہ

؎ فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے ☆ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

کجا یارِ غار اور کجا نفسِ رسول مختار (باتفاق مفسرین آیت مباہلہ میں وانفسنا وانفسکم سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں)

؎ سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ☆ ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا؟

ستائیسویں آیت:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (سورہ نور آیت 55) ترجمہ "خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وعدہ کر لیا ہے کہ بالضرور ان کو زمین میں جانشین اور خلیفہ ضرور بنائے گا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو تم سے پہلے تھے۔ اور ان کو اس دین میں جس کو ان کے لئے پسند کر چکا ہے متمکن ومضبوط کر دے گا اور خوف کے بعد ان کی حالت کو امن سے بدل دے گا اور وہ پرستش کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ جس نے اس کے بعد کفران کیا وہ لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیت میں احکم الحاکمین نے ایک بڑے معرکہ کے مسئلہ خلافت کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ دیکھو رب العالمین نے فرمایا ہے کہ ہم نے اخص الخواص جماعت مومنین کو حتمی وعدہ دے دیا ہے کہ ان کو خلافت کی مسند ضروری دی جائے گی۔ جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروؤں کو ہم نے خلافت عطا فرمائی۔ اس وقت دین مرضیہ کو خوب استقامت ہوگی۔ اور خوف کا زمانہ امن سے بدل جائے گا۔ یہ جماعت ایسے مخلص عباد صالحون کی ہوگی کہ باوجود اقتدار عہدۂ خلافت حاصل ہونے کے بھی میری توحید پر قائم رہیں گے۔

اب ہم شیعہ صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ وعدۂ الٰہی اصحاب ثلاثہ کے حق میں پورا ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا وہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات کے مصداق تھے یا نہ؟ اگر نہیں تھے تو کیوں انعام الٰہی وعطیۂ خلافت معہودہ سے مشرف ہو گئے اس کے وعدوں میں تخلف کا خیال کرنا کفر ہے اور اس کے ارادہ ومشیت میں یہی تھا کہ بعد وفات سرورِ کائنات آپ

کی خلافت کا اعزاز ان کے چار برگزیدہ اصحاب کو عطا فرمایا جائے یہ اعزاز چونکہ ان کی پاک خدمات کے صلہ میں تھا لہٰذا اس کے عطا ہونے پر ان کی خدمات کا بھی پورا لحاظ ہوا۔ جس کی خدمات اسلام میں سب سے زیادہ ہیں۔ جس نے خدا کی راہ میں بہت زیادہ دکھ اٹھائے۔ جس نے ہادیٔ اسلام کی دعوت سب سے پہلے بلا کسی امتحان لینے کے قبول کی۔ اور پر خطر موقعہ میں ہمدم و یارِ غار رہا۔ جس کو رسول پاک نے اپنی زندگی میں اخیر وقت اپنے مصلے پر کھڑا کرنے اور امامت پر مامور کرنے کا امتیاز بخشا ہے اس کو سب سے پہلے اس اعزاز سے حصہ ملے منطوق آیت صاف پکار رہا ہے کہ خلفاء اربعہ نے اپنے اختیار اور کوشش سے نہ کسی منصوبہ سے خلافت کی تحصیل کی۔ بلکہ محض خدائے پاک کے ارادہ سے اس کے حتمی وعدہ کے بموجب ان کو اعزازات ملے۔ جو نشان ان **موعود لھم** کا خدائے کریم نے بیان فرمایا ہے۔ یعنی **امنوا و عملوا الصالحات** جو لوگ ان اوصاف میں جملہ صحابہ سے فائق تھے وہی مستحق ہوسکتے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ خلفائے اربعہ جو دیگر صحابہ کرام سے اوصاف میں فاضل تھے وہی اس امر جلیل کے مستحق تھے۔ ادھر زمانہ خلافت ہی محدود کر دیا گیا۔ چنانچہ رسول برحق نے **الخلافة من بعدی ثلاثون سنته** فرما کر اس کی معیاد تیس سال بیان فرما دی تھی۔ تو پھر فرمایئے کہ سوائے اس ترتیب کے جو سلسلۂ خلافت میں وقوع میں آئی اور صورت ہی کونسی تھی؟

صاحبان غور کیجئے: یہ آیت خلفاء ثلاثہ کے ابدی ایمان پر شاہد عادل ہے۔ پھر یہ بھی فرما دیا کہ اس میری شہادت کے بعد بھی اگر میرے ان پاک بندوں کے ایمان میں کوئی شخص کلام کرے گا اور ان کے احسان عام کا کفر کرے گا تو سمجھ لیں وہ گمراہ بدبخت، فاسق ہے۔ شیعہ صاحبان ذرا انصاف کی عینک لگا کر آیت پڑھیں اور بتائیں تو سہی **وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا** کا مصداق کونسا زمانہ ہے؟ کیا وہ زمانہ عہد خلافت جو جناب امیر علیہ السلام کا تھا۔ شیعہ صاحبان تو مانتے ہیں کہ وہ زمانہ تو سخت پر آشوب تھا۔ پھر ایسا پر آشوب زمانہ تو اس پیشگوئی **وَلَيُبَدِّلَنَّهُم** الخ کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت یہ خلفائے ثلاثہ کا زمانہ تھا۔ حتیٰ کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں وہ امن قائم رہا جس سے شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ (آفتاب ص ۹۸)

الجواب:

یہ آیت مبارک جو آیتِ استخلاف کے نام سے مشہور ہے ہمیشہ پرستاران ثلاثہ اسے بڑے شد و مد کے ساتھ تقریر و تحریر میں خلافت ثلاثہ کے اثبات میں پیش کیا کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر بزعم خویش اس سے فضائل ثلاثہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے مخاطب نے اسے بڑے طمطراق سے پیش کر کے اسے ایمان ثلاثہ اور خلافت اسلامی جیسے معرکۃ الآراء مسئلوں کا فیصل قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس آیتِ مبارکہ کے سیاق و سباق، اس کے شانِ نزول اور بالخصوص اس کے اصل الفاظ میں غور و فکر کیا جائے تو ان

حضرات کی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور ان کے خیالات کی بلند و بالا عمارت زمین بوس ہوتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس آیت کا متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو کماحقہ سمجھنے کے لئے یہاں چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

چند امور مہمہ کی تنقیح:

(۱) اس خلافت سے یہاں کیا مراد ہے؟ (۲) یہ وعدۂ خلافت کن لوگوں سے کیا گیا ہے؟ (۳) یہ وعدہ کب پورا ہوا؟ (۴) اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ (۵) پہلے استخلاف سے کیا مراد ہے؟ اور (۶) کیا اصحاب ثلاثہ میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں؟

اس استخلاف سے کیا مراد ہے:

اسلامی کتابوں میں جب لفظ خلافت یا خلیفہ لکھا جائے تو اس سے بالعموم اسلامی خلافت مراد ہوتی ہے۔ لیکن خلافت کے لغوی معنی ہیں کسی کی قائمقامی اور جانشینی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لہذا اس کے لغوی یا اصطلاحی معنیٰ متعین کرنے سے قبل قرائن حالیہ و مقالیہ اور بالخصوص مفسرین اسلام کی تفسیروں کا مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بناء بریں جب اس آیت میں غور کیا جاتا ہے۔ تو واضح ہوتا ہے کہ یہاں اسلامی اصطلاحی خلافت یعنی خلافتِ نبویہ مراد نہیں بلکہ لغوی معنی کے اعتبار سے خلافت مراد ہے یعنی کسی فرد یا جماعت کی جانشینی، ان کے ملک و مِلک پر تسلط۔ ان کے دیار و امصار پر غلبہ اسلامی برادری کے مشہور مفسرین کی تفسیروں سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں لیستخلفنهم فی الارض کے معنیٰ یہ لکھے ہیں بدلاً عن الکفار۔ یعنی خدا مسلمانوں کو کافروں کی زمین میں وارث بنائے گا۔ (۲) تفسیر مدارک میں اس کے معنیٰ یہ لکھے ہیں۔ ای ارض الکفار و عدهم ان ینصر الاسلام علی الکفر و یورثهم الارض یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنائے گا۔ (۳) تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص ۱۲۲ طبع مصر (۴) معالم التنزیل مع ابن کثیر ج ۶ ص ۱۳۸ طبع مصر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہاں رسولؐ خدا کی جانشینی مراد نہیں ہے بلکہ کفار کی قائمقامی مراد ہے۔

یہ وعدہ کن لوگوں سے کیا گیا ہے؟

اگر چہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب نے پہلے یہ لکھا ہے کہ ''یہ وعدہ مومنین کی اخص الخواص جماعت سے ہے'' (آفتاب ص ۹۵) اور پھر اس اخص الخواص جماعت کے مصداق ''خلفاء اربع کو قرار دیا ہے'' (ص ۹۷) مگر جب مزید چھانٹی کی ہے تو ان میں سے بھی صرف اصحابِ ثلاثہ کو باقی رکھا ہے (ص ۹۸) سچ ہے

؎ مھما تکن عند امرءٍ من خلیفة ☆ و ان خالھا تخفیٰ علی الناس تعلم

اصل میں ان لوگوں کی یہ ساری تگ و تاز اور جد و جہد صرف ثلاثہ کی حمایت میں ہوتی ہے۔ اگرچہ بطور وزن بیت حضرت امیر المومنینؑ کو بھی انکے ساتھ شامل کر لیتے ہیں، مگر غیر شعوری طور پر اصل حقیقت ظاہری ہو ہی جاتی ہے اور انکی ناصبیت و خارجیت کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے سچ ہے۔

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

بہر حال جو کچھ موصوف کے ہم مذہب و ہم مسلک مفسرین کے افادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس موعود ولہم جماعت سے تمام اہل ایمان صحابہ کرام بلکہ قیام قیامت تک سارے صحیح العمل مسلمان مراد ہیں۔ چنانچہ پہلے امر کی تنقیح میں جو حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے اس مطلب پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ (۲) مزید برآن دو چار حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں (تفسیر کشاف ج ۳ ص ۱۱۷، ۳۳۷ طبع مصر میں لکھا ہے **الخطاب للنبی و لمن معہ و منکم للبیان**۔ یعنی آیت **وعد اللہ الذین** الخ میں جو خطاب ہے وہ رسول اسلام اور ان کے صحابہ کرام کو ہے اور منکم میں (من) بیانیہ ہے (نہ تبعیضیہ) تفسیر ترجمان القرآن ص ۱۰۷۵ میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے (بحوالہ فلک النجاۃ)۔ یہ وعدہ جمیع امت کے لئے ہے۔ بعض نے کہا صحابہؓ سے خاص ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ایمان اعمال صالح کچھ صحابہؓ ہی کے ساتھ خاص نہیں تھے۔ بلکہ اس کا واقعہ ہونا اس امت کے ہر فرد سے ممکن ہے۔ (پھر کہا) اور اس شخص کا قول بہت بعید ہے۔ جو کہتا ہے کہ یہ وعدہ خاص ہے خلفاء اربعہ کے ساتھ یا مہاجرین کے ساتھ۔ یا یہ کہ ارض سے مراد ارضِ مکہ ہے اور تو پہچان چکا کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ سبب خاص کا (کذا فی تفسیر فتح البیان ج ۶ ص ۳۳۸)

؎ خوشتر آں باشد کہ سر دلبرآں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس خلافت سے مراد خلافت کلی ہے یا جزئی؟

یہ امر بھی سوچنے کے لائق ہے کہ یہاں اہل ایمان سے جس خلافت و جانشینی کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے مراد خلافت کلی ہے۔ یعنی یہ کہ تمام روئے زمین سے کفار و مشرکین کا خاتمہ ہوجائے گا اور اہل اسلام و ایمان ہی انکے املاک و اموال کے وارث و جانشین ہونگے۔ جیسا کہ آیت مبارک **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** (سورہ صف آیت 9) امفاد ہے۔ یا اس سے مراد خلافت جزئی ہے؟ یعنی صرف بعض کفار کی زمین و جائداد پر مسلمان قابض ہوں گے سو! اگر خلافت سے مراد خلافت کلی ہے تو پھر یہ وعدہ ہنوز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا بلکہ اس کی تکمیل ظہور مہدیؑ دوران اور نزول مسیح زمانؑ کے وقت ہوگی جیسا کہ شیعہ

سنی تفاسیر میں مذکور ہے چنانچہ درمنثور ج ۳ ص ۲۳۱۔ تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۲۰۔ فتح البیان۔ ابن کثیر وغیرہ تفاسیر اہلسنت اور تفسیر صافی وقمی اور برہان وغیرہ تفاسیر شیعہ میں بذیل آیت **لیظهره علی الدین کله** لکھا ہے ''**ذالک عند نزول عیسیٰ و خروج المهدی فلایبقیٰ اهل دین۔ الادخلوافی الاسلام الخ**''

یہ وعدہ کب پورا ہوااور اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

اور اگر خلافت سے مراد خلافت جزئی ہے تو پھر یہ وعدہ خود آنحضرت ﷺ کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا ہو گیا تھا اور یہی امر اسلامی برادری کی کتب تفسیر وحدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور ج ص ۵۵۔ تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۷۷، تفسیر ابن جریر جلد ۱۸ ص ۱۰ اور فتح البیان ص ۳۳ وغیرہ میں مذکور ہے اور یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام نے (ہر وقت کی جنگ وجدال اور خوف وہراس سے دل برداشتہ ہو کر) بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ **یارسول الله ابدالدهر نحن خائفون۔ ماياتی علينايوم نضح السلام يارسول الله!** کیا ہم ہمیشہ خائف وترساں ہی رہیں گے۔ یا کبھی ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار اتار دیں گے اور امن واطمینان کی زندگی بسر کریں گے؟ اس وقت خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (کذافی تفسیر کشاف ج ۳ ص ۸۲ وابن کثیر مع معالم ج ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۴۹۔ ولباب النقول فی اسباب النزول ج ۲ سورہ نورابن کثیر وغیرہ) مفسرین نے لکھا ہے کہ **فقد فعله تبارک وتعالیٰ وله الحمد والمنة فانه صلعم لم يمت حتیٰ فتح الله عليه مكة والبحرين وسائر جزيرة العرب وارض اليمن الخ**۔ اسی طرح مدارج النبوۃ ج ا ص ۲۴۸ لکھنؤ میں ہے: ''**وتحقيق وفاكرووے سبحانه وعده خود راومن اوفیٰ بعهده من الله۔ والله الحمدو المنة** ونرفت آنحضرتؐ از عالم تافتح کرد حق تعالیٰ مکہ وخیبر وبحرین وباقی جزیرہ عرب راوارض یمن را بتمام۔ الخ'' ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ ''کہ اللہ نے اپنے پیغمبر اور صحابہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں حق تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ کیونکہ ان کی وفات سے پہلے مکہ اور بحرین۔ باقی جزائر عرب اور یمن وغیرہ فتح ہو گئے تھے (اور مسلمان مرفہ الحال اور فارغ البال ہو گئے تھے)

علامہ وحید الزمان (مترجم صحاح ستہ) اپنی تفسیر وحیدی ص ۴۶۵ سورۂ نور حاشیہ نمبر ۵ میں لکھتے ہیں ''یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا پورا ہوا اور مسلمانوں کی آنحضرتؐ کی زندگی میں عرب کے کافروں سے بےفکری ہوگئی''۔

تفسیر ترجمان القرآن للصدیق حسن خان ص ۱۰۷۰ بذیل سورۂ نور پ ۱۸ اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ''اور پورا کیا یہ وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ واللہ الحمد والمنۃ ابھی آنحضرتؐ فوت نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح کر دیا آپ کے واسطے مکہ اور خیبر اور بحرین اور عرب کا کل جزیرہ الخ پھر وہ باامن ہوئے اور ہتھیار رکھ دیئے ''من'' بیان کے لئے ہے الخ۔۔۔ نحاس نے کہا اور یہ قول صحیح ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ انکے خوف کی جگہ امن کو رکھ دے گا اور چلے جاویں گے ان سے خوف کے اسباب جن میں وہ ہیں۔ اسی طرح سے کہ نہ

ڈریں گے مگر اللہ سبحانہ سے۔

پہلے استخلاف سے مراد کیا ہے؟

باقی رہی اس بات کی تنقیح کہ خداوندِ عالم نے اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ میں تم کو اس طرح خلافت ارضی دوں گا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دی ہے تو اس تشبیہہ سے مراد کیا ہے؟ سو مخفی نہ رہے کہ کائنات میں ابتدائے آفرینش سے سلسلۂ اضداد جاری ہے۔ نور کے ساتھ ظلمت، ایمان کے ساتھ کفر، علم کے ساتھ جہل، خیر کے ساتھ شر، وغیرہ وغیرہ اور ان کی باہمی چپقلش اور ستیزہ کاری بھی محتاج بیان نہیں ہے۔

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

یہ ضرور ہوتا رہا ہے کہ ابتداء میں باطل کی طاقتوں نے باہم مجتمع ہو کر حق واہل حق کو دبانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا اور اکثر وبیشتر کچھ وقت کے لئے ان کو غلبہ وتسلط بھی رہا۔ مگر سنت اللہ ہمیشہ سے یہ رہی ہے اور ہمیشہ یہی رہے گی۔ (ولن تجد لسنتہ اللّٰہ تبدیلا) کہ آخری فتح حق اور اہل حق کی ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ۔

؎ نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؑ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

قوم نوح نے کتنے مظالم جناب نوحؑ پر کئے مگر بالآخر حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ قوم لوطؑ اور صالحؑ نے کس قدر ستم کیشیاں کیں مگر طاقت حق کے سامنے بہت دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ اور انجام کار ہلاکت کے ایسے اتھاہ گڑھے میں گرے کہ پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ فرعون نے بنی اسرائیل پر کس قدر ظلم وجور کے کوہ ہائے گراں گرائے مگر انجام دنیا کے سامنے ہے کہ رود نیل کی موجوں کا لقمہ بن کر عالم رنگ وبو سے اس کے نقش ونگار محو ہو گئے۔ اسی طریقۂ مستمرہ کے مطابق خدا نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح پہلے میں کافروں کو نیست ونابود کر کے ان کے املاک واموال کا وارث وجانشین مسلمانوں کو بنا تا رہا ہوں۔ اسی طرح اب بھی تمہارے دشمنوں کو مغلوب ومقہور کر کے تمہیں ان کا وارث بناؤں گا۔ چنانچہ خداوند عالم ان تمام واقعات کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے۔

۱۔ **وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً** (سورہ اعراف آیت 69)

(ترجمہ) اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم ہی کا پھیلاؤ زیادہ کیا۔

۲۔ **وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ** (سورہ اعراف آیت 74)

(ترجمہ) اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا۔ (ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری)

۳- قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (سورہ اعراف 129)

(ترجمہ) کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا کھپاوے تمہارے دشمن کو اور نائب کرے تم کو ملک میں اور پھر دیکھے تم کو کہ کیسا کام کرتے ہو

(ترجمہ شاہ عبدالقادری دہلوی)

۴- فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (سورہ اعراف 136 تا 137)

(ترجمہ) پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے پھر ڈبو دیا گہرے پانی میں اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیاتیں اور کر رہے ان سے تغافل اور وارث کئے ہم نے جو لوگ کمزور ہو رہے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے جس میں برکت رکھی ہم نے (شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی)

۵- فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿۱۰۳﴾ وَقُلْنَا مِن بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ

(سورہ بنی اسرائیل 103 تا 104)

(ترجمہ) تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو۔

یہ قصہ تو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعون کا تھا کہ خدا نے فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک و برباد کر کے ان کی ہر چیز کا مالک و متصرف بنی اسرائیل کو بنایا۔ اب ذرا مثیل موسیٰ۔ حضرت رسولؐ خدا اور مسلمانوں اور انکے دشمنوں کا معاملہ بھی سنو۔ خدا فرماتا ہے:۔

۶- وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ (سورہ انفال آیت 26)

(ترجمہ) اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے خانماں نہ کردیں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تمکو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں

(ترجمہ مولانا فتح محمد)

۷- آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ (سورہ حدید آیت 7)

(ترجمہ) تو خدا پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے۔ اس میں سے خرچ کرو۔ (ایضاً)

۸- وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا (سورۃ الاحزاب آیت 27)

(ترجمہ) اور انکی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تمکو وارث بنادیا۔ (ایضاً)

۹۔ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (سورہ فتح آیت 27)

(ترجمہ) بیشک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا اور صحیح خواب دکھایا کہ تم خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے داخل ہوگے اور کسی طرح کا خوف نہ کروگے۔

۱۰۔ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (سورہ اعراف آیت 10)

(ترجمہ) البتہ (تحقیق) ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور اس میں تم کو روزیاں دیں اور تم تھوڑا شکر کرتے ہو (شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

یہ ہے ان تشبیہات کا مطلب کہ جس طرح خداوند عالم ہمیشہ کفار و مشرکین اور دشمنان دین کو مغلوب و مقہور کر کے ان کے جان و مال کا وارث اہل ایمان کو بناتا رہا ہے اس امت مرحومہ کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی سلوک کرے گا اور بے شک اس رحیم و کریم خدائے بزرگ و برتر نے آنحضرتؐ کے حین حیات میں ایسا کردیا۔ قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ جو الفاظ آیت استخلاف میں موجود ہیں۔ خلافت فی الارض، مثل خلافت، سابقہ، تمکین فی الارض، خوف کے بعد امن وہ تمام الفاظ خداوند عالم نے مذکورہ بالا آیات میں استعمال فرمائے ہیں جو بطور امتنان واحسان خدا نے نازل فرمائی ہیں و الحمد اللہ علی احسانہ العمیم!

نتیجہ کلام:

ان ناقابل رد حقائق و دقائق کی روشنی میں یہ بات مثل روز روشن واضح و آشکار ہوگئی کہ اس آیت مبارکہ کا خلافت ابوبکر اور عثمان سے دور کا بھی کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے اور اس موعود لہم جماعت مسلمین سے صرف ''اصحاب ثلاثہ'' کو مراد لینا قرآن کی سراسر تفسیر بالرائے ہے جو باتفاق فریقین ناجائز و حرام اور اس کا مرتکب بشہادت رسول جہنمی ہے (من فسر القرآن برائہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ تفسیر اتقان وغیرہ) پرستاران ثلاثہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ وہ محبت ثلاثہ میں بصر و بصیرت سے اندھے ہو کر کس راستہ پر گامزن ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

ے ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ☆ کایں راہ کہ می روی بترکستان است

مگر بموجب حب الشئی یعمی و یصم ثلاثہ کی محبت نے انہیں ایسا اندھا اور بہرہ بنادیا ہے کہ اپنی آخرت بھی بھول گئے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اس طرح حق و باطل کے اظہار و انکشاف کے باوجود اگر مناظرین اہلسنت اس آیت کا مصداق اپنے

اصحاب ثلاثہ کو ہی ٹھہراتے ہیں تو پھر وہ اپنے آپکو اس آیت کا مصداق بناتے ہیں۔ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (سورہ القصص آیت 50)

ع کورہا باور نمی دارند روزِ داوری ☆ کایں ہمہ دغل و فضل درکار دارد می کنند

اعلامیہ:

اس حقیقت کے کالشمس فی رابعہ النہار واضح و آشکار ہوجانے کے بعد کہ اس آیت مبارکہ کا اصحاب ثلاثہ سے کوء تعلق و ربط نہیں ہے، ہم مولف کے مدح ثلاثہ میں رطب ویابس جمع کرنے پر کوئی گرفت نہیں کرتے ورنہ ان باتوں کا ایسا تجزیہ کرتے کہ مؤلف کی روح قبر میں بھی بے قرار ہوجاتی۔ علاوہ بریں ان امور پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے اس لئے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امامت ابوبکر والی فرضی داستان سے ان کی خلافت پر استدلال کا مکمل جواب وہاں دیا جائے گا۔ جہاں مولف اس کا باقاعدہ تذکرہ کریں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

ایضاح:

بعض حضرات نے اس مقام پر دو ایراد وارد کئے ہیں۔ اول یہ کہ ہماری بیان کردہ تفسیر امام زین العابدین اور امام محمد باقرؑ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کا مصداق امام مہدیؑ اور ان کے اصحاب کو قرار دیا ہے۔ دوم یہ کہ جن تفاسیر اہلسنت کے حوالے دیے گئے ہیں ان میں خیانت کی گئی ہے یعنی ان کی پوری عبارتیں نقل نہیں کی گئی ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ہماری بیان کردہ تفسیر کو امامین کی تفسیر کے خلاف قرار دینا ایسا سمجھنے والے کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ ہم نے بذیل عنوان ''اس خلافت سے مراد خلافتِ کلی ہے یا جزئی''؟ شیعہ وسنی کی تفاسیر کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ کہ اگر اس خلافت سے مراد خلافت کلی لی جائے تو اسکی تکمیل حضرت امام العصر کے ظہور کے وقت ہوگی۔'' (تجلیات ص ۳۹) اسی طرح نہج البلاغۃ اور اسکی شرح ابن میثم بحرانی سے جو حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں وہ بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ اسکے مؤید ہیں کہ اس استخلاف سے مراد کفار پر مسلمانوں کا غلبہ وتسلط مراد ہے پیغمبرؐ اسلام کی جانشینی وقائم مقامی مراد نہیں ہے۔

اور جہاں تک تفاسیر کے حوالہ جات میں خیانت کا تعلق ہے تو ہم اسکا تصور بھی نہیں کرسکتے (العیاذ باللہ) خیانت تب ہوتی کہ سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے منشائے مولف کے خلاف درمیان سے عبارت کا کوئی ٹکڑا پیش کیا جاتا۔ یا نقل عبارت میں کوئی لفظی یا معنوی تحریف کی جاتی جیسا کہ مؤلف کی کتاب آفتاب ہدایت ایسی خیانتوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر ہم نے کہیں بھی ایسا نہیں کیا۔ ہاں بقدر ضرورت عبارات نقل کی ہیں کیونکہ تمام طویل وعریض عبارتوں کے نقل کرنے کی یہ کتاب متحمل نہ تھی اور نہ ہی اسکی ضرورت تھی۔

ظاہر ہے کہ اسے اختصار کا نام تو دیا جاسکتا ہے۔ مگر اسے خیانت کہنا خود خیانت کے معنیٰ سے جہالت کی غمازی کرتا ہے۔ اگر ان تفسیروں کے بعض مؤلفین نے کھینچ تان کر اس آیت کو اصحاب ثلاثہ پر فٹ کرنے کی کوشش کی ہے تو یہ انکے مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے ہم نے تو انکی وعبارتیں کتاب میں پیش کی ہیں جہاں انکے قلم سے حق بات ٹپکی ہے۔ **لان الحق یجری علی اللسان۔ والحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید!!**

اٹھائیسویں آیت:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ الانبیاء آیت 105) ترجمہ "ہم نے ذکر (تورات) کے علاوہ زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ زمین موعود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔" اس آیت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ خداوند علیم وخبیر خبر دیتا ہے کہ تورات وزبور میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ الارض المقدسہ (زمین کنعان) کے وارث میرے پاک بندے ہونگے اب بتائیے کہ یہ کس کے ہاتھ پر فتح ہوئی؟ حضرت عمر فاروق کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور اس آیت کی رو سے آپ عبادِ صالحون میں سے ہوئے۔ شیعہ پر ہماری حجت ہے کہ خدا کے نزدیک وہ عبادِ صالحون میں شمار نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو کیوں ارض مقدسہ کی وراثت ان کو نصیب نہیں؟ بعض مفسرین نے ارض سے مراد حرمین شریفین کی زمین مراد لی ہے۔ بہر حال ارض سے مراد زمین شام (بیت المقدس) ہو یا مکہ مدینہ کی زمین اس کی وراثت ہمیشہ اہلسنت والجماعت کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اور تا قیامت رہے گی۔ سوال۔ مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمین پر ایک دفعہ یزید بھی حکومت کر چکا ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا ابوساطت دین نصاریٰ کا بھی عمل رہا اور اب وہاں وہابیوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ جواب۔ یہ اعتراض آیت کے الفاظ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے آیت میں یرث کا لفظ موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سرزمین پر وارثانہ قبضہ صالح بندوں کا ہوگا۔ اگر کوئی فاسق بدمذہب شخص یا قوم تھوڑے دنوں کے لئے وہاں غاصبانہ قبضہ کر کے حکومت کرے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے دھتکار کر نکال دیا جائے تو یرث کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یزید کا غاصبانہ قبضہ گنتی کے دن رہا۔ شریف حسین نے اگر نصاریٰ کو دخیل کیا تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو یزید کا ہوا تھا۔ وہابی پہلے بھی وہاں کچھ حکومت کر چکے ہیں۔ پھر ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ بھی چند روزہ بات ہے۔ وہاں سے یہ لوگ بھی ذلت وخواری سے نکال دیے جائیں گے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان مقامات مقدسہ میں بہت سے اولیاء اللہ کے مرقد ہیں۔ لہٰذا ان کی حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے جو سب کی یکساں عزت کرتا ہو۔ سو ایسے مسلمان اہلسنت ہی ہیں۔ اگر شیعہ کو وہاں دسترس ملے تو ان دونوں اصحاب کے مزارات کے بے حرمتی کرنے سے دریغ نہ کریں۔ وہابی قابو یافتہ ہوں تو چونکہ ان کے دلوں میں روضۂ نبوی کا بھی احترام نہیں بلکہ ان کے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ "**هذا صنم اکبر و لو قدر علیه لهدمته**" اور بس چلے تو سب کی بے حرمتی سے دریغ نہ کریں۔ اس لئے خدائے علیم وخبیر نے اپنے تمام نوشتوں میں یہ حتمی وعدہ لکھ دیا ہے کہ اس ارض مقدسہ کی حکومت بطور وراثت ہم اپنے **عباد صالحون** ہی کے سپرد کرینگے۔ تا کہ مقامات مقدسہ کے احترام میں فرق نہ آسکے **واللہ غالب علیٰ امره** (آفتاب ص ۱۰۰)

الجواب:

مولف کے اس قسم کے بودے اور رکیک استدلالات دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر زباں پر جاری ہو جاتا ہے۔

؎ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایسے کمزور دلائل کا جواب لکھتے ہوئے بھی شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اگر جواب نہ دیا جائے تو یہ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ ہماری کتاب لاجواب ہے **لاحول ولا قوة الا باللہ**۔ بہرکیف اس امر میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے کہ یہاں الارض سے مراد کیا ہے؟ (۱) اکثر نے تو اس سے تمام زمین مراد لی ہے اور لکھا ہے کہ "**هذا وعد منه تعالیٰ باظهار الدین و اعزاز اهله**" یعنی اس آیت میں خداوند عالم اس بات کا وعدہ فرمارہا ہے کہ دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور دیندار معزز ومحترم ہونگے (تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۰۹ طبع مصر) اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ غلبہ کب حاصل ہوگا۔ ابھی اوپر آیت استخلاف کے جواب میں بحوالہ کتب اہلسنت ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ حضرت مہدیؑ دوران کے ظہور اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا (درمنثور ج ۳ ص ۲۲۳ خازن ج ۲ ص ۲۲۰ وغیرہ) اور یہ تو خود مؤلف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "یرث" کا مفہوم یہ ہے کہ وارثانہ قبضہ صالح بندوں کا ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی فاسق و فاجر بدمذہب شخص یا قوم تھوڑے دونوں کے لئے وہاں غاصبانہ قبضہ کر کے حکومت کر لے اور کچھ دنوں کے بعد اسے وہاں سے دھتکار کر نکال دیا جائے تو وہ ہرگز "یرث" کا مصداق نہیں ہوسکتا ہے۔ (آفتاب ص ۹۹) بنابریں ہم کہتے ہیں کہ امام زمان عجل اللہ فرجہ کے ظہور تک زمین پر لوگوں کا قبضہ چونکہ غاصبانہ ہے۔ اس لئے وہ یرث کے مصداق نہیں ہوسکتے جب حقیقی وارث ارض تشریف لائے گا تو وہ سب کو دھتکار کر وہاں سے نکال دے گا۔ اور وارثانہ قبضہ کر کے حکومت الٰہیہ قائم کرے گا۔ انشاءاللہ العزیز۔

؎ **لکل اناس دولة یرقبونها**
و دولتنا فی اخر الدهر تظهر

اس میں طول وقصر زمان کا کوئی سوال نہیں کیونکہ

ع غیر طویل کلما ہو زائل

(۲) استادالمفسرین جناب عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ مروی ہے کہ اس ارض سے مراد ارض جنت ہے۔ جیسا کہ اس کی تائید ارشاد خداوندی سے بھی ہوتی ہے۔ قالو الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ و اورثنا الارض نتبو أمن الجنہ حیث نشاءؑ۔ جنتی کہیں گے سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں قیام کرتے ہیں۔ (تفسیر ابی السعود بر حاشیہ تفسیر کبیر رازی ج ۷ ص ۱۰۹ و تفسیر کشاف ج ۳ ص ۲۲ طبع مصر وغیرہ) اور اسی تفسیر کو مؤلف آفتاب ہدایت کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ آفتاب ہدایت ص ۹۹ کے ذیلی حاشیہ پر لکھتے ہیں ''بعض محققین کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں الارض سے مراد ارض جنت ہے اور سیاق قرآنی سے یہ معنیٰ زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔ (مظہر حسین) اس ایک سطری عبارت میں بیٹے نے اپنے باپ کی تمام سعی و کوشش پر پانی پھر دیا لو

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بہرکیف اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا موضوع بحث کے ساتھ تعلق ہی ختم ہو جاتا ہے کما لایخفی۔

(۳) بعض مفسرین نے ''قیل'' کہہ کر (جو کہ اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے) اس سے ارض مقدسہ مراد لی ہے (تفسیر کشاف و ابوالسعود صفحات بالا) بناء بریں مؤلف کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم اٹھارویں آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس زمین کی بدقسمتی ہے کہ روز فتح سے لے کر آج تک ہمیشہ اشرار کے قبضہ میں نظر آتی ہے۔ مؤلف نے صرف یزید پلید کے اقتدار کو گنتی کے چند دنوں کا غاصبانہ قبضہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی بیجا کوشش کی ہے (اگر یزید کا قبضہ غاصبانہ ہے باوجود اس کے کہ اس میں اہلسنت کے چاروں طریقہ ہائے خلافت پائے جاتے ہیں (اجماعؔ، نصؔ سابق بر لاحق، شوریٰؔ، اور تسلطؔ بالغلب) تو یزید کے والد صاحب میاں معاویہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ جن کی کوششوں سے یزید برسر اقتدار آیا۔ علاوہ بریں کیا اسی ارض مقدسہ پر مدت ہائے دراز تک مروان جیسا طرید رسول، عبدالملک جیسا ظالم (جس کے ظلم کی کمترین مثال حجاج ثقفی جیسے سفاک حاکم کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا ہے جس نے ایک لاکھ بیس ہزار نفوس کو قتل کیا) ہشام جیسا قاتل سادات، ولید بن یزید جیسا شراب خوار و بدکار اس ارض مقدسہ پر قابض نہیں رہا، اور کیا بنی عباسیہ کے جائر سلاطین مدت دراز تک اس ارض مقدسہ پر قابض و مسلط نہیں رہے؟؟ کیا یہ سب ''اہلسنت والجماعت'' تھے؟ فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً۔ مگر مولف مجبور ہے کہ اس کی مذہبی کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ہؤلاء خلفا النبی۔ یہ سب رسول کے خلیفے ہیں۔ مگر یہاں پھر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ انہی کتابوں میں یزید کو بھی چھٹا خلیفہ رسول تسلیم کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۸۴ مطبع دہلی سیرۃ النبی سید سلمان ندوی ج ۳ ص ۴۸۲ تاریخ الخلفاء ص ۱۱ طبع مصر

وغیرہ) لہٰذا صرف یزید کا استثناء لاینحل معمہ ہے؟ بلکہ آج اسی ارض مقدسہ پر ایسے سوشلسٹوں بلکہ کمیونسٹوں کا قبضہ ہے جنہوں نے چند سال ہوئے خدا کا جنازہ نکال کر نذر آتش کر دیا تھا (جیسا کہ ملکی اخبارات و جرائد کی فائلیں شاہد ہیں العیاذ باللہ) اور یہی کیفیت حرمین شریفین کی زمین کی ہے کہ کبھی اس پر خارجی قابض ہیں، کبھی ناصبی اور کبھی وہابی، تین چار پشتوں سے تو موجودہ وہابی خاندان برسر اقتدار ہے۔ جس نے تمام مزارات مقدسہ مسمار کر کے مسلمانانِ عالم کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔

ے ارئ فیئهم فی غیر هم متقسماً
و ایدیهم من فیئهم صفرات

مؤلف کی عقل و خرد کی داد دینی چاہیئے جو ایسے اقتدار اور تسلط کو اپنی صداقت کی دلیل قرار دیتے ہوئے شیعوں کو صرف اسلئے عباد صالحین سے خارج کرتے ہیں کہ ان کے پاس اس زمین کی عنانِ اقتدار نہیں ہے؟ یاللعجب!

علاوہ بریں یہ تفسیر (الارض سے ارض مقدسہ یا ارض حرمین مراد لینا) اس لئے بھی غلط ہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی مشیت ہی یہ ہے کہ صرف زمین کا یہ مختصر سا حصہ صالح بندوں کے قبضہ میں رہے اور باقی تمام زمین بے شک دہریوں، ملحدوں، کافروں اور فاسقوں کے زیر اقتدار رہے؟ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ **ان اللہ لا یرضی لعبادہ الکفر** اس لئے پہلی تفسیر اور ہماری توجیہ ہی کو صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے

ؔ اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

فضائل اصحاب ثلاثہ کا ثبوت کتب شیعہ سے

"قرآنی براہین قاہرہ بیان ہو چکے۔ اب ہم اصحاب ثلاثہ کا کامل الایمان ہونا، حضرت علیؑ المرتضیٰ اور ان کے شیر و شکر ہونا اور ایک دوسرے کا خیر خواہ اور مشیر کار رہنا، نبی علیہ السلام کے قرابت دار اور سچے تابعدار ہونا۔ مقبول بارگاہ الٰہی ہونا بشہادت آئمہ اہلبیتؑ کتب معتبرہ شیعہ سے بیان کرتے ہیں۔۔۔ الخ (آفتاب ص ۱۰۰)

الجواب:

مؤلف نے بزعم خود قرآنی براہین سے فارغ ہو چکنے کے بعد عنان بیان شیعی روایات کی طرف موڑی ہے ہم بھی بفضلہٖ تعالیٰ جبکہ ان کے قرآنی براہین کی حقیقت طشت از بام کر کے ان کو بجائے آب، سراب، بجائے دلائل ماثور، ہباء منشور اور بجائے براہین قرآنی، وساوس شیطانی ثابت کر چکے تو اب ان کے روایاتی استدلالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ الرحمن بتائید سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام ان کا تار و پود بکھیر کر مؤلف کا نقل روایات و واقعات میں دجل و فریب کا پردہ چاک کر کے ان کے ممدوحین خاص

(اصحاب ثلاثہ) کا جناب امیر خیبر گیر سے بجائے شیر وشکر و مشیر ہونے کے ان کا دشمنِ ازلی ہونا، بجائے تابعدار اور قرابت دار رسولؐ ہونے کا ان کا دنیادار اور عصیاں کار ہونا اور بجائے مقبول بارگاہ ہونے کے ان کا مردود بارگاہ خدا اور رسولؐ ہدیٰ ہونا کتب فریقین سے کچھ ایسے ناقابل انکار دلائل جاندار سے واضح وآشکار کریں گے کہ نہ صرف پرستاران ثلاثہ کی بلکہ خود ان کی روحیں بھی یوم القرار تک بے قرار ہوجائیں گئے۔ انشاء اللہ المنتقم الجبار

جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

فضیلت ابوبکر کی پہلی روایت اور اس کا جواب:

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعۂ غار کے متعلق تفسیر عسکری، قمی اور حملۂ حیدری کی عبارتیں اوپر لکھی جا چکی ہیں جن سے فضیلت صدیق کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ اب دوسری کتب سے روایت لکھی جاتی ہیں اول۔ فروع کافی میں ایک طویل حدیث مرویہ جناب صادق علیہ السلام درج ہے جس میں صدقہ کے متعلق ذکر ہے کہ کل مال صدقہ نہیں کردینا چاہیئے تا کہ خود ملوم و محسور نہ بن جائے۔ آگے لکھا ہے۔ **هذه احادیث رسول الله۔۔۔** (بحذف عبارت عربی) ترجمہ: یہ احادیث رسول پاک ہیں جن کی تصدیق کتاب اللہ کرتی ہے۔ اور کتاب اللہ کی تصدیق (اپنے عمل سے) مومنین کرتے ہیں جو کتاب اللہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ ابوبکر نے بوقت وفات جب اس کو وصیت کے لئے کہا گیا فرمایا کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ پانچویں حصہ کی وصیت کی۔ حالانکہ خدا نے تیسرے حصہ کی اجازت دی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ تیسرے حصہ کی وصیت میں زیادہ ثواب ہے تو ایسا ہی کرتا۔ پھر ابوبکر کے دوسرے درجہ پر فضل و زہد میں تم سلمانؓ اور ابوذرؓ کو سمجھتے ہو۔ پس سلمانؓ کو کوئی عطیہ دینا ہوتا پورے سال کی خورک ذخیرہ کر لیتا۔ حتیٰ کہ سال آئندہ کو پھر عطیہ حاصل ہوا لوگوں نے کہا آپ باوجود زاہد ہونے کے ایسا کرتے ہیں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ آج ہی فوت ہوجائیں۔ جواب دیا تمہیں میرے زندہ ہونے کی امید نہیں ہے؟ جیسا کہ میرے مرجانے کا اندیشہ ہے۔ اے جاہلو! تمہیں معلوم ہو کہ نفس اپنے صاحب پر سرکشی کرتا ہے جب تک کہ اسے قدرے معیشت نہ مل جائے۔ جس پر اسے بھروسہ ہو۔ اور جب وہ اپنی معیشت فراہم کر لے مطمئن ہوجاتا ہے اور ابوذر کے پاس اونٹنیاں اور بکریاں رہتی تھیں جو دودھ دیتی تھیں اور جب ان کو دودھ کی حاجت ہوتی یا کوئی مہمان آجاتا یا اپنے متعلقین کو بھوکا دیکھتے ان میں سے اونٹ یا بکری ذبح کر لیتے۔ اور سب میں تقسیم کردیتے اور اپنے

لئے ایک آدمی کی خوراک رکھ لیتے جو دوسروں سے زائد نہ ہو۔تم جانتے ہو کہ ان تین مقدس بزرگوں سے بڑھ کر بڑا زاہد کون ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ان کی شان میں رسول پاکؐ نے فرمایا جو کچھ فرمایا اس حدیث سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوئیں۔

(۱) یہ حضرات امام علیہ السلام کے نزدیک ان مومنین کاملین میں سے تھے جو کتاب اللہ کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

(۲) حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ فضل و زہد میں دوسرا درجہ رکھتے تھے اور ابوبکر کا اول درجہ تھا (۳) حضرت ابوبکر برگزیدہ زاہدوں میں سے تھے۔(۴) حضرت ابوبکر کی شان میں آنحضرتؐ نے بہت سی احادیث بیان کی ہوئی تھیں۔

سوال شیعہ: ممکن ہے من ازاھد من ھؤلاء کا اشارہ صرف سلمانؓ و ابوذرؓ کی طرف ہو۔

جواب: اگر معترض عقل کا اندھا نہیں ہے تو ابتداء حدیث میں الفاظ الکتاب یصدقہ اھلہ من المومنین کے بعد ذکر ابوبکر کا ہونا اور پھر سلمان و ابوذر کے متعلق امام علیہ السلام کا یہ فرمانا۔ثم من علمتم بعدہ فی فضلہ و زھدہ۔پھر ھولاء کا مشار الیہ صرف دو کو سمجھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔افسوس شیعہ اپنی مستند کتابوں میں اصحاب ثلاثہ کے زہد وتقویٰ کی نسبت ایسی شہادت ائمہ اہلبیت علیہم السلام پڑھ کر بھی ان کی بدگوئی سے باز نہیں آتے ختم اللہ علی قلوبھم الخ (آفتاب ص ۱۰۳)

الجواب:

یہ استدلال بچند وجہ ناقابل اعتبار ہے۔اولاً اس روایت کے دوراوی بدعقیدہ ہیں۔پہلا ہارون بن مسلم جو جبری العقیدہ تھا (ملاحظہ ہو رجال نجاشی ص ۳۰۷ نقد الرجال ص 326 دوسرا مسعدہ بن صدقہ ہے جو سنی المذہب تھا۔چنانچہ نقد الرجال ص ۳۴۳ پر لکھا ہے قال الشیخ فی الرجال عامی۔یعنی جناب شیخ طوسیؒ نے اپنے رجال میں لکھا ہے کہ یہ عامی (سنی) ہے بنابریں یہ روایت ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ثانیاً اس روایت کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لیا گیا ہے۔جس طویل روایت کا یہ ٹکڑا یہاں پیش کیا گیا ہے۔یہ فروع کافی کے پورے تین صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس کا سیاق وسباق چھوڑ کر اور درمیان سے چند جملے نقل کرکے عوام کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے اس روایت کا پس منظر یوں ہے کہ چند صوفی (یہ گروہ اہلبیتؑ نبوتؐ سے روحانی اقتدار سلب کرنے اور لوگوں کو ان سے علیحدہ کرنے کی خاطر بنی امیہ کی گہری سازش کی پیداوار ہے) جن میں سفیان ثوری بھی تھے (جو لوگوں کو ترکِ دنیا اور ترک معیشت کی خلافِ اسلام تعلیم دیا کرتے تھے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس نے امام کے ظاہری لباس فاخرہ پر زبان اعتراض دراز کی۔امام نے اسے اس کا مسکت جواب دیا۔اس کے ساتھیوں نے کہا کہ حضور یہ اپنا مدعا دلائل سے نہیں پیش کرسکا۔امام نے فرمایا تم بیان کردو۔ان لوگوں نے اس بات پر بزعم خویش دلائل پیش کئے کہ سارا مال راہ خدا میں لٹا دینا چاہئے۔امام عالی مقام نے قرآن وحدیث سے ان کے استدلال کو رد فرمایا آخر میں اس ضمن میں بطور اصول مناظرہ مسلمات خصم پیش کرتے ہوئے وہ جملے ارشاد فرمائے جو مؤلف کے استدلال میں پیش کئے گئے ہیں کہ ابوبکر کو لیجئے جسے تم سب

سے بڑا زاہد سمجھتے ہو اس نے بھی اپنے مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کی تھی۔ پھر سلمانؓ، اور ابوذرؓ کو دیکھئے جن کو تم زاہد و تقویٰ میں دوسرے درجہ پر سمجھتے ہو وہ بھی سارا مال راہ خدا میں نہیں لٹاتے تھے بلکہ کچھ خرچ کرتے اور کچھ رکھ لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد میں امام علیہ السلام نے اپنا عقیدہ بیان نہیں فرمایا بلکہ اصول مناظرہ کے مطابق مخاطب کے نظریہ کے مطابق گفتگو کی ہے جس پر خود یہی فقرہ کھلی دلیل ہے ''ثم من قد علمتم بعده فی فضله و زهده۔ سلمانؓ و ابو ذرؓ۔'' جس کا ترجمہ خود مولوی کرم الدین صاحب نے یہ کیا ہے ''پھر ابو بکر کے دوسرے درجہ پر فضل و زہد میں تم سلمان و ابوذر کو سمجھتے ہو'' (آفتاب ص ۱۰۶) یہ فقرہ بیانگ دہل بتا رہا ہے کہ امام اپنے مدمقابل کے عقیدہ کے مطابق گفتگو فرما رہے ہیں نہ کہ اپنے اعتقاد کے موافق۔ وھذا اوضح من ان یخفی

ثالثاً من ازھد من ھؤلاء۔ ان سے بڑھ کر زاہد کون ہے؟ قرین عقل یہ ہے کہ بطور جمع فوق الواحد یہ اشارہ جناب سلمانؓ و ابوذرؓ کی طرف ہے۔ مؤلف نے فرضی سوال کے جواب میں جو اسے حماقت اور اندھے پن سے تعبیر کیا ہے۔ یہ خود ان کی اپنی کوتاہ اندیشی اور کور چشمی کی دلیل ہے۔

و کم من عائب قولاً صحیحاً ☆ و آفتہ من انفھم السقیم

ورنہ اسی کلام میں اس بات کا قطعی قرینہ موجود ہے کہ یہ اشارہ الٰہی دونوں بزرگوں کی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ کے بعد بلا فاصلہ یہ عبارت موجود ہے۔ و لم یبلغ من امرھما ان صارا لا یملکان شیئاً کما تأمرون الناس بابقاء امتعتھم الخ۔۔۔ ان سے بڑھ کر کون زاہد ہے۔ حالانکہ جناب رسولؐ خدا نے ان کے حق میں وہ کچھ فرمایا سو فرمایا (اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است) اور اس کے باوجود یہ دونوں بزرگوار ایسے نہ تھے کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے ہوں۔ اور سب کچھ لٹا دیتے ہوں۔ یہاں صرف تثنیہ کا صیغہ موجود ہے۔

رابعاً بنا بر تسلیم اینکہ ''ھؤلاء کا اشارہ بشمول ابو بکر تینوں کی طرف ہے۔ تب بھی اس سے مولف کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ امام علیہ السلام نے معتقدین ابی بکر پر حجت تمام کرنے کے لئے ایسا فرمایا ہے چنانچہ اس باضابطہ گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ معترضین لاجواب ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ امید کامل ہے کہ ان جوابات سے ہمارے معترضین کی بھی تسلی ہو گئی ہو گی اور

؎ اگر اب بھی نہ یہ سمجھیں تو پھر ان سے خدا سمجھے

اصل استدلال کے ہباءً منثوراً ہو جانے سے وہ سب تعریفات بھی پا در ہوا ہو گئیں جو اس استدلال پر قائم کی گئی تھیں افسوس

؎ سمجھ میں معنی توحید آ تو سکتا ہے ☆ تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کیجئے

انھا لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور۔

دوسری روایت اور اسکا جواب:

علامہ طبرسی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت و سیجنبھا الاتقی الذی الخ۔۔۔ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔اور روایت یوں ہے۔عن ابن زبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر الخ ترجمہ۔ابن زبیر سے روایت ہے کہ آیت شان ابوبکر میں نازل ہوئی ہے۔اس نے غلاموں کو جو اسلام لائے اپنے مال سے خرید لیا۔جیسا کہ بلال اور عامر بن فہیرہ اور ان کو آزاد کیا۔اب جس کی خدمات یہ ہوں کہ بلال جیسے عاشق حضرت نبوی کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کردے اور اللہ تعالیٰ اس کے نہ صرف متقی بلکہ اتقیٰ ہونے کی شہادت دے اس شخص کی شان والا میں گستاخی کرنا کتنی جسارت ہے۔خدا روافض کو ہدایت دے (آفتاب ص ۱۰۲)

الجواب:

خداوندِ عالم برادران اسلامی کو ہدایت دے کہ وہ اپنے بزرگوں کے من گھڑت فضائل و مناقب بیان کرنے میں دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کریں۔اس بات کو امین الاسلام علامہ طبرسی علیہ الرحمہ کی امانت، وسعت قلب اور عالی ظرفی پر ہی محمول کرنا چاہئے کہ وہ باوجود ایک مقتدر شیعہ عالم ہونے کے اپنی تفسیر میں جہاں پہلے اپنے آئمہ طاہرینؑ کے ارشادات پیش کرتے ہیں وہاں مخالفین کا نظریہ بھی بلا رد و قدح پوری دیانتداری کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔چنانچہ تفسیر مجمع البیان کے ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ وہ مجاہد قتادہ اور سدی وغیرہ مفسرین اہلسنت کے اقوال سے بھری پڑی ہے۔اکثر تو مفسرین کا نام لے کر ہی تفسیر نقل کرتے ہیں اور جہاں صرف ''روی'' یا ''قیل'' فرمائیں وہاں اکثر و بیشتر ان کی مراد مخالفین کی بیان کردہ تفسیر ہوتی ہے۔مؤلف کی پیش کردہ روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کا ناقابل رد ثبوت یہ ہے کہ اس روایت کا راوی سوائے خاندان زبیر کے دوسرا کوئی نہیں اور یہ خاندان دشمنی اہلبیتؑ میں معروف تھا انہوں نے توہین و تحقیر اہلبیت میں بہت سے افسانے تراشے اور اصحاب ثلاثہ و بنی امیہ کے فضائل و مناقب میں روایات وضع کیں ان ہی میں سے ایک روایت یہ بھی ہے لہٰذا اس کا راوی ابن زبیر ناصبی ہے اس لئے یہ ہمارے خلاف بطور سند پیش نہیں کی جاسکتی۔! یا بالفاظ دیگر آیت کی یہ تفسیر ابن زبیر ناصبی کے نظریہ کی ترجمانی کرتی ہے۔اس لئے ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی و ھذا حق لا یعتریہ شک

تیسری روایت اور اس کا جواب:

سوم۔کتاب احتجاج ص ۲۰۲ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث درج ہے آپ نے فرمایا لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل۔ترجمہ۔میں ابوبکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں البتہ ابوبکر

فضیلت میں برتر ہیں پھر جس شخص کو امام باقرؑ افضل سمجھتے ہوں اس کی فضیلت کا انکار کرنا شقاوت ہے۔ (آفتاب ص ۱۰۳)

الجواب:

شقاوت وہ نہیں بلکہ شقاوت وطغاوت بلکہ خدائی احکام کی کھلی ہوئی بغاوت یہ ہے کہ ہدایت قوم کے دعویدار ہو کر نام ونہاد آفتاب ہدایت نامی کتاب کے مؤلف ہونہار ہو کر اور بزعم خویش صدیق کے تابعدار ہو کر ایسی خیانت مجرمانہ وروش منافقانہ کا ارتکاب کریں کہ معلم ملکوت بھی شرما جائے افسوس جب قوم کے نام نہاد علماء کا یہ حال ہو تو پھر ان کے مقتدیوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ تو زیر لب یہی گنگناتے ہوں گے

ے ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں ☆ رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

مختصر یہ کہ یہ استدلال انتم سکاری کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کے ساتھ تمسک کرنے کی بدترین مثال ہے۔ احتجاج طبرسی کی جس روایت کا یہ جملہ یہاں نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس طویل مکالمے کا اک فقرہ ہے۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے درمیان فضائل ثلاثہ کے موضوع پر ہوا تھا اور امام نے اپنے بیان معجز نظام سے ثلاثہ کی فضیلت میں قاضی یحییٰ کی پیش کردہ چند وضعی احادیث کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھیر دی تھیں قاضی ایک ایک کر کے فضائل ثلاثہ میں وہ حدیثیں پیش کرتا رہا اور امام عقلی ونقلی دلائل سے انہیں باطل قرار دیتے رہے۔ اس وقت احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف ہمارے سامنے موجود ہے اس کے صفحہ 147 تا 148 پر یہ پورا مکالمہ موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو احتجاج طبرسی دیکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ورنہ صفحے غلط ہوتے اور نہ امام محمد تقیؑ کی بجائے امام محمد باقر علیہ السلام کا نام درج ہوتا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں قاضی نے کہا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان حق بولتی ہے۔ امام علیہ السلام نے اس کے رد میں فرمایا۔ لست بمنکر فضل عمر ولکن اباب کر افضل من عمر فقال علی راس المنکر ان لی شیطاناً یعترینی فاذا ملت فسدّدونی۔ میں عمر کی فضیلت کا انکار نہیں کرتا (بشرطیکہ ثابت ہو) مگر ابوبکر عمر سے افضل ہے (جیسا کہ مخاطب کا عقیدہ تھا تو جو افضل تھا) اس (ابوبکر) نے تو برسر منبر کہا تھا کہ میرا ایک شیطان ہے جو مجھ پر مسلط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب میں راہ راست سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا (ملاحظہ ہو الامۃ والسیاسۃ ص ۱۳ طبع مصر) امام کا مطلب یہ تھا کہ جس کو تم افضل مانتے ہو جب اس کا یہ حال ہے کہ وہ شیطانی تسلط وغلبہ سے محفوظ نہیں تھا تو جو مفضول ہے اس کی زبان پر ہر وقت حق کس طرح جاری ہو سکتا ہے؟ اربابِ انصاف فرمائیں کہ اس طرح امام کے قول سے ابوبکر وعمر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا سراسر ان کی فضیحت ہوتی ہے۔

ع نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

امام علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب سمجھنے کے لئے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی بھی ضرورت ہوتی ہے ومن لم یجعل

اللہ لہ نوراً فمالہ من نور۔

چوتھی روایت اوراس کا جواب:

چہارم کتاب مجالس المومنین مجلس سوم ص ۸۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ حضور حضرت ابوبکر کی شان میں صحابہ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابو بکر بصوم و صلوٰۃ و لکن بشئی و ترفی قلبہ ترجمہ۔ ابوبکر نے تم سے زیادہ نماز وروزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ اس کے صدق وصفا قلبی کی وجہ سے اس کی عزت ووقار بڑھا ہے۔ (آفتاب ص ۱۰۳)

الجواب:

حسب عادت یہاں بھی مؤلف نے خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ اور روایت کے نقل کرنے میں لفظی ومعنوی تحریف کی ہے۔ لفظی اس طرح کہ ایک تو اس کے ماقبل و مابعد کو نظر انداز کر دیا ہے دوسرے اس طرح کہ فی صدر کو فی قلبہ لکھا ہے پوری روایت دیکھنے کے بعد ابوبکر کی فضیلت کی جگہ رذیلت ثابت ہوتی ہے۔ منقولہ بالا عبارت کا پہلا حصہ یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے بڑی حکمت عملی اور بحصول جاہ وتوسعہ دستگاہ امیدوار گردانید تا آنکہ ب آں طمع مسلمان شد"۔ یعنی آنحضرتؐ نے ابوبکر کو مال وجاہ کا طمع دلایا یہاں تک کہ وہ اسی لالچ میں آکر مسلمان ہو گیا اس کے بعد آنحضرتؐ ہمیشہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابو بکر بصوم و صلوٰۃ و لکن بشئی دقر فی صدرھو مراد آنحضرتؐ در سینہ ابوبکر نہادہ شد حب ریاست کہ ب آں مفتون شدہ باز گشت نمود یعنی آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ ابوبکر کے سینہ میں حب ریاست جاگزیں ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام لایا ہے (سابقاً فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں پیش کردہ آیات میں سے پہلی آیت کے جواب میں بذیل ایمان ابی بکر بحیرا راہب کے طمع دلانے پر ابوبکر کا ایمان لانا سرداران اسلامی کی کتابوں کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے) یہ درست ہے کہ جس وقت ابوبکر اسلام لائے اس وقت پیغمبر اسلام کے پاس کوئی مال ومنال اور دنیوی جاہ وجلال نہ تھا مگر ابوبکر کو چونکہ بحیرا راہب کی پیشگوئی پر مکمل ایمان تھا اس لئے اس انعام کے لالچ میں اسلام کا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں فی الجملہ زحمتیں بھی برداشت کیں۔ جس طرح لوگ امتحان میں کامیابی کے بعد والی سہولتوں کے پیش نظر تیاری کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ ورنہ انہوں نے نماز وروزہ کی ادائیگی میں تم لوگوں پر کوئی سبقت حاصل نہیں کی۔ اس سے تو ابوبکر کے سابق الاسلام ہونے والا نظریہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ سابق الاسلام ہوتے تو سابق فی الصوم والصلوٰۃ بھی ضرور ہوتے۔

معنوی تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ۔ ولکن بشئی وقر فی صدرہ کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ابوبکر نے

نماز روروزہ ادا کرنے کی وجہ سے تم پر سبقت نہیں کی بلکہ بوجہ اس چیز کے سبقت کی ہے جو ان کے سینہ میں مرکوز وجاگزین وساکن ہے۔ لفظ وقر باب وقر یقر (مجرد) بروزن وعد یعد کی ماضی مجہول کا صیغۂ واحد مذکر غائب ہے جس کا مصدر وقر ہے اور جس کے معنی جاگزین ہونے کے ہیں اسے باب تفصیل سے یا وقر بروزن شرف جس کے معنیٰ عزت وقرار کی ہے قرار دینا اور پھر اس کا صلہ ''فی'' بنانا کلام عربی سے اپنے نابلد ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے اور پھر اس کا ترجمہ یوں کرنا بلکہ اس کے ''صدق وصفا قلبی کی وجہ سے اس کی عزت ووقار بڑھا ہے'' عجائبات روزگار میں سے ہے۔

؎ نے فروعت محکم آید نے اصول ☆ شرم باید از خدا و از رسول

ایضاح:

ہم نے لفظ وقر کی جو تشریح کی ہے اس کے لئے عربی زبان کی مشہور لغت قاموس جلد ۲ ص ۱۵۵، ۱۵۶ طبع مصر۔ مشہور لغت القرآن والحدیث مجمع البحرین ص ۳۲۵ طبع ایران اور مفردات راغب اصفہانی ص ۵۵۱ طبع مصر دیکھی جاسکتی ہیں۔

پانچویں روایت اور اس کا جواب:

پنجم شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۲۲۰ میں یہ روایت درج ہے سئل الامام علیہ السلام الخ۔۔۔ (بحذف عبارت) ترجمہ امام محمد باقر علیہ السلام سے تلوار کو مرصع کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا جائز ہے کیونکہ ابوبکر نے اپنی تلوار کو مرصع کیا ہے۔ راوی کہنے لگا آپ اس کو صدیق کہتے ہیں؟ امام غضبناک ہو کر اپنے مقام سے اٹھے اور کہنے لگے بہت اچھا صدیق بہت اچھا صدیق بہت اچھا صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے خدا اسے دنیا وآخرت میں جھوٹا کرے۔'' (آفتاب ص ۱۰۴)

الجواب:

کشف الغمہ جناب شیخ ابوالفتح اربلی کی تالیف ہے اور اس کا موضوع فضائل ومناقب ائمہ اطہارؑ کا بیان کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ فریقین کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ خود مؤلف علیہ الرحمہ نے کتاب کے مقدمہ میں وضاحت کردی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اکثر حدیثیں مخالفین کی کتابوں سے ان پر اتمام حجت کرنے کے لئے نقل کی ہیں چنانچہ مذکورہ بالا روایت ابوالفرج بن جوزی (متعصب سنی عالم) کی کتاب صفوۃ الصفوۃ سے لی گئی ہے جیسا کہ اسی کتاب کے ص ۲۲۰ سطر ۱۴ پر مرقوم ہے ''قال الشیخ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن الجوزی رحمۃ اللہ فی کتاب صفوۃ الصفوۃ الخ'' اور اسی صفحہ کی سطر ۳۱ پر صراحت موجود ہے کہ اخر کلام ابن الجوزی فی هذا الباب۔ لہٰذا یہ کلام مریدانِ ثلاثہ کے لئے تو سند ہوسکتا ہے۔ مگر شیعیان حیدر

کرار کے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا۔ستم ظریفی دیکھئے کہ کشف الغمہ میں اہلسنت کی کتاب کا نام موجود ہے۔اس کے متعصب مؤلف کا نام مذکور ہے۔عبارت کی ابتداء وانتہاء مسطور ہے مگر بایں ہمہ عوام کو یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ ص ۲۲۰ مطبوعہ ایران میں یہ روایت درج ہے سچ ہے۔**اذاالقیت جلباب الحیاء فاصنع ماشئت** یعنی

ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

مخفی نہ رہے نعم الصدیق میں نعم حرف ایجاب کو جس کے معنی ہیں ہاں وہ صدیق ہے جو کسی سوال کے جواب میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے افعال مدح میں سے قرار دیتے ہوئے اسے نعم پڑھ کر ترجمہ یوں کرنا ''بہت اچھا صدیق'' یہ آفتاب ہدایت کے نوادرات وعجائبات سے ہے ایک اعجوبہ فافہم

ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

چھٹی روایت اور اسکا جواب:

ششم کتاب ناسخ التواریخ جو شیعہ کی مستند کتاب ہے اسکی جلد ۲ ص ۵۶۳ میں ہے''واز پس اوّل (زید بن حارثہ) ابوبکر مسلمان شد الخ (بحذف عبارت فارسی)'' ترجمہ اور زید بن حارثہ کے بعد ابوبکر مسلمان ہوئے ان کا نام عبداللہ اور لقب عتیق اور کنیت ابوبکر ہے اور بیٹے ابوقحافہ کے ہیں جن کا نام عثمان ہے۔ان کا نسب یوں ہے۔عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی۔ابوبکر علم انساب خوب جانتے تھے اور ان کا نسب بھی محفوظ تھا اور بعض قریشیوں سے ان کی خوب محبت تھی۔چند اشخاص کو انہوں نے خفیہ دعوت اسلام دی اور پیغمبر کے پاس لائے۔آپؐ نے ان پر اسلام پیش کیا سب سے پہلے جو ترغیب ابوبکر پر مسلمان ہوئے تھے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی تھے۔دوسرے شخص زبیر بن عوام بن خویلد بن عبدالعزی بن قصی تھے۔یہ زبیر حضرت خدیجہ علیہا السلام کے بھتیجے تھے۔تیسرے شخص عبدالرحمن بن عبدعوف بن عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی تھے اور چوتھے سعد بن ابی وقاص جن کا نام مالک تھا وہ بیٹے اہیب بن عبدمناف بن مرہ بن کعب بن لوئی اور پانچویں طلحہ بن عبداللہ بن عثمان بن عمرو بن معد بن قیم بن مرہ بن کعب بن لوئی ہیں۔یہ سب لوگ ابوبکر کے دوستوں میں سے تھے اور انہی کہ راہنمائی سے یہ سب اسلام لائے اور ابوبکر کے بعد عبیدہ اسلام لائے۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بڑے پایہ کے شخص تھے اور برگزیدہ خاندان قریش تھے۔پہلے ہی ان کا نام (عبداللہ) ہیں توحید کی جھلک موجود تھی۔علم الانساب کی خاص مہارت رکھتے تھے اور محفوظ النسب تھے۔ان کے طفیل بڑے بڑے اکابر قریش اسلام میں داخل ہوئے۔کیا ایسا شخص منافق ہوسکتا ہے؟ **کبرعت کلمۃ تخرج من افواھھم** (آفتاب ص ۱۰۵)

الجواب:

جہاں تک ابوبکر کی بلند پائیگی اور خاندان قریش میں سے برگزیدگی کا تعلق ہے اسکے لئے امام طبری کا یہی بیان کافی ہے جو انہوں نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۲۰، ۲۲۱ طبع مصر میں درج کیا ہے۔ ''**کان ابو بکر قبل ان یشتغل بامر المسلمین تاجراً یغرو کل یوم فی السوق یبتاع الثیاب و کانت لہ قطعۃ غنم الخ**'' ابوبکر خلافت ملنے سے پہلے بازاروں میں پھیری پر کپڑا بیچا کرتے تھے اور چند بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ جنہیں خود چراتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا چراتا تھا نیز قبیلہ کی بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے۔ نام خواہ عبداللہ ہو اور خواہ عتیق۔ اظہار اسلام سے قبل ان کی اصنام پرستی اور دیار کفر وشرک کی کوچہ گردی وہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا نہ کبھی خود انہوں نے انکار کیا تھا اور نہ ان کے مریدان صفا کیش قیامت تک اس پر پردہ ڈال سکتے ہیں۔ تاریخ میں بیسیوں کفار کے نام عبداللہ مذکور ہیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کا اسم گرامی بھی حضرت عبداللہ تھا۔ مگر مولوی کرم دین کے امام اعظم کا فتویٰ یہ ہے کہ **و والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر** (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰، ۱۳۱ طبع لاہور) یعنی آنحضرت کے والدین کی بحالت کفر وفات ہوئی (العیاذ باللہ) یہاں کیوں نہیں کہا کہ ان کے نام میں توحید کی جھلک تھی۔

؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور جہاں تک ان کی نسب دانی کا تعلق ہے یہ ایک ایسا علم ہے کہ **لا ینفع من علمہ و لا یضر من جھلہ** اپنے عالم کو (آخرت میں) کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور جاہل کو کوئی نقصان نہیں دیتا اور جہاں تک ابوبکر کے نسب کی صحت کا تعلق ہے شیعوں نے کبھی ان کے نسب میں قدح نہیں کی اور کر بھی کیونکر سکتے ہیں جبکہ محمد بن ابی بکر اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی اسی خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اسلام سب سے زیادہ تقویٰ وطہارت پر نظر کرتا ہے نہ کہ خاندان اور نسب وغیرہ ''**ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم**'' اور جہاں تک ان کے اکابر قریش کو داخل اسلام کرنے کا تعلق ہے۔ تو اسکے متعلق گذارش ہے کہ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں جن اکابر کے نام گنوائے گئے ہیں وہ سب کے سب دشمنان اہلبیت رسول ہیں ایک سردار نے اہلبیت کی خلافت غصب کی۔ تیسرے نے پہلے کے لئے فضائے خلافت ہموار کی۔ دوسرے اور پانچویں نے جنگ جمل میں امام برحق کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور چوتھے نے چوتھے مرتبہ پر بھی جناب امیرؑ کی بیعت نہیں کی اور اسی کا تربیت یافتہ شقی ازلی عمر بن سعد تھا۔ جس نے کربلا کے میدان میں خاندان مصطفیٰؐ کے خون ناحق کے ساتھ ہولی کھیلی۔ یہ تھے ابوبکر صاحب کے مسلمان کردہ دوست۔ گویا کہ این خانہ ہمہ آفتاب است۔ اے کاش! کہ ابوبکر ان لوگوں کو مسلمان نہ بناتے اور نہ یہ لوگ آل محمد پر مظالم کے پہاڑ گراتے۔

؎ ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اظہار حقیقت:

مخفی نہ رہے کہ ناسخ التواریخ ہماری کتب معتبرہ مستندہ میں سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک عام تاریخی کتاب ہے جس میں ہر قسم کا رطب و یابس مواد موجود ہے اور اس کے مؤلف لسان الملک مرزا محمد تقی معروف بہ سپہر کاشانی مرحوم ایران کے سابق شاہی خاندان قاچار کے فرد اور عربی و فارسی کے اچھے ادیب تھے مگر ان کا شمار مجتہدین عظام تو کجا علماء کرام میں بھی نہیں ہوتا۔ لہذا ناسخ التواریخ کو شیعہ کی بڑی مستند کتاب اور سپہر مرحوم کو نہ صرف عالم بلکہ مجتہد اعظم ظاہر کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا جیسا کہ برادران اسلامی کیا کرتے ہیں دیانت و امانت کے سراسر منافی ہے۔ **اعاذنا اللہ منہ و جمیع اھل الایمان۔**

ساتویں روایت اور اس کا جواب:

ہفتم تفسیر مجمع البیان طبرسی (شیعہ کی معتبر تفسیر ہے) تفسیر آیت **الذی جاء بالصدق و صدق بہ فالئک ھم المتقون** ترجمہ۔ اور جس نے تصدیق کی اس کی وہی لوگ متقی ہیں۔ میں لکھا ہے "**قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ و صدق بہ ابو بکر**" ترجمہ جو شخص آیا ساتھ صدق کے وہ رسول خدا ہیں اور جس نے تصدیق کی ان کی اس سے مراد ابو بکر ہیں (آفتاب ص ۱۰۵)

الجواب:

اس سلسلہ کی دوسری روایت کے جواب میں اس حقیقت کا انکشاف کیا جا چکا ہے کہ علامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ طریق کار اختیار کیا ہے کہ وہ جہاں حقیقی وارثان قرآن یعنی آئمہ اہلبیت علیہم السلام کا فرمان پیش کرتے ہیں وہاں بالصراحت مخالف مفسرین کے اقوال بھی درج کرتے ہیں اور جہاں تصریح نہ ہو بلکہ صرف "قیل" کہہ کر کوئی قول نقل کریں تو وہ قول بھی بالعموم مخالفین کا ہوتا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ "قیل" (کہا گیا ہے) اس قول کے ضعیف ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ بناء بریں یہ قول مفسرین اہلسنت کا ہے جو شیعوں پر حجت نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اسی قول کے آخر میں تصریح موجود ہے کہ **عن ابی العالیۃ و الکلبی۔** یعنی اس قول کے قائل ابو العالیہ اور کلبی سنی ہیں۔ جہاں تک روایت معصومینؑ کا تعلق ہے تو مفسر موصوف نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے **الذی جاء بالصدق و صدق بہ علی بن ابی طالب المروی عن ائمۃ الھدیٰ محمد و ال محمد** (تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۴۷۹) **و ھو الحق لان الحق مع علی و علی مع الحق۔** یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جو ناظرین کتاب پر ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ نہ معلوم یہ لوگ جان بوجھ کر ابلہ فریبی کرتے ہیں یا ایسے کورے ہیں کہ ایسی واضح بات بھی نہیں سمجھ

سکتے۔

؎ ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ ☆ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

آٹھویں روایت اور اس کا جواب:

ہشتم۔ کتاب معرفۃ الرجال (معروف بہ رجال کشی) مطبوعہ بمبئی ص ۳۰ میں یہ حدیث بروایت بریدہ اسلمی درج ہے۔ قال سمعت ابا دائو دقال حدثنی بریدہ الاسلمی قال سمعت رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ و سلم یقول الجنۃ تشتاق الی ثلاثہ فجاء ابو بکر فقال انت الصدیق انت ثانی اثنین اذھما فی الغار فلو سئلت رسول اللہؐ من ھولاء الثلاثہ۔ ابوداوٗد کہتے ہیں کہ مجھے بریدہ نے بتایا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ بہشت تین شخص کا مشتاق ہے۔ اتنے میں ابوبکر آگئے تو حضورؐ نے فرمایا تو صدیق ہے تو دوسرا آدمی ہے جو غار میں تھے۔ راوی کہتا ہے۔ کاش میں حضورؐ سے پوچھتا کہ وہ تین کون ہیں (آفتاب ص ۱۰۷)

الجواب:

جس حدیث سے یہ اقتباس لیا گیا ہے وہ رجال کشی طبع بمبئی کے ص ۲۰ پر موجود ہے اور مولف نے اس سے اس اقتباس کے لینے میں خیانت و بددیانتی کی انتہا کردی ہے۔ کچھ الفاظ بدل دیے کچھ الفاظ کو غلط پڑھ کر غلط ترجمہ کیا اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہو کر رہ گیا ہے پوری عبارت دیکھنے سے نہ صرف ابوبکر بلکہ ان کا ہم پیالہ و ہم نوالہ جناب عمر کی بھی انتہائی رسوائی ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی تحریف: الفاظ روایت میں ہے فقیل لہ جب ابوبکر آئے تو ان سے کہا گیا تو صدیق ہے تو دو کا دوسرا ہے جب وہ غار میں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنے والے رسول خدا نہ تھے بلکہ کوئی اور شخص تھا اس "قیل لہ" کو بدل کر "قال" بنایا گیا تا کہ ضمیر کا مرجع رسول خدا کو بنایا جاسکے کہ حضور نے فرمایا تو صدیق ہے۔

دوسری تحریف: فلو سئلت رسول اللہؐ یہ سئلت مخاطب کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ کہ حاضرین نے ابوبکر سے کہا کہ اگر تم رسول سے پوچھ لیتے تو اچھا ہوتا کہ وہ تین بزرگوار کون ہیں جن کی جنت مشتاق ہے؟ اسے سَئَلتُ متکلم کا صیغہ پڑھ کر روای کا قول قرار دیا گیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ کاش میں حضور سے پوچھتا۔

تیسری تحریف: یہ کی گئی ہے کہ روایت کا تتمہ جس کے بغیر مطلب ادھورا رہ جاتا ہے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے اور پھر خاموش ہو گئے اس اثناء میں ابوبکر آگئے۔ ان سے کہا گیا تم صدیق

ہو غار میں ثانی اثنین ہو۔ کتنا بہتر ہو کہ تم رسول سے دریافت کرو کہ وہ تین شخص کون ہیں؟ ابوبکر نے کہا مجھے سوال کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ان میں میرا نام نہ ہوا تو بنی عدی کے لوگ مجھے طعنے دیں گے۔ پھر عمر آئے ان سے یہ کہہ کر استدعا کی گئی کہ تم فاروق ہو تم آنحضرتؐ سے دریافت کرو کہ وہ تین بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان میں میرا نام نہ نکلا تو بنی تیم میرا مذاق اڑائیں گے۔ بعدازاں حضرت امیر علیہ السلام تشریف لائے ان کی خدمت میں استدعا کی گئی۔ وہ دریافت کرنے پر فوراً آمادہ ہو گئے اور فرمایا اگر ان میں میرا نام شامل ہوا تو خدا کی حمد کروں گا اور اگر نہ ہوا تب بھی حمد باری کرونگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تین حضرات کون ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ان میں سے پہلے تو تم ہو دوسرے سلمانؓ اور تیسرے عمار بن یاسر''۔ (رجال کشی ص ۲۰، ۲۱) **فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید۔**

نویں روایت اور اس کا جواب:

نہم۔ حتجاج طبرسی بروایت امیر المومنین یہ حدیث درج ہے کہ **کنا مع النبی صلی اللہ علیہ و سلم علی جبل حراء اذ تحرک الجبل فقال لہ قر فانہ لیس علیک الا نبی و صدیق و شہید**۔ ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے ساتھ حرا پر تھے تو پہاڑ نے جنبش کی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، دوسرا صدیق اور تیسرا شہید بیٹھے ہیں۔ کیا ان دو روایتوں کو پڑھ کر بھی شیعوں کو حضرت ابوبکر کی صدیقیت میں کچھ شک باقی رہے گا؟ (آفتاب ص ۱۰۶)

الجواب:

ابوبکر کی صدیقیت تو ثابت ہونے سے رہی۔ البتہ نقل روایات میں آپ کی یہ کارستانی دیکھ کر آپ کے کذاب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مولف نے احتجاج طبرسی دیکھی ہی نہیں ہے (جب ہی تو صفحہ ندارد ہے) اور اگر دیکھی ہے تو پھر فریب دہی اور دسیسہ کاری کے کسی سکول میں باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ مولف کتاب اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکا ہے اور اپنے کردار کی جزاو سزا پا رہا ہوگا اگر زندہ ہوتا تو ہم اسکا گریبان پکڑ کر پوچھتے کہ اس روایت میں جمع متکلم کا جو صیغہ موجود ہے کہ ''ہم پیغمبر کے ساتھ جبل حرا پر تھے''۔ اس ''ہم'' سے کون حضرات مراد ہیں؟ اس وقت احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ حدیث جس سے یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے احتجاج کے ص ۱۱۱ سے ص ۱۲۰ تک پورے دس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور متعلقہ عبارت ص ۱۱۶ پر موجود ہے۔ مگر اس تمام عبارت میں ابوبکر کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ بنابریں نبی حضرت رسول خداؐ اور صدیق و شہید حضرت امیر علیہ السلام قرار پاتے ہیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اصل عبارت یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

قم جبل فانه لیس علیک الا نبی او صدیق و شہید اے پہاڑ ٹھہر جا تجھ پر سوائے نبی یا صدیق وشہید کے اور کوئی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ صدیق وشہید ایک ہی شخص کے دوعنوان ہیں۔اس صورت حال میں اسے ابوبکر کی صدیقیت سے کیا واسطہ؟

ے سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ☆ ببین تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

دسویں روایت اور اس کا جواب:

دہم۔نہج البلاغت جوشیعوں کی مستند کتاب ہے جس میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبات اور اقوال درج ہیں لکھا ہے۔ للہ بلاد فلاں فلقد قوم الاو دو دادی العمد۔(بحذف عبارت) ترجمہ خدا فلاں (ابوبکر) پر رحمت کرے کجی کو سیدھا کیا ہماری (جہالت) کا علاج کیا۔سنت رسول کو قائم کیا۔بدعت کو پیچھے چھوڑا۔دنیا سے پاک اور کم عیب ہو کر گزر گیا۔خوبی کو پالیا اور شر وفساد سے پہلے چلا گیا۔خدا کی بندگی کا حق ادا کیا۔اور تقویٰ جیسا کہ چاہیے اختیار کیا۔فوت ہو گیا اور لوگوں کو پیچ در پیچ راستوں میں چھوڑ گیا کہ گمراہ کو راستہ نہیں ملتا اور راہ پانے والا یقین نہیں کرتا (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد اول ص ۲۵۰) شارحین نہج البلاغہ نے لفظ فلاں سے ابوبکر یا عمر مراد لیا ہے دیکھو اس خطبہ میں علی المرتضیٰ صدیق کی کیسی تعریف فرماتے ہیں (آفتاب ص ۱۰۵)

الجواب:

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ نہج البلاغہ میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبات اور اقوال درج ہیں۔پھر بھی اسے شیعوں کی کتاب قرار دینا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی صرف شیعوں کے امام ہیں ۓ رضینا قسمة الجبار فینا۔ بہرکیف یہ عبارت بھی بچند وجہ مؤلف کے لئے مفید مطلب نہیں ہے۔

اولاً شارحین نہج البلاغہ میں شدید اختلاف ہے کہ اس ''فلاں'' سے مراد کون ہے؟ کسی نے اس سے ابوبکر کسی نے عمر، کسی نے محمد بن ابوبکر اور بعض نے حضرت سلمان کو اور بعض نے جناب امیر کے زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے ان بعض ساتھیوں کو مراد لیا ہے۔ جو آنحضرتؐ کے بعد پیدا ہونیوالے فتنہ وفساد اور وبائے ارتداد سے پہلے راہی ملک بقا ہو گئے۔چنانچہ

ہر کس بقدر فہمش فہمید مدّعا را

فاضل علی بن الناصر نے اعلام نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔''مدح بعض اصحابہ بحسن السیرۃ و انہ مات قبل الفتنۃ التی وقعت بعد رسول اللہ علیہ و آلہ'' اسی طرح فاضل راوندی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے''انما اراد بعض اصحابہ فی زمن رسول اللہ ممن مات قبل وقوع الفتنۃ و انتشارھا (علی ما نقل عنھما) لھذا بموجب اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

''جب تک ممدوح کی تعیین نہ ہوجائے۔اس وقت تک یہ استدلال نا قابل اعتماد تصور کیا جائے گا۔

ثانیاً اگر یہاں فلاں سے مراد ابوبکر یا عمر کو لیا جائے تو پھر خطبہ شقشقیہ میں جہاں حضرت امیر علیہ السلام نے لقد تقمصھا فلاں فرما کر اس ''فلاں'' کی سخت مذمت فرمائی ہو اس سے مراد بھی ابوبکر یا عمر کو لینا پڑے گا۔اس طرح امام کے کلام معجز نظام میں تناقض پیدا ہوجائے گا جس سے امام کی شان بلند ہے۔لیکن چونکہ خطبہ شقشقیہ کی مذمت والے کلام میں تو بالاتفاق فلاں سے مراد ابوبکر ہیں جیسا کہ دیگر دلائل کے علاوہ خود خلی قرائن قطعیہ سے واضح ہے۔اس لئے اس بظاہر مدح والے کلام سے کوئی اور شخص مراد لینا پڑے گا۔(وھوالمقصود)

ثالثاً اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔کہ اس سے ابوبکر یا عمر مراد ہیں۔تو چونکہ امام کا یہ کلام ذووجھین ہے اس سے مدح و مذمت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں۔اسلئے اس مجمل کلام سے وہ معنیٰ مراد لئے جائیں گے جو آنجنابؑ کے دوسرے مفصل کلام کے عین مطابق ہوں۔اور وہ اسطرح ہو سکتے ہیں۔

(۱) کجی کو سیدھا کیا (یعنی بہ نسبت ثالث شورش پسندوں کی سرکوبی کی) یا معنیٰ یہ ہیں کہ کجی کو اور زیادہ مضبوط کیا۔بنابرانکہ تقویم کے معنی مضبوط کرنے کے کئے جائیں (۲) مرض (فتنہ) کا علاج کیا۔یعنی ظاہری نظام حکومت اچھا رکھا۔یا یہ کہ ستون (کج) کھڑا کیا۔ (۳) فتنہ وفساد کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی بعد میں آنے والے کی حالت اس سے ابتر تھی۔(۴) خود ساختہ سنت کو قائم کیا (یعنی دین میں بدعتیں پھیلائیں (۵) صاف لباس سے گیا۔یعنی بنسبت خلیفہ سویم اس کا ظاہر اچھا تھا۔جب ہی تو لوگوں نے زیادہ شور نہیں مچایا۔یہ مطلب نہیں ہے کہ باطن بھی پاک وصاف تھا۔(۶) بہ نسبت خلیفہ ثالث کے کم عیب تھا۔یہ مطلب نہیں کہ بالکل بے عیب تھا (۷) حکومت کے خیر یعنی مال ومتاع کو حاصل کیا (۸) آتشِ فساد بھڑکنے سے پہلے فوت ہوگیا۔(۹) اپنے خیال کے مطابق خدا کی اطاعت کی کہ بدعات کو عبادات سمجھا۔(۱۰) بہ نسبت خلیفہ ثالث ظاہری نقائص سے بچتا رہا ثالث بالخیر کی طرح کھل کر نہیں کھیلا۔(۱۱) در پردہ دین کا نقشہ ایسا بدل گیا اور اسکا حلیہ ایسا بگاڑا گیا۔کہ گمراہ راہ نہیں پاتا۔اور راہ پانے والا یقین نہیں کرتا۔آخر کلام میں آنجنابؑ نے قدرے کھل کر مذمت آمیز جملے ارشاد فرمائے ہیں۔تاکہ پہلے ذومعنیٰ فقروں کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدومعاون ثابت ہوں (از ابطال الاستدلال)

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ☆ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

گیارہویں روایت اوراس کا جواب:

یازدھم:۔ تزویج فاطمہ کی تحریک ابوبکر نے کی۔جلاء العیون اردو جلد اول ص ۱۷۸ میں درج ہے (اس روایت کا لب لباب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوبکر، عمر اور سعد بن معاذ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اشراف قریش نے آنحضرتؐ سے

جناب فاطمہ کی خواستگاری کی۔ مگر حضرتؐ نے یہی جواب دیا کہ انکا اختیار پروردگار کو ہے۔ اور حضرت علیؑ نے اس بارہ میں کچھ نہیں کیا۔ ہمیں گمان ہے کہ سوائے تنگدستی کے انہیں کوئی امر مانع نہیں۔ خدا اور رسولؐ نے فاطمہ کو بے شک علی کیلئے رکھا ہوا ہے۔ اٹھو علیؑ کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگر تنگدستی مانع ہے تو ان کی مدد کریں گے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کے گھر گئے اور دریافت کرنے پر آنے کا مقصد بیان کیا۔ کہ ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن! کوئی فضیلت فضیلتہائے نیک سے نہیں ہے مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔ ''تم کو کیا چیز فاطمہؑ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری ہوئے اور فرمایا۔ کون ایسا ہوگا جو فاطمہ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو؟ ولیکن بہ سبب تنگ دستی۔ اظہار سے شرم آتی ہے۔ الغرض ان لوگوں نے حضرتؑ کو راضی کیا کہ رسول اللہؐ کے پاس جا کر خواستگاری کریں۔ الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو کس قدر خیر خواہی امیر علیہ السلام کی مطلوب تھی۔ کہ اس مبارک رشتہ کی تحریک کی۔ کیا دشمن بھی کسی کی خیر خواہی کیا کرتے ہیں۔ (آفتاب ص ۱۰۷)

الجواب:

قبل ازایں نویں آیت کے جواب میں اس موضوع پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیاں ملانے سے یہ بات صبح صادق کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اس تحریک میں فی الواقع خلوص اور جذبۂ ہمدردی کارفرما نہ تھا بلکہ صرف اپنی خفت کا داغ مٹانے اور جناب امیر کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے یہ سب کارروائی عمل میں لائی گئی تھی۔ اور اسکی چند وجوہ ہیں۔ (۱) جبکہ شیخین عمر رسیدہ کئی کئی بیویوں کے شوہر، متعدد اولاد کے والد تھے۔ اور دوسری طرف جناب امیر علیہ السلام نوجوان غیر شادی شدہ تھے تو اگر وہ اس تحریک میں مخلص تھے تو پہلے اس مقدس رشتہ کی اپنے لئے تحریک کیوں کی تھی؟ (جو کہ جلاء العیون کے اسی صفحہ پر مذکورہ بالا عبارت سے صرف ایک سطر پہلے مذکور ہے۔) پہلے ہی جنابؑ کو یہ مشورہ کیوں نہ دیا؟ (۲)۔ جب ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے تنگ دستی کی وجہ سے تا حال خواستگاری نہیں کی اور انہوں نے ان سے مالی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ تب جناب امیر نے خواستگاری کی اور آنحضرتؐ نے اسے شرف قبولیت بخشا تو پھر اپنی پیشکش کے مطابق مالی امداد کیوں نہیں کی؟ حتیٰ کہ جناب امیر نے اپنی زرہ فروخت کر کے شادی کے اخراجات برداشت کئے۔ (جیسا کہ بارھویں دلیل میں خود مؤلف نے اس کا اقرار کیا ہے) (۳)۔ حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول شیخین کے جب ''جمیع قریش (جن میں خود شیخین بھی شامل تھے) نے فاطمہؑ کی خواست گاری کی اور حضرت نے قبول نہ کی'' اور ٹکا سا جواب ملا۔ تو یہ لوگ بہت خفیف ہوئے اسلئے اس خفت کو ہلکا کرنے یا اس رسوائی میں اپنے ساتھ شریک کرنے کیلئے جناب امیر سے تحریک کی کہ ان کو بھی نفی میں جواب ملے گا۔ مگر بموجب ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے''۔ ادھر حضرت امیر علیہ السلام نے خواستگاری کی۔ اُدھر بارگاہ نبویؐ میں فوراً قبول ہوئی۔ گویا خدا اور رسولؐ ان کی خواست گاری کا انتظار کر رہے تھے۔

اور آنجناب ؑ کو وہ شرف حاصل ہوا۔ کہ اس میں کوئی انکا شریک و سہیم نہیں ہے۔ ذالک فضل اللّٰہ یو تیہ من یشاء۔

اظہار حق:

ابوبکر کے اس بیان سے ''اے ابوالحسن ؑ کوئی فضیلت فضیلت ہائے نیک سے نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔'' سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امیر ؑ رسول ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ مگر مریدان ابی بکران کو علیؑ سے افضل بتاتے ہیں۔ کیا یہ مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ نہیں ہے؟ مالکم کیف تحکمون؟

بارھویں روایت اور اُس کا جواب:

دوازدھم۔ جہیز فاطمہ ابوبکر ؓ نے خرید کیا۔ چنانچہ جلاء العیون اُردو ص ۱۶۳ پر مذکور ہے: ''جناب امیر نے فرمایا۔ حضرت رسول ؐ نے مجھے حکم دیا۔ یا علیؑ اٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ قیمت لایا اور روپے حضرت کے دامن میں ڈال دیئے۔ ایک مٹھی روپیہ لیا اور بلال کو بلا کر دیا۔ اور فرمایا۔ فاطمہ کے لئے عطر و خوشبو لے آ۔ پس ان درہم سے دو مٹھیاں لیکر ابوبکر کو دیں اور فرمایا۔ بازار میں جا کر کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہے لے آ۔ بس ایک عمار بن یاسر اور جماعت صحابہ کو ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور سب بازار میں پہنچے۔ بس ایک پیراہن سات درہم کو۔ ایک مقنعہ چار درہم کو (الغرض چند ضروری اشیاء خانہ خریدیں) اسباب مذکور اٹھایا اور حضرت رسول ﷺ کی خدمت میں لائے حضرت ہر ایک چیز کو دست مبارک میں اٹھا کر ملاحظہ فرماتے اور کہتے ''میرے خداوندا! میرے اہل بیت پر مبارک کر'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی دوستی کے علاوہ حضرت رسول پاک ؐ کو بھی اسقدر بھروسہ تھا کہ جہیز فاطمہ کی خرید پر بھی وہی مامور ہوئے (آفتاب ص ۱۰۸)

الجواب:

قبل ازیں چھٹی روایت کے جواب میں تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۲۱، ۲۲۰ طبع مصر کے حوالہ سے یہ واضح کیا جا چکا ہے (اور یہ حقیقت مسلم ہے) کہ حصولِ اقتدار سے قبل ابوبکر صاحب کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ اسلئے ضرورت تھی کہ کپڑا وہ شخص خریدے جو اچھے برے نیز اس کے بھاؤ وغیرہ سے واقف ہو۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ کام ان کے سپرد فرمایا۔ اور جہاں تک ان پر آنحضرت ؐ کے اعتماد کا تعلق ہے تو آنجناب ؐ نے جناب عمار ؓ اور ایک جماعت صحابہ کو ابوبکر کے پیچھے بھیج کر ان پر عدم اعتماد ظاہر کر دیا۔ ورنہ آپ ہی بتائیں کہ اگر ان پر کلی اعتماد تھا تو پھر ان لوگوں کو ان کے پیچھے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر اس کا کیا علاج کہ

؎ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

تیرھویں روایت اوراس کا جواب:

سیزدھم۔ جلاء العیون اردو ص ۷۷ میں لکھا ہے "ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جس وقت مرض رسول کریمؐ پر سنگین دورہ ہوا۔ اس وقت ابوبکر آئے اور کہا یا حضرت! آپ کس وقت انتقال کریں گے؟ حضرت نے فرمایا میری اجل حاضر ہے۔ ابوبکر نے کہا آپ کوغسل کون دے گا؟ حضرت نے فرمایا جو میرے اہلبیت سے مجھ سے زیادہ قریب ہے الخ ابوبکر نے پوچھا کس طرح آپ پر نماز پڑھیں۔ اس وقت جوش وخروش اور غلغلۂ مردم بلند ہوا۔ اب شیعہ سے پوچھا جائے کہ ابوبکر معاذ اللہ عجیب منافق تھے۔ کہ آخر وقت بھی حضور علیہ السلام سے راز کی باتیں اور وصیتیں اسی کو سناتے رہے الخ غرض حضور کو اپنے محب صادق، ابوبکر صدیق سے اس درجہ محبت و پیار تھا۔ کہ بوقت نزع بھی اسی کو شرفِ ہمکلامی بخشا (خوشا حال ابوبکر) (آفتاب ص ۱۰۸)

الجواب:

یہ استدلال "الغریق یتشبث بکل حشیش" (یعنی ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے) کی بدترین مثال ہے ورنہ اگر مؤلف حقیقت پسندی سے کام لیتے اور معمولی غور وفکر کرتے تو یہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور استدلال پیش کر کے اپنے بودے دلائل کی تعداد میں اضافہ نہ کرتے۔ (۱)۔ اس وقت جلاء العیون طبع ایران ہمارے پیش نظر ہے اس کے ص ۳۶ پر یہ روایت موجود ہے۔ اور ثعلبی سنی عالم سے منقول ہے جو شیعوں پر حجت نہیں (۲)۔ یہ سوالات اس قدر احمقانہ ہیں کہ صاحب خلق عظیم کا ہی یہ کام تھا کہ انہوں نے ان کے جوابات دیئے۔ ورنہ انکی جگہ کوئی اور ہوتا تو ع جواب باشد خموشی کہکر خاموش ہوجاتا۔ ارباب عقل وخرد سوچیں کہ جو آدمی جاں بلب ہو۔ اسکے جسد اور تیاردار اس سے کبھی یہ بھی پوچھا کرتے ہیں۔ "آپ کس وقت انتقال کریں گے؟" اس سوال سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوال کرنیوالا بڑی بے تابی سے مرنے والے کی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ "آپ کا بازگشت کہاں ہے؟" اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ ابوبکر صاحب کو تاحال یہ بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ پیغمبر اسلام کا انجام کیا ہے؟ زہے معرفتِ ابوبکر! (۳)۔ اسمیں وصیت کی کوئی بات نہیں اور نہ کوئی راز ہے بلکہ صرف ابوبکر کے چند عامیانہ سوالات کے مختصر جوابات ہیں۔ یہ روایت "در بیان وقائع کہ در ہنگام وفات آنحضرت بظہور رسید" کے عنوان کے تحت درج ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی وصیت والا عنوان "درمیان وصیت نمودن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ" ص ۲۰ سے ص ۲۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے جو وصیتیں کرنا تھیں وہ اپنے اہل بیت کو کر چکے تھے۔ اب تو زیارت اور مزاج پرسی کرنے والوں سے حجرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جناب ابوبکر آئے اور مذکورہ بالا عاقلانہ سوالات کئے اور خلق عظیم کے مالک نے ان کے مناسب جوابات دیے۔ (۴)۔ اس بات پر کہ حجرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں

وارد ہے۔ جب ابوبکر نے یہ پوچھا کہ کس طرح آپ پر نماز پڑھیں؟ تو اس وقت جوش وخروش اور غلغلہ آواز مردم بلند ہوا۔ اب ان حقائق کی روشنی میں اہل سنت سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر بتائیں کہ آیا اس واقعہ سے ابوبکر کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا منقصت؟

؎بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

چودھویں روایت اوراس کا جواب:

چہاردہم۔ شیعہ کی متعدد کتب میں شیخین کی نسبت حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی یہ حدیث موجود ہے: ''**هما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق و ماتا علیه فعلیهما رحمة اللّٰه یوم القیامة**'' ترجمہ ابوبکر وعمر دونوں امام عادل، اور بانصاف حق پر تھے۔ حق پر ہی فوت ہوئے۔ ان دونوں پر خدا کی رحمت ہو قیامت کے دن (آفتاب ص ۱۰۹، ۱۰۸)

الجواب:

جن لوگوں کو حضرت امیر علیہ السلام کاذب، آثم، گنہگار، غدار اور خیانت کار سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نودی ج ۲ ص ۹۰) ان کے مقتدیوں سے دیانت و امانت کی توقع رکھنا خیال محال ہے۔ اگر ان لوگوں میں امانت کا کچھ رمق بھی ہوتا تو نقل روایات میں اس قدر خیانت مجرمانہ کا ارتکاب نہ کرتے۔ اور اگر دیدے کا پانی بالکل نہ ڈھلک گیا ہوتا۔ تو ہرگز ایسی روایات سے ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرتے۔ کہ اگر ان کی حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی جائے۔ تو بجائے فضیلت کے الٹا پیر ومرید ہر دو کی فضیحت ورسوائی اور جگ ہنسائی ہو۔ آہ ما اکثر العبر وما اقل الاعتبار۔

؎کاخ جہاں پر است ز ذکر گذشتگاں ☆ لیکن کسے کہ گوش دہد ایں صدا کم است

لیجئے ہم اس روایت کا سیاق وسباق، اس کا پس منظر وپیش منظر اور پھر امام کی زبانی اس کی تشریح پیش کئے دیتے ہیں تاکہ گندم نما جو فروش دکانداروں کے دجل وفریب کا پردہ چاک ہو جائے۔ ''**روی انه سئل رجل من المخالفین من الامام الصادق و قال یابن رسول اللّٰه! ماتقولُ فی ابی بکر و عمر فقال هما امامان الخ۔۔۔**'' روایت کی گئی ہے کہ مخالفین اہل بیت میں ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ فرزند رسول! آپ ابوبکر وعمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس کے جواب میں امامؑ نے بطور توریہ وہ ذومعنی کلام ارشاد فرمایا جس کے معنائے قریب سے مدح اور معنائے بعید سے مذمت ظاہر ہوتی ہے **فلما انصرف الناس له رجل من خاصته یابن رسول اللّٰه! لقد تعجبت مما قلت فی حق ابی بکر و عمر!** جب عام لوگ (بشمول سائل) اٹھ کر چلے گئے۔ تو خاصانِ امام میں سے ایک شخص نے کہا۔ فرزند رسولؐ! آج آپ نے ابوبکر وعمر کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے مجھے اس سے بڑا

تعجب ہوا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اصحاب امامؑ سے ایسا کلام بھی شیخین کے متعلق سننے کے عادی نہ تھے جس سے بظاہر مدح مترشح ہوتی ہو امام نے اپنے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''نعم هما اماما اهل النار کما قال سبحانه و جعلنا هم ائمةً یدعون الی النار۔ اما القاسطان فقد قال اللّٰہ تعالیٰ و اما القاسطون فکانو لجهنم حطباً و اما العاد لان فلعدولهم عن الحق کقوله تعالیٰ و الذین کفروا بربهم یعدلون۔ و المراد من الحق الذی کانا مستولیین علیه هو امیر المومنین۔ حیث آذیاه و غصبا حقهٗ۔ و المراد من موتهما علی الحق انهما ماتا علیٰ عداوته من غیر ندامةٍ عن ذالک و المراد من رحمة اللّٰہ رسول اللّٰہ، فانهٗ کان رحمة للمومنین و سیکون خصماً لهما ساخطاً علیهما منتقماً منهما یوم الدین'' ہاں وہ دونوں امام ہیں۔ مگر اہل دوزخ کے۔ جیسے خدا فرماتا ہے کہ کچھ امام ہم نے ایسے بھی پیدا کئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ اور قاسط کے یہاں وہ معنی مراد ہیں جو اس ارشاد خداوندی میں مراد ہیں۔ کہ جو قاسط (ظالم) ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔۔۔ اور عادلان سے مراد ہے حق سے عدول و روگردانی کرنے والے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے جو لوگ کافر ہیں وہ حق سے عدول کرتے اور اپنے پروردگار کے برابر (اپنے چھوٹے معبودوں کو) بناتے ہیں۔ حق سے مراد جناب امیر المومنین ہیں جن کے یہ دونوں برخلاف تھے۔ انکو اذیت پہنچائی اور ان کا حق غصب کیا۔ اسی حق کے خلاف مرے یعنی اپنے کردار پر کوئی ندامت ظاہر نہ کی۔ بلکہ علی دشمنی پر ہی مرے۔ رحمت سے مراد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اہل ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ رحمت یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن ان دونوں کیخلاف ہوں گے اور ان سے انتقام لیں گے۔ (احقاق الحق ص ۹)

ہم پرستاران شیخین کو شیخین کے سر کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اس پوری روایت کو اپنے سیاق و سباق کیساتھ دیکھنے کے بعد اس سے شیخین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا رذیلت؟ بینوا تو جروا!

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستان کب تک؟؟؟

پندرھویں روایت اور اس کا جواب:

پانزدھم۔ نہج البلاغہ کی شرح کبیر مؤلفہ کمال الدین بن میثم بحرانی جو ۶۷۷ھ میں تصنیف کی گئی میں یوں درج ہے: ''و کان افضلهم فی الاسلام کما زعمت و انصحهم للّٰہ و رسوله الخلیفة الصدیق و الفاروق''۔ ترجمہ: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے بہتر اور خدا اور رسول کے بڑے مبلغ اسلام! حضورؐ کے جانشین حضرت ابوبکر اور عمر فاروق تھے، اب میں پندرہ شہادت کتب شیعہ سے لکھ کر حضرات شیعہ کو دوازدہ آئمہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس قدر روشن شہادت دربارہ تعریف، اعتراف فضیلت وصدیقیت حضرت ابوبکر دیکھ کر بھی تم لوگ ضد سے باز نہ آ ؤ گے؟ (آفتاب ص ۱۰۹)

الجواب:

مؤلف نے اس استدلال میں بھی اپنی روایتی خیانت مجرمانہ یا تجاہل عارفانہ سے کام لیکر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مذموم کوشش کی ہے اور نقل روایت میں لفظی و معنوی تحریف کی ہے۔ اگر اس روایت کو اس کے پس منظر کی روشنی میں دیکھا جائے بلکہ اگر خود انہی پیش کردہ الفاظ میں غور کیا جائے تو اس سے بجائے شیخین کی مدح کے الٹا ان کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ خدا ان لوگوں کو ہدایت کرے جو انتم سکاریٰ کو نظر انداز کر کے صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کے ساتھ تمسک کر کے حب ثلاثہ میں اپنے دین و ایمان کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ آہ۔ و ماتغنی الآیات و النذر عن قوم لا یؤمنون۔ منقولہ بالا عبارت حضرت امیر المومنین کے اس طویل مکتوب گرامی کا ایک ٹکڑا ہے جو آنجنابؑ نے امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کے نام اسکے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ خط و کتابت شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص ۴۰۷،۴۰۸،۴۰۷ العقد الفرید ابن عبدربہ اندلسی طبع مصر ج ۳ ص ۱۰۸،۱۰۷ اور شرح ابن میثم بحرانی وغیرہ میں بالتفصیل درج ہے۔ معاویہ نے قتل عثمان کی ذمہ داری آنجنابؑ پر عائد کرتے ہوئے ایک لمبا چوڑا خط آپ کو لکھا جسمیں بزعم خویش بعض اصحاب کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت امیرؑ کو انکا حاسد قرار دینے کی جسارت کی تھی خط میں لکھا تھا۔ و اجتبیٰ لہ من المسلمین اعوانا ایدہ بھم و کانوا فی منازلھم عندہٗ علیٰ قدر فضائلھم فی الاسلام فکان افضلھم فی الاسلام و انصحھم للہ و رسولہٖ الخلیفۃ من بعدہ و خلیفۃ خلیفہ الخ۔۔۔ فکلھم حسرت و علی کلھم بغیت۔ الخ۔ یعنی خدا نے اپنے رسولؐ کی تائید و نصرت کیلئے مسلمانوں میں سے کچھ مددگار منتخب کئے وہ اسلام میں اپنے فضائل کی مقدار کے مطابق آنحضرتؐ کی نگاہ میں درجہ رکھتے تھے۔ اور اسلام میں سب سے افضل اور خدا و رسول کے بہی خواہ پہلے خلیفہ اور انکے جانشین (عمر) تھے۔ مگر آپ نے (اے علی) سب سے حسد کیا۔ اور سب کے خلاف بغاوت کی۔ (بحوالہ مذکورہ بالا) اسکے جواب میں حضرت امیرؑ نے ایک عدیم النظیر مکتوب معاویہ کو روانہ فرمایا۔ اسمیں فرماتے ہیں۔۔۔ و ذکرت ان اللّٰہ اجتبیٰ لہ من المسلمین اعوانا ایدہ بھم فکانو فی منازلھم عندہ علیٰ قدر فضائلھم فی الاسلام و کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت و انصحھم للہ و رسولہٖ الخلیفۃ الصدیق و خلیفۃ الخلیفتہ الفاروق الخ

(مخفی نہ رہے کہ العقد الفرید اور شرح حدیدی میں لفظ الصدیق اور الفاروق موجود نہیں ہے) ذکرت امرا ان ثم اعتزلک کلہ و ان نقص لم یلحقک ثلمۃً و ما انت و الصدیق فالصدیق من صدق بحقنا و ابطل باطل عدونا و ما انت الفاروق فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا۔۔۔ و ذکرت ابطائی عن الخلفاء و حسدی ایاھم و البغی علیھم فاما البغی فما ذا اللّٰہ ان یکون و اما الکراھۃ لھم فو اللّٰہ ما اعتذر للناس من ذالک۔۔ (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۰۸، طبع مصر سطر ۱۷، ۱۸، نہج البلاغہ ص ۲۰۰،۱۹۹ طبع ایران وغیرہ (اے معاویہ) تو نے (اپنے خط میں) ذکر کیا ہے کہ خدا نے رسول کی نصرت کیلئے کچھ مسلمان چنے اور وہ

اپنے فضائل اسلامی کیمطابق آپکی نظر میں منزل ومقام رکھتے تھے اور تیرا گمان ہے کہ اسلام میں سب سے افضل اور خدا ورسول کے سب سے بڑے خیر خواہ خلیفہ صدیق اور ان کے جانشین فاروق تھے۔۔۔سو تم نے ایک ایسی بات کا ذکر کیا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر غلط ہے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں۔۔۔تمہیں کیا خبر کہ صدیق کون ہے؟ صدیق وہ ہے جو ہمارے حق کی تصدیق کرے اور ہمارے دشمن کی غلط بات کو غلط کہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ فاروق کون ہے؟ فاروق وہ ہے جو ہم اور ہمارے دشمنوں کے درمیان فرق کرلے (سب کو ایک جیسا نہ سمجھے)۔۔۔تم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں پر حسد کرتا رہا اور ان کے خلاف بغاوت پھیلاتا رہا۔ سو جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے خدا کی پناہ کہ کبھی کی ہو۔ اور جہاں تک ان کو ناپسند کرنے کا تعلق ہے بخدا میں اسی لوگوں سے عذر خواہی کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ (کیونکہ یہ صحیح ہے) اس خط وکتابت سے درج ذیل امور بعبارۃ النص واضح وآشکار ہوتے ہیں۔

(۱) عام مسلمانوں کے موجودہ عقیدہ کہ "افضل الناس بعد النبی ابوبکر ثم عمر الخ۔۔۔" کا سنگ بنیاد پہلے پہل امیر معاویہ نے رکھا۔ ورنہ قرآن وحدیث سے تائید تو درکنار خود ثلاثہ نے بھی کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ (۲)۔ حضرت امیر علیہ السلام کی نظر اقدس میں یہ عقیدہ سراسر باطل تھا۔ اور آپ اسے صرف معاویہ کا زعم باطل سمجھتے تھے۔ واضح رہے کہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب لفظ "کما زعمت" لکھنے کے باوجود اسکا ترجمہ شیر مادر کیطرح ہضم کر گئے ہیں۔ نیز انہوں نے "انصحھم للہ و رسولہ" کا ترجمہ "خدا ورسول کے بڑے مبلغ اسلام کیا ہے جو اُن کے دین ودیانت اور فضل وکمال کا شاہکار ہے (۳)۔ جناب امیر شورش پسند نہیں تھے اس لئے باوجود غصب حقوق کبھی امن عامہ کو تہہ وبالا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ صبر وشکیبائی سے کام لیا۔ (۴)۔ آنجناب ثلاثہ اور انکی خلافت کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ان سے باہمی تعلقات ناخوشگوار تھے اس سے اُن کے باہمی شیر وشکر ہونے والے نظریہ کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ اب ہم مولوی کرم الدین اور ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ حضرات کو ان کے بارہ خلفاء (جن میں چھٹے یزید ہیں) کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ ان پندرہ ۱۵ شہادات کے جوابات میں ہم نے جو الزامی وتحقیقی حقائق پیش کئے ہیں۔ ان کے پیش نظر ابوبکر کے دامن میں کوئی سی فضیلت بھی باقی رہ جاتی؟ یا انکے دین وایمان اور فضل وشان کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکل جاتا ہے۔ سنیو! اب بھی تم فضائل ابوبکر بیان کرنے سے باز نہ آؤ گے؟؟؟ اور کب تک نادان دوست کا کردار ادا کرنے کے ان کی رسوائی اور جگ ہنسائی کراتے رہو گے۔ سچ ہے۔

دشمن دانا کہ پئے جان بود ☆ بہتر از اں دوست کہ ناداں بود

ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

پہلی روایت اوراس کا جواب:

(۱) حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق ملا باقر مجلسی شیعی نے بحار الانوار جلد ۱۴ میں مسعود عیاشی سے یوں روایت کی ہے۔ **روی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قال اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام:** ترجمہ: مسعود عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کے اے خدا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش۔ سو حضور کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کی کیفیت صاحب حملہ حیدری یوں لکھتا ہے۔

چنانچہ بد کہ بو جہل زاں سرزنش ☆ بکیفیتے شد عداوت منش

آفتاب ص ۱۰۹ (بعد ازاں حملۂ حیدری کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ جن میں بطریق مشہور نزد اہلسنت عمر صاحب کے اسلام لانے کی کیفیت درج ہے یعنی ایک روز ابوجہل نے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے والے کو ایک ہزار اونٹ وغیرہ بطور انعام دینے کا اعلان کیا۔ یہ سن کر عمر تیار ہو گیا۔ بہن کے گھر پہنچا اور قرآن کی چند آیتیں سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ بزم رسول میں جا کر اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ ناقل) بعد ازاں صاحب آفتاب نے ص ۱۱۱ پر لکھا ہے: روایات بالا سے حسب ذیل اُمور ظاہر ہوتے ہیں جو حضرت عمر کی فضیلت کا نمایاں ثبوت ہیں:

(۱) آپ کا اسلام لانا حضور سرور کائنات کی استجابت دعا کا نتیجہ ہے۔

(۲) اسلام عمر کسی دنیوی لالچ یا طمع سے نہیں بلکہ صداقتِ اسلام دیکھنے اور کلام الٰہی کی قوت اعجاز کی خاص تاثیر ہونے کے سبب ہوا۔

(۳) حضرت عمر کے اسلام کا خیر مقدم رسول پاک ﷺ اور اصحاب رسول نے گرمجوشی سے کیا اور حضور علیہ السلام نے بغلگیر ہو کر برکات پہنچائیں

(۴) حضرت عمر کے جلال و جبروت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اسلام لاتے ہی شوکت اسلام دوبالا ہو گئی اور بجائے خفیہ عبادت کے خدا کے گھر کعبۃ اللہ پہنچ کر نماز باجماعت پڑھی گئی۔ (بعد ازاں ص ۱۱۲ پر ناسخ التواریخ ص ۶۱۶ جلد نمبر ندارد) سے عمر کے اسلام لانے کی کیفیت یوں درج کی ہے ''یا رسول اللہ از بہر آن آمدہ ام کہ کیش مسلمانی گیرم و کلمۂ توحید بزبان رانم الخ بحذف فارسی'' ترجمہ: عمرؓ نے عرض کی حضور میں اسلیئے حاضر ہوا ہوں کہ مذہب اسلام قبول کروں۔ یہ کہہ کر کلمہ توحید پڑھا۔

آنحضرتؐ حضرت عمر کے اسلام لانے سے ایسے خوش ہوئے کہ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ آپؐ کی تکبیر اصحاب نے سنی اور سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور حضرت عمر کے استقبال کو باہر نکلے۔ اسوقت حضرت عمر نے عرض کی۔ حضورؐ: کافر تو لات وعزی کی پرستش ظاہر ہو کر کریں ہم خدائے قدوس کی عبادت کیوں چھپ کر کریں۔ پھر انہوں نے کعبہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ (آفتاب ص ۱۱۲)۔۔ (بعد ازاں کعبۃ اللہ کی طرف بایں طور جانے کی کیفیت بیان کی ہے کہ ایک طرف ابوبکر اور دوسری طرف عمر۔ آگے آگے حضرت علیؑ اور پیچھے پیچھے اصحاب تھے۔ بالآخر کعبۃ اللہ کے پاس جا کر دو رکعت نماز پڑھی۔ اور پھر واپس آئے) بعد ازاں لکھا ہے کہ ''اور اب جائے غور ہے کہ اسلام لاتے ہی حضرت عمر کے حسن عقیدت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ دین حق کے پاس میں کفار سے دوبدو گئے۔ اور ان کو للکارا اگر ذرہ برابر رسول پاک کی شان والا میں بے ادبی کی تو میری تلوار ہوگی اور تمہارا سر۔۔۔ پھر حضور علیہ السلام جن کو علوم اولین و آخرین سب معلوم تھے۔ اسلام عمر پر اس قدر خوشی کیوں مناتے۔ اگر معلوم تھا کہ بال آخر اس نے اسلام سے پھر جانا ہے اور میرے اہلبیت کو تکلیف پہنچانی ہے۔ شیعو! خدارا انصاف کرو۔ الیس منکم رجل رشید (آفتاب ص ۱۱۳)

الجواب:

مؤلف کتاب نے روایات فضائل ابوبکر سے فراغت پانے کے بعد اب فضائل عمر کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ ہم بھی جبکہ بعونہٖ تعالیٰ ان روایات کی حقیقت واضح کر چکے اور اُن کے چہرہ سے نقاب کشائی کر کے ان کے حقیقی خدوخال ناظرین کرام پر نمایاں کر چکے اور مؤلف کے دجل وفریب کا پردہ چاک کر چکے تو اب روایات فضائل عمر کی اصلیت کو اجاگر کرتے ہیں و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

(۱) جہاں تک روایت **اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب الخ**۔۔۔ کا تعلق ہے تو بچند وجہ اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اولاً یہ روایت مرسل ومقطوع ہے اور مقام اعتقاد میں ایسی روایات حجت نہیں ہوتیں۔ ثانیا: اس روایت میں عمر صاحب کو ابوجہل کا ہم پلہ اور ہمسر قرار دیا گیا ہے جس سے ان کی مذمت ظاہر ہوتی ہے ثالثاً اس میں عمر یا ابوجہل کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف انکی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا ذکر ہے اور سابقہ اوراق میں کئی جگہ بالتفصیل یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ بعض اوقات خداوند حکیم اسلام کی نصرت وتائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جو فاسق وفاجر ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی، اتقان فی علوم الشد ان ج ۲ ص ۳۵ لکنز العمال ج ۱ ص ۱۸ طبع دکن وغیرہ)

رابعاً جناب عمر آنحضرتؐ کے اعلان نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ حالانکہ اعلان نبوت کے تین سال بعد اعلانیہ اسلامی احکام کی تبلیغ اور ان پر عملدرآمد شروع ہو چکا تھا۔ اور آیت مبارکہ **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ** (الحجر آیت 94) کا نزول ہو چکا تھا۔ یہ ایسے کھلے ہوئے حقائق ہیں کہ ان میں ہرگز مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ پھر اسلام عمر سے اسلامی

احکام کی اعلانیہ اشاعت میں کیا مدد ملی؟ خامسا: کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ جناب عمر ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری معہ ترجمہ تسہیل الباری پ ۱۵ ص ۳۸،۳۹۔ باب اسلام عمر طبع احمدی لاہور بدو اسناد عبداللہ بن عمر سے اپنے باپ (عمر) کا قصہ اسلام یوں مروی ہے۔ **قال بینما ھو (عمر) فی الدار خائف اذ جائہ العاص بن وائل السھمی۔۔** الخ۔۔ کہا حضرت عمر ڈرے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے تسہیل الباری۔۔ میں یوں وضاحت کی ہے ف قریش سے ڈر رہے تھے کہ وہ مسلمان ہونے پر کیا کرتے ہیں۔ اتنے میں ابو عمرو العاص بن وائل سہمی ان کے پاس آیا۔ وہ بنی سہل کے قبیلے سے تھا جو جاہلیت میں ہمارے حلیف تھے۔ اور اس نے کہا کہ عمر تمہارا کیا حال ہے؟ (کیوں خائف و آزردہ ہو؟ انہوں نے کہا کہ قوم بنی سہم کے لوگ کہتے کہ اگر میں مسلمان ہو تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ عاص نے کہا وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (حضرت عمر کہتے ہیں) عاص کے کہنے پر مجھے اطمینان ہوا۔ کیونکہ وہ بنی سہم کا سردار تھا۔ (پھر کہا) عاص نے لوگوں سے کہا۔ دیکھو۔ عمر کو مت ستاؤ۔ یہ سمجھ رکھو عمر میری پناہ میں ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ پھوٹ گئے۔ "انتہی ملخصاً۔ قارئین کرام فیصلہ کریں کہ جو شخص علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتا اور ڈر کے مارے دبک کر گھر میں بیٹھا ہوا ہے وہ اسلامی مراسم وشعائر کو کھلم کھلا بجالانے میں کیا اعانت ونصرت کر سکتا ہے؟ سادساً مؤلف نے نقل روایت میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ ورنہ پوری روایت دیکھنے سے تو عمر کی انتہائی رسوائی ہوتی ہے۔ اس روایت میں بزبان امام یوں مروی ہے۔ **فانزل اللہ ھذہ الآیت و ما کنت متخذاً للمضلین عضلاً**۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی اس دعا کے بعد خدا نے یہ آیت نازل کی۔ **ماکنت متخذا** الخ کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا معین و مددگار نہیں بناتا۔ (کذا فی تفسیر الصافی ص ۲۷۴) اس سے تو حضرت عمر کا ضال ومضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جن کی امداد کو خدا قبول کرنے پر راضی نہیں ہے نعم ما قیل

ے ذھب الحمار لیستفین لنفسہ ☆ قرناً فآب و مالہ اذنان

جہاں تک حملۂ حیدری اور ناسخ التواریخ کے بیان کے مطابق عمر کے اسلام لانے کی کیفیت کا تعلق ہے تو ہم سابقاً آیت ۲۶ کے جواب میں حملۂ حیدری کی حقیقت کو کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ کہ اولاً اسکا مؤلف کوئی مجتہد یا محدث یا عالم دین نہیں بلکہ فردوسی کی طرح صرف شیعی المذہب شاعر ہے۔ ثانیاً یہ شخص عالمگیر جیسے متعصب سنی بادشاہ کے عہد میں قلعۂ گولیار میں کلیداری کے منصب پر فائز تھا اور اسے حکمران وقت کے ریاستی جبر کا خوف تھا بنابریں اس نے اسی طرح واقعات نظم کئے ہیں۔ جس طرح بالعموم اہلسنت کی کتب سیر وتواریخ میں مذکور ع ہیں۔ اور خود یہ کہہ کر کہ

ے من از گفتِ راوی بیان میکنم ☆ جوابش بروگفتہ گربیش و کم

یعنی دروغ برگردن راوی کہہ کر اپنی گلوخلاصی کرالی ہے۔ لہٰذا اس کتاب کے مندرجات کی جب تک دوسری شیعی کتب معتبرہ سے تائید نہ ہوجائے اُس وقت تک ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اور قریب قریب یہی کیفیت ناسخ التواریخ کی ہے جس پر سابقہ عنوان

میں چھٹی روایت کے جواب کے ضمن میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اگر چہ یہ کتاب شیعی دور حکومت (ایران) میں لکھی گئی ہے مگر لکھنے والے بزرگ لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر کاشانی کا شمار علماء کبار تو درکنار علماء صفار میں بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف صاحب فضل ادیب ہیں۔ اور ان کی کتاب میں ہر قسم کا رطب و یابس مواد موجود ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر تمام مؤرخین کے نظریات و آراء نقل کر دیتے ہیں لہذا جو کچھ انہوں نے اسلام عمر کے سلسلے میں رقم فرمایا ہے وہ مشہور کتب تواریخ اہلسنت کا خلاصہ ہے۔ ورنہ اصل حقیقت وہی ہے جو ہم محققین اہلسنت کے حوالہ جات سے سابقاً پہلی آیت کے جواب میں درج کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جب ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے پر سرخ و سیاہ رنگ کے ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کا اعلان کیا (تاریخ الخلفاء ص ۳۳) اور عمر صاحب اس انعام کے لالچ میں آ کر تلوار حمائل کر کے بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے دامن سے پکڑ کر انہیں جھنجھوڑا اور فرمایا: **ما انت بمنتہٍ یا عمر! حتی ینزل اللّٰہ بک من الخزی و النکال ما انزل بالولید بن مغیرۃ فقال عمر! اشھدُ ان لا الہ الا اللّٰہ الخ**۔۔۔ اے عمر! معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکتوں سے باز نہیں آ ؤ گے جب تک تمہاری ذلت و رسوائی میں وہی آیتیں نازل نہ ہوں جو ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ یہ سنتے ہی عمر نے کلمہ شہادت پڑھا''۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۷۵، ۷۶ صواعق محرقہ ص ۲۵۱ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۵۹ وغیرہ)۔۔ یہ کہنا کہ اپنی بہن سے کلام اللہ کی صرف چند آیتیں سن کر اسقدر متاثر ہوئے تھے کہ فوراً اپنے اسلام کا اعلان کر دیا یہ روایت و درایت کے بالکل خلاف ہے۔۔ کیا گذشتہ چھ سال میں انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زبان یا کسی اور مسلمان سے خدائے منان کا پاک کلام نہیں سنا تھا؟ اور اگر سنا تھا (اور یقیناً سنا ہوگا) تو پہلے یہ اثر کیوں نہ ہوا؟ روایت گھڑنے والے کو اس بات کا شاید خیال نہیں رہا۔ ورنہ اسکی بھی کوئی توجیہہ پیش کرتا۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ روایت (**اللھم اعز الاسلام الخ**) صرف مقطوع السند ہی نہیں بلکہ موضوع بھی ہے بہر کیف مؤلف نے اس قصہ پر جو تفریعات بطور بناء الفاسد علی الفاسد قائم کیں تھیں۔ وہ اصل بنیاد کے منہدم ہونے سے خود بخود ختم ہو گئیں۔۔ **والحمد للّٰہ رب العالمین**۔

سنیو! خدارا کچھ تو عقل و انصاف سے کام لو۔ کب تک ایسے بے سروپا فضائل ثلاثہ بیان کر کے خود رسوا ہو گے۔ اور اپنے بزرگوں کو رسوا کرو گے۔ **الیس فیکم رجل رشید؟**

؎ نہ سوچو گے تو مٹ جاؤ گے اے حضرت عمر والو ☆ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دوسری روایت اور اس کا جواب:

(۲) نہج البلاغہ ص ۱۸۷ میں ہے ''**من کلام لہ علیہ السلام و شاورہٗ عمر فی الحروج الی غزوۃ الروم بنفسہٖ و قد تکفل اللّٰہ الخ**'' (بحذف عربی) ترجمہ: (۱) جب خلیفہ ثانی عمر نے روم پر چڑھائی کی اور حضرت علیؑ سے مشورہ کیا تو آپ

نے فرمایا۔ نواحی اسلام کو غلبہ دشمن سے بچانے اور مسلمانوں کی شرم رکھنے کا اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے جو ایسا خدا ہے جس نے انہیں اس وقت فتح دی ہے جبکہ ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اور کسی طرح فتح نہیں پا سکتے تھے۔ انہیں اس وقت مغلوب ہونے سے روکا ہے جب یہ کسی طرح روکے نہیں جا سکتے تھے۔ اور جو خداوند عالم حی لا یموت ہے۔ اب اگر تو خود دشمن کی طرف کوچ کرے۔ اور تکلیف اٹھائے تو یہ سمجھ لے کہ پھر مسلمانوں کو اُنکے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد کوئی ایسا مرجع نہ ہوگا۔ جس کی طرف رجوع کریں لہٰذا تو دشمنوں کی طرف اس شخص کو بھیج۔ جو کار آزمودہ ہو۔ اسکے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کرو۔ جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں اور اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں اب اگر خدا غلبہ نصیب کرے گا تب تو وہ چیز ہے جسے تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو ان لوگوں کا مددگار اور مسلمانوں کا مرجع تو موجود ہے۔ نیرنگ فصاحت ص ۱۱۹)۔۔۔ حضرت علی المرتضیٰ کے اس کلام سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت عمر کو حضرت علی المرتضیٰ پر پورا اعتماد و بھروسا تھا اور باہمی کامل اتحاد تھا۔ کہ ہر ایک معاملہ میں اُن سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ مسلم ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن سے ایسے اہم معاملہ میں مشورہ نہیں لیا کرتا۔ (۲) حضرت علیؑ المرتضیٰ حضرت عمر کو مساوی کا ملجا و ماویٰ سمجھتے تھے۔۔۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمر کو یہ مشورہ نہ دیا۔ کہ اس مہم میں بذات خود معرکۂ کارزار میں جائیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی کدورت ہوتی۔۔۔ تو یہ مشورہ کیوں دیتے؟۔۔۔ بلکہ ان کی تو یہ خواہش چاہئے تھی کہ یہ خود وہاں جائیں۔ انکا کام تمام ہوا اور آپؑ کے لئے جگہ خالی ہو۔۔۔ (۳) حضرت علی المرتضیٰ حضرت عمر کی کامیابی کو کامیابی اسلام تصور کرتے تھے۔ اس لئے انکو تسلی دی کہ ایزد متعالیٰ تمہارا اور مسلمانوں کا خود حافظ و ناصر ہے۔ جب مسلمان تھوڑے تھے اُس وقت بھی انکی حفاظت فرمائی۔ اور اب تو خدا کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے۔ الخ (آفتاب ہدایت ص ۱۱۵)

الجواب:

ہوا خواہان ثلاثہ کی یہ روش و رفتار ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ یہ راگ الاپتے ہیں کہ حضرت علیؑ امور سیاست اور طرز جہانبانی سے ناواقف تھے اور دوسری طرف ثلاثہ سے آپ کا اتحاد و یگانگت ثابت کرنے کیلئے یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ حضرات مملکت کے اہم جنگی و سیاسی معاملات وغیرہ میں آپؑ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور آپ کی اصابت رائے کا لوہا مانتے تھے۔

بہرحال اس مشورہ لینے دینے سے مؤلف نے جو مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجوہ یہ ہیں:

اولاً۔ اس مشورہ لینے کو باہمی اتحاد کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ اسے حضرت امیر علیہ السلام کے کامل الایمان، انتہائی بلند حوصلہ، بلند کردار و دیانتدار اور معاملہ فہم و سمجھدار امام حق ہونے کی دلیل ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے سرکار سرورِ عالم ﷺ کی

سیرت کا یہ نہایت روشن ودرخشندہ پہلو ہے کہ وہ کفار قریش جو آپ کو نبی نہیں جانتے تھے۔ اور آپؐ کے خلاف مخالفت ومخاصمت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ بھی آپؐ کو ایسا دیانتدار سمجھتے تھے۔ کہ اپنی امانتیں انہی کے پاس رکھتے تھے۔ اوران کو یہ وہم وگمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اُنکی امانتیں ضائع ہوں گی۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کی سیرت وکردار کا یہ نمایاں جوہر ہے کہ وہ صحت فکر ونظر، ایمان ودیانت اور اصابت رائے کی اس بلند سطح پر فائز تھے کہ دوست ودشمن کو انکی اصابت رائے وصحتِ مشورہ پر مکمل وثوق واعتماد تھا۔ تو جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن ورفتار سے صرف ان کے کامل دیانتدار ہونے کا ثبوت ملتا ہے اوراس سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کفار سے اُن کی یکجہتی ویگانگت تھی بلاشبہ حضرت امیرؑ کے طرز عمل سے بھی یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ انتہائی دیانتدار وبلند کردار تھے۔ مگر اس سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ثلاثہ اوران کے درمیان اتحاد ویگانگت تھی اور وہ باہم شیر وشکر تھے۔

ثانیاً حضرت امیر علیہ السلام کے اس مشورہ سے کہ ''عمر صاحب بذات خود اس جنگ میں نہ جائیں'' یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ باہم شیر وشکر تھے۔ اوران کو مسلمانوں کی ملجاء وماویٰ سمجھتے تھے۔ ورنہ اُنکی تو یہ خواہش ہوتی کہ یہ خود جائیں اوران کا کام تمام ہو۔ اور اُن کیلئے جگہ خالی ہو۔'' یہ انداز فکر حضرت امیر علیہ السلام کی عظیم شخصیت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تنگ نظر ملانے سرکارِ ولایت کو اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ ایسے لوگ ایسے مواقع پر مخالف کی ہلاکت کی تدبیر کیا کرتے ہیں۔

ے کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ☆ گر چہ باشد در نوشتن شیر شیر

مولوی صاحب! وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام تھے مولوی کرم الدین آف بھیں نہ تھے

ع آں زمین را آسمانے دیگر است

ایسا مشورہ دینا جناب امیرؑ کیلئے بدو وجہ ممکن نہ تھا (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا مسلم ارشاد ہے کہ: ''المستمشار مؤتمن جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے''۔ لہٰذا غلط مشورہ دینا خیانت ہے اور حضرت امام المتقین اسے کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''**واللہ ما معاویة بادهی منی و لکنه یغدر و یفجر و لو لا کراهة العدد لکنت ادهی الناس و لکن کل غدره فجره و کل فجرة کفرة** الخ''، بخدا معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہے لیکن وہ مکر وخدر اور فسق وفریب کرتا ہے اور اگر میں ان باتوں کو ناپسند نہ کرتا تو میں سب لوگوں سے زیادہ چالاک ہوتا۔ لیکن ہر غداری، فسق اور ہر فسق کفر ہے'' (نہج البلاغہ ص ۱۶۵ طبع ایران) (۲) یہاں شخصی مفاد اور نوعی مفاد کا تصادم ٹکراؤ تھا۔ تو جناب امیر علیہ السلام جیسے محافظ وخیر خواہ اسلام ومسلمین کیلئے کیونکر ممکن تھا۔ کہ نوعی مفاد کو اپنے شخصی مفاد پر قربان کر دیتے۔ جس طرح عام ابن الوقت سیاستدان کیا کرتے ہیں اسلیئے آنجناب نے ذاتی اغراض ومفادات سے بالا ہو کر وہ مشورہ دیا جس میں اسلام کی بقا وفلاح پوشیدہ تھی اور یہ چیز آنجناب کو نہ صرف عمر کی جان سے بلکہ اپنی جان مقدس سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ علاوہ بریں آنجنابؑ کے اس فرمان کہ: کسی تجربہ کار اور فن حرب وضرب کے ماہر کو بھیج دو۔'' سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر کی

نگاہِ حق بیں میں جناب عمر کا دامن ان خوبیوں سے خالی تھا۔

ثالثاً۔ خلفاء ثلاثہ کے دور حکومت میں پورے غزوات و معاملاتِ مملکت میں سے صرف دو مقامات (غزوۂ روم و فارس) میں عمر صاحب کے مشورہ طلب کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر ایک معاملہ میں آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا، غلط ہے۔ اربابِ فضل و دانش جانتے ہیں کہ استقراء ناقص تو مفید ظن بھی نہیں ہوتا تا بہ یقین چہ رسد؟ علاوہ بریں اس واضح حقیقت کو کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اگر بقول ان حضرات کے حضرت امیر علیہ السلام و ثلاثہ میں کامل اتحاد تھا۔ اور وہ باہم شیر و شکر تھے اور جناب امیرؑ ان لوگوں کے ان جنگی کارناموں کو صحیح بھی سمجھتے تھے۔ تو ایسے اسلامی جنرل اور حامیٔ اسلام و مسلمین بہادر نے ان میں عملی حصہ کیوں نہ لیا؟ اور ان جنگوں میں کیوں الگ تھلگ رہ کر خانہ نشین رہے؟ یا کیوں ان کو شریک نہ کیا گیا۔ رابعاً: حضرت یوسف سے کافر عزیز مصر کا مشورہ طلب کرنا اور آنجناب کا اسے صحیح مشورہ دینا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اگر اس سے کافر و نبی کے کامل اتحاد پر استدلال کیا جاسکتا ہے تب تو بلا تشبیہ زیر بحث مشورہ کو بھی مستشیر و مستشار کے باہم شیر و شکر ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر وہاں ایسا نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ جناب یوسف کی بلند کرداری و دیانتداری کا غماز سمجھا جاتا ہے کہ کافر بادشاہ کو بھی انکی اصابت رائے اور دیانتداری پر یقین تھا۔ کہ ضرور وہ ایسا مشورہ دیں گے جسمیں قوم کی بھلائی ہوگی۔ اور انہوں نے بھی بادشاہ سے ذاتی رنجش کے باوجود وہ مشورہ دیا جس میں مفادِ عامہ مضمر تھا تو اس مشورہ سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ دیانت و امانت اور اصابت رائے کے اس بلند درجہ پر فائز تھے۔ کہ عمر جیسے معاند کو بھی یقین تھا کہ وہ ذاتی مفاد سے بلند ہو کر وہ صحیح مشورہ دیں گے۔ جسمیں اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح و فلاح پوشیدہ ہوگی۔ چنانچہ آپؑ نے نوعی مفاد کے مطابق وہ مشورہ دیا۔ جسمیں اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مضمر تھی۔ واہ رے بلند حوصلگی کہ پیشانی پر بل نہیں آنے دیا کہ آج مجھ سے مشورے کرتے ہو کہ کیوں نظر انداز کیا تھا؟ واہ میرے مولا

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تیسری روایت اور اس کا جواب:

(۳) نہج البلاغہ ص ۱۹۷ میں دوسرا خطبہ جناب امیر علیہ السلام و من کلام لہ علیہ السلام لعمر بن الخطاب و قد استشارہ فی نخروہ الفرس بنفسہ و ان ہذا الامر لم یکن الخ (بحذف عربی) ترجمہ۔ جب حضرت عمر نے غزوۂ فارس میں بذات خود جانا چاہا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا دین اسلام کا غالب آنا اور مغلوب ہو جانا کچھ سپاہ کی کثرت و قلت پر موقوف نہیں ہے یہ اسلام اس خدا کا دین ہے جس نے تمام ادیان و مذاہب پر غالب کیا ہے اور لشکرِ اسلام اس خُدا کی فوج ہے جس نے اسکی ہر جگہ نصرت و تائید کی اور اس ایک بلند مرتبہ تک پہنچایا۔

دین اسلام کے پیشوا مختار کار (خلیفہ) کا مرتبہ رشتہ مروارید کی مثل ہے جو موتی کے دانوں کو ایک نظام میں منسلک

رکھتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ جائے تو تمام دانے متفرق ہو کر بکھر جاتے ہیں۔۔تم ان کیلئے قطب آسیا بنو! اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دو اور اپنے سوا کسی دوسرے شخص کو ماتحت بنا کر آتشِ جنگ کو برافروختہ کرو۔ کیونکہ اگر تم مدینہ کے باہر چلے گئے۔ تو عرب کے تمام قبائل اطراف و اکناف سے یک لخت ٹوٹ پڑیں گے۔ اسوقت پیچھے رہنے والی مستورات کی حفاظت تم پر اس چیز سے کہیں زیادہ مقدم ہوجائے گی جو تمہارے سامنے (جنگ) موجود ہے۔۔(نیرنگ فصاحت ص ۲۰) جناب امیر علیہ السلام کے اس فصیح و بلیغ خطبے میں (قیمتی مشورہ) آفتاب نیمروز کیطرح روشن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ باہم شیر وشکر تھے۔۔۔ انکو یہی مشورہ دیا کہ اب بذات خود خود معرکہ کارزار میں تشریف نہ لیجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایرانی آپ کو دیکھ کر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی دشمنی ہوتی حضرت علیؑ کو خوب موقع ہاتھ آ گیا تھا یہی صلاح دیتے کہ تم خود لڑائی پر جاؤ تا کہ تم وہاں مارے جاؤ اور خلافت کی گدی ہمارے لئے خالی ہو۔ آپکا یہ فرمانا کہ صاحب اختیار خلیفہ کی مثال رشتۂ مروارید کی سی ہے۔ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بھی بکھر جاتے ہیں۔۔۔تو اس امر پر ناطق فیصلہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ حضرت عمر کو برحق خلیفہ سمجھتے تھے۔۔۔آپ نے حضرت عمر کو آسیائے اسلام کا قطب اور محور قرار دیا ہے۔ اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کیا ہوسکتی ہے کہ آپ حضرت عمر کو ہی خلیفہ رسول اور پیشوائے اسلام سمجھتے تھے۔۔۔ حضرات شیعہ کو شرم کرنی چاہیئے کہ جس شخص کی تعریف حضرت علی المرتضیٰ فرمائیں اس کو تم منافق کہو۔ شرم۔ شرم۔ شرم (آفتاب ص ۱۱۶، ۱۱۷)

الجواب:

اس استدلال کا بعینہ وہی جواب ہے جو اس سے پہلے استدلال (نمبر ۲) کا ابھی اوپر دیا جاچکا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ''المستشار مؤتمن'' کے پیش نظر شخصی جذبات ومفادات سے بالاتر ہو کر وہ صائب مشورہ دیا ہے۔ جس میں اسلام و مسلمانوں کی عزت اور بقاء پوشیدہ تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ عمر صاحب سے فرمایا کہ تم خود معرکۂ کارزار میں نہ جاؤ۔ کیونکہ آنجنابؑ اسلامی غزوات، اُحد، خندق۔ حنین اور خیبر وغیرہ میں انکے فرار کو بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ اگر خود گئے اور حسب عادت راہ فرار اختیار کی تو اسلام اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ کیونکہ انکے سابقہ اور موجودہ فرار کی نوعیت مختلف ہوتی پہلے وہ بحیثیت ایک سپاہی کے شریک جنگ ہوا کرتے تھے۔ اور اب کی مرتبہ ان کی حیثیت قیم الامر (حاکم) کی تھی۔ جو مہرے میں ڈورے کی منزلت رکھتا ہے۔ جس کے ٹوٹ جانے سے تمام مہرے بکھر جاتے ہیں۔ اور ان کے گر جانے کے بعد دیواریں کھڑی نہیں کی جاسکتیں اسطرح مسلمانوں کا بنایا وقار ختم ہو کر رہ جاتا۔ انکو قیم الامر (حاکم) یا قطب آسیائے رعیت کہنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ آنجناب عمر صاحب کو خلیفہ رسولؐ بھی سمجھتے تھے۔

؎ پڑیں پتھر ایسی سمجھ پہ، تم سمجھے تو کیا سمجھے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حاکم خواہ مسلمان ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ اس کی حیثیت ایک محور کی ہوتی ہے جس کے ارد گرد ملک کا نظام گردش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنجناب کا ہی ایک ارشاد دوسرے مقام پر موجود ہے فرماتے ہیں: لا بد للناس من امیر بر او فاجر یعمل فی امرته المؤمن و یستمتع فیها الکافر الخ۔ لوگوں کیلئے حکمران کا وجود لازمی ہے۔ نیکوکار ہو یا بدکار تا کہ مومن عمل کر سکے اور کافر بہرہ مند ہو۔ الخ (نہج البلاغہ) اور یہ بات ظاہر ہے کہ عمر صاحب کو قطع نظر اسکے صحیح یا غلط ہونے کے اقتدار تو حاصل تھا۔ لہٰذا رعایا میں ان کی مرکزیت مسلم تھی لہٰذا انکے مرکز چھوڑنے سے سب لوگ گھروں سے نکل پڑتے اور انکی ہزیمت و پسپائی سے سارے مسلمانوں کی پسپائی لازم آتی۔ ان بیانات سے واضح وعیاں ہو گیا کہ اس کلام معجز نظام سے سوائے عمر کے دنیوی اقتدار کو تسلیم کرنے کے اور کسی بات کا اظہار نہیں ہوتا۔ اہلسنت کو ایسے بھدے اور رکیک استدلال پیش کرنے سے شرم کرنا چاہیئے کہ صحیح مسلم (ج ۲ ص ۹۰ مع شرح نودی) کی روایت صحیحہ کے مطابق حضرت امیر علیہ السلام جن لوگوں کو گنہگار، جھوٹا، غدار اور خیانتکار سمجھتے تھے۔ انکو ایسی بے سروپا باتوں سے باہم شیر و شکر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کریں۔

؎ بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسے سنے

چوتھی روایت اور اس کا جواب:

(۵) اصول کافی ص ۲۹۶ میں ہے عن ابی جعفر علیہ السلام قال لماقدمت بنت یزدجرد (بحذف عربی) امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب یزدگرد (شاہ ایران) کی بیٹی مالِ غنیمت میں حضرت عمر کے پاس آئی تو مدینہ کی کنواری لڑکیاں اس کو دیکھنے کیلئے آئیں اور جب وہ مسجد میں داخل ہوئی تو مسجد اسکی روشنی سے چمکنے لگی۔ حضرت عمر نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ "فیروج باذر ھرمز"۔ حضرت عمر نے کہا۔ کیا یہ مجھے گالی دیتی ہے؟ اور اسکو سزا دینے کا ارادہ کیا تو امیر المومنین علیہ السلام نے کہا کہ ایسا آپ کو نہ کرنا چاہیئے، آپ اس کو اختیار دیجئے کہ جس مسلمان کو چاہے پسند کرے اور اسکو اس کے حصہ میں سمجھ لیجئے۔ تو حضرت عمر نے اس کو اختیار دے دیا۔ اس نے جا کر امام حسین علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ امیر المومنین نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا۔ "جہان شاہ" امیر المومنین نے فرمایا نہیں بلکہ شہر بانو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ اے ابو عبداللہ! اس سے تمہارا ایک فرزند ہوگا جو تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ زین العابدین پیدا ہوئے۔' اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔۔

(۱) حضرت علیؑ اور امام حسینؑ حضرت عمر کی بارگاہ میں باریاب رہے اور مال غنیمت میں۔۔۔ برابر حصہ لیتے۔۔۔۔

(۲) حضرت عمر کو حضرت علی اور۔۔ امام حسین سے اس قدر محبت تھی کہ۔۔۔ شاہی خاندان کی۔۔۔، خاتون۔۔۔ بخش دی۔

جو تمام سادات کی جدہ علیا ہے۔

(۳) جناب امیر علیہ السلام حضرت عمر کی خلافت کو جائز۔۔۔اور آپ کو برحق خلیفہ جانتے تھے۔اسی لیئے یہ عطیہ قبول کیا۔ ورنہ ایک کافر یا منافق کی فتوحات کا مال غنیمت ایک متقی متورع مسلمان کو۔۔۔لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

سادات پر حضرت عمر کا بھاری احسان:

شیعہ سادات اگر احسان فراموش نہ ہوں تو حضرت عمر کی بار منت سے قیامت تک سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ اگر حضرت عمر۔ حضرت شہر بانو حضرت امام حسینؑ کو نہ بخش دیتے نہ زین العابدین کا وجود۔۔۔ظہور پذیر ہوتا۔۔۔نہ ان کی پشت سے سادات ہی پیدا ہوتے۔۔۔معاذ اللہ اگر حضرت عمر مسلمان نہ تھے تو ان کا بخشا ہوا مال غنیمت نہ حضرت علی کو نہ حضرت امام حسینؑ کو لینا حلال ہوتا۔تو پھر حضرت شہر بانو کا نکاح بھی جائز نہ ہوسکتا۔اس امر کے جوابدہ شیعہ سادات ہیں کہ جب معاذ اللہ تزویج ہی صحیح نہیں تو اولاد کیسے رشید ہوسکتی ہے؟ ایک اور بات! پھر قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت شہر بانو۔۔۔کی بخشش بجائے خود بھی ایک بڑی ایثار کی بات تھی کہ اپنی اولاد پر حضرت امام حسین کو ترجیح دی۔۔۔شیعہ کہتے ہیں کہ شیخین نے باوجود مشکل کشا اور خاتون کی منت خوشامد کے باغ فدک ان کو نہ دیا تو شہر بانو کا گراں قدر عطیہ کیسے مل سکتا تھا؟ علاوہ ازیں شہزادی تو وہ بیش قیمت شاہانہ پوشاک اور گراں بہا زیورات پہنے ہوئے تھی جن کی قیمت سے فدک جیسے کئی باغ خریدے جاسکتے تھے۔لباس فاخرہ زرنگار و زیورات و جواہرات جو حضرت امام حسین کے حوالہ کردی۔ اگر حضرت عمر کو بزعم شیعہ اہلبیت سے عداوت ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔۔۔شیعہ سخت احسان فراموش ہیں کہ باوجود اس قدر احسانات کے پھر ان کی شکایت کرتے ہیں۔۔۔(آفتاب ص ۱۱۸،۱۱۹)

الجواب:

؎نالہ بلبل شیدا تو ہنس ہنس کے سنا ☆ اب جگر تھام کے بیٹھو کہ مری باری آئی

جس طرح اس استدلال کو برگ و بار دے کر اور اس کی ملمع سازی کر کے پیش کیا جاتا ہے وہ بظاہر عامۃ الناس کو بڑا خوش آیند اور وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بنظر انصاف معمولی سے غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ امر الم نشرح ہوجاتا ہے کہ یہ استدلال تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے۔اور بچند وجہ نا قابل توجہ والتفات ہے:

اولاً:۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں ا۔ جہاد ابتدائی۔ ۲۔ جہاد دفاعی۔

شیعہ مذہب میں جو یہ شرط ہے کہ جہاد میں نبی یا امام کا اذن ضروری ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جہاد صحیح نہیں ہوتا۔تو یہ شرط جہاد

ابتدائی میں ہے۔ نہ دفاعی میں۔ اور وہ جنگ جو غزوہ فارس کے نام سے مشہور ہے جسمیں بنا بر مشہور حضرت شہر بانو اسیر ہو کر آئیں یہ دفاعی جنگ تھی۔ کیونکہ عجمیوں نے مسلمانوں پر پہلے چڑھائی کی تھی۔ جیسا کہ نہج البلاغہ کی اس عبارت میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے جو سابقہ استدلال میں بضمن مشورہ عمر با حضرت امیر و غزوہ فارس مذکور ہے۔ اور اس قسم کی جنگ میں اذن نبی و امام کی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ جنگ صحیح تھی۔ اور اس سے حاصل شدہ مال غنیمت بھی جائز تھا۔ **(وھو المطلوب)**

ثانیاً:۔ مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جہاد ابتدائی تھا۔ تب بھی کم از کم عہد عمر کی جنگوں میں سے یہ دوسری صحیح جنگ تھی۔ جس میں اقلیم امامت کے پہلے تاجدار اور مسند رسول کے صحیح حقدار یعنی حضرت حیدر کرار سے قبل از جنگ مشورہ طلب کر لیا گیا تھا۔ جیسا کہ مؤلف نے سابقہ استدلال میں اسی مشورہ پر بنا رکھ کر حضرت علی اور ثلاثہ کو باہم شیر و شکر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اس لیئے اس غزوہ میں جو کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا وہ جائز تھا۔

ثالثاً:۔ شعیان حیدر کرارؑ پر یہ سراسر بہتان ہے کہ وہ جناب عمر یا اسکے دوسرے دو ساتھیوں کو کافر سمجھتے ہیں ایسا ہر گز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ انہیں مومن کامل نہیں سمجھتے اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شارع اقدسؐ نے ظاہری شریعت میں غیر مومن کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ روا رکھا ہے۔ لہٰذا عام مسلمانوں کی طرح اُن کے فعل کو بھی مبنی پر صحت تسلیم کیا جائے گا تو جب جنگ صحیح ہوگی تو اس سے حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی جائز ہوگا۔

رابعاً:۔ اگر بفرض محال (فرض محال نباشد کے طور پر) چند لمحوں کے لئے انکو ایسا ہی مان لیا جائے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تب بھی اس مالِ غنیمت کے حلال و جائز ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ جب قرآن میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ کلب معلم کا کیا ہوا۔ شکار متقی و متورع مسلمان کیلیئے جائز ہے کو بلا تشبیہہ ایک انسان کی جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت کیوں حضرت امیرؑ یا حضرت امام حسینؑ جیسے متقین بلکہ امام المتقین کے لئے جائز نہ ہوگا؟؟

خامساً:۔ جناب شہر بانو عاقلہ و بالغہ رشیدہ و مختارہ تھیں تو جب انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے سرکار سید الشہداء کو اپنا سرتاج بنانے کیلیئے منتخب کر لیا۔ تو اب اس سوال کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ جنگ جائز تھی یا ناجائز؟ کیونکہ جنگ جائز ہو یا ناجائز تمام اسلامی مکاتب فکر کے نزدیک یہ عقد و ازدواج بہر حال جائز ہے۔

سادساً:۔ گذشتہ تمام جوابات اس بات کے تسلیم کر لینے کی صورت میں ہیں کہ جناب بی بی شہر بانو کا عمر کے دور حکومت میں آنا تسلیم کیا جائے ورنہ شبلی نعمانی (الفاروق ج ۲ ص ۲۱۸) جیسے کئی مورخین کے نزدیک یہ واقع اصول روایت اور درایت کے مطابق بالکل بے بنیاد ہے۔ اور ان لوگوں میں پھر اختلاف ہے بعض کا یہ خیال ہے کہ عثمان کے دور حکومت میں آئیں اور بعض (مثل صاحب ناسخ و محدث قمی در منتہی الآمال) کی تحقیق یہ ہے کہ یہ معظمہ حضرت امیر علیہ السلام کے ظاہری عہد خلافت میں آئیں بنابراین تحقیق سرے

سے اس استدلال کی عمارت ہی زمین بوس ہو جاتی ہے۔

سابعاً:۔ یہ کہنا کہ حضرت علیؑ و امام حسینؑ عمر کی بارگاہ میں جاتے اور مالِ غنیمت سے حصہ لیتے تھے محض اسی واقعہ سے قیاس بے اساس پر مبنی ہے جو استقرار ناقص بلکہ انقص ہے جو مفید ظن بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس سے یقین حاصل ہو؟ عین ممکن ہے کہ جب سارے مدینہ میں غلغلہ بپا تھا۔ کہ اسیران عجم آئے ہیں۔ جن میں شہنشاہ ایران کی شہزادیاں بھی ہیں اور انکو دیکھنے کیلئے سارا مدینہ مسجد نبوی میں امڈ آیا تھا۔ تو یہ ذوات قادسہ بھی اپنے علم لدنی کی بنا پر کہ یہ معظمہ حضرت امام حسین کے حبالۂ عقید میں آنے والی تھیں۔ تشریف لائے ہوں۔ اور اس خاتون کے فارسی کلام کرنے اور عمر کے سزا دینے کا ارادہ کرنے کے وقت جناب امیر نے وہ مشورہ دے دیا ہو۔ جو استدلال میں مذکور ہے اور اس طرح حق بحقدار پہنچ گیا ہو۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ یہ بزرگوار ہمیشہ عمر کے دربار میں موجود رہتے تھے اور غنائم سے برابر حصہ لیتے تھے؟ **بینھما بون بعید**

ثامناً:۔ یہ کہنا کہ ''عمر کو حضرت علیؑ و امام حسین سے بڑی محبت تھی۔ اسلئے شاہی خاندان کی خاتون بخش دی''

ع جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

بندۂ خدا! بخشی وہ چیز جاتی ہے جو ذاتی ملکیت میں داخل ہو۔ یہ معظّمہ کب عمر کی ذاتی ملکیت تھیں تا کہ اس پر ہبہ و بخشش کی تعریف صادق آئے؟۔۔ وہ تو مالِ غنیمت میں آئیں جو سب مسلمانوں کا مشترکہ مال ہوتا ہے۔ (جن کے سردار آل محمد ہیں) اور اپنے حق اختیار کو استعمال کر کے حیدر کرار کے محبوب کردگار فرزند امام الکونین حضرت امام حسین کو منتخب کرلیا۔ تو اس میں عمر کی بخشش یا ایثار کا کیا سوال ہے؟

تاسعاً:۔ مولف نے یہ بے پر کی بھی اڑائی ہے کہ حضرت عمر کا سادات پر احسان ہے۔ حق بات یہ ہے کہ عمر کا سادات کرام پر کوئی احسان نہیں ہے جیسا کہ اوپر واضح وعیاں کیا جا چکا ہے۔ بلکہ یہ سادات کرام کا احسان ہے کہ انکے جد امجد ﷺ کے طفیل اونٹ چرانے والا فظ، غلیظ القلب[1] گمنام شخص بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ اور پھر مسندِ خلافت وحکومت پر بیٹھا۔ اور پورے عالم اسلام پر حکمرانی کی۔ اگر سادات کے جد نامدار کا یہ احسان نہ ہوتا تو عمر کو یہ ملک و مال اور یہ سطوت و اقتدار اور یہ ظاہری وقار کس طرح نصیب

---

[1] فظ غلیظ القلب، عمر صاحب کی تند خوئی و درشت طبعی زبان زدِ خلائق ہے اسی بنا پر کتب سیر و تواریخ میں لکھا ہے کہ جب ابو بکر نے عمر کو خلیفہ بنانا چاہا تو صحابہ نے شور مچایا کہ تم فظ غلیظ القلب کو خلیفہ بناتے ہو (ازالۃ الخفاء وغیرہ) مگر ابو بکر صاحب نے کسی کے شور و شر کی پروانہ کرتے ہوئے عمر کے سقیفہ والے احسان کا بدلہ چکا ہی دیا۔ (منہ عفی عنہ)

ہوتا؟ بلکہ حسب سابق وادیٔ ضجنان[1] میں صبح شام اونٹ چرایا کرتے۔ یا اپنے والد[2] کی طرح لکڑیاں اکٹھی کر کے بازاروں میں بیچتے اور تنور شکم پر کرتے اور بالآخر گوشہ گمنامی میں مر کر ختم ہو جاتے۔۔۔مگر افسوس صرف اہلسنت ہی احسان فراموش نہیں بلکہ خود عمر اس قدر محسن کش اور احسان فراموش واقع ہوا تھا۔ کہ جس محسن اعظم کے طفیل اسے یہ سب کچھ عز و وقار اور جبروت و اقتدار حاصل ہوا تھا۔ اسی کی لاڈلی بیٹی کا گھر جلانے کیلئے دروازے پر آگ و لکڑیاں جمع کیں اور گستاخانہ کلام کیا۔ اور اسی محسن اعظم کی ذریت کا حق خمس ضبط کیا۔ (الفاروق) پہلوئے فاطمہ پر دروازہ گرایا۔ جس سے شہزادہ محسن کی شہادت واقع ہوئی (الملل والنحل) للہذا آج اگر اس عمر کے تابعدار و حبدار (اپنی ماؤں کی اولاد) سادات عظام کے نسب میں دبے الفاظ میں قدح کر کے اپنے خبث باطن اور سادات دشمنی کا ثبوت فراہم کریں۔ تو ہمارے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

ع تلک شقشقۃ اعر فہا من اخزم

ع پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے!

عاشر: جہاں تک مسلہ فدک کا تعلق ہے اس موضوع پر وہاں مفصل گفتگو کی جائے گی جہاں مؤلف اس عنوان پر گفتگو کا آغاز کریں گے۔ سردست صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ کہنا کہ جناب شہر بانو اپنے ساتھ اس قدر لباس فاخرہ اور زیورات و جواہرات لائیں جس سے کئی باغِ فدک خریدے جا سکتے تھے۔ یہ خیال بچند وجہ محال ہے۔

(الف) یہ مؤلف کی محض قیاس آرائی ہے (جو انکو ابلیس سے ورثہ میں ملی ہے) کہ جب وہ شہزادی تھیں تو ضرور زیورات و جواہرات ہمراہ لائی ہونگی ورنہ اسکا کوئی قابل اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ قیاس اس لئے بے اساس ہے کہ وہ بحالت شہزادگی دربار میں نہیں آئی تھیں بلکہ بحالت اسیری آئی تھیں۔ اور انکا تمام شاہی مال و اسباب پہلے ہی مسلمان بطور مال غنیمت لوٹ کر لے جا چکے تھے۔

(ب) اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے جناب عمر کی منقبت نہیں بلکہ منقصت ثابت ہوتی ہے اور ان کی دیانت و امانت کا جنازہ نکل جاتا ہے کہ اس قدر زرِ کثیر صرف ایک شخص (امام حسینؑ) کے حوالے کیوں کر دی جبکہ سب مسلمان اس میں شریک تھے۔

---

[1] جناب عمر زمانہ جاہلیت میں وادی ضجنان میں بعض قبائل عرب کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو لسان العرب ج ۱۷ ص ۱۱۲، تاج العروس ج ۹ ص ۲۶۲ طبری ج ۴ ص ۲۹۔ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۶۵) (منہ عفی عنہ)

[2] عمر صاحب کے والد خطاب ایندھن اکٹھا کر کے فروخت کیا کرتے تھے اور عمر صاحب بھی انکا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ اور اسی مشغلہ پر گذر اوقات تھی۔ (العقد الفرید ج ۱ ص ۱۹) (منہ عفی عنہ)

(ج) امام حسینؑ نے معصوم عن الخطاء اور مطہر عن الرجس ہوکر اپنے استحقاق سے زائد حصہ کیوں قبول کیا؟

(د) یہ خیال درحقیقت فدک کے حدود اربعہ نہ سمجھنے کی پیداوار ہے بلکہ اسی دقیانوسی نظر پر مبنی ہے کہ باغ فدک چند کھجوروں پر مشتمل تھا۔ جو سراسر غلط ہے۔ (تفصیل مسئلہ فدک میں بیان کی جائے گی)۔ اگر معترض کو حقیقت فدک کا علم ہوتا تو یہ بات زبان پر نہ لاتا! تلک عشرۃ کاملۃ فقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلناہ ھباً منثوراً۔

؎ مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

پانچویں روایت اور اس کا جواب:

(۵) حیات القلوب ج ۲ ص ۲۰۳ میں ہے خاصہ وعامہ روایت کردہ اند کہ جنگ احزاب (بحذف فارسی) ترجمہ:

خاص وعام نے روایت کیا ہے کہ جنگ احزاب میں حضور علیہ السلام نے خندق کی کھدائی کا کام صحابہ کرام میں اس طرح تقسیم کیا کہ دس دس اشخاص چالیس چالیس گز کی کھدائی کریں۔ جو زمین حضرت سلمان اور حذیفہ کے درمیان تقسیم تھی اس میں ایک پتھر آ گیا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت عرض کیا تو حضور مسجد احزاب سے اتر کر آئے ان سے ہتھیار لے کر تین بار پتھر پر رسید کیا۔ ہر مرتبہ پتھر کا تیسرا حصہ اڑ گیا اور ہر دفعہ کی ضرب سے پتھر سے روشنی نکلی جس سے جہان روشن ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ صحابہؓ نے بھی تکبیر کہی۔ حضور نے فرمایا۔ پہلی روشنی میں میں نے یمن کے محلات دیکھے لئے۔ کہ خدا نے وہ ملک مجھے دے دیا۔ دوسری میں شام کے محلات نظر آئے اور وہ ملک بھی خدا نے مجھے عطا فرمایا، تیسری میں مدائن کے چوبارے دکھائی دئے۔ اور خدا نے بادشاہ عجم کی سلطنت مجھے بخش دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا اس دین کو غالب کرے گا۔ خواہ کفار بُرا منائیں۔ یہی واقعہ فروع کافی جلد ۲ ص ۱۰۲ میں بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام درج ہے اور حملۂ حیدری نے بھی اسکو نظم میں لکھا ہے!

؎ بداں فاقہ و ضعف سالارِ دیں ☆ ستد تیشہ از دست انصار دین

پس اب ہم شیعہ حضرات سے دریافت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کب کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ یہ بات مسلم ہے کہ روم۔ یمن۔ مدائن حضرت عمر کے عہد میں فتح ہوئے قیصر وکسریٰ کے تخت آپ نے الٹ دیئے۔ پھر اگر معاذ اللہ، حسب زعم شیعہ حضرات عمر منافق یا کافر تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے اُنکے فتوحات کی خوشی کیوں کی۔ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو جناب رسول اللہ۔۔۔ اپنا جائز جانشین تصور فرماتے تھے۔۔۔ کیا شیعہ صاحبان میں کوئی صاحب بصیرت ہے جو اپنی کتابوں کی بین شہادت دیکھ کر خیال کرے کہ جن پاک ہستیوں کی تم شکایت کرتے ہو۔ رسول پاک کے دین کی انہوں نے کیسی مدد کی؟ اور کیسے کیسے مادی جبروت سلاطین کو حلقۂ بگوش اسلام بنایا۔۔۔ مولانا شبلی نے الفاروق حصہ

دوم میں یورپین مورخین کی رائے کے موافق فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود واربعہ کی یوں تشریح کی ہے کہ حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۲۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک یہ حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام حضرت عمر کی ذاتِ اقدس پر جس قدر فخر کرے بجا ہے۔۔۔ ایک ہزار چھتیس ہزار بلاد وامصار جن میں کفار کی حکومت اور بتوں کی خدائی مانی جاتی تھی فتح کر کے ان کو دارالاسلام بنایا۔ اور باشندگان کو کلمۂ توحید پڑھایا۔ جامع مسجدیں تعمیر کیں۔ ہزاروں بت خانے گرائے۔ اور آتشکدے سرد کئے۔۔۔ آپ کی صولت فاروقی نے لشکر قیصرو کسریٰ کو ہزیمت دی۔ اور عجم وعراق سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل کیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ؎

کی ہے خلافت آپ نے کس دھوم دھام سے ☆ ایران سے خراج لیا اور شام سے

شوکت بھی فخر کرتی ہے حضرت کے نام سے ☆ گر شبہ ہو تو پوچھ لو ہر خاص و عام سے

طہران اور عراق میں سکہ بٹھادیا ☆ گبروں کا نام ملک عجم سے مٹا دیا

(آفتاب ہدایت ص ۱۱۲)

الجواب:

اس استدلال کا لب لباب یہ ہے کہ جناب عمر نے بہت سے دیار و مصار بلکہ بہت سے ممالک فتح کئے اور انکی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اس سے نہ جناب عمر کا ایمان ثابت ہوتا ہے نہ خلافت اور نہ ہی نجات۔ کیونکہ ہم گذشتہ باب میں پہلی اور بائیسویں آیت کے جواب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ نجات اخروی کا دار و مدار عقیدہ، عمل صالح اور خاتمہ بالخیر بالفاظ دیگر ایمان مستقر پر ہے۔ اور اٹھارہویں آیت کے جواب میں بالتفصیل اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ متعدد کتب تفسیر وحدیث میں حضرت رسولخدا سے مروی ہے۔ فرمایا ان اللہ تبارک و تعالیٰ لیؤید الاسلام بر جال ما ھم من اھلہ یعنی خداوندِ عالم دین اسلام کی تائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جو خود اہل اسلام نہیں ہوتے (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۲) بعض روایات۔ میں یہ الفاظ موجود ہیں و اللہ تبارک و تعالیٰ یؤید الدین باقوام لا خلاق لھم رواہ النسائی و ابن حبان یعنی خداوند عالم ایسے لوگوں سے بھی دین کی تائید ونصرت کر دیتا ہے۔ جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۵) بعض اخبار میں یہ الفاظ درج ہیں و ان اللہ یوید الدین بالرجل انفاجر یعنی خدا اپنے دین کی مدد و تائید فاسقوں فاجروں کے ذریعہ سے بھی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳۱ مع فتح الباری طبع دہلی) باقی رہی یہ بات کہ بعض ممالک کے فتح ہونے کی پیشگوئی کب اور کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ تو اس سے جو کچھ فضل و شرف ثابت ہوتا ہے وہ

صرف پیشگوئی کرنے والے بزرگوار کا ہے کہ وہ صاحب علم لدنی اور ماینطق عن الھویٰ کے مصداق تھے۔ جو کچھ فرمایا وہ من وعن پورا ہوا خواہ جس کے ہاتھ پر ہوا۔ جو روایت استدلال میں حیات القلوب اور فروع کافی کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے اس پوری روایت میں اس شخص کے متعلق کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے کہ جس کے عہد میں یہ پیشینگوئی پوری ہوگی۔ وہ کون اور کیسا ہوگا؟ حیات القلوب ج ۲ ص ۴۴۹ طبع نولکشور میں جو روایت ہے اس سے تو اس فاتح کی سراسر مذمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشینگوئی فرمائی تو ابوبکر وعمر با یکدیگر گفتگند کہ نمی توانیم از ترس بقضائے حاجت بہر دیم او وعدہ ملک بادشاہ عجم و پادشاہ روم بما میدہد۔ یعنی ابوبکر وعمر نے (بطور تمسخر ایک دوسرے سے کہا) ہم تو قضائے حاجت (بول و براز پھرنے کیلئے باہر نکل نہیں سکتے۔ اور یہ (رسول ؐ) ہم سے روم وعجم کی بادشاہتیں ملنے کے وعدے کر رہے ہیں اور حملۂ حیدری کے بعض اشعار ناظم کے طبع زاد خیالات کے آئینہ بردار ہیں اور ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دین کی صداقت کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اسکی نصرت بے دینوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ کیا فرعون نے حضرت موسیٰ کی پرورش کر کے بالواسطہ دین کو تقویت نہیں پہنچائی تھی تو کیا ایمان وعمل صالح وخلوصِ نیت کے بغیر اسے کچھ فائدہ حاصل ہوگا؟ حاشا وکلا عمر صاحب کے ممالک مفتوحہ کی جو فہرست شبلی نعمانی صاحب کے حوالہ سے مؤلف نے پیش کی ہے۔ اگر کتب تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو اس سے بہت زیادہ طویل وعریض فہرستیں۔ سکندر اعظم، ہلاکو خان، اور پنولین وغیرہ فاتحین عالم کے حالات میں مل جائیں گی۔ انکا اصل مقصد تو یہ تھا کہ جوع الارض کے تحت اپنا مادی اقتدار بڑھایا جائے۔ اور مال وزر سے خزانوں کو بھرا جائے۔ سو یہ مقصد حاصل ہوگیا۔ جیسا کہ مؤلف نے بالآخر اس حقیقت کا اعتراف کر ہی لیا۔ کہ ''آپ کی صولتِ فاروقی نے لشکر قیصر وکسرے کو ہزیمت دی اور عجم وعرق سے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ (آفتاب ۱۲۲) سچ ہے۔ **من اراد الدنیا نؤته منها و ماله فی الآخرة من نصیب:** اگر سچ پوچھئے تو ان لوگوں کی ان فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور ان کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ اسلام جو اطراف واکناف عالم میں پھیلا ہے تو وہ اپنی صداقت وحقانیت کی بنا پر نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر پھیلا ہے، یہ لوگ اپنے اس زعم باطل کی تائید میں انہی ملکی فتوحات اور انہی خلفاء کے جنگی کارناموں کو پیش کیا کرتے ہیں۔ اسلئے ان فتوحات پر جس قدر افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اے کاش! کہ وہ یہ فتوحات کر کے اسلام کو بدنام نہ کرتے۔ یقیناً اسلام زبان حال سے کہتا ہوگا کہ

ع مجھ پہ یہ احسان جو نہ کرتے تو یہ احسان ہوتا؟

چھٹی روایت اور اس کا جواب:

(۶) حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۴۸ میں ہے ''ابن شہر اشوب وغیرہ روایت کردہ اند کہ روزی آنحضرت نظر کرد بسوئے ذراعہائے سراقہ بن مالک الخ۔۔۔ (بحذف فارسی) ترجمہ: ابن شہر اشوب وغیرہ نے روایت کی کہ ایک روز

آنحضرت ﷺ نے سراقہ بن مالک کے بازوؤں کو دیکھا جو بہت پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور فرمایا: سراقہ! تمہاری اس روز کیا حالت ہوگی جب شاہِ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر جب حضرت عمر کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا۔ تو آپ نے سراقہ کو طلب کیا اور شاہ عجم کے کنگن اسکے ہاتھ میں پہنا دیئے۔ اس روایت کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالیٰ نے بخشا ہوا تھا۔ اپنے جلیل القدر صحابی حضرت عمر کی فتوحات کو دیکھ دیکھ کر ایسی خوشی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو نئے نئے طریق سے بشارت سنا کر حضرت عمر کی جلالت ۔۔۔ پر متنبہ فرماتے تھے۔۔۔ بھلا اگر حضرت عمر بقول شیعہ۔۔۔ کافر منافق ہوتے تو اُن کا جہاد ناجائز ہوتا اور ۔۔۔ مال غنیمت مالِ مغصوب۔۔۔ تو کیا رسول خدا نے۔۔۔ سراقہ کو مال حرام۔۔۔ کے حاصل ہونے کی بشارت دی تھی؟ شیعو غور کرو۔ (آفتاب ص ۱۲۳)

الجواب:

اس روایت کا بنا پر تسلیم (کیونکہ ہمارے پاس نولکشور لکھنو کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے اس میں سابقہ روایت کی طرح اس روایت کا بھی محولہ بالا صفحات بلکہ اس سے قبل و بعد کئی صفحات دیکھ ڈالے مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملا) وہی جواب ہے جو سابقہ روایت کے متعلق دیا گیا ہے کہ اس سے صرف پیشینگوئی کرنے والے (حضرت رسولؐ خدا) کی صداقت و حقانیت ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح باعلام اللہ خبر دی تھی اسی طرح وقوع پذیر ہوئی۔۔۔ اسی لیئے پیشینگوئیوں کے پورا ہونے کو صداقت نبی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ اس سے کیا غرض کہ وہ کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ یا کس کے ہاتھ پر پوری ہوئی؟ نہ ہی اس میں اس غزوہ کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی اس سے حاصل شدہ مال کے حرام و حلال ہونے کا اس سے کوئی تعلق ہے! اس میں تو صرف یہ ہے "سراقہ! تمہاری اس روز کیا حالت ہوگی جب شاہ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہونگے" اور اگر بنا بر تنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان الفاظ سے اس مال کا حلال ہونا سمجھا جاتا ہے تو سابقاً روایت نمبر ۳ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ غزوہ فارس بوجہ حضرت علیؑ سے مشورہ طلب کرنے کے جائز تھا اور اس سے حاصل شدہ مال حلال تھا۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں مؤلف نے یہ لکھا ہے کہ "حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب بخشا ہوا تھا (ص ۱۱۲) لیکن اسی کتاب کے ص ۱۷۰، وص ۱۹۴ پر امام کے علم ماکان و مایکون کی رد کرتے ہوئے "اس علم کو خاصہ ربوبیت قرار دیا ہے" سچ ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد

اسے بغض و عناد اہلبیتؑ کی دنیوی سزا سمجھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کا حافظ ختم ہوجاتا ہے اور دینی و ذہنی فہم و شعور سلب ہوجاتا ہے اور دیانت و امانت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ وعذاب الاخرہ اشد وابقی۔ مؤلف کے فرزند قاضی صاحب نے ص ۱۲۲ کے ذیلی حاشیہ

میں اس ''علم غیب'' کی جو تاویل کی ہے کہ اس سے مراد ''علم اجمالی'' ہے نہ ''تفصیلی'' تو شیعی عقیدہ کہ ''امامؑ کو ما کان و ما یکون کا علم ہوتا ہے'' کی بھی یہی تاویل فرمادیں کہ ان کو علم اجمالی ہوتا ہے نہ تفصیلی۔ تا کہ اخوت اسلامی کا کچھ تو حق ادا ہوسکے۔ احمل فعل اخیک المسلم علی الصحۃ۔ لیکن خدا تعصب کا بُرا کرے جب اسکی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر آدمی حق و باطل میں امتیاز نہیں کرسکتا۔

؎ شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا ☆ یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

ساتویں روایت اور اس کا جواب:

(۷) یہ امر مسلم ہے کہ حضرت عمر کی دختر نیک اختر حضرت حفصہ کو حضور علیہ السلام کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل تھا اور آپ رسول پاک کے خسر تھے تو معاذ اللہ آپ منافق و کافر ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر شادی نہ کرتے۔ جب آپ کو صریح حکم تھا لا تنکحو المشرکات (مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو) لامحالہ ماننا پڑے گا کہ عمر صاحب فضیلت و شریعت تھے۔۔۔ بھائیو! خسر بمنزل والد واجب التعظیم ہوتا ہے پھر جو لوگ حضرت عمر کو بُرا بھلا کہتے ہیں وہ گویا رسول پاکؐ کے باپ کو برا کہتے ہیں پھر ایسے لوگوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ عبرت، عبرت، عبرت۔

کیا ہوگیا ہے خبط یہ شیعہ کرام کو ☆ کرتے ہیں سب و شتم صحابہ کرام کو
دیتے مغلظات ہیں منبر پہ بیٹھ کر ☆ ازواج پاک سید بیت الحرام کو
حضرت کے دوستداروں کو دیکر یہ گالیاں ☆ دیتے ہیں یہ دکھ رسول علیہ السلام کو
لعنت کا ورد کرتے ہیں صلوات کے بجا ☆ لعنت وظیفہ اُن کا ہے بس صبح و شام کو
حضرت ہمارے رحمت عالم ہیں بالیقین ☆ لعنت سے پیار امت خیر الانام کو
یہ بات بس بعید ہے اے یار عقل سے ☆ لعنت سے پیار ہوتا ہے شر الانام کو
اصحابؓ سے رسولؐ سے سمجھو نہیں جدا ☆ پڑھ کر ذرا تو دیکھو خدا کے کلام کو
ایسی معیت ان کو تھی حاصل رسول سے ☆ بھولے نہ ایک پل میں بھی حضرت کے نام کو
زندہ رہے تو آپؐ پر ہر دم فدا رہے ☆ ملحوظ ہر طرح سے رکھا احترام کو
مر کر بھی ساتھ چھوڑا نہ اپنے حبیبؐ کا ☆ آقا سے کیا پیار تھا دونوں غلام کو
پہلو بہ پہلو سوئے ہیں حضرت کے دونوں یار ☆ اور حشر ہوگا ساتھ ہی یوم القیام کو
محشر میں بھی نہ چھوڑیں گے ہرگز نبی کا ساتھ ☆ حتیٰ کہ مل کے جائیں گے دارالاسلام کو

جلتاہے گر رقیب حسد سے جلا کرے ☆ بخشا یہ قرب حق نے صحابہ کرامؓ کو
آغوش میں نبیؐ کے وہ سوتے ہیں دوستو ☆ رحمت برس رہی ہے وہاں صبح و شام کو
جب لا یجاودونک حق نے بتادیا ☆ ملتا نہیں پڑوس یہ ہرگز لئام کو
کرتے ہو اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ ☆ یہ لعن طعن چھوڑ دو اور اتہام کو
ڈالا گلے میں طوق لعنت کا تم نے کیا ☆ کرتے ادا نہیں ہو صلوٰۃ و صیام کو
مرغوب میرجی کو ہے اب دارے کی نشست ☆ مسجد نہیں پسند محب امام کو
ڈاڑھی ہے چٹ جناب کی اور مونچھیں دراز ہیں ☆ اور کر رکھا وظیفہ ہے بھنگ حرام کو
کر لیتے سال بھر میں ہیں مجلس امام کی ☆ پس آپ بخشے جائیں گے یوم القیام کو
مجلس حسینؑ کی لگی واہ واہ کیا ☆ دے کر منادی جمع کیا خاص و عام کو
چوہڑے مسلی۔ ڈوم۔ قلندر ہیں جمع یاں ☆ آئے ہیں مل کے پیٹنے حضرت امامؑ کو
روزہ۔ نماز کا نہ لیا عمر بھر میں نام ☆ استنجا بھی کیا نہیں سالِ تمام کو
ناپاک منہ سے لیں گے یہ نام حسینؑ کو ☆ ہوگی بہت خوشی ہی ائمہ عظام کو
زندہ شہید ہوتے ہیں قرآن ہے گواہ ☆ تم پیٹتے ہو مردہ سمجھ کر امام کو
ہے پیٹنا حرام یہ صادقؑ نے کہہ دیا ☆ تم بندگی سمجھتے ہو فعل حرام کو
قول خدا و قول پیغمبرؐ سے ہے ابا ☆ اور خود ہی گھڑ رکھا ہے خیالات خام کو
ہیں دشمنان دین نہ مؤمن ہیں یہ دبیرؔ ☆ بس دے رہے ہیں دھوکا یہ مل کر عوام کو

(آفتاب ص ۱۲۵)

الجواب:

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جناب حفصہ کو زوجیت رسول کا شرف حاصل تھا۔ مگر قابلِ غور یہ چیز ہے کہ وہ صاحبہ کس طرح رسول خدا کے حبالہ نکاح میں آئی تھیں؟ جو کچھ کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلے خنیس بن حذافہ سہمی کی زوجیت میں تھیں۔ اس کی وفات کے بعد جناب عمر کو انکے عقد ثانی کی فکر ہوئی مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصوفہ کی صورت و سیرت کی کچھ اچھی شہرت نہ تھی۔ اسلیئے کچھ عرصہ انتظار کیا مگر جب کسی نے منگنی کرنے کی ہمت و جرأت نہ کی تو جناب عمر نے خود جا کر لوگوں کو ان سے نکاح کرنے کی پیش کش کی۔ مگر کسی نے بھی اُن کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے ہم نوالہ و ہم پیالہ ابوبکر صاحب کی خدمت میں التجا کی۔

لیکن ابوبکر اعراض نمودہ در جواب ہیچ نگفت ۔''انہوں نے ایسی خاموشی سادھی کہ نفی یا اثبات میں کوئی جواب ہی نہ دیا''۔ جب انہیں اُدھر سے مایوسی ہوئی تو پھر عثمان صاحب کی بارگاہ میں التماس کیا مگر''قبول نہ کرد''۔ انہوں نے بھی اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ بالآخر ہر طرف سے تھک ہار کر صاحب خلق عظیم (فداہ ابی و اُمی) کی سرکار میں استدعا کی اور انہوں نے از راہ خلق و مروت اس کو قبول کرلیا۔ لیکن اس نیک اختر سے آنحضرت کا نباہ نہ ہوسکا اور آخر کار طلاق تک نوبت پہنچ گئی۔''چوں آں خبر بعمر رسید خاک بر سر خود ریخت وگفت بعدازیں عمر را چہ وقع و مقدار بماند''یعنی جب یہ خبر وحشت اثر عمر صاحب تک پہنچی تو انہوں نے سر میں مٹی ڈالی اور داد فریاد کی بالآخر انہی کے اصرار سے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ نے رجوع فرمالیا۔'(روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۱۴ طبع لکھنو وغیرہ) ان حالات میں اس کے عقد و ازدواج کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟ یہ شیعوں پر سراسر اتہام ہے کہ وہ حضرت ثانی کو کافر سمجھتے ہیں۔ یا انکو گالیاں دیتے ہیں ہم تو کفار ومشرکین پر بھی بموجب آیت''ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ'' سب شتم کرنے کو روا نہیں سمجھتے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہم انکو مؤمن کامل نہیں جانتے اور اگر بفرض محال یہ الزام درست بھی ہو تب یہ کس شریعت کا مسئلہ ہے کہ کسی کافر ومشرک کی بظاہر مسلمان لڑکی سے نکاح نہ کیا جائے؟ کیا آنحضرت ﷺ کی زوجۂ محترمہ جناب صفیہ کا والد حی یہودی نہ تھا؟ اور کیا جناب ام حبیبہ کا والد ابوسفیان نکاح کے وقت کافر نہ تھا؟ ۔و۔و۔و۔؟ تو جو شرف ان لوگوں کو حاصل تھا وہی عمر صاحب کو بھی حاصل ہے؟ مؤلف کا دعویٰ یہ ہے کہ ''کافر ومشرک کے گھر شادی نہ کرو'' اور دلیل میں وہ آیت پیش کی جاتی ہے کہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو''۔ اسے کہتے ہیں''ماردوں گھٹنہ اور پھوٹے آنکھ'' دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کے لازم ہونے کا بھی علم نہیں اور فن مناظرہ میں کتاب لکھی جارہی ہے۔ لقد حسن قدح لیس منھا

؎ بت کریں دعویٰ خدائی کا ☆ شان ہے تیری کبریائی کی

خسر بمنزلۂ والد واجب التعظیم ہوتا ہے! یہ کس آیت قرآن یا پیغمبرؐ اسلام کے کس مستند فرمان سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا!! اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی بقول مخاطب خسر بمنزلۂ والد ہے۔ خود والد تو نہیں۔ تو اگر مؤلف کو یہ اندیشہ ہے کہ خسرِ رسول ﷺ کو بُرا کہنے والوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ تو کبھی ان لوگوں (اہلسنت والجماعت) کے متعلق بھی سوچا ہے کہ جو رسولِ اسلام کے حقیقی والدین شریفین کو''کافر ومشرک'' (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰، ۱۳۱ طبع لاہور) کہہ کر انکی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ انکا انجام کیا ہوگا؟ لیجئے ہم بتائے دیتے ہیں۔

؏ برا ہوگا برا ہوگا، برا ہوگا

ضیافت طبع کیلئے نظم کا جواب نظم میں اور اسی ردیف قافیہ میں پیش خدمت ہے: ھذہ بضاعتکم ردت الیکم اور یہ بات مسلم ہے کہ عوض معاوضہ گلہ ندارد۔

جوابی نظم اُردو

کیا ہوگیا ہے مفتیٔ اشرف مقام کو ☆ کہتا ہے شام روز کو اور روز شام
ظاہر میں ادعا ہے کہ نہیں تابع نبیؐ ☆ تجویز کر رکھا ہے قیاس حرام کو
ظاہر میں نام اور ہے باطن میں کچھ عمل ☆ بدنام کر رہے ہیں یہ سنت کے نام کو
عرسوں میں صوفی ناچتے ہیں ڈوم کیطرح ☆ سمجھے ہوئے ہو خوب تم، اس دھوم دھام کو
طبلے پہ تم چڑہاتے ہو نام اُس جنابؐ کا ☆ کیا منہ دکھا سکوگے رسولؐ انام کو
گمراہ! کیوں ہے تعزیہ داری پہ طعنہ زن ☆ کیا تو جواب دے گا شۂ خاص و عام کو
دیکھا تھا امّ سلمہؓ نے غم میں حسینؑ کے ☆ بیتاب و سر بخاک رسولؐ انام کو

آٹھویں روایت اوراس کا جواب:

(۸) حیات القلوب ج ۲ ص ۴۱۹ میں ہے۔ ’’بروایت دیگر مشت خاکے از برائے آنحضرتؐ فرستاد۔ حضرت فرمود کہ امت من بزودی مالک زمین اوخواہد شد چنانچہ خاک از برائے می فرستاد۔ دوسری روایت میں ہے کہ کسریٰ (شاہ ایران) نے رسولؐ کے پاس مشتِ خاک بھیجی۔ حضورؐ نے فرمایا: عنقریب میری امت اس زمین کی مالک ہوگی جیسا کہ خاک اس نے میرے لئے بھیجی۔ اب یہ مسلم ہے کہ یہ پیشگوئی بھی حضرت عمر کے عہد فرخ میں پوری ہوئی۔ کیا معاذ اللہ حضرت عمر منافق وکافر تھے تو حضرت کا یہ فرمانا کہ میری امت سرزمین ایران کی مالک ہوگی۔ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ کیا امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کافر ومنافق بھی شمار ہوسکتے ہیں؟ (آفتاب ص ۱۳۵)

الجواب:

اس استدلال کے جواب بعینہ وہی ہے جو اوپر استدلال نمبر ۵، ۶ کا دیا جا چکا ہے **حذو النعل بالنعل و القذة۔ بالقذة فلا نطیل الکلام بالتکرار۔** روماً للاختصار اور یہ جو کہا ہے کہ کیا امت رسولؐ میں کافر ومنافق شمار ہوسکتے ہیں۔‘‘ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر امت اجابت میں شمار نہیں ہوتے اگر چہ امت دعوت میں شامل ہوتے ہیں (**و بینھما بون بعید**) مگر ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ انکو کافر نہیں سمجھتے اور جہاں تک منافقین کا تعلق ہے تو جس طرح بالاتفاق ان پر دوسرے اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں اسی طرح ان پر بظاہر امت رسولؐ ہونے کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے۔ امتی ہونے کیلئے مؤمن عادل ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جس پر مشہور ومسلم الظرنین حدیث ’’**ستفترق امتی علی ثلاثہ و سبعین فرقة**‘‘ دلالت کرتی ہے **فتدبر و الا تکن من الجاحدین۔ انا ھدیناہ**

السبیل اما شاکراً و اما کفوراً۔

گہ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم!

نویں روایت اور اس کا جواب:

(۹) حضرت عمر داماد علیؑ تھے۔ ایک روشن دلیل اس امر کی کہ حضرت عمر سے حضرت علیؑ المرتضیٰ کو کمال محبت و پیار تھا اور ان کے نزدیک اُنکی شرافت ونجابت مسلم تھی۔ یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنی دختر بلند اختر حضرت اُم کلثوم کا رشتہ حضرت عمر کو دے کر نکاح کر دیا اگر معاذ اللہ وہ منافق تھے تو جناب امیر علیہ السلام نے سیدہ ام کلثوم کا کیوں ایک کافر و منافق سے نکاح کر دیا؟ شیعہ۔۔۔ کو سخت اضطراب لاحق ہوا۔ اور طرح طرح کی تاویلات رکیکہ سے کام لینے لگے۔ ایک روایت یہ وضع کی گئی ہے کہ ام کلثوم جبراً چھین لی گئی۔۔۔ دوسری روایت اسی کتاب کے صفحہ مذکورہ میں یوں ہے (بحذف عربی) ہشام بن سالم نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ سے ام کلثوم کا ناطہ طلب کیا تو آپ نے کہا وہ چھوٹی لڑکی ہے۔ پھر وہ عباس کو ملے اور کہا۔۔۔ میں نے ناطہ تمہارے بھتیجے علی سے مانگا ہے اس نے انکار کر دیا ہے۔ میں زم زم کو لوٹاؤں گا۔ اور تمہارے جملہ اعزازت کو مٹا دونگا اور علی پر دو گواہ سرقہ کرنے کے گذار کر اسکے ہاتھ کاٹ دونگا۔ حضرت عباس حضرت علی کے پاس آئے اور کہا ناطہ کا مجھے وکیل بنا دو۔ حضرت علی نے انکو اجازت دی اور نکاح ہو گیا"۔۔۔ ان روایات میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت امّ کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے ہوا۔ لیکن پہلی روایت میں نہایت مکروہ لفظ (فرج) استعمال کر کے کہا گیا ہے کہ ام کلثوم ہم سے چھین لی گئی۔۔۔ دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی ناطہ دینے پر اسلیئے مجبور ہو گئے کہ انکو دھمکی دی گئی کہ تمہارے اعزاز چھین لئے جائیں گے۔ بلکہ تمہیں سرقہ کا اتہام لگا کر قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ سو اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ کہ شجاعت مآب فاتح خیبر حیدر کرار سے انکی صغیرۃ السن لڑکی جبراً چھین لی جائے؟ یا اُن کو ڈرا دھمکا کر ناطہ دینے پر مجبور کر دیا جائے۔۔۔ کوئی با غیرت بہادر شخص اس قسم کی ذلت کبھی قبول کر سکتا ہے؟۔۔۔ اسی باب تزویج کلثوم میں ایک دوسری روایت درج ہے۔۔۔۔ رسول نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسا شخص (ناطہ مانگنے) آ جائے جس کے با اخلاق اور دینداری کا تمہیں اطمینان ہو تو اسے ناطہ دے دو۔ ورنہ زمین میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوگا۔ (فروع ج ۱ ص ۱۴۱)۔۔ حضرت علیؑ بھی چونکہ حضرت عمر کے اخلاق و دینداری کو پسند کرتے تھے۔۔۔ انہوں نے نکاح کر دیا۔ شیعہ کی دوسری چال نکاح ام کلثوم کے متعلق جب شیعہ حضرات کو سخت گھبراہٹ ہوئی۔۔۔ تو دوسری چال یہ کہ۔۔۔ وہ ام کلثوم حضرت علیؑ کی اپنی بیٹی نہ تھیں۔ بلکہ بنت اسماء بنت عمیس اور حضرت کی ربیبہ تھیں۔ سو احادیث بالا میں اسکی خاص تصریح ہے کہ وہ حضرت کی اپنی دختر تھیں۔ اسلیئے اول فرج غصبناہ کہا گیا۔۔۔ ورنہ اسماء کی لڑکی چھین لی جاتی

تو جناب امیرؑ۔۔کو کیا شکایت تھی؟ اور حضرت عمر کو حضرت علیؑ سے خواستگاری نکاح کی کیا ضرورت تھی۔ اسمیں مطلق شک نہیں کہ حضرت ام کلثوم حضرت فاطمہؑ الزہرا کے بطن سے حضرت علیؑ کی دختر تھیں اور حضرت علی المرتضیٰ نے بخوشی کر دیا۔ تہذیب الاحکام ص ۳۸۰ سے دوسری حدیث تحریر کرتے ہیں۔ حضرت صادق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ام کلثوم بنت علیؑ اور اس کا بیٹا زید بن عمر بن خطاب ایک ہی وقت میں فوت ہوئے۔'' اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ حضرت ام کلثوم جو حضرت کی زوجہ تھیں علی المرتضیٰ کی دختر تھیں۔ دوسری حدیث (تائید میں) فروع کافی ج ۲ ص ۳۱۱،۳۱۰ میں ہے۔ سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ میں حضرت صادقؑ سے پوچھا کہ جس عورت کا خاوند مرجائے وہ عدت کہاں گذارے؟ فرمایا جہاں اس کا جی چاہے۔ جب عمر فوت ہوگئے حضرت علیؑ ام کلثوم کے پاس آئے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ اس حدیث نے اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ ام کلثوم زوجہ عمر حضرت علی کی بیٹی تھیں۔ اگر ام کلثوم آپ کی بیٹی نہ ہوتیں، یا آپ کی رضامندی کے بغیر نکاح۔ ہوتا تو۔ پھر ان کو کیا پڑی تھی کہ وفات شوہر کے بعد انکو اپنے گھر لے آئیں۔ علاوہ ازیں ایک برہان قاطع۔ یہ ہے کہ اصول کافی ص ۱۷۳ میں ایک آسمانی وصیت کا ذکر کیا جس میں جناب امیرؑ کو جن مکارہ پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے منجملہ انکے ہتک حرمت بھی ہے۔ ملا خلیل قزوینی نے صافی شرح اُصول کافی جز وسوم ص ۲۸۲ میں یوں لکھا ہے۔ اشارتست بغصب عمر ام کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام را تا آنکہ اقدام بروئے خود'' اگر آپ حقیقی دختر نہ تھیں بلکہ اسماء بنت عمیس کی لڑکی تھیں تو آپکو اس سے غشی آجانے اور منہ کے بل گر پڑنے کی کیا وجہ تھی؟ فصل من مذکر۔۔ محبان علیؑ اگر واقعی امیر علیہ السلام کے محبت صادق ہیں تو دامادِ علیؑ کو گالیاں دینا ان کو مناسب نہیں۔ کیا شیعہ اس بات پر غور کریں گے ویسے تو شیعہ صاحبان کہا کرتے ہیں:

؎ علیؑ کو میں محمدؐ سے تو بہتر کہہ نہیں سکتا ☆ مگر اپنے سے بہتر ڈھونڈ کر داماد کرتے ہیں

لیکن یہاں تو اس مقولہ کو بھول کر دامادِ علی کو بجائے بہتر سمجھنے کے بدتر سمجھتے ہیں یا للعجب (آفتاب ص ۱۲۹)

الجواب:

عقد کلثوم با عمر کے افسانہ کی محققانہ ردّ

؎ نالہ بلبل شیدا تو ہنس ہنس کے سنا ☆ اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

گو قدیم الایام سے محبان ثلاثہ اہلبیتؑ و عمر کے باہمی تعلقات کو خوشگوار ثابت کرنے کیلئے بڑے شد و مد کے ساتھ اس عقد وازدواج کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر بموجب

؎ سیاہ بختان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ☆ کہ خضر از آب حیواں تشنہ میں آرد سکندر را

وہ اس کاغذی کارروائی سے فلاں کے منہ سے شور بختی کے سیاہ دھبے دھونہیں سکتے۔ اور اپنے مقصد میں آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک کامیاب نہیں ہوسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ ایک افسانوی داستان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اصول روایت ودرایت کی رو سے بالکل بے اصل وبے بنیاد ہے۔ اس موضوع پر علماء شیعہ نے نہ صرف ضمنی طور پر بلکہ بیسیوں مستقل کتب و رسائل لکھ کر اس افسانہ کی دھجیاں فضائے محیط میں بکھیر کے رکھ دی ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب کنز مکتوم اور اسکی شرح نیز السر المختوم خاصے کی چیزیں ہیں۔ اصولاً چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کتب میں مذکورہ دلائل کے جوابات دے کر ہم سے جواب الجواب کا مطالبہ کیا جاتا۔ مگر ہر آنے والا ان دلائل کو تو چھوتا بھی نہیں صرف الفاظ وعبارات میں تھوڑا بہت تغیر وتبدل کر کے انہی فرسودہ اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ دلائل کو دہرا دیتا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا معرکتہ الآراء مسئلہ حل کر دیا ہے۔ بہرحال اب ہم ذیل میں اس واقعہ کے بطلان پر بنا بر اصول روایت ودرایت چند براہان پیش کرتے ہیں (۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۷ طبع ممبئی پر مذکور ہے کہ جب ابوبکر و عمر نے سیدۂ عالم جناب فاطمہ زہراء کی آنحضرتؐ سے منگنی کی استدعا کی۔ تو آنحضرتؐ نے فرما کر ان کی استدعا کو مسترد کر دیا کہ ''انھا صغیرۃ'' کہ وہ چھوٹی بچی ہے تم سے شادی کے قابل نہیں۔ قریباً سب سنی مورخین لکھتے ہیں کہ اسوقت اس بچی کی عمر چار۔ پانچ سال تھی۔ (ملاحظہ ہو۔ صواعق محرقہ ازالہ الغین، تذکرہ خواص الامۃ، ذخائر العقبیٰ، فتح الباری اور استیعاب وغیرہا) تو کیا عقل سلیم یہ باور کرسکتی ہے کہ وہ صغیرۃ السن بچی جوان ہو پھر اسکی شادی ہو اور اسکے ہاں چار اولادیں ہوں اور اسکی سب سے منجھلی صاحبزادی کی اسی بوڑھے کھوسٹ سے شادی کی جائے۔ جو عام قرابت کے لحاظ سے اسکی پڑپوتی ہوتی ہے چار پانچ سال کی دلھن اور ساٹھ سال کا دولہا۔ سبحان اللہ! چشم بدور کیسا نادر روزگار جوڑا ہے۔ ایسا کہنے والوں کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرجانا چاہیئے۔ شرم، شرم، شرم۔

(۲) عام اصولِ فطرت یہ ہے کہ

؏ مگر اپنے سے بہتر دیکھ کر داماد کرتے ہیں

جیسا کہ مؤلف نے تسلیم کیا ہے نیز حکم شریعت یہ ہے کہ رشتہ اسے دو جس کا دین واخلاق پسندیدہ ہو۔ لیکن کجا بہتر اور کجا مساوی اور کجا اخلاق ودین کی پسندیدگی یہاں تو یہ حالت ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ثانی صاحب کو ''گنہگار۔ کاذب خیانت کار اور غدار سمجھتے ہیں''۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص ۹۰ طبع دہلی) دریں حالات آیا یہ ممکن تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام ایسے قطب آسیائے شریعت امام ایسے شخص کو اپنے لخت جگر کا رشتہ دے دیتے؟ حاشا وکلا

برادرانِ اسلامی اس واقعہ کی صحت کے قائل ہیں انکے اکابر علماء مثلاً شاہ عبدالعزیز دہلوی (در تحفہ اثناعشریہ) مولوی حیدر علی (در ازالۃ الغین) نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عمر کی زوجہ ام کلثوم کے بطن سے ایک لڑکا مسمی بہ زید پیدا ہوا۔ اور دونوں ماں بیٹے کی بعد

معاویہ ایک ہی دن میں وفات واقع ہوئی۔ حالانکہ جناب ام کلثوم دختر امیر المومنین باتفاق تمام مورخین کربلا کے واقعہ ہائلہ میں موجود تھیں اور بعد از شہادت سید الشہداء اسیری کے مصائب و آلام جھیلنے اور بالآخر رہائی پانے کے بعد مدینہ واپس تشریف لائیں اور کچھ مدت کے بعد انتقال فرمایا۔ (ملاحظہ فرمائیں روضۃ الاحباب، روضۃ الشہداء نور العین فی مشہد الحسین ابواسحاق اسفرائنی۔ روضۃ الصفاء، تحریر الشہادتین اور حبیب السیر وغیرہ،) اس سے روز روشن کیطرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اگر عمر کی کوئی زوجہ ام کلثوم نام کی تھیں اور اُنکے بطن سے کوئی لڑکا مسمی بہ زید بھی پیدا ہوا تھا تو وہ کوئی اور صاحبہ ہوں گی۔ وہ ہرگز ام کلثوم دختر حضرت امیرؑ نہیں ہوسکتیں۔ وھوالمقصود۔

(۴) اس ازدواج کے سلسلہ میں جو شرمناک اور افسوسناک واقعات برادران ااسلامی کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ وہ حضرت امیرؑ کی مسلمہ عصمت وطہارت اور عمر کی مزعومہ بزرگی کے سراسر منافی ہیں۔ اگر ان کو صحیح تسلیم کیا جائے۔۔ تو کجا عمر کی خلافت اور کجا عدالت بلکہ اُن کی شرافت وانسانیت کا بھی جنازہ نکل جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر خاندانِ نبوت کی توہین بھی نہیں ہوسکتی۔ تفصیلات کے شائقین کتاب استیعاب ابن عبدالبرج ۲ ص ۷۷۲ طبع حیدر آباد، اصابہ فی تمیز الصحا، بہ ابن حجر عسقلانی ج ۲ جز ۸ ص ۲۷۵ طبع مصر وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔ ہماری غیرت وحمیت ان واقعات کو "نقل کفر، کفر نباشد" کے طور پر بھی نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

مسلمانوں کے خلیفہ کی عزت وناموس کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس قصہ عقد وازدواج کو ایک افسانہ سمجھا جائے وبس۔ ورنہ

ع نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(۵) اس سلسلہ میں سنی شیعہ کتب سے جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ اس قدر مضطرب اور باہم متعارض ہیں کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً (الف) کسی روایت میں یہ ہے کہ حضرت امیرؑ خود اس عقد کے متولی تھے (ب) کسی میں یہ مذکور ہے کہ یہ عقد جناب عباس عم رسولؐ کی تولیت میں ہوا۔ (ج) بعض میں یہ درج ہے کہ یہ عقد برضا ورغبت واقع ہوا۔ (د) اور کسی روایت میں یہ لکھا ہے کہ وعید وتہدید شدید کے بعد عمل میں آیا۔ (ہ) بعض میں یہ ہے کہ اس نکاح کے نتیجہ میں ایک لڑکا مسمیٰ بہ زید متولد ہوا۔ (و) بعض میں یہ ہے کہ مرگِ پسر کے بعد ماں زندہ رہیں (ز) اور بعض میں یہ ہے کہ دونوں ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہوگئیے۔ (ی) اور بعض میں یہ ہے کہ حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔ اور بعض میں یہ ہے کہ صرف ہزار درہم معین ہوا (د) اور بعض میں ہے کہ بعہد معاویہ وفات پائی اور بعض میں ہے کہ واقعہ کربلا کے وقت زندہ تھیں۔ الی غیر ذالک من الاختلافات الشدیدۃ۔ والتفصیل فی الکنز المکتوم فی حل عقد ام کلثوم وغیرہ من الکتب المبسوطہ۔ (٦) یہ روایات یا تو بلاسند بعض کتب تاریخ وحدیث میں مذکور ہیں

وہ بوجہ ارسال واہمال اور جو مسند ہیں وہ بوجہ ضعف رجال نا قابل اعتماد ہیں۔ اُن کے اکثر و بیشتر راوی کذاب وضاع اور دشمن اہلبیت ہونے کی وجہ سے غیر قابل وثوق ہیں۔ مثلاً

۱۔ ایک راوی سفیان ہے اگر اس سے مراد سفیان بن عیینیہ ہے تو وہ آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ (میزان الاعتدال ص ۱۶۶) اور اگر سفیان ثوری ہے تو یہ شخص ایسا دشمن اہل بیت تھا کہ حضرت صادق آل محمدؑ نے اُسے اپنی بزم قدس میں آنے سے روک دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مواقع الانوار ص ۲۴ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۸ تذہیب التہذیب ص ۸۸ مطالب السئول ص ۲۷۳ تذکرہ خواص الامہ ص ۲۴۵ وغیرہ)

۲۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہے عقد ام کلثوم سے متعلق اس سے مروی روایات کتاب ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر عسقلانی میں درج کی گئی ہیں اس کے بارے میں خود علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ''إعیف من الثامنہ مات سنۃ اثنتین و ثمانین'' ''عبدالرحمن بن زید اسلم عدوی آٹھویں طبقے کا ضعیف ہے ۸۲ ہجری میں فوت ہوا'' (تقریب التہذیب ص ۲۲۹ طبع نو (لکشو پور)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یحیی بن معین نے کہا'' بنو زید بن اسلم لیسوا بشئی ضعیف و قال النجاری عبدالرحمن ضعفہ علی جلداً و قال النسائی ضعیف'' ''زید کی ساری اولاد بے کار ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ ضعیف ہے امام بخاری و امام نسائی نے کہا کہ یہ حدیث کے باب میں نہایت ضعیف ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۶۴ طبع مصر، الکاشف الذہبی ج ۲ ص ۲۴۶ طبع حلب، تحفۃ الاحوذی لمبارک پوری ج ۳ ص ۲۵۴، ۲۷۴ طبع ملتان)

۳۔ تیسرا راوی زبیر بن بکّار ہے۔ یہ زبردست دشمن علیؑ تھا حضرت علیؑ کو بدنام کرنے کے لئے اس نے یہ کہانی تراشی، یہ اپنی اہلبیتؑ دشمنی کی وجہ سے مشہور زمانہ ناصبی متوکل عباسی کا خصوصی درباری تھا اور اس کے بچوں کو باقاعدہ درس دیا کرتا تھا۔ متوکل نے اس کو محض دشمن اولاد علیؑ ہونے کی وجہ سے مکہ کا گورنر بنایا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ ابن الصردی ج ۱ ص ۳۰۱ طبع جدید بیروت، النجوم الزہرہ ج ۳ ص ۲۵۵ طبع قاہرہ)

۴۔ چوتھا راوی: ابن اسحاق ہے۔ ائمہ اہل سنت اسے کذاب و دجال بتاتے ہیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۶۹ طبع مصر میں ہے کہ ابوداؤد نے کہا کہ ابن اسحاق قدرے معتزلی ہے اور سلیمان تمیمی نے کہا کذاب ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔

۵۔ پانچواں راوی: عطا ابن مسلم خراسانی ہے اس کی کنیت ابوعثمان ہے کان من اهل بلخ سکن الشام، یہ بلخ کا باشندہ تھا شام میں سکونت اختیار کر لی تھی (ملاحظہ ہو الجمع بین الرجال الصحیحین للقسیرانی ج ۱ ص ۳۸۷ طبع دکن) اہل علم جانتے ہیں کہ شام ناصبیت کا مرکز تھا وہاں رہنے والوں کی اکثریت ناصبی ذہنیت کی تھی لہٰذا عطاء خراسانی میں بھی اہلبیت کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس

لئے اس افسانوی داستان کوعوام میں پھیلایا۔ علاوہ ازایں امام بخاری نے اسے ضعفاص ۲۷۲ میں ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے اسکی روایات سے استدلال کو باطل قرار دیا ہے اور بخاری نے ضعیف اور اس کی روایات کومقلوب الاسانید قرار دیا ہے نیز کثیر الارسال ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۵ طبع مصر میں ہے اور انساب سمعانی میں ہے کہ وہ روی الحفظ اور وہم وخطا وخلل میں گرفتار تھا۔ اس لئے اسکی روایات سے استدلال کرنا باطل ہے۔

۶۔ چھٹا راوی ابوحنیفہ ہے جہاں تک اُنکے دین و دیانت فضل وصیانت اور عقل ورزانت کا تعلق ہے

؎ اگر گویم زبان سوزد

یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق امام غزالی اپنی کتاب منخول میں فرماتے ہیں ''اما ابو حنفیه فقد قلب الشریعه ظهر البطن و شوش مسلکها و جزم نطاقها الخ'' یعنی ابوحنیفہ نے شریعت محمدؐ کو الٹ پلٹ دیا ہے۔ اس کے راستہ کومشوش ومشتبہ فرمادیا۔ اوراس کے کمر بند کو کاٹ دیا۔

۷۔ ساتواں راوی: عبداللہ بن صالح بن محمد بن مسلم المصری ابوصالح کاتب الیث بن سعد ہے۔ میزان الاعتدال ذہبی ج ۲ ص ۲۲۱ قلمی میں ہے صالح جزرہ نے کہا ہے کہ ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے مگر میرے نزدیک وہ حدیث کے سلسلہ میں مرتکب کذب ہوتا تھا۔ اور امام نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن المدینی کہتا ہے کہ ہم اسے کچھ نہیں سمجھتے۔

آٹھواں راوی۔ لیث بن سعد ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں اسے مجہولین سے شمار کیا ہے۔ وقس علی هذا سائر الرّواة۔ معلوم ہوا کہ اس قصہ کا کوئی راوی دشمن اہلبیت ہے، کوئی کذاب ہے۔ کوئی وضاع اور کوئی مجہول۔ ارباب عقل و دین انصاف سے فیصلہ کریں کیا ایسے راویوں کی روایت پر اعتبار کر کے کوئی نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

(۷) جہاں تک فروع کافی اور تہذیب الاحکام کی روایات کا تعلق ہے تو اُن کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ شیعہ علماء ومحققین نے اہلسنت کی ''صحاح ستہ'' کی طرح اپنی کتب کو بھی ''صحاح اربعہ'' اور انکو نقد و جرح سے بالاتر نہیں کہا۔ اس لئے انکے مندرجات کو علم درایۃ کے اصول اور نقد و تبصرہ سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور باخبر ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ روایات بنا بر اصول علم حدیث صحیح السند نہیں ہیں۔ اسلئے وہ حجت نہیں ہوسکتیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں سے اگرچہ بعض میں ''بنت علی'' کے الفاظ موجود ہیں مگر کسی روایت میں بھی اس ''ام کلثوم'' کے بنت فاطمہؑ ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے۔ جناب ملا خلیل قزوینی کا بیان ان کا ذاتی خیال ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہے۔ اور عنقریب واضح ہوگا کہ بنا برفرض صحت نکاح وہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھیں۔ اور چونکہ وہ جناب امیر کی ربیبہ تھیں اس لئے من باب المجاز ان کو ''بنت علی'' کہہ دیا گیا ہے۔ اور یہ جو روایت میں ہے کہ اول فرج غصبناه تو بنا بر تسلیم صحت ممکن

ہے اسکی قرأت بفتح راء فرج بمعنی کشائش ہو اور ممکن ہے بسکون را (فرج) بمعنی شرمگاہ ہو۔ اور محاورۂ عرب کی رو سے اس لفظ کے اطلاق واستعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ لفظ بطور مفرد و جمع کئی مقامات پر قران مجید میں موجود ہے۔ اور بہر دو تقدیر جناب امام نے اگر اس کی نسبت اپنی طرف دی ہے تو وہ اس لئے دی ہے کہ ام کلثوم بنت ابی بکر بھی انکی ربیبہ ہونے کی وجہ سے انہی کے خانوادہ کے فرد کی حیثیت رکھتی تھیں اور جناب اس عقد اور ازدواج پر راضی نہ تھے اور چونکہ اُن کے والدہ، آنجناب کے عقد میں تھیں اس بنا پر اگر قتل عمر کے بعد آپؑ انہیں اپنے گھر لے گئے تو اسمیں کوئی انوکھی بات ہے؟

(۸) مقبولہ عمر بن حنظلہ وغیرہ روایات میں آئمہ اہلبیتؑ نے اختلاف روایات کی صورت میں ان روایات پر عملدرآمد کرنے کا حکم دیا ہے جو مخالفین کے نظریہ کے مخالف ہوں۔ بنا بریں مذکورہ بالا روایات چونکہ مخالفین کے نظریہ کے مطابق ہیں۔ اور انکے بالمقابل ایک ایسی معتبر روایت موجود ہے۔ جس سے ان سب کی نفی ہوتی ہے لہٰذا بناء بر اُصول روایت وہ مقدم ہوگی اور وہ یہ ہے: ابن اذینہ بیان کرتے ہیں: ''قیل لا بی عبداللہ ان الناس یحتجون علینا و یقولون ان امیر المؤمنین زوج فلاناً ابنته ام کلثوم و کان متکئاً فجلس و قال ایقولون ذالک ان قوماً یزعمون ذلک لا یھتدون الی سواءِ السبیل سبحانَ اللہ ما کان یقدر امیر المومنین ان یجحول بینه و بینھما فینقذھا کذبوا الم یکن ما قالو الخ'' یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگ ہمارے برخلاف یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت امیرؑ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا عقد فلاں (عمر) کے ساتھ کیا تھا۔ امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کیا لوگ یہ بات کہتے ہیں؟ جو لوگ یہ بات کہتے وہ کبھی سیدھے راستہ پر نہیں آئے گے۔ سبحان اللہ! کیا امیر المومنینؑ فلاں کو منع کرنے پر قادر نہ تھے؟ یہ لوگ جھوٹے ہیں ایسا کوئی دور وقوع پذیر نہیں ہوا (مراۃ العقول شرح کافی ج ۳ ص ۴۴۸، ج ۴ ص ۱۹)

(۹) اوپر آٹھویں جواب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بنا بر تسلیم صحت عقد وہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس نے وفات ابوبکر کے بعد حضرت امیرؑ سے عقد کر لیا تھا۔ اور دونوں صغیر السن بچے محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر ہمراہ لائیں۔ چنانچہ ملک العلماء دولت آبادی اپنی کتاب ہدایۃ السعداء میں فرماتے ہیں۔ ''اسماء بنت عمیس اول زن جعفر طیار بود باز در نکاح ابوبکر آمدہ از ابوبکر یک پسر و یک دختر ام کلثوم نام زائید۔ بعد ازاں بہ نکاح علی بن ابی طالبؑ آمد۔ ام کلثوم ہمراہ مادر آمدہ عمر بن خطاب بام کلثوم دختر ابوبکرؓ نکاح کرد۔'' کتاب ذخائر العقبیٰ (ص ۸۳ میں لکھا ہے: فاقبل علی و قال انھا صغیرۃ فقال عمر لا و اللہ ما ذالک و لکن اردت منعی۔ جب عمر نے اس لڑکی کی خواستگاری کی تو حضرت علیؑ نے فرمایا وہ ابھی صغیر السن ہے۔ عمر نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ مجھے یہ رشتہ دینا نہیں چاہتے۔ اسی طرح رجال مشکوٰۃ ص ۱۱۵ از شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳ پر بھی اسی منگنی کا تذکرہ موجود ہے۔ چونکہ اس بچی کی تربیت آنجنابؑ کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ اسلئے اسے مجازاً ''بنت علیؑ'' کہہ دیا

گیا ہے۔ اور جناب امیرؑ نے بھی حق سرپرستی کو ادا کرتے ہوئے مقدور بھر اس بچی کو بچانے کی کوشش فرمائی۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

اور سخن تراش لوگوں نے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ اور ایک طوفان بدتمیزی مچا دیا سچ ہے؟

بڑھا بھی دیتے کچھ زیب داستاں کے لئے

(۱۰) تمام مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ محترمہ واقعاً دختر امیر المؤمنین تھیں تو بھی اس سے مخالفین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ نہ اس سے عمر کی نجات ہوسکتی ہے کیونکہ اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور اچھے کردار پر ہے نہ رشتے قرابت پر۔ اور نہ ہی اس سے اہلبیتؑ و عمر کا اتحاد و یکجہتی ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ سب روایات میں جبر و تشدد اور تہدید و وعید کے تذکرے موجود ہیں۔ جس سے عمر کا ظلم اور اہل بیت کی مظلومیت و مقہوریت اظہر من الشمس ہوتی ہے و ما علی المسلم من غصبنا ضفة فی ان یکون مظلوما (مسلمان کیلئے مظلوم و مجبور ہونا عیب کی بات نہیں ہے) اور نہ ہی اس سے عمر کا ایمان ثابت ہوتا ہے کیونکہ نکاح کی صحت کے لئے صرف ظاہری اسلام کافی ہے (علی الاسلام یتنا کحون و یتوارثون) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ اس عقد و ازدواج کی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور بفرضِ محال اگر یہ عقد واقع ہوا ہے۔ تو انتہائی جبر و اکراہ کی حالت میں ہوا ہے اور شریعت اسلامیہ نے ہر حرام چیز کو حتی کہ لحم خنزیر کو بھی عند الضرورۃ حلال قرار دے دیا ہے (فمن اضطر غیر باغٍ ولا عاد فلا اثم علیہ) ارشاد معصوم ہے ما من شئی حرمہ اللّٰہ و قد احلہ عند الضرورۃ۔ بنا بریں اس کو ان لوگوں کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اس سے تو اُلٹا انکی باہمی رنجش و چپقلش اور انتہائی اختلاف و افتراق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ

ع الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

یورپین مورخین کی شہادت:

((۱۰) دسواں استدلال اور اس کا جواب) مؤلف آفتاب ہدایت نے یہاں سر ولیم میور اور ڈاکٹر موسیو یسبان جیسے بعض انگریز مؤرخین کے بیانات نقل کئے ہیں کہ عمر صاحب ''بڑی اسلامی سلطنت کے بادشاہ تھے۔۔۔ اُنکی قوت فیصلہ میں ہمیشہ دانائی اور سنجیدگی پائی جاتی تھی۔۔۔ انہوں نے اپنے گذارہ میں معمولی سرداران عرب کے قناعت آمیز طریقہ سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔۔۔ آپ نے امور خلافت کے انصرام میں ایسے خوف سے کام کئے کہ اکثر اوقات پکار اٹھتے۔۔۔ کہ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی یا میں گھاس کا پودا ہوتا۔۔۔ جوانی میں آپ اکھڑ اور تندمزاج اور صاحب انتقام مشہور تھے۔۔۔ مگر عمر رسیدگی اور تجربہ کاری نے آپ کی فطرت کو نرم کردیا تھا۔۔۔ حضرت عمر کا ہی زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع

ہوئیں۔ آپ جس قدر عمدہ منتظم تھے اسی قدر عمدہ سپہ سالار بھی اور آپ کا انصاف ضرب المثل ہے۔۔۔ پھر ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''غیر مسلم مورخین کی ان شہادتوں سے عمر کے شہنشاہ اعظم ہو کر زہد وورع، اتقاء وخشیت الٰہی، انصاف پرستی اور حق پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر افسوس ہے کہ شیعہ ادعاء اسلام کرتے ایسی مایہ ناز ہستی پر زبان طعن دراز کریں۔۔۔ یہاں مشتے نمونہ از خروارے صرف شیعہ کی مستند و مسلمہ کتب سے اوپر کی شہادات لکھی ہیں۔'' **وتلک عشرة كاملة** '' خدا کرے کسی بھائی کی ہدایت کا باعث ہو۔ **واللّٰہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم** (آفتاب ص ۱۳۱)

الجواب:

مؤلف نے ایک خالص اسلامی مسئلہ (ایمان عمر) جسکے لئے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ درکار ہیں بلا وجہ غیر مسلم مورخین اقوال درج کئے ہیں اور یہ بیانات وخیالات چونکہ اسلامی برادری کے لکھے ہوئے تاریخی بیانات وحالات پر مبنی ہیں جو بموجب ''**بناء الفاسد علی الفاسد**'' اصل کی طرح مخدوش بلکہ غلط ہیں کیونکہ

؎ خشت اول چوں نہد معمار کج ☆ تا ثریا می رود دیوار کج!!

بہت بڑی اسلامی ریاست کے بادشاہ تھے۔ یہ تو مسلم ہے مگر اسے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ خلیفہ رسولؐ خدا اور امام ہدیٰ بھی تھے؟ ''قوت فیصلہ ہمیشہ دانائی الخ۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو بیسیوں مرتبہ غلط فیصلے نہ کرتے اور جناب امیرؑ کو ٹوکنے پر یہ نہ کہتے ''**لولا علی لهلک عمر**'' (شرح مواقف وغیرہ) اور قناعت کرنا ہوتی تو اہل حق کو اپنے حق سے محروم کر کے بلطائف الحیل کرسی اقتدار پر قبضہ نہ کرتے۔ نہ پانچ ہزار روپے اپنی تنخواہ مقرر کرتے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۴۰)۔۔۔ جب یہ تسلیم ہے کہ جوانی میں اکھڑ اور تند مزاج تھے۔ تو ''خوئے بد کا بدلنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے''۔ اُنکی یہی تند مزاجی تھی کہ آخری عمر میں رسول زادی کے دروازہ پر آگ ولکڑیاں لے گئے۔ گھر جلانے اور جناب امیرؑ کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیں۔۔۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اچھے سیاست دان اور منتظم تھے مگر اس بات کو ایمان وایقان سے کیا تعلق؟ لیکن جہاں تک انکے عمدہ سپہ سالار ہونے کا تعلق ہے یہ بات سراسر غلط ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ان کو صرف ایک مرتبہ جنگ خیبر میں سپہ سالاری کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر انہوں نے جس بزدلی اور بے تدبیری کا مظاہرہ کیا اس سے صفحاتِ تاریخ چھلک رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فوج انکو نامرد اور یہ فوج کو نامرد کہتے تھے۔ (سیرۃ النبی)۔۔۔ اور جہان تک انکے اپنے زمانے کی فتوحات کا تعلق ہے وہ کسی جنگ میں بذات خود شریک ہوئے ہی نہیں (الفاروق)۔ اپنے ہواخواہوں سے انصاف کرتے ہوں، یہ ممکن ہے۔ مگر جہاں تک خاندان نبوت اور انکے نام لیواؤں کا تعلق ہے ان پر تو وہ مظالم ڈھائے اور ان سے وہ بے انصافیاں کیں کہ

؎ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں!

اسی وجہ سے تو جب احسان ندامت ہوتا تو کہہ اٹھتے ''اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی یا میں گھاس کا پودا ہوتا اور بکری مجھ کو کھا کر مینگنیاں کر دیتی۔ سچ ہے کہ **الحق یجری علی اللسان!** بہر کیف قرآن اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کفار کے بیان پر ایقان کرنا۔ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' والی بات ہے جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتی اور جہاں تک کتب شیعہ سے فضائل عمریہ کا تعلق ہے تو ہم نے اس طرح انکی قلعی کھولی ہے کہ پرستاران ثلاثہ میں اگر کچھ بھی شرم وحیا ہوئی تو پھر قیامت تک فضائل ثلاثہ کے سلسلے میں کتب شیعہ کا نام بھی نہیں لیں گے۔ انشاء اللہ اور یہ ساری کوشش ہم نے صرف اسلئے کی ہے کہ شاید کوئی گم گشتہ راہ ہدایت اور گرفتار محبت ثلاثہ راہ راست پر آجائے۔ ''**وما ذلک علی اللہ بعزیز لا انہ علی کلی شئی قدیر۔ والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین**''

☆☆☆☆☆☆

فضائل عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق حسب ذیل شہادات ہم شیعہ کی مستند کتب سے درج کرتے ہیں

پہلی شہادت:

شیعہ کی صحیح کتاب مصدقہ امام علیہ السلام فروع کافی جلد ۲ کتاب الروضہ ص ۹۹ میں ہے: **عن محمدؐ بن علی الحلبی قال سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول اختلاف بنی العباس من المحتوم:** اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ ہر روز دن کے اول وآخر غیب سے آواز آتی ہے۔ پہلی یہ کہ علی اور ان کے تابعین فائز المرام ہیں۔۔۔ پھر اس طرح آواز آتی ہے کہ عثمان اور اس کے تابعین فائز المرام ہیں۔۔۔(آفتاب ص ۱۳۲)

الجواب:

یہ بعینہ وہی استدلال ہے جو آیات کے سلسلہ میں آیت نمبر ۱۳ کے ضمن میں مؤلف بیان کر چکے ہیں۔ اور ہم اسکا وہاں مکمل و مدلل جواب باصواب پیش کر چکے ہیں اسکے اعادہ وتکرار کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ قارئین کرام اسی مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ مؤلف کی عبارت میں واقع شدہ لفظ ''صحیح الکتاب'' اور ترجمہ عبارت میں ''ہر روز آواز آتی ہے'' سے فضل وکمال شعائیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں حالانکہ اسی حدیث میں امام زمانہ کے ظہور کی ان حتمی علامات کا تذکرہ ہے کہ جو زمانہ ظہور سے تھوڑا وقت پہلے ظاہر ہوں گی۔ منجملہ ان کے ایک ندائے آسمانی بھی ہے (صبح والی ندا رحمانی اور شام والی شیطانی ہوگی)۔ مگر مؤلف کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج بھی اس ندا کا سلسلہ جاری ہے۔ سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے صرف صیغہ مضارع پر نظر رکھنا۔۔۔ عقل وفکر سے تہی دامنی کی بین دلیل ہے سچ ہے۔

''یک من علم راوہ من عقل باید''

دوسری شہادت:

ایسا ہی کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵۱ جلد ۳ میں درج ہے **فجلس سھیل بن عمر و عند رسول اللہؐ و حبس عثمان** الخ۔۔۔ اس روایت سے فضیلت عثمان کا نمایاں ثبوت ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کی (آفتاب ص ۱۳۱)

الجواب:

یہ استدلال بھی مذکورہ بالا مقام (یعنی آیت نمر ۱۳ کی ذیل میں) بیان ہو چکا ہے اور ہم اس کا جواب باصواب بھی اسی جگہ دے کر مطلع حقیقت کو ہر قسم کے گرد وغبار سے صاف کر چکے ہیں۔ ناظرین کرام تھوڑی سی زحمت کر کے مقام مذکور کی طرف رجوع فرما کر اطمینان قلب حاصل کریں۔ مؤلف نے بار بار انہی فرسودہ دلائل اور حملۂ حیدری کے اشعار کا تکرار کر کے عقلاء روزگار کی انظار میں کسی خوشگوار ذوق کا مظاہرہ نہیں کیا۔ واللہ الموفق وھو العزیز الغفار۔

تیسری شہادت:

شیعہ کی مستند کتاب نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۳ میں ہے۔ ان الناس ورائی وقد استفرونی الخ۔۔۔ (بحذف عربی) ترجمہ: حضرت علی نے حضرت عثمان کو جبکہ۔۔۔ آپ کو لوگ سفارش کیلئے انکے پاس لے گئے۔ فرمایا یہ لوگ میرے پیچھے ہیں۔ جو مجھے تمہارے اور اپنے مابین سفیر بنا کر لائیں ہیں۔ بخدا میں نہیں جانتا کہ آپکو کیا کہوں۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جسے آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ہی آپ کو کوئی ایسی بات بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہچانتے ہوں بیشک میں جو کچھ جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ جیسا ہم نے دیکھا۔ آپ نے بھی دیکھا ہے۔ جو کچھ ہم نے سنا ہے آپ نے بھی سنا ہے۔ جیسے ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے مصاحبت حاصل کی ہے آپ نے بھی کی ہے اور ابوبکر وعمر آپ سے زیادہ عامل بحق نہ تھے۔ آپ قرابت کی وجہ سے رسول علیہ السلام سے ان سے زیادہ قرب رکھتے ہیں اور آپ کو دامادی رسول کا وہ فخر حاصل ہے جو ان دونوں کو حاصل نہیں ہے۔'' اس خطبہ میں حضرت علی المرتضیٰ نے کمال صراحت سے اوصاف امیر المومنین عثمان یوں بیان فرمائے ہیں۔ (۱) علم ومعلومات میں ہم اور آپ برابر ہیں (۲) ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے ہم جانتے ہوں۔ اور آپ کو اسکا علم نہ ہو۔ (۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی صحبت میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا ہے سنا اس میں بھی ہمیں اور تمہیں مساوات ہے۔ (۴) آپ کو حضور علیہ السلام سے دوسرے دو یاروں پر دو وجہ سے ترجیح ہے۔ ایک قرابت کی وجہ سے اور دوم داماد رسول ہونے کے باعث'' شیعہ صاحبان میں اگر کچھ بھی انصاف ہو تو انکی تسلی کیلئے جناب امیر کا یہ خطبہ دربارہ فضیلت عثمان کافی ہے۔۔۔ تو پھر شیعہ ہزار بکواس کریں شہادت امیر کی وہ تردید نہیں کر سکتے۔ یہ وہ شہادت ہے جس کے مقابلہ میں روافض کی خرافات کی ذرہ برابر وقعت نہیں ہو سکتی۔۔۔ (آفتاب ص ۱۳۴)

الجواب:

سباب کے پیرو نے اس استدلال میں کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی جو زبان استعمال کی ہے۔ ہم بمطابق ارشاد رب العباد۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان آیت نمبر 72) اس سے درگذر کرتے ہوئے اصل استدلال کا جواب پیش کرتے ہیں۔ ورنہ ہم بموجب ''کلوخ انداز را پاداش سنگ است'' تیر کا جواب پتھر سے دینا خوب جانتے ہیں۔ بہر حال امام عالی مقام کے اس کلام سے فضیلت عثمان پر استدلال کرنا بچند وجہ غلط ہے۔

اولاً: اس کلام کا پہلا جملہ ان الناس ورائی وقد استسفرونی۔ اس امر پر دال ہے کہ ناراض مسلمانوں نے حکومت وقت کی روش ورفتار سے تنگ آ کر آخری سخت قدم اٹھانے سے پہلے بطور اتمام حجت یہ صلح جویانہ اور پر امن طریقہ کار اپناتے ہوئے حاکم وقت (عثمان) کے پاس جناب امیرؑ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ سفیر بمنزلہ وکیل ہوتا ہے اور وکیل اپنے مؤکل کا من و عن پیغام پہنچانے کا امین ہوتا ہے۔ وہ اپنا نظریہ بیان نہیں کرتا ہے بلکہ ان کا عندیہ بیان کرتا ہے بنا بریں یہ ان لوگوں کے خیالات و نظریات کی ترجمانی ہے۔ آنجنابؑ کا اپنا عندیہ و نظریہ نہیں ہے۔

ثانیاً: ما اعرف شیعاً تجھلہ سے جناب امیرؑ اور عثمان کے علم میں مساوات مطلقہ پر استدلال کرنا الفاظ کے موارد استعمال اور موقع و محل کی مناسبت سے ناواقفیت کی دلیل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہاں صرف ان امور کے جاننے میں مساوات مراد ہے۔ جن پر لوگوں کو اعتراض تھا چنانچہ فاضل ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۴۸۲ طبع مصر میں لکھتے ہیں لاقسم علی ذلک انہ لایعلم ما ذا یقول لہ لانہ لایعرف امراً یجھلہ ای من ھذہ الاحداث خاصۃ و ھذا حق لان علیاً لم یکن یعلم منھا ما یجھلہ عثمان۔ یعنی جناب امیرؑ نے قسم کھائی ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کہیں کیونکہ وہ ان بدعات و احداث میں سے کوئی ایسی بات نہیں جانتے جسے عثمان نہ جانتے ہوں۔ اور یہ بات بالکل برحق ہے کیونکہ ان باتوں میں کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جسے حضرت علیؑ جانتے ہوں۔ اور عثمان اس سے ناواقف ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ سوائے اس آدمی کے جس کی چشم بصیرت کو بے جا تعصب و عناد نے اندھا کر دیا ہے۔ اور کوئی شخص پیغمبر اسلامؐ کی تصریحات کے بعد کہ ''انا مدینۃ العلم و علی بابھا'' متفق علیہ ''اعلم امتی علی بن ابی طالب'' (میری تمام امت سے علی زیادہ عالم ہیں)۔ (مناقب خوارزمی و فرائد السمطین) ''اقضا کم علی'' (فیصلہ کرنے میں تم سب سے اچھے قاضی علی ہیں (ینابیع المودۃ ص ۱۷۵ کفایۃ الطالب ص ۱۰۴ اور کوئی شخص حضرت امیرؑ کی علمیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

ثالثاً ''یہ جو فرمایا ہے کہ ''صحبت رسول ﷺ میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا سنا ہے تو نے بھی دیکھا سنا ہے'' اس سے بھی فضل و کمال اور مجد و شرف میں مساواتِ مطلقہ ثابت کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ تم دین میں جو کچھ احداث و بدعات پھیلا رہے ہو۔ تمہیں ان کی برائی اور برے انجام کا اچھی طرح علم ہے یعنی تم لاعلمی و جہالت کی وجہ سے ان جرائم کا ارتکاب نہیں کر رہے۔ بلکہ جان بوجھ کر تم یہ سب کچھ کر رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اگر لاعلمی و جہالت کی وجہ سے کسی شخص سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو اسے چنداں قابل مؤاخذہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن اگر جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب کیا جائے۔ تو اس طرح اسکی سنگینی بڑھ

جاتی ہے۔ جناب امیرؑ اپنے اس کلام معجز نظام میں یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ تم صحبت رسول ﷺ میں بیٹھنے، ان کا کلام سننے اور انکی سیرت و کردار کا مشاہدہ کرنے کے بعد احکام شریعت کی جو یہ خلاف ورزی کر کے احداث و بدعات پھیلا رہے ہو تو تمہارا یہ فعل درگذر کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ یہ وہ ناقابل معافی اور سنگین جرم ہے کہ

ع تم تجاہل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

ہماری اس منصفانہ توضیح وتشریح سے واضح ہوگیا کہ امام کا یہ کلام عثمان کا مدحیہ قصیدہ نہیں بلکہ اس کی ہجو ملیح ہے۔ **فکشفنا عنک عطاءک فبصرک الیوم حدید۔**

چوتھی شہادت:

اس بارہ میں کہ حضرت عثمان ذوالنورین کو حضور کا داماد ہونے کا فخر حاصل ہے شیعہ کی مستند کتاب حیات القلوب مصنفہ ملا باقر مجلسیؒ جلد دوم ص ۴۴۶ میں ہے۔ "در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ (بحذف فارسی) ترجمہ قرب الاسناد میں معتبر اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا ﷺ کی اولاد جو حضرت خدیجہ کے شکم سے ہوئی طاہر، اور قاسم اور فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب تھیں۔ فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا۔ اور زینب ابوالعاص کو نکاح کر دی۔ اور ام کلثوم کے ساتھ عثمان کا نکاح ہوا۔ ابھی وہ حضرت عثمان کے گھر نہ گئی تھیں کہ فوت ہوگئیں۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کا حضرت عثمان سے نکاح کر دیا۔ اس روایت سے جو شیعہ کے مفترض الطاعۃ امام جعفر صادق سے مروی ہے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں (ام کلثوم و رقیہ) کا نکاح حضرت عثمان سے یکے بعد دیگرے کیا۔

شیعہ کی بیقراری:

اس واقعہ سے شیعہ سخت بیقرار ہوتے ہیں۔ کہ اگر حضرت عثمان جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں معاذ اللہ مسلمان نہ تھے۔ تو حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادیاں انکو کیوں نکاح کر دیں؟ جبکہ **لا تنکحو المشرکین۔۔** صریح ممانعت ہو چکی تھی؟ ۔۔۔ اس موقعہ پر پریشان حال ہو کر بہت حیلہ سازیاں کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے فاطمہؑ کے حضور ﷺ کی کوئی لڑکی ہی نہ تھی۔ اسلئے میں اس معاملہ کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیا رسول پاکؐ کی حضرت فاطمہؑ کے سوا کوئی اور بیٹیاں بھی ہیں؟ میں حیران ہوں کہ جاہل شیعہ تو معذور ہیں لیکن پڑھے لکھے شیعہ اس بات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کہ حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کے بطن سے حضرت فاطمہؑ کے علاوہ اور تین صاحبزادیاں زینب۔

ام کلثوم اور رقیہ تھیں۔ چنانچہ ان کے ثبوت میں ایک تو حیات القلوب کی روایت لکھی جا چکی ہے۔ اب دوسرا ثبوت ملاحظہ فرمایئے! دوسرا ثبوت: شیعہ کی مستند کتاب حدیث مصدقہ امام مھدی علیہ السلام اصول کافی ص 278 میں ہے۔ (بحذف عربی) آپ نے خدیجہ سے نکاح کیا۔ جبکہ بیس اور چند سال کے تھے۔ پس مبعوث ہونے سے پہلے اُن کے بطن سے قاسم۔ رقیہ۔ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور مبعوث ہونے کے بعد طیب طاہر فاطمہ کا تولد ہوا تھا''۔ اس روایت سے صاف۔۔۔ ثابت ہوگیا کہ حضورﷺ کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہؑ کے علاوہ رقیہ۔ زینب اور ام کلثوم بھی تھیں جو خدیجۃ الکبریٰ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئی تھی۔ تیسرا ثبوت: شیعہ کی مشہور و متداول کتاب تحفۃ العوام۔۔۔ کے ص ۱۰۵ جلد اول۔۔۔ میں صاف لکھا ہوا ہے **اللھم صلی علی رقیۃ بنت نبیک اللھم صلی علی ام کلثوم بنت نبیک** (اے خدا رحمت بھیجو رقیہ دختر رسول پر اے خدا رحمت بھیجو! ام کلثوم بنت رسول پر)۔۔ اگر رسولؐ کی ایک بیٹی تھی تو اوراد و ادعیہ میں رقیہ وام کلثوم بنات النبی کیوں ذکر ہوتی ہیں؟۔۔

چوتھا ثبوت: حیات القلوب جلد دوم ص ۲۹۴ میں ہے (بحذف فارسی) گیارہ مرد اور چار عورتیں اہل مکہ سے بھاگ کر حبشہ کو روانہ ہوئے۔ منجملہ انکے حضرت عثمان تھے اور رقیہ دختر رسولﷺ جو عثمان کی منکوحہ تھیں۔ کیا شیعہ حضرات ان روایات بینات کی تردید کر سکتے ہیں؟ کلا وحاشا۔ حق کو چھپانا سہل نہیں اے جناب من!

جواب شیعہ: جب شیعہ حضرات اس موقع پر پھنس جاتے ہیں۔ تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسول پاکؐ نے یہ نکاح اپنی بعثت سے قبل یا ممانعت نکاح با مشرکین سے پہلے کر دیا ہوگا۔ لیکن یہ عذر رکیک قابل سماعت نہیں ہے۔ کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ رقیہ بنت رسولؐ کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب آپؐ جنگ بدر کو روانہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ حیات القلوب جلد دوم ص ۵۵۹ پر ہے (بحذف فارسی) ابن بابویہ نے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ کی اولاد خدیجہ کے شکم سے قاسم و طاہر پیدا ہوئے۔ طاہر کا نام عبداللہ تھا اور بیٹیاں ام کلثوم رقیہ۔ زینب اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ فاطمہؑ کا نکاح حضرت علیؑ سے ہوا اور زینب کا ابوالعاص بن ربیعہ سے نکاح ہوا۔ جو بنی امیہ سے تھا۔ اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا۔ اپ انکے گھر جانے سے پہلے واصل باللہ ہوگئیں۔ پس جب جنگ بدر کو گئے، رسول پاکؐ نے رقیہ کا نکاح عثمان سے کر دیا'' اب شیعہ کا یہ فضول عذر بھی رفع ہوگیا۔۔۔ اس وقت مشرکین کو رشتے ناطے دینے کی ممانعت ہو چکی تھی۔ غرض حضرت عثمان کیلئے یہ فخر۔ ان کی فضیلت کیلئے ایک کامل سرٹیفکیٹ ہے۔ حضرت عثمان کے محامد و محاسن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ آپ نے جس قدر مالی و جانی خدمت اسلام کی۔ دنیائے اسلام تا قیامت انکی ممنون رہے گی۔ آپکے فضائل کا بین ثبوت کتب شیعہ سے لکھا گیا ہے۔ (آفتاب ص ۱۳۸)

الجواب:

مسئلہ بنات النبیؐ پر علمی تبصرہ:

اگر چہ برادران اسلام جناب عثمان کی اضافی فضیلت ثابت کرنے کیلئے ہمیشہ مزعومہ دامادی رسول ﷺ کو بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں۔ مگر عندالتحقیق معلوم ہوتا ہے کہ یہ افتخار واستدلال بچند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً: اس امر میں شدید اختلاف ہے کہ جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کے علاوہ جو صاحبزادیاں بیان کی جاتی ہیں۔ آیا وہ آنحضرتؐ کی صلبی بیٹیاں تھیں یا حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر کی اولاد تھیں؟ یا جناب خدیجہ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں؟؟ اگر چہ اہلسنت کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ یہ آنحضرتؐ کی صلبی بیٹیاں تھیں۔ مگر لوگوں کی اکثریت ہمیشہ سے اس بات کا انکار کرتی چلی آئی ہے چنانچہ السید ابوالقاسم الکوفی متوفی ۳۸۳ھ اپنی کتاب الاستغاثہ ص ۶۵ طبع النجف میں تحریر فرماتے ہیں: ''**فلما تزوج رسول الله صلی الله علیه و اله بخدیجة ماتت هالة بعد ذلک بمدة یسیرة و خلفت الطفلتین زینب و رقیة فی حجر رسول الله صلی علیه و آله و حجر خدیجة فریبا هما و کان من سنة العرب فی الجاهلیه من یربی یتیماً ینسب ذلک الیتیم الیه**''۔ ''یعنی جب جناب رسول خدا ﷺ نے جناب خدیجہ سے نکاح کیا تو اس سے تھوڑی مدت بعد ہالہ (جناب خدیجہ کی بہن) وفات پا گئیں اور اس نے اپنے پیچھے اپنی دو لڑکیاں مسمات زینب و رقیہ چھوڑیں۔ جناب رسول خداؐ اور خدیجہ الکبریٰ نے ان کی تربیت و پرورش کی اور اسلام سے پہلے عربوں کا یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی یتیم کی تربیت کرتا تھا اس بچہ کی نسبت اُسی شخص کی طرف دی جاتی تھی'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی صلبی نہیں بلکہ ربیبہ لڑکیاں ہیں۔ اسکی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ چونکہ آنحضرتؐ نے زید کی پرورش کی تھی تو لوگ ان کو ابن رسول کہا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ نے زید کی مطلقہ (جناب زینب) سے عقد کیا تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بہو سے عقد کیا ہے۔ حتیٰ کہ خدا کو قرآن میں رسول خدا ﷺ کی صفائی پیش کرنا پڑی کہ جسے بیٹا کہہ دیا جائے وہ درحقیقت بیٹا نہیں ہو جاتا۔ نیز ان صاحبزادیوں کے جناب خدیجہ الکبریٰ کی بھانجیاں ہونے کی تائید مزید تاریخ بلا ذری، کتاب استغاثہ ابوالقاسم الکوفی اور کتاب شافی سید مرتضیٰ سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب جناب خدیجہ سے عقد کیا تو وہ باکرہ تھیں۔ نیز کتاب الانوار اور کتاب بدع میں صاف لکھا ہے کہ یہ ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ (بحوالہ مراۃ العقول ج ۱ ص ۳۵۲)۔ ابن ہشام (مشہور مورخ اہلسنت) نے لکھا ہے: ''**و کانت قبله عند ابی هاله ابن مالک۔۔۔ فولات له هند بن ابی هالة و زینب بنت ابی هالة و کانت قبل ابی هالة عند عتیق بن عائز بن عبدالله بن عمرو بن مخذوم فولدت له عبدالله و جاریة**''۔ یعنی جناب خدیجہ آنحضرتؐ سے عقد کرنے سی بیشتر ابی ہالہ بن مالک کے عقد میں تھیں۔ جس سے اُنکے ہاں ایک

لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب متولد ہوئی۔ اور ابی ہالہ سے پہلے عتیق بن عائد۔۔۔کی زوجیت میں تھیں۔ جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام ج 4 ص 292) اس سے معلوم ہوا کہ زوجیت رسولؐ میں آنے سے قبل جناب خدیجہؑ کے ہاں دو لڑکیاں موجود تھیں۔ جو بعد میں آنحضرتؐ کے ہاں پرورش پانے کیوجہ سے مجازاً بنات رسولؐ کہلائیں۔ بنابریں ظاہر ہے کہ جس حیثیت سے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹیاں ہونگی۔ اسی لحاظ سے جس سے وہ بیاہی جائیں گی وہ داماد رسولؐ بھی کہلائے گا۔ ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں اسقدر احتمالات و اختلافات موجود ہوں۔ اس سے کسی شخص کی فضیلت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔**

ثانیاً۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ صاحبزادیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہی صلبی بیٹیاں ہیں۔ تاہم اس سے نہ ہمارا کوئی نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی مخالفین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ قریباً تمام کتب سیر و تواریخ اہلسنت میں تصریح موجود ہے کہ یہی ام کلثوم اور رقیہ یکے بعد دیگرے زوجیت عثمان میں آنے سے قبل عتبہ و عتیبہ پسران ابولہب کے حبالہ عقد میں تھیں (ملاحظہ ہو صابہ ابن حجر ج ۴ ص ۴۸۹) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۲۹۹ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸۵، ۵۸۶ طبع لکھنو، روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۴۳۰، ص ۴۳۱ مواہب لدین شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳، ۱۳۴ و تذکرۃ خواص الامۃ ص ۱۷۲ وغیرہا) تو بنابریں اگر یہ کوئی شرف ہے تو بقول اہلسنت اولیت کا شرف و افتخار تو عتبہ و عتیبہ دامادان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کو حاصل ہوگا۔ پھر عثمان کو علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیا ان دونوں صاحبزادیوں کو علاوہ دختران رسول صلی اللہ علیہ وآلہ ہونے کے اور کوئی تاریخی حیثیت یا ذاتی فضیلت بھی حاصل ہے؟ تا کہ اس رشتہ کو غیر معمولی اہمیت حاسل ہو جہاں تک ہم نے کتب فریقین کی ورق گردانی کی ہے ہمیں تو انکی فضیلت میں کوئی ایک آیت یا روایت بھی نہیں ملی۔ جبکہ جناب سیدہ کے مناقب و محامد سے نہ صرف کتب فریقین بلکہ کتب عالم چھلک رہی ہیں۔ علاوہ بریں یہ بات بھی روشن ہے کہ ان صاحبزادیوں کے عقد کے وقت نہ کوئی رسہ کشی تھی اور نہ ہی کسی عظیم شخصیت کے ساتھ مقابلہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ نے عثمان کو منتخب کر کے انہیں یہ شرف بخشا ہے جیسا کہ جناب سیدہ عالمؑ کے عقد کے وقت یہ صورتِ حال درپیش تھی کہ ایک تو بی بی عالم مثالی اہمیت و عظمت کی حامل تھیں اور دوسرا تمام صناوید قریش اور اشراف قوم کی طرف سے رشتے پر رشتے آرہے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے سب کی خواہش کو مسترد کر کے حضرت علیؑ کو اس شرف سے مشرف اور اس فخر سے مفتخر فرمایا۔ لہذا اس میں عثمان کی کیا فضیلت ہے؟؟

ثالثاً۔ سنی شیعہ کتب میں اسلام و ایمان میں جو فرق بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہری اسلام پر باہمی نکاح و میراث کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ لیکن اخروی ثواب کا دارومدار ایمان پر ہے۔ چنانچہ مروج الذہب برحاشیہ کامل ج ٦ ص ۲۰٦، ۲۰۵، بخاری ج ۱ ص ۷ ۱۴ طبع مصر، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲٦۸ طبع مصر آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ **الاسلام ما جری به اللسان و حلت به المناکحته)** اسی طرح اصول کافی ص ۲۲٦، تفسیر صافی ص ۳٦۷، وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۱۷ میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا:

''الاسلام ما کان علیہ التناکح والمواریث وتحقق بالدماء والثواب علی الایمان''۔ یہ عقد قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت اور خواہ آیۃ لاتنکحوا المشرکین۔ کے نزول سے قبل ہو یا بعد بہر صورت شیعوں کو بفضلہ تعالیٰ نہ کوئی اضطراب ہے اور نہ کوئی پریشانی ہے۔ کیونکہ وہ عثمان کو کافر و مشرک نہیں سمجھتے۔ تاکہ اس ازدواج سے لاتنکحوا المشرکین کی خلاف ورزی ہو۔ اسی بنا پر اگر یہ نکاح بھی عمل میں آیا تو اس میں کیا قباحت ہے؟ یا عثمان کیلئے کونسی فضیلت کی بات ہے؟ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس نکاح کو عثمان کے ظاہری اسلام کی دلیل تو قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اسکے علاوہ اور کسی خصوصیت یا فضیلت کو اس سے ثابت نہیں کیا جاسکتا: و ھذا حق لا یعتریہ شک۔

رابعاً تمام ادیان عالم بالعموم اور دین اسلام میں بالخصوص اخروی نجات کا دارومدار ذاتی ایمان واعمال صالح پر رکھا گیا ہے۔ صرف نسبی یا سببی رشتہ داریوں سے بخشش نہیں ہوتی۔ ارشاد باری ہے۔'' ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور فرمان رسالتؐ ہے: الجنۃ لمن اطاع اللہ ولو کان عبداً حبشیاً۔ والنار لمن عصی اللہ ولو کان سیداً قرشیاً'' (سابع عشر بحار) مزید وضاحت کیلئے جناب نوحؑ اور ان کے بیٹے اور جناب نوح ولوط کی منافق بلکہ کافر بیویوں اور فرعون اور اسکی مؤمنہ زوجہ کے واقعات قرآن مجید میں دیکھے جاسکتے ہیں: خداوند عالم فرماتا ہے:'' ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ (سورہ تحریم آیت 10)''

(کافروں کے عبرت پکڑنے کیلئے خدا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان کو دغا دی۔ (کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی رہیں۔ تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے اللہ کے مقابلے میں انکے کچھ بھی کام نہ آئے اور (ان دونوں عورتوں کو) حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ (جہنم میں) داخل ہوئے ہیں (تم بھی) انکے ساتھ جہنم میں جا داخل ہو (ترجمہ نذیری) اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک خسر حی بن اخطب یہودی اور بقول اہلسنت دو داماد (عتبہ وعتیبہ) کافر تھے۔ تو کیا انکو اس سببی قرابت رسول ﷺ سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو عثمان کو بھی ضرور اس سے فائدہ حاصل ہوگا۔ اور اگر یہاں جواب نفی میں ہے تو پھر وہاں بھی ایسا ہی سمجھیں؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

خامساً: اس سلسلہ میں مؤلف نے جو روایات کتب شیعہ سے نقل کی ہیں اُن میں سے کوئی بھی صحیح السند نہیں ہے چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی روایت جو حیات القلوب میں بحوالہ قرب الاسناد مروی ہے۔ اسکی سند میں مسعدہ بن صدقہ موجود ہے جو سنی المذہب ہے (ملاحظہ ہو رجال حائری ص ۳۰۰ کذا فی رجال استرآبادی و رجال الشیخ وغیرہ لہٰذا وہ ہمارے لئے ناقابل استدلال ہے اور دوسرے ثبوت میں اصول کافی کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار کلینیؒ نے اصول کافی میں ہر روایت وحدیث

کو پورے سلسلہ سند کے ساتھ درج کرنے کا اہتمام کیا ہے لیکن شوئ قسمت کہ مؤلف آفتاب ہدایت کی پیش کردہ عبارت اور ابواب التاریخ کے ذیل میں بلا سند صحفیہ تمریض ''روی ایضا'' بے ساتھ درج کی گئی ہے جو اس کے کمزور اور ضعیف ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ اصول کافی حدیث کی کتاب ہے تاریخ کی نہیں لیکن اس مقام پر مولف کافی نے نہ کوئی راوی، نہ حدیث اور نہ ہی اس عبارت کی نسبت کسی امام کی طرف دی ہے بلکہ اس عقیدہ کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کی۔ لہٰذا اس مجہول روایت پر استدلال کی دیوار کھڑی کرنا انتہائی جہالت اور سراسر حماقت ہے۔ علاوہ بریں اصول کافی کو بار بار مصدقہ امام مہدیؑ ظاہر کرنا بھی درست نہیں۔ جبکہ علماء اعلام نے اس بے سرو پا قصہ کی رد کردی ہے (ملاحظہ ہو روضات الجنات و دار السلام وغیرہ) اور تیسرے ثبوت میں تحفۃ العوام جس سے صلوات کے فقرے نقل کئے گئے ہیں اولاً تو یہ صلوات باسناد کسی امام علیہ السلام سے مروی نہیں ہے بلکہ بروایت ضعیفہ منقول ہے۔ ثانیاً ممکن ہے کہ جناب رقیہ و ام کلثوم سے بنات جناب امیر علیہ السلام مراد ہوں۔ جو رسول ﷺ کی نواسیاں ہونیکی وجہ سے بنات رسول ﷺ کہلا سکتی ہیں۔ (کمافی ترجمۃ مفاتیح الجنان) نیز تحفہ العوام مصدقہ علامہ حائریؒ ص ۱۴۹ طبع لاہور میں اسی دعا کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''یہ دعا بروایت ضعیفہ منقول ہے۔۔۔ پھر رقیہ و ام کلثوم حضرت رسول خدا ﷺ کی صلبی بیٹیاں نہ تھیں اس لئے اس کے معنی پچھلگ یا گھریلو پلی ہوئی مراد ہیں'' اور چوتھے ثبوت میں حیات القلوب ص ۲۹۴ سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ عثمان نے مع اپنی زوجہ رقیہ دختر رسول ﷺ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حیات القلوب ج ۲ ص ۵۰۹ کی اس روایت کے مخالف و مناقض ہے جو مؤلف نے اسی صفحہ پر ایک سوال کے جواب میں نقل کی ہے کہ جنگ بدر کی طرف جاتے وقت آنحضرت ﷺ نے رقیہ کا عقد عثمان سے کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جنگ بدر ہجرت مدینہ کے بعد واقع ہوئی۔ اور ہجرت حبشہ اس سے پہلے۔ لہٰذا یہ آثار اپنے داخلی اختلاف اور انتشار کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ حق پر جس قدر تہرے پردے ڈالے جائیں۔ آخر وہ ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے:

ع حق کو چھپانا سہل نہیں اے جناب من ☆ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبادیں گے

جہاں تک جناب عثمان کی دیگر مالی و جانی خدماتِ اسلام کا تعلق ہے تو ہم سابقاً آیت فضائل صحابہ کے ذیل میں اُنکی قلعی کھول چکے ہیں۔ اور جہاں تک کتب شیعہ سے انکے مزعومہ فضائل ثابت کرنے کا تعلق ہے تو ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ بجائے فضائل کے ان کا رذائل عثمان ہونا کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار کر دیا ہے۔ ولحمد للہ علی وضوح الحجۃ قل ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

☆☆☆☆☆

اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف

حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ نے جہاں اصحاب ثلاثہ کی فرداً فرداً اپنے اقوال میں تعریف فرمائی ہے وہاں مشترکہ اوصاف کا بیان بھی ان کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔۔۔اب ہم ایسی روایات لکھیں گے جو کتب شیعہ میں اصحابہ ثلاثہ کے اوصاف کے مشترکہ پائی جاتی ہیں۔ نہج البلاغہ ج ا ص ۱۴۹ میں ہے۔ **لقد عهدت اقوا ما في عهد خليلي الخ (بحذف عربی)**

ترجمہ: میں نے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کو دیکھا۔ کثرت گریہ سے اُن کی آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں۔ روزہ داری کی وجہ سے اُنکے پیٹ خالی ہوگئے تھے۔ دعا کرتے کرتے اُنکے ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ شب بیداری کے سبب انکے چہرے زرد تھے۔ کثرت سجود کے باعث انکے چہرے خاک آلود رہتے تھے۔ وہ لوگ میرے بھائی تھے۔ جو گذر گئے۔ کہ انکی ملاقات کی پیاس رکھیں اور انکے فراق میں دانتوں سے ہاتھ کاٹیں۔ شیطان تمہارے لئے راستہ پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دین کی رسی کو پارہ پارہ کردے اور تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈال دے۔ تم اسکے وساوس سے بچو اور اپنے رہنما کی نصیحت مانو۔ اور اپنے دلوں میں گرہ کرلو۔ اس خطبہ میں جناب امیر علیہ السلام نے اصحاب رسولؐ کی جو فوت ہوگئے ہیں بے حد تعریف فرمائی ہے کہ وہ **قائم الليل صائم النهار**۔۔ شیعہ حضرات بتائیں کہ کیا اصحاب ثلاثہ ان افراد میں داخل تھے۔ یا نہ؟ اور یہ اوصاف اُن میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ اُنکے اوصاف یاد کرکے دل کو تسکین دیتے تھے۔ اور مسلمانوں کو ان کے طریق پر چلنے۔ کی ترغیب دیتے تھے۔۔ شیعہ کے نزدیک تو صرف معدودے چند ابوذر، مقداد، سلمان فارسی کے سوائے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسلمان ہی نہ رہا تھا۔ ھروہ اقوام جن میں یہ اوصاف تھے کہاں؟ جن کی وفات کا جناب امیرؑ کو از حد رنج تھا۔۔۔(آفتاب ص ۱۳۹)

الجواب:

اصل استدلال کا جواب پیش کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت کردینا مناسب ہے کہ شیعیان حیدرؑ کرار پر یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ سوائے تین یا چار اصحاب رسولؐ کے باقی تمام صحابہ کو کافرو مرتد سمجھتے[1] ہیں۔ معاذ اللہ

؎ بارہا گفتہ ام و باز و گوشم کنی

---

[1] جن بعض اخبار میں وارد ہے کہ جناب رسول خداؐ کی وفات کے بعد سوائے چار افراد کے باقی لوگ مرتد ہوگئے۔ اس ارتداد سے یہاں اسکے وہ فقہی معنی مراد نہیں جو کفر کے مترادف ہیں بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ غدیر خم کے مقام پر حضرت امیرؑ کی خلافت و امامت کا رسول خداؐ نے ان سے جو عہد و پیمان لیا تھا اس سے منحرف ہوگئے۔ اور اس پر ثابت قدم نہ رہے اور یہ بات اُنکے نقص ایمان کی علامت تو ہے مگر ان کے کفر و شرک کی دلیل نہیں ہے۔ کما لا يخفى على العوام فضلاً عن العلماء الاعلام۔ (منہ عفی عنہ)۔

شیعہ مخلص مؤمن صحابہ کرامؓ کے معتقد ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ جسطرح برادران اسلامی سب اصحاب سے محبت وعقیدت کے دعوے کے باوجود زیادہ تر اصحابِ ثلاثہ کی طرف رجحان ومیلان رکھتے ہیں۔اسی طرح شیعیان حیدرؑ کرار جناب سلمانؓ ابوذرؓ عمار بن یاسرؓ اور مقداد بن اسودؓ کو تمام اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے بہتر سمجھتے ہیں ورنہ انکے علاوہ جس قدر اصحاب باصفا وارباب زہد واتقا ہیں۔شیعہ ان سب کے بدل وجان معتقدہ یں۔اور انکی تعظیم وتکریم کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ہاں البتہ وہ ان میں سے فاسقین اور بالخصوص منافقین کی عظمت پر یقین نہیں رکھتے۔ اصحابِ رسول ﷺ کوئی دس پچاس یا دوسو نہ تھے۔بلکہ ہزاروں تھے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ وہ سب کے سب مخلص ومؤمن اور عادل نہ تھے۔بلکہ ان میں کچھ مؤمن تھے اور کچھ منافق۔کچھ عادل تھے اور کچھ فاسق۔جیسا کہ خدا فرماتا ہے:''منھم المؤمنون و اکثرھم الفاسقون'' لہٰذا شیعیان علیؑ حسب فرمان ربانی صرف منافقین کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی خلاف عقل ونقل وہ مومن وفاسق عادل وغیر عادل، قاتل ومقتول اور ظالم ومظلوم کو برابر سمجھتے ہیں افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً؛ اور یہی ہمارے ہادیان دین کی ہمیں تعلیم وتلقین ہے۔

ارشادات معصومینؑ سے مذکورہ بالا دعویٰ کا ثبوت:

اس سلسلہ میں حضرت امیرؑ کے خطبات، امام زین العابدینؑ کے ادعیہ جات اور دوسرے آئمہ طاہرینؑ کے متعدد روایات بطور مشاہد عادل موجود ہیں۔چنانچہ جناب امیرؑ کے ان خطبوں میں سے ایک وہی خطبہ ہے جس کا ایک حصہ اس استدلال میں پیش کیا گیا ہے اسکی ابتداء میں آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ ''این القوم الذین دعوا الی الاسلام فقبلوہ و قرؤا القرآن فاحکموا و ھیجوا الی القتال فولھوا ولہ اللقاح الی اولادھا و سلّوا السیوف من اغمادھا و اخذو اباطواف الارض زحفاً و حفاً و صفاً صفاً بعض ھالک و بعض نجیٰ لا یبشرون بالحیاء ولا یعزون بالموتیٰ مرہ العیون من البکاء الخ''

۲۔ امام زین العابدینؑ آنحضرت ﷺ کے مخلص مومن اصحاب باصفا پر صلوات میں فرماتے ہیں۔

''اللھم و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاصۃً الذین احسنوا الصحابۃ و الذین ابلوا البلاء الحسن فی نصرہٖ و کانفوہ اسرعوا الی دعوتہ و استجابوا لہ حیث سمعھم حجۃ رسالاتہ و فارقوا الازواج و الاولاد فی اظھار کلمتہ و قاتلوا الآباء و الابناء فی تثبیت بنوتہٖ الخ'' (صحیفہ سجادیہ ص ۱۱۲ مترجم)

بارالہا! خصوصیت سے اصحاب محمد ﷺ میں سے وہ افراد جنہوں نے پوری طرح پیغمبرؐ کا ساتھ دیا۔اور انکی دعوت کی طرف سبقت کی اور جب پیغمبرؐ نے اپنی رسالت کی دلیلیں اُن کے گوش گزار کیں۔تو انہوں نے لبیک کہی۔اور انکا بول بالا کرنے کیلئے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔اور امرِ نبوت کے استحکام کیلئے باپ اور بیٹیوں تک سے جنگیں کیں۔

ے سلام ان پر جوان کے اصحاب ہیں ☆ وہ اصحاب کیسے، احباب ہیں
خدا ان سے راضی، رسولؐ ان سے خوش ☆ علیؑ ان سے راضی، بتولؑ اُن سے خوش

☆☆☆☆☆ ☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆

اصل محلِ نزاع اصحاب ثلاثہ کی شخصیت ہے

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے میں ہے۔ اہلسنت انکو بعد از نبی تمام اصحاب بلکہ تمام امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم انکو دولت ایمان و ایقان کامل اور اخلاص شامل سے تہی دامن مانتے ہیں۔ اور ہم سابقاً آیات قرآنیہ کے ذیل میں بالخصوص پہلی آیت کے جواب میں اس دعوے کو قرآن، حدیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ہمارے بھائیوں کو جس طرح ساون کے اندھے کو۔۔۔ ہر چیز سبز نظر آتی ہے انکو ہر جگہ اصحاب ثلاثہ ہی جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ کسی صحابی رسول ﷺ کی مدح ہو۔ انکو اس آئینہ میں اپنے ثلاثہ ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ ان اوصاف کا ان میں نام ونشان بھی نہ ہو! جیسا کہ مؤلف نہج البلاغہ کے اس اقتباس کیساتھ سلوک کیا ہے۔ جو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بعض کامل الایمان محبان جناب امیر علیہ السلام صحابۂ کرام کی تعریف وتوصیف اور انکی پیاری یاد کے متعلق ہے جن کی چند نمایاں صفات جلیلہ آنجنابؑ نے بیان فرمائی ہیں کہ (۱) وہ سچے مسلمان (۲) صحیح قاریانِ قرآن اور (۳) جہاد کے ایسے شائق تھے جیسے ناقہ اپنے بچوں کی شائق ہوتی ہے (۴) چنانچہ ان کی تلواریں ہر وقت میان سے باہر رہتی تھیں۔ (۵) راہ خدا میں انکے لئے موت وحیات برابر تھی (۶) خوف وخشیت الٰہی کی شدت کی وجہ سے انکی آنکھیں خیرہ (۷) کثرت صیام سے پیٹ پشت سے لگے ہوئے (۸) کثرت دعا و پکار سے ہونٹ خشک (۹) اور کثرت شب بیداری کے سبب سے رنگ زرد تھے۔ ہم بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ان صفاتِ جمیلہ کا عشرعشیر بلکہ ان کا نام ونشان بھی اصحاب ثلاثہ میں نہیں پایا جاتا۔ اور ہم باانصاف ناظرین کرام سے خدائے ذوالمنان کا واسطہ دے کر التماس کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کی نہیں بلکہ سنیوں کی کتب سے ہی سہی اگر ان صفات جلیلہ کا اصحاب ثلاثہ میں پایا جانا ثابت کر دیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہیں؟ اگر اہلسنت اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو میدان میں آئیں اور یہ انعام حاصل کریں۔

؎ کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد؟؟؟

اصل اعتقاد جناب امیر علیہ السلام متعلق باصحاب ثلاثہ:

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ جناب امیر علیہ السلام ثلاثہ کو کیسا سمجھتے تھے؟ تو اسکے متعلق نہج البلاغہ وغیرہ میں آپ کے بکثرت صریح ارشادات موجود ہیں۔ جن میں ہرگز کسی قسم کا کوئی اجمال و اہمال نہیں ہے۔ انکو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اصل حقیقت کا سراغ لگائیں۔ مثلاً اس سلسلہ کی اہم کڑی آنجناب کا وہ خطبہ ہے جو ''خطبہ شقشقیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اسمیں فرماتے ہیں: ''اما واللہ لقد تقمصها ابن ابن ابی قحافة و انه لیعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی۔ فرأیت ان الصبر علی هاتا احجی فصبرت و فی العین قذیٔ و فی الحق شجیٔ اری تراقی نهباً حتی مجی الاول لسبیله فاولیٰ بها الی ابن الخطاب بعده۔۔۔ فیما عجیباً

بینهما هو یستقیلها فی حیاته اذ عقدها الاکر بعد وفاته ۔ لشد ما تشطر اضر عیها ۔ فصبرت علی طول المدة و شدة المحنه حتی اذا مضی لسبیله جعلها فی جماعةٍ زعم انی احد هم فیها اللہ و للشوریٰ الی ان قام ثالث القوم نافخاً حضنیه بین نشیله و معتلفه و قام معه بنو ابیه یخضمون مال اللہ خضم الابلنلبة الربیع الی ان انتک فتله و اجهز علیه عمله و کبت به بطنته ۔۔۔''

ترجمہ: لوگو! خدا کی قسم ابوقحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کوزبردستی پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں (کمالات علمی وعملی کے لحاظ سے) خلافت کیلئے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کیلئے وہ کھونٹا جس پر اسکی گردش منحصر ہوتی ہے۔۔۔۔ میں نے دیکھا کہ صبر کرنا ہی خردمندی سے قریب ہے۔ میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھ خاشاک وغبار سے اور حلقوم گلواستخواں (اندوہ) سے سخت تکلیف میں تھا۔ میں میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ خلیفہ اول اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور خطاب کے فرزند کو خلافت سپرد کر گئے۔۔۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ خلیفہ اول اپنی زندگی میں لغزشوں سے بچنے کیلئے دوسروں کی یاوری کے طالب تھے۔ یا پھر یہ ہوا کہ اپنی وفات کے بعد وہ خلافت کی وصیت ایک دوسرے شخص کیلئے کر گئے۔ (حکومت) کے دونوں تھن ان دونوں نے یکے بعد دیگرے دوھ لئے۔ میں نے اس طویل مدت میں شدت تکلیف پر صبر، (ضبط) سے کام لیا۔ (اور خاموش رہا) حتیٰ کہ دوسرے خلیفہ بھی دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور امر خلافت ایک جماعت میں محصور کر دیا۔ جس کا ایک فرد انکے گمان میں میں بھی تھا۔ بار خدایا! بھلا مجھے اس سے کیا مطلب!

آخر کار قوم کا تیسرا آدمی پیٹ پھیلائے اپنے گوبر اور چارے کے بیچ میں کھڑا ہوا اس کے ساتھ اسکے جدی بھائی بند (بنو امیہ) بھی ہو گئے۔ اور خدا کا مال اسی طرح تصرف میں لاتے گئے جس طرح اونٹ موسم بہار کی گھاس صاف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس رسی کے بل بھی نکل گئے اور اس کا کام بھاری ہوگیا اور بسیار خوری کے سبب منہ کے بل گر پڑا۔ (ترجمہ نہج البلاغہ رئیس احمد ندوی حنفی ج ۱ ص ۱۳۶ تا ص ۱۴۱)۔

(۲) نہج البلاغہ طبع ایران ص ۱۳ پر فرماتے ہیں ''فو اللہ ما زلت مدفوعاً عن حقی مند قبض اللہ بینه'' میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جاتا رہا ہوں۔ (ترجمہ ندوی ج ۱ ص ۱۴۷)

(۳) ص ۲۲ پر فرماتے ہیں: ''لیس لی معین غیر اهلبیتی'' سوائے میرے اہلبیت کے میرا اور کوئی معین ومددگار نہ تھا۔

(۴) ص ۳۹ پر فرماتے ہیں ''لقد علمتم انی احق بها من غیری''، تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میں خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

(۵) ص ۱۷۴ پر فرماتے ہیں اجمعو علی منازعتی حقاً کنت اولی بها من غیری۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ اس حق (خلافت) کے متعلق جھگڑے کرنے پر اجماع کیا۔ جس کا میں دوسروں سے زیادہ حقدار تھا۔

(۶) ص ۱۹۹ پر فرماتے ہیں زعمت ان افضل الناس فلان و فلان (اے معاویہ) تونے گمان کیا ہے۔۔۔کہ اسلام میں رسول کدا کے بعد، افضل فلاں وفلاں ہے۔

(۷) ص ۲۶۱ پر فرماتے ہیں فان کنت بالشوری ملکت امورھم فکیف بھذا و المشیرون غیب۔ اگر تم نے مشورہ سے مسلمانوں کے معاملات پر قبضہ کیا ہے! تو یہ درست نہیں۔کیونکہ حقیقی مشورہ دینے والے (آل رسول ﷺ) تو موجود ہی نہ تھے۔

(۸) بخاری ج ۳ ص ۳۵ طبع مصر، مسلم ج ۲ ص ۹۱ میں جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے۔ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔و لکنک استبددت علینا بالامرو کنا نحن نری لنا حقاً لقرابتنا من رسول اللہؐ تو نے ہم پر ظلم کیا۔حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسولؐ اس امر (خلافت) کو اپنا حق جانتے تھے۔

(۹) تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۳ طبع مصر میں آپ کا یہ ارشاد بایں الفاظ مروی ہے کنا نوی ان لنا فی ھذا الامر حقاً فاستبددتم بہ علینا۔۔ہم اس امر (خلافت) کو اپنا حق سمجھتے تھے۔مگر تم نے ہم پر ظلم وزیادتی کی۔

(۱۰) صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ مع شرح نودی طبع دہلی میں عمر صاحب کا حضرت امیرؑ اور جناب عباس کو خطاب کر کے یہ کہنا مذکور ہے کہ رایتمافی کاذباً آثماً غادراً خائناً۔۔۔تم دونوں مجھے جھوٹا۔گنہگار۔غدار اور خیانت کار سمجھتے ہو۔اور جو مجھ سے بہتر تھا (ابوبکر) آپ اسے بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔تلک عشرۃ کاملۃ۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ حضرت علیؑ مسلمانوں کو ان (اصحاب ثلاثہ) کے طریق کار پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔حقائق کے سراسر خلاف ہے۔کیونکہ جو بات نا قابل رد دلائل سے ثابت ہے۔وہ یہ ہے کہ بوقتِ شوریٰ جب ظاہری اسلامی خلافت اس شرط پر جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔کہ آپ سنت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ سیرت شیخین (ابوبکر وعمر) پر بھی چلنے کا وعدہ کریں تو جناب نے خلافت ٹھکرا دی تھی۔لیکن سیرت شیخین پر چلنا گوارا نہیں فرمایا تھا۔(ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۸۳، ۸۰ طبع لاہور وغیرہ) پھر وہ دوسروں کو کس طرح انکے طریق کار پر چلنے کی ترغیب دے سکتے تھے؟ ان ھذا الا اختلاف۔ان حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ حضرت امیرؑ ثلاثہ کو گنہگار۔جھوٹا۔خیانت کار اور غدار جانتے تھے۔اور انکی خلافت کو غاصبانہ و جائرانہ اور جابرانہ سمجھتے تھے۔والحق مع علی و علی مع الحق۔

دوم نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸ میں ہے: من کلام لہٗ علیہ السلام الی معاویہ انہ بایعنی (بحذف عربی) ترجمہ: جناب امیر کے ان خطوط میں سے جو معاویہ کو آپ نے لکھے یہ بھی تھا کہ میری بیعت اسی قوم نے اس امر پر کی ہے جس پر انہوں نے ابوبکر، عمر عثمان سے کی تھی۔اب کسی حاضر یا غائب کو اس بیعت کے رد کرنیکا اختیار نہیں ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار ہی کا حق ہے۔جس شخص کی بیعت پر ان کا اتفاق ہو جائے اور اسکو امام بنالیں۔خدا کو بھی وہی منظور ہے۔اس متفقہ خلیفہ کی

اطاعت سے جو کسی طعن یا بدعت کے باعث انحراف کرے۔ اہلِ شوریٰ کا حق ہے کہ اسے خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں۔ اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں۔"

اس خطبہ میں جناب امیرؑ نے مسئلہ خلافت و خلیفہ کا بالکل فیصلہ فرما دیا۔ اور آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ میری اور خلفائے سابقہ کی خلافت ایک ہی طریق سے ایک ہی جماعت (مہاجرین و انصار) کے انتخاب سے عمل میں آئی ہے اور انتخاب خلیفہ کا حق بھی مجلس شوریٰ مہاجرین و انصار کو ہی ہے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کے حقدار سب سے پہلے امیر علیہ السلام کا اور خانقاہ (کذا) ثلاثہ کا انتخاب غلط ہوا تھا وہ جناب امیرؑ کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ انتخاب خلیفہ سے ناراض تھے اور انہوں نے بیعت نہ کی تھی۔ یا جبراً قہراً کی تھی۔ یہ سب کچھ یار لوگوں کی گھڑت اور اتہام محض ہے۔ کیا شیعہ صاحبان جناب امیر المومنینؑ کے اس فرمان واجب الاذعان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے؟ (آفتاب ص ۱۴۰)

الجواب:

شیعیان حیدرؑ کرار خوارج و نواصب کی طرح اُنکے فرمان واجب الاذعان سے سرتابی و انحراف نہیں کرتے بلکہ اسے واجب العمل سمجھ کر اسکے سامنے سر تسلیم خم کرنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔ مگر سر تسلیم خم کرنے سے پہلے اس فرمان کا صحیح مفہوم سمجھنا اشد ضروری ہوتا ہے کیونکہ بزرگان دین کا ارشاد ہے: "**روایۃ تدریه خیر من الف ترویه**" صرف ایک روایت کا سمجھنا بلا سمجھے ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے۔ سو ہم علیٰ وجہ البصیرہ کہتے ہیں۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام بطور الزام ہے نہ بطور بیان مقصد و مرام۔ **کما لا یخفی علیٰ اولی الافهام المطلعین علی دقائق فن الجدل و الکلام** اس کلام سے آنجنابؑ کا مقصد بطور اتمام حجت معاویہ پر بہر حال اپنی خلافت کا ثابت کرنا ہے کہ اے معاویہ! تمہارا یہ اصول ہے کہ مہاجرین و انصار کے اجماع و شوریٰ سے خلافت منعقد ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر تم اپنے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھے خلیفہ رسول نہیں سمجھتے حالانکہ تمہارے اس مقرر کردہ معیار پر میں پورا اترتا ہوں۔ کیوں کہ میری بیعت بھی انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے شیخین کی کی تھی۔ آنحضرت اور معاویہ کی خط و کتابت کا یہ سلسلہ بہت طولانی ہے جو کتب تواریخ میں مرقوم ہے "**کتب علی الی معاویه بعد وقعة الجمل سلام علیک اما بعد فان بیعتی بالمدینة لزمتک و انت بالشام لانه بایعنی الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بویعوا علیه الخ**" حضرت علیؑ نے جنگ جمل کے بعد معاویہ کو یہ خط لکھا۔ اما بعد۔ سلام علیک اے معاویہ! میری بیعت جو مدینہ میں واقع ہوئی ہے تم پر لازم ہو گئی ہے۔ حالانکہ تم شام میں ہو۔ کیونکہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عثمان کی کی تھی"۔ (العقد الفرید ج ۲ ص ۲۳۳ طبع مصر)

لیجئے اس مکتوب میں لزوم کا لفظ بھی موجود ہے جس سے اس کا الزامی دلیل ہونا واضح ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ معاویہ بھی اس

الزام کو رد نہ کرسکا۔ اور فرار کی ایک اور راہ اختیار کی۔ اسی العقد الفرید ج ۲ ص ۲۳۳ پر معاویہ کا جواب مذکور ہے: ''فکتب الیہ معاویه السلام علیک اما بعد فلعمری لو بایعک الذین ذکرت و انت بری من دم عثمان لکنت کابی بکر و عمر و عثمان و لکنک اغوبت بدم عثمان الخ'' السلام علیک (اے علیؑ) مجھے اپنی زندگی کی قسم اگر وہ لوگ جن کا تم نے ذکر کیا ہے (یعنی مہاجر و انصار) تمہاری بیعت کر لیتے اور تم خون عثمان سے بری الذمہ ہوتے۔ تو یقیناً تم ابوبکر و عمر و عثمان کی طرح (واجب البیعت والا طاعت) ہوتے لیکن تم نے لوگوں کو قتل عثمان پر برانگیختہ کیا الخ۔ بعد ازیں حضرت علیؑ کا جواب الجواب بھی اسی صفحہ پر مرقوم ہے۔ بخوف طوالت ہم اسے قلم انداز کرتے ہیں طرفین کی خط و کتابت دیکھنے کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کر کے اپنی پیاس شوق بجھا سکتے ہیں۔ بہرحال اس خط و کتابت سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگیا کہ آنجناب کا یہ کلام الزامی ہے اور معاویہ اس جواب سے ملزم و مفحم بھی ہوگیا تھا۔ لیکن چونکہ اسے بیعت نہ کرنا تھی نہ کی۔ اسلئے بہتان تراشی سے کام لیکر اپنی گلوخلاصی کرائی۔ آنجناب۔ آیۃ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرّسول کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فردہ الی اللہ ان نحکم بالکتاب و ردہ الی الرسول ان ناخذ بالسنته فاذا حکم بالصدق فی کتاب اللہ فنحن احق الناس بہ و ان حکم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فنحن اولادھم''۔ خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم ان کی سنت پر عمل کریں لہٰذا اگر کتاب خداوندی سے سچائی کے ساتھ فیصلہ لیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے زیادہ حق دار خلافت و امامت میں اور اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے مطابق عمل کیا جائے تو بھی ہم سب لوگوں سے اسکے زیادہ لائق ہیں۔ (بہرحال خلافت و امامت نصی ہے نہ اجماعی نہ شورائی)۔

اگر آنجناب علیہ السلام۔ کے اس کلام کو نقضی و الزامی قرار نہ دیا جائے بلکہ حقیقت پر محمول کیا جائے تو اس سے مسلمانوں کی تینوں خلافتوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ کیونکہ واضح ہے کہ اس کے معنیٰ کی بناء پر انعقاد خلافت کا انحصار تمام مہاجرین و انصار کے اجماع و شوریٰ پہ ہے۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایسا اجماع و اتفاق تینوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ خلافتِ اولیٰ فقط حضرت عمر یا انکی دھینگا مشتی سے چند دیگر افراد کی بیعت کرنے سے عمل میں آئی۔ اور خلافت ثانیہ فقط خلیفہ اول کی وصیت سے منعقد ہوئی اور خلافتِ ثلاثہ بظاہر چھ اشخاص اور درحقیقت فقط عبدالرحمن ابن عوف کی بیعت کرنے سے بروئے کار آئی۔ (تفصیلات کیلئے سابقہ بیانات کی طرف رجوع فرمائیں) بہتر یہی ہے اور اسی میں مصلحت مضمر ہے امام علیہ السلام کے اس کلام حقیقت ترجمان کو الزام پر محمول کیا جائے۔ ورنہ بصورت دیگر قصر خلافت خلفائے ثلاثہ منہدم ہو جائیگا۔ جس سے ہمارے استدلال کنندگان کا بجائے نفع کے الٹا نقصان ہوگا۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے!

باقی رہی یہ بات کہ حضرت امیرؑ خلافت ثلاثہ کو کیا سمجھتے تھے؟ اس کا تحقیقی جواب اس سے پہلے استدلال کے جواب میں ابھی اوپر بالتفصیل دیا جا چکا ہے۔ اور جہاں تک آنجنابؑ کے ثلاثہ کی بیعت کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے تو ہم اس موضوع پر وہاں تفصیلاً گفتگو کریں گے۔ جہاں مؤلف اس عنوان کے تحت بات کا آغاز کریں گے۔ یہاں اجمالاً اسقدر سمجھ لیجئے کہ جب سابقہ استدلال کے جواب میں کتب فریقین سے یہ ثابت کر دیا گیا۔ کہ جناب امیرؑ خلافتِ ثلاثہ کو غاصبانہ و جابرانہ اور خلفاء ثلاثہ کو گنہگار۔ کذاب، غدار۔ خیانتکار اور ظالم و غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔ تو بعد ازاں برضاء و رغبت انکے بیعت ثلاثہ کرنیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (النحل آیت 12)۔

سوم۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۹ میں ہے: والسابقون والاولون من المہاجرین والانصار الذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ: یعنی پیشی گیرندگان کہ پیشتر بودہ اند از مہاجرین و انصار یہاں مولف نے صرف علامہ مجلسی کے بیان کردہ ترجمہ پر اکتفا کی ہے اور آخر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ بھی مہاجرین وانصار میں شاملِ بلکہ ان کے سرتاج ہیں۔ (آفتاب ص ۱۴۱)

الجواب:

چونکہ سلسلہ آیات کے ضمن میں پانچویں نمبر پر مؤلف اس آیت مبارکہ کو پیش کر کے اس کیساتھ استدلال کر چکے ہیں۔ اور ہم بھی اس مقام پر ثلاثہ کا شرف ہجرت ونصرت واتباع باحسان اور سعادت رضائے رحمن سے تہی دامان ہونا واضح وعیاں کر چکے ہیں۔ اس لئے بجائے اعادہ وتکرار کے ناظرین کرام کو اسی مقام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ واللہ المستعان علیہ التکان۔

چہارم: حملہٴ حیدری میں جنگ بدر کے بیان میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی قلت و بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور انکے ساز وسامان کو دیکھا تو دست بدعا ہو کر فرمانے لگے

ع خدایا اگر ایں چند تن از عباد ☆ کہ کردند امر ترا انقیاد

(بحذف اشعار) ترجمہ: اے خدا اگر تیرے یہ قلیل بندے جو تیرے عبادت گذار ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل میں لڑائی پر کمر بستہ ہو کر دشمن کی قلت وکثرت کی پرواہ نہیں رکھتے۔ اگر یہ دشمن کے ہاتھ سے صحت یاب ہو کر فتح یابی حاصل نہ کر سکے۔ تو یا خدایا! روئے زمین پر تا قیامت تیری پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائیگا۔ بتاؤ جن اشخاص کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ شہادت دیکر حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرے فرمانبردار بندے ہیں۔۔۔۔ یہ لوگ کون تھے یہ وہی مہاجرین وانصار تھے جنکے میر عسکر ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے۔ یا کوئی اور؟ (آفتاب ۱۴۱)

الجواب:

ہم بعونہٖ تعالیٰ بتاتے ہیں۔ اور ڈنکے کی چوٹ پر بتاتے ہیں کہ جن کے حق ہیں پیغمبر اسلامؐ نے یہ دعا فرمائی ہے۔ ان سے مراد وہی مومن و مجاہد ہیں۔ جنکے اخلاص وایمان اور بے پناہ جذبۂ جہاد کی بدولت یہ جنگ فتح ہوئی۔ آپ کے ممدوحین خاص یعنی اصحاب ثلاثہ بہر حال ان سے خارج ہیں۔ کیونکہ عثمان صاحب تو سرے سے اس جنگ میں شامل ہی نہ تھے۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاج ا ص ۷۷ وغیرہ) اور شیخین اگرچہ اس غزوہ میں شریک ضرور تھے۔ مگر تاریخ اسلام انکا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ البتہ بعض کتب میں ''عریش پر بیٹھ کر دور سے ابوبکر کا نظارہ جنگ کرنا مرقوم ہے۔'' (بخاری پ ۱۶ ص ۱۲)

ارشاد قدرت ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً (سورۃ النساء آیت 95) سچ تو یہ ہے کہ وکیل جسقدر زور وکالت صرف کریں اور پرستاران ثلاثہ جس قدر حق نمک ادا کریں مگر اس کا کیا علاج کہ:

؎ گلیم بخت کے را کہ بافتند سیاہ ☆ بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

پنجم۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۱۴۱۔ میں ہے ''عروہ بن مسعود چوں در غزوۂ حدیبیہ (بحذف فارسی) ترجمہ غزوۂ حدیبیہ میں جب عروہ بن مسعود کفار قریش کا سفیر ہو کر آنحضرتؐ کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا کہ جب حضورؐ وضو کرتے یا ہاتھ دھوتے۔ جب آپ منہ سے تھوک یا ناک سے پانی پھینکتے۔ برکت کے لئے ہاتھوں میں لیکر اپنے منہ اور بدن پر ملتے اور اگر کوئی بال جسم اطہر سے گرتا تو اسکے لینے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتے تھے۔ (کذا) جب حضورؐ کلام کرتے یہ لوگ چپکے ہو جاتے اور حضور انور ﷺ کے رخ انور پر تیز نگاہ نہ ڈال سکتے تھے۔ اور آپکے حضور بیٹھ کر سر نیچے جھکا دیا کرتے۔ جب عروہ نے یہ حالت دیکھی اور قریش میں لوٹا تو کہنے لگا میں نے بادشاہانِ عجم و روم وحبشہ کو دیکھا ہے۔ لیکن میں نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ جو اپنے بادشاہ کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں! جیسے اصحاب رسول اپنے شہنشاہ کی اکرام و تعظیم کرتے ہیں۔'' اسی مضمون کو صاحب حملۂ حیدری نے نظم میں بیان کیا ہے۔

؏ پس نگاہ در مجلس شاہ دین ☆ نشست او زمانِ دگر در مکیں

الخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جب اصحاب رسول ﷺ کی جاں نثاری کی یہ حالت ہو کہ کفار بھی اس پر رشک کریں۔ اور معترف ہوں کہ ایسی قوم روئے زمین پر موجود نہیں جو اپنے آقا پر یوں جاں نثاری کریں۔ وہ لوگ سخت حقیقت ناشناس ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول پاکؐ کے آنکھ بند کرنے کی دیر تھی کہ سوہ سارا کھیل بگڑ گیا نہ وہ عشق رہا نہ محبت۔ سب کے سب اصحاب بغیر تین چار کے دین سے پھر گئے۔ لاحول ولاقوۃ

؎ چوں دل بہ مہر نگارے نہ بستہ اے ماہ ☆ ترا از سوزدردن و نیاز ما چہ خبر؟

۔۔۔ الحق جاں نثارانِ رسول پاکؐ کی زندگی میں دین حق کے شیدا تھے۔ بعد وفات نبیؐ بھی انہوں نے اپنی جانیں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے وقف کردی تھیں۔ انہوں نے اشاعت اسلام میں عمریں خرچ کر دیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (آفتاب ص ۱۴۴)

الجواب:

؎ باتیں بڑھ بڑھ کر نہ کیجئے ہمیں معلوم ہے سب ☆ ہم پتہ کی جو کہیں گے تو خجالت ہوگی

اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو کامل الایمان صحابہ کرام تھے۔ وہ ہر لحظہ و ہر ساعت خدا اور رسول کی خوشنودی کے طالب وخوہاں رہتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت وتکلیف کا خندہ پیشانی سے استقبال بھی کرتے تھے۔ منهم من قضیٰ نحبه و منهم من ینتظر۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں عروس موت سے ہمکنار ہونے کیلئے مشتاق و بے تاب نظر آتے تھے۔

یوں جاتے تھے میدان شہادت میں وہ ابرار ☆ جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار ☆ بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی وہ بوچھاڑ

برچھی جو لگی تو نخل شہادت میں پھل آیا
جان آگئی جس وقت پیام اجل آیا

جو ایسے باصفا و باوفا تھے۔ ان میں سے جو حضرات وفات رسول ﷺ کے وقت زندہ تھے انکے رویہ و رفتار میں ذرہ بھر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ و ما بدلوا تبدیلاً۔ مگر اصحاب ثلاثہ یا وہ اصحاب جو نفاق سے متصف تھے۔ وہ ان صفات و کمالات سے بالکل عاری تھے۔ آپؐ کے وضو وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا تو درکنار یہ تو آنحضرتؐ کے واضح ارشادات کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیعت رضوان وغیرہ والی آیات کے ضمن میں اس قسم کے متعدد واقعات لکھے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جنگ خندق والی رات (جو کہ سرد تھی اور بارانِ رحمت برس رہا تھا) آنحضرتؐ نے نام بنام ابوبکر وعمر کو حکم دیا کہ جا کر کفار کے حالات کا جائزہ لے آؤ۔ مگر انہوں نے حامی نہ بھری۔ بالآخر حذیفہ کو حکم دیا وروہ گئے۔ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۸۵۔ کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۹، تاریخ کامل ج ۲ ص ۶۹ طبری جلد ۳ ص ۵۲ وغیرہ)

آنحضرتؐ کے بات کرتے وقت سر نیچا کر کے خاموشی سے اسے سننا تو بجائے خود یہ خود سر تو سر بلند کر کے باآواز بلند انکے کلام کے وقت نہ صرف شور وغل مچاتے تھے۔ بلکہ انکے کلام کو ہذیان بھی کہتے تھے۔ اور اس سے آنحضرتؐ کو اسقدر روحانی اذیت ہوئی تھی کہ حکم دیتے تھے کہ میری بزم سے اٹھ جاؤ۔ (ملاحظہ ہو۔ بخاری ج ۳ ص ۱۲۶۔ کتاب الخمس، باب مرض النبی، دفاتہ۔ وغیرہ، مشکواۃ ص ۵۴۰۔ نسیم الریاض شرح شفا، ج ۱ ص ۳۱۷، الفاروق ص ۶۱، وغیرہ) ۔۔۔ اور جہاں تک انکے دین پھیلانے کا تعلق ہے تو پہلے

کئی مقامات پر اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان کی یہ جنگیں دین کی نشر و اشاعت کی غرض سے نہ تھیں۔ بلکہ اپنا دینوی وقار و اقتدار بڑھانے اور غنائم سے خزائن پر کرنے کی غرض کے تحت تھیں اور اگر ان سے بالواسطہ دین کو کچھ فائدہ پہنچا ہے تو یہ بھی انکے ایمان کی دلیل نہیں۔ کیونکہ ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر (خدا اس دین کی تائید کبھی کبھی فاسق و فاجر سے بھی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس مطلب کی کما حقہ، تحقیق قبل ازیں متعدد بار پیش کی جا چکی ہے)۔ (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی کنز العمال ج ۱ ص ۱۸ وغیرہ) اور جہاں تک جمع القرآن اور اسکے امت تک پہنچانے کا متعلق ہے تو ہم پہلے باب میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ خود کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ خود حضرت علیؑ نے قرآن بمطابق تنزیل جمع کیا تھا مگر ثلاثہ کی کرم نوازی سے امت مرحومہ اسکے دیدار تک سے اب تک محروم ہے اور نہ معلوم کب تک محروم رہے گی۔ اور انہی لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد خانوادۂ مصطفیٰؐ پر مظالم و مصائب کے وہ کوہائے گراں ڈھائے کہ رسول اسلامؐ کی چہیتی لاڈلی بیٹی سیدہ النساء جناب فاطمۃ الزہراؑ یہ مرثیہ پڑھتے ہوئے دنیا سے سدھار گئیں

ے صبت علی مصائب لو انھا ☆ صبت علی الایام صرن لیالیا

اس لئے مسلمان کب انکے اس احسان سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ الحمد اللہ ان حقائق سے ثلاثہ کی قلعی کھل گئی۔ اور فرضی فضیلت ختم ہو گئی

ے کیا لطف جو غیر پردہ کھولے! ☆ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ششم: اگر چہ اصحاب رسولؐ سب کے سب نجوم ہدایت تھے لیکن خلفاء چار یار اربع فلک اسلام کے وہ روشن سیارے تھے جن کے نور نے عالم کو منور کیا۔

چار کے اعداد سے بس حق تعالیٰ کو ہے پیار ☆ ہیں حبیبؐ کبریاء کے برگزیدہ چار یار
جسم کی ترکیب ہے اربعہ عناصر سے ہوئی ☆ ہوتی ہیں ہر اک مکان کی دیکھ لو دیوار چار
عرش سے نازل ہوئیں چاروں کتابیں دوستو ☆ ہیں الوالعزم انبیاء ایزد غفار چار
ہیں فرشتے بھی مقرب چار جو مشہور ہیں ☆ ہیں مذاہب بھی یہی مقبول بے انکار چار
کعبۃ اللہ میں بچھے چاروں مصلے ہیں ضرور ☆ خانوادے بھی طریقت کے ہیں پر انوار چار

(اسی طرح چند اشعار اور بھی چار یار کی تعریف میں قلم بند کئے ہیں) (آفتاب ص ۱۴۵)

الجواب:

ہم مکرر رسہ کرر سابقہ اوراق میں نا قابل رد شہادتوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ ان ستاروں میں سے کچھ سعد تھے۔ اور کچھ

نحس۔سب کو یکساں حیثیت دینا اور برابر سمجھنا اپنی عقل وخرد کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔ارباب دانش وبینش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اعداد میں فی نفسہ نہ کوئی خوبی ہوتی اور نہ خامی جس عدد کو بھی لے لیا جائے اسکے معدودے اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی مثلاً اسی چار کے عدد کو لے لو اس میں جہاں اچھی چیزیں ملتی ہیں۔وہاں بری چیزوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ جیسے۔حسد ظلم، تکبر اور غضب، چار چیزیں شقاوت میں داخل ہیں۔(۱) آنکھ کا خشک ہونا (۲) دل کا سخت ہونا (۳) گناہ پر اصرار کرنا۔(۴) بوڑھی عورت سے مباشرت کرنا۔ چار چیزوں کو دوام نہیں ہے (۱) مال حرام کو (۲) محفل گناہ کو (۳) اس فکر کو جو عقل سے عاری ہو (۴) وہ شہر جو حاکم عادل سے خالی ہو۔۔ چار چیزیں پستی کی علامت ہیں۔(۱) راز کو فاش کرنا۔(۲) عذر کرنا (۳) شریفوں کی غیبت کرنا (۴) ہمسایوں کو تکلیف دینا۔وغیرہ وغیرہ (معدن الجواہر) علاوہ بریں جو اعداد مؤلف نے پیش کئے ہیں وہ درست بھی نہیں ہے۔آجکل سائنسی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسانی جسم کی ساخت میں چار سے زائد عناصر شامل ہیں۔عرش سے صرف چار کتابیں ہی نازل نہیں ہوئیں بلکہ اور بھی بہت سے صحف وکتب نازل ہوئے ہیں۔انبیاء اولوالعزم چار نہیں بلکہ پانچ ہیں۔کعبہ سے اب سوائے مقام ابراہیم کے باقی تینوں مصلے اٹھائے جا چکے ہیں۔اہلسنت کے چاروں مذاہب میں سے ایک مذہب بھی حضرت امیر علیہ السلام کو پسند نہیں ہے۔ کما لا یخفی۔اور بنا بر سلیم جو چار صحابہ کرام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے محبوب ہیں وہ یہ ہیں۔ جناب سلمانؓ، جناب ابوذرؓ، جناب مقدادؓ، اور جناب عمارؓ (ترمذی شریف، کنز العمال وغیرہ) لہٰذا چار یاری صاحب کو اس فہرست سے کیا حاصل ہے؟ بہرکیف اہلسنت والجماعت کے مردوں اور عورتوں کو انکے چار یار مبارک اور ہمیں اپنے پنجتنؑ پاک مبارک!

؎ قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ☆ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا!

الحمدللہ ؏ رضینا قسمۃ الجبار فینا

اگر چہ یار کی اصطلاح کچھ بھونڈی سی ہے کیونکہ غلام کو سردار اور امتی کو رسول مختار کا یار کہنا ذوق سلیم پر بہت گراں گذرتا ہے۔تاہم ہم بطور مماشات کہتے ہیں کہ یہ چار یار (بجز رابع) تو یار لوگوں کے طبع زاد ہیں۔اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ خود سرکار احمد مختار علیہ وعلیٰ آلہ صلوات الملک الجبار نے کن بزرگواروں کو اپنا یار (صاحب) قرار دیا ہے تو درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں: الجنۃ تشتاق الی اربعۃ: ''جنت چار یاروں کی مشتاق ہے'' عرض کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ! انکے نام کیا ہیں؟ فرمایا: سلمانؓ۔ابوذرؓ مقدادؓ بن اسود اور عمارؓ بن یاسر: (مشکوٰۃ ص ۵۷۲ طبع بمبئی)

یہ ہیں وہ سچے یار جنہوں نے خدائے غفار رسول مختارؐ اور حیدر کرارؑ کی اسطرح اتباع و پیروی کی جسطرح کرنے کا حق ہے۔

لقد سعدوا وفازوا فی الدنیا والآخرۃ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ورضوان من اللہ اکبر۔

خلافت وامامت

اب ہم شیعہ سنی کا معرکتہ الآراء مسئلہ خلافت وامامت شروع کرتے ہیں۔۔۔یہی مسئلہ تمام نزاعات کا اصل الاصول ہے۔مسئلہ خلافت میں اہلسنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ خلافت کا زمانہ حضورﷺ نے تیس سال بتایا تھا۔۔۔اولاً باتفاق اہلحل وعقد ابوبکر صدیق۔پھر عمر فاروق۔پھر عثمان ذوالنورین، پھر علی المرتضیٰ منصب خلافت رسول پر متمکن ہوئے۔سب کی خلافتِ حق تھی یہی ترتیب رب العباد کو منظور تھی۔۔خلافت وامامت ایک ہی چیز ہیں۔امامت اصول دین سے نہیں ہے۔اہل تشیع کا مذہب ہے کہ امامت اصول دین سے ہے۔حق امامت بعد وفات رسول۔حضرت علیؑ کا تھا۔۔انکی امامت منصوص تھی۔۔۔لیکن خلفائے ثلاثہ زبردستی تخت خلافت پر بیٹھ گئے۔اس موقعہ پر حسب ذیل امور تنقیح قائم کرکے ہر ایک امر پر بالتفصیل مدلل بحث کریں گے۔

فرد تنقیح:

(۱) کیا امامت وخلافت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔یا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔۔۔ اور کیا امامت اصول دین سے ہے یا نہ؟ (۲) کیا امامت حضرت علیؑ ہی کا حق تھا؟۔۔۔اسکے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی نص ہو چکی تھی یا انتخاب خلافت شوریٰ۔۔۔مہاجرین وانصار واتفاق اہل حل وعقد سے ہی ہوتا رہا ہے۔ (۳) کیا حضرت علی خود طالب خلافت بلافصل تھے۔۔۔یا انکو مطلق رغبت نہ تھی۔۔۔ (۴) کیا حضرت علی المرتضیٰ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی؟ اگر کی تو جبراً۔۔۔یا برضا مندی خود۔

امر اول:۔چونکہ ان تمام امور میں شیعہ مدعی ہیں اور ہم مدعا علیہ۔کیونکہ مسند خلافت رسول پر ہم قابض ومتصرف رہے۔شیعہ ہزار چیخ پکار کریں۔۔۔اب ان کو قبضہ ودخل ملنا محال ہے اسلئے بار ثبوت جملہ امور میں بذمہ شیعہ ہوگا۔اور ہمارے ذمہ اسکی تردید۔۔۔پہلے امر کے متعلق شیعہ کہتے ہیں کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے خلافت میں عصمت شرط نہیں ہے۔اسلئے امامت و خلافت دو علیحدہ امور ہیں شیعہ کا صرف یہ دعویٰ ہے۔اسکے متعلق ان کے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے جو لوگ اماموں کی عصمت کے قائل میں وہ گویا شرک فی النبوۃ کرتے ہیں۔عجیب بات ہے کہ شیعہ۔۔۔انبیاء کرام کو تو تہم بالذنب کرتے ہیں۔۔۔لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں۔۔۔چنانچہ ابوالبشر۔۔۔آدم علیہ السلام کی نسبت انکا اعتقاد ہے کہ ان میں تین اصول کفر میں سے دو موجود تھے چنانچہ اصول کافی ص ۵۱۷ میں ہے قال ابوعبداللہ۔(بحذف عربی) ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔اصول کفر تین ہیں۔حرص، تکبر اور حسد۔حرص تو آدم علیہ السلام نے

کی۔(کذا) جب درخت سے منع کیا گیا تو حرص نے اسے کھانے پر برانگیختہ کیا۔اور تکبر شیطان نے کی (کذا) جب آدمؑ کیلئے سجدہ کا حکم ہوا اور وہ انکاری ہوا۔حسد آدم کے دو بیٹوں نے کیا۔جبکہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔جائے غور ہے کہ شیعہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو ابلیس کے ہم پلہ بیان کرتے ہیں۔۔۔بلکہ ابلیس سے بھی بدتر قرار دیتے ہیں کہ۔۔۔آدم علیہ السلام نے حرص کے علاوہ حسد بھی کیا چنانچہ حیات القلوب ج ا ص ۵۰ میں ہے کہ خدا نے آدم کو ائمہ اہلبیت پر حسد کرنے سے منع کیا۔اور کہا کہ میرے نوروں کی طرف حسد کی نگاہ سے مت دیکھنا ورنہ تمہیں قرب رحمت سے جدا کر دیا جائے گا۔اور بہت ذلیل ہوگے۔مگر آدم ان پر حسد کرنے سے باز نہ آیا۔اور اسکی کی سزا میں جنت سے آدم وحوا دونکال باہر پھینکے گئے۔ عبارت یوں ہے ''اے آدم نظر نکنید الخ۔۔۔(مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) ل۔۔کوئی ان عقل کے دشمنوں سے پوچھے کہ اپنی اولاد کے حسن و جمال کو دیکھ انسان خوش ہوا کرتا ہے یا اس پر حسد کیا کرتا ہے۔؟ بلکہ شیعہ کہتے ہیں انسانوں کی گنہگاری کا باعث ہی آدم علیہ السلام ہوئے ہیں۔۔۔چنانچہ حیات القلوب ص ۵۱ میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ۔معتبر سند سے امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ اگر آدم گناہ نہ کرتے تو ہر گز کوئی مومن گناہ نہ کرتا۔اور اگر حق تعالیٰ آدم کی توبہ قبول نہ کرتا تو کسی گنہگار کی توبہ قبول نہ ہوتی۔۔۔انکا اعتقاد ہے کہ پیغمبری سے بیشتر تمام پیغمبر صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔چنانچہ اسی حیات القلوب ص ۵۳ میں ہے۔ترجمہ: یہ گناہ آدم کا پیغمبری سے پہلے کا ہے اور یہ گناہ کبیرہ نہ تھا۔جو کہ باعث دخول جہنم ہو۔بلکہ صغیرہ گناہوں سے تھا۔جو بخشے جاتے ہیں۔اور پیغمبروں کو صغیرہ گناہ کر لینا نزول وحی سے پہلے جائز ہے، واہ چہ خوش! امام تو پیدا ہوتے ہی معصوم ہوں۔۔۔لیکن پیغمبر وحی سے پہلے جو چاہئیں کیا کریں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ناطق فیصلہ:

اس بارہ میں کہ خلافت و امامت ایک ہی چیز ہے اور جس کو مہاجرین و انصار بالاتفاق خلافت کیلئے نامزد کر دیں وہی امامؑ ہے۔۔۔ناطق فیصلہ جناب امیر علیہ السلام صادر ہو چکا ہے۔۔۔نہج البلاغہ مطبوعہ تہران ص ۳۹۸ ج ۲ ص ۸ مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے و انما الشوریٰ الخ۔۔۔(بحذف عربی) ترجمہ۔شوریٰ مہاجرین و انصار کا حق ہے پس اس خطبہ میں جناب امیرؑ نے ناطق فیصلہ دیکر ہمیں اہل تشیع کے خلاف ڈگری دیدی ہے۔۔۔ایسا ہی جناب ممدوح صاحب نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ کہ امام اور خلیفہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔چنانچہ نہج البلاغہ ص ۶۰ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: فرمایا۔آدمیوں کیلئے چارہ نہیں ہے۔امام سے نیک ہونا یا بد کہ اسکی امامت میں پیادہ (منزل مقصود) کو پہنچ سکے۔راستے محفوظ ہوں۔اور کمزور زبردست سے اپنا حق لے سکے۔تاکہ نیکوکار (بھلامانس) امن و آسائش میں رہے۔اور بدمعاشوں سے کھٹکا نہ

رہے۔''اس خطبہ میں جناب ممدوح نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ خلیفہ (امام) کا تقرر اسلئے ہے کہ پبلک کو آرام و آسائش ہو۔۔
آپ نے ابتداء ہی میں اس بات کا تصفیہ فرمادیا کہ امام میں معصومیت شرط نہیں ہے بلکہ ہر نیک و بدمومن یہ عہدہ حاصل کرسکتا ہے۔---

اب شیعہ صاحبان بتائیں کہ جناب امیرؑ تو تمہارے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہیں۔اب تمہارے ہاتھ میں شرط عصمت امام کی کونسی دلیل ہے؟ رہا یہ امر کہ امامت اُصول دین سے ہے۔سو یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن نے جہاں اصولِ دین بیان فرمائے ہیں۔وہاں امامت کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً بھی حکم بیان نہیں ہوا۔اور نہ ہی رسول پاکؐ نے امامت علی المرتضیٰ کے متعلق کوئی نص فرمائی۔پھر شیعہ کا امامت کو اصول دین میں داخل کرنا قول بے دلیل ہے۔۔یہ تنقیح بحق اہلسنت خلاف اہل تشیع ثابت ہے۔(آفتاب ازص ۱۴۵ تا ص ۱۵۰ سطر اول)

الجواب:

اب مؤلف نے مسئلہ خلافت و امامت (جو واقعاً معرکتہ الآراء اور تمام اسلامی اختلافات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے) کی بحث شروع کی ہے اور اسے ص ۲۲۲ تک یعنی ۷۷ صفحات میں پھیلا کر بیان کیا ہے۔یہ اور بات ہے کہ تصنیف و تالیف کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے حسب عادت اس عظیم موضوع کے ضمن میں بیسیوں غیر متعلق مسائل کی بحث بھی چھیڑ دی ہے اور اس طرح اصولی و فروعی مسائل کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ مسئلہ خلافت و امامت پر جس قدر فریقین کی طرف سے اب تک لکھا گیا ہے اور خصوصاً ہمارے اہل قلم اور علمائے اعلام نے اس موضوع پر جس قدر تحقیقات و تدقیقات کے دریا بہائے ہیں اس کی نظیر تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔علمائے اہلسنت کو یہ توفیق و ہمت تو نہیں ہوتی کہ وہ ہماری ان علمی کتابوں کے جوابات لکھیں۔البتہ ہر لاحق اپنے سابق کی کتاب سے بطور نقل انہی فرسودہ اور سینکڑوں مرتبہ کے مردودہ استدلات و بیانات کو کچھ نئے بار و برگ اور نیا رنگ دیکر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ہم خود اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب بنام ''اثبات الامامت'' لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔جسمیں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کر کے بفضلہ ہر قسم کی قیل وقال کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔اب مؤلف کتاب جس ڈھٹائی سے بعض مسلمہ حقائق کا بیک جنبش قلم انکار کر دیتے ہیں۔مثلاً یہ کہ ''قرآن و حدیث میں امامت علیؑ المرتضیٰ کے متعلق کوئی نص نہیں ہے'' یا شیعوں کے پاس عصمت امام کی کوئی دلیل نہیں ہے یا ''امامت کو اصول دین میں داخل کرنا قول بے دلیل ہے'' وغیرہ وغیرہ۔تو اگر ہم یہ چاہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل تمام نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ بیان کریں یا عصمت آئمہ کے تمام عقلی ونقلی دلائل و براہین کا تذکرہ کریں یا امامت کے اصول عقائد میں سے ہونے کے تمام استدلات پیش کریں تو اس کے لئے کئی جلدیں درکار ہیں بلکہ

ع سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے

ادھر موجودہ ہوشربا اشاعتی مصارف کی گرانی، اُدھر قارئین کی بے ذوقی اور عصر حاضر کے تقاضے مجبور کرتے ہیں کہ ہم ایک ہی جلد میں (جبکہ وہ بھی بہت ضخیم نہ ہو) اس پوری کتاب کا جواب باصواب پیش کر دیں۔ اس لئے ہم حسب سابق اس مقام پر بھی باہر مجبوری بڑے اجمال واختصار سے کام لیں گے۔ اگرچہ اس مقام کی نزاکت تفصیل جمیل کی مقتضی ہے۔ اگر قارئین کرام اس موضوع کی کسی شق میں کچھ تشنگی محسوس کریں تو وہ ہماری کتاب "اثبات الامامت" وغیرہ کی طرف رجوع فرما کر بموجب

ع زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کن

تفصیلی حقائق کا مطالعہ فرما کر اپنے شوق و ذوق کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

محل نزاع کی تعیین:

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کے سلسلہ میں ہماری حیثیت مدعی کی ہے۔ اسلئے بار ثبوت ہم پر عائد ہوتا ہے اور ہم بھی یہ جانتے ہیں کہ ظاہری مسندِ خلافت پر قبضہ وتصرف اہل جماعت کا رہا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اب ہم جس قدر چیخ و پکار کریں اب ہمیں قبضہ و دخل نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ زمانہ ہی گزر چکا۔۔۔ مگر مؤلف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف قبضہ دلیل صحت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ عادلانہ بھی ہوسکتا ہے اور غاصبانہ بھی نیز ان پر یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ اسوقت ہماری یہ چیخ و پکار خلافت کا قبضہ و دخل لینے کیلئے نہیں بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے کہ آپ کے اصحاب ثلاثہ کا یہ قبضہ غاصبانہ وجائرانہ تھا۔ تاکہ ابناء قوم وملت بالخصوص نسل نو کو ضلالت وگمراہی کے اس گڑھے میں گرنے سے بچایا جاسکے۔ علاوہ برین جب مؤلف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہم مدعی ہیں اور وہ مدعا علیہ اسلئے دلیل پیش کرنا ہمارے ذمہ اور تردید کرنا انکے ذمہ ہے تو پھر خود ہی اس مقدمہ کی سماعت کسطرح شروع کردی ہے۔ اگر ان میں کچھ بھی دینی دیانت وامانت ہوتی تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب سے پہلے فریقین کا موقف صحیح صحیح پیش کرتے۔ پھر ہر ہر موضوع پر ہمارے دلائل و براہین پیش کرتے، اور بعد ازاں پر تنقید وتبصرہ کرتے پھر فیصلہ قارئین پر چھوڑتے مگر افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ نہ انہوں نے ہمارا موقف صحیح بیان کیا ہے اور نہ ہی ہمارے دلائل ذکر کیے ہیں بلکہ غلط بیانی سے کام لیا ہے مثلاً موقف کے سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امامت وخلافت دو علیحدہ علیحدہ امور ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ (و لعنة اللہ علی الکاذبین) ہم خلافت وامامت کو ایک ہی حقیقت کے دو نام سمجھتے ہیں۔ **کما لا یخفی علی ناظری هذه الاثار و سائری تلک الدیار** اسی طرح انہوں نے خلافت کے بالنص اور امام کے معصوم ہونے کی تردید تو کی ہے۔ مگر انہوں نے اس سلسلہ میں شیعوں کی ایک دلیل بھی ذکر نہیں کی۔ کیا اسی کا نام تحقیق حق اور اسی کا نام انصاف ہے؟ یا سعد الابل! ہمیں رہ رہ کر مؤلف کی روش ورفتار اور انکے ذہنی اپاہج پن پر تعجب ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں انکی حیثیت مدعا علیہ کی ہے۔ مگر اسکے باوجود وہ کرسی عدالت پر براجمان ہوجاتے ہیں خود مقدمہ شروع کرتے ہیں اور کود ہی اپنے حق میں فیصلہ صادر کرتے ہیں گویا کہ

ے خود کوزہ و خود گل کوزہ و خود کوزہ گر ☆ خود بر سر دکان برآمد دل برد و جہاں شد؟

شاید انہوں نے یہ طریقہ اپنے پہلے خلیفہ سے سیکھا ہے۔ کیونکہ دعائے فدک میں انہوں نے بھی اسی طرح انصاف کا خون کیا تھا۔

ع کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسند رسول ﷺ کا ولی وارث اور بلا فصل خلیفہ وامام حضرت امیر علیہ السلام اور انکے بعد انکی اولاد امجاد میں سے گیارہ حضرات کو تا مہدی دوران علیہ السلام سمجھتے ہیں۔ یہی وہ بزرگوار ہیں جنکی امامت وخلافت کا تذکرہ ''اثناعشریہ خلیفہ'' والی احادیث متظافرہ بلکہ متواترہ میں موجود[1] ہے انکے علاوہ باقی تمام نام نہاد خلفاء کی خلافتوں کو ہم غاصبانہ وجائرانہ اور جابرانہ جانتے ہیں۔ ولا نخاف فی اللہ لومۃ لائم۔

(تیس سالہ خلافت والے نظریہ کا ابطال)

یہ نظریہ کہ خلافت صرف تیس ۳۰ سال ہوگی۔ جیسا کہ مؤلف نے بیان کیا ہے روایۃً ودرایۃً صحیح نہیں ہے اسے صحیح تسلیم کرنے سے چند مفاسد لازم آتے ہیں۔ جن سے اس نظریہ کے قائل کبھی گلوخلاصی نہیں کرسکتے۔

(الف) اسطرح خلفاء اربعہ کے بعد والے حضرات خلفاء نہ ہوں گے۔ بلکہ امراء وملوک قرار پائیں گے۔ حالانکہ اثنا عشر خلیفہ والی حدیث متواتر میں پورے بارہ کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

(ب) اس طرح سنیوں کے بڑے چہیتے خلیفہ معاویہ صاحب کا نام فہرست خلافت سے خارج ہوجائے گا۔ جسے یہ لوگ خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۸۳ طبع لاہور میں ہے ''انما صار اماماً حقاً الخ''، یعنی صلح حسنی کے بعد معاویہ امام برحق بن گیا۔

(ج) حدیث اثناعشر خلیفہ سے واضح ہے کہ خلافت نبویہ کا سلسلہ قیام قیامت تک جاری وساری رہے گا اور اس حدیث کی رو سے صرف تیس سال کی قلیل مدت میں اس کا اختتام لازم آتا ہے۔

(د) اس حدیث متواتر کی رو سے خلفاء کا بلاکم وکاست بارہ ہونا ضروری ہے مگر تیس سال والی حدیث کی رو سے صرف چار

حاشیہ[1]: آنحضرت ﷺ کا متفق علیہ ارشاد ہے لا یزال الدین قائماً (عزیزاً منیعاً) حتی تقوم الساعۃ ویکون علیہ اثنا عشر خلیفہ کلھم من قریش۔ دین ہمیشہ دام وقائم (یا باعزت وسربلند) رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائیگی اسمیں بارہ خلیفے ہونگے جو سب کے سب قریش سے ہونگے۔ فاضل قندوزی نے ینابیع المودۃ ص ۴۴۴ طبع استبول میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن حسن نے کتاب عمدہ میں اس حدیث کو بیس طرق سے اور بخاری نے تین مسلم نے نو۔ ابوداؤد نے تین ترمذی نے ایک اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں تین طرق اور نو اسانید سے نقل کیا ہے ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص ۱۱ پر اسکے متعلق لکھتے ہیں۔ ''قال الائمہ صدر ھذا الحدیث مجمع علیٰ صحتہ '' یعنی ائمہ حدیث کا بیان ہے کہ اس حدیث کے ابتدائی حصے کی صحت پر سب کا اجماع ہے۔ (منہ عفی عنہ)

بنتے ہیں اور اگر تمام خلفاء بنی امیہ و بنی عباس شمار کئے جائیں تو ان کی تعداد چالیس سے بھی زائد ہے اور اگر صرف بزعم اہلسنت ان میں سے اچھے خلیفہ لئے جائیں۔ تو پھر درمیان میں فصل زمانی لازم آتی ہے حالانکہ حدیث سے تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ اسی بناء پر علامہ وحید الزمان نے سنن ابی داؤد مترجم مطبوعہ لاہور ص ۱۰۸۲، کتاب الھدی۔ بذیل عنوان ''فائدہ'' لکھا ہے ''بظاہر یہ حدیث مشکل ہوگئی ہے علماء پر'' اسی طرح فاضل نووی نے بھی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تیس سال خلافت والی حدیث بارہ خلفاء والی حدیث کے مخالف ہے۔'' اور چونکہ بارہ خلفاء والی حدیث متظافر بلکہ متواتر ومجمع علی صحتہ ہے۔ اور تیس سال خلافت والی روایت خبر واحد ہے۔ لہٰذا قانون درایۃ الحدیث کے مطابق بارہ خلفاء والی حدیث کو مقدم سمجھا جائے گا۔ انکے درمیان جمع وتوفیق کے سلسلہ میں جس قدر تاویلات رکیکہ کی گئی ہیں۔ وہ سب نا قابل قبول ہیں۔ ولیس ھہبنا محل التفصیل۔

مؤلف نے جو یہ کہا ہے کہ شیعہ امام کو معصوم جانتے ہیں۔ یہ بات تو بالکل درست ہے مگر انکا یہ کہنا کہ ''انکے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں۔'' اور یہ کہ ''عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے'' حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ شیعوں کے پاس تو بحمدہ تعالیٰ عصمت ائمہ اطہارؑ پر سینکڑوں عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں۔ البتہ یہ کہنے والوں کے ''ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں کہ ''عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے'' مؤلف خود مانتے ہیں کہ بار ثبوت بزمہ مدعی ہوتا ہے، بنابریں چونکہ وہ اس دعویٰ میں مدعی ہیں۔ لہٰذا اہلسنت کا فرض ہے کہ اس دعویٰ کا کوئی قطعی ثبوت از روئے قرآن وحدیث پیش کریں۔ کہ ''عصمت خاصہ انبیاء ہے'' ورنہ صرف دعویٰ بلا دلیل عند العقلاء قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ ''فلیست العصمة من خواصھم'' کہ عصمت انبیاء کے خواص میں سے نہیں ہے'' (یعنی غیر انبیاء بھی معصوم ہو سکتے ہیں)۔ (دراسات اللبیب ص ۲۰۰ طبع لاہور)

عصمت ائمہ کے چند دلائل:

یہاں تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے بڑے اجمال واختصار کیساتھ چند دلائل کیطرف اشارہ کیا جاتا ہے۔
عصمت ائمہ علیہم السلام کی پہلی اجمالی دلیل تو یہ ہے کہ چونکہ تقرر ونصب امام کی غرض وغایت بالکل وہی ہے جو بعثت نبی ورسول کی ہوتی ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ نبی ورسول کو بلا واسطہ بشر وحی ربانی ہوتی ہے اور وہ خدا سے تلقّی احکام کرتے ہیں۔ اور امام بتوسطہ نبی و رسول شریعت مقدسہ کی توضیح وتشریح کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر شریعت بنانا خدا کا کام۔ شریعت لانا رسول کا کام۔ اور اسکی اشاعت و حفاظت کرنا امام کا کام ہے۔۔۔ لہٰذا جن دلائل و براہین کی رو سے نبی ورسول کے لئے عصمت ضروری ہے۔ بعینہٖ انہی دلائل کے اعتبار سے امام کیلئے بھی عصمت لازمی اور ضروری ہے:

(۲) آیت مبارکہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (البقرہ آیت 124)۔ کہ میرا عہدہ امامت ظالموں کو حاصل نہیں ہوگا'' جب خدائے

جلیل نے اپنے خلیل کو عہدہ نبوت وخلت پر فائز کرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ ''إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا'' اب میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔'' تو خلیل کے قلبی جذبات دعا بن کر زبان پر آ گئے اور عرض کیا وَمِن ذُرِّيَّتِي! بار الہا! اس عہدہ جلیلہ کو میری اولاد میں بھی باقی رکھ۔ ارشاد ہوا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ یعنی میرا یہ عہد (امامت) تیری اولاد میں سے ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ مطلب یہ کہ امامت رہے گی تو تیری ہی اولاد میں جیسا کہ آیت مبارکہ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (سورہ زخرف آیت 28) کا بھی یہی مفاد ہے مگر امام وہی ہوں گے جو ظالم نہ ہونگے۔ اور چونکہ بنص آیت کریمہ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ آیت 229)۔ خدائی حدود و قیود میں سے ہر حد کا توڑنے والا۔ گنہگار ظالم ہے۔ اسلئے امامت کے درجہ رفیعہ پر صرف وہی شخص فائز ہو سکے گا جس کا دامن ہر قسم کے گناہ کی آلودگی سے پاک ہوگا۔ اور ایسے ہی ممتاز شخص کو شرعی اصطلاح میں معصوم کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ امام رازی جیسے بزرگ نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ امام کی ظاہری و باطنی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ ''و مقتضی الآیته ذلک ای وجوب العصمة ظاهراً و باطناً الا انا ترکنا اعتبار الباطن۔'' (تفسیر کبیر ج ا ص 710 تا 712 طبع مصر)

انہی حقائق کی بنا پر حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: ابطلت هذه الآیة امامة کل ظالم الی یوم القیامة۔ '' کہ اس آیت نے قیامت تک ہر ظالم و گنہگار شخص کی امامت پر خط نسخ کھینچ دیا ہے۔'' (اصول کافی)

(۳) آیت مبارکہ: ''أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (سورۃ النساء آیت 59) اور آیت مبارکہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ'' (سورہ توبہ آیت 119) ہر دو آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو اولی الامر اور صادقین کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے جو کسی زمان و مکان اور کسی حالت کے ساتھ مقید نہیں اور جسکی اطاعت مطلقہ کا اسطرح حکم دیا جائے۔ وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین نے ایک معقول تقریر کے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے: ''فثبت قطعاً ان اولی الامر المذکور فی هذه الآیة لا بد و ان یکون معصوماً'' ان بیانات سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ اولی الامر کا معصوم ہونا ضروری ہے (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۷) یہ الگ بات ہے کہ پھر انہوں نے یہ کہہ کر کہ چونکہ اُمت محمدیہ میں ان کو کوئی معصوم نظر نہیں آتا اس سے اجماع مراد لیا ہے۔ اور یہ نہیں سوچا کہ غیر معصومین کا اجماع کیونکر معصوم عن الخطا ہو سکتا ہے؟

ع قسمت کی بدنصیبی کہ ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

(۴) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (سورہ الاحزاب آیت 33)۔ اے اہل بیت

رسول خدا کا یہ ارادہ ہے کہ تم سے ہر قسم کے ''رجس'' کو دور رکھے اور تمہیں اسطرح پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے''۔ لفظ ''رجس'' کے معانی کثیرہ میں سے ایک معنی ''ذنب'' (گناہ) بھی ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریز ج ۲۲ ص ۵ طبع مصر، وغرائب القرآن نیشاپوری مطبوعہ بر حاشیہ ابن جریری ج ۲۲ ص ۱۰، تفسیر کشاف ج ۲ ص ۲۱۲ میں ہے۔ ''فاستعار للذنوب الرجس وللتقویٰ الطهر'' اور کتاب اسعاف الراغبین مطبوع بر حاشیہ نور الابصار ص ۱۵۴ پر لکھا ہے کہ المراد من الرجس الذنب و من التطهیر۔ التطهیر من المعاصی۔ یعنی رجس سے مراد گناہ اور طہارت سے مراد گناہوں سے طہارت و پاکیزگی ہے۔'' اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اس آیت کے مصداق کون بزرگوار ہیں تو درج ذیل کتب کیطرف رجوع کریں معلوم ہو جائیگا کہ یہ پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵، طبع دہلی الشرف المؤبد ص ۶، ۷ مصر تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۹۸ طبع مصر صواعق محرقہ ص ۱۴۱ طبع قاہرہ ینابیع ص ۲۴۵ طبع بمبئی وغیرہ)

(۵) ابن عباس بیان کرتے ہیں ''سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم یقول انا و علی و الحسن و الحسین و تسعة من ولد الحسین۔۔۔ مطهرون معصومون'' یعنی میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اور علی اور حسن و حسین اور حسین کے نو فرزند (از زین العابدینؑ تا مہدیؑ منتظر) مطہر و معصومین ہیں۔ (فرائد السمطین حموینی ص ۱۳۱ طبع عراق، ینابیع المودة باب ۵۶) اس سے بڑھ کر بھی واضح الفاظ میں عصمت ائمہ اطہار بیان ہو سکتی ہے (۶) اسی طرح حدیث القرآن مع علی و علی مع القران اور (۷) اور حدیث الحق مع علی و علی مع الحق اور (۸) حدیث ثقلین (انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی۔ و انهما لن یفترقا حتی یردعن الحوض) وغیرہ سے روز روشن کی طرح آئمہ اہلبیت کی عصمت وطہارت واضح و آشکار ہوتی ہے ؎ الا علی اکمه لا یبصر القمرا

ایک عظیم شبہ کا جواب:

مؤلف نے اس بات کے ثبوت میں کہ امام کیلئے عصمت ضروری نہیں ہے۔ نہج البلاغہ ص ۶۰ طبع ایران سے ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ لابد للناس من امیر برا و فاجر لوگوں کیلئے ایک امیر کا ہونا ضروری ہے نیک ہو یا بد۔ یہ استدلال بالکل غلط اور اس کلام کے شانِ صدور سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جناب نے یہ کلام خوارج کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ جو لا حکم الا لله۔ کا نعرہ بلند کر کے علیؑ و معاویہ ہر ایک کی خلافت کا انکار کر کے ملک میں طوائف الملوکی اور انارکی کی راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ جناب امیرؑ جیسے، نباض فطرت امام نے فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا خلافِ فطرت ہے۔ قطع نظر نبی و امام کے۔ پبلک کیلئے ایک امیر و حاکم کا وجود بہر حال ناگزیر ہے۔ جس کے بغیر ملک کا نظم و نسق بحال نہیں رہ سکتا اور نہ ہی سیاست مدن قائم رہ سکتی

ہے۔

اس کلام میں لفظ ''امیر'' وارد ہوا ہے نہ ''امام'' اس کا ترجمہ مؤلف نے ''امام'' کر کے اپنے علم و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور پھر اس غلط ترجمہ پر بنا رکھ کے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ''ہر نیک و بد'' یہ عہدہ حاصل کر سکتا ہے؟ **بناء الفاسد علی الفاسد** کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا مؤلف کا بیان کردہ مسلک آیت **لا ینال عھدی الظالمین** کے مفاد کے صریح خلاف نہیں ہے؟ سچ ہے

خشت اول چوں نہد معمار کج ☆ تا ثریا می رود دیوار کج

نیرنگی روزگار کا شاہکار:

یہ امر بھی دہر غدار کی نیرنگی کا شاہکار ہے کہ آج وہ لوگ بھی شیعیان حیدرؑ کرار کو یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ وہ انبیاء کو متہم بالذنب کرتے ہیں لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں اور یہ کہ پیغمبری سے پہلے تمام پیغمبر صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ جنکے اپنے مذہب کی کتب میں اور انبیاء تو کیا خود سرور انبیاءؐ کے لئے اعلان نبوت سے قبل کفر و شرک تک کا ارتکاب کرنے کے واقعات درج ہیں۔ اور بعد از اعلان نبوت بھی گناہان کبیرہ کے ارتکاب کے قصص و حکایت مذکور ہیں۔ اگر شک ہو تو ذرا تحقیق کریں اور دیکھیں کہ یہ کس فرقہ کی کتب میں مذکور ہے۔ ''**ماکذب ابراھیم الثلاث کذباتٍ**'' کہ جناب ابراہیمؑ نے صرف تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا۔ (بخاری شریف) یہ کن لوگوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا۔ بند شلوار کھول دیا۔ اس اثنا میں خدا نے حضرت یعقوبؑ کو ان کے سامنے حاضر کیا۔ اور انہوں نے کہا بیٹا! تمہارا نام تو فہرست انبیاء میں درج ہے اور تم زنا کرتے ہو۔ تب وہ باز آئے۔ (قصص الانبیاء ثعالبی) نیز یہ کس مذہب کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ حضرت داؤد اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اسکے شوہر کو محض اسلئے جنگی مہم پر روانہ کیا کہ اسکی بیوی کو تصرف میں لا سکیں (معاذ اللہ) (قصص الانبیاء ثعالبی) یہ بھی قابل غور بات ہے کہ یہ بات کس گستاخ فرقہ نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے کہ **کان محمدٌ علی دین قومه الی اربعین سنة**۔ جناب رسولؐ خدا کا چالیس برس تک اپنی قوم والا دین تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۸۰۲) اے کاش! ''عصمت کو خاصہ انبیاءؑ کہنے والوں کے سن نہائے قلم سے انبیاءؑ کی ذوات مقدسہ تو محفوظ رہتیں۔ مگر حالات شاہد ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ مستقل کتابیں لکھ لکھ کر نبیوں کی خطائیں ثابت کیں ہیں۔ جسے شک ہے وہ قاضی عبدالجبار کی کتاب ''الخطیۃ الانبیاء'' کا مطالعہ کرے۔ اور آج جن کو یہ طعنہ دیا جا رہا ہے کہ وہ انبیاء کو متہم بالذنب کرتے ہیں حالانکہ انہی لوگوں نے اس کتاب کا جواب لکھ کر انبیاء کی عصمت و طہارت ثابت کی۔ ملاحظہ ہو جناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کی کتاب ''تنزیہ الانبیاء''

مذہب شیعہ اور عصمت انبیاء:

حقیقت یہ ہے کہ مذہب شیعہ تمام انبیاء و مرسلین کے دامن عصمت کو از مہد تا لحد ہر قسم کے گناہان صغیرہ و کبیرہ کی کثافتوں سے پاک وصاف جانتا ہے۔ چنانچہ رئیس المحدثین اپنے رسالہ اعتقادات الامامیہ میں فرماتے ہیں: ''**اعتقادنا فی الانبیاء و الرسل و الائمة و الملائکه انهم معصومون مطهرون من کل دنس و انهم لا یذنبون ذنباً لا صغیرة و لا کبیرةً و لا یعصون اللّٰہ ما امرهم ویفعلون مایؤمرون و من نفی عنهم العصمة فی شئی من احوالهم فقد جهلهم و من جهلهم فهو کافر الخ**''، یعنی انبیاء انکے اوصیاء اور فرشتوں کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب معصوم عن الخطا ہیں۔ اور ہر قسم کی کثافت گناہ وعصیان سے مبرا ہیں۔ وہ نہ تو کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہیں اور نہ صغیرہ۔ یہ بزرگوار امر خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جو شخص ان حضرات کی عصمت کا جس حیثیت سے بھی انکار کرے وہ انکے مرتبہ ومقام سے جاہل ہے اور جوان سے جاہل ہے (انکی معرفت نہیں رکھتا) وہ کافر ہے۔'' (اعتقادات صدوق مع شرح احسن الفوائد مصنفہ احقرص ۴۱۹ طبع اول)

مؤلف کی پیش کردہ بعض روایات کے جوابات:

باقی رہیں وہ روایات جو موہم خلافِ عصمت ہیں تو ان کے کئی طرح سے جوابات دیے جاسکتے ہیں۔ اولاً ان روایات میں از روئے سند ایک بھی صحیح السند نہیں ہے لہٰذا یہ مقام اعتقاد میں ناقابل اعتماد ہیں۔ ثانیاً اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوں تو مسلماتِ عقلیہ و شرعیہ سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ ثالثاً انکا مفہوم وہ نہیں جو لیا جا رہا ہے مثلاً اصول کافی والی وہ روایت جسمیں اصول کفرتین بتائے گئے ہیں اسکا مطلب یہ نہیں کہ حسد یا حرص خود کفر میں بلکہ مطلب صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ان سے رفتہ رفتہ کفر پیدا ہوسکتا ہے لہٰذا ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یہ بات اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (آیت سورہ اعراف آیت 19) میں جو نہی ہے وہ نہی تحریمی نہ تھی بلکہ یہ تنزیہی تھی۔ اور جناب آدم کا یہ اقدام کوئی گناہ وعصیان نہ تھا۔ بلکہ صرف ترکِ اولیٰ تھا۔ کہ فقط شیطان کے حلفیہ بیان پر اکتفا کر لی اور باوجود خدائے منان سے حقیقت حال معلوم کرسکنے کے حقیقت حال معلوم نہ کی۔ وبس۔ اور حیات القلوب میں جو حسد کا تذکرہ ہے وہاں حسد سے مراد غبطہ (رشک) ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان اپنی اولاد کے حسن و جمال کو دیکھ کر حسد تو نہیں کرتا۔ مگر رشک تو ضرور کرتا ہے کہ کاش! وہ بھی ان جیسا حسین وجمیل ہوتا۔ اور یہ بات عام لوگوں کیلئے قابل مذمت نہیں۔ لیکن انبیاء کی شان اس قسم کے جذبات سے بھی بلند و بالا ہے۔۔ اور حیات القلوب کی جس روایت میں یہ ہے کہ جناب آدم کا یہ اقدام قبل از نبوت تھا۔ یہ جواب بطور الزام خصم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مذہب اہلسنت میں بنا برمشہور اعلانِ نبوت

سے قبل انبیاء کیلئے صدور کبائر بھی جائز سمجھا گیا ہے۔ تا بہ صغائر چہ رسد؟ وکذا الکلام فی باقی الرویات۔ (تفصیل کے شائقین کتب کلام کی طرف رجوع کریں)

مسئلہ امامت کا اصول مذہب سے ہونا:

امامت وخلافت کا مسئلہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب تک پیغمبر اسلامؐ نے اسکا مقام غدیر خم پر عملی اعلان نہیں کر دیا۔ اسوقت تک انکو دین اسلام کی تکمیل کی سند نہیں مل سکی۔ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۵۹ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۸ طبع ایران تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۲ طبع مصر وغیرہ) اور بھلا کیونکر اسقدر اہم نہ ہو۔ جبکہ نبی کے انتقال کے بعد دین کی بقا اور اس کے دوام وجود امام سے وابستہ ہے اسکے بغیر بعثت انبیاء کی غرض و غایت پوری ہی نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اسقدر اہم ہوگی وہ اصول عقائد میں داخل ہوگی۔ نہ کہ فروعی مسائل میں۔ اور اس بات کی تائید مزید آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃً جاھلیۃً۔ جو شخص مر جائے اور زمانہ۔ کے امام کو نہ پہچانے اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (انوار اللغۃ باب ۲۰ ص ۲۲۰ جمع بین الصحیحین للحمیدی۔ منصب امامت شاہ اسماعیل دہلوی وغیرہ) جس چیز کی عدم معرفت سے کفر لازم آئے وہ اصول ہی ہوسکتی ہے نہ فروعی۔ کما لا یخفی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاج ا ص ا پر لکھتے ہیں۔ "بعلم الیقین دانستہ شد کہ خلافت ایں بزرگواران اصلے است از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند۔ ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نہ شود۔ الخ"، یعنی علم سے معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصول دین سے، جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا" اور جہاں تک قرآن وحدیث کے نصوص خلافت وامامت کا تعلق ہے تو ہم ان کا تذکرہ وہاں کریں گے جہاں مؤلف نصوص خلافت کی بحث شروع کریں گے۔ انشاء اللہ فانتظر!

خلافت وامامت نصی ہے نہ کہ شورائی:

یہ بات اپنے مقام پر نا قابل تردید دلائل وبراہین سے ثابت ہو چکی ہے کہ کسی شخص کی امامت وخلافت خدا اور رسول کی نصف کے ساتھ ثابت ہوتی ہے نہ کہ مہاجرین وانصار یا ارباب حل وعقد کے اجماع وشوریٰ سے "ربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ" مولف نے اس سلسلہ میں نہج البلاغہ ص ۳۹۸ سے جو اقتباس پیش کیا ہے اور اس سے اسکا شورائی ہونا ثابت کرنے کی سعی لا حاصل فرمائی ہے تو ہم اس کے متعلق اس بحث سے پہلے مبحث (اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف) کی دوسری دلیل (جو یہی کلام ہے) کے جواب میں بڑی تفصیل جمیل اور برہان ودلیل سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام معجز نظام بطور الزام علی الخصم ہے۔ نہ کہ انکے اپنے اصلی عندیہ ونظریہ کا اظہار۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ تا کہ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح

وآشکار ہوجائے۔

انعقاد خلافتِ ثلاثہ کی اجمالی کیفیت

علاوہ بریں یہ بات بھی نظرانداز کرنے کے لائق نہیں کہ مؤلف اور انکے ابناء مذہب کو اس معیار کے تسلیم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ ثلاثہ میں سے کسی پر بھی پورے مہاجرین وانصار اور ارباب حل وعقد کا شوریٰ و اجماع نہیں ہوا۔ بلکہ ابوبکر صرف عمر کی بیعت کرنے سے مسند اقتدار پر بیٹھے۔(شرح مواقف ص ۷۳۳ طبع نول کشور وغیرہ) حالانکہ تمام بنی ہاشم اور بعض مہاجر وانصار کھلم کھلا اسکے مخالف تھے۔(ملاحظہ ہو الامامت والسیاست ص ۱۱ طبع مصر)

اور عمر صاحب باوجود مہاجرین وانصار کی چیخ وپکار کے صرف ابوبکر کی وصیت کرنے سے ایوان اقتدار تک پہنچے۔(ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۹ ازالۃ الخفاج ۱ ص ۱۴۱ وغیرہ) اور تیسرے صاحب بظاہر چھ شخصوں کے شوریٰ سے مگر درحقیقت صرف عبدالرحمن بن عوف کی مساعی اور کوششوں سے کرسی حکومت پر قابض ہوئے۔(ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۳ ص ۱۶۰، شرح فقہ اکبر ص ۸۳ طبع لاہور وغیرہ) هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ۔(آل عمران آیت 138)

امر دوم کیا حضرت علیؑ خلیفہ بلافصل تھے؟

ہم علی المرتضیٰؑ کی عظمت شان اور رفعت قدر کے قائل ہیں۔بے شک آپ صہر النبیؐ ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والد حسنین زوج زہراؑ باب العلم، خلیفہ رابع ہیں۔اور آپ کے مناقب وفضائل کے احصا نہیں ہوسکتا۔لیکن یہ دعویٰ کہ خلافت آپ کا ہی حق تھا اور آپؑ خلیفہ بلافصل تھے۔عقل ونقل کے خلاف ہے۔اور اس دعویٰ کے بطلان پر ہم چند ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ انکے ماننے سے کسی ذی فہم منصف شخص کو انکار نہیں ہوسکتا۔

پہلی دلیل: آیت استخلاف سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت خلفاء حسب وعدہ ایزدمتعال عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم انکو ضرور خلیفہ بنائیں گے۔تو پھر ناممکن تھا کہ منشاء ایزدی۔۔۔ کے خلاف۔۔۔کوئی غیر مستحق مستفید ہوتا۔۔۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی شخص غالب نہیں ہوسکتا۔ کہ اسکے خلاف منشاء اسکا انعام موعود چھین لے۔ ماننا پڑے گا کہ اسکو ایسا ہی منظور تھا۔۔۔ کہ خلافت کا منصب جلیل رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب اربعہ کو ایسی ترتیب سے ملے جو عمل میں آئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے مستحق یہ چار اصحاب تھے۔۔۔ اگر یہ ترتیب قائم نہ رہتی تو ان سب کو اس انعام سے حصہ ملنا مشکل تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے فوت ہونا تھا۔۔۔ اور اگر عثمان یا علیؑ میں سے کوئی شخص خلیفہ ہوتا تو حضرت عمر کی عمر چونکہ ان سے پہلے ختم ہوجانیوالی تھی وہ محروم ہوجاتے۔ اور اگر حضرت عثمان سے اول حضرت علیؑ المرتضیٰ خلافت حاصل کر لیتے تو

حضرت عثمان ۔۔۔ بہرہ ور نہ ہوسکتے اسلئے اللہ تعالیٰ ۔۔۔ نے اپنے ۔۔ انعام کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ ہر چار اصحابؓ اس سے بہریاب ہوگئے۔ سبحان اللہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ (آفتاب ص ۱۵۰)

الجواب:

یہ کلام باطل التیام بچند وجہ باطل اور درجہء اعتبار سے ساقط ہے۔

۱۔ اولاً: اس موضوع کی پہلی تنقیح میں مؤلف واضح کر چکے ہیں کہ مسئلہ خلافت میں شیعہ مدعی اور اہلسنت مدعا علیہم ہیں اور علم مناظرہ و کلام کی ابجد سے واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ دلیل بذمہ مدعی ہوتی ہے اور مدعا علیہ کا کام صرف اس دلیل میں مناقشہ اور اس پر نقد و تبصرہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن مؤلف نے یہاں مدعی کا منصب سنبھال لیا ہے اور اپنے موقف پر بزعم خود دلائل پیش کرنا شروع کردیے جسے آداب مناظرہ میں ''غصب'' کہتے ہیں۔ بھلا غاصبین کے ماننے والوں سے اسکے سوا اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے؟ اے کاش! مؤلف نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے سے پہلے کم از کم آداب مناظرہ کے متعلق رسالہ ''رشیدیہ'' ہی پڑھ لیا ہوتا۔ تو یہ دھاندلی روانہ رکھتے!

۲۔ ثانیاً: جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کا احصا نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ جس کے فضائل و مناقب سب سے زیادہ ہوں گے۔ وہی سب سے افضل ہوگا۔ تو پھر کیا افضل کو چھوڑ کر مفضول کو ہادی و راہنما ماننا عقل و نقل کے سراسر خلاف نہیں ہے؟ (مالکم کیف تحکمون؟)

۳۔ ثالثاً: مؤلف نے ابتدا میں جہاں فضائل اصحاب کی آیات پیش کی ہیں وہاں نمبر ۷ پر آیت استخلاف کیساتھ بھی استدلال کیا ہے۔ ہم وہاں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ یہ بات واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ اس آیت کو خلافت ثلاثہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور تاریخی شواہد سے ثابت کر آئے ہیں کہ یہ وعدہ خلافت ارضی آنحضرتؐ کے صالح الاعمال مومنین صحابہ کرام سے تھا۔ جو آنحضرتؐ کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا ہوگیا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے فان فیہ شفاء لکل علیل۔

۴۔ رابعاً: مؤلف لکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں سے وعدہ فرمایا تھا'' پھر لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے مستحق یہی چار اصحاب تھے''۔ آیتِ استخلاف میں اہل ایمان اور صالح الاعمال حضرات سے خلافت ارضی کا وعدہ کیا گیا ہے (وعد اللہ الذین آمنو و عملوا الصالحات) تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے کم و بیش ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام میں سے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور مؤمن و صالح الاعمال ۔۔۔ صرف یہی چار بزرگوار تھے اور باقی سب کے سب غیر مقبول اور غیر مومن اور غیر صالح الاعمال؟ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟ اگر کوئی شیعہ ایسی بات کہہ دیتا تو اسکے خلاف زمین و آسمان سر پر اٹھالئے جاتے اور ایک طوفان بے تمیزی مچا دیا جاتا کہ دیکھو اصحاب رسولؐ کی توہین کی جارہی ہے! انکو بے ایمان اور بد عمل قرار دیا جارہا ہے وغیرہ

وغیرہ۔لیکن آپ جو کچھ کہیں بجاہے

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا!

آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا نظر کریں ☆ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۵۔خامساً: ہم تنقیح اول کے آخر میں (مجملاً سہی) یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت عمر صاحب کی بے نظیر تدبیر اور انہی کی دھینگا مشتی کے نتیجہ میں عمل میں آئی۔اسی لئے تو وہ کہا کرتے تھے: انما کانت بیعة ابی بکر فلتةً و تمت و لکن اللّٰہ وقی شرھا۔ابوبکر کی بیعت اچانک واقع ہوگئی۔(اس پر بہت کچھ شور وشر کا خطرہ تھا) مگر خدا نے اسکے شر سے بچالیا۔(بخاری جلد ۴ ص ۱۱۱ طبع مصر)۔

اورعمر کی خلافت ابوبکر کی وصیت اور عثمان کی خلافت شورائی عبدالرحمن بن عوف کی حیلہ سازی کی مرہون منت ہے۔اہلسنت کے ہاں انعقاد خلافت کا کوئی اصول نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح اور جس طریقہ پر کسی خلیفہ کی خلافت منعقد ہوجائے وہی انکے ہاں اصول بن جاتا ہے۔اگر یہی قاعدہ تسلیم کرلیا جائے۔ کہ جو شخص مسند اقتدار پر قابض ہوجائے۔اسی میں خدا کی منشاو رضا پوشیدہ ہوتی ہے۔تو پھر یزید پلید، مردان طرید، اور ولید عنید جیسے ننگ اسلام وانسانیت کو بھی نہ صرف خلیفہ رسولؐ بلکہ خلیفہ راشد تسلیم کرنا پڑے گا۔کیا مولوی کرم الدین اور انکے ہمنوا اسکے لئے آمادہ ہیں؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں ☆ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

دوسری دلیل:

اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؑ منصب خلافت پر جاگزین ہوجاتے تو مخالفین اسلام (کفار) کو یہ طعنہ کرنے کا موقع ملتا کہ پیغمبر اسلامؐ نے یہ سارا کام کنبہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے بنارکھا تھا۔کہ زندگی میں خود حکومت کی اور مرنے کے بعد اپنے چچازاد بھائی اپنے داماد کو یہ اعزاز بخش دیا۔

اس اعتراض کا کوئی جواب بھی نہ ہوسکتا۔۔۔اس (خدا) نے اپنی قدرت کاملہ سے۔۔۔خلافت کی ترتیب اسطرح اختیار فرمائی کہ کسی دشمن اسلام کو کوئی گنجائش اعتراض کرنے کی نہ رہی۔اگر امر خلافت موروثی ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق حضرت عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔(آفتاب ص ۱۵۱)

الجواب:

اس وسوسہ ابلیس کو دلیل کا نام دینا درحقیقت لفظ دلیل کی تذلیل ہے۔ورنہ یہ بات الم نشرح ہے کہ اگر حضرت آدمؑ کے بعد ان کے فرزند جناب شیثؑ (ہبۃ اللہ) جناب خلیلؑ خدا کے بعد ان کے فرزند اسماعیلؑ ذبیح اللہ، جناب داؤدؑ کے بعد انکے فرزند سلیمانؑ، نبی

اللہ جناب یعقوبؑ کے بعد انکے فرزند جناب یوسفؑ صفوۃ اللہ اور جناب موسیٰؑ کے بعد انکے چچا زاد بھائی شمعونؑ خلیفۃ اللہ انکی مسند پر بیٹھتے ہیں اور کوئی مخالف زبان اعتراض دراز نہیں کرتا۔ تو اگر پیغمبر اسلامؐ کی مسند پر انکے چچا زاد بھائی حضرت علیؑ بیٹھ جاتے تو یہاں کفار کو کیوں طعن و تشنیع کا موقع ملتا؟ جبکہ اسکی بیسیوں مثالیں تاریخ انبیاء میں پہلے سے موجود تھیں یہ وسوسہ خوئے بدرا بہانہ بسیار والی بات ہے ورنہ اسکے اندر کوئی وزن نہیں ہے۔

یہاں وراثت کا کوئی سوال نہیں بلکہ ذاتی لیاقت و قابلیت کی بنا پر (عند اللہ) استحقاق کا سوال ہے۔ جو بھی اس عہدہ جلیلہ کا مستحق ہوگا خدائے حکیم اسے ہی اس منصب جلیل پر فائز کریگا۔ اگر کوئی شخص خاندان نبوت سے اسکا مستحق ہو۔ تو کیا اسے صرف اس وجہ سے محروم کیا جاسکتا ہے کہ مخالفین چنین و چناں اور ایں و آں اعتراض کریں گے؟ علاوہ بریں معترضین کی زبان کون بند کرسکتا ہے؟ وہ تو موجودہ ترتیب پر بھی اعتراض کرسکتے ہیں۔ کہ پیغمبرؐ نے یہ سارا کام کنبہ والوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے کیا تھا کہ زندگی میں خود حکومت کی اور مرنے کے بعد اپنے خسروں اور دامادوں کو یہ اعزاز بخش دیا۔ **فما هو جوابكم فهو جوابنا؟** دشمن اسلام تو ایراد کرتے یا نہ کرتے البتہ آپ کے عمر صاحب کو یہ اعتراض ضرور تھا اور اسی نظریہ فاسدہ کے ماتحت کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع نہ ہو۔ ''بڑے لطائف الحیل سے جناب امیر علیہ السلام کو ظاہری اقتدار سے محروم کردیا۔'' (ملاحظہ ہو مکالمہ عمر با ابن عباس مندرجہ الفاروق شبلی نعمانی ج ا ص ۱۲۹ حاشیہ طبع لاہور) شرم شرم شرم

تیسری دلیل:

حضرت علی المرتضیٰؑ نے اس بارہ میں خود فیصلہ فرمادیا: ''انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار''۔۔۔ انتخاب۔ خلافت کا کام مجلس شوریٰ مہاجرین وانصار کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو وہ خلیفہ منتخب کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہے الخ (آفتاب ص ۱۵۱)

الجواب:

قبل ازیں مؤلف نے ''اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف'' کے عنوان کے تحت دوسری دلیل اسی کلام کو قرار دیا تھا اور ہم اس مقام پر اس استدلال کا مکمل ابطال پیش کرچکے ہیں۔ لہٰذا ہم بجائے اعادہ و تکرار کے قارئین کرام کو اسی مقام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ **فان فيه شفاء لكل عليل و ريا لكل غليل والله يهدی من يشاء الی سواء السبيل۔**

چوتھی دلیل:

اگر علیؑ المرتضیٰ کو یہ فیصلہ منظور نہ ہوتا۔ اور وہ خلافت کو اپنا حق تصور فرماتے تو وہ کبھی خاموش نہ بیٹھتے۔ بلکہ مرنے مارنے پر تیار

ہوجاتے۔ آپ کی شجاعت مسلم تھی۔ آپکی تلوار غضب ڈھاتی تھی۔۔۔قتل وقتال کی نوبت آجاتی تو جمہور المسلمین آپ کا ساتھ دیتے۔ اور نہیں تو نبی ہاشم تو سب آپ کے ساتھ تھے۔۔۔ اور اسد اللہ الغالب لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذو لفقار۔ کے مصداق تو اکیلے مقابلہ پر کھڑے ہوجاتے تو مخالفین کا تہس نہس کر دیتے جیسا کہ نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۲۵)۔۔۔ میں لکھا ہے۔۔۔ لو لقیتھم واحداً او ھم طلاء الارض کلھا مابالیت والا استوحشت۔ خدا کی قسم! اگر میں اُنکے مقابلہ میں کھڑا ہوجاؤں اور زمین سے پر ہوں (کذا) تو مجھے کچھ پرواہ نہ ہو۔ اور نہ مجھے کچھ وحشت ہو۔'' پھر جب آپ تن تنہا سارے جہاں کے مقابلہ کیلئے کافی تھے اور اصحاب ثلاثہ نے آپ سے زبردستی خلافت چھین لی ہوتی۔ تو وہ دنیا میں دم نہ لینے دیتے۔ ایک پل میں تباہ کردیتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ خلافتِ بلافصل اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔۔۔۔ (آفتاب ص ۱۵۲)

الجواب:

یہ وہی عامیانہ وسوقیانہ استدلال ہے جسے ہمیشہ حامیان ثلاثہ خوب مرچ مصالہ لگا کر پیش کیا کرتے ہیں (جیسا کہ مؤلف نے کیا ہے) لیکن درحقیقت یہ دلیل تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ (وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت) اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جناب حیدرؑ کرار اسی طرح شجاع وبہادر تھے۔ جیسا کہ اس استدلال میں ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدرجہا بلند تر تھے۔ مگر یہ دنیا والوں کی ناسمجھی ہے کہ وہ ہراس شخص کو جو محل بے محل جنگ پر آمادہ ہوجائے۔ بہادر وشجاع کہہ دیتے ہیں۔ ''لیکن شجاعت حقیقتاً یہ ہے کہ انسان کیلئے جس وقت قدم اٹھانا مناسب ہو اور اقدام ضروری ہو، اس وقت پر جگری کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور وہ سب کچھ کرے جو اس کا فرض معلوم ہوتا ہے۔ چاہے اس سلسلہ میں اُسے جان بھی دینا پڑے۔ اور جس موقع پر اقدام مناسب نہ ہو بلکہ سکوت وچشم پوشی کی ضرورت ہو، اسوقت تحمل سے کام لے۔ چاہے اسمیں کتنی ہی مشکلات درپیش ہوں۔ اور ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں خاموشی اسی طرح شجاعت کا ثبوت ہوگی۔ جسطرح پہلی صورت میں نبرد آزمائی' (شہید انسانیت ص ۶۶۴ طبع ثانی)

حضرت امیرؑ کے ثلاثہ سے جنگ نہ کرنے کے اسباب:

یہاں بھی یہی دوسری صورت درپیش تھی۔ یعنی حالاتِ حاضرہ کا تقاضا یہ تھا کہ جناب حیدرؑ کرار تلوار نہ اٹھائیں۔ ہم ان تمام علل واسباب کا تفصیلی تذکرہ مع تبصرہ اپنی کتاب ''اثبات الامامت'' میں کر چکے ہیں۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف بعض اسباب ووجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ''آنحضرتؐ نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو مدت سے اس

بات کے منتظر تھے کہ رسول پاکؐ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کردیں'' (الفاروق ج ا ص ۵۳ طبع لاہور) یہ داخلی صورت تھی اور خارجی حالت یہ ہے کہ عالم اسلام ہر چار طرف سے کفار و مشرکین کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ بنابریں اگر اسلامی دارالحکومت (مدینہ) میں باہمی تلوار چل جاتی تو داخلی اور خارجی دشمنان دین کو سر اٹھانے اور شجر اسلام کی بیخ کنی کرنے کا موقع مل جاتا۔ اور اسلام ہمیشہ کیلئے نیست و نابود ہوجاتا۔ جناب امیرؑ جیسا مجاہد و محامی اسلام کیونکر یہ صورتحال گوارا کرسکتا تھا؟ چنانچہ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۳ ص ۵۷ طبع بیروت میں مروی ہے کہ ایک دن جناب سیدہؑ نے حضرت امیرؑ کو جنگ پر آمادہ کرنا چاہا اس اثناء میں موذن کی آواز بلند ہوئی جو کہہ رہا تھا ''اشهد ان محمداً رسول الله'' جناب امیر نے جناب سیدہؑ سے فرمایا: ''آیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یہ ندا روئے زمین سے ختم ہوجائے''؟ جناب سیدہؑ نے کہا نہیں! فرمایا یہی وہ چیز ہے جو میں تم سے کہتا ہوں (میرے جنگ کرنے سے یہ آواز ختم ہوجائے گی)''

۲۔ کتب فریقین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باعلام ایزدی ان آنیوالے حالات و کوائف سے جناب امیر کو آگاہ کر کے حوزہ اسلام کی حفاظت کی خاطر انکو صبر و شکیبائی اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۶ ص ۵۷، ازالۃ الخفاء ج ا ص ۲۲۵، خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۳۸ معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۳۴۵، روضۃ الاحباب ج ص ۳۲۳ وغیرہ)

جناب امیر نے خود بعض مواقع پر اس وصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ کتاب محاضرات ابن عربی ج ۲ ص ۸۲ پر مذکور ہے کہ عمر اور ابوعبیدہ کی متشددانہ کارروائی کے وقت آنجناب نے فرمایا۔۔۔''وفي النفس كلام لو لا سابق قول و سالف عهد لشفيت غيظي بخنصري و بنصري (الى ان قال) لكني ملجم و صابر علي ما سائني و سركم'' میرے دل میں کچھ کلام ہے۔ اگر قول سابق اور گذشتہ عہد و پیمان نہ ہوتا۔ تو میں اپنے غصہ کو دو چھوٹی انگلیوں کے ذریعہ (تلوار اٹھا کر) دور کردیتا۔۔۔لیکن میں پابند ہوں اور ان حالات پر صابر ہوں۔ جو میرے لئے باعث رنج والم اور تمہارے لئے باعث مسرت و شادمانی ہیں۔ دریں حالات اسلام و مسلمانوں کی بھلائی اس بات میں مضمر تھی۔ کہ آنجناب تلوار نہ اٹھائیں چنانچہ فرض شناس امام عالیمقام نے وہی کچھ کیا۔ جس کا تقاضا اسلام اُن سے کرتا تھا۔۔۔ وہ خود فرماتے ہیں'' فخشيت ان لم انصر الاسلام و اهله ان ارىٰ فيه ثلماً او هدمًا تكون المصيبة به علي اعظم من فوت ولا يتكم الخ۔۔۔'' مجھے یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ اگر ان حالات میں (صبر و سکوت کر کے) اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و مدد نہ کروں تو پھر مجھے اسلام میں ایسا رخنہ اور شگاف دیکھنا پڑے گا۔ جس کا صدمہ چند روزہ خلافت کے چھن جانے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۳۰ طبع مصر)

۳۔ یہ کہنا کہ اگر ''قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی تو جمہور المسلمین آپ کا ساتھ دیتے'' یہ مؤلف کا محض حسن ظن ہے جسکی تاریخی حقائق تائید نہیں کرتے۔ اگر ان لوگوں میں واقعاً اتنی غیرت و حمیت ہوتی تو غدیر خم پر کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ کر اور جناب امیرؑ کو

چھوڑ کر سقیفائی خلافت کی داغ بیل کیوں ڈالتے ؟ نیز امم سابقہ میں انکی نظریں موجود ہیں۔ جناب موسیٰ ؑ کا منصوص خلیفہ دیکھتا رہا۔ روکتا رہا۔ٹوکتا رہا۔مگر قوم کی اکثریت گوسالہ پرستی کا شکار ہوگئی۔ چاہ ضلالت میں گر کر تباہ ہوگئی اگر یہاں بھی امت رسول ﷺ ایسا مظاہرہ کرے تو اس میں کونسی جائے تعجب ہے؟ ایسا کیا اور ضرور کیا ضلو او اضلوا کے مصداق بنے۔'' کیا اسکے بعد والی جنگوں میں یہی جناب امیرؑ میدان کارزار میں تشریف فرمانہ تھے انکے ساتھ کتنے لوگ تھے اور انکے مدمقابلین کے ساتھ کسقدر رتھے؟ اور آپکے بعد آپکے بڑے صاحبزادے حسنؑ گلگوں قبا جب میدان میں نکلے تو ان کیساتھ کسقدر مجاہد تھے اور انکے دشمن معاویہ کے ساتھ کتنے؟ کربلا میں تو یہ بات اور بھی الم نشرح ہوگئی کہ حق نواز کتنے تھے اور باطل پرست کسقدر تھے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ

ہر دور میں ہوتی رہی باطل کی پرستش ☆ ہر دور یزیدوں کا طرفدار رہاہے!

پانچویں دلیل:

اگر ترتیب خلافت حق نہ تھی۔اور اصحاب ثلاثہ نے خلافت زبردستی چھین لی تھی۔۔۔تو حضرت علیؑ کا پہلے تو اُن سے جہاد کرنا فرض تھا۔اگر اسکی طاقت نہ رکھتے تو انکے مشیر نہ بنے رہتے اور مالِ غنیمت میں حصہ گیر نہ ہوتے۔بلکہ انکا فرض تھا کہ ملک چھوڑ کر ہجرت کر جاتے۔۔۔جبکہ نہ لڑائی کی نہ ہجرت۔۔۔تو اس سے اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز خلافت بلافصل اپنا حق نہ سمجھتے تھے۔۔۔پہلی خلافتیں صحیح اور درست تھیں۔اور حضرت نے انکو درست تسلیم کیا۔اور خدا کو بھی یہی منظور تھا (آفتاب ص ۱۵۲)

الجواب:

اس استدلال میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کی گئی بلکہ وہی پرانا آموختہ دہرایا گیا ہے (۱)۔ جہاد نہ کرنے کے بعد بعض علل و اسباب ابھی اوپر چوتھی دلیل کے جواب میں واضح کردئے گئے ہیں (۲)۔اور مشیر بننے والے بودے استدلال کی رکاکت سابقاً فضائل عمر کی تیسری چوتھی روایت کے جواب میں واضح و آشکار کی جاچکی ہے (۳)۔اور غنائم سے حصہ لینے کا جواب اسی عنوان کی پانچویں روایت کے جواب میں پیش کیا جاچکا ہے۔(۴)۔اور آنجنابؑ کا ادعائے خلافت بلافصل کرنا اور خلفائے ثلاثہ کو جائر و غاصب سمجھنا سابقاً ''اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف'' کے عنوان کے تحت روز روشن کی طرح واضح و آشکار کیا جاچکا ہے یہاں تکرار و اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔باقی رہا ہجرت کرنا تو ہجرت کر کے کہا جاتے؟ جبکہ تمام قلمروئے اسلام انہی لوگوں کے قبضہ میں تھا۔بقول شبلی نعمانی۔

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اے شبلی کدھر جائیں ☆ کہ اب امن و امان عہد و شام قیرواں کب تک؟

ان حالات میں اسکے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ زبانی طور پر اپنا استحقاق اور غاصبوں کے غصب کا اظہار فرمائیں سو آپ

نے یہ فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ جسکی تفصیل اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف کے ذیل میں نیز بعض دوسرے مقامات پر گذر چکی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرت علیؑ خلافت بلافصل کو بلاشرکت غیرے اپنا حق اور ثلاثہ کی خلافت کو غلط جانتے تھے۔ اور جو چیز علیؑ کے نزدیک غلط ہوا اسکے منظورِ خدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ الحق مع علی و علی مع الحق۔

خوشا حال ما خوشا دین و دنیائے ما ☆ کہ ہمچو علیؑ است آقائے ما

علی امام من است و منم غلام علیؑ ☆ ہزار جان گرامی فدائے نام علیؑ

☆☆☆☆

دلائل شیعہ خم غدیر

شیعہ کے دلائل کا زیادہ مدار حدیث خم غدیر پر ہے۔۔۔۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور۔۔۔ مقام خم غدیر میں قیام فرمایا۔۔۔۔ تو بعض اشخاص نے جو بماتحتی جناب امیرؑ مہم ملک یمن پر مامور تھے، جناب امیرؑ کی۔۔۔ بیجا شکایات کیں۔ حضورؐ نے یہ مصلحت سمجھی کہ عام لوگوں کو جمع کر کے خطبہ فرمایا، جس سے اصلی غرض جناب امیرؑ کی بریت اور شاکیوں کو تنبیہہ تھی ''یا معشر المسلمین الست اولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلیٰ۔ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من ولاہ وعادِ من عاداہ''۔ ترجمہ: اے جماعت مسلمانان کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں۔ حاضرین نے کہا! ہاں حضورؐ! پھر فرمایا! جو شخص مجھ کو دوست رکھے۔ علیؑ کو دوست رکھتا ہے۔ بارخدایا! جو شخص علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اسکو دوست رکھیو۔ اور جو علیؑ کو دشمن رکھے تو اُسکو دشمن رکھیو! شیعہ کہتے ہیں۔ کہ یہ خلافتِ بلافصل حضرت علیؑ کا اعلان تھا جو رسول پاک ﷺ نے خدا کے حکم سے کیا۔۔۔ جبرائیلؑ نے یہ آیت سنائی۔ ''یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَیْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِینَ ''۔ (سورۃ مائدہ آیت 67)۔

۔۔۔ سو آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو ولایت علیؑ یا خلافت بلافصل پر صراحت یا کنایت سے دلالت کرے۔ حدیث کا صرف اس قدر مفہوم ہے کہ حضرت علیؑ کی شکایات بے بنیاد ہیں۔۔۔۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ نبیؐ کو جو احکام حق تعالیٰ سے بابت توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ بھیجے ہیں انکو بخوبی تبلیغ کردینی چاہیے۔ ایسا نہ کریں گے تو حق

رسالت ادا نہ ہوگا۔۔۔شیعہ دھینگا مشتی سے آیت وحدیث میں ولایت وخلافت کو گھسیڑنا چاہتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا کہ اس کا رسول علیؑ کی خلافت کا اعلان کردے تو ایسے گول مول الفاظ اور چیستان کی کیا ضرورت تھی؟ صاف طور پر حکم ہوتا یا ایھا الرسول بلغ بولایۃ علی۔۔۔ پھر حضرت۔۔۔صاف طور پر فرمادیتے۔ یامعشوا المسلمین انا رسول اللہؐ و علی خلیفتی بعد وفاتی۔۔۔شیعہ ایمان سے کہیں کہ اس حدیث اور آیت میں کونسا ایسا لفظ ہے جس سے خلافت وولایت کا استدلال کیا جاسکتا ہے؟

لفظ مولیٰ: شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے۔۔۔لیکن جہاں تک کتب لغت کا مطالعہ کیا گیا ہے ہمیں تو اسکا ثبوت نہیں مل سکا۔ قاموس جو لغت عربی کی مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ المولیٰ۔ المالک۔ والعبد۔ والصاحب والقریب۔ کابن العم و نحوہ والجبار واللیف والابن و العم والشریک۔ والرّب والناصر والمحب والتابع والصھر۔ (قاموس ج ۴ ص ۳۰۲)۔۔۔اب بتایئے۔اولیٰ بالتصرف کونسی کتاب میں لکھا ہے۔اور ایسے مشترک لفظ سے جس کے اسقدر مختلف معانی ہوں حتیٰ کہ غلام۔ تابع۔حکم اور پسر پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے استدلال کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔۔۔اس جگہ سوائے محب کے اور کوئی معنی موزوں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وال من والاہ و عاد من عاداہ اس بات کا قرینہ موجود ہے۔۔۔

حدیث خم غدیر کا نص خلافت نہ ہونے کا ثبوت کتب شیعہ سے

شیعہ حضرات مسئلہ خلافت بلافصل ثابت کرنے کے متعلق عجیب چکر کھاتے ہیں اور ہر چند جد و جہد کرتے ہیں لیکن ڈگمگاتی ہوئی کشتی ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتی۔۔۔۔ادھر تو یہ کہتے ہیں کہ حدیث خم غدیر خلافت بلافصل علی پر نص جلی ہے۔اُدھر قصہ قرطاس کو دلیل ثابت کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔۔۔ہم اس امر کو ثابت کرنے کیلئے کہ حدیث خم غدیر سے خلافت بلافصل جناب امیر کی ثابت نہیں ہوتی۔کتب شیعہ سے حسب ذیل استدلال کرتے ہیں:۔۔۔۔

اول: جلاء العیون اردو۔۔ج ۱ ص ۶۰ میں۔۔۔لکھا ہے ''پس حضرت نے چشم کھول کر فرمایا اے عباس! اے عم رسول خداؐ! میری وصیت میرے اہل بیتؑ اور میری عورتوں کے حق میں قبول کرو۔اور میری میراث لو۔اور میرا دین ادا کرو۔ اور میرے وعدوں کو عمل میں لاوَ۔ اور مجھ کو بری کردو۔۔۔عباس نے کہا یا رسول اللہؐ! میں پیر مرد عیالدار ہوں۔۔۔اس سے مجھ کو معاف رکھئے۔۔۔پس حضرت نے فرمایا! میں میراث اسکو دونگا جو قبول کرے۔۔۔پس جناب امیرؑ سے خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ! تم میری میراث لو۔۔۔میری وصیت قبول کرو۔۔۔اور میرے

وعدوں پر عمل کرو۔۔۔۔اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ وصی کے متعلق پہلے غم غدیر وغیرہ میں فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ ورنہ حضرت عباس کو کیوں کہا جاتا کہ میری وصیت کو قبول کرو۔

دوم: جلاء العیون ج ۱ ص ۶۴ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخری وقت میں جو خطبہ فرمایا اس میں یہ بھی فرمایا۔ جو شخص والیٔ امر مسلمانوں ہو۔ لازم ہے کہ انصارِ نیکوکار کی رعایت اور بدکار سے درگذر کرے۔۔۔۔حضور علیہ السلام کے اس آخری خطبہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو حضور علیہ السلام نے خلیفہ نہیں بنا رکھا تھا۔ ورنہ۔۔۔حضرت علیؑ کو صریح خطاب فرما کر کہتے کہ اے علی! تم میرے بعد والیٔ امر مسلمانان ہو، تم ایسا کرنا اور ویسا کرنا۔

سوم: جلاء العیون ج ۱ ص ۶۲ میں ہے۔۔۔۔حضرت نے لوگوں کو رخصت کیا اور سب چلے گئے۔ عباس۔ ان کے بیٹے فضل اور علیؑ بن ابی طالب اور اہلبیت مخصوص رہ گئے۔ عباس نے کہا یا رسول اللہؐ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا پس ہم کو بشارت دیجئے۔۔۔اور اگر آپؐ جانتے ہیں کہ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت غصب کریں گے۔ پس اپنے اصحاب سے ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت نے فرمایا! تم کو میرے بعد ضعیف کریں گے اور تم پر غالب ہوں گے۔۔۔اگر امیر علیہ السلام کی خلافت کا فیصلہ پہلے ہو گیا ہوتا تو اس موقع پر حضرت عباس بجائے ''امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا'' یوں کہتے کہ اگر خلافت علیؑ جس کا آپ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ قائم و بحال رہے گی۔

چہارم: کتاب حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۳ میں ہے روایت کردہ اند (بحذفِ فارسی) ترجمہ: روایت ہے کہ عامر بن طفیل اور ازید بن قیس بارادۂ قتل آنحضرتؐ آئے جب مسجد میں داخل ہوئے تو عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا تجھے وہ کچھ ملے گا جو تمام مسلمانوں کو ملے گا۔۔۔پھر اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ کے بعد مجھے خلیفہ بنا دیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کا اختیار خدا کو ہے۔ مجھے اور تجھے اس بات میں دخل نہیں ہے ''سو اگر فیصلۂ خلافت بحق علیؑ ہو گیا ہوتا تو آپ کا جواب یہ ہوتا کہ خلافت کا فیصلہ تو ہم بحق علیؑ کر چکے ہیں۔

پنجم: حیات القلوب ج ۲ ص ۵۰۲ میں زیر تفسیر واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً یوں لکھا ہے (بحذف فارسی) علی بن ابراہیم اور عیاشی نے روایت کیا ہے کہ حفصہ کو ماریہ کا حال معلوم ہوا۔ اور آنحضرتؐ سے شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا خفا نہ ہو۔ میں نے تمہاری خاطر ماریہ کو آپ نے اوپر حرام کر دیا ہے اور تمہیں میں ایک راز بتاتا ہوں۔ اگر ظاہر کرو گی تو تمہارے لئے بُرا ہو گا۔ حفصہ نے کہا نہ بتاؤں گی۔۔۔فرمایا راز یہ ہے کہ میرے بعد ابوبکر زبردستی خلیفہ بن جائیگا۔ اور اسکے بعد تیرا باپ عمر خلیفہ ہو گا۔ حفصہ نے کہا آپ کو کس نے بتایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا خدا نے مجھے یہ خبر دی

ہے۔

اب اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے خلافت کے متعلق آنحضرتؐ کو اطلاع بخش دی تھی کہ آپ کے بعد خلیفہ ابوبکر اور پھر عمر ہونگے ۔۔۔ پھر آنحضرتؐ کس طرح اس کا فیصلہ حضرت علیؑ کے حق میں فرما سکتے تھے:

ششم: شیعہ کہتے ہیں کہ مقام خم غدیر میں رسولؐ نے ۲ لاکھ اصحاب کے روبرو جناب امیرؑ کی خلافت کا اعلان کردیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اصحاب رسول جو حضورؐ کے قول و فعل پر اپنی جانیں قربان کئے ہوئے تھے، حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو۔۔۔ سب کے سب چھوڑ جاتے اور فیصلۂ رسولؐ۔۔۔ کے خلاف ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیتے۔ جلاء العیون ص ۱۴۹ میں ہے ''جب رات ہوئی جناب امیر حسنینؑ کو ہمراہ لے کر ایک ایک گھر مہاجرین و انصار کے پھرے مگر چار آدمیوں کے اور بروایت تین آدمیوں کے اور کسی آدمی نے بیعت قبول نہ کی۔۔۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ میں کچھ ایسا نقص تھا کہ کوئی مسلمان بھی انکا خلیفہ بننا پسند نہ کرتا تھا۔ یا ابوبکر میں کچھ ایسے اوصاف تھے جن کے گرویدہ ہو کر اصحاب رسولؐ۔۔۔ نے قاطبۃً انکی بیعت اختیار کرلی۔ اہلسنت والجماعت کے ہاں ایک حدیث ہے لا مجتمع امتی علی الضلالہ۔۔۔ ایسا ہی کتب شیعہ سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ حیات القلوب ج ۲ ص ۱۳۳ میں ہے۔۔۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ بمقام خم غدیر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو خلافت کا فیصلہ کردیا تھا۔

ہفتم: خم غدیر کا مسئلہ بلافصل خلافت اس واسطے بھی صحیح نہیں ہے کہ جناب امیر نے دعویٰ خلافت کے وقت اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

ہشتم: حدیث خم غدیر پر بھی شیعہ کو اطمینان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قرطاس سے تمسک کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر پہلے ہی مسئلہ خلافت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو پھر بوقت وفات اس تکلیف کی حالت میں حضور علیہ السلام کو خلافت کا فیصلہ لکھنے کے لئے قلم دوات منگوانے کی کیا ضرورت تھی؟۔۔۔ (مسئلہ قرطاس کی بحث آگے آئے گی)۔۔۔ (آفتاب از ص ۱۵۳ تا ۱۵۹)

الجواب:

جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے سطور بالا میں حق پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے شاید ہی اسکی کہیں کوئی نظیر مل سکے لیکن قدرت کاملہ کا وعدہ ہے ''واللہ یحق الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون''

؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد ☆ اگر کس پف کند ریشش بسوزد

ہم بفضلہ تعالیٰ بڑے اختصار کے ساتھ اصل حقیقت کو قرآن وسنت کی روشنی میں اجاگر کرتے ہیں تا کہ حق اپنی پوری رعنائی وزیبائی اور تابش وتوانائی کے ساتھ طالبان حق کے سامنے آسمان صداقت پر جلوگر ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ابتدائے اعلانِ نبوت سے لیکر اعلان غدیر خم تک برابر وقتاً فوقتاً لوگوں کو بتلاتے وجتلاتے آرہے تھے کہ بحکم خدا میرے بعد میری مسند کا ولی وارث حضرت علیؑ مرتضیٰ ہوں گے۔ مگر قدرت کاملہ نے یہ چاہا کہ اب جبکہ آفتاب رسالت کے غروب ہونے کا وقت قریب آگیا ہے اور آنحضرتؐ کی زندگی کا پیمانہ چھلکنے والا ہے تو اتمام حجت کی خاطر غیر مبہم الفاظ میں مجمع عام کے اندر آنجنابؑ کی خلافت ووصایت کا اعلان کر دیا جائے تا کہ بعد ازاں کسی بھی منکر کیلئے کسی عذر ومعذرت کی گنجائش باقی نہ رہ جائے **لیہلک من ھلک عن بینتہ ویحیٰ من حی عن بینتہ:**

آیت تبلیغ کا شانِ نزول:

فتح مکہ کے بعد ماہ ذیقعدہ 10ھ میں آنحضرتؐ نے اعلان عام کرایا کہ جو شخص رسول خداؐ کے ہاتھ آخری حج کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے وہ تیار ہو جائے۔۔۔ لوگ جوق در جوق جمع ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ ۲۵ ذیقعدہ کو بارادہ حج روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ بیس ہزار کا مجمع تھا۔ (ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۸۹ طبع مصر، سیرت النبویہ مفتی وحلان بر حاشیہ سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۳، تذکرۃ خواص الامہ ص ۱۸ دائرۃ المعارف نفرید وجدی ص ۵۴۲ طبع بیروت) راستہ میں برابر اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر اختتام حج کے بعد یہ سارا مجمع آپؐ کے ہمراہ تھا۔ جب غدیر خم کے مقام پر پہنچے (جو کہ مکہ ومدینہ کے درمیان ایک تالاب تھا اور وہاں سے مختلف سمتوں کو راستے پھوٹتے تھے) تو اس وقت رب جلیل کے حکم سے جناب جبرائیل یہ آیت لائے: ''**يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ**''۔ (سورۃ مائدہ آیت 67)''

وہاں کوئی منزل نہ تھی، نہ کوئی سائے کا انتظام تھا۔ تمازتِ آفتاب سے ریگستانِ عرب قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جناب رسول خداؐ نے وہیں رحل اقامت ڈال دیا۔ جو لوگ آگے نکل گئے تھے۔ انکو واپس بلوایا۔ جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار فرمایا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تب آنحضرتؐ پالانہائے شتر یا بروایتے پتھروں سے بنائے گئے منبر پر تشریف لے گئے۔ اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا: ''**یا معاشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم**''؟ کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اور ان میں تصرف کا تم سے زیادہ حق دار نہیں ہوں؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا بلیٰ، بلیٰ ہاں ہاں تب آپ نے فرمایا: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ**۔ جس کا میں مولیٰ ہوں اسکے علیؑ بھی مولا ہیں۔

پھر دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''**اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ** یا اللہ! جو شخص علیؑ

سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ۔ اور جو شخص علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ جو علیؑ کی نصرت کرے تو اس کی نصرت کر اور جو علیؑ کی نصرت نہ کرے تو بھی اسکی امداد نہ کر'' (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۹۸، مشکوٰۃ ص ۵۶۵ طبع بمبئی، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۳، تفسیر کبیر، فخر الدین ج ۳ ص ۶۳۶، مسند امام احمد ج 1 ص 381 طبع مصر، اسباب النزول واحدی ص 150 وغیرہا) جلیل القدر صحابہ کرام سے اس آیت مجیدہ کا خم غدیر میں نازل ہونا مروی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' نزلت ھذہ الایۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک یوم غدیر خم فی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ '' کہ یہ آیت ''یا ایھا الرسول بلغ۔۔ الخ'' غدیر خم کے دن نازل ہوئی۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۵۸۴ طبع استنبول) اس کے علاوہ بہت سے اہلسنت علماء نے اپنی کتب میں تصریحات فرمائی ہیں کہ آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل۔۔ الخ غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی ہے۔

حضرت امیرؑ کے اسم گرامی کی تصریح:

۔۔۔ اہلسنت والجماعت کی کتب تفسیر وحدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضرت امیر علیہ السلام کے اسم گرامی کی تصریح موجود تھی۔۔۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر میں باسناد ابن ابی حاتم، ابن عساکر اور ابن مردویہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ''کنا نقرا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک انا علیاً مولیٰ المومنین '' یہ دونوں بزرگوار بیان کرتے ہیں کہ ہم عہد نبوت میں یہ آیت اس طرح پڑھا کرتے تھے۔۔۔ یا ایھا الرسول۔۔۔ انا علیاً مولی المومنین۔ اے رسول۔ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے کہ (علی اہل ایمان کے مولا وآقا ہیں) لوگوں تک پہنچا دو۔ (کذا فی تفسیر فتح البیان ج ۳ ص ۸۹ وحبیب السیر ص ۱۴۳ طبع بمبئی، ارجح المطالب ص ۲۰۲ طبع لاہور وتفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۸ مطبوعہ دہلی وغیرہ)

اہلجماعت کی تحریف:

مگر حالات وکوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء جماعت نے اس آیت مبارکہ میں دو قسم کی تحریف کی ہے۔ ایک لفظی دوسری مقامی۔ لفظی اس طرح کہ آیت سے پیغام ''ان علیا مولیٰ المومنین '' غائب کر دیا۔ اور مقامی اسطرح کہ جو آیت پہلے اُتری تھی (یا ایھا الرسول بلغ) اسکو ترتیب میں بعد اور جو بعد میں اتری تھی (اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ) (سورہ مائدہ آیت 3) اسے پہلے جگہ دے دی۔ اور اپنے تئیں (یحرفون الکلم عن مواضعہ) کی تہدید شدید کا مصداق ٹھہرایا (وعذاب الاخرۃ اشد وابقیٰ)

رسم دستار بندی:

جب ولی عہدی کا اعلان واجب الاذعان ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے جناب امیرؑ کو دستار بندھا کر اس تقریب کو "من کل الوجوہ"، مکمل کر دیا۔

چنانچہ جناب امیرؑ بیان فرماتے ہیں: عممتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و (و آلہ) وسلم فدلھا خلفی و فی لفظ فسندل طرفیھا علیٰ منکبی و قال ان اللہ امدنی یوم بدر و حنین بملائکۃ یعتمون ھذہ العمامہ الخ۔۔۔۔ جناب رسول خداؐ نے خم غدیر کے دن میرے سر پر عمامہ باندھا اور اس کا ایک شملہ میرے پیچھے ڈال دیا۔ دوسری روایت کے مطابق دونوں سرے میرے کندھوں پر ڈال دیئے اور فرمایا خدا نے بدر و حنین کے دن جن فرشتوں کے ذریعہ میری امداد کی تھی انہوں نے اسی طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ (ملاحظہ کنز العمال ج ۸ ص ۶۰، مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۳ الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۱۷، عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۳۳ وغیرہ)

تقریب سلام و مبارکبادی:

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اسکے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سلموا علی علیؑ بامرۃ المؤمنین یعنی جناب علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو چنانچہ صحابہ کرام نے تعمیل حکم کرتے ہوئے آنجنابؑ کو سلام کیا اور ھدیہ مبارکباد پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو شرح مواقف ص ۷۳۹، حبیب السیر ج ۱ ص ۷۷، معارج النبوہ رکن ۴ ص ۱۱۳، کنز العمال ج ۸ ص ۶۰ وغیرہ) اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب عمر کی بایں الفاظ مبارکبادی ہے "بخٍ بخٍ یاابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومنٍ و مومنۃٍ" (حبیب السیر ج ۳ ص ۷۷، ۶۷ طبع بمبئی) وتفسیر کبیر زاری ج ۳ ص ۶۳۶ سر العالمین غزالی ص ۹ وغیرہ)

آیت تکمیل دین کا نزول:

یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فعلی تقرر خلافت کا آخری عملی مظاہرہ تھا۔ ورنہ قولی تقرر کا اعلان تو اکثر ہوتا رہتا تھا یہ اعلان آج کوئی نئی بات نہ تھی۔۔۔ بلکہ قاعدہ کے موافق صرف رسم ولی عہدی پوری کی گئی۔ خدا اسی فعلیت کا خواہاں تھا۔۔ یہی و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کا مفاد و ماحاصل تھا۔۔۔ الغرض جب یہ سب کچھ ہوگیا تو خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو تکمیل دین کی سند دیتے ہوئے۔ یہ آیت نازل فرمائی "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً"۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۵۹ طبع مصر تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۸ طبع ایران۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲ وغیرہ)

چنانچہ آنحضرتؐ یہ بشارت عظمیٰ سنکر بہت خوش و خرم ہوئے اور فرمایا: "اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرب برسالتی و ولایۃ علی بن ابی طالب" (مفتاح النجاء فی مناقب آل العباء فاضل بدخشی)۔۔۔ ہم ہر اس شخص سے جو

پہلو میں دل اور دل میں انصاف رکھتا ہے اور تعصب وعناد نے اس کی چشم بصیرت و بصارت کو مؤلف آفتاب ہدایت کی طرح اندھا نہیں کر دیا۔ اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدا کو حاضر وناضر سمجھ کر ان حقائق کی روشنی میں بتائے کہ یہ آیت وروایت (غدیر خم) جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی نص صریح ہے یا نہ؟ مؤلف آفتاب کا یہ بیان کہ ''آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ولایت علی یا خلافت علی پر صراحت وکنایت سے دلالت کرے''۔ (آفتاب ص ۱۵۳ کس قدر حقیقت سے دور اور علیؑ دشمنی کے قریب ہے نیز مؤلف نے (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) کا جو ترجمہ کیا ہے وہ جہالت مرکبہ وضلالت مجسمہ کا بدترین نمونہ ہے۔ سچ ہے۔ **انھا لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور۔**

حدیث غدیر متواتر ہے:

مؤلف آفتاب ہدایت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حدیث غدیر سنداً متواتر ہے چنانچہ ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۳۴۲ مطبوعہ ملتان میں حدیث غدیر کے ذیل میں لکھا ہے:

''ان ھذا حدیث صحیح لا مریۃ بل بعض الحفاظ غدہ متواتراً اذفی روایۃ الاحمد انہ سمعہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثون صحابیاً'' بے شک یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں بلکہ بعض حفاظ حدیث نے اس کو متواتر شمار کیا ہے جبکہ امام احمد بن حنبل کی روایت میں اسکو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیس صحابہؓ نے سنا ہے'' (کذافی حاشیہ ۵ مشکوٰۃ ص ۵۶۴)

اور اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے محدثین کے حوالے سے اسے متواتر کہا فرماتے ہیں

''وقد بلغ ھذا الحدیث مبلغ التواتر رواہ جمع من المحدثین فی الصحاح والسنن والمسانید بروایۃ نحو من ثلاثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' حدیث غدیر درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے اس کو محدثین نے صحاح، سنن اور مسانید میں تقریباً تیس صحابہؓ سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۴۲ طبع دہلی)

ان کے علاوہ اس حدیث کے کثرت طرق اور تواتر کا اقرار دیگر بہت سے مشہور محدثین وحفاظ نے کیا ہے علامہ ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے اسے متواتر کہا ہے۔ معروف مورخ ومحدث ابن جریر بطری نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بعنوان ''حدیث الولایۃ'' تحریر کی ہے ابن کثیر نے بھی البدایہ والنھایہ جلد ۵ ص ۲۱۱ طبع بیروت میں اس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے اسی طرح علامہ ذہبی نے رسالہ ''طرق حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کے نام سے رقم کیا ہے اس کا مطبوعہ نسخہ بفضلہٖ ہماری کتب خانہ میں موجود ہے۔

لفظ ''مولیٰ'' کی تحقیق:

اب ہم مؤلف کے تارِ عنکبوت سے بھی کمزور تر اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس آیت وحدیث کی دلالت بر خلافت بلا فصل جناب امیرؑ بالکل واضح و آشکار اور اس آسمان کا مطلع بے غبار ہو جائے۔۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ ''مولیٰ'' بمعنی اولیٰ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ یہ انکی قرآن۔ حدیث اور لغتِ عرب سے ناواقفی اور لاعلمی کی بیّن دلیل ہے۔ ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ قرآن و حدیث اور لغت عرب سے مولیٰ کا بمعنی اولیٰ استعمال ہونا پیش کرتے ہیں۔

مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ در قرآن:

''فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ '' (سورہ حدید آیت 15) آج (قیامت) کے دن تم مجرمین سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی ان لوگوں سے کیا جائے گا۔ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور جہنم بہت ہی بُری جائے بازگشت ہے'' لفظ مولٰکم کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں ''ھی اولی بکم '' جیسا کہ تفسیر فیروز آبادی ص ۳۴۲، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۳۴، بیضاوی ج ۲ ص ۴۹۷ طبع مصر۔ تفسیر کشاف ج ۲ ص ۳۷۸ طبع قدیم مصر۔ تفسیر خازن ج ۴ ص ۲۲۹، غریب القرآن محمد بن ابی بکر رازی میں ''المولی بمعنی اولی بالشی '' لکھا ہے۔

مولیٰ بمعنی اولیٰ در حدیث:

کتب حدیث میں ایک مشہور حدیث مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ایما امرأة نکحت بغیر اذن مولا ھافنکا حھا باطل '' ہر وہ عورت جو اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے'' علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۱ ص ۲۸۹ میں سی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ''مولاہ'' کی تشریح میں لکھا ہے ''ای اولی بھا ''

مولیٰ بمعنی اولیٰ در اشعار:

شعراء عرب نے بھی اپنے اشعار ابدار میں مولیٰ کو بمعنی اولی استعمال کیا ہے چنانچہ لبید ابن ربیعہ عامریؓ اپنے قصیدہ ہائیہ میں کہتا ہے۔

فغدت کلا الفرجین تحسب انه ☆ مولیٰ المخافة خلفھا و امامھا

فاضل زوزنی کی شرح سبعۂ معلقہ میں اس شعر کی شرح کرتے ہوئے ''مولیٰ'' کی تشریح میں لکھا ہے: ''ان المولی فی ھذا البیت بمعنی اولیٰ بالشئی کقوله تعالیٰ ماواکم النار ھی مولاکم ای اولی بکم، للزوزنی '' (شرح سبعہ معلقہ ص ۹۴ طبع

میمینہ مصر) متنبی کہتا ہے:

حتی یشار الیک ذا مولا هم ☆ و هم الموالیٰ و الخلیقة عبد

یعنی ممدوح کی طرف اشارہ کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ ان (بنی طیٔ) کا سید و سردار ہے۔ حالانکہ وہ (بنی طیٔ) تمام لوگوں کے سردار ہیں۔ اور عام لوگ انکے غلام۔" فاضل برقوقی اس شعر کی شرح میں لکھتے ہیں: حتی یشیر الناس فیقولوا هذا مولی طئی ای رئیسهم و سیدهم و هم سادة الخلق و الخلق عبیدهم (ج ۲ ص ۷۳ طبع مصر)

مولیٰ بمعنی اولیٰ در لغت:

ابوبکر انباری نے مشکل القرآن میں مولیٰ کی ء معانی لکھتے ہوئے لکھا ہے: "احدها الا ولیٰ بالشی" اسی طرح خطیب تبریزی نے شرح دیوان حماسہ میں مولیٰ کے ایک معنیٰ "الاولیٰ بالشئی" بیان کئے ہیں۔ ایسا ہی ابوالعباس المبرد نے اپنی کتاب "العبارة عن صفات الله (علی ما حکی عنه) میں تصریح کی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح وعیاں ہوگیا۔ کہ کلام عرب میں مَفْعَل بمعنی افعل کا استعمال نہ صرف جائز ہے بلکہ کثیر الوقوع بھی ہے۔

ایک عظیم شبہ کا جواب:

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ "یہ لفظ مشترک ہے۔ اسکے مختلف معانی ہیں اس سے استدلال صحیح نہیں ہے" اور یہ کہ اس جگہ سوائے محب کے اور کوئی معنیٰ موزوں نہیں ہے" اور یہ کہ وال من والاہ و عاد من عاداہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی دوست ہے" اس شبہ کے دو قاطع جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ کہ کسی لفظ کے چند معنوں میں استعمال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ لفظ مشترک ہے۔ جب تک ان سب میں بطور حقیقت استعمال نہ ہو ورنہ حقیقت و مجاز کا احتمال برابر قائم رہتا ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ "لفظ مولیٰ" اولیٰ میں حقیقت اور دوسرے معانی میں مجاز ہو۔ و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

دوسرا جواب: یہ کہ بنا بر تسلیم اینکہ یہ لفظ ان تمام مختلف معانی میں مشترک ہے تو یہاں ایک دو نہیں بلکہ پورے دس عدد قرائین قطعیہ اس بات پر موجود ہیں کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولی ہے۔

حدیث غدیر میں مولیٰ کے معنیٰ اولیٰ ہونے کے دہ گانہ قرائن قاطعہ:

پہلا قرینہ:

اس حدیث کی ابتداء میں وارد شدہ جملہ الست اولیٰ بکم من انفسکم ہے جو اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ آنیوالے لفظ

مولیٰ سے یہی اولیٰ والے معنی مراد ہیں اور یہ جملہ آیت قرآنی النبی اولی بالمومنین من انفسھم سے مقتبس ہے۔ جسکے متعلق مفسرین نے لکھا ہے: ای فی الامور کلھا۔ (تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۲۶۵ طبع مصر) لہٰذا جن معنوں میں نبی مولا ہیں انہی معنوں میں علی بھی مولا ہونگے۔ والنعم ما قیل

؎ چرا در معنی من کنت مولای می روی ہر سُو ☆ علیؑ مولا بآں معنیٰ کہ پیغمبرؐ بود مولا

دوسرا قرینہ:

اس حدیث اور اسکے اس اہتمام سے واضح وعیاں ہے کہ آج جناب امیرؑ کی وہ خصوصیت بیان ہو رہی ہے۔ جس میں اور کوئی صحابیٔ رسولؐ آپ کا شریک نہیں۔ اور وہ نہیں ہے۔ مگر یہی اولیٰ بالتصرف ہونے کی خصوصیت۔ ورنہ محب و ناصر ہونا تو ایسے عمومی صفات ہیں۔ جن میں تمام اہل ایمان باہم شریک ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ'' (سورہ التوبہ آیت 71)۔ کہ بعض مؤمن دوسرے بعض کے محب ہیں۔ اگر یہی معنیٰ یہاں مراد ہوتے تو پھر اسقدر اہتمام و انتظام کی کیا ضرورت تھی؟؟

تیسرا قرینہ:

حضرت علیؑ سے محبت رکھنے اور انکی نصرت کرنے کے متعلق تو آنحضرت ﷺ قبل ازیں بار بار تاکیدی حکم دے چکے تھے۔ جیسے یاعلی حبک ایمان و بغضک کفر و نفاق۔ من احب علیا فقد احبنی'' تو پھر اس تحصیل حاصل (جو کہ محال ہے) اور اسقدر اہتمام (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) کے کیا معنی ہیں؟ ماننا پڑے گا کہ حضرت علیؑ کی خلافت وولایت کا یہی عملی اعلان تھا جس کے بغیر تمام کار رسالتؐ اکارت ہو رہا تھا۔

چوتھا قرینہ:

حارث بن نعمان فہری کا وقعہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف یعنی بمعنی حاکم و سردار ہے۔ وہ اہل زبان تھا۔ اُس نے اس لفظ سے یہی مطلب سمجھا اور اپنی شقاوت و بدبختی سے اپنی ہلاکت منظور کر لی۔ مگر ولایت و خلافت علیؑ کا اقرار کرنا ناگوارا نہ کیا۔ تفصیل کیلئے درج ذیل کتب ملاحظہ ہو۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۸ صفحہ ۲۷۸ طبع مصر۔ تفسیر سراج منیر ج ۴ ص ۳۸۴، تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۹، فتح القدیر ج ۲ ص ۵۷ وغیرہ)

پانچواں قرینہ:

سطور بالا میں متعدد کتب اہلسنت کے حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے غدیر خم والا اعلان فرمایا تو

صحابہ کرام نے بالعموم اور ابن الخطاب نے بالخصوص جناب امیرؑ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب لقد اصبحت مولای و مولیٰ کل مؤمن و مؤمنۃٍ۔ یہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں انہوں مولیٰ کو بمعنی اولیٰ سمجھا تھا۔ ورنہ صرف اخوت ومحبت مراد ہونے کی صورت میں مبارکبادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔۔۔صواعق محرقہ ص ۷ ۴۳ طبع قدیم مصر) پر صراحت موجود ہے کہ ابوبکر وعمر اس حدیث سے یہی معنیٰ سمجھتے تھے۔ فراجع۔

چھٹا قرینہ:

سابقہ سطور میں اس بات کے ثبوت میں متعدد کتب کے حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں۔ کہ اس اعلان کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ حضرت امیرؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔ یہ بھی اسی بات کا قطعی قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ یعنی سردار ہے۔

ساتواں قرینہ:

جناب حسان بن ثابتؓ (جو کہ آنحضرت ﷺ کے درباری شاعر تھے) نے اس پورے واقعہ کو نظم کیا ہے۔ انکے اشعار ابدار سے بھی یہی آشکار ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث سے یہی سمجھا تھا کہ یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

ے فقال لہ قم یا علیؑ فاننی ☆ رضیتک من بعدی اماماً و ہادیاً

یعنی جناب رسول خدا نے فرمایا: "اے علیؑ اٹھو! کیوں کہ میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا امام اور ہادی ور اہنما منتخب کیا ہے"

(ملاحظہ ہو تذکرہ سبط بن جوزی، مطالب السؤل، ینابیع المودہ اور دیوان حسان وغیرہا)

آٹھواں قرینہ:

اس اعلان کے بعد آنحضرت ﷺ کا جناب امیرؑ کے دوستوں کے لئے دعائے خیر اور مخالفوں کے لئے بددعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہی ہے جیسا کہ مرسوم ہے کہ اعلان ولیعہدی کے بعد اس قسم کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ جن سے ولیعہد کی اطاعت کی رغبت دلانا اور نافرمانی سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔

نواں قرینہ:

اس اعلان کے بعد آیت تکمیل دین کا نزول۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آج آنحضرت ﷺ ایک عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ جس پر دین اسلام کی تکمیل کا دارومدار تھا۔ اور وہ امامت وخلافت علی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ اعلان محبت علی وغیرہ۔

دسواں قرینہ:

خود امیر المومنینؑ کا مختلف و متعدد مقامات پر اپنی خلافت و امامت کے اثبات میں حدیث شریعت (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) کے ساتھ تمسک واستدلال کرنا بھی اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث آنجنابؑ کی خلافت بلافصل کی ناقبل رد دلیل جمیل ہے (ملاحظہ ہوں کتب ذیل: مناقب خوارزمی ص ۲۱۷، شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۶۱، فرائد السمطین حموینی باب ۸، اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۰۷، اصابہ ج ۲ ص ۴۰۸ طبع مصر تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۷ طبع ایران، مروج الذہب ج ۲ ص ۳۷ طبع جدید مصر)۔ والحمدللہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

مؤلف کے ہشتگانہ اعتراضات کے جوابات

اب ہم ذیل میں مؤلف کے ان آٹھ عدد ایرادات کے ترتیب وار جوابات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے بزعمِ خویش حدیث غدیر خم کے نص خلافت نہ ہونے کے سلسلہ میں پیش کئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اُن کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح وعیاں ہوجائے گا۔ انشاءاللہ۔

۱۔اول: چنانچہ اس سلسلہ میں جلاء العیون مترجم اردو ص ۶۰ سے جو روایت نقل کی ہے یہ جلاء العیون فارسی کے ص ۲۸ پر موجود ہے اور ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے اس میں آنحضرتؐ کے صرف ذاتی اور نجی امور اور اپنے خانوادہ کے معلق وصایت کا تذکرہ ہے جیسا کہ اسکے وہ الفاظ جو خود مؤلف نے نقل کئے ہیں۔ اس پر شاہد ہیں "اے عباس اے عم رسولؐ خدا۔ میری وصیت میرے اہلبیت اور میری عورتوں کے حق میں قبول کرو۔ اور میری میراث لو۔ اور میرا دین ادا کرو۔" بھلا اس کا اسلامی خلافت عظمیٰ اور زعامت کبریٰ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جس کا فیصلہ غدیر خم کے مقام پر ہو چکا تھا۔

۲۔دوم: نیز اس سلسلہ میں جلاء العیون ص ۶۴ سے آنحضرتؐ کے آخری خطبہ کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے بننے والے والی کو انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ جس بزرگوار کو خدا اور رسولؐ نے اس منصب جلیل کیلئے نامزد کیا ہے۔ آپؐ کے بعد ان سے ظاہری اقتدار چھین لیا جائے گا چنانچہ مؤلف کے پانچویں ثبوت میں اس بات کی صراحت موجود ہے اس لئے آنحضرتؐ نے گول مول لفظوں میں والی بننے والے کو حکم دیا کہ انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

۳۔سوم: مؤلف نے جلاء العیون ص ۶۲ سے جناب عباسؓ اور جناب رسول خداؐ کے جس مکالمہ سے استدلال کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے یہ محض انکی خوش فہمی ہے ورنہ اسے ان کے مقصد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے ان کے موقوف کی نفی ہوتی

ہے۔ جناب عباس کے اس سوال ''یا رسول اللہؐ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا پس ہم کو بشارت دیجئے'' کا مطلب یہ ہے کہ امر خلافت ہم میں مستقر دقائم اور بحال رہے گا۔ جس کا قرینہ اسی کلام کے دوسرے جزء میں موجود ہے کہ اور اگر آپ جانتے ہیں کہ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت غصب کریں گے'' اس سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ خلافت کا فیصلہ بحق علیؑ فرما چکے تھے۔ ورنہ صحابہ کے خلافت کو غصب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ چہارم: مؤلف نے حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۳ سے عامر بن طفیل اور از یدبن قیس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی جس گفتگو سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے یہ بھی اصل موضوع سے غیر متعلق ہے۔ اگر یہ گفتگو واقعہ خم غدیر کے بعد ہوئی ہوتی تب بھی اس استدلال کی کچھ وجہ ہوسکتی تھی۔ لیکن جب یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے تو پھر اس کے ساتھ تمسک کرنے کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ ویسے بھی یہ بات برحق ہے کہ خلیفہ بنانا نبی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ البتہ اس کا اعلان نبی سے کراتا ہے۔ جیسا کہ آدمؑ سے خاتم تک برابر ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

۵۔ پنجم: مؤلف نے حیات القلوب سے بذیل تفسیر و اذا سر النبی ال آیۃ۔۔۔ جو روایت نقل کی ہے وہ ''الغریغ یتشبت بکل حشیش''، یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی بدترین مثال ہے۔

اولاً: تو یہ روایت موضوع من گھڑت ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۹۴ طبع مصر بذیل ترجمہ خالد بن اسماعیل الغزوی المدنی ذہبی نے اس راوی کے اکاذیب میں اس روایت کو بھی شمار کیا ہے۔ ثانیاً: بنا بر تسلیم! آنحضرت ﷺ کی دوسری بکثرت پیشینگوئیوں کی طرح یہ بھی ایک پیشنگوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی آنیوالے واقعہ کی پیشگی اطلاع دینے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس میں خدا و رسول کی رضا بھی ہے؟ جس طرح یاجوج و ماجوج اور خروج دجال اور دیگر واقعات کی پیشگوئی سے اُنکی حقانیت لازم نہیں آتی اسی طرح ابوبکر و عمر کے تخت حکومت پر قابض ہونے کی اطلاع سے اُنکی خلافت کی صداقت بھی لازم نہیں آتی۔ خصوصاً جبکہ روایت میں ''ابوبکر بعد از من بجور خلیفہ خوہد شوذ'' کی صراحت بھی موجود ہے کہ ''وہ ستم و جور سے خلیفہ بنے گا''۔

؎ چیست یارانِ طریقت بعد ازین تدبیر ما

ثالثاً: اگر یہ روایت خلافت ابوبکر و عمر کی نص ہوتی تو پھر اسے صیغہ راز میں رکھنے، اور اس راز کے افشاء پر عائشہ و حفصہ کی ''قد صغت قلوبکم'' (تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں) کہہ کر خدا کو سرزنش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ واقعہ غدیر خم کی طرح اس کا اعلان کرنا لازم تھا۔ تاکہ بعد میں خلافتِ نبوی کے متعلق کسی قسم کا کوئی جھگڑا و وف نہ ہو: و اذا الیس فلیس ؎

اینہا ہمہ رازاست کہ معلوم عوام است!

۶۔ ششم: مؤلف نے یہ جو بیان کیا ہے کہ اگر رسول ﷺ خلافت کا فیصلہ بحق علی علیہ السلام کر گئے ہوتے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ سب

اصحاب ان کو چھوڑ کر خلافت ابوبکر پر اجماع کر لیتے۔ یہ محض ایک استبعاد ہے جسکی وجہ سے ایک ثابت شدہ حقیقت سے دست برداری اختیار نہیں کی جاسکتی اور اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا البتہ رفع استبعاد کیلئے اسقدر بیان کردینا کافی ہے کہ کیا یہ حقیقت قرآن سے ثابت نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب چند روز کیلئے کوہ طور پر تشریف لے جارہے تھے تو آپ نے ہزاروں اصحاب کے مجمع میں اپنے بھائی جناب ہارون کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ (یا ھارون خلفنی فی قومی) اور ان سب کو ان کے اتباع کا حکم بھی دیا تھا۔ مگر قرآن گواہ ہے کہ سوائے معدودے چند اصحاب کے باقی سب گوسالۂ سامری کی پرستش کر کے گمراہ ہوگئے۔ اور منصوص خلیفہ سے منحرف ہوگئے۔ تو جو تشبیہ نقص جناب ہارونؑ میں اور فضیلت گوسالہ میں تھی وہی نقص یہاں حضرت علیؑ اور فضیلت ابوبکر میں تھی۔ کہ سوائے معدودے چند اصحاب کے باقی سب حضرت علیؑ کو چھوڑ کر ابوبکر کے حلقہ بیعت میں شامل ہوگئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاطبۃً ابوبکر کی بیعت اختیار کر لی۔ ہم قبل ازیں کیفیت انعقاد بیعت ابی بکر میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ابوبکر کی خلافت پہلے پہل صرف عمر کے بیعت کرنے سے منعقد ہوئی۔ (شرح مواقف ص ۷۲۲ وغیرہ) یا پھر بعد ازاں انہی کی دھینگا مشتی سے اور بعض لوگوں نے بھی کر لی۔ ورنہ بنی ہاشم آخر تک مخالف رہے۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۱۱ کتاب الحدود) جناب سعد بن عبادہ نے آخر وقت تک بیعت نہیں کی۔ (الامامۃ والسیاست ص ۱۱ طبع مصر)۔۔۔ اور حدیث لا تجتمع أمتی علی الضلالۃ۔ بنا بر تسلیم اس صورت میں حجت ہے۔۔۔ کہ پوری امت مسلمہ میں سے ایک بھی مخالف نہ ہو۔۔۔ جیسا کہ کتاب نور الانوار ص ۲۲۳ طبع مصر) میں تصریح موجود ہے کہ ''والشرط اجماع الکل و خلاف الواحد نافع کخلاف الاکثر لان لفظ امتی فی قولہ لا تجتمع امتی علی ضلالۃ یناول الکل'' یعنی اس اجماع میں یہ شرط ہے کہ تمام امت جمع ہو اور اگر ایک آدمی بھی مخالف ہو تو اسطرح اجماع ثابت نہ ہوگا۔ اور یہ اسلئے کہ اسطرح معصوم بھی اس میں شامل ہونگے۔ ''ولعنت اللہ علی کل اجماع خرج منہ علی بن ابی طالب'' خدا کی لعنت ہو ہر اس اجماع پر جس سے حضرت علی خارج ہوں۔ (محلی ابن حزم ظاہری سفر پنجم وہفتم بذیل مسئلہ نسخ قرعہ ص ۲۸۶ طبع مصر)۔

۷۔ ہفتم: مؤلف نے جو بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ یہ انکی کوتاہ نظری اور تاریخی واقعات سے جہالت کی دلیل ہے ورنہ متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کا اپنی خلافت بلافصل پر اس حدیث شریف سے استدلال کرنا کتب سیر وتواریخ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر دسویں قرینہ میں ہم متعدد کتب اہلسنت کے حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں: (فراجع)

۸۔ ہشتم: مؤلف نے جو یہ بیان کیا ہے کہ شیعہ کو حدیث خم غدیر سے اطمینان نہیں۔ تب ہی تو حدیث قرطاس سے تمسک کرتے ہیں۔ یہ انکے دماغی خلل کی غمازی کرتا ہے۔ ورنہ وہ خود بتائیں کہ کیا ایک مقصد کے اثبات کیلئے۔ متعدد دلائل نہیں ہوسکتے؟ اور کیا تقریر وتحریر میں تضاد پایا جاتا ہے؟ اگر کوئی مطلب پہلے بذریعہ تقریر بیان کردیا جائے اور پھر اسے ضبطِ تحریر میں لایا جائے تو کیا وہ اسطرح زیادہ پختہ اور مضبوط اور ناقابل انکار حد تک یقینی نہیں ہوجاتا؟؟؟؟ یہاں یہی صورت حال درپیش تھی۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے خلافتِ علوی کا

اعلان کر چکے تھے۔مگر آخری وقت چاہتے تھے کہ اسے ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تا کہ یہ مطلب اسقدر پختہ ہو جائے کہ کسی کو یارائے انکار نہ رہ جائے۔مگر مؤلف کے پیشوا یہ مطلب تاڑ گئے اور آنحضرتؐ کو یہ تحریر نہ لکھنے دی۔(تفصیلات کا انتظار کیجئے)

نوٹ: مؤلف نے اس آیت کا جو شان نزول بیان کیا ہے۔یہ ایجاد بندہ یا انکی طرح دوسرے بعض نواصب کی ذہنی اختراع ہے ورنہ ظاہر ہے کہ چند آدمیوں کی شکایت پر اسقدر اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف انہی لوگوں کو سرزنش کر دی جاتی وبس

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است!

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

شیعہ کی دوسری دلیل:

حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کے متعلق دوسری دلیل شیعہ کی یہ آیت ہے "**اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ**" (سورہ مائدہ آیت 55)۔ترجمہ: تمہارے مددگار خدا اور رسول خدا ہیں۔اور مؤمن لوگ جو نماز روزہ قائم کرتے ہیں۔اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع وسجود کرنے کے عادی ہیں۔

حالانکہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ولایت امیر علیہ السلام ثابت ہو۔اگر لفظ "ولی" سے استدلال ہے تو یہاں خدا اور رسولؐ اور ان مومنوں پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو نماز روزہ، حج زکوٰۃ کے پابند ہیں۔تمام صیغے جمع کے ہیں۔ پھر اُن سے ایک فرد حضرت علیؑ مراد لینا انصاف کا خون کرنا ہے۔۔۔شیعہ نے اس موقعہ پر ایک عجیب روایت وضع کی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کتاب ص ۱۷۷ میں ہے۔(بحذف عربی) ترجمہ: امیر المومنین ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔چنانچہ دو رکعت نماز ادا کر چکے تھے۔آپ ایک قیمتی شال اوڑھے ہوئے تھے جسکی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔اور رسول پاک ﷺ نے آپ کو دی تھی۔جو آنحضرتؐ کو نجاشی نے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔پس اک سائل آیا۔اس نے کہا اے ولی اللہ! اور مومنوں کے سردار! مسکین کو کچھ خیرات دیجئے۔آپ نے وہ شال سائل کی طرف پھینک دی اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسکو لے جا۔ تب خدا نے آیت انما ولیکم اللہ اتاری۔

ہمارا جواب: ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ آیت کا کوئی لفظ ایسا نہیں جو حضرت علی کی ولایت اور خلافت پر دلالت کرے۔۔۔

قاموس میں لکھا ہے: "**الولی القرب والذکر والولی الاسم منه المحب والصدیق والناصر**":

اب بتایئے کہ لفظ "ولی" سے خلافت اور ولایت پر کسطرح دلیل لی جاسکتی ہے؟۔۔۔

روایت بالا کے موضوع ہونے کے دلائل:

اول: حضرت علی المرتضیٰ کی شان والا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ دنیا داروں کی قیمتی پوشاک پہنتے تھے جو قریباً پچیس ہزار

روپے کی ہو۔ آپ کی صوفیانہ اور متقیانہ حیثیت پر ایک سخت جملہ ہے۔۔۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کے ناطہ کے خواستگار ہوتے وقت۔۔۔ مفلسی کا اظہار کیا۔۔۔ سامان شادی خریدنے کے وقت زرہ فروخت کی۔۔۔ علامہ حائری، غائیۃ المقصود ص ۱۵۴ پر رقمطراز ہیں۔۔۔

ترجمہ: خاندان نبوت حضرت علیؑ کے گھر میں کمال زہد وتقویٰ سے تین تین روز فاقہ گذارتے تھے۔ حتی کہ آیت **یطعمون الطعام** نازل ہوئی۔ مرزا قادیانی کا یہ حال ہے کہ خلیل خانی شال اور کشمیری چادر ریشمی پارچات کا استعمال ہوتا ہے اور اہلبیتؑ کا یہ حال ہے کہ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی بوریا، بلکہ اکثر اوقات خاک زمین پر لیٹ جایا کرتے۔۔۔

ایسی بیش قیمت پوشاک کا استعمال اسراف وتدبیر میں داخل ہے جو ایک متقی مؤمن پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ علی المرتضیٰ جیسے متقی متورع تارک الدنیا عالی مرتبت امام کی نسبت خیال کیا جائے۔

دوم: اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے ایسی ریشمی طلائی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اور نماز پڑھ رہے تھے۔ تو پھر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ سائل اتنا بھی انتظار نہ کرے کہ آپ نماز سے فارغ ہولیں:

حضرت علی المرتضیٰؑ کی نسبت مشہور ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت آپ ایسے استغراق میں ہوتے کہ دنیا یا فیہا سے کچھ خبر نہ رہتی۔ پھر۔۔ ایک گداگر کی بک بک کی آواز آپ کے کانوں تک کس طرح پہنچ سکتی؟۔۔۔۔ پھر نماز کی حالت میں فعلِ کثیر چادر اتار پھینکنا اور پھر سائل کو اشارہ کرنا کہ لے جا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟۔۔۔ اگر آپؑ نے سائل کو حلہ دینا تھا تو نماز سے فارغ ہو کر بھی دے سکتے تھے۔۔۔

سوم: آیت میں **یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون** ۔لکھا ہے۔۔۔ اور روایت موضوعہ میں سائل کو چادر قیمتی ایک ہزار دینار کا ذکر ہے۔ کیا ادائے زکوٰۃ کا یہی طریقہ ہے؟ اس سے پہلے یہ ثابت کر دینا چاہیئے کہ جناب امیرؑ صاحب زکوٰۃ تھے۔ اور اسقدر مال رکھتے تھے کہ اسکی زکوٰۃ ایک ہزار دینار آپ کے ذمے واجب تھی۔۔۔ غرض یہ روایت بالکل عقل کے خلاف ہے۔۔۔ ایسی روایت سے تمسک کر کے شیعہ۔۔۔۔ بارثبوت سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ (آفتاب ص ۱۶۲)

الجواب:

شیخ سعدیؒ کا زبان زد خلائق شعر ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اس کے مطابق مؤلف کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ حضرت امیرؑ کی ہر نص خلافت کے متعلق ہر جگہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ 'آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے ولایت امیر ثابت ہو'۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انکے ایسا کہنے سے فی الواقع جناب امیرؑ کی نصوصِ خلافت ناکارہ ہو کر

ناقابل تمسک ہوجائیں گی؟

ع ایعمی العالمون من الضیاء

(کیا ساری دنیا اندھی ہوجائے گی)

آیت کا شانِ نزول:

یہ آیت مبارکہ جناب امیر علیہ السلام کی ولایت وخلافت کی ایسی نص صریح ہے کہ سوائے کسی شپرہ چشم کے اور کوئی سلیم الفطرت اور صحیح الدماغ آدمی اس کے انکار کرنے کی جرأت وجسارت نہیں کرسکتا۔ قریب قریب تمام مفسرین اسلام نے اس آیت کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نمازِ ظہر پڑھارہے تھے کہ سائل نے سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ سائل نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ بارالہا! گواہ رہنا میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہیں دیا۔ حضرت علیؑ نے بحالت رکوع دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا۔ سائل آیا انگوٹھی اتار کر چلا گیا۔ یہ ماجرا معلوم کر کے آنحضرت ﷺ نے بارگاہ احدیت میں یوں استدعا کی اے اللہ! میرے بھائی موسیٰؑ نے تیری بارگاہ میں سوال کیا تھا کہ میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان کردے اور زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہلبیت میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا جانشین بنا اسکے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط کرا اور اسے میرا شریک کارِ نبوت بنا! تو نے اسکی دعا و پکار کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ میں ترا نبی وصفی محمد ﷺ ہوں میں بھی کہتا ہوں میرے سینہ کو کھول دے میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے بھائی علیؑ بن ابی طالب کو میرا وزیر و وصی بنا اور اسکے ذریعہ سے مجھے تقویت پہنچا۔ ابھی دعائے رسول ختم نہ ہوئی تھی کہ جبرائیل یہ آیت لیکر نازل ہوئے **انما ولیکم اللہ و رسولہ** (الآیۃ) سوائے اسکے نہیں کہ تمہارا حاکم ایک خدا ہے دوسرا اس کا رسول اور تیسرے وہ بزرگوار جو مومن ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"

ان مفسرین ومحدثین کے نام جنہوں نے اس آیت کا نزول بحق علیؑ تسلیم کیا ہے:

درج ذیل علماء ومفسرین ومحدثین نے مختلف الفاظ وعبارات کے ساتھ اس آیت مبارکہ کا بحق امیر علیہ السلام نازل ہونا اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ (۱) تفسیر کشف البیان ثعلبی۔ (۲) تفسیر کبیر (ج ۳ ص ۴۳۱ رازی)۔ (۳) تفسیر کشاف زمخشری (ج ۱ ص ۴۲۲)۔ (۴) تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۸۶۔ (۵) تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۲۲۱ (۶) تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری ج ۱ ص ۴۶۱ (۷) اسباب النزول واحدی ص ۱۴۸ (۸) احکام القرآن حافظ ابوبکر جصاص ص ۵۴۲ (۹) تفسیر بیضاوی (انوار التنزیل ج ۱ ص ۳۴۵ (۹) تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی ج ۲ ص ۲۹۳ (۱۰) تفسیر فتح القدیر شوکانی ج ۱ (۱۱) تفسیر الوسی ج ۲ ص ۳۲۹ (۱۲) تفسیر

ابوالبرکات ج ا ص ۴۹۶ (۱۳) مطالب السؤل محمد بن طلحہ شافعی ص ۳۱ (۱۴) شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۳ ص ۲۷۵ (۱۵) ینابیع المودۃ شیخ سلیمان حنفی ص ۲۱۲ (۱۶) ابن صباغ مالکی درفصول مہمہ ص ۱۲۳ (۱۷) کفایۃ الطالب محمد بن یوسف گنجی شافعی ص ۳۸ (۱۸) نورالابصار شبلنجی ص ۷۷ (۱۹) کنزالعمال ج ۶ ص ۳۹۱ (۲۰) الریاض النضرۃ ج ا ص ۲۲۷ محب الدین طبری وغیرہ) فاضل قوشجی نے شرح تجرید میں لکھا ہے: ''**انها نزلت اتفاق المفسرین فی حق علی بن ابی طالب حین اعطی السائل خاتمه وهو راکع فی صلوته**'' (ص ۴۷۶ طبع ایران)

طریق استدلال:

فن نحو کے آئمہ نے بالوضاحت لکھا ہے کہ کلمہ ''انما'' حصر کیلئے آتا ہے جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو وہاں یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔۔۔لفظ ولی لفظ مولیٰ کیطرح (جس کی وضاحت سابقہ آیت کے ضمن میں کی جاچکی ہے) چند معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ منجملہ ان کے ایک 'اولیٰ بالتصرف'' ہے۔ان دو مقدمات کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوجاتی ہے کہ یہ آیت جناب امیر کی خلافت بلافصل کی بین دلیل ہے۔کلمۂ حصر (انما) بتاتا ہے کہ یہاں کلمہ ''ولی'' سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے۔کیونکہ صرف یہی وہ معنی ہیں جو خدا و رسولؐ اور حضرت علی میں منحصر ہیں ورنہ محب و ناصر کے معنوں کی حصر درست نہیں ہے۔کیونکہ یہ معنی تو سب اہل ایمان میں پائے جاتے ہیں (**المؤمنون بعضهم اولیاء بعض**) (قرآن) خدا کا ولی و سرپرست ہونا تو ظاہر ہے کہ وہی کائنات کا خالق و مالک حقیقی ہے اور رسولؐ کی ولایت کا مفہوم دوسری آیت **النبی اولی بالمومنین من انفسهم** سے واضح ہے تو جناب امیرؑ بھی اسی معنی میں ولی ہوں گے اور یہی مطلب جناب ہارون کے ساتھ تشبیہہ دینے سے بھی ثابت ہوتا ہے۔**وهو المطلوب!**

مؤلف کے ایرادات کے جوابات:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو چند بودے اور رکیک ایرادات وارد کئے ہیں ذیل میں ترتیب وار انکے تسلی بخش جوابات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

پہلا ایراد:

صیغے جمع کے ہیں ان سے ایک فرد مراد لینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ ایسا بودا اور رکیک ایراد کرنا علم وفضل کا خون ناحق کرنا ہے۔۔۔ورنہ ظواہر قرآن اور محاورات عرب پر نظر رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ صیغہ ہائے جمع سے فرد واحد مراد لینا کثیر الوقوع ہے۔۔۔ارشاد باری ہے۔(1) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (الحجر آیت 9)۔ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي

وَنُمِيتُ (سورہ ق آیت 43)۔۔۔ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ (سورہ انسان آیت 3)۔۔۔ وغیرہ یہاں تمام آیات میں صیغہ ہائے جمع سے مراد صرف خداوند عالم ہے جو واحد و یکتا ہے (۲) وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ (سورہ آل عمران آیت 42) اس آیت میں ملائکہ سے مراد جناب جبریل ہیں (۳) قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ (سورہ آل عمران آیت 173)۔ مفسرین کا بیان ہے کہ پہلے "الناس" سے مراد نعیم بن مسعود اور دوسرے "الناس" سے مراد ابوسفیان ہے۔۔۔ انہی حقائق کی بنا پر ثعلبی نے فقہ اللغتہ وسر العربیہ ص ۴۹۵ طبع جدید فصل 3 الجمع یراد بہ الواحد کے ذیل میں لکھا ہے "و من سنن العرب الایتان یتالک کما قال تعالیٰ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ و انما اراد مسجد الحرام" یعنی عربوں کا طریقہ ہے کہ صیغہ جمع استعمال کر کے مراد واحد لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ایزدی ہے ما کان۔۔۔ میں مساجد سے مراد مسجد الحرام ہے۔۔۔ الغرض بغرض تعظیم وتکریم یا بغرض ترغیب وتحریص یا اس قسم کے دیگر عمدہ مقاصد کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کر کے اس سے مراد ایک فرد لینا نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ کلام عرب میں کثیر الوقوع بھی ہے۔

دوسرا ایراد:

مؤلف نے سارا زور بیان حلہ والی روایت کو موضوع ثابت کرنے پر صرف کیا ہے اسکا جواب بچند وجہ دیا جا سکتا ہے۔ اولاً تو یہ روایت خلاف مشہور ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آنجناب نے انگوٹھی دی تھی جیسا کہ کتب کثیرہ کے حوالہ جات سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ ثانیاً بنا بر تسلیم اینکہ آنجناب نے سائل کو حلّہ دیا تھا۔ مؤلف کی یہ خیانت نا قابل معافی ہے کہ اسکا ترجمہ بار بار "ریشمی طلائی چادر" کرتے ہیں تا کہ اسے ناجائز ثابت کیا جا سکے کیونکہ ریشم اور سونا مردوں کیلئے حرام ہے حالانکہ روایت میں صرف "و علیہ حلۃ قیمتھا الف دینار" جسکا ترجمہ یہ ہے کہ آنجناب پر ایک چادر تھی جسکی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ جناب امیر انتہائی زاہدانہ اور متورعانہ زندگی گذارتے تھے اور کپڑوں کو کئی کئی پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے مگر اس میں کونسا استبعاد ہے کہ نجاشی نے از راہ عقیدت یہ قیمتی چادر آنحضرت کی خدمت میں بھیجی ہو اور آنحضرت ﷺ نے از راہ محبت وشفقت جناب امیر کو مرحمت فرما دی ہو اور انہوں نے چند لحات کیلئے اسے زیب تن فرما لیا ہو؟۔۔۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ و الطیبات من الرزق۔۔۔؟ اسکو اسراف وتبذیر کا نام دینا۔ درحقیقت اسراف وتبذیر کے معنوں سے اپنی جہالت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے!!

ایراد سوم:

سائل نے حالت نماز میں سوال کیوں کیا؟ اس سوال کی جواب دہی گو درحقیقت سائل پر عائد ہوتی ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور مولوی کرم دین صاحب سے پہلے سوال کرنے کا طریقہ کیوں نہ سیکھا! بہر حال ہم اضافہ معلومات کی خاطر صرف اسقدر عرض

کئے دیتے ہیں کہ ''اہل الغرض مجنون'' کا مقولہ زبان زدخلائق ہے۔اہل غرض وقت اور بے وقت۔محل اور بے محل نہیں دیکھا کرتے اس گروہ کا تو یہ اصول ہے کہ ''ہر چیز مانگو ہر ایک سے مانگو''۔ ہر وقت مانگو اور ہر حال میں مانگو۔اسی اُصول کی بناء پر سائل نے سوال کیا اور جودعلوی نے اسے نماز کے ختم ہونے تک انتظار میں رکھنا گوارانہ کیا۔

ایراد چہارم:

حضرت علیؑ بحالت نماز ایسے استغراق میں ہوتے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے۔سائل کی آواز کس طرح سنی۔خدا ان لوگوں کو ہدایت کرے جو ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں محض اس لئے کہ جناب امیر کی مسلمہ فضیلت کو مٹایا یا گھٹایا جاسکے۔۔۔ ورنہ ایسے رکیک ایرادات کا جووزن ہے خودان پر بھی مخفی نہیں ہے۔۔۔جناب امیرؑ حالت نماز میں جیسا کہ معترض نے خود لکھا ہے۔دنیا و مافیھا سے بے خبر ہوتے تھے۔لیکن اسکا یہ مطلب تونہیں کہ نیکی سے بھی غافل ہوتے تھے!اور ظاہر ہے کہ سائل کو کچھ دینا یہ کار خیر ہے اسلئے اگر جناب نے نیکی میں نیکی کی ہوتو اس میں کونسا استبعاد واشکال ہے؟ مولیٰ کی توجہ کا مرکز خدا تھا۔سائل کا شکوہ بھی وہیں پہنچا مولیٰ نے سنااور سائل کوانگوٹھی عطا کردی اس میں کونسی جائے تعجب ہے؟

ایراد پنجم:

چادر اتار پھینکنا،اور سائل کواشارہ کرنا فعل کثیر ہے(جس سے نماز باطل ہوجاتی ہے)اس ایراد سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیر سے مولوی صاحب کوفعل کثیر کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے تو انکے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ فعلِ کثیر اس فعل کو کہتے ہیں جس سے صورت نماز ہی ختم ہوجائے۔ظاہر ہے کہ چادر اتارنے اور ہاتھ سے اشارہ کرنے سے صورت نماز ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔علاوہ بریں ہم الزامی طور پر کہتے ہیں کہ کتب اہلسنت میں وارد ہے کہ حضرت عمر حالت نماز میں جوییں مارا کرتے تھے۔۔۔(کنز العمال) تو اگر حضرت عمر کے دونوں ہاتھوں سے بحالت نماز جوییں مارنے سے نماز باطل نہیں ہوتی تو حضرت علیؑ کے بحالت نماز سائل کو چادر یا انگوٹھی دینے سے انکی نماز بھی باطل نہیں ہوسکتی۔

ایراد ششم:

جناب امیر کے ذمے اسقدر مال زکوۃ کس طرح واجب تھا؟ یہ ایراد بھی معترض کے سوئے فہم کی پیداوار ہے ورنہ لفظ زکوۃ سے انہوں نے واجبی زکوۃ کہاں سے استنباط کیا ہے؟ لفظ زکوۃ جس طرح واجبی زکوۃ پر بولا جاتا ہے اسی طرح مستحبی صدقات وخیرات پر بھی اسکا اطلاق ہوتا رہتا ہے اور یہاں یہی مستحبی زکوۃ مراد ہے۔الغرض یہ آیت وروایت خلافت بلافصل جناب امیر علیہ السلام کی ناقابل انکار نص صریح ہے۔اور اہلسنت والجماعت ایسے تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اعتراضات کر کے باطنی کثافت کا اظہار تو

کرسکتے ہیں مگر جناب امیرؑ کے نصوص کا انکار نہیں۔۔۔کرسکتے۔ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

شیعہ کی تیسری دلیل:

صحیح بخاری و مسلم میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کا قصد فرمایا تو جناب امیر کو بال بچوں کی حفاظت کیلئے مدینہ طیبہ میں مقرر فرمایا۔ کفار نابکار نے جناب امیر کو طعنہ دیا۔۔۔آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا۔۔۔اور عرض کی۔۔۔کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی دلجوئی کیلئے فرمایا: اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی تجھے پسند نہیں ہے کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ سے ہاں میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ شیعہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ۔۔۔رسول پاکؐ حضرت علیؑ کو اپنے بعد خلیفہ سمجھتے تھے۔ سو حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے آپ کی خلافت بلافصل پر استدلال ہو۔ کیونکہ

(۱) ہارون کو موسیٰ نے عارضی طور پر اپنی عدم حاضری میں خلیفہ مقرر کیا تھا گو وہ نبی مستقل تھے۔

(۲) اس قسم کی خدمت بہ سبب قرابت اپنے پسر یا داماد کے ہی سپرد کی جاسکتی ہے۔۔۔ایسی خدمت کو خلافت سے کیا تعلق ہے؟

(۳) یہ مسلم ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے پھر خلیفہ کیسے؟ جب مشبہ بہ ہی خلیفہ نہ ہوئے تو مشبہ کی خلافت کیسی؟

(۴) حضرت ہارون سے تشبیہہ صرف قرابت داری کی وجہ سے دی تھی ورنہ وہ نبی تھے۔۔۔عمر میں موسیٰ سے بڑے تھے۔ حقیقی بھائی تھے۔ جناب امیرؑ میں ان اوصاف میں سے ایک بھی نہ تھی۔

(۵) اس تشبیہہ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں جیسے ہارون بوجہ قرابت داری موسیٰ کی نیابت کرتے تھے۔ ویسے جناب امیر بھی۔۔۔بعد وفات موسیٰ حضرت ہارون نہیں بلکہ یوشع بن نون اور قالب بن یوحنا خلیفہ ہوئے اسی طرح بعد وفات نبی ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے گویا یہ حدیث شیعہ کی تردید کر رہی ہے نہ تائید (آفتاب صفحہ ۱۶۳)۔

الجواب:

یہ بھی مقام شکر ہے کہ مؤلف نے اس حدیث شریف کی صحت کا انکار نہیں کیا اور اسے تسلیم کر کے صرف اسکے معنی و مفاد میں تاویل کا جال بچھایا ہے اسلئے ہمیں اسکی صحت و تواتر پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ورنہ ہم حوالہ جات کے انبار لگا دیتے۔

بہر حال بخاری و مسلم میں اس کا موجود ہونا ہی اسکی صحت و وثاقت کیلئے کافی ہے۔۔۔اسلئے ہم صرف مؤلف کی تاویلات رکیکہ کے قلع قمع کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔۔۔سو واضح ہو کہ مؤلف کی تمام تاویلات علیلہ کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث صرف جنگ تبوک کے موقع پر ارشاد۔۔۔فرمائی ہے حالانکہ یہ خیال خام کتب سیر و تواریخ سے عدم واقفیت پر مبنی ہے کیونکہ ارباب علم واطلاع پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کم از کم دس مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے۔ جو ذیل میں مع حوالہ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بوقت عقد مواخات:

المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۱ ص ۶۳ رقم۔ الحدیث ۱۱۰۹۲ طبع بغداد۔ المعجم الاوسط طبرانی ج ۶ ص ۳۳۔ رقم الحدیث ۷۸۹۴ طبع سعودیہ۔ جامع الکبیر للسیوطی ج ۱۶ ص ۲۳۴، رقم الحدیث ۷۷۷۷، ج ۱۹ ص ۲۷۴ رقم الحدیث ۱۵۱۳۶ طبع بیروت، کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۰ طبع حیدر آباد دکن۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۴۲ ص ۱۰۸ طبع بیروت، وسیلۃ النجاۃ ملا مبین فرنگی محلی ص ۱۰۷ طبع گلشن لکھنو، فرائد السمطین باب ۲۱ ص ۱۲ طبع عراق، تذکرہ خواص الامہ باب ۲ ص ۳ طبع قدیم۔

(۲۔۳) وقت ولادت امام حسن وامام حسین علیہما السلام:

ذخائر العقبیٰ محب الدین طبری ص ۱۲۰ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ۔ ہدایت السعداء شہاب الدین دولت آبادی ص ۴۰۱۔ ہدایت نمبر ۹ قلمی۔ تاریخ الخمیس فی احوال النفس النفیس ج ۱ ص ۴۱۸ ملا حسین بن دیار بکری طبع موسسہ شعبان بیروت۔ شرف النبوۃ ص ۲۷۴ ابو سعید عبد الملک بن محمد الخرکوشی طبع بیروت، وسیلۃ المتعبدین از حافظ عمر بن محمد خضر الملا اردبیلی ص ۵۳ قلمی۔

(۴) یوم خیبر:

جیسا کہ مناقب علی لابن مغازلی شافعی ص ۲۳۸ حدیث نمبر ۲۱۶ طبع عراق، مناقب علی از امام موفق بن احمد مکی ص ۷۶ فصل نمبر ۱۳ طبع مصر، وسیلۃ المتعبدین حافظ عمر بن محمد خضر الاردبیلی ص ۶۰ قلمی، روضۃ الذویہ از محمد بن اسماعیل الامیر کحلانی ص ۳۹ مطبع انصاری دہلی، توضیح الدلائل شہاب الدین احمد شافعی ص ۱۵۴ قلمی، شفاء الصدور لابن السبع ابی الربیع سلمان حنفی ص ۴۰۶ طبع بولاق مصر، نظم درر السمطین محمد بن یوسف الزاہری ص ۱۹۱ طبع مطبعۃ القضاء عراق، ینابیع المودۃ حافظ سلیمان قندوزی حنفی ج ۲ ص ۱۳ باب نمبر ۴۴ طبع قسطنطنیہ، کفایۃ الطالب یوسف گنج شافعی ص ۲۶۴ باب نمبر ۶۲۔

(۵) وقت سد باب الا باب علیؑ:

مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۴ باب فتح بابہ الذی فی المسجد طبع قاہرہ، کفایۃ الطالب ص ۲۸۴ باب نمبر ۷۰، مناقب ابن مغازلی

شافعی ص ۲۵۵ حدیث نمبر ۳۰۳ طبع عراق، مناقب حافظ ابن خوارزمی حنفی ص ۶۰ فصل نمبر ۹۔

(۶) بوقت ارشاد ''علیؑ اول المسلمین ہیں'':

جیسا کہ کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۵، تاریخ دمشق ابن عساکر ج ۴۲ ص ۲۳۴ طبع بیروت، ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۷۰ ذکر اختصاصہ بانہ من النبی بمنزلہ ھارون من موسیٰ طبع قاہرہ، مسند الفردوس ج ۵ ص ۳۱۵ حدیث نمبر ۸۲۹۹، طبع بیروت، مناقب خوارزمی ص ۱۹ فصل نمبر ۴ کتاب الکنیٰ ابو احمد الحاکم ص ۱۸ طبع مصری، فصول المہمہ لابن صباغ مالکی ص ۱۲۴۔ فصل فی ذکر مناقب الحسنینؑ طبع عراق۔

(۷) بوقت ارشاد علیؑ سردار و امیر المؤمنین ہیں:

جیسا کہ انس بن مالک سے ابن مردویہ نے بیان کیا ہے۔

(۸) بوقت ارشاد ''لحمک لحمی و دمک دمی'':

المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۲ ص ۱۵ حدیث نمبر ۱۲۳۴۱ طبع بغداد، جامع الکبیر للسیوطی ج ۱۱ ص ۱۷۱، ۳۶۱ حدیث نمبر ۳۴۴۲۲، ۳۳۴۴۷، حدیث نمبر ۴۹۸۹، ۴۰۱۴، ۳۴۴۰ طبع بیروت، کنز العمال ج ۶ ص ۲۵۴ طبع دکن، روضۃ الندیہ محمد بن اسماعیل کحلانی ص ۴۳ طبع دہلی، الاکتفاء فی فضل اربعۃ الخلفاء ص ۱۱۰ طبع بیروت، منقبۃ المطہرین فی اھل بیت محمد سید الاولین والاخرین ص ۲۶۷ قلمی۔

(۹) حضرات جعفرؓ و عقیلؓ و علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

الاکتفاء فی فضل اربعۃ الخلفاء ابراہیم یمنی شافعی ص ۱۲۵ طبع بیروت، معارج العلی فی فضل علیؑ از محمد صدر عالم ص ۸۷ طبع حلب، اخبار الدول و آثار اثار ص ۱۲۲ طبع بغداد

(۱۰) روز غدیر خم:

جیسا کہ علامہ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الدعیان میں ترجمہ ابو تمیم معد اللقب بالمستنصر میں بیان کیا ہے اس بیان حقائق ترجمان سے مؤلف کے سارے قصر استدلال کی اساس و بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے اور اس سے واضح و عیاں ہوجاتا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سوائے مقامِ نبوت کے جناب امیرؑ کو وہ تمام مراتب و مدارج حاصل ہیں جو جناب ہارون کو حاصل تھے کہ منجملہ ان مدارج کے ایک وزارت، دوسری خلافت تیسری نصرت، چوتھی اخوت اور پانچویں شرکت درامرِ نبوت قرآن سے ثابت ہیں۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک آخری مرتبہ نبوت کی نفی فرمائی ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسکے علاوہ

جسقدر منازل ہارونی ہیں وہ سب جناب امیرؑ کے لئے ثابت ہیں۔ جن میں خلافت بھی شامل ہے وھو المقصود۔

علاوہ بریں۔ علماء محققین عربیت کا اتفاق ہے کہ اسم جنس جب مضاف ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے (ملاحظہ ہوں شرح مختصر الاصول ابن حاجب وشرح منہاج الوصول قاضی بیضاوی اور توضیح تلویح وغیرہ کتب اصول فقہ)۔ نیز یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ جس کلام میں استثناء کرنا صحیح ہو وہ کلام مفید عموم ہوا کرتا ہے جیسے **ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنو** (سورہ والعصر)۔ ان مسلم قواعد کی روشنی میں بھی اس حدیث منزلت سے عموم مستفاد ہوتا ہے کیونکہ ایک تو یہاں لفظ ''منزلت'' اسم جنس ہے جو مضاف ہے ''بمنزلہ ہارون'' دوسرے اس کلام میں استثنا بھی موجود ہے (**الا انہ لا نبی بعدی**) لہٰذا یہ کہنا کہ یہاں تشبیہہ صرف قرابت داری کی وجہ سے ہے، صرف زندگی میں ہے۔ بال بچوں میں چھوڑنے میں ہے وغیرہ وغیرہ یہ حقائق کا منہ چڑانا ہے یا پھر علم عربیت سے اپنی تہی دامنی کا اعلان کرنا ہے، یہ کہنا کہ حضرت ہارون بڑے تھے، حقیقی بھائی تھے پہلے فوت ہو گئے تھے، کسقدر عامیانہ اعتراضات ہیں؟ کیا مؤلف کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عمر میں چھوٹا یا بڑا یا سگا یا سوتیلا ہونا پہلے یا بعد میں مرنا کسی شخص کے مراتب و مدارج میں داخل نہیں ہوتا۔ اور یہاں صرف مدارج ہارونیؑ کا اثبات جناب امیر کے لئے مقصود ہے نہ انکے تمام کوائف حیات کا اور یہ کہنا بھی کس قدر بعید از حقیقت ہے کہ جناب ہارون تو جناب موسیٰ کی زندگی میں فوت ہو گئے تو پھر خلیفہ کیسے؟ یہ درست ہے کہ انکو جناب موسیٰ کی وفات کے بعد بوجہ پہلے وفات پا جانے کے انکی مسند خلافت پر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر موت حائل نہ ہوتی تو مسند موسوی پر کون بیٹھتا؟ ہارون یا کوئی اور؟ اگر جواب اثبات میں ہے (اور یقیناً اثبات میں ہوگا) تو پھر یہاں تو جناب علیؑ مثیل ہارون موجود تھے ان کو نظر انداز کر کے کسی اور کو پیغمبر خاتم ﷺ کی مسند پر بٹھانا چہ معنی وارد؟ خلافت و نبوت میں کوئی تضاد نہیں ہے جس طرح جناب یوشع نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ اسی طرح اگر جناب ہارون زندہ رہتے تو وہ بھی ان دونوں عہدوں پر فائز ہوتے یعنی نبی بھی ہوتے اور خلیفہ بھی۔ نبی خدا کے ہوتے اور خلیفہ موسیٰؑ کے **العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص المورد** کی صداقت مسلم ہے جناب ہارون کے حضرت موسیٰ کے عین حیات میں خلیفہ بننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکی خلافت صرف حین حیات تک ہی محدود تھی۔ **کما لا یخفی۔**

شیعہ کی چوتھی دلیل:

قال اللنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ ۔ ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا میں چھوڑے جاتا ہوں تم میں دو وزنی چیزیں۔ کتاب اللہ اور اپنے اقارب کو اگر تم ان کی اتباع کرو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس حدیث سے بھی شیعہ جناب علیؑ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے خلافت آنجناب پر دلالت ہو ہاں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ شیعہ وسنی ہر دو فریق سے کون کتاب اللہ وعترت رسولؐ کی عزت کرتا ہے اور ان کے ساتھ تمسک کرتا ہے۔

ثقل اکبر:

قرآن پاک کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے۔ وہ اس کی تلاوت میں شب وروز مصروف ہیں۔ حفظ قرآن اہلسنت کے مردوں کا معمول ہے۔۔ برخلاف اسکے شیعہ حضرات اسکو صحیح ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسکو محرف پر از اغلاط سمجھتے ہیں۔ بوجہ عناد جامع القرآن بالکل عزت نہیں کرتے اسی لئے شیعہ حفظِ قرآن کی نعمت سے محروم ہیں۔۔ اور سال بھر میں نماز تراویح میں سنیوں کی ہر ایک مسجد میں قرآن ہوتا ہے۔ لیکن شیعہ تراویح کے سرے سے ہی منکر ہے۔۔۔

ثقل اصغر:

عترت رسول ﷺ کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے۔ ہم عترت رسول ﷺ سے محبت رکھنا اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔۔۔ اور کسی بزرگ پر طعن دراز کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ لعنت تبرا بازوں کو مبارک ہو۔ رحمۃ للعالمین کی امت میں کسی کو برا کہنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔

؎ کفر است در طریقت ما کینہ داشتن ☆ آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہاں روافض کی زبان طعن سے نہ اپنا بچ سکتا ہے نہ بیگانہ۔۔۔

توہین عترتؑ رسولؐ:

عترتؑ رسولؐ سے مراد آپ کے خویش واقارب ہیں۔ شیعہ عائشہ وحفصہ کو معاذ اللہ کافر ومنافق کہتے ہیں۔ تحفہ العوام ج ۱ ص ۲۰ میں ہے کتاب تہذیب میں وارد ہے کہ جائے نماز سے نہ اٹھو جب تک بنو امیہ پر لعنت نہ کرو۔ مراد ان سے چار مرد ہیں کہ حق مرتضیٰؑ کا چھین لیا۔ محسن کو شہید کیا۔ نسبت نبیؐ اتہام بہ ہذیان کیا اور چار عورتیں ہیں کہ ازار پہنچایا۔ نسبت رسول مقبولؐ کی۔۔۔ اسی صفحہ پر آگے ایک دعا لکھی ہے۔۔۔ وأبرا من فلان وفلان وفلانة لعنة اللّٰہ علیھم وعلی اولیائھم۔

سنی بھائی توجہ کریں:

جو سنی بھائی ایسے روافض سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں کہ جو تمہارے بزرگان دین۔۔ سے یہ سلوک روا رکھتے ہوں۔۔۔ کہ لعنت وتبرا کرنا یومیہ ورد ہو۔۔۔ پھر حیف ہے کہ غیور سنی ایسے بدطینت اشخاص کو اپنا دوست بنائے۔

سنی کا جنازہ:

کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اول تو سنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے اگر بضرورت پڑھے تو بجائے دعا کے میت پر بد دعا کرے۔ چنانچہ تحفۃ العوام ص ۱۳۸ میں ہے'اور اگر میت سنی خلاف مذہب ہو اور بضرورت نماز پڑھنا پڑھے تو بعد چوتھی

تکبیر کے کہے اللھم اخذ عبدک فی عبادک و بلادک اللھم اصلہ حر نارک اللھم اذقہ اشد عذابک۔۔۔
سنیو جانتے ہو یہ لوگ تمہارے جنازوں میں شامل ہو کر میتوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ کیا تم اس بات کو گوارا کر سکتے ہو کہ ایک شخص تمہارے عزیز یا بزرگ کے جنازہ پر کھڑا ہو کر اس کیلئے بددعائیں کرے۔

نہ آنے دیجیو انہیں لاش پر خدا کے لئے ☆ نماز پڑھنے جو آئیں گے بدعا کے لئے

پھر عترت رسولؐ میں سے آنحضرتؐ کی تین لڑکیوں کو۔۔۔ اولاد رسولؐ سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔۔۔ حضرت علی المرتضیٰؑ، فاطمۃ الزہراءؑ، حسنینؑ سے اگرچہ بظاہر محبت کا ادعا ہے لیکن۔۔۔۔ بوقت ضرورت حضرت علیؑ کو گالی گلوچ دے لینا۔ واہ چہ خوش۔

حضرت علیؑ کی ہجو ملیح:

طفولیت کا معجزہ شیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ ابھی شیر خوار بچے تھے کہ مکہ میں اژدہا نمودار ہوا جس کا سر مثل پہاڑ کے تھا۔ چار سو گز لمبا تھا۔۔۔ دانت چار بالشت تھے منہ بیس گز چوڑا۔۔۔ آپ نے لیٹے لیٹے اس کو سر سے پاؤں تک چیر دیا۔۔۔ (فضائل مرتضوی ص ۲۱، ۲۲)

دوسرا معجزہ:

خیبر کی لڑائی میں یہود کی طرف سے ایک جواں مرحب نامی مقابل آیا آپ نے جو تلوار ماری اسکو دو نیم کرتی ہوئی زمین پر اور وہاں سے اتر کر گاؤ زمین تک پہنچی۔ حامل زمین کو چیرنے کو تھی کہ جبرائیل نے پر نیچے بچھائے جو کٹ کر پرے جا پڑے (بعد ازاں اسی واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ انوار نعمانیہ سید جزائری سے نقل کیا ہے جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں)۔۔۔ شیعہ صاحبان کو ایسی دور از عقل و قیاس روایات لکھنے سے شرمانا چاہیئے۔۔۔ تعجب ہے کہ تلوار کا وجود زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ ہوگا پھر وہ کس طرح ساتویں طبقات زمین کو چیر کر گاؤ زمین تک جا پہنچی۔۔۔ پھر اس کے مقابلہ میں جب تفریط سے کام لیکر آپکی شان گھٹانے لگتے ہیں تو پھر خارجیوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کی ہتکِ صریح:

حضرات شیعہ جناب امیرؑ کی شجاعت کے اسقدر افسانے بیان کرنے کے باوجود جب دوسرا پہلو بدلتے ہیں تو جناب شجاعت مآب کو نکما اور بزدلانہ بنا دیتے ہیں کہ مخالفین آپ کو گلے میں رسی ڈال کر۔۔۔ گھسیٹتے لے جاتے ہیں۔۔۔ خاتون جنت کے شکم محترم پر دروازہ گرا کر محسن کو شہید کر دینے کی روایات بیان کر کے توہین عترت رسولؐ کا حق ادا کرتے ہیں (بعد

ازاں جلاء العیون اردو ص ۱۸۲ سے اس مضمون کی دو روائیتیں نقل کی ہیں)۔۔۔۔

اب جائے غور ہے اس سے زیادہ توہین عترت رسولؐ کیا ہوسکتی ہے کہ اصحاب کو بدنام کرنے کیلئے ایسی روایات وضع کی جاتی ہیں۔۔۔کیا کوئی عقلمند۔۔۔یقین کرسکتا ہے کہ اگر اصحاب رسول خاتون جنت کی یوں ہتک کرتے تو کوئی تنفس بھی انکی بیعت اختیار نہ کرتا اور جناب امیر خاتون جنت کی اس درجہ توہین دیکھ کر خاموش رہ سکتے؟۔۔۔۔یا یہ کسی کو جرأت تھی کہ شیر خدا کی گردن میں رسی ڈال کر گھسیٹ کرلے جاتے اور آپ چوں تک نہ کریں۔۔۔۔(آفتاب ہدایت ازص ۱۶۳، ۱۶۹)

الجواب:

اب مؤلف نے متفق علیہ عند الفریقین حدیث نبوی۔معروف بہ حدیث الثقلین کے مفاد ومفہوم پر قدح کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے اور حسب عادت تالیف کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے بالکل غیر مربوط اور غیر متعلق مباحث ومسائل کی بھرمار کر کے قریباً ۴۶ چھیالیس صفحات اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کرڈالے ہیں مگر کام کی ایک بات بھی نہیں کہی۔اس حدیث شریف کی صحت وثاقت اسقدر مسلم ہے کہ مؤلف کو بھی باہمہ تعصب وعناد اس میں خدشہ کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی اور بھلا ہو بھی کیسے سکتی تھی جبکہ یہ دوسری ہزاروں کتابوں کے علاوہ خود صحاح ستہ کی اکثر کتابوں میں اسناد صحیحہ کے ساتھ مروی ہے اور بڑے بڑے علماء اہلسنت نے نہ صرف اسکی صحت بلکہ اس کے متواتر ہونے کی تصریحات کی ہیں۔ہاں حسب عادت یہ کہہ کر اسکے دلیل امامت ائمہ اہلبیتؑ ہونے پر تنقید کی ہے کہ ''اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے خلافت آنجنابؑ (حضرت علیؑ) پر دلالت ہو'' اور پھر سارا زور شیعیان حیدر کرار کی مذمت کرنے اور اپنے متمسک بہ قرآن وعترت ہونے پر صرف کیا ہے۔ہم ذیل میں اس حدیث کی دلیل امامت ائمہ اہلبیتؑ ہونے اور اہلسنت کے مخالف قرآن وعترت ہونے اور انکی توہین کے مرتکب ہونے اور شیعیان حیدر کرار کے ہی صحیح معنوں میں قرآن و عترت کے دامن سے متمسک ہونے کا ثبوت قطعی دلائل وبراہین کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں مؤلف نے بخیالِ خویش جن بے ہودہ مسائل کا تذکرہ کیا ہے انکے حلی والزامی جوابات بھی پیش کریں گے تاکہ بموجب ''کلوخ انداز را پاداش سنگ است''، شیعیان علیؑ کو چھیڑنے کا انکو مزہ معلوم ہوجائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چل جائے کہ انکے امام اعظم کے ٹکسال کے مسائل کیسے ہیں؟

جائیں گے آپ کس طرف شیعوں کو چھیڑ کے ☆ رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

دلالت حدیث ثقلین بر امامت ابوالحسنینؑ:

اگرچہ ہم اب امیرؑ ودیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنی کتاب ''تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین'' میں لکھ چکے ہیں یہاں

صرف کچھ اشارات پیش کئے جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ حدیث شریف بچند وجہ حضرت امیر المؤمنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرین کی امامت وخلافت الہیہ پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اول: جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ اہلبیتؑ کو (عنقریب واضح کیا جائیگا کہ یہی بزرگوار عترت رسولؐ ہیں) لفظ ''ثقل'' کے ساتھ تعبیر کر کے انہیں عدیل وثانی قرآن قرار دیا گیا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علوم و معارف حقہ یقینیہ قرآن و مسائل شرعیہ اُصولیہ و فروعیہ از قسم حلال وحرام انہی ذوات مقدسہ علیہم السلام سے حاصل کرنے چاہئیں اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب یہ حضرات قرآن کے تمام ظواہر و بواطن اور اسکے تمام اسرار و رموز کے تعلیم ربانی سب لوگوں سے بڑے عالم ہوں۔ اعلمیت اہلبیت کی تائید مزید اسی حدیث ثقلین کے اس تتمہ سے بھی ہوتی ہے جو اس کے بعض طرق میں موجود ہے کہ ''**لا تعلموهم فانهم اعلم منكم**'' تم ان (عترت طاہرہ) کو نہ پڑھانا کیونکہ یہ تم سے بڑے عالم ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۹۰ طبع قدیم وغیرہ)

ظاہر ہے کہ جس کا علم زیادہ ہوگا۔ وہی مسند رسالت کا وارث ہوگا کیونکہ علم وشجاعت ہی معیار خلافت ہے جیسا کہ قصہ آدمؑ و طالوتؑ سے واضح ہے:

وجہ دوم: آنحضرت ﷺ نے تمام امت کو ضلالت و گمراہی سے بچنے اور جادۂ رشد و ہدایت پر چلنے کیلئے قرآن اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ جب عترت طاہرہ بھی مثل قرآن ہر قسم کی علمی و عملی لغزش وخطا سے منزہ و مبرا ہو اور درجہ عصمت و طہارت پر فائز ہو۔ ظاہر ہے جو معصوم ہوگا وہی معصوم نبی کی مسند کا جانشین ہوگا (قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ عصمت کو خاصۂ انبیاء قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ جن دلائل عقلیہ اور ضرورات شرعیہ کی بنا پر نبی کے لئے عصمت ضروری ہے بعینہٖ انہی دلائل و وجوہ کی بنا پر خلیفۃ النبی کیلئے بھی عصمت لازمی ہے۔ نیز عصمت و وحی میں بھی ہرگز کوئی باہمی تلازم نہیں ہے کہ جو معصوم ہو اس پر وحی شریعت بھی ہو۔ **کما لا یخفی**۔

وجہ سوم: مخبر صادقؐ نے خبر دی ہے قرآن وعترت قیامت تک ایسے دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کا کوئی قول و فعل اور انکی کوئی حرکت وسکون قرآن کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنے ہر قول و کردار میں قرآن کے ساتھ اور قرآن انکے ساتھ ہوگا۔۔۔ اس سے بھی روز روشن کی طرح انکی عصمت وطہارت واضح وآشکار ہوتی ہے لہٰذا جو معصوم ہوگا وہی خلیفہ وامام ہوگا۔۔۔

وجہ چہارم: اس حدیث شریف میں سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی تمام امت کو قرآن وعترت کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ عترت رسول قرآن کی طرح تمام لوگوں سے افضل واشرف ہے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جو افضل الامتہ ہوگا۔ وہی مسند رسالت کا ولی وارث ہوگا۔۔۔ **لان تقديم المفضول على الفاضل قبيح عقلاً و نقلاً**۔

وجہ پنجم: اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد تمام امت کو قرآن کے ساتھ ساتھ عترت اطہار کے دامن کے ساتھ تمسک کرنے یعنی قول وفعل میں ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ضلالت وگمراہی سے بچنے کا اسے واحد راستہ بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جسکی ہر معاملہ میں اطاعت مطلقہ واجب ولازم اور ہر حال میں باعث رشد وہدایت ہو اور جسکی مخالفت موجب ضلالت وگمراہی وہ خلیفہ وامام ہی ہوسکتا ہے۔ اس امر کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث کے بعض اسناد میں بجائے لفظ ثقلین خلیفتین وارد ہے کہ میں تم میں دو خلیفے چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک قرآن دوسری عترت! (ملاحظہ ہو مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۷۔ تفسیر در منثور بذیل واعتصمو بحبل اللہ۔۔۔ کنز العمال مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ جواہر العدین حمودی وغیرہ)

وجہ ششم: اگر یہ بات درست ہے (اور یقیناً درست ہے) کہ خلیفہ وامام وہی ہوتا ہے جسے خدا اور رسولؐ اس منصب جلیل کیلئے منتخب کریں نہ وہ جو اجماع وشوریٰ یا قہر وغلبہ سے مسندِ رسول پر قابض ہوجائے تو پھر آنحضرت ﷺ نے اس غیر فانی حدیث میں امت کو اتباع عترت طاہرہ کا حکم دیکر خلافت وامامت کو ائمہ اہلبیتؑ میں منحصر کر دیا ہے اور انہی کو ہادی ورہنما تسلیم کرنے کا اپنی امت کو حکم دے دیا ہے اب اگر کوئی اور شخص مسند رسولؐ پر بیٹھے گا تو وہ ''خالفہ'' تو ہوسکتا ہے مگر خلیفۂ رسول نہیں ہوسکتا۔ الی غیر ذالک من الوجوہ الکثیرۃ التی یفیق من ذکرھا نطاق البیان۔

اہلسنت کے نزدیک قرآن کی قدر ومنزلت:

اس مقام پر مؤلف نے اپنے دعوائے احترام قرآن کے ساتھ ساتھ شیعیوں کو کچھ کوسنے بھی دیئے ہیں کہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اسکی قدر نہیں کرتے۔۔ جہاں تک شیعیان حیدرؑ کرار کے موجودہ قرآن کو صحیح جاننے، اس کی تعظیم وتکریم کو لازم ماننے اور اسکی تعلیمات کو واجب العمل قرار دینے کا تعلق ہے تو ہم ابتداء کتاب میں بذیل بحث ''تحریف القرآن'' اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔۔۔ یہاں صرف یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ اہلسنت کے دل میں قرآن کی کسقدر عزت وعظمت ہے اس کا اندازہ لگانے کیلئے بطور تازیانہ عبرت درج ذیل واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کا خون اور پیشاب تک سے لکھنا جائز ہے اس کا جلانا روا۔۔۔ اور اسے تیروں کا نشانہ بنانا حلال ہے۔ شاید مؤلف کی لغت میں احترام قرآن کے یہی معنیٰ ہونگے؟

ع ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے؟

اہلسنت کے نزدیک قرآن کا خون اور پیشاب سے لکھنا جائز ہے!

والذی رعف فلا یرقأ دمہ فان ارا و ان یکتب بدمہ علی جھتہ شیئاً من القرآن قال ابو بکر الاسکافی یجوز قیل و الکتب بالبول قال لو کان فیہ شفاء لا بأس قیل لو کتب علی جلد میتۃ قال ان کان فیہ شفاء جاز۔۔۔ یعنی اگر کسی شخص کی نکسیر

پھوٹے اور خون نہ رکتا ہو تو اگر اس خون سے پیشانی پر کچھ قرآن لکھنا چاہے؟ تو اسکے متعلق مفتی ابوبکر اسکاف کہتے ہیں کہ جائز ہے، کہا گیا کہ اگر پیشاب سے (قرآن) لکھا جائے تو؟ کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے! کہا گیا اگر حرام چمڑے پر لکھا جائے تو؟ کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے (ملاحظہ ہو فتاوئے عالمگیری ج ۵ ص ۱۳۴ طبع دہلی۔ فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۳۶۴ طبع نول کشور) اور کتاب درمختار ج ۱ ص ۱۴۰ ترجمہ اُردو میں لکھا ہے۔ ''مسئلہ'' ''سورہ الحمد کو خون اور پیشاب سے ناک اور پیشانی پر لکھ کر لگانے کی اجازت واسطے حاصل کرنے شفا کے اور بعض کا قول ہے کہ واسطے شفا کے مراد کی کھال پر بھی لکھ لینا کوئی حرج نہیں'' ۔۔۔ کہاں ہیں قرآن کی عزت کرنے کے دعویدار! کیا اسی کا نام عزتِ قرآن ہے؟ کیا شیعیان اہلبیتؑ کی کتابوں میں بھی اس طرح توہین قرآن کی اجازت دی گئی ہے؟ یا ان میں **لا شفاء فی الحرام** کہہ کر ایسا کرنے کو گناہ کبیرہ بلکہ کفر قرار دیا گیا ہے؟ ۔۔۔ اسی طرح جناب عثمان کا قرآن کو جلانا بخاری شریف سے ثابت ہے (ج ۳ ص ۱۴۰ طبع مصر قدیم) اور اہلسنت کے بارھویں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کا قرآن کو تیروں کا نشانہ بنانا کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے (کتاب ادب الدین والدنیا ص ۳۰۳ طبع بمبئی برحاشیہ کشکول بہائی) کیا شیعوں کے ائمہ و خلفاء نے بھی کبھی قرآن کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟ **ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین!**

اہلسنت کے نزدیک عترت رسولؐ کی قدر و منزلت:

مؤلف نے دعویٰ کیا ہے کہ ''عترت رسول کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے''۔ دلوں کا حال تو علیم بذات الصدور کو ہی معلوم ہے لیکن جہاں تک ظاہری حالات کا تعلق ہے (اور واضح ہے کہ ظاہر آئینہ باطن ہوتا ہے) تو اہلسنت اور اہلسنت کے بزرگوں نے جو سلوک عترت رسولؐ کے ساتھ کیا ہے اسکے پیش نظر یہ کہنے میں ہرگز کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ

ع ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند!

جب اہلسنت کے خلیفے ہیں اور امام ہیں تو اور مفسر ہیں تو اور! محدث ہیں تو اور فقیہہ اور مجتہد ہیں تو اور پیر و مرشد ہیں تو اور تو پھر معلوم نہیں وہ عترت رسول کو مانتے کیا ہیں ۔۔۔؟ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ اس کھلی ہوئی ناانصافی کا خود بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کو بھی احساس ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان مترجم و شارح صحاح ستہ اپنی کتاب انوار اللغہ مطبوعہ بنگلور پ ۴ پر بذیل حدیث ثقلین رقمطراز ہیں۔

ائمہ اہلبیتؑ کے ساتھ اہلسنت کی بے انصافیاں:

''اور مقلدوں نے کیا کیا زبانی محبت اہلبیتؑ کی تو ڈینگ مارتے ہیں لیکن عملاً ذرا بھی اہلبیتؑ کی طرف توجہ نہیں۔ ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابوحنیفہ اور شافعی اور ابو یوسف اور محمد بن حسن اور زفر کے اقوال بھرے پڑے ہیں۔ میں نے آج تک کسی

حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا جو حضرت امام صادقؑ یا امام باقرؑ یا دوسرے ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال تلاش کر کے ان پر چلے۔۔۔ وہ ہر مسئلہ میں اپنے مجتہدین پر جان دیتے ہیں۔۔۔ معاذ اللہ یہ کیا آفت مسلمانوں پر چھا گئی جنکی پیروی کا حکم تھا ان کو تو چھوڑ بیٹھے اور الفتوں کو پیشوا بنا لیا''۔

اسی انوار اللغہ کے ص ۲۵، ۲۴ پر لکھتے ہیں'' نام کے سنیوں نے عترت کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ بجائیے اسکے کہ امام حسنؑ و امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ و امام علی رضاؑ کے اقوال سے اپنی فقہ بناتے انہوں نے اپنی کتابیں ابوحنیفہ و شافعی کے اقوال سے بھر دیں۔ کبھی جھوٹوں بھی کسی مسئلہ میں اہلبیت طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے یہ قیامت نہیں تو کیا ہے؟'' اسے کہتے ہیں

ع جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

اور گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اے کاش! کہ صرف عترت رسولؐ کو نظر انداز کرنے پر ہی اکتفا کی جاتی مگر ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ان معصومؑ اور مقدس ہستیوں کو جرح و تنقید کا ہدف بھی بنایا گیا۔۔۔ چنانچہ یہی علامہ وحید الزمان نے کہا۔

بعض علماء اہلسنت کی آئمہ اہلبیتؑ پر تنقید شدید:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں:'' امام جعفر صادقؑ مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے! اور بڑے ثقہ اور فقیہہ اور حافظ تھے۔۔۔ اور امام مالک و امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہوا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو لکھتے ہیں'' فی فنسی منه شئی و مجالد احب الی منه'' حالانکہ مجالد کو امام صاحب سے کیا نسبت رتبہ ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ امام پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں سے۔۔۔ روایت کی اور امام جعفر صادقؑ جو ابن رسول اللہؐ ہیں انکی روایت میں شبہ کرتے ہیں'' (انوار اللغتہ پ ۵ ص ۷ ۴پ ۱۴ ص ۳۸، ۳۹ پ ۱۶ ص ۱۸) کذافی میزان الاعتدال للذہبی ج ا ص ۱۹۲ طبع مصر) ابن تیمیہ حرانی نے منہاج السنہ ج ۲ ص ۱۳۱ طبع مصر پر۔ امام حسن عسکری علیہ السلام پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'' امام حسن بن علی عسکریؑ کے زمانہ میں علماء معروف موجود تھے۔ مگر انہوں نے اپنی کتابوں میں ان سے کوئی روایت نہیں لی جیسے بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ جو ان کے ہم زمان یا قرب العہد تھے تو معلوم ہوا کہ انکے نزدیک وہ معتمد نہیں تھے''۔ (معاذ اللہ)۔۔ اسی طرح ج ۲ ص ۱۲۵ پر جناب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے متعلق یوں زہر اگلا ہے کہ علی بن موسیٰؑ کے زمانہ میں ان سے زیادہ عالم و زاہد شافعی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل۔ معروف کرخی وغیرہ موجود تھے۔ لیکن انہوں نے علی رضاؑ سے کوئی حدیث یا علم کی کوئی بات اپنی کتاب میں نقل نہیں کی مطلب یہ کہ یہ ان کے نزدیک قابل اعتبار اور ثقہ نہ تھے۔ (خاک بدہن قائل)

؎ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ☆ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اسی بل بوتے پر مؤلف یہ کہتے ہیں: ''ہم تو رحمت اللعالمین کی امت ہیں کسی کو برا کہنا ہمارا شیوہ نہیں ہے''

؎ اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت ☆ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

انہی حقائق کی روشنی میں شاہ عبدالعزیز کے اس رویائے صادقہ کی صداقت کا راز معلوم ہوجاتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب فتاویٰ عزیزی جلد ا ص ۱۹۸ پر درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو خواب میں جناب امیر علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے جناب سے دریافت کیا کہ مذاہب فقہاء میں سے آپکو کونسا مذہب پسند ہے؟ فرمایا: ''ان کا کوئی مذہب ہم کو پسند نہیں یا یہ فرمایا ''ہمارے طریقہ پر نہیں''۔

صرف شیعہ ہی قرآن وعترت کے ساتھ متمسک ہیں:

اگر تعصب وعناد کی عینک اتار کر حقائق کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر نظر آتی ہے کہ تمام اسلامی فرقوں میں سے صرف اور صرف فرقہ شیعہ ہی وہ واحد فرقہ ہے جو قرآن اور عترتؑ رسولؐ انام کو ہی مرکز رشد وہدایت اور انکی مخالفت کو عین ضلالت وغوایت سمجھتا ہے اور وہ اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں نیز اصول وفروع دین میں صرف اور صرف قرآن اور محمد وآل محمد علیہم السلام کے فرمان ہی کو حجت وبرہان سمجھتا ہے اور قرآن کے تمام معارف اور اسلام کے تمام حقائق خواہ تفسیر ہو یا حدیث، فقہ ہو یا کلام، الغرض وہ تمام اسلامی علوم ومعارف کو رسولؐ کے بعد آلِ رسولؐ سے ہی حاصل کرتا ہے اور انہی کو دین ودنیا کا بادشاہ سمجھتا ہے۔ وذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء یعنی

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تا نبخشد خدائے بخشندہ

اتہام توہین کا ازالہ:

مگر بایں ہمہ مؤلف نے شیعوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ عترت رسولؐ کی توہین کرتے ہیں۔۔ اور پھر عترت کی ''خویش و اقارب'' سے تفسیر کرنے کے بعد اس میں عائشہ وحفصہ کو بھی داخل فرمادیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تا حال انکو مصداق عترت کا بھی علم نہیں ہے تو پھر وہ انکی تعظیم وتکریم کس طرح کریں گے؟ اگر اسلامی برادری میں اختلاف ہے بھی تو اہلبیت کے مصداق میں ہے! کہ ان سے مراد کون حضرات ہیں؟ ورنہ ''عترت'' کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ ''عترت'' اولاد اور ذریت اور نسبی قریبی رشتہ دار کو کہا جاتا ہے (المنجد ص ۴۸۶ وغیرہ کتب لغت دیکھی جاسکتی ہیں) سببی رشتہ داروں کو (جن میں بیویاں شامل ہیں) بالاتفاق عترت نہیں کہا جاسکتا!

مصداق اہلبیت کی تعیین:

اور اگر ہر قسم کے گرد ہی تعصبات سے بالا ہو کر فریقین کی کتب تفسیر وحدیث دیکھی جائیں تو یہ بات واضح وعیاں ہوجاتی ہے کہ ''اہلبیت'' کے مصداق بھی صرف اصحاب کساء (بشمول دیگر ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔۔۔ نہ کہ ازواج النبی۔۔۔ چنانچہ صحیح مسلم جز ۷ ص ۱۳۵ پر روایت عائشہ مروی ہے کہ ''خرج النبی غداةً و علیه مرط مرحل من شعر اسود فجا الحسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین فادخله ثم جاء ت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیراً''۔ ''یعنی ایک دن بوقت صبح آنحضرتؐ اس شان سے دولت سرا سے برآمد ہوئے کہ دوش مبارک پر سیاہ بالوں کی منقش عبا تھی۔ اسی اثناء میں یکے بعد دیگرے حسنؑ وحسینؑ وفاطمہؑ اور علیؑ آتے رہے اور آنحضرتؐ ان کو دامن عبا کے نیچے داخل کرتے رہے جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے آیت تطہیر کی تلاوت کی''۔ جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ یہی مصداق اہلبیتؑ ہیں (ایضاً ج ۲ ص ۸۳) اور تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۹۹، ۱۹۸ وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب امام حسنؑ وحسینؑ اور جناب سیدہ اور حضرت علیؑ کو دامن عبا میں لیکر فرمایا اللھم ھؤ لاء و اھلبیتی! یا اللہ! یہ ہیں مرے اہلبیتؑ (کذا فی الترمذی۔ والسنن البیہقی وتفسیر ابن جریر۔ والطبرانی۔ وابی حاتم دار بن منذر والمستدرک للحاکم وغیرہا)

مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۹۶ وکنز العمال ج ۷ ص ۱۰۳ میں جناب ام سلمہؓ کی زبانی مروی ہے کہ میں نے دامن عبا کو اٹھا کر اندر داخل ہونا چاہا تو آنحضرتؐ نے فرمایا تنحی عن اھلبیتی! اے ام سلمہ! میرے اہلبیت سے دور ہوجا! فتنحبت فی ناحیة البیت! چنانچہ میں مکان کے گوشہ میں بیٹھ گئی۔۔۔ اور تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۹۸ وتفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۶ میں مذکورہ بالا روایت میں اسقدر اضافہ ہے کہ جناب ام سلمہ نے عرض کیا۔ الست من اھل البیت؟ کیا میں اہلبیت سے نہیں ہوں؟ فرمایا انت من ازواج النبی ''تم نبی کے ازواج میں سے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کسطرح اس بات کی صراحت ہوسکتی ہے کہ اہلبیت نبی اور ہیں اور ازواج نبی اور؟ اسی طرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰ میں ہے جناب زید بن ارقم صحابی کی زبانی جو اہلبیت کی وضاحت مروی ہے اس میں ازواج النبی کے اہلبیت میں داخل ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ فراجع۔۔۔ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۹۹ مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۸۵ مطالب السؤل ص ۸ مستدرک حاکم ج ۳ ینابیع ص ۱۷۴ باب ۵۵ وغیرہ کتب میں مروی ہے کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد مسلسل چھ مہینہ تک آنحضرتؐ ہر نماز کے وقت دروازۂ جناب سیدہ (فاطمۃ الزہراؑ) پر تشریف لے جاتے اور فرماتے الصلوۃ۔ یا اھل البیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ (سورہ الاحزاب آیت 33) انوار اللغۃ پ ۱ ص ۶۸ میں مذکور ہے۔ سئل الصادق من اھلبیته قال الائمه۔۔۔ امام صادقؑ سے پوچھا گیا اہلبیت کون ہیں؟ فرمایا ائمہ علیہم السلام''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالتبع دوسرے ائمہ اہلبیتؑ بھی اہلبیت میں شامل ہیں۔

اب قابل غور بات ہے کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ میری ازواج میرے اہلبیت میں داخل نہیں ۔۔۔ اصحاب کہتے ہیں۔ بیویاں اہلبیت میں داخل نہیں۔ خود ازواج کا بیان ہے کہ ہم اہلبیت میں داخل نہیں ۔۔ بایں ہمہ اگر کوئی شخص یہ نہیں مانتا اور یہی رٹ لگاتا ہے کہ بیویاں اہلبیت میں داخل ہیں بلکہ یہی اہلبیت ہیں ۔۔ تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ''مدعی سست گواہ چست'' اسی کا نام ہے ۔۔ **وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ** (سورہ نور آیت 40)۔ ورنہ اگر ان مدعیوں میں کچھ بھی علمی دم خم ہے تو اپنی ہی کتابوں سے آنحضرت ﷺ کی صرف ایک ہی صحیح السند حدیث پیش کر دیں جس میں آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہو کہ میری ازواج میرے اہلبیت میں داخل ہیں ۔۔۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین! ۔۔ **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** (سورہ مائدہ آیت 47)۔

تولّا و تبرّا کا اجمالی بیان:

یہ شیعیان حیدر کرار پر سراسر تہمت ہے کہ وہ بعض ازواج النبی کو کافرہ و مشرکہ کہتے ہیں (العیاذ باللہ) ہم ان کو ازواج النبیؐ جانتے ہیں اور مؤمنوں کی مائیں مانتے ہیں۔ اور مؤلف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ تبرا کا معنی صرف کسی سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا ہے اور لعنت کے معنی رحمت الٰہی سے دوری کے ہیں لہٰذا تبرا اور لعنت کو گالی گلوچ کہنا خلاف واقعہ ہے۔ اچھے کو اچھا کہنا اور اس سے محبت کرنا اور برے کو برا سمجھنا اور اس سے نفرت کرنا عین تقاضائے فطرت اسلام ہے۔ اسکی مخالفت وہی کر سکتا ہے جس کی فطرت میں کجی ہو۔ (اس موضوع پر مزید تبصرہ بعد ازیں کسی مناسب جگہ پر کیا جائے گا انشاء اللہ)

نماز جنازہ کا بیان:

اس مقام پر مؤلف نے فتنہ وفساد کا بیج بوتے ہوئے (والفتنۃ اشد من القتل) تحفۃ العوام کے حوالہ سے جو یہ لکھا ہے ''کہ شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شامل ہو کر بددعائیں کرتے ہیں'' یہ سراسر بہتان ہے۔ تحفۃ العوام کامل ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس عبارت کا کہیں نام ونشان موجود نہیں ہے۔ ہاں ہماری بعض کتب فقیہ میں ''ناصبی'' کے جنازہ پر ایسا کرنے (بددعا کرنے) کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر ناصبی دشمن اہلبیتؑ کو کہتے ہیں اس کا محبت اہلبیتؑ کا دم بھرنے والے سنی مسلمان بھائیوں سے کیا تعلق ہے؟ اگر خدا نخواستہ مؤلف اس مرض میں مبتلا ہیں۔ تو وہ تمام اہلسنت کو کس طرح اپنی طرح دشمن اہلبیتؑ قرار دے سکتے ہیں؟ ۔۔ بہرحال ایسی باتیں کرنا جن سے اسلام کے فرقوں میں باہمی نفرت پیدا ہوتی ہو۔ یا نفرت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی ہو۔ یہ دین اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ بلکہ اسلام دشمن قوتوں کی خدمت ہے۔

ع مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

البتہ کار ملائی سبیل اللہ فساد۔ کا مظاہرہ ضرور ہے۔۔ روٹھے ہوئے بھائیوں کو منانا اور یکجا کرنا دین کی خدمت ہے نہ کہ منے ہوؤں کو لڑانا اور جدا کرنا۔ یا سعد الابل !!

جہاں تک ''بنات النبیؐ'' کے اختلافی مسئلہ کا تعلق ہے تو ہم اس موضوع پر قبل ازیں فضائل ثلاثہ کے ضمن میں تفصیلاً تبصرہ کر کے احقاق ماھوالحق کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

اہلسنت کے ہاں بوقتِ ضرورت خدا اور رسولؐ کو بھی بُرا بھلا کہنا جائز ہے:

اصول کافی میں حضرت امیرؑ کو بوقت ضرورت برا کہنے کا جو جواز مذکور ہے۔ یہ شدت تقیہ یعنی جان کے نا قابل برداشت خوف کے وقت ایسا کرنے کے متعلق ہے اور ہم عنقریب مسئلہ تقیہ کے ذیل میں کتب اہلسنت کے معتبر حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ ان کے ہاں بوقت ضرورت خدا اور رسولؐ کو بھی برا بھلا کہنا جائز ہے (سر دست صرف بعض کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ عبارتیں بعد میں ذکر کی جائیں گی انشاء اللہ ہدایۃ کتاب الاکراہ، تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۳۶، تفسیر کبیر ج ص ۲۵۵، تفسیر ابن جریر ج ۱۴ ص ۱۱۳ بذیل قصہ عمار۔

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

معجزات علیؑ کا انکار:

بعد ازایں مؤلف نے جناب حیدرؑ کرار کے بعض شجاعتی محیر العقول کارناموں کے تذکرہ پر منہ بسورتے ہوئے انکے تذکرہ کو انکی ''ہجو ملیح'' اور پھر رحلت نبوی کے بعد مظالم امت کے وقت انکی خاموشی اختیار کرنے کے واقعات کو ''ہتک صریح'' کا نام دے کر شیعیان علیؑ کو توہین اہلبیتؑ کا مرتکب قرار دیا ہے! ایسا کر کے مؤلف نے اپنے کسی اچھے ذوق اور حسن طبیعت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اولاً تو اژدہے کا قصہ ہماری کتب معتمدہ میں مذکور ہی نہیں ہے اس لئے اسے تمام شیعوں کی طرف منسوب کرنا علمی دیانت وامانت کے خلاف ہے۔ اور یہی کیفیت جنگ خیبر میں جناب امیرؑ کی تلوار سے جبرائیلؑ کے پر کٹنے اور زمین کے چیرنے والی روایت کی ہے کہ یہ ہماری کتب معتبرہ میں مذکور نہیں ہے۔ ثانیاً یہ قصہ بعض کتب اہلسنت جیسے ہدیۃ السعداء دولت آبادی وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ لہٰذا اس کی مسئولیت خود مؤلف پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ثالثاً اس سے زیادہ ہوش ربا قصص و حکایات کتب اہلسنت میں اپنے بعض بزرگوں کے متعلق منقول ہیں۔ تو مؤلف کو وہاں کیوں طیش نہیں آتا۔ یا بموجب ''نزلہ بر عضو ضعیف میریزد'' وہ صرف شیعوں پر ہی نزلہ گرانا چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ خزینۃ الاسرار نازلی ص ۱۸۰ طبع مصر میں لکھا ہے شیخ ابو مدین مغربی ہر روز قرآن کے ستر ہزار ختم کیا کرتے تھے۔ (۲) ابن کثیر نے اپنی تاریخ ج ۳ ص ۹۴ پر شیخ عبداللہ یونینی کے متعلق لکھا ہے **کان یحج فی بعض السنین فی الھواء** کہ وہ بعض سالوں

میں ہوا میں اڑ کر حج کیا کرتے تھے۔ (۳) قصص الانبیاء ثعلبی ص ۴۷ میں لکھا ہے کہ قوم حضرت لوطؑ کی بستیوں کی ہلاکت کے وقت جبرئیلؑ نے ان کو اپنے پروں پر اٹھا کر اسقدر بلند کیا کہ انکے مرغوں کی آواز اہل آسمان نے سنی۔ اور بال آخر آخر شب کو انکو اوندھا گرا کر ہلاک کر دیا۔ تو جو خدائے قدیر جناب جبرئیلؑ کو اسقدر قدرت و طاقت عطا کر سکتا ہے۔ کیا وہ خدا استاذ جبرئیلؑ جناب حیدر کرارؑ کو اسقدر طاقت عطا نہیں فرما سکتا کہ (بنا بر تسلیم) جھولے میں لیٹ کر اژدہے کو دو نیم کر سکے یا انکی تلوار آبدار طبقات ارضی کو چیر دے؟ فماهو جوابکم فهو جوابنا۔ باقی رہا۔ رحلت نبویؐ کے بعد مظالم امت کے وقت جناب امیرؑ کا خاموشی اختیار کرنا تو اس موضوع پر ہم قبل ازیں اسی مبحث امامت میں بذیل کیا حضرت علیؑ خلیفہ بلافصل تھے؟ مفصل تبصرہ کر چکے ہیں اور جناب کے تلوار نہ اٹھانے کے علل و اسباب بیان کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ بہر حال ہم مؤلف اوران کے ہمنواؤں کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ

؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر ☆ گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

حضرت علیؑ کا ناطق فیصلہ:

حضرت علی المرتضیٰ نے شیعہ وسنی کا صاف الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ ص ۱۹۹ میں ہے **سیهلک فی صنفان** (بحذف عربی) ترجمہ: دو فریق میرے بارہ میں ہلاک ہو جائیں گے محب دوستی میں افراط (غلو) کرنیوالا۔ کہ اسکو دوستی حق سے دور لے جائے اور دشمن دشمنی میں افراط کرنے والا۔ کہ اسکو یہ عناد حق سے دور کر دے۔ خوشحال انسان میرے بارے میں وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ تم اسی جماعت کے تابع ہو جاؤ اور بڑی جماعت کی اتباع کرو کیونکہ خدا کا ہاتھ بڑی جماعت کے سر پر ہے۔ تفرقہ سے باز آ جاؤ۔ کیونکہ جماعت سے علیحدہ ہونے والا انسان شیطان کا شکار ہو جاتا ہے جب کہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا شکار بنتی ہے خبردار۔ جو تمہیں جماعت سے علیحدگی کی دعوت دے۔ ان کو قتل کر دو اگر چہ میری اس دستار کے نیچے ہوں"۔۔۔۔ جناب امیرؑ نے اپنے خطبہ میں حقانیت مذہب اہلسنت پر مہر کر دی ہے اور رافضیوں اور خارجیوں کے مذہب کو مردود قرار دیا ہے۔ کیونکہ رافضی محب مفرط ہیں۔ جو جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ کو مثل انبیاء معصوم سمجھتے ہیں اور حضرت علیؑ کو دیگر انبیاء سے افضل اور نبی آخر الزمانؐ کا ہم پلہ سمجھتے ہیں رافضیوں میں ایسے فرقے بھی ہیں جو جناب امیرؑ کی رسالت بلکہ الوہیت کے بھی قائل اور حال کے شیعہ اگر چہ بظاہر آپکی الوہیت کے قائل نہیں تاہم اوصاف ایسے بیان کرتے ہیں جو آپ کو درجہ الوہیت تک پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ **علم ما کان و مایکون** انکو حاصل ہونا۔۔۔ اشیاء حلال وحرام کرنے کا اختیار، موت وحیات پر اختیار وغیرہ۔۔۔ اسلئے بقول جناب امیرؑ یہ مذہب باطل ہے۔۔۔ ایسے ہی خارجی جو جناب امیرؑ سے اس درجہ بغض رکھتے ہیں کہ آپ کو مشرک و کافر قرار دیتے ہیں۔۔۔۔ ہاں نمط اوسط میانہ روی اختیار کرنے والا مذہب اہلسنت ہے جو جناب امیرؑ سے محبت رکھتے ہیں لیکن شان نبوت والوہیت تک پہنچانا

کفر جانتے ہیں اور آپ سے بغض رکھنا بھی کفر ہے۔۔۔اسلیئے یہی۔۔۔مذہب برحق ہے۔۔۔۔

دوم: جناب امیرؑ نے کھلے الفاظ میں فرمادیا ہے کہ مذہب حق وہ ہے جس طرف مسلمانوں کا سوادِ اعظم (بڑا گروہ) ہے۔اب یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ۔۔۔۔

۔۔۔اسلام کا سوادِ اعظم (بڑی جماعت) یہی مذہب اہلسنت رکھتا ہے اس لئے حسب فیصلہ امیر یہی لوگ برحق ہیں۔۔اور اس مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے والے بشہادت جناب امیر شیطان کے متبع ہیں۔امید ہے کہ جناب امیرؑ کے اس ناطق فیصلہ کے ہوتے ہوئے سنی وشیعہ نزاع کے فیصلہ کیلیئے اور کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔

ائمہ اہلبیتؑ کی توہین:

جناب امیرؑ اور خاتون جنت کے سلوک کا ذکر ہو چکا۔دیگر ائمہ۔۔۔ سے بھی شیعیان علیؑ نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔

حضرت امام حسنؑ:

امام حسنؑ سے حضرات شیعہ اس لئے ناراض ہیں کہ آپ نے امیر معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو کشت وخون سے بچالیا۔۔۔جناب ممدوح اپنے شیعہ کے جور وستم کی جسقدر شکایت کرتے ہیں ذیل میں روایات سے ظاہر ہے۔

۱۔ جلاء العیون ص ۲۶۷ میں ہے ''جب ان منافقین نے یہ کلام حضرت کا سنا۔۔۔پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاذ اللہ! یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر بلوا کر دیا اور اسباب امام حسنؑ کا لوٹ لیا''۔۔

۲۔ جلاء العیون ص ۲۷۶ ''حضرت نے فرمایا بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا اور میرا مال لوٹ لیا بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے پکڑ کر معاویہ کو دے دیں۔''

۳۔ اسی کتاب کے ص ۲۷۷ میں ہے۔۔۔ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ناگاہ ایک سوار آیا کہ اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے اس نے کہا اسلام علیک یا مذمل المومنین (اے ذلیل کنندہ مومنان) ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعیان علیؑ نے انکے خلفِ اکبر حضرت امام حسنؑ سے کیا سلوک کیا۔ جناب امیرؑ کو کافر کہا۔ بلوہ کر کے ٹوٹ پڑے۔۔۔دوش مبارک سے چادر اتاری۔۔۔

متاخرین شیعہ:

متاخرین شیعہ جو جو باتیں جناب ممدوح کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ شہدے اوباش کی طرف منسوب کی جائیں تو وہ

بھی ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر کردے گا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ جلاء العیون ص ۲۸۰ میں ہے روایت ہے کہ ''ایک روز امام حسنؑ مجلس معاویہ میں تشریف رکھتے تھے مردان نے کہا آپ کی مونچھوں کے بال جلد سفید ہوگئے ہیں۔ امام نے فرمایا یہ سبب اسکا یہ ہے بنی ہاشم کا دین خوشبودار ہے اور ہماری عورتیں بوجہ خوشبو استشمام کرتی ہیں اور ان کی ہوائے نفس سے ہمارے بال شارب سفید ہوجاتے ہیں اور چونکہ تم بنی امیہ گندہ دہن ہو تمہاری ازواج تمہارے دہنوں سے احتراز کرتی اور اپنا منہ تمہارے رخساروں کی جانب رکھتی ہیں اسلئے تمہارے رخسار جلد سفید ہوجاتے ہیں۔ پس مردان نے کہا بنی ہاشم میں ایک خصلت بد یہ ہے کہ وہ خواہش جماع رکھتے ہیں۔ امام حسنؑ نے فرمایا خواہش ہماری عورتوں سے سلب ہوئی اور مردوں میں اضافہ۔۔۔ اور تمہارے مردوں سے علیحدہ کرکے تمہاری عورتوں میں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ زن امویہ سوائے مرد ہاشمی کے سیر نہیں ہوتی۔۔۔'' لاحول ولاقوۃ ایسی فحش اور بے ہودہ گفتگو تو اوباش لوگ کرنے سے شرماتے ہیں یہ ان پاک لوگوں کے ذمے افترا ہے۔۔۔ توبہ توبہ۔

ناعاقبت اندیش راوی نے حضرت امام حسنؑ کی ذات پاک پر پاجیانہ حملہ کیا ہے کہ وہ سرِ اجلاس ایسی بدتہذیبی اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کیا کرتے تھے۔۔۔ شیعہ حضرات تو انبیاءؑ کو بھی ایسے الزام دینے سے دریغ نہیں کرتے چنانچہ۔۔۔ حیات القلوب ج ۱ ص ۲۱ میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ: امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کے اخلاق یہ ہیں۔ اپنے بدن کو پاکیزہ رکھنا۔ خوشبو لگائے رہنا۔ بہت جماع کرنا اور بہت عورتیں رکھنا۔ لاحول ولاقوۃ شہوت پرستی اور کثرت جماع پیغمبروںؑ کے اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ شیعو ہوش کرو۔۔۔ (آفتاب ہدایت از ص ۱۷۲، ۱۷۰)

نے فروعت محکم آمد نے اصول ☆ شرم باید از خدا و از رسول

الجواب:

ہم مؤلف کے ان الفاظ کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ ''جناب امیرؑ کے اس ناطق فیصلہ کے ہوتے ہوئے سنی وشیعہ نزاع کے فیصلے کیلئے اور کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے''۔ لیکن انکے اس خیال کی حمایت کرنے سے قاصر ہیں کہ اس کلام سے اہلسنت کی تائید اور شیعوں کی تردید ہوتی ہے بلکہ خدا کی بات یہ ہے کہ امام عالی مقام کے اس کلام حق ترجمان سے شیعوں کی حقانیت اور سنیوں کا بطلان روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے جناب امیرؑ کے متعلق اگر کوئی فرقہ ہر قسم کے افراط وتفریط سے محفوظ اور میانہ روی پر گامزن ہے تو وہ صرف فرقہ شیعہ خیر البریہ ہے۔ باقی سب یا غالی ہیں یا قالی ہیں یعنی یا حد سے بڑھانے والے ہیں یا حد سے گھٹانے والے۔

شیعہ حضرت علیؑ کو خدا یا خدا کا شریک نہیں جانتے:

شیعیانِ حیدرؑ کرار جناب امیرؑ یا دوسرے کسی امامؑ کو نہ خدا سمجھتے ہیں اور خدا کی کسی صفت خاصہ میں شریک جانتے ہیں۔ وہ خداوند عالم کو ذات، صفاتِ، افعال اور عبادات میں وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں ع یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان! اور جو لوگ ائمہ طاہرینؑ کو خدا یا خدا کا ذات، صفات، افعال او عبادت میں شریک جانتے ہیں شیعہ انکو یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر مشرک و کافر جانتے ہیں (ملاحظہ ہوں کتب عقائد شیعہ خصوصاً رسالہ عقائد شیخ صدوق معہ شرح احسن الفوائد مصنفہ ایں احقر ص ۴۲۱ طبع اول) مؤلف کا ان پر یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ جناب امیرؑ کو نبی آخر الزمان ﷺ کا ہم پلہ جانتے ہیں۔ بے شک خدائے رحمن نے انکو قرآن میں نفس رسولؐ اور رسول نے ان کو دین و دنیا میں اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی شیعہ حفظ مراتب کا اسقدر خیال رکھتے ہیں کہ اگر چہ وہ جناب امیرؑ کو جناب رسول خدا ﷺ کے بعد از ہر چہ ہست بہتر و برتر سمجھتے ہیں مگر جہاں تک سرورِ کائنات ﷺ کی ذات کا تعلق ہے وہ جناب علیؑ کو خود انہی کے لفظوں میں "انا عبد من عبید محمد" (میں محمد ﷺ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں) آنحضرتؐ کا ہم پلہ اور ہم پایہ نہیں بلکہ انکا مخلص غلام جانتے ہیں (اصول کافی، احتجاج طبرسی وغیرہ) اور آنحضرت ﷺ کے بعد انکو انکا بلافصل خلیفہ و جانشین اور ہادی خلائق اجمعین سمجھتے ہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ وہ انکو معصومؑ اور بعد از رسولؐ تمام کائنات سے افضل ضرور جانتے ہیں مگر اس میں افراط کی کونسی بات ہے ہم اسی مسئلہ خلافت کی پہلی تنقیح کے جواب میں واضح کر آئے ہیں کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ عصمت انبیاءؑ کا خاصہ ہے۔ جناب مریمؑ بمطابق ارشاد قرآن۔ **يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ** (سورہ آل عمران آیت 42)۔ معصومہ ہیں۔ مگر نبی نہیں ہیں اسیطرح فرشتے معصوم ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی غیر نبی کو معصوم سمجھنا افراط نہیں ہے (جبکہ دلیل عصمت قائم ہو)

انبیائے ماسلف پر حضرت علیؑ کی فضیلت:

باقی رہا سابقہ انبیاء سے حضرت علیؑ کی افضلیت کا مسئلہ تو قرآن سے عیاں ہے کہ افضلیت کا معیارِ کثرتِ علم اور طاقت جسمانی میں فوقیت ہے۔ بالفاظِ دیگر علم کی فراوانی۔ اور فوقیت در طاقت جسمانی اور اس معیار پر جناب امیرؑ پورے اترے ہیں کیونکہ وہ وارثِ علم و شجاعت نبویہؐ ہیں اور آنحضرت ﷺ ان صفات میں باتفاق تمام اہل اسلام تمام انبیاء ماسلف علیہم السلام سے افضل و اشرف ہیں۔ لہٰذا ان کمالات کے وارث کو بھی افضل ماننا پڑیگا۔

علاوہ بریں خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "من اراد ان ینظر الیٰ آدم فی علمه و الیٰ نوح فی فهمه و الیٰ ابراهیم فی

خلته والی موسیٰ فی بطشه والی یحییٰ فی زهده والی عیسیٰ فی ورعه فلینظر الی علی بن ابی طالب علیہ السلام ''یعنی جو شخص جناب آدمؑ کا علم وعرفان، حضرت نوحؑ کا فہم و ذکا جناب ابراہیمؑ کی خلت ومحبت حضرت موسیٰؑ کا رعب و دبدبہ، جناب یحییٰؑ کا زہد وتقویٰ اور حضرت عیسیٰؑ کی اطاعت و پرہیزگاری دیکھنے کا خواہشمند ہے وہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو دیکھ لے (ذخائر العقبیٰ ص ۲۶۰ طبع مصر۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی مناقب خوارزمی وغیرہ) ظاہر ہے کہ جو بزرگوار مختلف انبیاء کے انفرادی کمالات کا مجموعی طور پر حامل ہوگا وہ فرداً فرداً ان سب سے افضل واعلیٰ ہوگا وہو المقصود۔

و لیس علی اللّٰہ بمستنکر ☆ ان یجمع العالم فی واحد

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ ''علی خیر البشر من شک فیه فقد کفر'' بیشک علیؑ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد (ملاحظہ ہو کنوز الحقائق مطبوع بر حاشیہ جامع صغیر سیوطی ج ۲ ص ۱۶ طبع مصر ینابیع المودہ ص ۲۰۴ طبع بمبئی۔ مودة القربیٰ ص ۱۰ کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۵ کفایۃ الطالب ص ۱۱۹ طبع النجف وغیرہ) ہر نبی کیلئے اپنی امت سے افضل ہونا عقلاً وشرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا غیر نبی جو اس نبی کا امتی نہیں ہے۔ اس نبی یا دیگر انبیاءؑ سے افضل ہو تو اسمیں کوئی عقلی وشرعی قباحت نہیں ہے۔ علاوہ بریں فضیلت جناب امیرؑ بر انبیاءؑ سلف شیعہ کا اتفاقی عقیدہ نہیں ہے بلکہ اسمیں خاصا اختلاف ہے تفصیل کیلئے احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

علم ما کان وما یکون کی وضاحت:

اسی طرح علم ما کان اور ما یکون سے اجمالی اور صرف امورِ حتمیہ کا علم مراد ہے۔ نہ کہ تمام جزئیات کا تفصیلی علم علاوہ بریں ہم الزاماً کہتے ہیں کہ اگر کسی مخلوق میں اسکا قائل ہونا شرک وکفر ہے تو پھر اس کفر وشرک سے خود مؤلف بھی محفوظ نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی اسی کتاب کے ص ۱۲۲ سطر ۱۲ پر ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا اعتراف کر چکے ہیں کہ ''حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالیٰ نے بخشا ہوا تھا''۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

حلال وحرام کرنے کی توضیح:

جن روایات میں یہ وارد ہے کہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حرام کریں اور جسے چاہیں حلال کریں۔ خود انہی روایات میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ولکن مایشائون الا ان یشاء اللّٰہ کہ وہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرف خدا کے حلال وحرام کو بیان کرنے والے ہیں۔ مذہب شیعہ تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ بغیر وحی الٰہی اور بغیر منشائے ربانی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیں ''تا بامَا چہ رسد؟'' مقنن قانون شریعت صرف خداوندِ عالم ہے۔ رسولؐ اس قانون کا مبلغ اور امامؑ

اس کا ناشر اور محافظ ہوتا ہے۔۔۔موت وحیات قبضہ قدرت الٰہی میں ہے اس چیز میں کوئی مخلوق اسکی شریک نہیں ہے۔۔۔ ہاں یہ جو بعض اخبار میں ہے کہ امام اپنی مرضی سے مرتے ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب۔

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ☆ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

انکا مقام اللہ تعالیٰ کی نظر اقدس میں اسقدر بلند و بالا ہے کہ وہ ان ذواتِ مقدسہ کو موت کا ذائقہ چکھانے سے پہلے انکی رضا معلوم کر لیتا ہے۔ ولا ضیر فیہ نیز یہ بات کتب اہلسنت میں بھی موجود ہے (ملاحظہ ہو ارجح المطالب ص ۵۸۰ طبع لاہور)

شیعہ کی درمیانہ روی:

ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ مسلک شیعہ میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط بلکہ وہ صحیح معنوں میں جادۂ وسطی پر گامزن ہیں۔ یعنی ''تو جناب علیؑ یا دوسرے ائمہ کو ذات و صفات میں خدا جیسا مانتے ہیں اور نہ ہی عام حالات وکوائف یہ عام مخلوق جیسا سمجھتے ہیں بلکہ ان کو خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہیں۔'' وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا '' (سورہ البقرہ آیت 143)

اہلسنت تفریط کرتے ہیں:

معلوم ہوا کہ علی اللٰہی اور نصیری لوگ جو غالی ہیں وہ افراط کا شکار ہیں اور جناب امیر علیہ السلام انکے کو انکے منصب و مقام سے بڑھاتے ہیں اور اہلسنت تفریط میں مبتلا ہیں جو آنجنابؑ کی بہت سی مسلمہ خصوصیات کے منکر ہیں۔ نہ انکو خلیفہ بلافصل جانتے ہیں نہ انکو افضل الامتہ مانتے ہیں بلکہ خلافت کی طرح فضیلت میں بھی انکو چوتھا درجہ و مقام دیتے ہیں (شرح فقہ اکبر۔ شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہ)۔۔۔ اور جو ان کو شیخین سے افضل کہے اس پر مفتری کی حد جاری کرتے ہیں۔ (تنویر العینین شاہ ولی اللہ دہلوی) نہ انکو معصوم و مطہر جانتے ہیں نہ انکے دوستوں سے دوستی اور نہ انکے دشمنوں سے دشمنی کرتے ہیں نہ انکے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں سے اعلان برأت کرتے ہیں۔ نہ انکو عالم علم لدنی جانتے ہیں اور نہ ان کو آنحضرت ﷺ کے بعد واحد مرکز رشد و ہدایت، مانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ کھلم کھلا تفریط میں گرفتار ہیں اور جناب امیرؑ کو ان کے خدا داد مرتبہ و مقام سے نیچے گراتے ہیں۔

سوادِ اعظم کے مفہوم کی وضاحت:

مؤلف کتاب اس بات سے پھولے کپڑوں میں نہیں سماتے کہ آنجنابؐ نے یہ فرمایا ہے کہ فالزموا السواد الاعظم کہ سواد اعظم کو لازم پکڑو۔۔! اور پھر خوش فہمی سے سواد اعظم کا ترجمہ (بڑی جماعت) کر کے اس سے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنیکی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی کثرت تعداد پر فخر و ناز کرتے ہوئے شیعوں کو آٹے میں نمک قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا

چاہیئے کہ

؎ گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ☆ بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

ان بھول بھلیوں سے وہ اپنے مذہب کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے نہیں لگا سکتے! ان کے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ ''سوادِ اعظم'' اہل حق کو کہا جاتا ہے اگر چہ ان کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ چنانچہ کتاب کنز العمال ج ۸ ص ۲۱۵ طبع حیدر آباد دکن۔ میں یحیٰی بن عبداللہ بن الحسن سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب امیر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا۔ اہلجماعت، اہلفرقہ، اہلسنت اور اہل بدعت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا۔۔۔ **فاما اهل الجماعة فانا و من اتبعني و ان قلوا**۔ سو اہلجماعت ہیں اور میرے پیروکار ہیں۔ اگر چہ تعداد میں تھوڑے ہی ہوں۔ **فاما اهل الفرقه فالمخالفون لي و لمن اتبعني و ان كثروا**۔۔ اہل فرقہ سے مراد میرے اور میرے پیروکاروں کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ اگر چہ کثیر التعداد ہی ہوں۔۔۔۔ **و اما اهل السنه فالمتمسكون بما سنه الله لهم و رسوله و ان قلوا**۔۔۔ اہلسنت وہ ہیں جو خدا اور رسول کے مقرر کردہ طریقہ پر گامزن ہوں۔ اگر چہ تھوڑے ہی ہوں۔ **و اما اهل البدعة فالمخالفون لامر الله و لكتابه و لرسوله العاملون برأيهم و اهوائهم و ان كثروا**۔۔۔ اہلبدعت وہ ہیں جو خدا، اس کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی خلاف ورزی کریں اور اپنی رائے و قیاس پر عمل کریں۔ اگر چہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں''۔۔۔ الحمد للہ۔ خود کو ''**الزموا السواد الاعظم**'' فرمانے والے کی زبان حق ترجمان سے معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد آنجنابؐ کے صحیح پیروکار ہیں اگر چہ تعداد میں قلیل ہی ہوں اور اس سے سابقہ مبحث میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ صرف شیعہ ہی صحیح معنوں میں قرآن وعترت رسولؐ کے دامن سے متمسک ہیں۔ لہٰذا وہی سوادِ اعظم کے صحیح مصداق ہیں۔ مزید اطمینان کی خاطر دو چار اور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) شرح فقہ اکبر طبع مصر ص ۲ پر حدیث افتراق امت لکھنے کے بعد لکھا ہے ''**وفي رواية عليكم بالسواد الاعظم و من سفيان لو ان فقيهاً و احداً على راس جبل لكان هو الجماعة**۔۔۔ **و منه قوله تعالىٰ ان ابراهيم كان امةً اى وحده**۔۔۔'' یعنی روایت میں ہے کہ سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ سفیان سے مروی ہے کہ اگر اکیلا فقیہ جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور برحق ہو تو وہ تنہا جماعت ہے۔۔۔ اسی سے خدا کا یہ فرمان ہے کہ جناب ابراہیم امت تھے یعنی تنہا۔ (۲) نصائح کافیہ ص ۱۸۳ میں محمد بن اسلم طوسی کی زبانی سواد اعظم کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ''**فان العصر اذ كان فيه عارف بالسنة داع اليها فهو الحجة هو السواد اعظم**''۔ اگر کسی زمانہ میں صرف ایک شخص عارف اور داعی الی الحق ہو تو وہ تن تنہا حجت اور سواد اعظم ہوگا۔ (۳) علامہ وحید الزمان انوار اللغتہ پ ۱۲ ص ۱۵۸، ۱۶۱ میں لکھتے ہیں: ''سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جو حق پر ہو اگر چہ اسکی تعداد قلیل ہو اور یہی صحیح ہے۔۔۔'' (**كذا في معاني الاخبار ص ۵۰ الجماعت اهل الحق او ان كانوا قليلاً و الفرقه اهل الباطل و ان كانوا كثيرا**)

اکثریت کی مذمت:

اگر دامن حق ہاتھ میں نہ ہو اور حق کی علمبرداری نہ ہو تو صرف کثرت تعداد میں کوئی مجد و شرف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن اسکی مذمت سے لبریز نظر آتا ہے۔ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ()...وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ (توبہ آیت 8 آل عمران آیت 110)...أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات آیت 4)...كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ (الروم آیت 42)...لَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (الاعراف آیت 17)......وغیرہ وغیرہ

اقلیت کی مدح:

اسکے برعکس قلت کی مدح سے قرآن چھلک رہا ہے۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (السبا آیت 13)...كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ آیت 249)...وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ھود آیت 40)...ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا (البقرہ آیت 83)...وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (ص آیت 24)......وغیرہ وغیرہ۔

؎ تبرس از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو ☆ کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

بہر حال یہ حقیقت مسلم ہے کہ "لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ" (مائدہ آیت 100) اے رسول! کہدو۔ کہ پلید اور پاک برابر نہیں ہوتے اگرچہ پلید کا بہت ہونا تجھے تعجب میں ڈال دے (فلک النجاۃ) الغرض۔ شریعت مقدسہ آدمیوں کو تولنے کی قائل ہے گننے کی قائل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مزاج جمہوری نہیں ہے۔ کیونکہ

؎ جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں ☆ بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(اقبالؒ)

توہین حسنیؑ کے اتہام کا جواب:

مؤلف نے خوف خدا سے بالا ہو کر شیعیان علیؑ پر یہ جھوٹا الزام واتہام لگایا ہے کہ معاویہ سے صلح کرنے کی وجہ سے وہ امام حسن علیہ السلام سے ناراض ہیں۔ سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم (وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون) اگر شیعیان علیؑ امام حسنؑ کے جد نامدار سے معاویہ کے باپ ابوسفیان اور دوسرے اشرار وکفار سے حدیبیہ کے مقام پر صلح کرنے کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئے تو حسن مجتبیٰؑ کے معاویہ کے ساتھ صلح کرنے پر کس طرح ناراض ہو سکتے ہیں؟ جبکہ وہ نبیؐ کی طرح اپنے ائمہ طاہرینؑ کو معصوم جانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا ہر قول وفعل مشیت ایزدی کے تابع ہوتا ہے اسلئے معصوم کے کسی قول وفعل پر اعتراض کرنا وہ خدا پر اعتراض کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی نے جلاء العیون ص ۱۲۴ میں صلح حسنیؑ کی بحث کا آغاز ہی اسی سے کیا ہے کہ

''اعتراض برایشاں اعتراض برخدا است''۔ شیعوں کا مذہبی لٹریچر دوسرے ائمہ اطہارؑ کی طرح جناب امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب سے بھی لبریز نظر آتا ہے اور جن اخبار و آثار کو مؤلف نے بزعم خویش شیعہ کے امام حسنؑ کی توہین کرنے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے یہ انکی کوتاہ اندیشی ہے ورنہ ان واقعات میں سے کسی ایک واقعہ سے بھی صحیح شیعیان علیؑ کی امام پر ناراضی ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے پہلی روایت جلاء العیون اردو ص ۲۶۱ سے پیش کی ہے۔اسے اس مطلب سے کوئی ربط ہی نہیں اس میں تصریح موجود ہے کہ وہ منافق تھے یا پھر خارجی۔ چنانچہ اصل روایت کے الفاظ خود مؤلف نے یہ نقل کئے ہیں۔''جب ان منافقین نے یہ کلام حضرت کا سنا''۔۔۔ جو حضرت امیرؑ کو (معاذ اللہ) کافر جانتے ہیں چنانچہ اسی روایت میں ذرا آگے موجود ہے کہ انہوں نے کہا''یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے''۔۔۔کیا جو شخص جناب امیر علیہ السلام اور انکے لائق فرزند امام حسنؑ کو کافر سمجھے ایسے منافق اور خارجی کو مؤلف ''شیعہ علیؑ'' سمجھتے ہیں کیا شیعوں کی یہی تعریف ہے؟

شرم باید از خدا و از رسولؐ

معلوم ہوا کہ ایسا کرنے والے خارجی تھے یا پھر بہر حال شیعہ نہ تھے الغرض شیعیان علیؑ کا یہ عقیدہ وایمان ہے کہ''الحسن و الحسین امامان قاماً و قعداً''، کہ حسنؑ اور حسینؑ دونوں برحق امامؑ ہیں خواہ صلح کر کے خانہ نشین ہو جائیں یا شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار میں نکل آئیں۔

اسی طرح دوسری روایت جو جلاء العیون ص ۲۷۶ سے پیش کی ہے اس میں خود صراحت موجود ہے کہ ان مدعیان تشیع کے اس دعوے کو امام علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔ تو پھر مؤلف یا کسی اور شخص کو کیا حق ہے کہ وہ انکو شیعہ کہے اور انکے قول و فعل کو شیعوں کا قول و فعل قرار دے کر زبان اعتراض دراز کرے؟

اور یہی جواب تیسری روایت کا ہے کہ وہ ایراد کرنے والا ناقص الایمان تھا ورنہ ابھی اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ شیعہ وہ ہوتا ہے۔ جو نبیؐ کی مانند امامؑ کو معصوم عن الخطا سمجھے اور اس کے ہر قول و فعل کو مرضی خدا کے تابع اور اس اعتراض کرنے کو خدا پر اعتراض تصور کرے۔ جب رسول اسلام ﷺ کے ہمراہیوں میں بکثرت منافق اور ناقص الایمان لوگ موجود تھے جو قدم قدم پر آنحضرت ﷺ کے قول و فعل پر ایراد کیا کرتے تھے (اس کی مکمل وضاحت اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں کر دی گئی ہے) تو اگر ایسے لوگوں سے نواسہ رسولؐ کو بھی سابقہ پڑا ہو تو اس میں کون سی جائے تعجب ہے؟

اصل حقیقت کا انکشاف:

بعد ازیں''متاخرین شیعہ'' کے زیر عنوان مؤلف نے جلاء العیون اُردو ص ۴۸۰ سے جو روایت پیش کر کے اور واویلا کر کے زمین و آسمان سر پر اٹھا لئے ہیں کہ ایسا کلام تو شہدے واو باش بھی نہیں کرتے شیعوں نے امام پر افتراء کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ روایت

جلاء العیون فارسی تقطیع کلاں طبع ایران ص ۱۳۲ پر مذکور ہے۔ جسکی ابتدا یوں ہے ایضاً۔ ''روایت کردہ'' یعنی نیز انہوں نے روایت کی ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل ایک واقعہ مناقب شہرابن اشوب سے بایں الفاظ نقل کیا ہے ''ابن شہر آشوب از طریق مخالفاں روایت کردہ۔۔ یعنی ابن شہراشوب نے مخالفین سے روایت کی ہے اس کے بعد بلا فاصلہ۔ ''نیز روایت کردہ'' کہہ کر امام حسنؑ و مروان کا یہ مکالمہ نقل کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی انہوں نے مناقب ابن شہراشوب سے لیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ مناقب شہر بن اشوب ج ۴ ص ۵۵ طبع بمبئی پر مذکور ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موصوف نے یہ۔۔۔ واقعہ کہاں سے لیا؟ اس کی کتاب میں تصریح موجود ہے۔ اس کی ابتدا میں لکھا ہے **وفی العقد ان مروان بن الحکم قال الحسن علیہ السلام۔۔ اسرع الشیب الی شاربک یا حسن**۔۔۔ یعنی کتاب العقد میں ہے کہ مروان نے حسنؑ سے کہا۔ اے حسنؑ! تمہاری مونچھوں کے بال جلد سفید ہو گئے ہیں! اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ واقعہ شہاب الدین احمد معروف بہ ابن عبداللہ اندلسی۔ متعصب سنی کی کتاب العقد الفرید سے لیا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور ج ۲ ص ۱۱۵ طبع مصر قدیم میں بعینہ یہ واقعہ مذکور ہے۔ تو اگر بقول مؤلف اس میں امام حسنؑ کی توہین ہے یا ان پر افتراء ہے تو اس میں اوّلیت کا شرف اہلسنت کو حاصل ہے۔ شیعوں نے تو صرف ان کی متابعت کی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو زیر لب ضرور کہتے۔

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

علاوہ بریں اس مکالمہ میں کیڑے نکالنا اور اسے خلافِ تہذیب قرار دینا بھی عام ملاؤں کی طرح مولوی کرم الدین صاحب کی خشک دماغی، بے رونقی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ارباب علم واطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ ایسا کلام جس میں قدرے ظرافت کی چاشنی ہو بڑے بڑے اکابر کے حالات میں مل جاتا ہے۔ خصوصاً فی البدایہہ ایسا کلام کرنا جس سے مخالف کا ناطقہ بند ہو جائے۔ یہ کمالات میں داخل ہے۔ چنانچہ صاحبِ کتاب عقد فرید نے ص ۱۰۹ سے لیکر ص ۱۲۸ تک ایک پورا باب ایسے جوابات فاخرہ کیلئے وقف کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''سب سے زیادہ مشکل مرحلہ فی البدیہہ جواب دینا ہے۔۔۔ اور اعتراف کیا ہے کہ اس سلسلہ میں قریش کا کوئی ہم پلہ نہیں''۔ اور محاضرات راغب اصفہانی اس قسم کے مکالمات سے بھری پڑی ہے مگر اس کا کیا علاج کہ جسے عقلاء وادباء ہنر وکمال سمجھتے ہیں وہ مؤلف کے نزدیک عین نقص وعیب بن جاتا ہے سچ ہے

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

ابوبکر کے کلام کا نمونہ:

مؤلف کو اس ادیبانہ اور ظریفانہ کلام میں تو خلاف تہذیب، شہدے پن اور نہ معلوم کیا کیا عیب نظر آتے ہیں۔ مگر کبھی اپنے خلیفہ اول کے اس پاکیزہ کلام پر بھی نگاہ ڈالی ہے جو انہی کے عقیدت مندوں کے قلم سے لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہے۔۔

(۱) ایک واقعہ میں قسم کھاتے ہوئے کہا۔ ''لو جوت الکلاب بارجل ازواج النبی لمار دوت جیشاً''۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۰ طبع مصر قدیم) یعنی اگر کتے رسولؐ کی بیویوں کی ٹانگیں بھی کھینچ لے جائیں تب بھی لشکر واپس نہ بلاؤں گا۔

(۲) ابوبکر صدیق نے جو اس مجلس میں حاضر تھے یہ بات سن کر عروہ کی تغلیظ کی۔۔۔ یعنی گالی دی۔۔۔ امصص بظر اللات امصص صیغہ امر ہے۔۔۔ مصدر اس کا مص بمعنیٰ میکدن۔ دودھ پینا۔ چوسنا اور بظر اسے کہتے ہیں جو چھچھڑا عورت کے ختنہ کرنے کے بعد فرج میں باقی رہے''۔ (مناہج النبوہ ترجمہ مدارج النبوہ ج ۲ ص ۲۲۴ طبع نولکشور لکھنو)

(۳) امصص بظر الات (یہ ابوبکر صدیق نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا) اے جالات کا ٹنہ چوس (اسکو بوسہ دے اسکو پوج) (لغات الحدیث ج ۱ ص ۵۷ طبع کراچی از علامہ وحید الزمان)۔۔۔ اگر مؤلف اس وقت زندہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ خدا کو حاضر و ناظر کر بتائیں کہ ایسا پاجیانہ۔ سوقیانہ۔ فحش اور بیہودہ اور تہذیب و شرافت سے گرا ہوا کلام تو شہدے اوباش بے تمیز مشٹنڈے دس نمبریے بھی تخلیہ میں بیٹھ کر کرنے سے شرماتے ہیں۔ جو آپ کے خلیفہ اوّل نے کیا ہے؟ یا وہ یہاں بھی یہی فتویٰ دیں گے کہ وہ سنی علماء کسی وجہ سے ان سے ناراض تھے اسلئے ان ناعاقبت اندیشوں نے ایسا پاجیانہ کلام انکی طرف منسوب کر کے ان پر ناروا حملہ کیا؟''

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

انبیاءؑ کے کثرت ازدواج کرنے کا جواب:

مؤلف حضرت امام رضا علیہ السلام کے اس فرمان پر بھی آتشِ زیر پا نظر آتے ہیں کہ منجملہ اخلاق انبیاءؑ کے کثرت جماع اور کثرت زنان بھی ہے۔۔۔ کیا حقائق اس کی تائید نہیں کرتے؟ کیا حضرت داؤدؑ کے گھر ایک سو اور جناب سلیمانؑ کے گھر بھی سو بیویاں نہیں تھیں؟ (قصص الانبیاء ثعلبی ص ۱۹۶ وص ۲۳۶ طبع مصر) اور کیا سرور کائناتؐ کے گھر کم از کم تیرہ بیویاں موجود نہ تھیں؟

کیا مدارج النبوہ ج ۱ ص ۳۲ طبع نولکشور میں متعدد حوالہ جات سے یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت ﷺ میں تیس اور دوسری روایت کے مطابق جنت کے چالیس مردوں کی طاقت موجود تھی اور یہ کہ ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔ اسطرح آپ میں دنیا کے چار ہزار مردوں کی طاقت بنتی ہے اور یہ کہ وہ ایک ہی رات میں اپنی تمام بیویوں سے مباشرت کر لیا کرتے تھے۔ (کذافی البخاری ج ۲ ص ۷۵۸ طبع دہلی نیز اسی جلد اور اسی صفحہ پر ابن عباسؓ کا یہ قول موجود ہے فان خیر ھذہ الامۃ اکثرھا نساءً۔ یعنی اس امت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں)۔

جب انبیاءؑ اپنے تمام ظاہری و باطنی قویٰ میں سر آمد روزگار ہوتے ہیں۔ تو بنا بریں قوت مردی میں بھی وہ سب لوگوں پر فائق ہی ہونگے اور اگر بایں ہمہ۔ وہ گناہ کا ارتکاب نہ کریں تو یہ ان کے لئے باعث کمال ہے یا باعث نقص؟؟ بینوا توجروا! مگر افسوس ہے

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے:

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ سے جو سلوک شیعہ نے کیا کتب شیعہ اس پر شاہد ہیں۔ کوفہ سے ہزاروں کی تعداد میں مراسلات بھیج کر امام علیہ السلام کو منگوایا پہلے حضرت امام مسلمؑ کو معہ خورد سال بچوں کے شہید کیا گیا پھر امام حسینؑ کو انہی شیعہ حضرات نے بے دردی سے قتل کیا۔ (بعد ازاں جلاء العیون اردو ص ۲۷۹ سے ایسا ہی ایک حوالہ نقل کر کے آخر میں لکھا ہے۔" اس مسئلہ کی تفصیل آگے آئے گی (آفتاب ص ۱۷۴)

الجواب:

ہم بھی اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ آخر کتاب میں وہاں گفتگو کریں گے جہاں مؤلف تفصیلاً اس مسئلہ پر تبصرہ کریں گے۔ سردست صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ یہ صرف ایک دوسرے کا منہ چڑانے والی بات ہے کہ سنی کہتے ہی کہ قاتلانِ امام حسینؑ شیعہ تھے اور شیعہ کہہ دیا کرتے ہیں وہ سنی تھے! لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر رہے ہیں۔ کہ قاتلان امامؑ اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق و واسطہ نہ رکھتے تھے۔ قتل حسینؑ کا اصل بانی یزید (لعین) تھا جس نے کفر والحاد میراث میں پایا تھا۔ یزید ملعون کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل حسینؑ کہا جاسکتا ہے وہ پسر مرجانہ عبید اللہ بن زیاد ملعون ہے جو یزید کے ساتھ یک جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا کفر والحاد بھی طشت از بام ہے۔۔ تیسرا شخص جو براہ راست قتل حسینؑ کا ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن سعد ملعون ہے جس کا کفر والحاد قطع نظر دوسرے تاریخی شواہد کے خود اس کے ان کافرانہ اشعار سے واضح و آشکار ہے۔ جو تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۳ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اور اگر بفرض محال اگر ان لوگوں کو مسلمان تسلیم کیا جائے تو پھر ان کا مذہب وہی تھا جو یزید کا تھا اور یزید مؤلف کے مذہب میں رسول کا چھٹا خلیفہ ہے (تاریخ الخلفائ، شرح فقہ اکبر وغیرہ) اور جہاں تک فوج کا تعلق ہے۔ وہ انہی افراد پر مشتمل تھی جواب یزید کو اور اس سے پہلے معاویہ کو خلیفہ رسول جانتی تھی لہٰذا ان کا مذہب وہی تھا جو یزید کا تھا۔ ہاں یہ درست ہے کہ کسی زمانہ میں کوفہ شیعان علیؑ سے چھلک رہا تھا۔ مگر جونہی معاویہ کو ممالک اسلامیہ پر تسلط حاصل ہوا اور کوفہ پر نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا۔ تو شیعان کوفہ پر مظالم و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور زمین خدا ان پر تنگ ہوگئی۔ ابوالحسن مدائنی نے کتب الاحداث میں اور دیگر مؤرخین نے ان مظالم کی مرقع کشیاں کی ہیں۔ چونکہ زیاد سب شیعان علیؑ کو جانتا پہچانتا تھا اسلئے اس نے چن چن کر ان کو قتل کیا۔ ہاتھ پاؤں قطع کئے، آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ درختوں پر سولیاں دلوائیں۔ عراق سے جلاوطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی معروف ومشہور شیعۂ علیؑ ان میں باقی نہ رہا۔ (نصائح کافیہ ص ۷۰)۔۔۔ یہ صورتحال کوئی ماہ دو ماہ یا سال دو سال نہیں بلکہ پورے بیس سال تک قائم

رہی۔ یہاں تک کہ بچے جوان، جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے۔ جو کچھ بچے کچھے شیعہ تھے بھی۔ وہ انتہائی گمنامی اور کسمپری کے عالم میں زندگی کے دن گزار رہے تھے۔۔۔ بنابریں یہ سمجھنا کہ امام حسینؑ کو خطوط لکھنے والے سب مخلص شیعہ تھے۔محض غلط ہے۔ یہ سب لوگ ہرگز شیعہ نہ تھے بلکہ بموجب

؎ ہر کسے سکہ زند خطبہ بنا مش خوانند

ہوا کا رخ دیکھ کر چلنے والے ابن الوقت تھے۔ معاویہ کی موت کے بعد جو ملک میں انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ یزید سے اس کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے تنفر اور امام حسینؑ کی ہر دلعزیزی۔ ادھر کل جدید لذیذ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں لذت ہوتی ہے وہ بھی امام کو دعوت دینے کا محرک تھا اور جب انکے نمائندہ جناب مسلم تشریف لائے تو ہفتہ کے اندر اندر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔۔۔ مگر مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کوفہ کے اندر اٹھارہ ہزار شیعوں کی تعداد کیونکر ہوسکتی تھی؟ عارضی و سطحی اسباب سے جو فضا ہوا ہموار ہوئی تھی اس میں کیا ثبات و استقرار ہوسکتا تھا؟ اسی کا نتیجہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوا۔۔۔ ہاں ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض مخلص شیعہ تھے وہ واقعہ کربلا میں امامؑ کے ہمرکاب ہو کر لڑے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا (از رسالہ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب)۔۔۔ ورنہ ظاہر ہے کہ شیعہ تو وہ ہوتا ہے جو علیؑ اور اولادِ علیؑ کا متبع و پیروکار ہو۔ نہ وہ جوان کا جانی دشمن بلکہ جان لیوا قاتل و بدکردار ہو۔ مالکم کیف تحکمون؟

نوٹ: اس موضوع کی پوری تحقیق ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں موجود ہے۔ اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

لطیفہ:

مؤلف کی حالت بھی عجیب ہے کہ نہ ماننے پہ آئیں تو حضرت علیؑ کو پہلا امامؑ اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کو امام نہ مانیں اور ماننے پر آئیں تو جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کو بھی امام لکھ دیں

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

علاوہ بریں وہ کبھی ''امام حسنؑ''، کبھی ''امام حسینؑ''، کبھی امام باقرؑ اور کبھی ''امام صادقؑ'' لکھتے ہیں وہ اسی مبحث امام وخلافت کی پہلی تنقیح میں لکھ آئے ہیں کہ خلافت و امامت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ تو بنابریں کیا وہ ان ذوات مقدسہ کو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ بھی تسلیم کرتے ہیں؟ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کل خلیفے بارہ ہیں۔ جن کی تعداد ائمہ اہلبیتؑ سے پوری ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے سلسلہ کے خلفاء کو کیا جانتے ہیں؟؟ بینوا و توجروا!

قاتلان امیرؑ رضی اللہ عنہ شیعہ ہی تھے:

اسی طرح امیر المومنین علی المرتضیٰؑ کو بھی شہر کوفہ میں جو شیعان علیؑ کا مرکز تھا ایک ملعون کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ (جلاء العیون اردو ص ۲۲۲) سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ''حضرت علیؑ اس شہر میں شہید ہونگے جو علیؑ کے شیعوں کا محل و مسکن ہوگا) ابن ملجم قاتل جناب امیرؑ شیعہ تھا۔۔۔

چنانچہ کتاب مذکور کے جلد ا ص ۱۹۹ میں ہے۔ شیخ مفید وغیرہ نے بسند ہائے معتبر روایت کی ہے جناب امیرؑ نے لوگوں سے بیعت لی۔ اسوقت عبدالرحمن بن ملجم مرادی ملعون آیا کہ حضرت سے بیعت کرے۔ حضرت نے اسکی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں آیا اور مرتبہ سیوم میں حضرت سے بیعت کی جب اس نے پیٹھ پھیری۔ حضرت نے پھر اسے بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا۔ اور عہد ہائے محکم اس ملعون سے لئے۔

نظم

ان کوفیوں نے کیسی دغا دی امیرؑ کو ☆ بن کر مرید قتل کیا اپنے پیر کو
بد نام خارجی تو ہیں بغض و عناد میں ☆ پر بڑھ گئے ہیں رافضی شر و فساد میں
مسلمؑ کو بھی شہید کیا کر کے میہماں ☆ مظلوم کو نہ ایک بھی شیعہ نے دی اماں
پھر کر دیا شہید جناب حسینؑ کو ☆ ابن علیؑ، رسولؐ کے اس نور العینؑ کو
بلوایا کس نے آپ کو لکھ کر مراسلات ☆ پھر کس نے ان سے روک لیا دجلہ و فرات کو
بھوکے پیاسے ماردیئے اہلبیتؑ سب ☆ بن کر مرید، پیر پہ ڈھایا تھا یہ غضب
قاتل جناب کے بھی روافض ہیں آہ آہ ☆ اس پر کتابیں شیعہ کی ہیں سر بسر گواہ
ماتم ہوا امام کا گھر میں یزید کے ☆ ہیں ماتمی یہ گویا مرید اس عنید کے
اس سنت یزید سے لائق ہے اجتناب ☆ رونے میں پیٹنے میں نہ ہرگز ہے کچھ ثواب
صابر کو ملتا اجر ہے رب العباد سے ☆ چھوڑے جو صبر رہتا ہے خالی مراد سے
کرنے سے جزع فزع کے ہوتا ہے بس گناہ ☆ اس مسئلہ پہ سارے ائمہ بھی ہیں گواہ

مطلوب بس نصیحت احباب ہے دبیرؔ
کینہ حسد سے اپنا مگر صاف ہے ضمیر

الجواب:

گر مؤلف کے اس بودے اور رکیک استدلال کے جواب میں کوئی یہ کہہ دے کہ جناب عثمان کے قاتل سنی العقیدہ اور عثمانی المسلک تھے کیونکہ ان سب نے قتل سے پہلے عثمان کی بیعت کی ہوئی تھی۔ تو موصوف کیا جواب دیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ تمام سنی و شیعہ مؤرخین متفق ہیں کہ عبدالرحمن بن ملجم خارجی العقیدہ شخص تھا۔ اور صرف از راہ منافقت جناب امیرؑ کی بیعت کی تھی۔ اسی لئے تو آنجنابؑ نے دو مرتبہ اس سے بیعت نہ لی تھی۔ ورنہ مؤلف اس انکار کی وجہ بتائیں؟ اور بالآخر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر بیعت تو لے لی۔ مگر اتمام حجت کی خاطر اس سے اور لوگوں سے زیادہ عہد و پیمان لئے۔ یہ سب باتیں کس بات کی غمازی کرتی ہیں؟ وہ دیدہ بینا رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ

؎ دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟؟

مؤلف نے جلاء العیون سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت علیؑ کو جس شہر میں شہید کیا جائے گا وہ شیعان علیؑ کا مسکن ہوگا۔ مگر اس میں تو مذکور نہیں ہے کہ قاتل بھی شیعہ ہوگا۔ کیا کوفہ میں غیر شیعہ مسلمان بلکہ غیر مسلمان موجود نہ تھے؟ ضیافت طبع کی خاطر نظم کا جواب نظم میں بہاں ردیف وقافیہ پیش خدمت ہے۔

قاتلانِ عثمان

(از قلم حقیقت رقم منظور بخاری مرحوم)

سمجھائے کس طرح سے کوئی بد ضمیر کو ☆ وہ کون تھا کہ جس نے دغا دی امیرؑ کو
شیر خدا کے قتل میں شیعہ ہی تھے اگر ☆ سنی کہاں چلے گئے کچھ تو بتا خبر
آلؑ نبیؐ پہ ظلم کی آندھی چلی رہی ☆ امت تمام دیکھتی یونہی کھڑی رہی
بدنام اہلِ کوفہ ہیں بغض و عناد میں ☆ اہل مدینہ بڑھ گئے لیکن فساد میں
لیکن مقام حیرت و عبرت ہے دوستو ☆ قتل خلیفہ ایک حقیقت ہے دوستو
عثمان قتل ہوگئے دارالامان میں ☆ نادم تمام سنی ہیں اب تک جہان میں
مظلوم کو نہ ایک بھی سُنی نے دی امان ☆ شیعہ تو خیر کب تھے؟ کہ ہوتے کہیں وہاں
بن کر مرید حضرت عثمان کا عجب ☆ دفنایا بے نماز ہی کیسا کیا غضب
عثمان با حیا کے قاتل تھے کون کون؟ ☆ ارباب فتنہ کیش میں شامل تھے کون کون؟

سنی شریک قتل خلیفہ میں گر نہیں ☆ قاتل علیؑ حسینؑ کے شیعہ بھی پھر نہیں
ملتا ہے جس سے راہ ہدایت کا بس سُراغ ☆ واللہ تجلیات صداقت ہے وہ چراغ
منظورؔ تجھ پہ لطف شہِ مشرقین ہے ☆ تو جو رفیقِ کار محمد حسین ہے

حضرت امام محمد باقرؒ وجعفر صادق رحمہم اللہ تعالیٰ:

ان حضرات پر تو شیعہ صاحبان کی انتہا سے زیادہ نظر عنایت ہے۔۔۔ان حضرات کی نسبت جو جو اتہام شیعہ صاحبان نے لگائے ہیں۔سن کر تعجب ہوتا ہے۔

(۱) حضرت محمد باقر کی نسبت۔۔۔۔من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۰ میں لکھا ہے ذخل ابو جعفر۔۔۔(بحذف عربی) ترجمہ۔۔۔''امام محمد باقرؒ بیت الخلاء۔۔۔میں داخل ہوئے تو وہاں روٹی کا ٹکڑا گونہہ میں پڑا ہوا تھا۔اپ نے اٹھا کر دھولیا اور اپنے غلام کے حوالہ کیا کہ اسے محفوظ رکھنا جب میں باہر نکلوں گا تو اسے کھاؤں گا۔جب آپ باہر نکلے تو نوکر سے ٹکڑا مانگا۔ اس نے کہا حضرت وہ تو میں نے کھالیا۔آپ نے کہا جا میں نے تجھے آزاد کیا کیونکہ تو ٹکڑے کے کھانے سے جنتی ہو گیا۔۔۔ دیکھئے یہ کیسا الزام امام۔۔پر ہے کہ آپ گونہہ سے ملوث ٹکڑا کھالینا جائز سمجھتے تھے۔۔۔بلکہ اس میں الٹا ثواب سمجھتے کہ کھانے سے جنت مل جاتی ہے۔

(۲) کیا حضرت پہلے جنتی نہ تھے۔۔۔

(۳)۔۔۔جنت ایسی ارزاں ہوگئی کہ ایسے متعفن لقمہ کھانے سے مل جاتی ہے۔۔۔

(۴) ان ابا جعفر علیہ السلام (بحذف عربی) ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں تہہ بند باندھے بغیر داخل نہ ہوا کرے۔ایک روز آپ حمام میں داخل ہونے لگے تو اپنی شرمگاہ کو آپ نے چونہ لگا دیا۔جب چونا لگا چکے تو تہہ بند کھول کر پھینک دیا۔غلام نے عرض کیا۔میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تو ہمیں تہہ بند باندھنے کا ضروری حکم دیا کرتے تھے اور آج آپ نے تہہ بند اتار کے پھینک دیا ہے۔فرمانے لگے تجھے معلوم نہیں ہے کہ چونہ نے شرمگاہ کو چھپالیا ہے''۔(فروع کافی ج ۲ ص ۶۱) توبہ توبہ ائمہ پاک کے ذمے یہ کیسا افتراء ہے کہ لوگوں کو تو تہہ بند باندھے حمام میں داخل ہونے کا حکم دیتے تھے اور خود شرمگاہ کو چونہ لگا کر تہہ بند پھینک کر اپنے غلام کے سامنے ننگ دھڑنگ کھڑے ہو گئے۔۔۔کیا ایسی حرکت کوئی باحیا آدمی کر سکتا ہے۔۔۔(۳) فروع کافی ج ۲ ص ۶۰ میں ہے عن ابی الحسن الماضی۔۔(بحذف عربی) ترجمہ''امام ابوالحسنؒ ماضی فرماتے ہیں کہ شرمگاہیں صرف دو ہیں۔اگلی اور پچھلی لیکن پچھلی تو چوتڑوں سے چھپی ہوئی ہے پس جب تو نے ذکر اور خصیتین کو چھپا لیا تو تو نے اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا۔اور

دوسری روایت میں ہے کہ دبر کو تو چوتڑوں نے چھپا لیا ہے اور اگلی فقط ہاتھ سے چھپا لو بس ستر عورت ہو گیا۔" لاحول ولاقوۃ۔ امامانِ پاک کا درجہ تو بہت رفیع ہے۔ کوئی باحیا شخص ایسا حکم دے نہیں سکتا۔ (۴) اسی فروع کافی ج ۲ ص ۶۱ میں ہے (بحذف عربی)۔۔۔ ترجمہ "امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کافر مرد یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھ لینا ایسا ہے جیسا گدھے کی شرمگاہ کو دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"۔۔۔ واہ چہ خوش!

۔۔۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی شرمگاہ کو تو چونہ سے ڈھانپ لینا چاہیئے۔ ہاں کافر مرد عورت کی شرمگاہ دیکھ لیا کرو۔۔۔

؎ نگاہ شوق کو حاصل ہے کیا کیا لطف نظارہ ☆ کہ عریاں دیکھنا جائز ہے معشوقانِ کافر کو

اسی قسم کے عجیب و غریب مسائل اہل بیتؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان میں سے کسی قدر مسائل بطور مشت نمونہ خروار درج کئے جاتے ہیں۔ (آفتاب ص ۱۷۸)

الجواب:

متنبی نے بالکل بجا کہا تھا۔

؎ و کم نن عائب قولاً صحیحاً ☆ و آفته من الفهم السقیم

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ دراصل ان کا دماغ غلط (خراب) ہوتا ہے۔ یہی کہاوت ہمارے مؤلف صاحب پر بھی صادق آتی ہے ان کو فضیلت بھی رذیلت نظر آتی ہے۔ سچ ہے

؎ چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا اعتراض وہی شخص کرسکتا ہے جو اپنی کتب فقہ کی ابجد سے بھی ناواقف ہو۔ ورنہ جن کے مذہب میں "موزہ پاخانہ سے بھرا ہوا ہو۔ تو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے (ہدایہ جلد ا ص ۶۹، ۷۰) اور اگر کسی عضو پر نجاست مثل شراب و منی وغیرہ لگی ہو تو زبان سے چاٹنے سے وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے (حقیقۃ الفقہ ص ۷ ۱۴ دُرمختار ج ا ص ۲۳ قاضی خان ج ا ص ۱۱) اور جن کے نزدیک سور کا چمڑا بھی رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے (شرح وقایہ ص ۱۴ وغیرہ)۔۔۔ تو کیا ان کے نزدیک بیت الخلاء میں پڑا ہوا روٹی کا ٹکڑا پانی سے دھونے سے پاک نہیں ہوسکتا؟ اس میں خدا کے رزق حلال کا احترام پایا جاتا ہے۔ جو یقیناً کارِ ثواب ہے۔ کیا اچھے اور نیکی کے کام صرف اس شخص کو کرنے چاہئیں جو بخشا ہوا نہ ہو! اور کہا نیکوکاروں کو کارِ خیر بجالانے کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر اہلسنت کے نزدیک صرف کلمہ توحید لا الہ الا اللہ۔ پڑھنے سے جنت واجب ہوسکتی۔ (بخاری شریف ج ا ص ۱۹۲) تو اگر ایسا ٹکڑا کھانے سے جنت مل جائے تو انہیں اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ حالانکہ روایات میں یہ ہرگز مذکور نہیں ہے کہ وہ پاخانہ میں لتھڑا ہوا تھا بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ "بیت

الخلاء میں پڑا تھا''۔ والفرق واضح۔

(۲) حمام میں داخل ہونا اور نورہ لگانا پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت ہے (فتاویٰ قاضی خاں ج ا ص ۷) اور شرمگاہ کی جو حد اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ بعض ائمہ اہلسنت کے نزدیک بھی وہی ہے۔ چنانچہ کتاب متفق ومفترق معروف بہ افصاح (علی ما نقل عنہ فی النزہ) میں مرقوم ہے۔''فی حد عورة الرجل و قال احمد فی الروایة الاخریٰ ھل القبل و الدبر و وھی روایة عن مالک'' یعنی مرد کی شرمگاہ کی حد کے بارے میں اختلاف ہے امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قبل و دبر (آگا پچھا) ہے اور یہی روایت امام مالک سے بھی ہے۔'' (کذافی رحمة الامة فی اختلاف الائمة)

بنابریں اگر نورہ گاڑھا ہو تو اس سے اسی طرح ستر حاصل ہو جاتا ہے جس طرح کپڑے سے حاصل ہوتا ہے۔

علاوہ بریں اس روایت میں یہ کہاں وارد ہے کہ امام اپنے غلام کے سامنے کپڑے اتار کر کھڑے ہو گئے تھے اس میں تو یہ ہے کہ جب آپ حمام میں تشریف لے گئے اور تہہ بند اتار کر باہر پھینکا تو غلام نے وہ سوال کیا جو روایت میں مذکور ہے لہٰذا اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حمام کے اندر ننگے ہو کر غسل کرنا روا ہے ولاضر فیہ ذرا اپنی بخاری شریف کا مطالعہ فرمائیں۔ جس میں جناب موسیٰؑ اور جناب ایوبؑ کا ننگے غسل کرنا مذکور ہے۔ اسی بنا پر بخاری نے ایک باب منعقد کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔''باب من اغتسل عریاناً وھدہ والتستر افضل'' (ج ا ص ۴۲ طبع دہلی) یعنی تنہا ننگے نہانے کا باب اگرچہ ستر افضل ہے۔۔۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ والے واقعہ کی شرح میں فاضل عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں۔''و فی الحدیث دلیل علی اباحة التعری فی الخلوة و غیرہ بحیث یامن اعین الناس و فیہ دلیل علی جواز النظر الی العورة عند الضرورة الداعیہ الیہ''۔ یعنی اس حدیث سے خلوت وغیرہ میں ننگے ہونے کے جواز پر دلیل ہے۔ جبکہ لوگوں کی نگاہوں سے امن ہو اور یہ کہ ضرورت کے وقت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا بھی جائز ہے'' حمام میں نہانا تو درکنار امام مالک کے نزدیک تو ننگے نماز پڑھنے سے نماز بھی باطل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کتاب رحمة الامة فی اختلاف الائمہ بر حاشیہ میزان الکبریٰ للشعرانی مطبوعہ مصر میں لکھا ہے''و ستر العورة من المعوین واجب بالجماع و ھو شرط فی صحة الصلوٰة الا عند مالک قال ھو واجب الصلوٰة و لیس بشرط فی صحتھا''۔ یعنی بالاجماع شرمگاہ کا چھپانا نماز میں واجب اور شرط صحت نماز ہے۔ سوائے مالک کے کہ ان کے نزدیک واجب تو ہے لیکن صحت نماز کی شرط نہیں ہے۔ (یعنی اگر کوئی شخص ننگا ہو کر نماز پڑھے تو نماز اسکی صحیح ہوگی) انصاف شرط ہے۔ اگر تہہ بند کے بغیر نماز ہو سکتی ہے تو کیا حمام میں غسل نہیں ہو سکتا؟ علاوہ بریں یہ روایت سند کے اعتبار سے مجہول ہے جو ناقابل استدلال ہے۔ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے ذرا اپنے کارخانہ کے مال پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے! تا کہ بعد میں پچھتا کر یہ نہ کہنا پڑے کہ

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

باقی رہا کافر کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے کا جواز تو یہ مطلب خدا کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ اولئک کالانعام کہ کافر چوپاؤں کی مانند ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا اس کے اسلامی احترام کی وجہ سے حرام ہے اور یہ چیز کافر میں مفقود ہے۔ کیونکہ وہ چوپاؤں کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔۔۔ کمالایخفی۔

بعدازیں اگر ہم اس موقع پر ان کے شعر کے جواب میں یہ شعر پڑھ دیں تو باعثِ ناراضگی تو نہ ہوگا؟

لا مذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں ☆ ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

مسائل شیعہ جو ائمہ اہلبیتؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں:

پہلا مسئلہ:

یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو بدا ہوتا ہے۔ یعنی معاذ اللہ وہ جاہل ہے۔ اس کو سب باتوں کا علم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسکی اکثر پیشگوئیاں غلط ہو جاتی ہیں اور اسکو اپنی رائے بدلنا پڑتی ہے۔۔۔ اس کے برابر کوئی عبادت نہیں۔ چنانچہ اصول کافی ص ۸۴ میں مستقل باب ہے۔ (۱)۔۔۔ (۲)۔۔۔ (۳) (بحذف عربی) زرارہ بن اعین نے حضرت امام باقرؑ یا صادقؑ سے روایت کی ہے۔ خدا کی عبادت بداء کے برابر کسی چیز میں نہیں۔ (۲) مالک جہنی کہتے تھے کہ امام صادقؑ نے کہا اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ بداء کے۔۔۔ اقرار کرنے میں ثواب ہے تو وہ اس سے باز نہ رہیں۔

(۳) مرازم بن حکیم راوی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے کہا کسی نبی کو نبوت نہیں ملی جب تک اس سے پانچ چیزوں کا اقرار نہ لیا گیا ہو۔ بداء اور مشیت اور سجدہ اور عبودیت اور اطاعت''۔ ان روایات سے بداء کا ضروری مسئلہ ہونا۔۔۔ ثابت ہوتا۔۔۔ بداء کیا چیز ہے؟۔۔۔ کتب لغت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کتب لغت میں لکھا ہے۔ ''بدأ لہ ای ظھر لہ مالم یظھر'' (فلاں شخص کو بدا ہوا یعنی وہ چیز معلوم ہوئی جو پہلے معلوم نہ تھی)

بداء کی مثالیں:

شیعہ کتابوں میں بداء کے واقعات بہت مذکور ہیں ذیل میں دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱)۔ بحار الانوار میں روایت کی ہے (بحذف عربی)۔۔ ترجمہ: امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل کو اپنا قائم مقام اپنے پیچھے بنایا۔ پھر اسمٰعیل سے کچھ ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوئی تو پھر موسیٰ کاظمؑ کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو امامؑ نے فرمایا۔ اسمٰعیل کے متعلق خدا کو بداء ہوا اور خدا کو پہلے ایسا بداء نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں ہوا۔

دوسرا واقعہ:

امام علی نقی نے خبر دی کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد امامؑ ہوگا۔ لیکن شاید خدا کو علم نہ تھا کہ وہ باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے گا۔ جب وہ فوت ہوا۔ تو معاذ اللہ خدا کو رائے بدلنی پڑی۔ حسن عسکری امامؑ ہوئے۔ اصول کافی ص ۲۰۴ میں ہے (بحذف عربی)۔۔ ترجمہ۔۔۔ ابو ہشام جعفری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ابوالحسن (امام تقی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب کہ انکے بیٹے ابو جعفر (محمد) فوت ہو گئے اور میں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا اور کہنا چاہتا تھا کہ محمدؑ اور حسن عسکریؑ کا معاملہ اس وقت موسیٰ کاظمؑ اور اسمٰعیل کا سا ہے۔ ان دونوں کا واقعہ بھی ان دو کی طرح ہے۔ اچانک امام تقیؑ متوجہ ہو گئے۔ ابھی یہ بات کہنے نہ پایا تھا اور کہا کہ اے ابو ہاشم! خدا کو ابو محمدؑ یعنی حسن عسکریؑ کے بارہ میں محمد کے بعد بداء ہوا۔ جو بات معلوم نہ تھی معلوم ہوگئی۔ جیسا کہ خدا کو دوبارہ موسیٰ کاظمؑ اسماعیل کے بعد ہوا جس سے اصل حقیقت ظاہر ہوگئی اور بات ویسی ہی ہے جیسی تم نے اپنے دل میں خیال کی اگر چہ بدکار لوگ اس کو ناپسند کریں اور ابو محمد!۔۔۔ (حسن عسکریؑ) میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ اس کے پاس تمام ضرورت کی چیزوں کا علم ہے اور نیز اس کے پاس آیت امامت بھی ہے۔'' اور یہ بات کہ بداء کے ماننے سے معاذ اللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ خود علماء شیعہ نے تسلیم کر لی ہے چنانچہ مولوی دلدار علی مجتہد شیعہ نے اساس الاصول ص ۱۹۴ میں تحریر کیا ہے۔ (بحذف عربی) ترجمہ چاہیئے کہ بداء کا قائل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے باری تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے''۔۔۔ لیکن شیعہ مولوی دلدار کو مانیں یا اصول کافی۔ جیسی مستند و مصدقہ امام مہدیؑ کتاب حدیث کا اعتبار کریں؟

نعوذ باللہ شیعہ بداء کے قائل ہو کر خدا کو جاہل بتا رہے ہیں تو دوسروں کو کیا شکایت۔

ع سمجھ میں ہی نہیں آتی ہے کوئی ذوق بات ان کی ☆ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

(آفتاب ص ۱۸۰)

الجواب بداء کا بیان:

مؤلف نے اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق یہاں بھی دین و دیانت اور خوف حشر و نشر کے تقاضوں سے بالا ہو کر مسئلہ بداء پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے بداء کی یہ توضیح کی ہے کہ (معاذ اللہ) ''خدا جاہل ہے اس کو بہت سی باتوں کا علم نہیں ہوتا'' حالانکہ اصول کافی کے جس باب سے انہوں نے بداء کی تین روایات نقل کی ہیں اسی باب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے ''ان اللہ لم یبدلہ من جھل'' خدا کو کبھی جہل کی وجہ سے بداء نہیں ہوتا۔ نیز اسی باب میں یہ سوال و جواب بھی موجود ہے کہ منصور بن حازم امام

سے دریافت کرتا ہے ’’هل یکون الیو شئی لم یکن فی علم اللّٰہ بالامس؟ ‘‘ آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آج کوئی ایسی چیز واقع ہو جس کا خدا کو کل علم نہ تھا؟ امامؑ فرماتے نہیں! پھر فرمایا من قال هذا فاخره الله ۔ جو شخص ایسا کہے خدا اسے ذلیل و رسوا کرے‘‘۔ یہ امامؑ کی بدعا کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ موصوف زندگی میں بھی ہمیشہ ذلیل و رسوا رہے ہیں۔ مگر آج انکی موت کے ایک عرصہ بعد ان کی رسوائی کے مزید اسباب جمع ہو رہے ہیں۔ بہرحال روایت میں یہ صراحت موجود ہے، ہمارے علماء اعلام کے کلام میں وضاحت موجود ہے کہ خدا کو معاذ اللہ نادانی کی وجہ سے بداء نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ سید عبداللہ شبرؒ مصابیح الانوار ج ا ص ۳۳ طبع نجف اشرف میں لکھتے ہیں۔ ’’ و من نسب ذلک الی الله مامية من النواصب فقد افترى عليهم كذباً و الامامية منه براىٔ‘‘۔ ’’جو شخص ناصبیوں میں سے یہ مطلب امامیہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ ان پر افتراء پردازی کرتا ہے اور وہ اس سے بیزار ہیں۔ بعد ازیں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ خدا کو جاہل سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

بداء کی لغوی تحقیق:

ہاں یہ درست ہے کہ بداء کے لغوی معنی یہی ہیں کہ ظہور بعد الخفا۔ (اور اسی وجہ سے مخالفین کو زبان اعتراض دراز کرنے کا موقع ملتا ہے) مگر شیعہ اس معنیٰ کے اعتبار سے ہرگز بداء کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ جب یہ لفظ خدا تعالیٰ کے حق میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے۔ ’’اظهار بعد الخفاء‘‘ یعنی جو چیز لوگوں پر پہلے مخفی ہوتی ہے خدا اسکو ظاہر کر دیتا ہے جیسے قرآن مجید میں وارد ہے۔ ’’وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ‘‘ (الزمر آیت 47) خدا کی طرف سے لوگوں پر وہ بات ظاہر ہوئی۔ جس کا ان کو پہلے سے گمان بھی نہ تھا۔ یہ حقیقت اربابِ علم وفہم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی لفظ کے متعلق و منسوب الیہ کے بدلنے سے اس کے معنی بھی بدلتے رہتے ہیں مثلاً اهدنا الصراط المستقيم پڑھتا ہر شخص ہے تو کیا جاہل و عالم۔ نیک و بد۔ ولی و نبی ہر شخص کے اعتبار سے اس کے ایک ہی معنی کئے جائیں گے؟ یا متعلق کے بدلنے سے معنی بھی بدلتے رہیں گے؟ اسی وجہ سے علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان میں اس کے سترہ معنی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح آیت مبارکہ ’’وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ‘ (توبہ آیت 105) ۔ میں کیا خدو رسول اور اہل ایمان کی رویئت یکسان ہے؟ ۔۔۔ بہرکیف ’’بدا اللہ‘‘ کے معنی ہیں ’’بدا من اللہ‘‘ اور لام بمعنی من استعمال ہوتی رہتی ہے (ملاحظہ ہو مغنی البیب ج ا ص ۱۷۸ طبع مصر) جریر کہتا ہے۔

لنا الفصل فی الدنیا و انفک راغم ☆ و نحن لکم یوم القیمة افضل

یہاں ’’نحن لکم‘‘ بمعنیٰ ’’نحن منکم‘‘ ہے۔

بداء کا اصطلاحی مفہوم:

کسی لفظ کا مفہوم متعین کرنے کے سلسلے میں ہر جگہ لغت ہی کام نہیں کرتی بلکہ اصطلاح کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ خداوند عالم کے دو نظام ہیں۔ ایک نظام تشریعی۔ دوسرا نظام تکوینی نظام شریعت میں جس چیز کا نام ''نسخ'' ہے (جس کے سب مسلمان قائل ہیں کہ شرعی احکام حالات وظروف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اسی چیز کا نام نظام تکوینی میں بداء ہے (کہ انسان کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل دینا۔ گدا کو شاہ۔ شاہ کو گدا۔ فقیر کو امیر۔ امیر کو فقیر تندرست کو بیمار۔ بیمار کو تندرست کرنا وغیرہ وغیرہ) بالفاظ دیگر ''النسخ کانه بداء تشریعی و البداء کانه نسخ تکوینی'' یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ کوئی عقلمند اور بابصیرت انسان اس کے انکار کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خداوند عالم قادر مطلق ہے اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ "**یفعل اللہ ما یشاء** (حج آیت 18) **و یحکم ما یرید**" چونکہ اس عقیدہ سے یہودیوں کے اس نظریہ باطلہ کی زبردست رد ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے خدائی اختیارات اپنے بعض خاص بندوں کو تفویض کردیئے ہیں اور اب خود بیکار ہوچکا ہے۔ **ید اللہ مغلولۃ** (معاذ اللہ) اسی طرح اس سے ان بعض نام نہاد مسلمانوں کے خیالات فاسدہ کا بھی ابطال ہوجاتا ہے جو کہتے ہیں ''**جف القلم بما کان و ما ھو کائن**''۔ یعنی قلم قدرت خشک ہوچکا ہے۔ نوشتۂ ایزدی میں اب کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا'' مطلب یہ کہ اب خدا مسلوب الاختیار ہے (معاذ اللہ) کی رد میں خدا فرماتا ہے ''**يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ**'' (الرعد آیت 39)۔ خدا جسے چاہتا ہے۔ محو کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت کردیتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

بداء کے بڑی عبادت ہونے کا فلسفہ:

چونکہ اس عقیدہ صحیحہ سے خدائی قدرت کاملہ اور سلطنت عظمیٰ اور اختیارات مطلقہ کا بہت زیادہ اظہار ہوتا ہے اسلئے ائمہ معصومینؑ نے اس عقیدہ پر بہت زور دیا ہے اور اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بداء نہ ہو تو دعا و پکار، صدقہ وخیرات، شفاعت وتوسل اور گریہ وزاری کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا بلکہ یہ تمام سلسلۂ علل واسباب عبث اور بے فائدہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ **کما لا یخفی علی العوام فضلاً عن العلماء الاعلام!**

مؤلف کے پیش کردہ واقعات کی تردید اور اصل حقیقت کا اظہار:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو دو واقعات بیان کئے ہیں اور ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں۔ وہ بناء الفاسد علی الفاسد کی بدترین مثال ہیں۔ پہلا واقعہ بحار الانوار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند اسماعیل کو قائم مقام بنایا۔ مگر جب اس سے کچھ ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوئی تو پھر موسیٰ کاظمؑ کو بنایا اور وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ خدا کو اسماعیل کے متعلق بداء ہوگیا

ہے''۔ بحار الانوار کی سابقہ 25 جلدیں ہیں اور اب تو سو جلدوں سے زائد تعداد میں شائع ہوئی ہے تو جب تک جلد اور صفحہ کا حوالہ نہ ہو اس وقت تک کون اس بحر بے کنار میں غوطہ زنی کر سکتا ہے؟ علامہ سید عبداللہ شبر فرماتے ہیں ''**لم نعثر علیها بعد الفحص**'' (مصابیح الانوار ج ۱ ص ۳۴۴) یعنی باوجود تلاش بسیار ہم اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکتے۔

''**من ادعیٰ فعلیه البیان**'' ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ یہ غلط محض ہے۔ روز ازل سے حقیقی دروازہ ائمہ طاہرین عنداللہ مقرر و معین ہیں۔ پیغمبر خدا نے ان کے نام و نشان بتادیئے تھے اور ان کی جو خصوصی علامات منجانب اللہ مقرر ہیں۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ اصل روایت جسے شیخ صدوق نے کتاب التوحید اور رسالہ عقائد میں نقل کیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ آنجناب نے فرمایا **ما بدا لله امر کما بدا له فی اسماعیل** یعنی جس کے معنی رئیس المحدثین نے یہ فرماتے ہیں۔ **ما ظهر الله امر کما ظهر له فی اسماعیل ابنی اذا اخترمه قبلی لیعلم بذالک اند لیس بامام بعد ابیه**۔ خدا کو کبھی ایسا بداء نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا ''یعنی'' یعنی خدا کی مصلحت اسی طرح کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ جس طرح میرے فرزند اسماعیل کے متعلق ظاہر ہوئی ہے وہ اسے میری زندگی میں موت دے کر واضح کر دیا جو کہ وہ میرے بعد امام نہیں ہے۔ دراصل امام عالی مقام کا مقصد ان لوگوں کے زعم فاسد کا بطلان ظاہر کرنا ہے۔ جو خود یہ قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کا بیٹا اسماعیل امام ہوگا۔۔ دوسری جو روایت مؤلف نے اصول کافی سے نقل کی ہے وہ روایت تو اصول کافی میں موجود ہے مگر اس کے ترجمہ اور مطلب کو اپنی جہالت یا تجاہل کی وجہ سے بالکل بگاڑ دیا ہے اور حقیقت کا چہرہ مسخ کر دیا ہے (منقولہ روایت میں کئی الفاظ کا ترجمہ غلط ہے اور کئی الفاظ کا ترجمہ ندارد ہے۔۔۔ مثلاً۔۔۔۔ اصل روایت میں **قصصهما هے جسے قصته، المرجا بعد ابی جعفر**۔۔۔ کو **المرجا ابی جعفر**۔۔۔ **لم یکن یعرف له**۔ کو **لم تکن تعرف** نقل کیا ہے۔ اور ترجمہ میں **المرجاء بعد ابی جعفر** کا ترجمہ غائب ہے۔ حالانکہ اصل مطلب اسی کے اندر پوشیدہ ہے۔ **لم یکن یعرف**۔۔۔ اور **ما کشف له عن حاله** کا ترجمہ سراسر غلط کیا ہے اس تمام طویل و عریض روایت کا اصل مطلب اور خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ ابوالحسن یعنی امام علی نقیؑ (جنہیں مؤلف نے اپنی ناواقفیت سے بار بار تقی لکھا ہے) کے دو صاحبزادے تھے۔ ابو جعفر (سید محمد) ابو محمد (حسن عسکریؑ) ابو جعفر کے صلاح و تقویٰ کے پیش نظر عام لوگوں کا خیال یہ تھا کہ امام علی نقی کے بعد پہلے وہ امام ہونگے اور انکے بعد ابو محمد (حسن عسکریؑ) لیکن خدا نے شہزادہ سید محمد کو اپنے والد امام علی نقیؑ کے حین حیات میں موت دے کر لوگوں کے زعم باطل کا تار و پود بکھیر کر حقیقی امام حسن عسکریؑ کی امامت کے مطلع کو بے غبار کر دیا۔ یہ ہے ان دو بھائیوں کے واقعہ کی جناب امام موسیٰ کاظمؑ اور جناب اسماعیل کے واقعہ سے مشابہت کی اصل حقیقت۔ ابو ہاشم کہتا ہے میں نے دل میں کہا کہ ان دونوں بھائیوں کا واقعہ بھی امام موسیٰ کاظمؑ اور اسماعیل کے واقعہ کی مانند ہے۔ کیونکہ ابو محمد (حسن عسکریؑ) کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ابو جعفر (سید محمد) کے بعد امام ہوں گے (یہ ترجمہ مؤلف شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے ہیں) اس وقت امام علی نقیؑ

میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ہاں ابو ہاشم! ابو محمد کے بارے میں خدا کو بداء ہوا ہے۔ یعنی ان کے متعلق جو بات لوگوں کو معلوم نہ تھی (یعنی ان کا میرے بعد امام ہونا) اس کو واضح کر دیا ہے (کیونکہ جسے لوگ امام سمجھ رہے تھے اسے پہلے موت دیدی ہے) جس طرح اسماعیل کی موت سے خدا نے حقیقت حال کو منکشف فرما دیا تھا''۔ اب اہل انصاف فرمائیں کہ اس پوری روایت میں یہ کہاں ہے۔ کہ امام علی نقیؑ نے خبر دی تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا سید محمد امام ہوگا لیکن شاید خدا کو علم نہ تھا۔ (الی آخر الھفوات)

ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ جو شخص چند سطری حدیث کا صحیح ترجمہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ گرائمر کے مطابق چند سطریں اردو عبارت کی صحیح لکھ نہیں سکتا۔ اور سوائے تک بندی کے ایک شعر انشاء نہیں کرسکتا (جیسا کہ آفتاب ہدایت کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے) کہ

ع املاء غلط انشا غلط ہر شئے غلط

وہ فن مناظرہ میں کتاب لکھنے کی کس طرح جرأت کرتا ہے؟ افسوس

ع اب آبروئے شیوہ اہل ہنر گئی

اسی لئے عقلاء روزگار نے لکھا ہے

اذا لم تسطع امرا فدعه ☆ و جاوزه الیٰ ما تستطیع

باقی رہی یہ بات کہ علامہ سید دلدار علی اعلی اللہ مقامہ نے اساس الاصول میں بداء کا انکار کیا ہے۔ تو مؤلف نے انکی اسی کتاب کے ص ۴۱۹ کا حوالہ دیا ہے۔ ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ مطبوعہ لکھنو موجود ہے وہ تو کل ص ۲۲۸ پر تمت بالخیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسمیں ص ۴۱۹ پر اس عبارت کا موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض انہوں نے انکار کیا بھی ہے۔ تو یہ انکی ذاتی رائے ہوگی جو ہماریء لئے حجت نہیں ہے۔ ہمارے لیے تو شریعت مقدسہ میں اگر حجت ہے تو یا قرآن ہے یا سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا فرمان و بس۔ اور جب وہ دونوں بدا کی حقانیت وصداقت پر شاہدین کے طور پر ناطق ہیں تو پھر اس کے صحیح ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے اور کسی عالم کے انکار کرنے سے اسکی صداقت کس طرح مشتبہ ہوسکتی ہے''۔ بخاری ج ۲ ص ۱۶۰ طبع مصر میں ابرص، اقرع اور اعمیٰ کے ایک قصہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''بدا اللہ ان یتلیھم'' خدا کو بداء ہوا کہ ان کو بتلا کرے۔ اس سے بھی بداء کا صحیح اور واقعہ ہونا ثابت ہوتا ہے[1]۔ علاوہ بریں صاحب اساس الاصول نے اپنی کتاب جو انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں لکھی ہے بڑی شد و مد کے ساتھ مسئلہ بداء کو ثابت کیا ہے۔ العوام الاسلامیہ ص ۸۱، ۸۲ طبع کلکتہ۔

---

[1] (مسئلہ بداء کی پوری تفصیلات اور اس کی صحت کے دلائل وبراہین نیز اس پر وارد شدہ ایرادات کے مکمل جوابات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد وشرح العقائد کی طرف رجوع کریں۔ منہ عفی عنہ)

دوسرا مسئلہ تقیہ:

شیعہ کا ایک مسئلہ تقیہ کا ہے۔۔۔اس کو اعلیٰ عبادات میں شمار کیا گیا ہے۔اصول کافی ص ۴۸۴ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ، امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے۔تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے اسکا کوئی ایمان ہی نہیں ہے نیز اصول کافی ص ۴۵۴ میں ہے۔ترجمہ ''صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نو حصے دین تقیہ میں ہے جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے''۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اتنی بڑی عبادت تقیہ ہے کیا چیز؟۔۔۔تقیہ کہتے ہیں خلاف حق (جھوٹ) بات کہنا اور حق کا اخفا کرنا۔۔اصول کافی ص ۴۸۳ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ۔''ابوبصیر سے روایت ہے کہ اما مصادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے راوی نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا واللہ خدا کے دین سے ہے۔یوسفؑ نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو! بخدا انہوں نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ابراہم نے کہا میں بیمار ہوں۔بخدا وہ بیمار نہ تھے اس روایت سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں جیسا کہ معاذ اللہ یوسفؑ وابراہیمؑ جھوٹ بولے۔حیات القلوب ج ا ص ۴۳۰ میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ: ''دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحاب کہف کے برابر نہیں ہوسکتا کہ وہ جنجو پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے اور خدا نے ان کا ثوب دو چند کردیا''۔۔۔اس روایت سے بوضاحت ثابت ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔بڑے تقیہ باز اصحاب کہف تھے۔اللہ اللہ شیعہ خود تو جھوٹ بولا کریں۔تقیہ کا ثواب لوٹیں۔لیکن پاک پیغمبروں، اولیاؤں، اماموں کو تقیہ باز جھوٹ کہنے والا کہنے سے تامل کیا کریں!۔۔۔اسوقت رسالہ موعظہ تقیہ میرے سامنے ہے اس میں جناب امیر علیہ السلام کا تقیہ یوں درج ہے''۔اس اصول پر جس کو میں بیان کر چکا ہوں۔جناب امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا اور ضرور تقیہ کیا۔کیونکہ جسطرح صدر اسلام میں رسول اللہؐ نے ۳۰ انصار واعوان ہونے کے باوجود تقیہ کیا۔جناب امیرؑ نے بھی قلت انصار واعوان کے سبب خلفاء سے تقیہ کیا۔اس تقیہ کرنے سے اگر پیغمبر اسلامؐ کی شجاعت وقوت وجرأت پر کوئی حرف نہیں وارد ہوتا تو نفس رسولؐ (علیؑ) پر جو کسی طرح پیغمبر سے کسی وصف میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا۔ مزید برآں جناب امیر نے بھی محض حفاظت اسلام کیلئے اس وقت تقیہ کیا۔اگر وہ تقیہ نہ کرتے صدرِ اسلام کا زمانہ تھا اور مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑجاتا''۔

مسئلہ تقیہ کی ایجاد:

موجدان مذہب شیعہ نے جب دیکھا کہ جناب امیرؑ کے خطبات اور ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال سے اصحاب ثلاثہ کی تعریف

بیحد پائی جاتی ہے اور جناب امیرؑ عہد خلافتِ اصحابِ ثلاثہ میں ان سے شیر وشکر رہے۔ پھر کس طرح یقین کیا جائے کہ اصحابِ ثلاثہ سے وہ ناراض تھے۔اس کے جواب کیلئے انہوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا کہ یہ سب کچھ جناب امیرؑ اور اہلبیت کا تقیہ تھا۔۔۔اور بے حد فضیلت رکھتا ہے۔۔۔ چلو چھٹی ہوئی۔۔ یہاں تک کہہ دیا کہ ائمہ اہلبیتؑ نے فرما دیا ہے کہ دین حق ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ چھپانے کیلئے ہوتا ہے۔۔۔اُصول کافی ص ۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شیعہ کو یوں فرمایا (بحذف عربی) ترجمہ: ''اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے۔اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے خدا اس کو ذلیل کریگا۔ دوسری جگہ اسی کتاب کے ص ۵۵۲ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: ''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کردے گو یا اس نے ہمیں عمداً قتل کر دیا نہ خطائً نیز کتب مذکور کے ص ۵۵۱ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: ''امام صادقؑ نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کردے خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے''۔ ہر ایک عاقل ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں یار لوگوں کی گھڑت ہیں ورنہ ائمہ دین ایسا کیوں کہیں کہ حق کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے۔۔۔اور اس کا کتمان باعثِ خوشنودی خدا ہے۔۔۔ ہاں یہ درست ہے کہ روافض کا مذہب ضرور چھپانے کے قابل ہے۔اس کی تشہیر باعث فتنہ وفساد ہے۔اور مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہلبیتؑ نہیں ہوسکتا۔ بھلا جس مذہب میں امہات المؤمنین (ازواج رسولؐ) کو گالیاں دینا ان کو لعنت تبرا بھیجنا جائز بلکہ داخل عبادت ہو وہ کبھی اہل حق کا مذہب نہیں ہوسکتا۔شاعر نے خوب کہا ہے۔

ؔرکھیں جو نا خلف بغض و حسد امت کی ماؤں سے ☆ انہیں آبِ کوثر شیر مادر ہو نہیں سکتا!

(آفتاب ہدایت از ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۴)

الجواب:

تقیہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔جن کے متعلق شیعیان حیدرؑ کرار کو خوب بدنام کیا جاتا ہے۔اور ان پر طعن وتشنیع کے خوب تیر چلائے جاتے ہیں۔

تقیہ ایک فطری تقاضا ہے:

مخالفین کے اس زہریلے پروپیگنڈہ کے پنپنے کی وجہ یہ ہے۔کہ عام اہل اسلام اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ورنہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوا ہے کہ شیعہ جس تقیہ کے قائل ہیں وہ فقط انہی سے مختص نہیں بلکہ یہ ایک ایسا عقلی وفطری تقاضا ہے کہ جسے بلا امتیاز مذہب وملت و بلا اختلاف رنگ ونسل تمام لوگ بوقت ضرورت عمل میں لاتے رہتے ہیں۔ و من ینکر فانھا ینکر

باللسان و قلبه مطمئن بالایمان اگر کمزور و ناتواں انسان تقیہ سے کام نہ لیں تو وہ ختم ہو جائیں۔ اسلام جو دین فطرت ہے وہ کس طرح اس فطری حق کی نفی کر سکتا ہے؟ اسلام کی نگاہ میں مسلمان کی جان اس قدر گراں قدر ہے کہ اس کی حفاظت کی خاطر وہ اسے خنزیر کا گوشت تک کھانے کی اجازت دے دیتا ہے (فمن اظفر غیر باغٍ و لا عاد فلا اثم علیه) اور مال حلال اسقدر بیش قیمت ہے کہ اسکی حفاظت کرتے ہوئے جاں بحق ہونے والے کو شریعت اسلامیہ شہید قرار دیتی ہے (فتاویٰ برہنہ وغیرہ) تو کیا وہی شریعتِ مقدسہ اسی جان و مال کی حفاظت کی خاطر آدمی کو خلاف حق بات کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی؟ جبکہ دل و دماغ حق بات پر مطمئن ہوں؟ اگر تعصب و عناد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کے فرمان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ حفظِ جان کی خاطر نہ صرف عام خلاف حق بات کہنا روا ہے۔ بلکہ کلمۂ کفر تک زبان پر جاری کرنا جائز ہے۔

تقیہ کا قرآن سے ثبوت:

ارشاد قدرت ہے کہ "مَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (سورہ نحل آیت 106) جو شخص (کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو دل کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے"۔ (ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی)

اس آیت مبارکہ کا شان نزول قریب قریب تمام مفسرین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کفار مکہ نے جناب عمارؓ اور انکے والدین یاسرؓ و سمیہؓ کو گرفتار کر کے چند کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا۔ جناب یاسرؓ و سمیہؓ نے انکار کیا نتیجتاً کفار نے ان کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ لیکن جناب عمارؓ نے کلمات کہہ دیئے اسلیئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ عمار کافر ہو گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسا مت کہو عمارؓ تو سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے اور ایمان اس کے گوشت و پوست کے ساتھ مخلوط ہے۔ اس اثناء میں حضرت عمارؓ باچشم گریاں و دل بریاں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا ان عادو الک فعد (کوئی بات نہیں) اگر کفار تجھ سے دوبارہ یہی کلمات کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا۔ اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۶۔ کشاف ج ۲ ص ۳۴۵۔ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۵۵ طبع مصر وغیرہ) یہ آیت مبارکہ بوقت ضرورت دل میں حق کو پوشیدہ رکھ کر زبان سے خلافِ حق بات کہنے۔ بالفاظ دیگر تقیہ کے جائز ہونے پر ایسی نص صریح ہے کہ اسلام کا کوئی کلمہ گو انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر ج ۱ ص ۳۹۶ طبع مصر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں وهو دلیل جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ۔ یعنی یہ آیت اکراہ و اجبار کے وقت کلمۂ کفر کہنے کے جواز کی دلیل ہے۔ اور تفسیر اکلیل، جامع البیان اور معالم التنزیل میں لکھا ہے "والاجماع علی جواز کلمة الکفر عند الاکراہ" یعنی مجبوری کے

وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پھر نہ معلوم مولوی کرم الدین صاحب شیعوں پر کس لئے طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہیں؟

(۲) نیز ارشاد ربانی ہے۔ ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ '' (سورۃ آل عمران آیت 28) مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا۔ تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) ان (کی شرارت) سے بچنا چاہو (تو خیر) اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخر کار) اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ (ترجمہ نذیر احمد دہلوی) یہ آیت تقیہ کے جواز پر نص صریح ہے یہاں تو صراحتاً لفظ ''تقاۃ'' موجود ہے جسے قراء سبعہ میں سے یعقوب قاری نے ''تقیہ'' پڑھا ہے (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۰۵ طبع لکھنو) نیز قتادہ اور ابورجاء بھی اسے ''تقیہ'' ہی پڑھتے تھے۔ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۶۴ طبع مصر) مفسر بیضاوی نے (ج ۱ ص ۱۰۵ طبع مصر) پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''منع عن موالاتھم ظاھراً و باطناً فی الاوات کلھا الا وقت المخافة فان اظھار الموالاۃ حینئذ جائز '' یعنی خداوند عالم نے تمام اوقات و حالات میں ظاہری و باطنی طور پر اکفار کی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں البتہ جب ان سے (مال یا جاں) کا خوف ہو تو اس وقت ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔'' (کذا فی تفسیر معالم التنزیل)۔ جو کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ حرمة مال المسلم کدمه مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون (جان) کی مانند ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ فاضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۷۰ پر لکھا ہے۔ ''ومنھا انھا جائزة لصون المال علی الاصح کما انھا جائزة لصون النفس لقوله صلی اللہ علیه و آله وسلم حرمة مال المسلم کدمة''۔ یعنی منجملہ ان مقامات کے جہاں تقیہ جائز ہے۔ ایک مال کی حفاظت بھی ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون کی مانند ہے''۔

احادیث سے تقیہ کا ثبوت:

مؤلف نے فضیلت تقیہ کے سلسلہ میں جو حدیثیں کتب شیعہ سے بغرض اعتراض نقل کی ہیں۔ بالکل ایسی ہی روایات خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً کنز الاعمال ج ۲ ص ۲۲ طبع حیدر آباد۔ میں مرقوم ہے ''لا دین لمن لا تقیه له '' یعنی جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے'' اسی طرح بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۶۴ طبع دہلی میں الا ان تتقوا منھم تقاۃ' کے ذیل میں ''تقاۃ'' کی تفسیر تقیہ کے ساتھ کرتے ہوئے لکھا ہے و قال الحسن التقیة الی یوم القیامة یعنی حسن بصری کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی ہے۔ لہٰذا انہوں نے جو ایراد ہم پر کیا ہے وہی خود ان پر وارد ہوتا ہے!

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

انبیاء کا تقیہ:

قرآن و حدیث سے بعض انبیاء علیہم السلام کا بعض اوقات و حالات میں تقیہ کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جناب موسیٰ و فرعون کی اہمی گفتگو کا تذکرہ موجود ہے۔ فرعون کہتا ہے و بعث فینا من عمرک سنین اے موسیٰ اتم اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں گذار چکے ہو (تب اعتراض نہیں کیا تو اب کیوں کرتے ہو؟) اسکی تفسیر میں مفسر بیضاوی نے لکھا ہے" فانہ علیہ السلام کان یعایشھم بالتقیہ" یعنی حضرت موسیٰ ان فرعونیوں میں تقیہ کی زندگی گزارتے تھے۔ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۶۳ طبع لکھنو۔ اسی طرح قرآن میں مؤمن آل فرعون کا تقیہ کیساتھ وقت گزارنے کا تذکرہ موجود ہے۔ قال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانہ ایک مرد ایماندار تھا (اور) اپنے ایمان کو چھپاتا تھا (وہ یہ ماجرا سن کر) بولا (ترجمہ نذیر احمد دہلوی)

مؤلف کو اصحاب کہف والی روایت پر اعتراض ہے تو وہ یہاں مؤمن آل فرعون کے تقیہ کرنے والی آیت کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کرینگے؟۔۔۔ اسی طرح حضرت یوسف کے حکم سے منادی کا یہ اعلان کرنا کہ" اَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ "(سورہ یوسف آیت 70) اے قافلہ والو! تم چور ہو! اسے بھی حضرت یوسفؑ کا تقیہ ہی قرار دیا جائیگا۔ کیونکہ یہ سب کچھ انہی کے حکم کے ماتحت ہو رہا تھا۔ کما لا یخفی۔۔۔

مؤلف ہماری اس روایت پر تو زبان اعتراض دراز کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تقیہ کرنے کا ذکر ہے۔ مگر وہ اپنی صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۴۶ طبع مصر والی اس روایت کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں جس میں مروی ہے۔ لم یکزب ابراھیم الاثلاثا کہ جناب ابراہیم نے سوائے تین جھوٹوں کے اور کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ (کذا فی المسلم ص ۲۲۶ ج ۲) فرق اس قدر ہے کہ ہماری روایت میں جناب ابراہیمؑ کا تقیہ کرنا مذکور ہے اور بخاری میں ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا اہل انصاف فرمائیں کے بے ادبی کا پہلو کس طرف سے نمایاں ہے؟ اسی طرح جناب یعقوبؑ کا تقیہ کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ جناب یوسفؑ سے ان کا خواب سن کر فرماتے ہیں یابنی لا تقصص رویاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا" اے بیٹا! یہ اپنا خواب بھائیوں پر ظاہر نہ کرنا۔ کہیں وہ تیرے خلاف کوئی مکر و فریب نہ کریں۔ اسی طرح سرور کائنات کا اعلان نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں تقیہ سے گذر بسر کرنا اظہر من الشمس ہے۔ جب تک آیت مبارکہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (سورہ حجر آیت 94) نازل نہیں ہوئی۔ آپؐ نے کھلم کھلا تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام نہیں دیا ان واقعات کی تفاصیل تمام کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ مثلاً تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۸، ۲۱۶ میں ہے و کان قبل ذلک فی السنین الثلاث مستتراً۔ فی دعوتہ و لا یظھرھا الا لمن یثق بہ یعنی آنحضرتؐ بعثت کے پہلے تین سالوں میں چھپ کر دعوت اسلام دیتے تھے اور سوائے قابل وثوق آدمیوں کے اور کسی کے سامنے اسے ظاہر نہیں کرتے تھے اور اس مدت میں نماز مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں چھپ کر پڑھتے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۴۷ وغیرہ) اسی طرح

آیت فاصدع بماتومر کے نزول تک آنحضرتؐ کے پوشیدہ طور پر تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں درج ذیل کتب کی طرف رجوع کریں۔ تفسیر درمنشور ج ۴ ص ۱۰۶۔ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۱۹ طبع مصر۔ معالم التنزیل ص ۴۹۹ طبع بمبئی۔ مواہب لدنیہ قسطلانی ج ۱ ص ۲۴۷ طبع مصر۔ سیرۃ ابن ہشام مع روض الانف ج ۱ ص ۱۶۸ طبع مصروغیرہ (بحوالہ فلک النجاہ) یہ وہ وقت تھا کہ ہنوز جہاد واجب نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے دین و مذہب پر کچھ اعتراض کرتا تو آپ ''**لکم دینکم ولی دین**'' (سورہ کافرون آیت 6) (تمہارا دین تمہارے لئے اور مریا دین میرے لئے) کہہ کر خاموش ہوجاتے تھے!

نبیؐ وعلیؑ کے تقیہ میں مماثلت:

سرکار علامہ حائری مرحوم نے اپنے رسالہ ''موعظہ تقیہ'' میں نبیؐ وعلیؑ کے تقیہ کے درمیان جو مماثلت ومشابہت بیان کی ہے وہ بالکل درست ہے اور مؤلف ہرگز اس کی رد نہیں کر سکے۔ صرف ادھر ادھر کی غیر متعلق باتوں سے بات کو ٹالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جناب امیر اصحاب ثلاثہ کو کیسا سمجھتے تھے؟ بوقت شوریٰ خلافت ٹھکرا دی مگر سیرت شیخین پر چلنا گوارا نہ کیا، ان کے باہمی تعلقات کیا تھے؟ وہ باہم شیر وشکر تھے یا تیر وتلوار وغیرہ وغیرہ ان تمام امور پر سابقہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جنابؑ نے ظاہری منصب خلافت پر فائز ہوتے ہی یہ اعلان کیا تھا۔ **لو ثبت قدمای لغیرت اشیائ۔** اگر مجھے ثابت قدمی حاصل ہوگئی تو میں بہت سی چیزوں میں اصلاح کروں گا؟ (نہج البلاغہ) گو اگر آپ وہ موعودہ اصلاحات کا نفاذ اور ثلاثہ کی بدعات کا خاتمہ نہیں کر سکے تو وہ بوجہ شرط کے فقدان کے تھا۔ **اذافات الشرطفات المشروط۔** نہ مولوی صاحب کے بزرگوں نے جناب امیرؑ کو پوری ظاہری خلافت کے دور میں ایک دن اطمینان سے کام کرنے دیا اور نہ آپ وہ اصلاحات نافذ کر سکے۔ اس میں قصور حضرت امیرؑ کا نہیں بلکہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کا ہے۔ بخاری شریف مع الفتح ج ۲ ص ۹۸، ۱۰۰ سے ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ بعض نو مسلم لوگوں کے مرتد ہوجانے کے اندیشہ کے پیش نظر خانہ کعبہ کو اس کی صحیح بنیادوں پر استوار نہ کر سکے تو کیا اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قصور ہے؟ حاشا وکلا۔۔۔ ان حقائق سے روز روشن کی طرح واضح واشکار ہوگیا کہ مؤلف نے مسئلہ تقیہ کی ایجاد والے عنوان کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ حقائق کے سراسر خلاف ہے۔

کتمان علم کا فلسفہ:

جن احادیث میں ائمہ اہلبیتؑ نے کتمان کا حکم اور پھیلانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس سے پورا مذہب اور اس کے مسائل مراد نہیں ہیں بلکہ اسکے بعض ایسے اسرار ورموز مراد ہیں جن کو عوام کے ذہن قبول نہیں کر سکتے۔ اسی بناء پر حکماء کا اصول ہے کلموا الناس علی قدر عقولھم لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے بات کیا کرو۔ بخاری مع فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۴ میں حضرت امیرؑ کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل کیا

ہے فرماتے ہیں۔ حدثوا الناس بمایعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ لوگوں کے سامنے وہ حدیث بیان کرو جسے وہ سمجھ سکیں کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ خدا اور رسولؐ کو جھٹلایا جائے؟ کنزل العمال ج ۵ ص ۲۴۲، ۷ ۲۴ پر یہی ارشاد نقل کیا گیا ہے اس میں اتنا اور اضافہ ہے فرمایا۔ ودعوا ماینکرون جس بات کا سننے والے انکار کریں وہ ان کے سامنے بیان نہ کرو۔ نیز کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۶، ۲۱۴ میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے فرمایا لاتحدثوا امتی من احادیثی الا بماتحملہ عقولھم میری امت کے سامنے میری وہ حدیثیں بیان کرو جن کو انکی عقلیں برداشت کرسکیں۔ ابو ہریرہ بیان کرتے تھے۔ لوحدثکم بکل ما انا علم رمیتمونی بالقشع ای بالحجر والمدر وقال زالک استخفافاًبی وتکذیبا لقولی اور میتمونی بالجلد یعنی میں جو کچھ جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ بیان کردوں توتم مجھے سبک سمجھتے اور میرے قول کو جھٹلاتے ہوئے پتھروں۔ ڈھیلوں یا کوڑوں سے مارو گے (نہایۃ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۶ وانوار اللغتہ پ ۲، ۱۳، ۲۶، ۲۱ وغیرہ) اسی طرح بخاری ج ۱ ص ۲۴ طبع مصر میں انہی ابو ہریرہ صاحب سے مروی ہے قال حفظت من رسول اللہ وعائین مافا احدھما فبثثتہ واما ال آخر فلو بثثتہٗ قطع ھذا الحلقوم (کذافی انوار اللغتہ پ ۲ ص ۲۸، وپ ۲۱ ص ۸۷،، پ ۲۶ ص ۲۷) یعنی میں نے رسول اللہؐ سے حدیثوں کے دوظرف پر کئے (دوخزانے حاصل کئے) ایک تو میں نے کھولا ہے (شائع کردیا ہے) اور اگر دوسرے کو کھولوں (شائع کروں) تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ یہاں مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔ آیا وہ تعلیمات رسالت آبؐ ناقابل اظہار تھیں۔ یا عالم لوگ ان حقائق واسرار کو سننے کے لائق نہ تھے؟ یقین ہے کہ یہاں دوسری شق کو اختیار کیا جائے گا تو ہماری حدیثوں کے بارے میں کیوں ایسا نہیں کیا جاتا! امام غزالی نے احیاء العلوم ج ۱ ص ۶۳، ۴۳ طبع مصر وطبع نولکشور ج ۱ ص ۵۹ پر اقسام علم لکھتے ہوئے پہلی قسم وہ قرار دی ہے جسے اسکے غامض اور دقیق ہونے کی وجہ سے صرف خواص سمجھ سکتے ہیں نہ عوام۔۔ بعد ازں لکھا ہے کہ خواص کو چاہیئے کہ وہ اسے نااہلوں پر ظاہر نہ کریں تاکہ فتنہ وفساد برپا نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرتؐ اس قسم کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے اسکے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہمارے ائمہ طاہرینؑ کو کس قسم کے لوگوں اور حاکموں سے واسطہ پڑا تھا۔ وہی بنی امیہ و بنی عباس ہی تو تھے جنھوں نے شریعت کو ایک کھلونا بنا رکھا تھا اور اس دور میں شیعیان علی کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں تھا۔ ایسے حالات میں ائمہ اہلبیتؑ کا اپنی حکمت عملی سے اپنے جد نامدارؐ کے دین کی نشر واشاعت کرنا اور اس مقدس امانت کو آنے والی نسلوں تک صحیح طور پر پہنچانا اور اپنے نام لیواؤں کے مال وجان کی حفاظت کرنا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ ہر امامؑ نے دین کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لئے وہی طریقۂ کار اختیار کیا جو وقت کے تقاضوں کے مطابق تھا۔ وہ جنگ تھی یا صلح۔ وہ تلوار وتیر کی کاٹ تھی یا زبان وقلم کی جنبش مقصد ومدعا سب کا ایک تھا اور وہ تھا دین اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت۔ وبس۔ مولوی صاحب!

ع نہ در ہر سخن بحث کردن روا است ☆ خطائے بزرگان گرفتن خطا است!

مگر اس کا کیا کیا جائے کہ:

ع سخن سناس نہ دلبرا خطا اینجا است!

مذہب اہلسنت میں جھوٹ بولنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے:

کسقدر ستم ظریفی ہے کہ جن کے مذہب میں بوقت ضرورت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب بھی ہے۔ وہ آج شیعوں پر طعن توڑتے ہیں کہ وہ خلاف حق بات کرنے یعنی جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فاضل نودی نے شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۶ طبع دہلی پر لکھا ہے جس کا ماحاصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کوئی انسان چھپا ہوا ہو اور کوئی آدمی اسے قتل کرنے کی نیت سے آجائے یا کسی کے پاس کوئی امانت موجود ہو اور کوئی شخص اسے غصب کرنا چاہے تو اس آدمی پر انکا اخفا لازم ہے۔ آخر میں لکھا ہے و **هذا کذب جائز بل واجب**۔ یعنی یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور پھر "**قد اتفق الفقهاء**" کہہ کر اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے! اس سے واضح ہو گیا کہ اب اختلاف صرف نام کا ہے۔ ہم اس تقیہ کہتے ہیں اور سنی جھوٹ ورنہ اصل حقیقت میں کوئی نہیں ہے

ے کیا لطف کہ غیر پردہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

صرف نزاع لفظی ہے:

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اس حقیقت کا اقرار کر لیا ہے کہ اس کے بعد شیعہ و سنی میں نزاع لفظی ہے چنانچہ صاحب النصائح الکافیہ ص ۱۹۰ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں۔ **قلت اتفق اصحابنا علی جواز الکذب عند الضرورة بل و المصلحة و هو عین التقیة لکن ان عبرت عنه بلفظ التقیة منعه کثیر منهم لکونه من تعبیرات الشیعه فالخلاف فیما یظهر لفظی و الله اعلم**۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء (اہلسنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہے۔ ہاں البتہ اگر اسے لفظ "تقیہ" سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی ممانعت کی ہے۔ کیونکہ یہ تعبیر شیعوں سے مختص ہے۔ بنا بریں بظاہر یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔ واللہ اعلم۔۔۔ ہم اس مقام پر صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ے ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین اپنا چھوڑ کر ☆ ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

یہ کہنا بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ یہ تعبیر (تقیہ) شیعوں کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث سے یہی تعبیر پیش کر چکے ہیں مگر یہ کہ قرآن و حدیث کو بھی شیعوں کے پلڑے میں ڈال دیا جائے لیکن یہ سودا معترض کو مہنگا پڑے گا!!

بعض علماء اہلسنت کا اعتراف حقیقت:

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی نے کھل کر اعتراف حق کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب انوار الفقہ پ ۳ ص ۱۵ پر بذیل عنوان

''التقیہ'' لکھتے ہیں۔''التقیہ'' اسکو بھی کہتے ہیں کہ آدمی اپنا اعتقاد عزت یا جان جانے کے ڈر سے چھپائے یہ اہلسنت اور امامیہ سب کے نزدیک جائز ہے۔قرآن میں ہے۔''وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ (سورہ غافر آیت 28) اور إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً (سورہ آل عمران آیت 28) حضرت عمار نے تقیہ کیا تھا'' نیز اسی کتاب کے پ ۲۶ ص ۸۴ بنگلور پر ہے''التقیۃ الی یوم القیامۃ'' حسن بصری نے کہا تقیہ قیامت تک باقی رہے گا۔یعنی جب جان جانے کا ڈر ہو یا بے عزتی کا یا کوئی عضو کاٹے جانے کا یا ضرب شدید کا جس کا تحمل نہ ہو سکے تو کسی حیلہ سے اپنے تئیں بچانا اس کا نام تقیہ ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً (سورہ آل عمران آیت 28) اور ناواقف لوگ تقیہ کو روافض کا خاص طریق سمجھتے ہیں حالانکہ اہلسنت کے نزدیک بھی اپنے موقعہ پر جائز ہے۔واہ چہ خوش!

؎ خوشتراں باشد کہ سر دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

والحمدللہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

ان حقائق سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ تقیہ کا انکار قرآن کریم و سنت سید المرسلین، عقل سلیم اور اجماع مسلمین کے انکار کے مترادف ہے۔اعاذنا اللہ منہ اور ایسے منکر کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ ع عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے۔

مؤلف نے یہ بھی کہا ہے کہ مذہب روافض چھپانے کے قابل ہے تو کیا ظاہر کرنے کے قابل وہی مذہب اہلسنت ہے۔جس کے عقائد و اعمال کا نقشہ اسی کتاب کی ابتداء میں مذکور ہے؟ اور اگر مذہب شیعہ ائمہ اہلبیتؑ کا مذہب نہیں۔تو کیا اہلسنت کا مذہب ائمہ اہلبیتؑ کا مذہب ہے؟ جس کے اکابر خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا مذہب علیؑ کے آثار پر استوار نہیں بلکہ اجماعیات عمر پر ہے۔چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی قرۃ العینین میں لکھتے ہیں۔''امہات مذاہب اربعہ برآ ثار مرتضیٰ نیست بلکہ پر اجماعیات عمر بن الخطاب وفتویٰ ابن مسعود است'' (اس موضوع کی تفصیل اسی بحث کی ابتداء میں گذر چکی ہے) اور اگر بزعم مؤلف امہات المومنین پر لعنت و تبرا کرنے والے جو کہ سراسر اتہام ہے) آب کوثر نہیں پی سکتے۔تو پھر کیا ساقئ حوض کوثر سے بغض و عناد رکھنے والے اور ان پر تبرا کرنے والے اور ان سے جنگیں لڑنے والے اور ان کی اولاد کے قاتلوں کی وکالت کرنے والے اور ان کے محبوں کو کافر اور دشمنوں کو مسلمان کہہ کر زمین میں فساد پھیلانے والے آب کوثر و تسنیم پئیں گے؟؟ مالکم کیف تحکمون؟

؎ ہزاروں نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک ☆ کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے

تیسرا مسئلہ متعہ:

شیعہ حضرات کے مسائل کا کیا کہنا

ع جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی

ہراک مسئلہ نرالا اور ہر ایک مقولہ عجوبہ روزگار ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک عجیب وغریب مسئلہ متعہ کا ہے متعہ کی فضیلت میں مستقل رسالے تصنیف کئے گئے ہیں۔

فضائل متعہ:

(۱) تحفۃ العوام ج ۲ ص ۲۷۱ میں فرمایا جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ وہ اہل بہشت میں سے ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور عورت کہ متعہ کرے۔

(۲) برہان المتعہ ص ۵۰ ۔۔۔ (بحذف عربی) ''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص متعہ کرے پھر غسل جنابت کرے۔ پانی کے ہر قطرہ سے جو اس کے بدن سے گرے خدا تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتا ہے۔ جو اس متقی شخص کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔''

(۳) ایسا ہی منہج الصادقین ص ۳۵۱ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: ''نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کہ ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات ملے جو دو مرتبہ کرے اس کا حشر پاک لوگوں (پیغمبروں، اماموں، ولیوں) کے ساتھ ہوگا۔ جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ رسول پاکؐ کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

(۴) قال النبی (بحذف عربی) ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کے بدن کا تیسرا حصہ آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

(۵) قال النبی (بحذف عربی) ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے درجہ امام حسنؑ کا پائے اور جو دو دفعہ کرے تو درجہ امام حسینؑ کا پائے۔ تین دفعہ کرنے سے حضرت علی کا رتبہ ملے۔ چار دفعہ کرنے سے رسول پاک کا ہم مرتبہ ہو جائے۔ ایسا ہی شیعہ کی معتبر تفسیر منہج الصادقین ص ۲۵۶ میں ہے۔ سبحان اللہ! شیعہ مذہب میں متعہ مبارک میں کس قدر فضیلت ہے نہ ایسی فضیلت نماز روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ دیگر عبادات کی ہے کہ حسب روایات عمر بھر میں ایک دفعہ متعہ کر لینے سے بہشت کا ٹھیکہ مل جاتا ہے۔۔ حسب روایت متعہ کنندہ جب غسل کرتا ہے تو اس کے بدن سے بے تعداد قطرات پانی کے گرتے ہیں ایک ایک قطرہ سے ستر ستر فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں (چند سطروں تک مذکورہ بالا روایات کے مطالب کو بطور تمسخر دھرانے کے بعد لکھا ہے) پھر نماز و روزہ، حج زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی کیا ضرورت؟۔۔۔ بس چار دفعہ کار ثواب (متعہ) کر لیا جائے ہم خرما و ہم ثواب حظ نفس بھی حاصل ہوا اور بہشت بھی مل جائے:

کیا کوئی شخص ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے کہ یہ بیہودہ روایات جو ائمہ دین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں فی الواقع انکے ہی اقوال ہیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص شہوترانی کی غرض سے ایسے فعل قبیح کا ارتکاب کرے اور وہ جنت

فردوس کا مالک بن جائے اور اماموں اور انبیاء کا ہم رتبہ ہوجائے۔

ہم آریہ کے خلاف مسئلہ نیوگ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں۔ آریہ اس کے جواب میں متعہ کا مسئلہ پیش کرتے ہیں بتائیں اس کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟

متعہ کیا چیز ہے؟ متعہ فی الحقیقت زنا ہے۔ جس کا نام صرف تبدیل کیا گیا ہے۔ اور اوصاف سارے وہی ہیں۔ کیونکہ متعہ میں گواہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ توریث بھی نہیں۔ تعداد بھی متعین نہیں۔

۔۔۔ جیسا زنا میں خرچی مقرر اور وقت متعین کیا جاتا ہے ایسا ہی متعہ میں بھی ہے۔ پیشہ ور عورتیں بے حجاب بازاروں میں پھرتی ہیں۔ اسی طرح ممتوعہ عورت کو بھی پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اجرت متعہ:

بازاری عورتوں کی اجرت خرچی چار آٹھ آنہ یا روپیہ دو روپیہ مقرر کی جاتی ہے۔ لیکن ممتوعہ عورت کی اجرت۔ حسب روایات شیعہ مٹھی بھر گیہوں یا ستو یا کھجور وغیرہ کافی ہے۔ (بعد ازاں فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۴ سے اس مضمون کی دو روایتیں نقل کی ہیں کہ متعہ میں ادنیٰ مہر کیا ہے۔ فرمایا مٹھی بھر طعام۔ آٹا۔ یا ستو یا کھجور۔

لاتعداد عورتوں سے متعہ:

نکاح چار عورتوں سے زائد نہیں ہوسکتا۔ لیکن متعہ کی عام اجازت ہے۔ خواہ ہزار عورتوں سے متعہ کرے۔۔۔ (بحذف عربی) ابوبصیر کہتا ہے۔ صادق علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا چار عورتوں سے ہی متعہ ہوسکتا ہے؟ کہا چار کیا بلکہ ستر کی بھی حد نہیں ہے (فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۱) زرارہ نے امام علیہ السلام سے پوچھا کتنی عورتوں سے متعہ ہوسکتا ہے؟ کہا جتنا جی چاہے۔

ایک عورت سے بار بار متعہ:

ایک عورت کو طلاق مثلثہ دی جائے تو دوبارہ اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ لیکن متعہ کے متعلق عام اجازت ہے۔ ایک عورت سے کئی بار متعہ کیا جاسکتا ہے۔۔۔ (بحذف عربی) ترجمہ زرارہ کہتا ہے میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا میں آپ پر قربان۔ کوئی متعہ کرنے اور اس کی شرف پوری ہوجائے۔ پھر دوسرا شخص اس سے متعہ کرے حتی کہ تین دفعہ اس سے قطع تعلق ہو اور تین خاوند کرچکی ہو کیا پہلا شخص اس سے متعہ کرسکتا ہے؟ آپ نے کہا جتنی دفعہ چاہے متعہ کرے یہ آزاد اصیل عورت جیسی نہیں۔ بلکہ کرایہ کی عورت اور لونڈیوں جیسی ہے۔

متعہ دوریہ:

حضرت شیعہ نے متعہ کے متعلق ایک اور لطیف صورت یہ پیدا کی ہے کہ ایک عورت سے ایک رات میں دس بیس آدمی متعہ کریں اور یکے بعد دیگرے سب ہم بستر ہوں۔ اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کا حیض بند ہو چکا ہے۔ تو یہ متعہ دوریہ بھی جائز ہے۔ (بعدازاں قاضی نوراللہ شوستری مرحوم کی کتاب مصائب النواصب سے اس مضمون کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ پھر اس پر یہ تبصرہ کیا ہے) بہرحال آئسہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک رات میں ایک عورت سے بے تعداد اشخاص کا متعہ کرنا کتنا بڑا بے حیائی کا فعل ہے۔۔۔

ایک بیہودہ حکایت:

دلدادگانِ متعہ نے اس بارہ میں عجیب وغریب حکایتیں وضع کی ہیں۔۔۔ فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۰ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: ابن عمیر لیثی نے امام باقر علیہ السلام سے متعہ کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا۔ خدا نے اس کو اپنی کتاب میں اور اپنے رسولؐ کی زبان سے حلال کیا ہے۔ پس وہ قیامت تک حلال ہے۔ ابن عمیر نے کہا آپ جیسا امام یہ بات کہے حالانکہ عمر نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا ہے!

امام باقرؑ نے کہا تو عمر کے قول پر اور میں رسولؐ اللہ کے قول پر کاربند رہوں گا۔۔۔ ابن عمیر نے کہا کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی عورتیں، لڑکیاں، بہنیں، پھوپھیاں یہ فعل کریں؟ امام باقرؑ نے یہ بات سنکر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔'' ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ یہ قصہ یار لوگوں کا وضع کیا ہوا۔ اور محض غلط ہے۔ اگر امام باقر معاذ اللہ متعہ کی حلت کے اس قدر قائل تھے۔۔۔ تو پھر عورتوں کا سوال آجانے پر کیوں خفگی آجاتی۔۔۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو مردوں کے لئے قیامت تک حلال اور موجب ثواب ہو وہ عورتوں کے لئے باعث شرم و عار ہو۔ کوئی حکم اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ متعہ مرد عورت کے لئے یکساں حرام ہے۔ نہ عقل اس کو درست سمجھتی ہے نہ نقل سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔

متعہ سے ممانعت:

دوسری جگہ فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۲ میں ایک حدیث ہے جس سے متعہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے (بحذف عربی) ترجمہ: مفضل کہتا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے۔ متعہ چھوڑ دو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ کہ کوئی شخص عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے اور اس کا ذکر اپنے بھائیوں اور احباب سے جا کر کرے نیز اسی کتاب میں اسی ص ۱۹۲

پر درج ہے (بحذف عربی) ترجمہ ''حضرت ابوالحسنؑ نے اپنے بعض خدام کو کہا کہ متعہ پر اصرار مت کرو۔ صرف سنت بجالاؤ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ۔ تا کہ اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ! اور وہ معطل رہیں اور وہ پاکباز رہ کر ہماری دامنگیر ہوں اور ہمیں ۔۔۔ لعنت کریں۔ دوسری حدیث میں متعہ کے اصرار کی ممانعت ہے اور پہلی حدیث میں کلی ممانعت ہے ۔۔۔ کونسا حکم درست ہے اور کونسا درست نہیں ہے؟ ۔۔۔ غرض متعہ جیسا مخرب اخلاق حیا سوز مسئلہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔۔۔ شاعر کہتا ہے

؏ مطلب ہے کہ سیم تنوں سے وصال ہو ☆ مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

(آفتاب از ص ۱۸۴ تا ص ۱۹۱)

الجواب:

قدیم الایام سے مخالفین اہلبیت علیہم السلام حضرت امیرؑ کے شیعان کرام کو متعہ کے سلسلہ میں خوب خوب بدنام کرتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ مذبوحی حرکت ان کی جہالت یا تجاہل کا نتیجہ ہے۔

اوائل اسلام میں متعہ کے جواز کا اجماعی ہونا:

مبادیاتِ اسلام پر طائرانہ نگاہ رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ عقد متعہ صدر اسلام اور آنحضرتؐ کے عہد معدلت انگیز کے اوائل ایام میں تو بالاتفاق نہ صرف جائز بلکہ رائج بھی تھا۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر ج ۳ ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں: ''ان الامة مجتمعة علی ان نکاح المتعة کان جائزاً فی الاسلام ولا خلاف فی الامة فیه'' یعنی تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح متعہ اسلام میں جائز تھا۔ اس سلسلہ میں اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اور بہت سے علماء اہلسنت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہر حال یہ حقیقت چونکہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند و بالا ہے اس لئے مزید ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اختلاف صرف اس کے منسوخ ہونے میں ہے:

ہاں البتہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا یہ عقد اب بھی جائز ہے یا یہ منسوخ ہو چکا ہے؟ سو حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد میں سے دیگر گیارہ ائمہ طاہرینؑ بہت سے صحابہ کرام اور تابعین جیسے عبداللہ بن عباس، عمران بن حصین، جابر بن عبداللہ، مسلم ابن اکوع، سعید بن جبیر، مجاہد اور عطا وغیرہ اور تمام شیعان حیدرؑ کرار اب بھی اس کی اباحت و جواز کے قائل ہیں اور دوسرے عام مسلمان اسے منسوخ سمجھتے ہیں۔

نسخ کا بطلان:

ہم بیانگ دہل کہتے ہیں کہ متعہ کا منسوخ ہونا قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر نسخ ہوتو اس کا ثبوت یا تو بالتواتر ہوگا یا بال آحاد پہلی قسم تو بالیقین موجود نہیں ہے ورنہ مذکورۃ الصدر حضرات اس کے جواز کے قائل نہ ہوتے۔ اور دوسری قسم مفید نہیں ہے کیونکہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے اور ظن کی وجہ سے قطعی چیز سے دست برداری اختیار نہیں کی جاسکتی۔ علاوہ بریں نسخ دلا قول بچند وجہ باطل ہے۔

روایات نسخ میں شدید اختلاف:

اولاً۔ نسخ والی رویات میں باہم شدید اختلاف ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع ۱۰ھ یں منسوخ ہوا بعض میں لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں اس پر قلم نسخ پھر دیا۔۔۔ بعض نے غزوہ اوطاس اور بعض نے غزوۂ حنین ۸ھ لکھا ہے اور ایک جماعت اسے فتح مکہ ۸ھ کا واقعہ قرار دیتی ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت نے اسے فتح کے موقع پر جائز قرار دیا اور بعد ازاں حرمت کا اعلان کر دیا۔ بعض کا خیال یہ ہے اور اسے ہی شہرت حاصل ہے کہ متعہ کی حرمت غزوۂ خیبر یا عمرۃ القضا ۷ھ میں عمل میں آئی۔ یہ تمام تفاصیل تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری اور منادی کی شرح جامع صغیر وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غریب متعہ پر بڑے بڑے انقلاب آئے کئی بار حلال ہوا۔ اور کئی بار حرام۔ کم از کم تین چار مرتبہ اسے حلت و حرمت کی کٹھالی سے گذرنا پڑا۔ جیسا کہ علامہ عبدالروف مناوی نے فیض القدیر شرح جامعہ الصغیر ج ۶ ص ۳۲۱ طبع دار المعرفہ بیروت میں کہا ہے کہ: ''قال بعض الائمه هذا (ای المتعه) من غریب الشریعه فانه تداوله النسخ مرتین بیح ثم حرم ثم ابیح ثم حرم فانه کان جائز أفی صدر الدین ثم نسخ فی خبیر او عمرة القضاء او الفتح او اوطاس او تبوک او حجة الوداع'' فارسی کی ایک ضرب المثل ہے۔''بازی بازی باریش بابا ہم بازی''

ہم مولوی صاحبان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ بازی بازی با دین خدا ہم بازی؟ اس اندھیر گروی کی شریعت میں کوئی اور نظیر بھی کہیں نظر آتی ہے؟ یا اس فکری انتشار کی جولانگاہ صرف یہ مسئلہ متعہ ہے۔ کیا اس درجہ اختلاف وانتشار کے باوجود دعوائے نسخ میں کوئی وزن باقی رہ جاتا ہے؟

آیت ناسخہ کا فقدان:

ثانیاً: خداوند عالم کا ارشاد ہے: ''مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا'' (البقرہ آیت 106) کہ ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل دوسری آیت لاتے ہیں'' بنابریں قانون جب متعہ والی آیت موجود ہے

''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ '' (سورہ النساء آیت 24 تفصیل کا انتظار کریں) تو اس کی ناسخ آیت کونسی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ آیت ''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ'' (سورہ مومنون آیت 5 سورہ معارج آیت 29) اس کی ناسخ ہے۔ مگر یہ خیال بدو وجہ باطل ومحال ہے اولاً اس لئے کہ آیت متعہ سورۂ نساء میں ہے جو مدنی ہے ثانیاً اس لئے کہ متعہ والی عورت بھی زوجہ ہوتی ہے (جسکی تفصیل آگے آ رہی ہے) اور آیتِ ازواج (جسے ناسخ کہا جا رہا ہے) سورۂ مومنون اور سورۂ معارج میں ہے اور یہ دونوں سورے مکی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ ناسخ اپنے منسوخ پر مقدم ہو۔

جواز متعہ کے بارے میں صحابہ کے ارشادات:

ثالثاً: صحابہ کرام کے اقوال کریمہ سے روزِ روشن کی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے متعہ کو حلال کرنے کے بعد ہرگز ہرگز اسے حرام نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس کی بندش بعض لوگوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ بطور نمونہ چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ارشاد علویؑ:

حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان زبان زدِ خلائق ہے۔ فرمایا: ''لو لا ان عمر نهى عن المتعة مازنى الا شقى'' اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتا تو سوائے کسی شقی و بدبخت کے (یا سوائے کسی شاذ و نادر آدمی کے) اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹، تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۰، تفسیر ابن جریر وغیرہ)۔ حضرت کے اس حکیمانہ ارشاد کی تعریف نہیں ہو سکتی

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

(۲) قول ابن عباسؓ:

جناب عبداللہ بن عباسؓ اس کے جواز کے قائل تھے اور کھلم کھلا اس کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ انہی کا یہ قول مشہور ہے ''ما كانت المتعة الا رحمة من الله رحم الله بها امة محمد لو لا نهيه عنها ما احتاج الى الزنا الا شقى'' متعہ ایک رحمت خداوندی تھا جس سے خدا تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو نوازا تھا۔ اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو سوائے شقی و بدبخت کے (یا سوائے کسی شاذ و نادر آدمی کے) اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (نہایۃ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹۴ لغت شقی، تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۱ وغیرہ)

ابن عباس و ابن زبیر کا عجیب مکالمہ:

عبداللہ بن زبیر کے ساتھ متعہ کے موضوع پر ابن عباس کی گفتگو مشہور و معلوم ہے۔ ایک مرتبہ ابن زبیر نے ابن عباس پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ ''بعض وہ لوگ جو بصارت کی طرح بصیرت کے بھی اندھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ متعہ جائز ہے۔ عبداللہ بن عباس جو نابینا ہو چکے تھے جب ان کے کانوں میں بھنک پڑی تو چونک کر کہا۔ اپنی والدہ اسماء بنت ابی بکر سے جا کر پوچھو کہ ان کے اور تمہارے

والد (زبیر) کے درمیان جو آتش محبت تھی وہ کس طرح لگی اور پہلی رات کس طرح خوشبو۔۔سلگائی گئی؟ (عقد فرید ابن عبداللہ اندلسی ج ۲ ص ۱۱۳ طبع مصر)

محاضرات راغب اصفہانی میں اسقدر۔۔اضافہ ہے کہ جب ابن زبیر نے گھر جا کر اپنی ماں سے حقیقت حال پوچھی تو انہوں نے اسے بتایا کہ۔۔تم متعہ کی اولاد ہو۔مخفی نہ رہے کہ عبداللہ بن زبیر کی والدہ حضرت اسماءؓ ہیں جو ابوبکر صاحب کی بڑی صاحبزادی اور ام المومنین عائشہ کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔۔۔

(۳) عمران بن حصین کا بیان:

صحابی رسول عمران بن حصین کا بیان ہے ''ان اللہ انزل فی المتعۃ آیۃ و ما نسخھا بایۃ اخری و امرنا رسول اللہ بالمتعۃ و مانھانا عنھا ثم قال رجل برایہ ماشاءٔ۔یرید ان عمر نھی عنھا''۔یعنی خداوند عالم نے متعہ کے متعلق قرآن میں آیت نازل کی پھر اسے کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں کیا اور رسول خداؐ نے ہمیں متعہ کرنے کا حکم دیا پھر اس سے ممانعت نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔انکی مراد یہ ہے کہ عمر نے اس کی ممانعت کر دی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ طبع مصر)

(۴) جابر بن عبداللہ کا حقیقت افروز بیان:

جناب جابر بن عبداللہ انصاری بھی اس کے جواز کے نہ صرف قائل بلکہ اس پر عامل بھی تھے۔ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جناب جابر کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آکر متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے بارے میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر کے اختلاف کا تذکرہ کیا۔جابر نے کہا فعلنا ھما مع رسول اللہ۔ثم نھانا عمر فلم نعد لھما۔ہم نے آنحضرتؐ کے عہد میں دونوں متعوں پر عمل درآمد کیا ہے بعدازاں جب عمر نے ان کی ممانعت کر دی تو پھر ہم نے (بوجہ تقیہ) عود نہیں کیا (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۴۵۱) ابوالزبیر بیان کرتے کہ میں نے جناب جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''کنا نستمتع بالقبضۃ من التمر و الدقیق علی عھد رسول اللہ و ابی بکر حتی نھی عمر''ہم رسول خداؐ اور ابوبکر کے زمانہ میں مٹھی بھر آٹا یا کھجور دے کر متعہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عمر نے اس کی ممانعت کر دی (صحیح مسلم مع نووی ج ۱ ص ۴۵۱) شہادت کا سب سے بڑا کورس چار عدد کا ہے۔ان چار معتبر شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ متعہ والی آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اگر نسخ کی کوئی اصلیت ہوتی تو کس طرح ان اصحاب کبار پر پوشیدہ رہ سکتی تھی؟ اور ثابت ہے ان حضرات نے صاف تصریح کر دی ہے کہ۔۔۔پہلے پہل عمر بن الخطاب نے اس کی ممانعت کی بعدازاں بموجب ''الناس علی دین ملوکھم''اور کچھ لوگوں نے ان کی ہمنوائی کی اور رفتہ رفتہ بموجب

؎ ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود

اب اس انکار کو جزء اسلام سمجھا جا رہا ہے؟ اور قائل کو خارج از اسلام

ع فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

عمر بن خطاب کا اقرار جرم:

رابعاً: حقیقت یہ ہے کہ یہاں ''مدعی ست گواہ چست'' والا معاملہ ہے۔ ان لوگوں نے اس قدر تاویلات رکیکہ صرف عمر کی گرتی ہوئی پوزیشن کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں کی ہیں۔ کہ کبھی آیت سے اور کبھی روایت سے نسخ کا نظریہ اختیار کرتے ہیں گویا وہ زبان حال سے پکار رہے ہیں۔ کہ

ے کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی جھکتا ہوں مینا پر ☆ میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

مگر جناب عمرؓ ڈنکے کی چوٹ پر سر منبر یہ جراتمندانہ اعلان کیا کرتے تھے۔۔۔ متعتان کانتا مشروعتین فی عھد رسول اللہ و انا انھی عنھا متعۃ الحج و متعۃ النکاح۔۔۔ دو متعے رسول پاکؐ کے زمانے میں جائز تھے مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں۔ ایک متعۃ الحج دوسرا متعۃ النکاح۔۔۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹، امام فخر الدین رازی۔۔ شرح فاضل قوشجی ص ۴۸۴ طبع ایرانی پر بجائے انھی کے (وانا احرمھما) (کہ میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں) موجود ہے (کذا فی المحاضرات للراغب) علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶، ۱۳۷ طبع مصر اولیات عمر کے ضمن میں تصریح کی ہے کہ ''اول من حرم المتعۃ'' عمر پہلا شخص ہے جس نے متعہ کو حرام قرار دیا۔

لیجئے اب تو یہ حقیقت بالکل واضح وعیاں ہوگئی کہ جناب عمر نے ہی اپنے دورِ حکومت میں کسی خاص رمز و مصلحت کے تحت (رموز مملکت خویش خسرواں دانند) متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ خدا اور رسولؐ نے تو اسے ایکبار حلال قرار دینے کے بعد ہرگز حرام نہیں کیا ورنہ عمر حرمت یا ممانعت کی نسبت اپنی طرف دینے کی بجائے خدا اور رسولؐ کی طرف دیتے۔ اب مسلمانوں کی مرضی ہے کہ وہ خدا و رسول کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کریں یا عمر کا فیصلہ مان کر اسلام کو جوا گردن سے اتار دیں۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

ارشاد قدرت ہے ''وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا'' (سورہ النساء آیت 115) مگر معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کو حرام سمجھنے والے عمر کو خدا و رسولؐ سے بڑھ کر مانتے ہیں۔۔ اور یہ بالکل کھلا ہوا ''غلو'' ہے جس کا طعنہ وہ شیعوں کو دیا کرتے ہیں۔۔۔ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم!

لطیفہ:

برادران اسلامی کے مستند عالم راغب اصفہانی نے اپنی کتاب محاضرات میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ متعہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہا جائز ہے! اس آدمی نے کہا مگر آپ کے والد (عمر) تو کہتے ہیں کہ حرام ہے کہا کیا میرے والد نے ہی برسر منبر یہ اعلان نہیں کیا کہ رسولؐ خدا کے زمانہ میں دو متعے جائز تھے اور میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں۔ اور خلاف ورزی کرنیوالے کو سزا دونگا۔ کہا ہاں۔ یہ تو درست ہے! ابن عمر نے کہا کہ ہم ان کی گواہی کو قبول کرتے ہیں کہ عہد رسولؐ میں جائز تھے مگر ان کے حکم (حرمت) کو نہیں مانتے کیونکہ جس چیز کو خدا و رسولؐ حلال قرار دیں۔ میرے باپ کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اسے حرام قرار دیں؟

حل طلب معمہ؟:

مولوی کرم الدین صاحب نے دوسرے متعصب سنی علماء کی طرح یہ لکھا ہے کہ "متعہ فی الحقیقت زنا ہے" اور ہم نے سطور بالا میں اہلسنت کی کتب معتبر، سے ثابت کر دیا ہے کہ اوائل اسلام میں بالاتفاق متعہ جائز تھا۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ اور بعض صحابیات نے بھی متعہ کیا ہے تو اب حل طلب معمہ یہ ہے کہ کیا کبھی خدا اور رسولؐ نے زنا کی اجازت دی تھی اور کیا جابر بن عبداللہ انصاری اور عمران بن حصین اور بالخصوص اسماء بنت ابی بکر وغیرھم نے متعہ کر کے دراصل زنا کیا تھا؟ (العیاذ باللہ) بینوا توجروا؟

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً نیز مؤلف نے مٹھی بھر طعام، یا کھجور کے عوض متعہ کرنے کے جواز پر ہمارے اوپر بہت زبان ایراد دراز کی تھی ہم نے یہی چیز صحیح مسلم کے حوالہ سے بزبان صحابہ ثابت کر دی ہے۔ امید ہے کہ اب موصوف زیر زمین بھی زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوں گے۔

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

دانشمندی یہ ہوتی ہے کہ دوسروں پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنے سے پہلے اپنے نگار خانہ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے

ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

جواز متعہ از قرآن:

مؤلف آفتاب نے صف طعن و تشنیع اور طنز و تمسخر کرنے پر اکتفا کی ہے۔ (جس میں وہ بھانڈوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں) یہ مولانا ہیں لیکن شہ کے بقول نہ بھاری ہیں

ورنہ ان کو متعہ کی حرمت پر کسی قسم کا کوئی مواد پیش کرنے کی توفیق نہیں ہو سکی اور ہم نے اب تک جو حقائق پیش کر دیئے ہیں۔ وہ اگر چہ اثباتِ مدعا کے لئے کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ مزید تسلی و اطمینان کی خاطر قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ بھی اس سلسلے میں پیش کر دیں (اگر چہ اختصار ہمیں عنانِ بیان دراز کرنے سے مانع ہے) ارشاد رب العزت ہے ''**فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا**'' (سورہ النساء آیت 24) ''جن عورت سے تم مزہ اٹھاؤ (یعنی صحبت کرو) ان کا حق جو ٹھہرایا تھا ان کو دے دو اور ٹھہرانے کے بعد اگر آپس میں راضی ہو جاؤ تو اس میں کچھ گناہ نہیں تم پر بے شک اللہ تعالیٰ خبردار ہے حکمت والا (ترجمہ وحیدی) یہ آیت بچند وجہ جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے۔

(الف) لفظ متعہ۔ لفظ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ حقائق شرعیہ کی طرح عقد خاص میں حقیقت ہے اس کو نظر انداز کر کے اس سے لغوی معنی (فائدہ حاصل کرنا) مراد لینا اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

(ب) جناب عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب اور بعض دیگر صحابہ کی قرأت کتب اہلسنت میں یوں مروی ہے ''**فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمی فاتوهن اجورهن فریضة**'' یعنی جن عورتوں سے وقت معین تک متعہ کرو۔ ان کا حق مہر بطور فرض ادا کرو۔ یہ جواز متعہ پر نص صریح ہے (در منثور ج ۲ ص ۱۴۰ کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ وغیرہ)

(ج) اگر اس سے نکاح مراد لیا جائے تو تکرار لازم آتا ہے کیونکہ اس سے پہلے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء الایة** کہہ کر نکاح کا حکم بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اگر اس سے عقد متعہ مراد لیا جائے تو اس طرح ایک نیا حکم معلوم ہوگا۔ علماء معانی بیان کا اتفاق ہے کہ التاسیس اولیٰ من التاکید۔ بنا بریں تاسیس کو تاکید پر ترجیح حاصل ہے۔

(د) مفسرین اہلسنت نے تسلیم کیا ہے کہ اس سے مراد نکاح متعہ ہے۔ چنانچہ امام سیوطی نے عبد بن حمید اور ابن جریر کے حوالے سے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ''یعنی نکاح المتعة کہ خدا نے اس آیت میں عقد متعہ مراد لیا ہے'' (تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۴۰) علامہ وحید الزمان اپنے ترجمہ قرآن کی ذیلی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی حاشیہ نمبر ۶ ص ۱۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں: ''اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری۔ متعہ شروع اسلام میں جائز تھا وہ یہ ہے کہ الخ'' علاوہ بریں قابل غور بات یہ ہے کہ جب اوائل اسلام میں متعہ کے جواز پر سب اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ تو اگر اس آیت سے متعہ کا جواز ثابت نہیں ہے تو پھر وہی بتائیں کہ یہ جواز کس دلیل کی بنا پر ہے؟ بعد ازیں قاضی مظہر صاحب کے اس طفلانہ بلکہ جاہلانہ دعویٰ میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ ''قرآن مجید کی کسی آیت سے شیعہ متعہ کی حلت ثابت نہیں کر سکتے۔''

ثواب متعہ والی روایات پر اعتراض کے جوابات:

اب ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ نمبر وار مؤلف کے بودے اعتراضات کے حلی والزامی جوابات پیش کرتے ہیں۔ موصوف نے متعہ کرنے پر ثواب کے متعلق وارد شدہ روایات پر بڑی لے دے کی ہے۔اس کے متعلق ہمارا پہلا حلی جواب: یہ ہے کہ خداوند عالم اسی سورہ نساء میں جس میں آیت متعہ موجود ہے فرماتا ہے: ''وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا '' (سورہ النساء آیت 69) اور جو اللہ اور رسول کا کہا ماننے والے ایسے ہی لوگ (جنت میں) (ان مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے ۔یعنی نبی وصدیق اور شہید اور (یہ میرے) نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں۔(ترجمہ نذیری) جب اس آیت کی روشنی میں خدا ورسول کی اطاعت کرنے والا جنت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کرسکتا ہے تو پھر وہ متعہ جسے خدا ورسول نے حلال وجائز قرار دیا تھا اور بعض حکام وقت نے مداخلت فی الدین کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دے دیا۔تو اگر کوئی شخص اس مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کی نیت سے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہوجائے تو اس میں کیا چیز قابل اعتراض ہے؟ حدیث میں یہ تو وارد نہیں کہ ایسا کرنے والا معاذ اللہ۔خود امام حسنؑ وامام حسینؑ بن جاتا ہے بلکہ یہ وارد ہے کہ ان کے ساتھ ان کا درجہ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ رفاقت جب ہی ہوسکتی ہے کہ درجہ ایک ہو۔ جو قرآن سے ثابت ہے۔اس مردہ حکم کو زندہ کرنے کے لئے حکماء اسلام یعنی ائمہ دین علیہم السلام نے یہ ثواب بیان کرکے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائی ہے۔!! یہ کہنا کہ ''اگر متعہ حلال تھا تو حضرت علیؑ نے اپنے دورِ خلافت میں اس سنت کو کیوں زندہ نہیں کیا؟ جناب امیر علیہ السلام نے ظاہری مسند خلافت پر بیٹھتے ہی فرمایا تھا'' **لو ثبتت قدماى لغيرت اشياء** (نہج البلاغہ) ''اگر مجھے ثابت قدمی نصیب ہوئی تو میں بہت سی اصلاحات کرونگا'' مگر معترض کے بزرگوں نے آنجناب کو ثابت قدمی نصیب ہونے دی اور نہ آپ وہ موعودہ اصلاحات نافذ کرسکے بلکہ آپ کا تمام وقت داخلی وخارجی فتنوں کو دبانے میں صرف ہوگیا۔

دوسرا الزامی جواب:

یہ ہے کہ خود کتب اہلسنت میں بظاہر معمولی معمولی عملوں پر ثواب ہائے بےحساب مذکور ہیں۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ ایسا کرنے سے آدمی خود صدیق وشہید بن جاتا ہے (۱) چنانچہ فتاوی برہنہ ج ا ص ۲۹۸ طبع نولکشور میں ہے کہ اگر کوئی شخص صبح وشام اعوذ باللہ کے بعد سورہ حشر کی آخری چند آیات پڑھ لیا کرے تو ستر ہزار فرشتے ہمیشہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور جب مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔(۲) اسی کتاب کی ج ا ص ۳۰۲ پر لکھا ہے۔جو شخص شب جمعہ نماز وتر پڑھ لے تو اگلے جمعہ تک کوئی گناہ اس کے نامہ اعمال

میں نہیں لکھا جاتا اور اگر مرجائے تو شہید مرتا ہے اور ہر ہر رکعت کے بدلے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔ (۳) صحیح بخاری اور تفسیر درمنثور وغیرہ میں ہے کہ جو آدمی لا الہ الا اللہ کہہ دے۔ اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ خواہ چوری کرے اور خواہ زنا کرے۔ لیجئے چھٹی ہوگئی صرف ایک مرتبہ کلمہ توحید پڑھ لیا۔ یا زیادہ سے زیادہ شب جمعہ کو نماز وتر پڑھ لی بس جنت کا ٹھیکہ مل گیا۔ پھر نماز و روزہ اور دیگر عبادات بجالانے کی کیا ضرورت جن مین بدنی و مالی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں؟ تو جو جواب ان روایات کا دیا جائیگا وہی ہم ثواب متعہ والی روایات کا دیں گے؟ (۴) اور سنیئے لکھا ہے اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو صدیق بن جاتا ہے (فتاویٰ برہنہ ج ۱ ص ۲۹۴) (۵) نیز اسی کتاب کے ص ۳۰۳ پر ایک مختصر سا عمل درج ہے اس کے بجالانے پر یہ ثواب لکھا ہے کہ ''اسے سو حج اور سو عمرہ اور سو شہید کا ثواب ملیگا اور ہزار فرشتے اس کی نیکیاں لکھیں گے وہ ایسا ہے گویا اس نے سو غلام آزاد کئے اور جب مرے گا تو شہید۔'' اسطرح تو گویا شہادت ''ہر مال دو پیسے'' ہوگئی۔ اگر یہ سب درست ہے اور ان کی مناسب تاویل ہوسکتی ہے تو ہمارے کرم فرماؤں کو صرف روایات متعہ ہی میں کیوں کیڑے نظر آتے ہیں؟ سچ ہے

ے چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر

متعہ اور نیوگ میں فرق:

مؤلف کا یہ کہنا کہ ''جب ہم آریہ پر نیوگ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں تو وہ جواب میں متعہ کا مسئلہ پیش کرتے ہیں''۔ پھر لکھا ہے ''بتایئے اس کا کیا جواب دیا جائے''؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کا سرمایہ علمی اس قدر محدود ہے کہ نہ نیوگ کی حقیقت کا علم اور نہ متعہ کی ماہیت کا پتہ تو پھر کس حکیم نے تمہیں کہا ہے کہ اس پھٹہ میں ٹانگ آڑاؤ اور مناظرہ بازی کا شغل فرماؤ۔؟

ے نے فروعت محکم آمد نے اصول ☆ شرم باید از خدا و از رسولؐ

لیکن ملا بھی کیا کریں۔ سستی شہرت حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے

ع بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

حالانکہ جو آدمی آریہ کے نیوگ اور مسلمانوں کے متعہ کے متعلق بالکل سطحی معلومات بھی رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ نیوگ اس بے عزتی کا نام ہے کہ ایک شادی شدہ آدمی کی اولاد نہیں۔ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے مرد کے پاس صرف اس لئے بھیج دیتا ہے کہ وہ اس سے زنا کرائے اور استقرار حمل کی صورت میں یہ بے غیرت صاحب اولاد کہلائے۔ مگر اسلام میں شوہر دار عورت سے جس طرح نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح متعہ بھی نہیں ہوسکتا۔۔۔ بلکہ متعہ صرف کسی باکرہ یا مطلقہ یا بیوہ عورت سے ہوسکتا ہے۔ جس سے نکاح ہوسکتا ہے۔ قاضی مظہر صاحب کا یہ کہنا کہ ''متعہ نکاح والی عورت سے بھی ہوسکتا ہے''۔ انکی جہالت مرکبہ اور ضلالتِ مطلقہ کی بدترین مثال ہے اگر ان میں جرأت ہے تو اس کا کوئی ثبوت کتب شیعہ سے پیش کر کے منہ مانگا انعام حاصل کریں ورنہ مفتری و کذاب کی جو سزا

ہے اسکے لئے تیار ہوجائیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین و عذاب الآخرۃ اخزیٰ۔

متعہ اور زنا میں فرق:

مؤلف نے متعہ کی جو حقیقت بیان کی ہے۔اس پر اگر فلک بھی عقدِ ثریا نثار کرے تو کچھ جائے تعجب نہیں ہے۔۔انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے متعہ و زنا کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور عداوت اہلبیتؑ کے جوش میں یہ تک نہیں سوچا کہ متعہ (جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے) ابتداء اسلام میں تو سب مسلمانوں کے نزدیک جائز تھا۔ اختلاف صرف اسکے بعد ازاں ممنوع و منسوخ ہونے میں ہے! تو کیا خدا اور سول نے پہلے زنا کو جائز اور رائج کیا تھا؟ اور یہ بھی نہیں سوچا کہ اس فتویٰ کی زد میں کون کون بزرگ آتے ہیں؟ جوش کے ساتھ ہوش بھی ضروری ہوتا ہے ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں! بہر حال انہوں نے اس سلسلہ میں بزعم خویش متعہ و زنا کے چند مشترکات شمار کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ متعہ میں گواہ کی ضرورت نہیں (۲) توریث نہیں (۳) تعداد معین نہیں (۴) پردہ نہیں (۵) اجرت اور وقت معین ہے۔۔اس کے کئی طرح سے جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

اولاً۔ یہ سمجھنا کہ یہ سب امور (از قسم گواہ و توریث وغیرہ) لوازم نکاح سے ہیں۔غلط ہے۔ نکاح دائمی میں گواہ مقرر کرنے کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہے۔شیعوں کے نزدیک شرط نہیں (اور نہ ہی قرآن میں اس شرط کا کوئی تذکرہ ہے) صرف فضیلت ہے اور اہلسنت میں سے امام مالک (ملاحظہ ہو خزینۃ الروایات) اور امام محمد (ملاحظہ ہو معدن الکنز) شیعوں کے ہمنوا ہیں۔ان کے نزدیک گواہ مقرر کرنا شرط نکاح نہیں ہے۔ بظاہر حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگانے والوں کے مذہب کی بنیاد چونکہ قرآن اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر نہیں بلکہ قیاس شیطان پر ہے اسلئے قرآن میں جہاں گواہ مقرر کرنے کا حکم ہے یعنی طلاق **(و اشھدوا ذوی عدل من رجالکم)** وہاں تو یہ گواہوں کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور جہاں کوئی حکم نہیں (نکاح) وہاں ضروری جانتے ہیں۔ یاللعجب یہ ٹھیک ہے کہ زوجہ اکثر و بیشتر وراثت حاصل کرتی ہے مگر یہ چیز لازمہ زوجیت نہیں ہے مثلاً زوجہ کتابیہ اور زوجہ قاتلہ اور وہ زوجہ جو کسی بیمار کے عقد نکاح میں آجائے اور قبل از مقاربت شوہر کا انتقال ہو جائے۔ ان تمام صورتوں میں محروم الارث متصور ہوتی ہے (۳) اگر متعہ میں تعداد معین نہیں تو کنیزوں میں بھی نہیں ہے تو کیا کوئی مسلمان اسے زنا قرار دے سکتا ہے؟ (۴) پردہ نہ ہونے والا سراسر بہتان اور غلط الزام ہے و **انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون** (۵) اجرت یعنی حق مہر تو نکاح میں بھی معین ہوتا ہے تو کیا پھر اسے بھی زنا قرار دیا جائے گا؟ **مالکم کیف تحکمون؟ وانی تصرفون؟؟**

حنفیوں میں اُجرت پر زنا کرنے سے حد جاری نہیں ہوتی:

ثانیاً کسقدر تعجب کی بات ہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں اجرت پر زنا کرنے سے حد شرعی جاری نہیں ہوسکتی وہ آج متعہ کو

زنا سے تعبیر کر کے شیعوں کو مطعون کر رہے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۸۲۱ طبع (کشور لکھنو) میں لکھا ہے "لو استاجر مرأۃ لیزنی بھا فزنی بھا لا یحد فی قول ابی حنیفه" یعنی اگر کوئی شخص اجرت مقرر کر کے زنا کرنے کی خاطر کرایہ پر عورت لائے اور اس سے زنا کرے تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ ہوگی"۔ کذا فی الفتاویٰ السراجیہ ص ۶۰ طبع لکھنو۔ تمام کنجروں اور کنجریوں کو امام اعظم کا ممنون ہونا چاہیئے جنہوں نے ان کے پیشہ کو جائز قرار دے کر ان پر رزق کثیر کے دروازے کھول دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کے مذہب میں اوباش، لچوں، لقوں، لفنگوں اور بدمعاشوں کی کثرت ہے۔ کیونکہ اس میں یہ سہولت ہے کہ

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

شرم۔ شرم۔ شرم۔

ثالثاً: اگر مؤلف کو متعہ و زنا میں بزعم خویش کچھ مشترک امور نظر آئے ہیں اسلئے انہوں نے جھٹ اسے زنا کہہ دیا تو کیا ان کو نکاح متعہ میں کچھ مشترکات دکھائی نہیں دیئے جن کی بناء پر اسے نکاح میں داخل کرتے مثلاً! (۱) جس عورت سے نکاح ہوسکتا ہے صرف اسی سے متعہ بھی ہوسکتا ہے اور جن عورتوں سے نسب یا سبب کی وجہ سے نکاح نہیں ہوسکتا ان سے متعہ بھی نہیں ہوسکتا (اور یہ بڑی اہم وجہ اشتراک ہے) اس نکاح میں صیغہ یعنی ایجاب و قبول ضروری ہے متعہ میں بھی یہ چیز لازم ہے اس نکاح میں حق مہر کا تعین ضروری ہے۔ متعہ میں بھی واجب ہے جسطرح نکاح میں طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد عدت لازم ہے متعہ میں بھی شوہر کی وفات یا مدت متعہ ختم ہونے کے بعد عدت ضروری ہے (۵) جس طرح اولاد نکاح وارث ہے۔ اسی طرح اولاد متعہ بھی صحیح اولاد اور جائز وارث ہے۔ الیٰ غیر ذالک من المشترکات الحقیقة۔

متعہ کی غرض تشریع:

کس قدر حالات کی ستم ظریفی ہے کہ وہ متعہ جس کی حلت و تشریع سے اصلی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ جب بوجہ سفر وغیرہ جنسی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس جائز طریقہ پر لوگ اپنی جنسی تسکین کا سامان فراہم کر کے زنا جیسے سنگین گناہ سے بچ جائیں۔ آج اسے زنا قرار دیا جا رہا ہے۔ الغرض متعہ کی تشریع زنا کی روک تھام کے لئے ہوئی ہے۔ اسی بناء پر جناب امیرؑ اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمر متعہ کو ممنوع نہ کرتے تو سوائے کسی بدبخت کے اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (کما مر تفصیله)

اجرت و تعداد والے اعتراض کا جواب:

اُجرت (یعنی حق مہر) کی قلت و کثرت والا ایراد بھی جہالت پر مبنی ہے ورنہ اسلامی فقہ پر معمولی نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ نکاح دائمی ہو یا عقد متعہ اسمیں مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف تراضی طرفین پر منحصر ہے وہ جتنی مقدار پر اتفاق کرلیں وہی

مقدار کافی ہے۔ قلیل ہو یا کثیر۔ مزید برآں ہم سطور بالا میں صحیح مسلم مع شرح نودی ج ا ص ۴۵۱ سے بروایت جابر صحابہ کا مٹھی بھر کھجور اور مٹھی بھر آٹا اور ستو پر متعہ کرنا ثابت کر چکے ہیں۔

ع چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

اور جہاں تک تعداد کا تعلق ہے وہ اماء (کنیزوں) میں بھی معین نہیں ہے تو جو مصلحت وہاں کارفرما ہے وہی یہاں بھی ہے فما هو جوابکم فهو جوابنا۔۔۔؟؟

ایک عورت سے بار بار متعہ کرنے کا جواب:

مؤلف نے جو یہ کہا کہ ''جس عورت کو طلاق مثلثلہ دی جائے اس سے پھر نکاح نہیں ہوسکتا''۔ یہ نہ خدا کا حکم ہے نہ رسول کا ارشاد ہے۔ بلکہ یہ صرف جناب عمر کا طبعزاد مسئلہ ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نودی ج ا ص ۴۷۷، ۴۷۸ یہی وجہ ہے کہ اہلسنت میں سے اہلحدیث اس کے قائل نہیں ہیں اور رسول پاکؐ نے تو حلالہ نکالنے والے اور جس کے لئے حلالہ نکالا جائے ہر دو پر لعنت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو وحید اللغات ج ا ص ۱۲۵ طبع کراچی) مؤلف بوجہ شرم اس بات کو ہضم کر گئے ہیں کہ ان کے ہاں طلاق مثلثہ کے بعد حلالہ بھی ضروری ہوتا ہے۔۔۔ یہ بے غیرتی تمہیں مبارک ہو۔۔۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

لہٰذا جس طرح طلاق کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اسی طرح ایک بار مدت متعہ ختم ہوجانے کے بعد اس عورت سے دوبارہ متعہ بھی ہوسکتا ہے۔

متعہ دوریہ والے اعتراض کا جواب:

مؤلف نے اپنے بعض پیشروؤں کی تقلید میں جس متعہ دوریہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا کئی طرح جواب دیا جاسکتا ہے۔ اولاً۔ تو ہماری کتب متداولہ فقہیہ میں اس مسئلہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ ثانیاً بنا بر تسلیم صحت اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یائسہ عورت (جو اس سن وسال تک پہنچ چکی ہے کہ اب اولاد جننے کے قابل نہیں رہی یعنی اب اسکی ماہواری خواہ کا طبعی سلسلہ بند ہوگیا ہے) اس لئے اب اختلاط نسل کا اندیشہ نہیں رہا۔ شریعت نے اس سے عدت کی پابندی ختم کردی ہے۔ لہٰذا چونکہ اس پر عدت نہیں ہے اس لئے اگر ایک شخص نے تھوڑی مدت کے لئے متعہ کیا۔ جب اس کی مدت ختم ہوگئی تو پھر دوسرے نے کرلیا۔ اس میں کیا جائے ایراد ہے؟

ثالثاً! اسی عورت (یائسہ) میں نکاح دوری والا اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ کہ ایک ہی رات میں دس بیس مرد اس سے نکاح کریں اور ہمبستر بھی ہوں تو جائز ہے۔ کیونکہ صورت یہ ہوگی کہ ایک نے نکاح کیا۔ ہمبستری کی پھر طلاق دے دی اور چونکہ بوجہ یائسہ

ہونے کی اس پر عدت واجب نہیں ہے فوراً دوسرے نے عقد کرلیا وھکذا۔ ہاں البتہ اہلسنت کے نزدیک اس عورت پر بھی عدت لازم ہے جو خلاف عقل و شرع ہے۔

حکایت کا جواب:

مؤلف نے فروع کافی سے جس عمری ناصبی کا امام محمد باقر علیہ السلام سے مکالمہ نقل کر کے اسے بیہودہ حکایت قرار دیا ہے اس میں اس ناصبی شخص کے آخری جملہ کے علاوہ اور کیا بیہودگی کی بات ہے۔ اس نے امام سے مسئلہ متعہ پوچھا۔ امام نے فرمایا جائز ہے۔ اس نے اعتراض کیا کہ عمر نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام نے فرمایا۔ ہمیں خدا اور رسولؐ کے حکم سے واسطہ ہے نہ کہ بکر و عمر کے قول سے ''جب اس نے اپنی خارجیت کا اظہار کرتے ہوئے امام علیہ السلام کی بنات و اخوات کا تذکرہ کیا تو امام نے بموجب ارشاد ربانی'' **وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ** ''(سورہ الاعراف آیت 199)۔ یعنی جاہلوں سے روگردانی کرو۔ اس سے روگردانی کرلی۔ اب مؤلف کہتے ہیں کہ ''اگر امام متعہ کے جواز کے قائل تھے تو عورتوں کے ذکر پر خفگی کیوں آگئی'' ہم صرف اس پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ عزت وغیرت کی بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں۔۔ آسکتی کیونکہ

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

ورنہ ایک غیور آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ ضرور خفگی کا مقام تھا! کسی کام کا جائز ہونا اور بات ہے اور اس کا کرنا اور بات۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی مولوی صاحب سے (فرض کرو۔ مولوی کرم الدین آف بھیں سے) مسئلہ دریافت کرے کہ آیا نکاح کرنا جائز ہے؟ وہ جواب دیں کہ ہاں۔ پھر وہ کہے آیا کثیر مقدار میں حق مہر مقرر کرنا جائز ہے؟ وہ کہیں ہاں۔ پھر سائل کہے جب لڑکی کی شادی ہو جائے اور اس سے ہمبستری بھی واقع ہو جائے تو پھر شوہر سے طلاق حاصل کرلے تو یہ بھی جائز ہے؟ اور مولوی صاحب کہیں اگرچہ ایسا نہ کرنا چاہیئے مگر ہے تو جائز! اس پر اگر وہی سائل یہ کہہ دے کہ مولوی صاحب! اپنی لڑکیوں کو حکم دیجئے کہ وہ اس طریقہ سے روپیہ کمائیں اور آپ کھائیں تو کیا مولوی صاحب کو خفگی نہ آئے گی؟

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

آنچہ برائے خود نمی پسندی برائے دیگراں مپسند!

چنانچہ فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۱ میں مؤلف کی پیش کردہ روایت کے بعد مومن طاق اور ابوحنیفہ کا مکالمہ درج ہے۔ جب ابو حنیفہ کے اس سوال پر کہ آیا متعہ حلال ہے مومن طاق نے اثبات میں جواب دیا۔ تو امام اعظم نے فرمایا کہ پھر اپنی عورتوں کو حکم دو کہ وہ متعہ کر کے روپیہ کمائیں۔ مومن طاق نے کہا ہر صنعت و حرفت کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو! پھر ابوحنیفہ سے پوچھا کیا نبیذ (ایک قسم کی شراب) جائز ہے؟ امام اعظم کہا ہاں۔ مومن نے کہا پھر آپ اپنی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ دکانیں کھول کر نبیذ کی

خرید وفروخت کر کے روپیہ کمائیں! ابوحنفیہ یہ جواب سن کر چپ ہو گئے ۔۔۔اور کہا تمہارے نیزے کا زخم زیادہ گہرا ہے!

اگر مولوی صاحب کو کوئی مثال درکار ہے کہ مرد کیلئے باعث ثواب اور عورت کے لئے باعث شرم ہو۔تو مثال پیش خدمت ہے۔کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ ختنہ لڑکے اور لڑکی کیلئے یکساں سنت ہے۔مگر عوام تو کجا خواص بلکہ علماء اہلسنت بھی لڑکی کے ختنہ کا نام سے گھبراتے ہیں اور لڑکیاں بھی شرم وعار محسوس کرتی ہیں۔مگر لڑکے کا ختنہ بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا ہے۔

ع آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ممانعت متعہ والی روایت کا جواب:

یہ اختلافات وتعارضات اہلسنت اوران کے پیشواؤں کو مبارک ہوں ہم تو ان ائمہ طاہرینؑ کے ماننے والے ہیں کہ جن کے متعلق بیگانے بھی گواہی دیتے ہیں کہ ''قول واحد منھم قول باقیھم'' جو ایک کا قول ہو وہی سب کا قول ہے (لواقح الانوار شعرانی ودر اسات اللبیب) چنانچہ مسئلہ متعہ میں ان لوگوں کے اختلافات کا ایک شمہ اوپر درج کیا جا چکا ہے۔اس کے برخلاف روایات اہلبیتؑ میں سے ایک صریح وصحیح روایت بھی متعہ کی۔۔ممانعت میں پیش نہیں کی جاسکتی (تہذیب الاحکام کی جس روایت کا حوالہ دیا جاتا ہے اسکے راوی سنی ہیں جیسا کہ کتاب میں اسکی وضاحت موجود ہے) یہاں مؤلف نے اپنے علم وفضل کا جنازہ نکالا ہے۔پہلی روایت کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے وہ اس کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکے۔اصل بات یوں ہے (جو اصل کتاب میں موجود ہے) کہ کچھ حضرات موسم حج میں مکہ جا کر متعہ کرنا شروع کر دیتے تھے۔ایسے ہی ایک شخص کو امامؑ نے سرزنش کی کہ ایسے موقع ومحل پر متعہ کرتے ہو۔کیا تمہیں شرم نہیں آتی ایسے شرمناک موقع پر دیکھے جاؤ اور اسکا اثر بد تمہارے دوسرے نیک بھائیوں پر بھی پڑے۔یعنی لوگ یہ کہیں کہ یہ لوگ یہاں حج کرنے نہیں آتے بلکہ صرف متعہ کرنے کیلئے آتے ہیں۔اور دوسری روایت میں امام کے حکیمانہ حکم کی مصلحت خود ظاہر ہے کہ انسان کو اسقدر بھی فنافی المتعہ نہیں ہوجانا چاہیے کہ جس سے زوجہ یا زوجات کی حق تلفی ہوتی ہو۔اس حکیمانہ حکم کی صحت میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ سچ ہے۔

ے وکم من غائب قولاً صحیحاً ☆ و آفته من الفھم السقیم

ع پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے؟

بہرحال کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہم سمجھانے کا اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔

ے مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

چوتھا مسئلہ انبیاءؑ پر ائمہؑ کی فضیلت:

یہ مسلم ہے کہ نبی کے درجہ کو غیر نبی نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ کیسا ہی غوث قطب، ولی وامام ہو لیکن شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ جمیع انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ چنانچہ حق الیقین اُردو ص ۸۵ میں ہے۔ اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے حضرت امیرؑ و دیگر ائمہ طاہرینؑ جمیع انبیاء سے افضل ہیں۔'' (آفتاب ص ۱۹۱)

الجواب:

یہ اعتراض بچند درجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً: تو افضیلت ائمہ بر انبیاءؑ ما سلف میں (علماء شیعہ کے درمیان) اختلاف ہے۔ پہلا قول یہی ہے کہ وہ سوائے ختمی مرتبتؐ باقی سب انبیاء سے افضل ہیں۔ دوسرا یہ کہ انبیاءؑ ان سے افضل ہیں۔ تیسرا یہ کہ اولوالعزم نبی ان سے افضل اور دوسروں سے یہ افضل ہیں (اوائل المقالات شیخ مفیدؒ) ہاں البتہ علماء متاخرین میں پہلا قول ہی مشہور اور وہی عند التحقیق منصور ہے۔ بہر کیف جس مسئلہ میں اختلاف ہو اسے پورے مذہب کی طرف نسبت دینا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً: اس قدر تو مسلم ہے کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ کہ ہر نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے اگر چہ وہ غیر نبی اس نبی کی امت سے خارج بھی ہو۔ اس پر نہ کوئی عقلی دلیل قائم ہے نہ نقلی اور نہ ہی یہ مسلم ہے ھاتو ابر ھانکم ان کنتم صادقین؟ لہٰذا اگر ائمہ اہلبیتؑ سابقہ نبیوں سے افضل ہوں۔ جبکہ یہ ان کی امت میں شامل نہیں تو کسی مسلمہ قاعدہ کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

ثالثاً: یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ معیار فضیلت کثرت علم مع العمل۔ اور قوت جسمانی میں فوقیت ہے۔ جیسا کہ آدمؑ وملائکہ اور جناب طالوت کے قرآنی واقعات سے بھی واضح وعیاں ہے۔ تو بنا بریں جب ائمہ طاہرینؑ پیغمبر اسلام ﷺ کے علم وعمل اور طاقت و وقت کے وارث ہیں اور آنحضرت ﷺ سب علمی وعملی کمالات میں سردار انبیاء ہیں تو اس طرح ائمہ طاہرینؑ کے ان کمالات کا پلہ بھی سابقہ نبیوں سے بھاری ہوگا۔ لہٰذا وہ ان سے افضل ہوں گے۔

رابعاً: آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان فریقین کی کتب میں موجود ہے۔ فرمایا: ''من اراد ان ینظر الیٰ آدم فی علمه و الیٰ نوح فی زهده و الی ابراهیم فی خلته و الیٰ موسیٰ فی هیبته و الی عیسیٰ فی تقواه فینظر الی علی بن ابی طالب'' (مناقب خوارزمی ص ۲۸۷ ینابیع المودۃ ص باب ۴۰ مطالب السئول ص ۶۱ ج ۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۱۸۔ فصول مہمہ ص ۱۲۱۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ۲ ص ۴۴۹۶ اس سے ظاہر ہے کہ جو بزرگوار سارے سابقہ نبیوں کے انفرادی کمالات کا حامل ہوگا وہ فرداً فرداً ہر ایک سے افضل ہوگا۔ و لنعم ما قیل۔

؎ حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری ☆ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس موضوع کے تفصیلی دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

پانچواں مسئلہ:

شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جناب امیرؑ و دیگر ائمہ خدا کی زبان، منہ آنکھ ہاتھ اور جنب اللہ (خدا کی پسلی ہیں) اصول کافی ص ۸۴ میں ہے (یہاں دو روایتیں درج کی ہیں۔ جن کا مضمون یہی ہے کہ ائمہ فرماتے ہیں۔ ہم خدا کی حجت، خدا کا دروازہ۔ خدا کی زبان۔ خدا کا منہ، خدا کی آنکھ اور اس کے ولی امر ہیں۔ (آفتاب ص ۱۹۱)

الجواب:

فارسی کا ایک مقولہ ہے کہ ''یک من علم را دہ من عقل باید!'' اگرچہ ہماری اسلامی برادری میں فی الجملہ علم موجود ہے۔ مگر جس چیز کا ان کے ہاں قحط ہے وہ جوہر عقل ہے! اور اگر ہے تو پھر اس سے کام نہیں لیتے۔ ورنہ مولوی صاحب ایسے بودے اعتراض کر کے اپنی رسوائی کا سامان فراہم نہ کرتے مگر سچ ہے۔

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنہ پاکاں کند

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مطالب ہماری کتابوں میں درج ہیں۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ جس مذہب کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا سمجھتا ہے۔ اگر وہ آئمہ طاہرین کو وجہ اللہ۔ لسان اللہ وغیرہ سمجھتا ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟ دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ اعتراض کرنے سے پہلے اگر مؤلف ان حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھتے تھے تو علماء اعلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ رئیس المحدثین شیخ صدوق قمی نے کتاب التوحید اور حضرت علامہ مجلسی نے مراۃ العقول شرح کافی میں ان حدیثوں کا صحیح مفہوم بیان کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ کے باب اللہ (اللہ کا دروازہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسکی معرفت کرانے کا وسیلہ ہیں۔ ان کے اللہ کی زبان ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اسکی مرضی کے بغیر نہیں بولتے بلکہ اس کے احکام کی منشاء کے مطابق ترجمانی کرتے ہیں ان کے اللہ کی آنکھ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اسکی مرضی کے بغیر آنکھ نہیں اٹھاتے۔ اسی طرح انکے جنب اللہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی رضا خدا کی رضا کا اور ان کی ناراضی خدا کی ناراضی کا باعث ہے۔ اب فرمائیں یہ حقائق قابل اقرار ہیں یا لائق انکار؟

؎ چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است ☆ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

چھٹا مسئلہ:

اگر چہ اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام مخلوق سے افضل ہیں لیکن شیعہ اس کے خلاف حضرت علیؑ کو رسولؐ کے ہم مرتبہ بلکہ ان سے بھی افضل سمجھتے ہیں چنانچہ اصول کافی ص ۱۱۸ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: صادق علیہ السلام نے فرمایا اے سلیمان! جو جناب امیر المؤمنین حکم دیں مانو جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ علیؑ کو وہی فضیلت ہے جو رسولؐ کو ہے۔ پھر اس کتاب مذکور میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: ''امیر علیہ السلام نے فرمایا میں خدا کی طرف سے جنت و دوزخ کی تقسیم کا مالک ہوں۔ میں فاروق اعظم ہوں اور صاحب عصا د میسم ہوں تمام ملائک اور ارواح نے میرا اقرار کیا جیسا کہ رسول کا انہوں اقرار کیا۔ مجھے اسی سواری پر سوار کیا گیا جو رسول کی سواری منجانب اللہ تھی محمدؐ بلائیں جائیں گے اور پوشاک پہنائے جائیں گے۔ اسی طرح میں پکارا جاؤں گا اور پوشاک پہنایا جاؤں اور بلایا جاؤں گا۔ کلام رسول کی طرح۔ میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں۔ جو کہ کسی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئی۔ مجھے موتوں، مصیبتوں، نسبوں، فیصلہ حق کے علوم دیئے گئے ہیں۔ پہلے باتیں مجھ سے چھپی نہیں رہیں اور نہ غیبی امور مجھ سے مخفی ہیں۔ میں خدا کے حکم سے بشارت دوں گا اور خدا کی طرف سے سب کچھ پورا کر دوں گا۔ ان تمام امور کا خدا نے مجھے کل اختیار دے دیا ہے۔ ان روایات سے ثابت ہے کہ فضیلت میں رسولؐ اور علیؑ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ بلکہ علوم خمسہ کے حاصل ہونے میں رسول سے علی کا نمبر فائق ہو گیا ہے (بحار الانوار ج ۵ ص ۵۱۱ میں ہے)۔۔۔ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا۔ اے علیؑ! تمہارے لئے بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان جیسی میرے لئے بھی نہیں (خلاصہ یہ کہ) تمہارے بیٹے ہیں ان جیسے میرے نہیں اور خدیجہ جیسی تمہاری ساس۔ ایسی میری نہیں۔ مجھ جیسا تمہارا خسر ہے۔ ایسا میرا نہیں۔ جعفر جیسے تمہارے بھائی ہیں۔ اس جیسا میرا نہیں۔ اور فاطمہ بنت اسد جیسی ہاشمیہ مہاجرہ تمہاری والدہ ہیں ان جیسی میری والدہ نہیں۔'' (آفتاب ص ۱۹۳)

الجواب:

سچ ہے اذا القیت جلباب الحیا فاصنع ماشئت یعنی

؎ بے حیا باش و ہر چہ خواہ کن

گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف جب یہ کتاب لکھنے بیٹھے تھے تو حیا و شرم اور خوف وخشیت الٰہی کا جامہ چیر پھاڑ کر دور پھینک دیا تھا (یا پھر کبھی یہ جامہ زیب تن کیا ہی نہ تھا) اس لئے وہ کذب سازی اور افترا پردازی میں ذرہ بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان ہوگا کہ ''شیعہ حضرت علیؑ کو رسول کا ہم مرتبہ بلکہ ان سے افضل جانتے ہیں سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم۔ شیعوں کی

علم کلام وعقائد کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ شیعیان حیدرؑ کرار خدا کے بعد علت غائی ممکنات اور سرور موجودات جناب رسولخداﷺ کو ساری کائنات سے افضل جانتے ہیں ان کا ایمان ہے

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور جو شخص حضرت امیر المومنینؑ کو آنحضرتﷺ سے افضل تو کیا بلکہ من جمیع الجہات ان کے برابر سمجھے وہ اسے غالی اور نہ صرف یہ کہ اسے تشیع سے بلکہ اسے اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔اے کاش مؤلف اس حق یقین کو دیکھ لیتے جو ان کے پیش نظر ہے ثبوت کے لئے مراۃ العقول۔ہفتم بحار الانوار، حدیقہ سلطانیہ، احسن الفوائد، اصول الشریعہ وغیرہ میں اقسام غلو کے ذیل میں یہ بات دیکھی جاسکتی ہے۔

جب حضرت علیؑ خود یہ فرماتے ہیں کہ انا عبد من عبید محمد کہ میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں تو پھر ان کے شیعہ کس طرح ان کو رسولخداﷺ سے افضل سمجھ سکتے ہیں؟ (اصول کافی احتجاج طبرسی ص ۱۱ طبع النجف)

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں بوالعجبی است؟

اتحاد نبیؐ وعلیؑ:

ہاں یہ درست ہے کہ شیعہ سوائے نبوت اور اس کے خصائص (از قسم وحی نبوت وغیرہ) کے باقی صفات از قسم علم وفضل۔ اطاعت وعصمت وغیرہ میں بمطابق ارشاد خدا ورسول علیؑ کو نبیؐ کا نائب جانتے ہیں۔ بالاتفاق فریقین خداوند عالم نے قرآن کے اندر آیت مباہلہ میں حضرت علیؑ کو نفس رسول قرار دیا ہے (وانفسنا وانفسکم) اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جسمانی طور پر دو جسموں کا اتحاد عقلاً محال وناممکن ہے۔اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس اتحاد نفسانی سے مراد اتحاد فی الفضائل والکمالات ہے (بجزء مرتبۂ نبوت اور اس کے خصائص کے کہ بنص قرآن وحدیث اس کا آنحضرتﷺ پر خاتمہ ہو چکا ہے، اور حدیث منزلت ''یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی''۔ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے اور جناب رسول خداؐ کے بکثرت ارشادات سے نبیؐ وعلیؑ کا یک جان ودو قالب ہونا ثابت ہوتا ہے بطور نمونہ چند فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اصل خلقت میں اتحاد:

فرماتے ہیں خلقت انا وعلی من نور واحد۔ میری اور علی کی پیدائش ایک نور سے ہوئی ہے (مسند الفردوس ج ۲ ص ۱۹۱ طبع بیروت، ینابیع المودۃ ص ۲۵۴ طبع استنبول)

(۲) فرائض کی ادائیگی میں اتحاد:

فرمایاعلی منی و انا منه و لا یؤدی عنی الا ان او علی۔ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں میرے فرائض کو میرے اور علی کے سوا اور کوئی ادا نہیں کرسکتا (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۸۳ ج ۴ ص ۱۶۴ ج ۵ ص ۲۰۴ طبع میمیہ مصر کنز العمال ج ٦ ص ۱۵۳ طبع حیدر آباد دکن صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ ص ۷۳ طبع مصر قدیم مستدرکِ حاکم ج ۳ ص ۱۲۰ طبع حیدر آباد دکن، ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۷۴، ۱۷۲ باب ۴ فصل ٦ مشکوۃ باب مناقب علی ص ۵٦۴ طبع بمبئی سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ٦۷ طبع مصر وغیرہ)

(۳) محبت و عداوت میں اتحاد:

من احب علیاً فقد احبنی و من احبنی فقد احب اللّٰہ و من ابغض علیاً فقد ابغضنی و من ابغضنی فقد ابغض اللہ جو علی سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور جو علی سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ خدا سے بغض رکھتا ہے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۴۲، ۱۳۰ الریاض النضرہ ج ۲ ص ۱٦۵ استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص ۴۷۴ نور الابصار ص ۷۳، ۷۲، صواعق باب ۹ ص ۴۷ فصل ۲ کنز العمال ج ٦ ص ۱۵۲ وغیرہ)

(۴) اطاعت و معصیت میں اتحاد:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ و من عصانی فقد عصی اللّٰہ و من اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی۔ جو شخص میری اطاعت کرتا ہے وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اے علی! جو تیری اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو تیری نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۸ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱٦۷، کنز العمال ج ٦ ص ۱۵۹، وسیلۃ النجاۃ ص ۹۲ نزل الابرار ص ۲۳ وغیرہ)

(۵) مفارقت میں اتحاد:

من فارق علیاً فارقنی و من فارقنی فارقہ اللہ عز و جل جو شخص علی سے جدائی اختیار کرتا ہے۔ وہ مجھ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور جو مجھ سے جدا ہوا اس سے خدا بھی جدا ہو جائے گا۔ (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۴، ۱۴٦ کنز العمال ج ٦ ص ۵٦ الریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۹۷ نزل الابرار ص ۲۴ روائح المصطفی ص ۱۸)

(٦) اذیت میں اتحاد:

من اذی علیاً فقد اذانی۔ جس نے علی کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی (مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۳ کنز العمال ج ٦ ص ۱۵۲ صواعق محرقہ ص ۷۳ باب ٦ فصل مستدرک ج ۳ ص ۱۲۲۔ نوالابصار ص ۷۲ وغیرہ)

(۷) دشنام دہی میں اتحاد:

من سب علیاً فقد سبنی۔ جس نے علی کو دشنام دی اس نے مجھے گالی دی (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۲ صواعق ص ۴۷ باب ۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳ کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۲ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۷ ص ۳۵۴ وغیرہ)

(۸) محسود ہونے میں اتحاد:

من حسد علیاً فقد حسدنی و من حسدنی فقد کفر۔ جو علی سے حسد کرتا ہے وہ مجھ سے حسد کرتا ہے اور جو مجھ سے حسد کرے وہ کافر ہے (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۶)

(۹) نبیؐ و علیؑ کی محبت علامتِ ایمان ہے:

حبک ایمان و بغضک نفاق۔ اے علی! تیری محبت ایمان اور تیری دشمنی نفاق ہے (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۴ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۷۸ کنز العمال ج ۶ ص ۵۸)

(۱۰) نبیؐ و علیؑ کی محبت موجب دخولِ جنت ہے:

لو اجتمع الناس علی حب علی بن ابی طالب لما خلق اللہ النار۔ اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر اتفاق کر لیتے تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا (مناقب خوارزمی ص ۲۹۷ ینابیع المودہ ص ۱۲۵ باب ۴۲ وغیرہ)۔۔ شیخ سلیمان حنفی القندوزی نے ینابیع المودہ میں ایک مستقل باب ۷ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے "فی بیان ان علیاً کرم اللہ وجہ کنفس رسول اللہؐ" اور اس باب میں مختلف اسانید والفاظ سے ۲۴ عدد حدیثیں درج کی ہیں۔ جن سب کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ علی بمنزلہ میرے نفس کے ہیں۔ (فراجع) جب اس قدر باتوں میں خود اہلسنت اتحاد کے قائل ہیں تو جو تین روایتیں مولف نے اصول کافی و بحار سے نقل کی ہیں۔ ان سے اس سے زیادہ تو کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی روایت سے اطاعت والی فضیلت میں اتحاد مراد ہے کہ علی کی اطاعت بمنزلہ اطاعت رسول ہے اور دوسری حدیث سے بھی صرف ان امور میں اتحاد مراد ہے جن کا تذکرہ خود روایت کے اندر موجود ہے یعنی بلایا جانا پوشاک پہنایا جانا وغیرہ اور یہ جو فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں (علوم خمسہ) دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ تو اس سے مراد سابقہ انبیاء واولیاء ہیں نہ کہ جناب ختمی مرتبت۔ وہ تو معلم واستاذ علیؑ ہیں آنجنابؐ خود فرماتے ہیں (**علمنی رسول اللہؐ الف باب**) کہ آنحضرتؐ نے مجھے علم کے ہزار باب پڑھائے ہیں۔۔) اور حضرت کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ وہ مدینہ علم نبوی کے باب ہیں۔۔۔ باقی رہی تیسری روایت (جس کے طرز استدلال پر حاشیہ کتاب میں بھی ایراد کیا گیا ہے کہ یہ درست نہیں "اسے کہتے ہیں **بناء الفاسد علی الفاسد**" بھلا مؤلف بحار الانوار یا دیگر شیعہ علماء ابرار نے کب اس حدیث سے افضلیت علیؑ بر نبیؐ پر استدلال کیا ہے؟ تا کہ اس میں مناقشہ کیا جائے؟

یہ تو مؤلف آفتاب کی کج فہمی ہے کہ اضافی و جزئی اور سببی فضیلت کو افضلیت علیؑ بر نبیؐ کی دلیل سمجھ رہے ہیں۔ اس میں جناب امیرؑ کے صرف بعض نسبی و اضافی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ان کی علی الاطلاق افضلیت بر رسول لازم نہیں آتی۔ باتفاق شیعہ حضرت علیؑ جناب امام حسین سے افضل ہیں۔ مگر نسبی و اضافی طور پر جناب سید الشہداءؑ کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جو جناب امیرؑ کو بھی حاصل نہیں۔ مثلاً جیسے والدین امام حسینؑ کے ہیں ایسے جناب امیرؑ کے نہیں۔ جیسے جد نامدار امام حسینؑ کے ہیں ویسے حضرت امیرؑ کے نہیں۔ جیسے بھائی امام حسینؑ کے ہیں ایسے جناب امیرؑ کے نہیں۔ جیسی جدہ جناب امام حسینؑ کی ہیں ویسی جناب امیرؑ کی نہیں وعلی ہذا القیاس تو کوئی عقل کا اندھا اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ امام حسینؑ کا مقام جناب امیرؑ سے بلند ہے؟ حاشا وکلا علاوہ بریں اس روایت کو صاحب ارجح المطالب سنی نے ص ۱۳۹، ۲۳۸ پر بحوالہ شرف النبوہ خرگوشی اپنی کتاب میں درج کیا ہے تو اگر یہ روایت افضلیت علیؑ پر نبی پر دلالت کرتی ہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اہلسنت حضرت علیؑ کو جناب رسولخداؐ سے افضل جانتے ہیں لہٰذا خارج از اسلام ہیں؟ کیا یہ درست ہے؟ (العیاذ باللہ) لقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثوراً۔

ساتواں مسئلہ:

یہ مانا ہوا مسئلہ ہے کہ قبض ارواح خاصۂ خالق الارواح (خدائے پاک) ہے اور ملائکہ اس کام پر مامور ہیں۔ لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کو ائمہ طاہرینؑ سے مل کر بعض یا تمام ارواح کو قبض کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ حق الیقین اردو ص ۴۹۶ میں ہے حدیث میں اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ بھی تمام ائمہ طاہرین کے ساتھ بعض روحوں کو قبض کرتے ہیں یا تمام روحوں کے قبض کرنے میں بحکم خدا دخل رکھتے ہیں۔ جیسا کہ خطبۂ غیر مشہورہ میں ہے فرمایا کہ میں بحکم خدا زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہوں۔'' (آفتاب ص ۱۹۳)

الجواب:

شیعیانِ حیدرؑ کرار کا یہی عقیدہ ہے کہ موت وحیات کا سلسلہ خداوند قدیر کے قبضہ قدرت میں ہے اور فرشتے اسی کے حکم سے ان فرائض کو انجام دیتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تک جناب رسولخداؐ یا دوسرے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا تعلق ہے۔ وہ اگر چاہیں تو باذن اللہ یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ مگر یہ ان کی ڈیوٹی نہیں ہے۔ یہ ڈیوٹی صرف اور صرف ملائکہ مدبراتِ امر کی ہے جو بطور فرض منصبی ان امور کو انجام دیتے رہتے ہیں۔ حق الیقین جناب علامہ مجلسی کی تصنیف ہے۔ خود سرکار موصوف نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ محی و ممیت (مارنے اور جلانے والا) خدا ہی ہے اور جس خطبہ غیر مشہورہ کی طرف انہوں نے یہاں اشارہ فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ خطبہ ہے جو ''خطبۃ البیان'' کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق ہمارے تمام علماء اعلام کا متفقہ بیان ہے کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کا

کلام نہیں ہے خود سرکار مجلسی نے ہفتم بحار ص ۳۶۵ پر اس کے متعلق لکھا ہے: ''اما خطبة البیان و اشباھما فلم توجد الا فی کتب الغلاۃ'' یعنی خطبۃ البیان ہو یا جو خطبے اس کے ساتھ ملتے جلتے ہیں وہ صرف غالیوں کی کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ ہم نے احسن الفوائد و اصول الشریعہ میں بڑی تفصیل سے از روئے قانون روایت و درایت اس کا بے اصل و بے بنیاد ہونا ثابت کر دیا ہے۔ یہاں مرحوم مجلسی نے ایک خبر واحد (جو موجب علم و یقین نہیں ہوتی۔ حالانکہ مقام اعتقاد میں صرف یقینیات یعنی آیات محکمات یا روایات متواترات ہی مفید مطلب ہو سکتی ہیں) پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں فلاں مطلب کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔۔ کیا اسی کا نام عقیدہ ہے؟

ہر شے میں رائے سنی عجب باصواب ہے ☆ جو بات کی خدا کی قسم لا جواب ہے

آٹھواں مسئلہ:

موت حیات ائمہ کے اختیار میں ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ مگر شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کو موت و حیات پر کلی اختیار ہے چاہے مریں یا نہ مریں اصول کافی ص ۱۵۸ پر باب یوں باندھا گیا ہے۔۔ ترجمہ: ''باب اس کا کہ ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے۔ اسی صفحہ میں ہے۔۔۔ ترجمہ: ابو بصیر کہتا ہے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جس امام کو اپنی مصیبت کا علم نہ ہو اور کہ اس کو بھی مصیبت پہنچے گی تو وہ خدا کی طرف سے مخلوق پر حجت نہیں ہو سکتا (آفتاب ص ۱۹۳)

الجواب:

ہم ابھی اوپر ساتویں مسئلہ کے جواب میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ شیعیان علی کا یہی عقیدہ و ایمان ہے کہ موت و حیات خداوند عالم کے ہی جہ قدرت میں ہے اور جن روایات کی طرف مؤلف نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اس عقیدہ سے متصادم نہیں ہیں بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی کسی مقام پر ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں) کہ ان کی ذوات مقدسہ کا مقام و مرتبہ نگاہ قدرت میں اسقدر بلند ہے کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر انہیں زبردستی نہیں مارتا۔ اسی مقصد کو اقبال نے اپنے مخصوص شاعرانہ رنگ میں یوں ادا کیا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ☆ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موت ائمہ کے اختیار میں ہے اور خدا کے اختیار میں نہیں۔ معاذ اللہ! کوئی شیعہ اس کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ اسی اصول کافی ص ۱۲۹ طبع ایران میں وارد ہے کہ روز عاشورہ جب سید الشہداء پوری طرح نرغہ اعداء میں گھر گئے تھے

تب خدا نے فتح ونصرت کو مجسم کر کے امام کے سر پر سایہ فگن کیا۔ اور آپ کو موت وحیات میں کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیا۔ امام نے لقاء پروردگار کو اختیار کر لیا۔ و ھذا حق لا ریب فیہ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اس قسم کی روایات کتب اہلسنت میں بھی موجود ہیں کہ خداوند عالم نے جناب نبی وعلیؑ کی موت کے وقت کو انکی مرضی پر منحصر قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ارجح المطالب ص ۵۸۰ طبع لاہور وغیرہ)

نواں مسئلہ:

یہ مسئلہ بھی مسلم ہے کہ علم ما کان و ما یکون خاصہ ذات باری ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کو یہ سب معلوم حاصل ہیں اصول کافی ص ۱۵۹ میں باب ہی یوں باندھا ہے "باب اس کا کہ ائمہ کو علم ما کان وعلم ما یکون حاصل ہوتا ہے" اور ان پر کوئی امر کائنات سے مخفی نہیں ہے۔ کتاب مذکور کے ص ۱۶۰ میں ہے۔۔ ترجمہ: "امام صادق نے فرمایا جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ جانتا ہوں اور گزشتہ و آئندہ کل واقعات دنیا کا بھی مجھے علم ہے"۔ (آفتاب ص ۱۹۴)

الجواب:

قارئین کرام! "علم ما کان و ما یکون" "کو خاصہ ذاتِ باری" قرار دینے والے وہی مولوی کرم الدین ہیں جو اپنی کتاب کے ص ۱۲۲ پر یہ لکھ آئے ہیں "حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالیٰ نے بخشا ہوا تھا۔" کیا اس وقت یہ معلوم نہ تھا اور اب ص ۱۹۴ پر پہنچ کر یہ القا ہوا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تعصب نے چشم بصیرت اندھی کر دی ہے۔

؎ شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا ☆ یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ مع شرح نودی طبع دہلی میں ابوزید صحابی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔ "صلی بنا رسول اللہ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد لمنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن فاعلمنا احفظنا" یعنی ایک بار آنحضرتؐ نماز صبح سے فارغ ہو کر منبر پر تشریف لے گئے اور بیان شروع کیا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت داخل ہو گیا۔ آپؐ نے منبر سے اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور بیان شروع کیا حتی کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے اتر کر نماز پڑھی اسکے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور بدستور سابق بیان شروع کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے ہمیں تمام گذشتہ اور آنیوالے واقعات بتلا دیئے پس ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جو ان واقعات کو) زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ اسی صفحہ پر اس سے قبل جناب حذیفہؓ کی زبانی بھی ایسا ہی واقعہ منقول ہے۔

اب فیصلہ ناظرین کریں کہ آیا صحیح مسلم کی روایت اور رسول خداؐ کے وہ صحابیوں کا بیان صحیح ہے کہ "آنحضرتؐ کو ما کان و ما

یکون کاعلم تھا'' یا مولوی کرم الدین صاحب کا بیان درست ہے'' کہ یہ خاصۂ ذات باری ہے''؟

مولوی صاحب نے اصول کافی کی حدیث کا پہلا حصہ تو پیش کیا ہے کیا اس کا اگلا حصہ نہیں دیکھا۔ جسمیں درج ہے کہ جب امام نے یہ فرمایا کہ میں زمین وآسمان کی چیزیں جانتا ہوں۔ تو بعض سامعین پر یہ دعویٰ گراں گذرا۔ امام نے انکے ازالہ شک کیلئے فرمایا کہ میں یہ سب کچھ کتاب خدا کی برکت سے جانتا ہوں جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہم اس کے علم کے وارث ہیں۔ ''ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا'' (سورہ فاطر آیت 32)۔ علاوہ بریں ہم قبل ازیں کسی جگہ پر بیان کر چکے ہیں کہ اس علم ماکان و مایکون سے مراد علم اجمالی وارادی ہے (کہ جب کسی سابقہ یا آئیندہ چیز کے معلوم کرنیکا ارادہ فرمائیں تو خدا نہیں بتا دیتا ہے) نہ تفصیلی اور حضوری یا اس سے صرف حتمی امور کا علم مراد ہے جو حتمی طور پر واقع ہونے والے ہوتے ہیں۔ نہ ان امور کا جن میں بداء واقعہ ہوسکتا ہے۔ اور ان میں ادل بدل ہوسکتا ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ تعلیم اللہ ہے۔ نہ انکا ذاتی علم۔ اس موضوع کی پوری تفصیلات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کریں۔

دسواں مسئلہ آسمان وزمین جناب امیرؑ کے تابع حکم:

شیعہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے تابع حکم آسمان وزمین و مافیہا سب کچھ ہے چنانچہ حق الیقین ص ۴۳۶ میں ہے۔ میں صاحب عصاد میسیم ہوں۔ میں وہ ہوں کہ خدا نے ابروں درعدوں اور برقوں کو تاریکی وروشنائی اور ہوا اور پہاڑوں اور دریاؤں ورستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو میرا مسخر کیا ہے میں اس امت کا ہادی ہوں (آفتاب ص ۱۹۴)

الجواب:

اگر یہ اصول قرار دے دیا جائے کہ جو روایت (خواہ کیسی ہی ہو) جس مذہب کی کسی کتاب میں پائی جائے اور اسمیں جو کچھ درج ہو صحیح ہے اور وہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے وہی ان کا عقیدہ بھی تو پھر تو ماننا پڑے گا کہ ''رنگیلا رسول'' لکھنے والے کمبخت نے اہلسنت کی کتابوں سے موادلیکر اسلام اور بانی اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے وہ درست ہے اور وہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے (معاذ اللہ) مؤلف کو تو اپنے متعلق بڑا عالم ومناظر ہونے کا دعویٰ ہے۔ تو کیا ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی روایت کا کسی کتاب میں پایا جانا اور ہے اور مقامِ اعتقاد اور؟۔۔۔ چنانچہ جس روایت کی بناء پر مؤلف نے عنوان مسئلہ قرار دیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک طویل وعریض روایت کا ٹکڑا ہے جو کتاب ''واحدہ'' سے منقول ہے اور یہ کتاب (واحدہ) علماء محققین کی نظر میں چنداں معتبر نہیں ہے۔

علاوہ بریں یہ درست ہے کہ چونکہ ائمہ طاہرینؑ رسولخداؐ کے بعد تمام کائنات سے افضل ہیں اور خدا کے خاص مطیع وفرمانبردار بندے ہیں اسلیئے اگر کائنات کی ہر شے باذن اللہ ان کی اطاعت کرے تو اسمیں کیا جائے اعتراض ہے؟ باقی رہا مؤلف صاحب کا یہ

ایراد کہ پھر جناب امیر نے پہاڑوں اور رعدوں اور برقوں کو کیوں حکم نہ دیا کہ وہ ثلاثہ کو آناً فاناً نیست و نابود کریں؟ تو معترض کو معلوم ہونا چاہیئے کہ

؎ کار پاکاں را قیاس از خود مسگیر ☆ گر چہ باشد در نوشتن شیر شیر

یہ بزرگوار تابع مشیت خدا اور مطیع مرضی مولا ہیں اور **ماتشائون الا ان یشاء اللہ** کے مصداق ہیں **لا سبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون**۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ اہلبیتؑ ان قوتوں کے مالک نہ سہی کم از کم خدا تو بالاتفاق ان قوتوں اور طاقتوں کا حقیقی مالک ہے تو اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان اور اس کے دیگر انصار واعوان کو ان طاقتوں سے کیوں ہلاک نہ کر دیا تو جواب وہاں دیا جائے گا۔ وہی یہاں بھی عرض کیا جائے گا؟

؎ حق کو دبانا سہل نہیں اے جناب من!

گیارہواں مسئلہ میت پر بدعا کرنا:

ایک مشہور کہاوت ہے "مرے کو مارے شاہ مدار"۔ مرے ہوئے شخص سے کسی کو کوئی بیر باقی نہیں رہتا۔ اس کی حالت پر رحم آتا۔ اور دعائے خیر کرتا ہے لیکن شیعہ۔۔۔ ایسے صاف باطن ہیں کہ میت شیعہ نہ ہو بلکہ سنی ہو تو اس کے جنازہ میں بجائے دعا کے بدعا کرتے ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے ذمہ بھی یہی الزام عائد کرتے ہیں۔۔۔ کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی ص ۹۹ ج ا میں ہے **عن ابی عبداللہ (بحذف عربی)**۔۔ ترجمہ۔ "امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ حضرت امام حسینؑ جنازہ کے ہمراہ چلے جا رہے تھے کہ آپ کا غلام راستہ میں مل گیا۔۔۔ امامؑ نے پوچھا کہاں جاتا ہے؟ کہا اس کے جنازے سے بھاگتا ہوں۔۔۔ آپ نے کہا دیکھ میری داہنی جانب کھڑے ہو جانا اور جو کچھ میں کہوں تو بھی کہتے جانا۔ جب تکبیر ہوئی تو امام حسینؑ نے یوں کہا الٰہی! تو اپنے فلاں بندے پر ہزار ہزار لعنتیں کر جڑی ہوئی الگ نہ ہوں! الٰہی تو اپنے اس بندے کو اپنے بندوں اور شہروں میں رسوا کر اور آگ کی گرمی سے تپا۔ اور اس کو سخت عذاب چکھا کہ یہ تیرے دشمنوں سے دوستی اور دوستوں سے دشمنی کرتا تھا اور تیرے نبی کی اہلبیت کا دشمن تھا۔ جائے غور ہے کہ حضرت امام حسینؑ جیسے بے رودریا شخص کو جس نے یزید کی بیعت نہ کرنے کے باعث اپنا اور اپنی اہلبیت کا سر کٹا دیا۔ ایک منافق کے جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دوم نماز جنازہ تو صرف دعا کیلئے ہوتی ہے اگر جناب امام کو بدعا کرنا ہی منظور تھی تو گھر میں بیٹھ کر ہی کر سکتے تھے۔ دیکھئے کیسی کیسی بیہودہ روایات گھڑ کر ائمہ کرام کے ذمے اتہام لگاتے ہیں۔ بھلا جس شخص کے نانا رسول پاک کی یہ شان ہو کہ ایک منافق کے جنازہ پر جائیں ت واس کے لئے طلب مغفرت کریں حتی کہ رب العزت فرمائے کہ اگر ستر دفعہ بھی اس نابکار کیلئے استغفار کی گئی تو بھی بخشا نہ جائے گا۔ پھر امام حسینؑ

اپنے جد امجد کے خلاف ایسی سنگدلی کریں کہ بدعا کرنے لگیں۔ استغفر اللہ۔ (آفتاب ص ۱۹۶)

الجواب:

اس ذیل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اولاً یہ واقعہ فروع کافی کے جس باب میں ہے اس کا عنوان ہے ''الصلوۃ علی الناصب'' یعنی دشمن اہلبیت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان (کیونکہ ناصبی کا مفہوم ہے ''من نصب العداوۃ لاھل البیت'' (مراۃ العقول ج ۳ ص ۷۲) جو اہلبیت رسولؐ سے دشمنی رکھے اور جس آدمی کی میت پر امام حسینؑ کے نماز جنازہ پڑھنے والی روایت کو مؤلف نے نقل کیا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ وہ ایک منافق تھا۔ (اور منافق کی تعریف عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے) امام علیہ السلام نے اس منافق کے یہ اوصاف خبیثہ بیان کئے ہیں (۱) وہ خدا کے دشمنوں کا دوست (۲) خدا کے دوستوں کا دشمن (۳) اور اہلبیت رسولؐ سے بغض رکھنے والا تھا۔ مگر مؤلف ہر جگہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ شیعہ حضرات سنی کی میت پر بددعا کرتے ہیں بھلا اس کو۔۔۔ اہلسنت سے کیا تعلق جو کہ محبت اہلبیت کے دعویدار ہیں؟ بموجب ''چور کی داڑھی میں تنکا''۔ مؤلف کا ماتھا کیوں ٹھنکتا ہے؟ کہیں بیچارے عداوت اہلبیت کے مرض میں مبتلا تو نہیں؟ کہیں وہی بات تو نہیں جس کا ذکر مولانا وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ ۱۸، ۲۱ ص ۲، ۱۳۲، ۱۳۱، ص ۱۴۴ مطبوعہ بنگلور پر کیا ہے؟

ایک عجیب حکایت:

فرماتے ہیں ''مجھ سے میرے شیخ حافظ عبدالعزیز لکھنوی نے بیان کیا کہ لکھنو میں ایک صاحب جو اپنے تئیں اہلسنت کہتے تھے۔ کہنے لگے کہ جب تک آدمی کے دل میں انڈے برابر حضرت علیؑ کا بغض نہ ہو اس وقت تک وہ سنی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ خدا کی پناہ ایسے سنیوں سے یہ کمبخت خارجی و ناصبی ہیں۔ ان کو سنی کون کہتا ہے۔ بہر حال موصوف اگر اس مرض کا شکار ہیں اور ان کو بموجب ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز'' ناصبیوں اور منافقوں سے محبت اور ہمدردی ہے تو وہ محبت اہلبیت کے دعویدار اہلسنت والجماعت کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی زحمت نہ فرمائیں ثانیاً یہ روایت مجہول ہے۔ بوجہ جہالت راوی عامر بن السمط (ملاحظہ ہو مراۃ العقول ج ۳ ص ۷۳) اسلئے یہ ناقابل استدلال ہے۔

ثالثاً ہر مرنے والے سے ہمدردی کرنا مؤلف یا ان کے ہم خیالوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ ورنہ کوئی ہوشمند اور دیندار کبھی کسی دشمن خدا سے ہمدردی نہیں کر سکتا ورنہ پھر خدا کے دوست اور دشمن میں فرق ہی کیا رہے گا؟ یہ عجیب انداز محبت ہے کہ

ع ظالم سے بھی الفت ہو مظلوم سے یارانہ

یہ صاف باطنی آپ کو مبارک ہو! ہم تو مسلمان و کافر۔ مومن و منافق اور صالح و طالح کو برابر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

رابعاً: جوضرورت حضرت رسول خداؐ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے پر آمادہ کرتی تھی اسکے تحت فرزند رسولؐ نے بھی شرکت فرمائی۔ فماھو جوابکم فھو جوابنا؟

خامساً: یہ جو کہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے منافق کے جنازہ پر دعا کی حتی کے رب العزت نے فرمایا کہ اگر ستر دفعہ۔۔۔۔قطع نظر اس واقعہ کی صحت کے غور طلب امر یہ ہے کہ خدا کی اس ممانعت کے بعد رسول اسلام کا طرز عمل کیا تھا؟ آیا پھر بھی شرکت کرتے اور دعائے خیر کرتے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اسطرح نبوت رخصت نہیں ہوجائے گی؟ آیئے ہم بتائیں اسکے بعد آنحضرتؐ اولاً تو شامل ہی نہیں ہوتے تھے اور اگر ضرورت شدید کے تحت شامل ہونا پڑ جاتا تو یہ بدعا کیا کرتے تھے۔ اللھم احش جوفہ ناراً و املأ قبرہ ناراً و اصلہ ناراً۔ بارالہا! اس کے پیٹ کو اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔۔۔۔ اور اسے آگ کا ذائقہ چکھا (فروع کافی ج ص ۹۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام نے ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اپنے جد امجد کی متابعت کی ہے نہ کہ مخالفت؟

مؤلف نے یہ جو کہا ہے کہ: ''نماز جنازہ تو ہی دعا کیلئے'' خدارا سچ بتائیں کبھی مرنے والے کے لئے بالخصوص دعائے خیر کی بھی ہے؟ وہاں تو صرف یہ ہوتا ہے۔ یا اللہ۔ ہمارے چھوٹوں کو بخش۔ ہمارے بڑوں کو بخش ہمارے مردوں کو بخش۔ ہماری عورتوں کو بخش۔ ہمارے زندوں کو بخش ہمارے مردوں کو بخش۔ ہمارے حاضروں کو بخش۔ ہمارے غائبوں کو بخش! لیکن جس حاضر میت کے لئے دعائے خیر کرنے کی نیت کی تھی۔ اس کے لئے کب دعا کی؟؟

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ ☆ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

بارھواں مسئلہ امام ران سے نکلتے ہیں:

قرآن گواہ ہے تولد ہر ایک انسان کا ماں کے رحم سے ہوتا ہے ھو الذی یصوم کم فی الارحام کیف یشاء۔ اس پر شاہد ہے لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امام رحم سے نہیں بلکہ ماں کی ران سے نکلتا ہے۔ چنانچہ حق الیقین ص ۴۱۲ میں ہے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت نے فرمایا کہ ہم اولیاء، انبیاء کا حمل پیٹ میں نہیں بلکہ پہلو میں رہتا ہے اور ہم ماں کے رحم سے نہیں بلکہ ماں کی ران سے نکلتے ہیں۔ (آفتاب ص ۱۹۶)

الجواب:

یہ اعتراض بدوجہ غلط ہے۔ اولاً یہ صرف ایک روایت کا مضمون ہے جو ظاہر قرآن اور دوسری بیسیوں معتبر روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔ کسی مرسل ومقطوع السند روایت کو لے کر اس کے مفاد کو شیعوں کا اعتقاد ظاہر کرنا علمی دیانت و

امانت کے سراسر خلاف ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایا ایسا ہونا عقلاً محال ہے۔ یا صرف عادت و نیچر کے خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ محال عقلی تو نہیں بلکہ صرف مجرائے طبیعی کے خلاف ہوتا ہے تو کیا ہر معجزہ مجرائے طبیعی کے خلاف نہیں ہوتا؟ کیا عصا ر مارنے سے دریا میں راستہ کا بن جانا۔۔۔ یا پتھر پر عصا مارنے سے چشمہ کا منہ نکلنا یا آگ کا گلزار بن جانا۔ یا والد کے بغیر ولد کا پیدا ہونا یہ سب قانون طبیعت اور نیچر کے خلاف نہیں ہیں؟ تو اگر معجز نما نبی کے معجز نما امامؑ فرزند کی ولادت بھی معجزانہ شان سے ہو تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ و لیس ذالک و علی اللہ بعزیز۔

تیرھواں مسئلہ خنزیر کے بال و چمڑا وغیرہ:

مسلمان خنزیر کو ایسا نجس سمجھتے ہیں کہ اس کا نام لینے سے بھی نفرت ہے۔ لیکن شیعہ حضرات خنزیر کے بال، پشم، چمڑے کو پاک سمجھتے ہیں۔ روایات ذیل ملاحظہ ہو۔

(۱) فروع کافی ج ۱ ص ۴ میں ہے۔۔ ترجمہ: زرارہ کہتے ہیں میں نے امام صادقؑ سے دریافت کیا۔ کہ خنزیر کے بالوں کی رسی سے کنوئیں سے پانی نکال کر وضو کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے کہا کچھ حرج نہیں ہے۔

(۲) فروع کافی ج ۲ جزء ۲ ص ۱۰۳ میں ہے۔ ترجمہ: ''راوی کہتا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا۔ خنزیر کے بالوں کی رسی بنا کر کنوئیں میں سے پانی نکالا جائے۔ جس سے پانی پیا جائے یا وضو کیا جائے؟ کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور علی بن عقبہ اور علی بن حسین بن زیاد نے یہ ایزاد کیا ہے۔ فرمایا کہ خنزیر کے بال اور پشم سب پاک ہے۔''

(۳) من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵۰ میں ہے ترجمہ: ''امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ کہ ہم ایسے کپڑے خرید لیا کرتے ہیں کہ ان کو خنزیر کی چربی اور شراب لگا ہوا ہوتا ہے کیا ان کو چھیل کر دھوئے بغیر ان سے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا بیشک! خدا نے خنزیر کا کھانا اور شراب کا پینا حرام کیا ہے۔ ان سے ملوث کپڑے پہن لینا یا چھونا اور ان میں نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔'' خوب یہ شیعہ پاک مذہب کی برکات ہیں کہ کپڑے کو خنزیر کی چربی لگی ہوئی ہو یا شراب سے آلودہ ہو اس کو خوشی سے استعمال کرنا (آفتاب ص ۱۹۷)

الجواب:

یہ مطہر و معصوم مگر مظلوم ائمہ طاہرینؑ کے مظلوم شیعہ پر سراسر تہمت و افتراء ہے کہ وہ ''خنزیر کے بال، پشم، چمڑے کو پاک سمجھتے ہیں''۔ سچ ہے

؎ کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدوؔ ☆ کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے؟

ورنہ مذہب شیعہ خیر البریہ کی ہزاروں فقہی کتابیں اس پر شاہد صادق موجود ہیں کہ وہ خمر وخنزیر کو بجمیع اجزائہما نجس ورجس جانتے ہیں اور بیسیوں احادیث معصومین موجود ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ صرف کتاب حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۴۶۶ مصنفہ عالم ربانی علامہ شیخ یوسف بحرانی سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے کہ علماء شیعہ کا اتفاق ہے کہ **لم یعمل فی کتب الامیایة مثله**۔ شیعہ فقہ میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی (فوائد رضویہ) فرماتے ہیں: "**التاسع الکلب و الخنزیر و لا خلاف فی نجاستها قال فی ذوان الکلب نجس العین نجس اللعاب نجس السئور باجماع الفرقة و ان الخنزیر نجس بلا خلاف**" الخ۔ یعنی نجاسات میں سے نواں نجس۔ کتا اور خنزیر ہے۔ ان کی نجاست میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ حضرت شیخ طوسی کتاب اخلاف میں فرماتے ہیں کہ فرقہ شیعہ کا اجماع ہے کہ کتا نجس العین ہے۔ اس کا لعاب، اس کا جوٹھا سب نجس ہے اور اسی طرح بلا اختلاف خنزیر پر بھی نجس العین ہے۔ چند سطور کے بعد علامہ موصوف نے چند فروع کا ذکر کرتے ہوئے پہلی فرع یہ بیان کی ہے **اول المشهور بین الاصحاب بن لا نعلم فیه خلافاً۔ نجاسة الکلب و الخنزیر لجمیع اجرائهما ما تحله الحیوة منهجما و ما تحله** یعنی علماء شیعہ میں مشہور یہ ہے بلکہ ہمیں اسمیں کسی قسم کے اختلاف کا کوئی علم نہیں کہ کتا اور خنزیر اپنے تمام اجزاء سمیت نجس ہیں۔ اسمیں کوئی فرق نہیں خواہ ان اجزاء میں زندگی کے آثار ہوں (جیسے گوشت و پوست وغیرہ) یا نہ ہوں (جیسے بال پشم ہڈی وغیرہ)۔ ہاں اس سلسلہ میں صرف ایک عالم ابن جنید کی مخالفت کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو سنی سے شیعہ ہوئے تھے نہ معلوم اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اسی طرح ہماری تمام فقہی کتابوں میں تصریحات موجود ہیں

؏ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ہمارے فقہاء ومحدثین نے ان روایات کی جن کو مؤلف نے یہاں پیش کیا ہے مختلف توجیہات کی ہیں (۱) مثلاً حضرت شیخ طوسیؒ نے استبصار میں یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے رسی پانی تک پہنچی نہ ہو۔ (۲) علامہ حلی نے منتہی الفقہ میں یہ تاویل کی ہے کہ "الاباس" (کوئی حرج نہیں) کا تعلق اس سے ہے کہ اس رسی کو ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خشک ہو! (۳) اور عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی نے حدائق ناضرہ میں جو تاویل فرمائی ہے وہ سب سے بہتر ہے کہ اس "لاباس"۔ کا تعلق کنویں کے پانی سے ہے۔ سائل امام سے دریافت کرتا ہے کہ اگر خنزیر کے بالوں والی رسی کے ذریعہ اس کنوئیں سے پانی نکالا جائے۔ جس سے پانی پیا جاتا اور وضو کیا جاتا ہے تو کیسا ہے؟ (یعنی اس سے کنوئیں کا پانی تو متاثر نہیں ہوگا؟) امام فرماتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں (یعنی کنوئیں کا پانی پاک رہے گا۔ کیونکہ وہ کثیر وجاری ہونے کی وجہ سے ملاقات نجاست سے نجس نہیں ہوتا)۔ بہرکیف علماء کا یہ تاویلات وتوجیہات پیش کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ خنزیر کے چمڑے اور بال کو نجس جانتے ہیں وھوالمقصود

علی بن عقبہ والے اضافہ میں خنزیر کے بالوں کے پاک ہونے کی ہرگز کوئی تصریح نہیں۔ یہ مؤلف کی ذاتی اپچ ہے۔ اصل

الفاظ یہ ہیں "الشعر و الصوف کلہ زکی" بال اور پشم پاک ہیں۔ لہٰذا اس سے مراد دوسرے ماکول یا غیر ماکول اللحم حیوانات کے بال و پشم مراد ہیں نہ کہ خنزیر کے۔ اور فقیہہ والی روایت (جس میں خمر و خنزیر سے آلودہ کپڑے میں نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے) کو علماء نے مرسل و مقطوع السند اور دیگر صحیح السند اخبار و آثار کے معارض و مخالف ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدائق اور مستمسک العروۃ وغیرہ فقہی کتابوں کے ابواب الصلوٰۃ۔ کس قدر تعجب ہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں بدن یا کپڑے کو لگی ہوئی نجاست کو زبان سے چاٹ لینے سے نجس بدن یا کپڑا پاک ہو جاتا ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱ طبع نول کشور) اصل عبارت یوں ہے "اذا اصابت النجاسۃ بعض اعضائہ و لحسما بلسانہ حتی ذھب اثرھا و کذا السکین اذ تنجس فلحسہ بلسانہ و مسحہ بریقہ"۔ بلکہ نجاست میں لتھڑے ہوئے بدن یا کپڑے سے نماز پڑھ لے تو جائز ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۶) و ان لم یغسل النجاسۃ و صلی جاز آج وہ بھی اس روایت پر اعتراض کر رہے ہیں کہ "اگر کسی کپڑے کو خنزیر کی چربی یا شراب لگ جائے تو وہ چھیلنے سے کس طرح پاک ہو سکتا ہے"؟ یا للعجب؟ یہاں تک تو ہمارا روئے سخن اپنی روایات کے حلّی جوابات کی طرف تھا۔ سو ہم نے بحمد اللہ ثابت کر دیا کہ شیعہ مذہب کلب و خنزیر کو بجمیع الاجزاء نجس سمجھتا ہے۔ اب آیئے ہم آپ کو معترض صاحب کے گلشن مذہب کی سیر کرائیں اور گلہائے رنگارنگ دکھائیں تا کہ قدرت خدا کا کرشمہ نظر آ جائے اور معترض اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کیلئے ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ چاہ کن را چاہ در پیش!

لو وقع فی الماء القلیل افسدہ عند ابی یوسف و عند محمد لا یفسد لان اطلاق الانتفاع بہ دلیل طھارتہ۔ یعنی اگر تھوڑے سے پانی میں (کنوئیں کا پانی تو کثیر ہے) خنزیر کے بال گر جائیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پانی نجس ہو جاتا ہے لیکن امام محمد (تلمیذ رشید امام اعظم صاحب) کے نزدیک نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ان بالوں سے ہر قسم کا فائدہ حاصل کرنا جائز ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پاک ہیں۔۔۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۵۸ طبع لکھنو)

(۲) مردار اور خنزیر کی ہڈی پاک ہے۔ (کنوز الدقائق ص ۱۳ از علامہ وحید الزمان)

(۳) **و یجوز الانتفاع بہ الخرز للضرورۃ**۔ ضرورت کے تحت خنزیر کے بالوں سے موزہ وغیرہ کا سینا جائز ہے (ہدایہ ج ۳ ص ۵۸)

(۴) **روی عن ابی یوسف یطھر و یجوز بیعہ** یعنی امام ابو یوسف سے یہ روایت کی گئی ہے کہ خنزیر کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے (منیۃ المصلی ص ۳۳ طبع لاہور)

(۵) کتا جو خنزیر کی طرح نجس العین ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ "حوض میں کتا گر کر مر گیا۔ اگر تہ میں بیٹھ گیا تو وضو جائز ہے"۔ (در مختار ج ۱ ص ۹۹ مترجم اردو)

(۶) کتے کے دانتوں کا ہار گلے میں پہنے ہوئے نماز پڑھنے تو جائز ہے۔ کیونکہ کتے کے دانت پاک ہیں (نفع المفتی والسائل ص ۵۰ فاضل عبدالحی لکھنوی شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ص ۸۰)

(۷) شراب اور سور مہر کے بدلے میں ہوتو نکاح درست ہے (شرح وقایہ اردو ص ۲۴۶)

(۸) امام مالک نے تو قصہ ہی پاک کر دیا وہ فرماتے ہیں: ''کل حی طاھر الجسم و لو کلباً اور خنزیراً'' ہر حیوان اگر چہ کتا اور خنزیر ہی کیوں نہ ہو اس کا جسم پاک ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۱۶ طبع مصر) سنیو! اگر کچھ بھی حیاء و شرم ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو! اسی پاک مذہب اور اسکی پاکیزہ تعلیمات کے بل بوتے پر دوسروں پر اعتراض کرتے ہو؟

ے نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے ☆ نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں!

چودھواں مسئلہ مذی ودی:

عضو مخصوص سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ پلید ناقص الوضو ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں مذی و ودی جو شرمگاہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نہ نماز فاسد ہوتی ہے۔ چنانچہ فروع کافی ج ۱ ص ۲۱ میں ہے۔۔۔ ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تیرے ذکر سے مذی یا ودی خارج ہو جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کو مت دھوؤ اور نماز کو مت توڑو۔ وضو بھی شکست نہ سمجھو اگر چہ تمہاری ایڑیوں تک جا پہنچے۔ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسا ناک کا پانی من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳ میں ہے۔ ترجمہ: امیر المومنین مذی میں وضو کا حکم نہ دیتے تھے اور نہ اس چیز کے دھونے کا جس کو مذی لگی ہو اور روایت کیا گیا ہے کہ مذی اور ودی تھوک یا ناک کے پانی کا حکم رکھتی ہے۔ بس جس کپڑے کو لگ جائیں اسے دھونے کی حاجت نہیں بلکہ شرمگاہ کو بھی دھونے کی ضرورت نہیں۔ واہ شیعہ! پاک مذہب کا کیا کہنا۔ منہ۔ ناک اور شرمگاہ کو یکساں بنا دیا جیسے منہ ناک سے نکلی ہوئی رطوبت پاک ہے ویسا ہی۔۔۔

ع کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟

(آفتاب ص ۱۹۷)

الجواب:

معذرت:

اگر چہ ایسے مسائل پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے شرم دامنگیر ہوتی ہے مگر کیا کیا جائے گوئم مشکل وگرنہ گوئم والا مشکل معاملہ ہے۔ اگر حلی والزامی جواب نہ دیا جائے تو ہمیں عجز وقصور کا طعنہ موجود اور اگر دیا جائے تو دامنِ تہذیب ومتانت کے ہاتھ سے چھوٹنے

کا اندیشہ حاضر بہر حال المجبور معذور کے تحت ہم ایسے مسائل پر قلم کو جنبش دے رہے ہیں امید واثق ہے کہ قارئین کرام اس سلسلہ میں ہمیں مجبور و معذور تصور فرمائیں گے

ع والعذر عند کرام الناس مقبول

مذی و ودی کی تعریف:

مذی اس لیس دار رقیق مادہ کو کہا جاتا ہے جو ملاعبت یا ویسے انتشار کے بعد مرد کے عضو مخصوص سے نکلتا ہے۔۔اور ودی اس لیس دار مادہ کا نام ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے۔ چونکہ دلائل شرعیہ سے ان کی نجاست اور ان کا ناقص وضو ہونا ثابت نہیں ہے۔اس لئے فقہاء شیعہ ان کو نہ نجس سمجھتے ہیں اور نہ ناقص وضو! ہاں البتہ اگر ان کے خروج کے بعد بطور استحباب وضو کر لیا جائے تو بہتر ہے!

ان رطوبتوں کے نجس نہ ہونے کی عقلی دلیل:

عقلاً بھی ایسا ہونا چاہیئے کیونکہ علم طب میں یہ بات طے کی جا چکی ہے کہ پیشاب خارج ہونے کی حرکت طبعی حیوانی ہے۔ جسے حرکت تسخیر یہ بھی کہا جاتا ہے۔جس کی تقدیم و تاخیر اور حبس و جریان میں انسانی ارادہ کو ضرور کچھ دخل ہے اور یہی کیفیت منی کی ہے مگر مذکورہ بالا دونوں رطوبتیں محض طبعی ہیں۔اور اگر صحت خراب ہو تو اس طرح۔ بلا ارادہ بھی خارج ہو جاتی ہیں کہ احساس تک نہیں ہوتا۔لہذا ان سے اجتناب کرنے میں غیر معمولی عسر و حرج اور مشقت لازم آتی ہے۔و ما جعل علیکم فی الدین من حرج اسلیئے شریعت سہلہ کے سہل و آسان ہونے کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ان رطوبتوں سے اجتناب لازم قرار نہ دیا جائے۔

اس ایراد کا الزامی جواب:

یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ یہ بات صرف حضرات شیعہ سے مخصوص ہے بلکہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل بھی ایک روایت کی بنا پر مذی کی طہارت کے قائل ہیں جیسا کہ کتاب ''متفق و مفترق فی فقہ الائمۃ الاربعہ'' میں اسکی تصریح موجود ہے(علی ما نقلہ فی نزھہ اثنا عشریہ)

اسی طرح ودی کے ناقص وضو نہ ہونے کے متعلق اہلسنت کے ہاں روایات موجود ہیں چنانچہ کتاب مسوی من احادیث المؤطا تالیف شاہ ولی اللہ دہلوی میں ایک پورا باب ہے۔جس کا عنوان ہے''باب ما یروی من الرخصته فی ترک الوضو من الوذی'' اس باب میں کئی روایات درج ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے''مالک عن یحیٰ بن سعید عن سعید بن المسیب انه سمعه رجل یسئاله فقال انی اری البلل و انا اصلی فانصرف فقال له سعید لو سال الیٰ فخدی ما انصرفت حتی اقضی

صلوتی "یعنی مالک یحیٰ بن سعید سے اور وہ سعید بن المسیب سے جو بہت بڑے تابعی ہیں راوی (یحیٰ بن سعید) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے ان (ابن مسیب) سے دریافت کیا کہ میں نماز کیحالت میں رطوبت پاتا ہوں تو کیا نماز چھوڑ دوں؟۔ سعید بن مسیب نے کہا اگر ایسی رطوبت بہہ کر میرے گھٹنوں تک بھی پہنچ جائے۔ تب بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔

یہ بھی خدا کی شان ہے کہ آج وہ لوگ بھی مذی وودی کی طہارت کے مسئلہ میں اہل حق پر زبان اعتراض دراز کرتے ہیں جن کے بعض ائمہ کے نزدیک منی تک پاک ہے چنانچہ محقق شریف نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے **مذهب الشافعي ان المني طاهر**۔ یعنی شافعی کا مذہب یہ ہے کہ منی پاک ہے۔ اس طرح یحیٰ بن سعید شیبانی نے کتاب متفق ومفترق میں لکھا ہے (**على ما نقله في النزاهة**) "**اختلفوا في مني الآدمي وقال الشافعي هو طاهر رطباً ويابساً وقال احمد في احدى روايتيه انه طاهر**۔ یعنی انسان کی منی میں اختلاف ہے شافعی کہتے ہیں کہ پاک ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ وہ پاک ہے۔ باقی رہا یہ ایراد کی ناک اور منہ اور عضو مخصوص کی رطوبت کا حکم یکساں کیسے ہوسکتا ہے؟ تو اس کے متعلق غایۃ الاوطار ج ا ص ۱۵ وص ۱۶۲ دیکھ لی جائے جہاں لکھا ہے کہ "عورت کی شرمگاہ کی اندرونی رطوبت پاک ہے (کذافی درمختار ج ا ص ۸) اب فرمائیے

ع کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

بہتر تو یہی ہے کہ

ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

پندرھواں مسئلہ کنوئیں میں کتا:

کتا نجس العین ہے۔ کنوئیں میں گر پڑے تو کنواں پلید ہوجاتا ہے۔ جب تک سارا پانی نہ۔۔۔ نکلے۔ پاک نہیں ہوتا۔ لیکن مذہب شیعہ میں ہے۔ کتا۔ مرغی۔ چوہا۔ بلی وغیرہ کی طرح پانی میں گر جائے تو صرف پانچ ڈول نکال دو۔ کنواں پاک ہوجاتا ہے۔ فروع کافی ج ا ص ۴ میں ہے۔۔۔ ترجمہ: صادق علیہ السلام سے چوہا۔ بلی۔ مرغی۔ پنکھی کتے کی بابت دریافت کیا گیا (جو کنوئیں میں گر پڑیں) آپ نے فرمایا اگر سوج نہ جائیں پانی کا ذائقہ نہ بدلے تو پانچ ڈول نکال دینا کافی ہیں۔ (آفتاب ص ۱۹۸)

الجواب:

جیسا کہ تیرھویں مسئلہ کے جواب میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ شیعیان علیؑ کے نزدیک بالاتفاق کتا نجس العین ہے۔ اگر کنوئیں میں گر جائے تو بعض روایات میں پانچ بعض میں سات بعض میں بیس یا تیس یا چالیس ڈول کھینچنے مروی ہیں اور ابی مریم کی

روایت میں تمام پانی کھینچنا وارد ہے (تفصیل کے لئے حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۸۷ کی طرف رجوع کیا جائے) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مذہب شیعہ کے تحقیقی قول کی رو سے کنوئیں کا پانی کثیر بھی ہے اور جاری بھی۔ اس لئے جب تک نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہو جائے اس وقت تک وہ صرف ملاقات نجاست سے نجس نہیں ہوتا۔ اسلئے معصومینؑ نے صرف طبعی نفرت کے ازالہ کی خاطر چند ڈول کھینچے کا حکم دے دیا۔ تاکہ طبیعت کا تکدر و تنفر دور ہو جائے اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کہ وہ کنوئیں کو نہر جاری کے حکم میں سمجھتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے جبکہ پانی کی مقدار بقدر قلتین ہو (ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۵)

بایں ہمہ یہ تو نہ کسی شیعی روایت میں ہے۔ اور نہ کسی شیعہ عالم کا قول ہے کہ کتا۔ پاک ہے یا اس کے جوٹھے پانی سے وضو جائز ہے یا اس کے چمڑے پر نماز جائز ہے یا اس کے دانتوں کا ہار پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

مگر اہلسنت کے مقدس مذہب میں یہ تمام امور جائز ہیں تفصیل اوپر تیرھویں مسئلہ کے جواب میں گذر چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے وہاں صرف اسکے چمڑے پر نماز پڑھنے اور اس کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کا حوالہ نہیں دیا گیا سو وہ اب حاضر ہے (۱) ذکر الناطقی عن محمد اذا اصلی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ۔ ناطقی نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے کتے یا بھیڑیے کے چمڑے پر نماز پڑھے جو ذبح کیا گیا ہو تو اس کی نماز صحیح ہے (فتویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۷۰ سطر اخیر) (۲) اذا ولغ الکلب فی انائیس لہ وضوء غیرہ تیوضابہ۔ جب کتا برتن سے پانی پی جائے اور اس کے علاوہ پانی موجود نہ ہو تو اس پانی سے وضو جائز ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۹) بحاشیہ محدث سہانپوری طبع دہلی قبل ازیں بجواب مسئلہ ۱۳ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۱۶ طبع مصر) کے حوالے سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام مالک کے نزدیک کتا اور خنزیر پاک ہیں۔ ماضی قریب میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سے ایک کتاب بنام ''حلال وحرام'' شائع ہوئی ہے اس میں بڑے شد و مد سے کتے کا پاک ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں یہ عذر پیش نہیں کیا جاسکتا کہ مالکیوں کے نزدیک ایسا ہے نہ کہ حنفیوں کے نزدیک! کیونکہ ہمارے مخاطب صرف حنفی نہیں۔ بلکہ اہلسنت ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مالکی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بھی سنی ہی ہیں نہ کہ

ع چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

سولھواں مسئلہ:

شیعہ مذہب کی رو سے کنویں میں اگر گوہ گر پڑے تو دس ڈول نکالنے کافی ہیں اور اگر گل جائے تو چالیس ڈول من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵ میں ہے۔۔۔ ترجمہ۔ جب کنوئیں میں غددہ گر جائے تو دس ڈول پانی کے نکالے جائیں اور۔۔۔ تا آخر۔۔۔ (آفتاب ص ۱۹۸)

الجواب:

بھلا اس میں قابل اعتراض بات کیا ہے؟ قبل ازیں ابھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ یہ ڈول کا حکم صرف بنا بر احتیاط اور تکدر طبعی کے ازالہ کیلئے ہے۔ پھر بھی اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ عذرہ نجس ہے یا ایسا خلاف عقل حکم تو نہیں۔ جیسا کہ کتب اہلسنت میں لکھا ہے کہ اگر گدھی کا دودھ، پسینہ پانی میں پڑ جائے تو پانی نجس ہو جائیگا اور اگر کپڑے کو لگھے تو کپڑا نجس نہ ہوگا (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۶ طبع لکھنو) یا جیسے یہ خلاف عقل ہے کہ ''کتے اور بکری کا حکم ایک قرار دیا جائے'' (ہدایہ ج ۱ ص ۴۷)

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

سترھواں مسئلہ:

کنوئیں میں گوہ سے بھری ہوئی زنبیل گر پڑے گوہ گیلا ہو یا خشک تو کچھ حرج نہیں ہے وضو کیا کریں کوئی ڈول کھینچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کتاب مذکور کے صفحہ مذکور پر ہے (یہاں ایک عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب وہی ہے، جو اوپر مذکور ہے۔ (آفتاب ص ۱۹۸)

الجواب:

یہ عبارت طبع جدید کے ص ۶ پر موجود ہے مگر اس کے نقل کرنے میں انتہائی بددیانتی کی گئی ہے۔ اس عبارت کے آخر میں یہ مذکور ہے۔ ھذا اذا کانت فی زنبیل و لم ینزل عنه شئی فی البرا۔ یعنی یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب پاخانہ زنبیل میں بند ہو اور اس سے کنویں میں کچھ بھی نہ گرے۔ چونکہ زنبیل کا معنی ہے ''دعائ'' (المنجد ص ۲۹۴) یعنی ظرف، بنابریں اگر یہ نجاست کسی بند برتن میں ہو اور وہ برتن کنویں میں گر جائے جبکہ نجاست اس سے خارج ہی نہ ہو۔ تو پھر بھلا ڈول کھینچے کی کیا ضرورت ہے اور اس میں دیدہ بینا رکھنے والے کیلئے کیا جائے اعتراض ہے؟ لیکن؟ **و من لم یجعل الله له نوراً فماله من نور!**

اٹھارھواں مسئلہ:

نمازی مرد نماز میں کھڑا ہو۔ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو اشارہ سے مانگ سکتا ہے اور عورت کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ تاکہ پیٹے۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے (مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) (آفتاب ص ۱۹۸)

الجواب:

نماز کے باطل ہونے یا نہ ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر نمازی سے فعل کثیر سرزد ہو جائے جس سے صورت نماز محو ہو جائے اور دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا بلکہ کوئی اور کام کر رہا ہے۔ تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر فعل کثیر نہ ہو تو اس

سے نماز باطل نہیں ہوتی (کذافی فتاوی قاضی خان ج ا ص ۶۳ السطر الاول) بنابریں چونکہ یہ دونوں کام فعل کثیر نہیں بلکہ قلیل ہیں اس لئے ان سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہی قاعدہ فتاویٰ قاضی خان ج ا ص ۶۲ سطر ۷ پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں بہت سے فروعی مسائل بیان کئے گئے ہیں (مثلاً نمازی عمامے کے پیچوں کو درست کرے، یا آگے دروازہ کھلا ہوا سے بند کردے یا قمیص کے بٹن کھول دے یا عمامہ سر سے اتار کر زمین پر رکھے یا زمین سے اٹھا کر سر پر رکھے) گھوڑے کی لگام تھامے رکھے، یا لگام اتار دے، یا ٹوپی خود پہنے یا اسے اتار دے یا پرندے کو تیر یا پتھر مارے، یا پنکھا ہلائے، یا چادر اوڑھ لے، یا بچے کو کاندھے پر اٹھائے۔ الغرض ان تمام صورتوں میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر مذہب اہلسنت میں یہ سب کچھ جائز ہے۔ اور ان حرکات سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ تو پھر ہاتھ کے اشارہ پر کیا اعتراض ہے؟

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

انیسواں مسئلہ:

گھی یا تیل کے برتن میں کتا گر پڑے اور وہ زندہ ہی نکال لیا جائے وہ گھی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا۔ فروع کافی ج ۲ جز ۲ ص ۱۰۷ میں ہے۔ ترجمہ۔ چوہا یا کتا گھی یا تیل میں گر پڑے اور جیتے جی نکل آئیں اس گھی وغیرہ کو کھایا جاسکتا ہے۔ (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب:

علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۴ ص ۶۰ پر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ورد ی الشیخ فی التھذیب ھذا الخبر من الحسین بن سعید۔ و لیس فیہ ذکر الکلب و لعلہ من سھر النساخ۔ یعنی اس حدیث کو جناب شیخ طوسیؒ نے حسین بن سعید کے سلسلہ سند سے روایت کیا ہے مگر اس میں ''کلب'' (کتے) کا ذکر نہیں۔ یہ شاید کاتبوں سے سہوا ہوا ہے۔ ولا ینبک مثل خبیر اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ روایت جس باب میں ہے اس کا عنوان ''باب الفارۃ تموت فی الطعام و الشراب'' یعنی یہ باب اس بات کے متعلق ہے کہ اگر چوہا کھانے پینے کی کسی چیز میں مرجائے تو کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس باب میں کل چار حدیثیں ہیں سوائے اس آخری روایت کے باقی سب میں صرف چوہے کا ذکر ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ لفظ کلب روایت میں موجود ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ''کلب'' سے مراد کتا ہی ہو کیونکہ لغوی طور پر ''ہر کاٹنے والے حیوان کو کلب کہا جاتا ہے'' (ملاحظہ ہو المنجد ص ۶۹۴) بنابریں یہ لفظ بلی کو بھی شامل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فروع کافی مطبوعہ لکھنو کے نسخہ میں اس لفظ کے نیچے الحرۃ (بلی) موجود ہے۔ اور چونکہ

چوہا ہو یا بلی اگرچہ حرام گوشت ہیں مگر نجس العین نہیں ہیں اسلیئے اگر زندہ نکل آئیں تو گھی پاک رہے گا۔ و هذا الاغبار علیه پس جب اہلسنت کا مسلک بھی یہی ہے تو پھر غریب شیعوں پر اعتراض کیا ہے؟؟

بیسواں مسئلہ:

گوشت کی دیگ پکائی جائے اور اس سے مراد ہوا چوہا نکل پڑے شوربا پھینک دیا جائے اور گوشت کی بوٹیاں دھوکر کھالو (کتاب مذکور ص ۱۰۵ میں ہے۔ (عبارت کا مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب:

شیعہ سنی اصول کے مطابق یہ مسئلہ بالکل بجا درست ہے جب دیگ میں چوہا مر گیا تو سالن نجس ہوگیا۔ اب شوربا تو چونکہ پاک ہو نہیں سکتا۔ اس لئے معصوم نے اسے پھینک دینے کا حکم دیا اور بوٹیاں چونکہ پاک ہوسکتی ہیں اس لئے ان کو دھوکر استعمال میں لایا جاسکتا ہے؟ چنانچہ بالکل ایسا ہی مسئلہ فتاویٰ قاضی خان ج ا ص ۱۴ پر مذکور ہے۔ **الطائر اذا وقع فی قدر و مات فیه۔۔ ان وقع بعد بعد ما سکن عن الغلیان یصب المرقة و یغل اللحم الذی کان فیه و یؤ کل۔** یعنی اگر پرندہ ہانڈی میں گر کر مرجائے تو اگر جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد گرے تو شوربا انڈیل (پھینک) دیا جائے۔ اور بوٹیاں دھوکر کھالی جائیں! فرمایئے اس مسئلہ اور اس مسئلہ میں کوئی فرق ہے؟ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر کا بھی جائزہ لے لینا چاہیئے۔

ع ہے اعتراض اوروں پر گھر کی خبر نہیں

اب ذرا اپنے گلستانِ فقہ کی مزید سیر کرتے جایئے۔

(۱) **بعرة الفارة اذا وقعت فی حنطة فطحنت الخنطة لا بأس با کل الدقیق الا ان یکون کثیراً۔** یعنی اگر چوہے کی مینگنیاں گندم میں مل جائیں اور پھر وہ گندم پیس دی جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کہ وہ مینگنا بہت زیادہ ہوں (فتاویٰ قاضی ا ج ا ص ۱۴)

(۲) **خبز و جد فی خلاله بعر الفارة ان کان البعر علی صلابته یری البعر و یؤ کل الجز۔** اگر پکی ہوئی روٹی کے درمیان چوہے کی مینگنیاں ہوں تو اگر وہ سخت ہیں تو پھینک دی جائیں اور روٹی کھالی جائے۔ (قاضی خان ج ا ص ۱۴)

(۳) **خمر صبب فی قدر الطعام ثم صب فیه الخل و صار حامصاً لا بأس با کلها** اگر ہانڈی میں شراب ڈال دی جائے پھر اس کے اوپر اس قدر سرکہ ڈالا جائے کہ سب کا ذائقہ سرکہ کی طرح کھٹا ہوجائے تو پھر اس کا کھانا جائز ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ا ص ۱۴)

؎ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

؎ بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے گا ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اکیسواں مسئلہ:

ایک پانی کا پرنالہ، دوسرا پیشاب کا جاری وہ آپس میں مل جائیں۔ کپڑا یا اور چیز جس کو وہ پانی لگ جائے پلید نہیں ہوتے فروع کافی ج ص ۷۔ (بعد ازاں ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا یہی مضمون ہے جو اوپر نقل ہوا) (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب:

اس سے مراد یہ ہے کہ جب بارش برس رہی ہو۔ اور ملاقات بول سے اس کا رنگ، بو یا ذائقہ بھی تبدیل نہ ہو تو اس صورت میں وہ پانی نجس نہیں ہوتا بعینہٖ یہی مسئلہ اہلسنت کی کتابوں میں درج ہے چنانچہ ہدایہ ج ص ۳۹ طبع لکھنو۔ میں لکھا ہے: ''الطھارۃ من الاحداث جائزۃ بماء السماء بقولہ تعالیٰ و انزلنا من السماء ماء طھوراً و قولہ علیہ السلام الماء طھور لا ینجسہ شئی الا ما یغیر لونہ او طعمہ اور لجہ'' یعنی آسمانی (بارش) کے پانی سے ہر قسم کے حدث کی طہارت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم نے بلندی سے پانی نازل کیا ہے جو خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے اور رسولخداؐ فرماتے ہیں پانی طہور ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی سوائے اس کے جو اس کے رنگ، ذائقہ یا بو کو تبدیل کر دے، لہٰذا اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ یا سعد الابل!

بائیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب میں جنبی شخص قرأت قرآن کر سکتا ہے۔ فروع کافی ج ا میں ہے۔۔۔ ترجمہ ''ابن بکیر نے صادق علیہ السلام سے پوچھا کیا جنبی کھا پی سکتا ہے؟ اور قرآن پڑھ سکتا ہے، آپ نے کہاں ہاتھ کھائے، پیئے جس قدر ذکر اذکار کرنا چاہے کرے۔ (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب:

اس مسئلہ کی تفصیل جو مختلف احادیث معصومینؑ مندرجہ وسائل الشیعہ وغیرہ سے مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جنب آدمی کے لئے قرآن کے حروف کو مس کرنا حرام۔ اور جن چار سوروں میں واجبی سجدے ہیں ان کی قرأت بھی مطلقاً ناجائز ہے اس کے علاوہ باقی مقامات میں سے سات آیتیں اور زیادہ سے زیادہ ستر آیتوں کی تلاوت روا ہے اس سے زائد مکروہ اور بقولے حرام ہے اور اس میں

اشکال ہی کیا ہے؟ زبان تو ہر حال میں پاک ہوتی ہے! اگر بیت الخلا اور غسل خانہ میں قرآن پڑھا جاسکتا ہے تو جنب کے پڑھنے پر کیا اعتراض ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۳۶۴ مترجم اُردو۔ ملاحظہ ہو اسمیں لکھا ہے کہ ''اگر پاخانہ یا غسل خانہ میں قرآن کو توڑ توڑ کر پڑھے تو پڑھ سکتا ہے'' نیز جب اعتراض کرنے والوں کے نزدیک قرآن کا یہ احترام ہے کہ اسے خون اور پیشاب سے لکھا جاسکتا ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۳۶۴) تو ان کو ایسے بودے ایراد کرنے کا کیا حق ہے؟ حضور!

ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

اسی طرح جنب کے لئے کچھ کھانا پینا مکروہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کل مکروہ جائز

تئیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب میں جنازہ بے وضو جائز ہے فروع کافی ج ۱ ص ۹۳ میں ہے۔۔۔ ترجمہ: ''یونس بن یعقوب نے صادق علیہ السلام سے دریافت کیا یعنی نماز جنازہ بغیر وضو کے پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے کہا۔ ہاں جنازہ صرف تکبیر اور تسبیح اور حمد وثنا ہے؟ (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب:

امام عالی مقام نے اپنے کلام حقیقت ترجمان میں جو کچھ فرمایا ہے۔ کیا وہ واقع کے بالکل مطابق نہیں ہے؟ نماز جنازہ میں سوائے تکبیر اور حمد وثناء درود وسلام یا دعا کے علاوہ اور ہے ہی کیا؟ اسے نماز مجازاً کہا جاتا ہے (اور لغوی طور پر صلوٰۃ کا معنی ہی دعا ہے) ورنہ اس میں نہ فاتحہ ہے (حالانکہ لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب) کوئی نماز سورۂ حمد کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود ہے اور نہ تشہد نہ سلام لہٰذا اس کے بغیر وضو بڑھنے میں کیا اشکال ہوسکتا ہے؟؟ جبکہ بالاتفاق بغیر وضو دعا کی جاسکتی ہے! ہاں البتہ وضو کر کے پڑھنا افضل ہے۔

چوبیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی ساس یا سالی یا جورو کی بیٹی سے زنا کرے عورت اس پر حرام نہیں ہوتی۔ فروع کافی ج ۲ ص ۱۷۴ میں ہے۔۔ ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت ہوا کہ کوئی شخص اپنی ساس یا جورو کی بیٹی یا سالی سے زنا کرے اس سے اس کی عورت حرام نہیں ہوتی (آفتاب ص ۲۰۰)

الجواب:

مذہب شیعہ خیبر البریہ میں اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی عقد سے پہلے کسی عورت سے زنا کرے و بعدازاں اسکی

لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا۔لیکن اگرلڑکی سے عقد کے بعداس کی ماں سے یہ فعل بدکا ارتکاب کرے تو بعد والاحرام سابقہ حلال پر اثر انداز نہیں ہوتا (الحرام لا یحرم الحلال) ہمیں رہ رہ کراس خدا کے بندہ پر تعجب ہوتا ہے۔جسے اپنے مذہب کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں اور پھر عالم کہلاکر دوسروں پر اعتراضات کی بارش کر رہا ہے۔حالانکہ اس کے مذہب میں خواہ زنا پہلے کیا جائے (ساس سے) یا نکاح کے بعد کیا جائے دونوں صورتوں میں نکاح جائز اور درست ہے چنانچہ کتاب ہدایۃ المجتہد للعلایہ ابن رشداندلسی ج ۲ ص ۳۲ طبع مصر میں ہے"قال الشافعی الزنا بامراۃ لا یحرم نکاح امھا ولا ینتھا" یعنی اگرکسی عورت سے زنا کیا جائے تو اس سے نہ اس زانیہ عورت کی ماں زانی پر حرام ہوتی ہے نہ بیٹی؟۔۔اس طرح کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۶۶ پر ہے"اما الزنا فان المعتمد انہ لا ینشر الحرمۃ فحن زنی بامرأۃ یتزوج باصولھا و فروعھا"۔۔یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کرے تو اس عورت کی مائیں (ماں، نانی وغیرہ) او بیٹیاں (بیٹی اور نواسی وغیرہ) اس زانی پر حرام نہیں ہوتیں، اگر مؤلف اس وقت بقید حیات ہوتے تو ضرور زیرلب یہ مصرع گنگناتے۔

ع میں الزام انکو دیتا تھا ☆ قصور اپنا نکل آیا

بہرکیف ع ما از تو نز بخیم و ے شرط چنیں نیست!!

پچیسواں مسئلہ:

کوئی شخص اپنے باپ کی عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ مزنیہ عورت زانی کے باپ پر حرام نہیں ہوتی فروع کافی ج ۲ ص ۱۷۶ میں یہی ہے۔۔۔ترجمہ: امام باقرؑ نے فرمایا کوئی شخص اپنے باپ کی جورو یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ عورت مزنیہ اس کے باپ پر اور وہ لونڈی آقا پر حرام نہیں ہوجاتی (آفتاب ص ۲۰۰)

الجواب:

اس اعتراض کا صحیح جواب ۔۔۔۔ یہ ہے کہ خود معترض سے دریافت کیا جائے کہ چلو شیعہ میں تو وہ حرام نہیں ہوتی لیکن کیا اہلسنت کے مذہب میں حرام ہوجاتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو ثبوت پیش کرو؟ اور اگر نہیں ہوتی (اور یقینا نہیں ہوتی) تو پھر تمہیں شیش محل میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر مارنے کا کیا حق ہے؟ نہ اپنے مذہب سے واقفیت۔نہ دوسرے مذہب کا علم لیکن قلم فرسائی کی مشق جاری ہے عقلائی قاعدہ یہ ہے کہ

ے اذا لم تستطع امراً فدعھا ☆ و جاوزہ الیٰ ما تستطیع

مگر یہ اسوقت ہوتا ہے کہ جب عقل ہو! لیکن اگر دماغ کا خانہ ہی اس جوہر لطیف سے خالی ہو تو پھر عقلی تقاضے کس طرح

پورے ہو سکتے ہیں؟ بقول بعض ظرفاء مؤلف کے مذہب اور عقل میں تضاد ہے (والضدان لا یجتمعان) لہٰذا جہاں وہ ہو وہاں یہ نہیں ہوتی اور جہاں یہ ہو وہاں وہ نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ۔ عقل بڑی یا بھینس؟ بہرنوع

ے ان کنت لا قدری فتلک مصیبة ☆ و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم

اب سنیے (اور کان کھول کر سنیئے ع پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہیں ہوئی) مذہب اہلسنت اس مسئلہ میں کیا کہتا ہے؟ (فتاویٰ قاضی خان ج ا ص ۱۶۸) پھر لکھا ہے کہ باپ کی منکوحہ بیٹے پر اور بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے بعد ازاں لکھا ہے۔ ''والزنا فی القبل بمنزلة الوطی الحلال فی ذالک عندنا'' یعنی اس (نشرِ حرمت) کے سلسلہ میں ہمارے نزدیک زنا کا حکم نکاح والا ہے (کہ سابقہ زنا سے حرمت آجاتی ہے) بعد ازاں لکھا ہے کہ ''بعد والا زنا سابقہ نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا۔''۔۔۔ اور یہ بات عقلاً بھی بالکل واضح ہے کہ لا تزر وازرة وزری آخری۔ کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی؟ زنا کوئی کرے اور جورو کسی کی حرام ہو جائے (اپنے شوہر پر) اصول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ بعد والا حرام سابقہ حلال پر اثر انداز نہیں ہوتا چنانچہ ہماری اس روایت کے آخر میں (جس کا ابتدائی حصہ مؤلف نے نقل کیا ہے) یہ مذکور ہے کہ اگر ایسا پہلے ہو تو وہ عورت اس کے باپ کے نکاح میں نہیں آسکتی۔۔ فتدبر و تشکر۔

افسوس

ے نے اصولت محکم آید نے فروع ☆ شرم باید از خدا و از رسول

چھبیسواں مسئلہ:

شیعہ کی کتاب حدیث استبصار ص ۱۳۰ میں تصریح موجود ہے کہ اپنی عورت سے خلاف فطری حرکت کرنا جائز ہے۔۔۔

کتاب مذکور ج ۲ ص ۳۰ میں یوں لکھا ہے۔۔۔ ترجمہ: حماد بن عثمان روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اپنی عورت کی مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے؟ اس وقت چونکہ آپکے پاس بہت آدمی بیٹھے تھے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ اپنے غلام کو اسکی طاقت سے بڑھ کر خدمت دینی جائز نہیں بلکہ اسے فروخت کر دینا چاہیئے۔ راوی کہتا ہے دوسرے لوگوں کے منہ کو دیکھ کر آپ نے اپنا منہ جھکا کر چپکے سے یہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔

فروع کافی ج ۲ ص ۲۳۶ میں ہے۔۔۔ ترجمہ: ''راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ کا غلام ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہے آپ سے مارے دہشت و شرم کے نہیں پوچھ سکتا! فرمایا کیا ہے میں نے کہا مرد اپنی عورت کی مقعد میں ادخال کر سکتا ہے؟ آپ نے کہا ہاں اسے اجازت ہے میں نے کہا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ کہا ہم ایسا نہیں کیا کرتے (خود را فضیحت دیگراں را نصیحت) (آفتاب ص ۲۰۰)

الجواب:

مؤلف نے آخر میں امام علیہ السلام پر مصرعہ چست کر کے اپنی ناصبیت و خارجیت کا بھانڈا پھوڑا ہے پر پھوڑ ہی ہے دیا سچ ہے

و مہا تکن عند امرئٍ من خلیفۃٍ ☆ و ان خالہا تخفیٰ علی الناس تعلم

یعنی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ حالانکہ اس منقولہ روایت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ امام اس فعل کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے سابقہ روایت جو اسی باب اور اسی صفحہ (ج ۲ ص ۲۳۶) پر موجود ہے اس میں مذکور ہے کہ جب امامؑ سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''ھی یعتبک فلا تو ذھا'' ''یہ عورت تمہارا کھلونا ہے اسے اذیت نہ دو'' نیز استبصار کی اسی جلد اور اسی صفحہ (ج ۳ ص ۱۳۰) پر پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ فرمان روایت صادقؑ موجود ہے ''محاشن النساء علی امتی حرام'' ''یعنی میری امت پر عورتوں سے وطی فی الدبر کرنا حرام ہے۔ لیکن ان تمام حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کی نظر میں یہ فعل ناپسندیدہ ہے۔ مؤلف کو چاہیئے تھا کہ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر اور اپنے خلفاء و ائمہ اور علماء کے کردار پر بھی اک نظر ڈال لیتے اور دیکھ لیتے ان کو یہ مشغلہ کس قدر مرغوب تھا؟ آپ کے اضافہ معلومات کی خاطر اس حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کی رسم ہم ادا کئے دیتے ہیں!!

(۱) جاء عمر الی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ۔ ھلکت قال و ما اھلک قال حولت راجلتی اللیلۃ فلم یرد علیہ شیئا فاوحتی اللہ الی رسولہ ھذہ الآیۃ نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم فی شئتم۔

یعنی عمر بن خطاب نے حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تمہیں ہلاک کیا ہے؟ کہا میں نے آج رات اپنی سواری کو الٹ دیا (یعنی زوجہ سے وطی فی الدبر کی) آنحضرتؐ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اسوقت خداوند کریم نے یہ آیت نازل کی۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ'' (تفسیر در منشور ج ۱ ص ۲۶۲)

(۲) غالباً والد صاحب کی اسی عملی تعلیم کا اثر تھا کہ عبداللہ بن عمر اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے **ان شاء فی قبلھا و ان شاء فی دبرھا**۔ یعنی یہ مرد کی مرضی پر منحصر ہے خواہ عورت کی قبل (فرج) میں ادخال کرے اور خواہ دبر (مقعد) میں کرے (در منشور ج ۱ ص ۲۶۵) علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں ''**الراویۃ عن ابن عمر بھذا المعنی صحیتہ معروفتہ مشھورۃ**'' (ایضاج ۱ ص ۲۶۶) یہ تو تھا اہلسنت کے خاص ممدوح اصحاب کا فعل اب ان کے ائمہ کا قول و فعل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) جوزجانی نے امام مالک بن انس سے دریافت کیا ''**عن وطی الحلائل فی الدبر**'' کہ بیوی کے ساتھ وطی فی الدبر

جائز ہے؟ انہوں نے جواب میں اپنے عمل کا حوالہ دیتے ہوئے کہا الساعۃ غسلت رأسی منہ۔ میں نے ابھی بھی اسی کام سے فارغ ہو کر سر دھویا ہے (در منشور ج ا ص ۲۶۶) اسی جلد اور اسی صفحہ پر امام شافعی کا فتوائے جواز بھی درج ہے۔۔۔فراجع۔

(۴) اب لگے ہاتھوں اہلسنت کے اکابر کا عمل بھی دیکھتے چلیں۔ ابن ابی ملکیہ (مشہور عالم وفقیہ) سے دریافت کیا جاتا ہے۔ وعن اتیان المراۃ فی دبرھا کہ عورت کی مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے؟ جواب ملتا ہے۔ قد اردقہ من جاریۃ لی بالبارحۃ فاعتاصت علی فاستعنت بدھن کہا (شرم وحیاء ملاحظہ ہو) میں نے گذشتہ رات اپنی لونڈی سے یہی کام کرنا چاہا لیکن جب معاملہ سخت ہو گیا تو میں نے تیل سے مدد لی (در منشور ج ا ص ۲۶۶)

ع ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے؟

(۵) ان لوگوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فعل کا جواز خود رسول خداﷺ کی طرف بھی منسوب کرنے سے نہیں چوکے۔۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان ج ا ص ۲۸۷ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان میں لکھا ہے کہ ان رجلاً سئل النبی عن ایتان النساء فی ادبارھن فقال النبی حلال۔ ایک آدمی نے جناب رسولخدا سے دریافت کیا کہ عورتوں کے ساتھ وطی فی الدبر کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا حلال ہے۔

(۶) صاحب فتاویٰ برہنہ (ج ۲ ص ۶۳ طبع لکھنو) نے تو اس کھیتی کی وضاحت میں رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے وہ مکروہات شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وادخال ذکر در دھن زن بقولے نہ کما فی الذخیرۃ" یعنی "منجملہ مکروہات کے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کے منہ میں ذکر داخل کیا جائے اور دوسرے قول کے مطابق مکروہ بھی نہیں ہے جیسا کہ کتاب ذخیرہ میں مذکور ہے" انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۷) یہ لوگ تو اس سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں اسی فتاویٰ برہنہ ج ا ص ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ "اما اگر بغلام خود یا دادہ خود یا منکوحہ خود لواطت کند باتفاق حد نیست" یعنی اگر کوئی (مالک) اپنے غلام یا کنیز اور یا اپنی منکوحہ سے اغلام کرے تو بالاتفاق اسے پر کوئی حد نہیں ہے" فاعتبرو! یا اولی الابصار۔

ے الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں ☆ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!!

ستائیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب میں اپنی عورت کی شرمگاہ کو بوسہ دینا چومنا جائز ہے۔ فروع کافی ج ۲ ص ۲۱۴ میں ہے۔ ترجمہ: حضرت علیؑ بن جعفر سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوالحسنؑ سے دریافت کیا کہ مرد اپنی عورت کی شرمگاہ کو چوم سکتا ہے؟ آپ نے کہا کچھ حرج نہیں (آفتاب ص ۲۰۱)

الجواب:

اگر مذہب شیعہ میں اس فعل کو (اپنی کھیتی کا جزو بدن ہونے کی بناء پر) صرف جائز لکھا ہے تو مذہب اہلسنت میں تو ایسے افعال کو کارثواب بتایا گیا ہے چنانچہ فتاویٰ برہنہ ج ۲ ص ٦١ پر لکھا ہے ''دباک نیست کہ زن یا مرد فرج دیگر بمالد بلکہ امید ثواب است'' یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کو ملیں۔ بلکہ اس میں ثواب کی امید ہے اب مفتی صاحب نے یہ کوئی قید نہیں لگائی کہ ہاتھ سے ملیں یا منہ سے۔ بلکہ اگر گستاخی معاف ہو تو یہ بھی عرض کر دیں کہ چونکہ مذہب مؤلف میں عورت کی شرمگاہ والی رطوبت پاک ہے ملاحظہ ہو (غایۃ الاوطار ج ا ص ۱۵۱، ص ۱٦۳) اس لئے اگر چاہیں تو اسے چاٹ بھی سکتے ہیں اور ہم خرما و ہم ثواب کا بھی لطف اٹھا سکتے ہیں۔

؎ مشکل بہت پڑے کی برابر کی چوٹ ہے ☆ آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کر

اٹھائیسواں مسئلہ:

اپنی عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی مضائقہ ندارد ہے اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ہے۔۔ ترجمہ: اسحاق بن عمار نے صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا اپنی عورت کی شرمگاہ بحالت برہنگی دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے کہا کیا مضائقہ نہیں مزہ تو اسی میں ہے حاشا و کلا۔ ائمہ طاہرین کی طرف ایسے حیا کش مسائل منسوب کرنا ان کی غایت درجہ کی توہین ہے (آفتاب ص ۲۰۱)

الجواب:

ع کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

کیا کسی مذہب وملت میں یہ لکھا ہے کہ مرد ''بحالت برہنگی اپنی عورت یا اسکی شرمگاہ پر نظر نہیں کر سکتا'' تا کہ ہم اس ایراد کا جواب دیں؟

؎ زاگفتہ ندارد کسے با تو کار ☆ ولیکن چوں گفتی دلیلش بیاز

اگر مؤلف آنجہانی اس وقت اس جہان میں ہوتے تو ہم ان سے تین طلاق والی قسم دیکر دریافت کرتے۔ کہ ''کیا تم نے یہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا؟'' اور اس منظر سے کبھی لطف اندوز نہیں ہوئے؟ مگر اب چونکہ وہ یہاں نہیں ہیں بلکہ وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا (**وکل سالک هذا السبیل**) اس لئے ان سے یہ سوال و جواب نہیں ہوسکتا ہے۔ بھلا اس میں کونسی حیا کش بات ہے؟ اور اگر کوئی حیا کش بات ہے تو یہ ہے جو اہلسنت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جناب رسول خداؐ اور عائشہؓ ایک ہی بڑے ٹپ میں

برہنہ غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسے بے ہودہ مسائل بیان کرنے والوں کو۔

؎ شرم باید از خدا و از رسول!

انیتسواں مسئلہ:

عاریۃ الفرج (شرمگاہ دوسرے کو عاریۃً دینا) بھی جائز لکھا ہے۔ استبعارج ۲ ص ۷۵ میں ہے۔۔ ترجمہ امام صادق علیہ السلام سے مسئلہ عاریۃ الفروج دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا مضائقہ نہیں۔ (آفتاب ص ۲۰۱)

الجواب:

یہ لونڈیوں کے بارے میں ہے۔ چونکہ ان کی حیثیت دوسرے مملوکہ مال جیسی ہوتی ہے جن کی بیع وشرا بھی درست ہے۔ اور ہبہ کرنا بھی صحیح ہے لہٰذا جس طرح شریعت مقدسہ کی رو سے شرائط مقررہ کے ساتھ صیغہ نکاح جاری کرنے سے اجنبیہ عورت آدمی پر حلال ہوجاتی ہے اسی طرح مالک کے ''احللت لک جاریتی'' (میں اپنی لونڈی تمہارے لئے حلال کرتا ہوں) کہنے سے غیر کی مملوکہ کنیز دوسرے شخص پر حلال ہوجاتی ہے۔ اس میں نہ کوئی عقلی قباحت ہے اور نہ کوئی شرعی ممانعت! بلکہ ایسے کچھ آثار اہلسنت کے ہاں بھی موجود ہیں مثلاً البحر الرائق ج ۳ ص ۸۶ طبع مصر میں لکھا ہے۔ لو اضاف الهبة الی الامته بان قال الرجل وهبت امتی هذه منک فان کان الحال یدل علی النکاح ینصرف الی النکاح وان لم ینو ینصرف الی ملک الرقبة یعنی اگر ہبہ کی نسبت لونڈی کی طرف دے۔ اور کسی سے یوں کہے کہ میں اپنی یہ کنیز تجھے ہبہ کرتا ہوں تو اگر شاہد حال نکاح پر دلالت کرے تو وہ نکاح بن جائے گا ورنہ وہ دوسرے کی ملکیت بن جائے گی''۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس معاملہ کی حرمت کا مدعی ہوتو وہ دلیل پیش کرے'' کیونکہ ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے۔ ''هاتو برهانکم ان کنتم صادقین؟''

آپ کے امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص خرچہ دے کر کسی عورت سے زنا کرے تو اس پر حد واجب نہیں ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے ''لو استاجر مرأة لیزنی بها فزنی بها لا یجد فی قول ابی حنیفة'' اگر کسی عورت کو اجرت اور مزدوری پر لاکر اس سے زنا کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۸۲۱) اسی طرح خزانۃ الروایات باب حد الزنا ص ۴۴۵ میں ہے کہ اذا زنی بمستاجرة لم یحد عنه ابی حنیفة نیز دوسری فقہ حنفیہ میں موجودہ ہے کہ ان ما اخذه الزانیه ان کان بعقد الاجاره فحلال عند الاعظم۔

یعنی زانیہ کی اجرت مقرر کرلی جائے تو امام ابوحنیفہ کے پاس حلال ہے۔ (حاشیہ شرح الوقایۃ ص ۲۹۸ طبع نول کشور)

تیسواں مسئلہ:

جناب امیر علیہ السلام کی طرف ایک مسئلہ منسوب کیا گیا ہے جو عقلاً ونقلاً قابل تسلیم نہیں وہ یہ ہے کہ ایک عورت جنگل میں جا رہی تھی اس کو سخت پیاس لگی ایک اعرابی سے پانی مانگا اسے کہا اس شرط پر پانی دیتا ہوں کہ مجھ سے ہمبستر ہو مجبوراً عورت نے مان لیا۔ اعرابی نے منہ کالا کیا۔ عورت امیر المؤمنین عمر کے دربار میں آ کر اقبالی ہوئی آپ نے سنگساری کا حکم دیا۔ جناب امیرؑ نے کہا کوئی جرم نہیں ہوا۔ عورت کی رضامندی سے یہ فعل ہوا ہے پس یہ نکاح ہو گیا چلو چھٹی ہو گئی۔ چنانچہ فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۰ میں ہے (یہاں ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا مضمون تقریباً وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ صرف اتنا فرق ہے کہ عمر نے زنا کی کیفیت دریافت کئے بغیر سنگساری کا حکم دیا تھا اور جناب امیرؑ نے پوری کیفیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا: بخدا یہ تزویج ہے"۔ جائے غور ہے کہ متعہ تو شیعہ کے ہاں مروج تھا ہی اس صورت پر عمل کیا جائے تو زنا کا بھی دنیا سے نام ہی اٹھ جائے بازاری عورتوں سے جو لوگ زنا کرتے ہیں اس میں بھی عورت و مرد باہم راضی ہوتے ہیں۔ یہاں گو صرف پانی پلایا گیا۔

وہاں روپیہ بھی دیا جاتا ہے اور یہاں پیاس کی مجبوری تھی وہاں بھوک ستاتی ہے پھر وہ بطریقِ اولیٰ جائز ہو گیا۔ زنا نہ رہا (آفتاب ص ۲۰۲)

الجواب:

یہ اعتراض بچند وجہ مردود و مندفع ہے۔ اولاً یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے (ملاحظہ ہو مراۃ العقول ج ۳ ص ۴۸۶) ثانیاً بنا بر تسلیم۔ جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ "بخدا یہ تزویج ہے" بطور مجاز ہے یعنی اس کا حکم نکاح والا ہے کہ اس پر کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ شریعت کا یہ محکم اصول ہے کہ ہر حرام اضطرار کے وقت حلال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خنزیر کا گوشت جو کہ مغلظ حرام ہے مگر ہوتا ہے حفظ نفس کی خاطر اس کا کھانا جائز ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ فی الحقیقت تزویج اور نکاح ہے۔ یہی مفہوم سرکار علامہ مجلسیؒ نے بیان فرمایا ہے "**ولعل المراد والمعنیٰ ان الاضطرار لجعل ھذا الفعل بحکم التزویج ویخرجہ من الزنا**" (مرآۃ العقول ج ۳ ص ۴۸۶)

ثالثاً جس چیز کو مؤلف نے جناب امیر کی توہین قرار دیا ہے وہ تو سراسر آنجنابؑ کی تعریف ہے۔ اگر توہین ہے تو ان کے عمر کی جنہوں نے سنگساری کا آمرانہ حکم دینے سے پہلے عورت سے جرم کی نوعیت تک دریافت کرنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ گویا یہ موقع بھی انہی بیسواں مواقع میں سے ایک ہے جہاں "حلال مشکلات" نے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے کی مشکل کشائی فرمائی ہے۔ اور ان

سے "لولا علی لهلک عمر" کہلوایا ہے۔

رابعاً: یہ جو کہا ہے کہ اس طرح زنا زنا نہیں رہے گا۔ اگر چہ قیاس ان حضرات کو ابلیس سے ورثہ میں ملا ہے۔ مگر یہ قیاس مع الفارق ہے (جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی ناجائز ہے) یہ عورت مضطر و مجبور تھی اسکے پاس اپنی جان بچانے کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر "اس بازار" میں بیٹھنے والیاں چونکہ اور جائز کاروبار اختیار کرسکتی ہیں اس لئے ان کو مضطر و مجبور قرار نہیں دیا جاسکتا! بینهما بون بعید

خامساً: "اس بازار" والیوں کے پیشہ کو جائز اور اس سے حاصل کردہ روپیہ کو حلال قرار دینے کا سہرا جناب امام اعظم کے سر ہے جنہوں نے اجرت دے کر زنا کرنے سے حد ساقط کردی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۸۲۱ طبع لکھنو) اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ہنر کو عیب سمجھنا چشم عداوت کے لئے کوئی اچنبہ کی بات نہیں ہے کیونکہ

؎ ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است!

لہٰذا اس بازار والیوں اور ان کے چاہنے والوں کو امام اعظم کے نام پر شیرینی تقسیم کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے انہیں اس سیاہ دھندے کا جواز مہیا کردیا ہے

؎ وہ چاہتے ہیں سیم تنوں کا وصال ہو ☆ مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو!

اکتیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب میں ہے کہ عورت اونٹ پر سوار ہو اور مرد جماع کرنا چاہے تو بھی انکار نہ کرنا چاہیئے (تحفۃ العوام ص ۲۷۶ میں ہے وہ شوہر کو منع نہ کرے جماع سے اگرچہ پشت شتر پر ہو؟ اللہ رے بے شرمی (آفتاب ص ۲۰۲)

الجواب:

جس طرح ساون کے اندھے کو ہر شے سبز نظر آتی ہے اسی طرح ہمارے مؤلف صاحب کو بھی شیعہ کتابوں میں ہر چیز قابل اعتراض نظر آتی ہے۔ اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے بھلا اس میں کونسی اعتراض والی بات ہے؟ اس استعارہ واپیرایہ میں صرف عورت پر شوہر کی بہر حال اطاعت اور فرمانبرداری کی اہمیت ظاہر کی ہے وبس۔ جس طرح پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں (اصول کافی وغیرہ)

اے کاش۔ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے وہ اپنی کتابوں میں زن و شوہر کے باہمی حقوق کا مطالعہ ہی کر لیتے! سب مذاہب میں یہی حکم ہے کہا گر مرد جماع کی خواہش کرے تو بغیر عذر شرعی عورت کو امتناع کا کوئی حق نہیں ہے یہ صرف مؤلف کی ہٹ

دھری ہے ورنہ اس میں کوئی بے شرمی نہیں ہے۔ اللہ رے ہٹ دھرمی؟

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

بتیسواں مسئلہ:

لڑکے کو ختنہ تو سب لوگ کیا کرتے ہیں شیعہ مذہب کی رو سے لڑکیوں کو بھی ختنہ کرنا چاہیئے فروع کافی ج ۲ ص ۲۷۱ میں ہے۔۔۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ختنہ لڑکوں میں سنت ہے اور عورتوں میں باعث فضیلت! ایسا ہی حق الیقین اردو ص ۲۷ میں ہے۔۔ واہ چہ خوش؟ (آفتاب ص ۲۰۲)

الجواب:

اگر مؤلف میں ذرہ بھر بھی انصاف ہوتا یا ان میں کچھ بھی شرم وحیا ہوتی اور آنکھوں سے اسکے پانی کا آخری قطرہ ڈھلک نہ گیا ہوتا تو ایسی چیز کی وجہ سے ہرگز شیعوں کو مطعون نہ کرتے جو خود ان کے مذہب میں بھی موجود ہے۔ بعینہ یہی فتویٰ کتب اہلسنت میں موجود ہے۔ ہدایہ ج ا ص ۳۸ طبع یوسفی لکھنو سطر ۱۲ پر حدیث ''اذا لتقی الختانان و غابت الحشفۃ و جب الغسل'' موجود ہے (یعنی جب دونوں کے ختنے کے مقام باہم جائیں اور سرِ ذکر اندام نہانی میں غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے) اس پر علامہ عبدالحی لکھنوی حاشیہ ص ۵ پر فتح القدیر کے حوالہ سے ''ختان'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''الختان موضع القطع من الذکر والفرج و ھو سنۃ للرجل و مکرمۃ للنساء اذ جماع المنحتونۃ ذوقی'' یعنی ختان' مرد کے ذکر اور عورت کی فرج کے اس مقام کو کہتے ہیں جسے ختنہ میں قطع کیا جاتا ہے۔ یہ ختنہ مرد کے لئے سنت اور عورت کے لئے فضیلت ہے'' اور ختنہ شدہ عورت سے ہمبستری کرنا ذوق سے تعلق رکھتا ہے''۔ یہ آخری جملہ اگر ہماری کسی کتاب میں ہوتا تو مؤلف زمین وآسمان سر پر اٹھا لیتے اور شور مچاتے۔ کہ'' یہ حیا کش بات'' اور اسلام سوز بات فلاں کتاب میں موجود ہے۔ مگر ہم بموجب ''اذا مرو ا باللغو مرو کراما'' اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بہر حال اتنا تو واضح ہوگیا کہ یہ مسئلہ دوسروں کو مطعون کرنے والوں کی کتب میں بھی موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آجکل اس پر عمل کسی بھی فریق کا نہیں ہے۔ تو پھر اسے ہوا دینے اور اچھالنے سے کیا فائدہ؟ ہاں البتہ

ع دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تینتیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب کی رو سے خصی مرد سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فروع کافی ج ۲ ص ۲۳۱ میں ہے۔

۔۔ ترجمہ: محمد بن اسماعیل کہتا ہے میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کیا اصیل عورتوں کو خصی مردوں سے پردہ کرنا چاہیے

ہے آپ نے کہا خصی مرد ابوالحسنؑ کی لڑکیوں کے سامنے ہوا کرتے تھے۔ راوی نے کہا کیا وہ اصیل تھے؟ کہا نہیں پھر راوی نے کہا کیا اصیل خصی مرد سے پردہ کرنا چاہیئے؟ کہا نہیں (آفتاب ص ۲۰۳)

الجواب:

فروع کافی میں یہ روایت باب الخصیان میں موجود ہے اس باب میں کل تین حدیثیں ہیں پہلی ۲ حدیثوں میں خصی مرد سے پردہ لازم بتایا گیا ہے اور یہی شیعہ مذہب کا مسلمہ نظریہ ہے مگر اس تیسری روایت سے جواز مترشح ہوتا ہے۔ علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول ج ۳ ص ۵۱۶ پر اسی حدیث کے تحت لکھا ہے: "**ویمکن حمله علی التقیه**" یعنی ممکن ہے کہ اسے تقیہ پر محمول کیا جائے: ایسا ہی حضرت شیخ طوسی نے استبصار ج ۲ ص ۱۳۴ طبع لکھنو میں یہ روایت لکھنے کے بعد افادہ فرمایا ہے "**فالوجه فی هذا الخبر ضرب من التقیه**" پھر فرمایا ہے "**والعمل علی الخبر الاول اولی و احوط فی الدین**" یعنی پہلی حدیث (جس میں پردہ کا حکم ہے) پر عمل کرنا احوط و اولیٰ ہے۔

چونتیسواں مسئلہ:

جلق (مشت زنی) کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے فروع کافی ج ۲ ص ۲۲۴ میں ہے۔ ترجمہ۔ امام جعفر صادقؑ سے دربارہ جلق۔ دریافت کیا گیا۔ آپ نے کہا اپنے وجود سے فعل کرتا ہے اسے کوئی مواخذہ نہیں ہے (آفتاب ص ۲۰۳)

الجواب:

مذہب شیعہ خیر البریہ میں بالاتفاق مشت زنی کرنا فعل حرام اور قابل تعزیر جرم ہے۔ چنانچہ اس بات کی تمام روایات اس فعل کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جس میں یہ منقولہ بالا روایت موجود ہے (باب الخضخضة ونکاح البهیمة) پہلی روایت میں اسے "فواحش" سے قرار دیا گیا ہے (جنہیں خدا نے حرام کیا ہے) علامہ مجلسیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں "**ویدل علی تحریم الاتمناء بالید و هو مذهب الاصحاب**" یعنی یہ روایت مشت زنی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور یہی اصحاب شیعہ کا مذہب ہے" (مراۃ ج ۳ ص ۵۱۸) جس پر تمام شیعہ فقہ کی کتابیں شاہد ہیں (بالخصوص ابواب التعزیر) جس حدیث پر معترض نے اعتراض کی بنا رکھی ہے۔ انہوں نے اس کے آخری حصہ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ "**لا شئی علیه**" کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "اس پر حد نہیں ہے" اس کی بقدر ضرورت ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے سو واضح رہے کہ شریعت میں جن جرائم پر سزا دی جاتی ہے اس سزا کی دو قسمیں ہیں (۱) حد (۲) تعزیر۔

حدوتعزیر کا باہمی فرق:

حد اُسے کہا جاتا ہے جو شرعاً مقرر ہو اور اسمیں کوئی کمی بیشی نہ کی جاسکتی ہو۔ جیسے زنا اور چوری وغیرہ کی حدود اور تعزیر اسے کہا جاتا ہے۔ جو حاکم شرع کی صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔ اور حالات وکوائف کے مطابق اس میں کمی وبیشی کی جاسکتی۔ یہ مشت زنی اس آخری قسم کے جرائم میں داخل ہے چنانچہ ہماری تمام فقہی کتب کے ابواب تعزیرات میں اس جرم اور اس کی تعزیر کا تذکرہ موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنے امام اعظم کی ٹکسالی فقہ ملاحظہ نہیں کی ورنہ ہم پر یہ اعتراض نہ کرتے۔ وہاں تو صاف لکھا ہے کہ چار پائے یا مردے سے بدفعلی کرنے سے روزہ بھی باطل نہیں ہوتا چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ج ا ص ۹۸ میں لکھا ہے۔

و کذا اذا جامع بهيمة و لم ينزل او ميتته و لم ينزل او بيده و لم ينزل یعنی جانور یا مردہ سے بدفعلی کرنے یا مشت زنی کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ انزال نہ ہو یا سوائے فرج کے کسی اور چیز سے مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور ان صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرنے پر انزال ہوجانے کی صورت اختیار کرنے پر انزال ہوجائے واس سے روزے کی قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں، نقصان کی صفت کے ساتھ قضائے شہوت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک تحقیق انیق پیش فرمائی ہے۔ **وهل يباح له ان يفعل ذالك فى غير رمضان ان اراده الشهوة لا يباح و ان اراد تسكين الشهوة قالو ترجوان لا يكون آثماً** یعنی اگر کوئی شخص ماہ رمضان کے علاوہ مشت زنی کرنا چاہے تو کیا یہ مباح ہے؟ (جواب) اگر محض حظ نفس کے لئے کرے تب تو مباح نہیں لیکن اگر غلبہ شہوت کی تسکین کی غرض سے ہو تو علماء کہتے ہیں امید ہے کہ گنہگار نہ ہوگا'' اسی طرح ج ا ص ۲۲ پر بھی مجرد آدمی کیلئے بغرض تسکین شہوت اس فعل قبیح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور صاحب ردالمختار شرح درالمختار طبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۶ نے تو اس جلق (مشت زنی) کو واجب قرار دیا ہے جب کہ زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو (ویجب لو خاف الزنا)

ع شکایتوں کے کھلیں گے دفتر ادھر ہمارے اُدھر تمہارے

کسقدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ جن کے نزدیک ''جلق'' نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے وہ دوسروں کو اس کے جواز کا طعنہ دیتے ہیں!! یاللعجب!

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

پینتیسواں مسئلہ:

شیعہ کی مستند کتاب فروع کافی ج ۲ ص ۲۵۲ میں ہے۔ جو شخص محرم عورتوں ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح کر کے جماع کرے اسکو زنا نہیں کہتے۔ بلکہ من وجہ یہ فعل حلال ہے اور من وجہ حرام ہے اسکو سفاح کہیں گے زنا نہیں کہہ سکتے۔

اولاد پیدا ہو اس کو اولادِ زنا کہنا جائز نہیں ہے۔ جو ایسے مولود کو والد الزنا کہے وہ قابل سزا ہے ملخص عبارت یوں ہے الذی تیزوج (یہاں مذکورہ بالا مضمون کی ایک با ترجمہ عبارت نقل کی ہے) ۔۔۔ اللہ اللہ شیعہ کے مسائل کا کیا کہنا۔ شاعر کہتا ہے۔

یلازمک الخطاء بکل شئی ☆ لعمری انت ازکی الازکیاء

(آفتاب ہدایت)

الجواب:

یہ چند جملے ''انتم اسکاریٰ'' کو چھوڑ کر صرف ''لا تقربوا الصلوٰۃ'' کے طور پر جس طویل عبارت سے لئے گئے ہیں وہ فروع کافی کے ص ۲۵۱ سے لے کر ص ۲۵۴ تک قریباً ۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کے متعلق۔ پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ کسی امام معصوم کا کلام نہیں بلکہ یونس بن عبدالرحمن (راوی) کا کلام ہے ''و کلام غیر المعصوم لیس بحجۃٍ''

دوسری بات یہ کہ یہ کلام اسقدر پیچیدہ ہے اور الجھا ہوا ہے کہ اس سے کوئی صحیح مفہوم اخذ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ''لایخفی ما فیہ الی اخر الباب من الخبط و الاضطراب'' یعنی اس کلام میں آخر تک جو کچھ خبط و اضطراب پایا جاتا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ (مراۃ ج ۳ ص ۵۲۸)

تیسری بات یہ کہ وہ عبارت جو یہاں پیش کی گئی ہے اس پر وہی شعر صادق آتا ہے کہ

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ☆ بھان متی نے کنبہ جوڑا

کوئی جملہ کسی مقام سے لیا گیا ہے اور کوئی فقرہ کسی جگہ سے۔ اگر یہی طرز استدلال اختیار کیا جائے اور اسطرح کسی عبارت کو توڑ مروڑ کے پیش کیا جائے تو اچھے خاصے کلام کا حلیہ بگڑ جاتا ہے چہ جائیکہ جو کلام پہلے ہی الجھا ہوا ہو۔ یہ امر سراسر دین و دیانت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ ایسا کرنے والے کے دین و دیانت اور شرافت و نجابت سے بے نیاز ہونے کی غمازی کرتا ہے۔

اور چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ جو کچھ جناب یونس نے اس طویل و عریض کلام میں بیان کیا ہے۔ اس کا ماحصل اور جامع خلاصہ یہ ہے کہ وہ ''سفاح'' اور ''زنا'' میں فرق بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ زنا وہ ہے کہ جس میں ہر پہلو سراسر حرام ہو اور حلال والا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو جیسے بلا نکاح کسی عورت سے حرام کاری کی جائے اور سفاح وہ ہے۔ جس میں کسی حلال پہلو کی بھی آمیزش ہو۔ جیسے محارم سے نکاح کر کے ان سے مقاربت کی جائے (العیاذ باللہ) یہ نکاح اگرچہ بے محل ہے لیکن نکاح ہونے کے اعتبار سے تو حلال ہے۔ اس مطلب کی انہوں نے ایک اور مثال بھی وضاحت کی ہے۔ کہ ایک آدمی ایک درہم چوری کر کے کسی ناجائز کام میں صرف کرتا ہے۔ کہ اس میں حلال کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ دوسرا آدمی ایک درہم چوری کر کے کسی ناجائز کام میں صرف کرتا ہے۔ کہ اس میں حلال کا کوئی پہلو

نہیں ہے۔ دوسرا آدمی چوری کر کے اسے غریبوں پر تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ صدقہ اگرچہ مقبول نہیں ہے تاہم اس میں حلت کا ایک پہلو تو موجود ہے؟

اور ان کا یہ روئے سخن صرف اہل اسلام کی طرف نہیں بلکہ یہود و نصاری بلکہ مجوسیوں کی طرف بھی ہے (جو محارم سے نکاح کیا کرتے ہیں) چنانچہ اسکی وضاحت اسی عبارت کے اندر موجود ہے ''**کل ھؤلاء نکاحھم نکاح صحیح فی ملتھم**'' یعنی ان سب کا نکاح ان کے دین کے مطابق صحیح ہے (اگرچہ ماں اور بہن وغیرہ محارم سے ہی کیوں نہ ہو) اس کے بعد لکھا ہے کہ اس نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ حلال زادہ متصور ہوگی۔ اس کو اولاد زنا کہنے والوں پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اولاد جس نکاح کے نتیجہ میں متولد ہوئی ہے وہ اگرچہ اسلام نقطہ نظر سے فاسد ہے۔ مگر ان لوگوں کی نظر میں تو جائز ہے اور یہ مسلمہ قانون ہے کہ **لکل قوم نکاح**۔۔اس لئے وہ حلال زادہ متصور ہوگی۔ اور اگر ایسا کرنے والا اہل اسلام سے ہے تو اس کے ساتھ یہ قید مذکور ہے کہ اولاد حلال زادہ اس صورت زادہ اس صورت میں متصور ہوگی کہ جب اس نے یہ فعل خطأ، تاویلاً، تقلیداً یا جہالتہً کیا ہو! بنابریں وطی بالشبہ ہونے کی وجہ سے اولاد حلال زادہ متصور ہوگی اس تشریح کے بعد یہ عبارت بے غبار ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے اجمال و اشکال کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ واضح کر دینا بھی بے جا نہیں ہوگا کہ کیا معترض نے اپنا امام اعظم صاحب کی مثالی ٹکسالی فقہ کا بھی ملاحظہ کیا ہے؟ وہاں تو یہ صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بھی ماں، بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ محارم یا شوہر دار عورت کے ساتھ نکاح کر کے جماع کرے۔ (معاذ اللہ) تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ اصل عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں ''**لو تزوج بذات رحم محرم نو البنت والاخت والام وجامعھا لا حد علیه فی قول ابی حنیفة واذا قال علمت انھا علی حرام عند ابی حنیفة**'' (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ کتاب الحدود) نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مذکور ہے ''**ولا حد علی من وطی جاریة ولدہ وولد علیه وان قال علمت انھا علی حرام او تزوج امرٔۃ لھا زوج فوطھئا لا حد علیه عند ابی حنیفة وان لم یدع الحل**'' بعد از ایں حل طلب مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر اسی فقہ حنفی پر احکام اسلام کی بنیاد رکھی جائے تو پھر اسلام اور مجوسیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ اہلسنت میں کوئی رجل رشید ہے جو اس عقدہ کو حل کرے؟؟ اور یہ ہے آل رسولؐ کے دامن کو چھوڑنے کا نتیجہ کہ اسلام کے ڈانڈے مجوسیت سے ملائے جا رہے ہیں۔

؎ **فلیبک علیہ السلام علی الاسلام من کان باکیاً**

چھتیسواں مسئلہ:

شیعہ مذہب کے نزدیک سنی مسلمان کتے اور ولد الزنا سے بھی بدتر ہے۔ فروع کافی ج ا ص ۸ پر ہے۔۔ ترجمہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ایسے کنویں کے پانی سے مت نہاؤ۔ جس میں حمام کا مستعمل پانی پڑتا ہے کیونکہ اسمیں والد الزنا۔

کے بدن کا پانی بھی گرا ہوا ہوتا ہے۔ اور ولد الزنا سات پشت تک پاک نہیں ہوسکتا اور اس میں ناصبی (سنی) کے بدن سے گرا ہوا پانی ہوتا ہے اور وہ ناصبی (سنی) ولدزنا اور کتے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ دیکھو شیعہ صاحبان سنیوں کو کتے سے اور ولد الزنا سے بھی برا سمجھتے ہیں۔ پھر اگر سنی ان سے برتاؤ کریں تو ان سے بڑھ کر کون بے غیرت ہوسکتا ہے؟ (آفتاب ص ۲۵۴)

؎ بار ہا گفت ام و بارد گری گوئم

الجواب:

مذہب شیعہ ہر اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے (جب تک ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہ ہو) مسلمان سمجھتے ہیں اس لئے وہ سنی برادری کو جو محبت اہلبیتؑ کا دم بھرتے ہیں اپنا دینی و اسلامی بھائی سمجھتے ہیں اور ان سے لین دین، نشست و برخاست رکھنا جزء اسلام جانتے ہیں۔ ناصبی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلبیت رسالت سے کھلم کھلا عداوت و بغض رکھے۔ ہماری فقہی کتب کی کتاب الطہارت باب نجاسات اس پر شاہد عادل موجود ہے کہ مسلمان، ناصبی، خارجی اور غالی کے عنوان الگ الگ ہیں۔ ناصبی و خارجی (اہلبیت سے عداوت و دشمنی رکھنے والے) اور غالی (اہلبیت کو مرتب ربوبیت تک پہنچانے والے) ہر دو گروہ کو کافر و نجس اور باقی تمام فرق اسلامیہ کو مسلمان اور پاک لکھا ہے اس سلسلہ میں شرائع اسلام، شرح لمعہ، جواہر الاکلام اور عروۃ الوثقیٰ وغیرہ کام فقہی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں اگر بیچارے مؤلف بدقسمتی سے عداوت اہلبیتؑ کے مزمن مرض میں مبتلا ہیں تو وہ اپنے ائینہ میں دیکھتے ہوئے تمام اہلسنت کو کیوں دشمن اہلبیت سمجھتے ہیں اور ناصبی کا ترجمہ ''سنی'' کیوں کرتے ہیں؟

یہ درست ہے کہ لڑنے اور لڑانے کے فن میں ملاں لوگ بڑے مشاق و ماہر ہوتے ہیں کیونکہ

؎ دین کافر فکر و تدبیر جہاد ☆ دین ملا فی سبیل اللہ فساد

ایسے مفسدین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سنی و شیعہ کو باہم لڑانا اور نفرت کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنا۔ قوم وملت کی کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے بدترین جرم ہے (الفتنۃ اشدّ من القتل) اور اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمنوں کی خدمت ہے۔ ورنہ

؎ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اسلام تحمل و رواداری کا علمبردار ہے۔ موسیٰ دین خود عیسیٰ بدین خود۔ لکم دینکم ولی دین۔ اسکی تعلیم ہے۔ اور جیو اور جینے دو۔ افسوس جب قوم کے نام نہاد راہبروں کا یہ حال ہو تو پھر عوام کا (جو پہلے ہی کالانعام ہوتے ہیں) خدا ہی حافظ ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ

؎ ما مریداں رو بسوئے صلح چوں آریم چوں ☆ روبسوئے فتنہ و پیکار دارد پیر ما؟

سینتیسواں مسئلہ:

شیعہ کے عقیدہ کی رو سے آنحضرتؐ کے اصحاب ثلاثہ وازواج پر لعنت وتبرا داخل ثواب ہے۔ چنانچہ بحوالہ تحفۃ العوام لکھا جا چکا ہے۔ اور نیز حق الیقین ص ۶۸۵ میں ہے ''اور ہمارا اعتقاد اس برأت (تبرا) میں یہ ہے کہ بیزاری طلب کرنا چاہیئے چاروں بتوں سے یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، ومعاویہ اور چار عورتوں سے یعنی عائشہ، حفصہ، ھندہ۔ وام الحکم سے اور ان کے تمام اتباع واشیاء سے'' دیکھو شیعہ ہمارے بزرگان دین صحاب ثلاثہ کو بت قرار دیتے ہیں انکو اور امہات المومنین ازواج رسول کو لعنت وتبرا دینا واجب سمجھتے ہیں۔ پھر اگر ہم ایسوں کو کافر کہیں تو پھر متعصب اور اتفاق میں خلل سمجھا جاتا ہے۔

؎ ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام ☆ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(آفتاب ہدایت ص ۲۰۴)

الجواب:

اس مسئلہ میں پھر مؤلف نے اپنی پرانی عقربی عادت کا اعادہ کرتے ہوئے ''الفتنۃ اشد من القتل'' کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے! شیعہ اصحاب ثلاثہ کو یا بعض ازواج رسولؐ کو کیا اور کیسا سمجھتے ہیں اور کیوں سمجھتے ہیں؟ اور یہ کہ لعنت وتبرا کوئی گالی گلوچ نہیں ہے۔ بلکہ صرف رحمت خدا سے دوری کی بددعا ہے اور جس پر لعنت کی جائے اسے اپنی علیحدگی کے اظہار کا دوسرا نام ہے اور یہ کہ تولا وتبرہ دو فطری امور ہیں۔ اچھے سے دوستی اور برے سے علیحدگی اختیار کرنا۔ سنت انبیاء ومرسلین اور تقاضائے عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اور ہر ایک کو یکساں و برابر سمجھنا عقل وخرد پر اس سے بڑھ کر کوئی ظلم وستم نہیں ہے۔ الغرض ان تمام امور پر ابتدائے کتب میں جہاں مؤلف نے فضائل صحابہ کی آیات درج کی ہیں۔ ہم پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ تبصرہ کر چکے ہیں ہم ان مباحث کا بار بار تکرار کر کے کتاب کے حجم کو (جو پہلے بھی غیر معمولی طور پر بڑھتا جارہا ہے) نہیں بڑھانا چاہتے صرف مؤلف اور ان کے ہمنواؤں کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں (معاویہ وغیرہ) پر جنہوں نے حضرت امیر المومنین علیؑ پر اسلامی منابر اور مساجد و معابد میں کم وبیش نوے برس تک برابر سب شتم کیا کرایا (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۴۹) اور ان کے خلاف لشکر کشیاں کی ہزاروں اہل ایمان کے خون سے ہولی کھیلی اور بالخصوص خاندانِ رسالت کے استیصال میں کوئی دقیقہ فروگذشت نہیں کیا۔ غیظ وغضب نہیں فرماتے۔ اور اگر ایسے ستمگر، ستم کیش اور محسن کش لوگوں سے مظلوم شیعہ صرف اپنی برأت (علیحدگی) کا بھی اظہار کریں۔ تو فوراً ان کی رگ حمیت پھڑ کنے لگتی ہے اور ان کو کوسنے لگتے ہیں یہ شعر پڑھنے کا حق تو ہمیں حاصل ہے کہ

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام ☆ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

معلوم ہوتا ہے کہ

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

مگر ایسا نہیں ہوسکتا دین فطرت مظلوم کو داد وفریاد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔

اس لئے

دل ہی تو ہے نہ سنگِ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟ ☆ روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

اڑتیسواں مسئلہ:

شیعہ کے نزدیک ان ائمہ اہلبیتؑ پر بھی لعنت وتبرا بھیجنا واجب ہے۔ جنہوں نے دعوائے امامت کیا۔ چنانچہ حق الیقین ص ۶۳۰ میں لکھا ہے: ''ثلاثہ دشمنان اہلبیت اور معاویہ و یزید دیگر مخالفین اہلبیت سے بیزاری واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے خلافت کا جھوٹا دعویٰ کیا بلکہ خلفائے اسمٰعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے؟ ہمارے تور ہے۔ شیعان علیؑ کے دست ستم سے اولادِ علیؑ بھی نہ بچ سکی اور ثلاثہ تو کس شمار میں ہیں۔ (آفتاب ص ۲۰۵)

الجواب:

اگر مؤلف میں عدل وانصاف کا کچھ رمق بھی ہوتا تو وہ بجائے اعتراض کرنے کے الٹا شیعیان علیؑ پر داد وتحسین کے ڈونگرے برساتے کہ وہ (شیعہ) شخصیت پرست نہیں۔ بلکہ اصول پرست ہیں ان کا ایک اصول ہے (جو قرآن کریم، فرمان سید المرسلین اور عقل سلیم سے ماخوذ ہے) کہ امامت وخلافت علیؑ واولاد علیؑ (از حسن تا مہدی علیہم السلام) کا حق ہے۔ اس حق کو جو بھی ان ذواتِ مقدسہ سے چھیننے کی کوشش کرے گا وہ اسے باطل کا علمبردار سمجھیں گے۔ اور اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ اگر چہ وہ علوی وفاطمیؑ ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو ان کی اتباع واقتداء کرے وہ اسے اپنا سردار اپنے تئیں اسکا کفش بردار تصور کریں گے اگر چہ وہ فارس وحبشہ کا رہنے والا غلام ہی کیوں نہ ہو۔ الغرض شیعیان علی کی محبت ہو یا عداوت وہ محض للہ وفی اللہ ہوتی ہے اس میں کسی قسم کے ذاتی بغض وعناد یا شخصی مطلب ومفاد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ

اذا عدت مفاخری التی افتخرت بھا ☆ عیوباً فقل باللہ کیف اعتذر

انتالیسواں مسئلہ:

شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج ۴ کتاب الروضہ ص ۱۱۰ میں ہے حضرت امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت کی۔
ترجمہ ''پھر یزید نے امام زین العابدین کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو وہی بات کہی جو قریشی مرد کے ساتھ کہی تھی۔ امام نے کہا یہ تو بتاؤ۔ کہ میں (تمہاری بیعت کا) اقرار نہ کروں۔ تو مجھے قتل کردے گا۔ جیسا کہ کل قریشی قتل کردیا گیا ہے۔ یزید نے کہا ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ امام زین العابدینؑ نے کہا میں تیری خلافت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں تو تمہارا مجبور غلام ہوں خواہ مجھے اپنے پاس رکھو یا فروخت کردو۔ یزید نے کہا تو نے اچھا کیا ہے۔ اپنی جان بچالی ہے۔ اور تیری شان میں کمی نہیں ہوئی۔۔۔ غور کرو۔ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعت یزید کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اہل سنت تو اس فاسق کو کبھی خلیفہ تسلیم نہیں کرتے لیکن شیعہ امام زین العابدینؑ کی بیعت کے قائل ہیں بھلا یہ کس طرح مانا جاسکتا ہے کہ ایک قریشی واس ملعون کی بیعت کرنے پر موت کو ترجیح دے اور امام سجاد زین العابدینؑ جو اس عالی مقام کے فرزند تھے۔ جنہوں نے صرف بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اپنی اور اہلبیت کی جان قربان کردی۔ ان سے یزید کی غلامی کا اقرار اپنی اکیلی جان کی خاطر کب متصور ہوسکتا تھا۔

ان ھذا الا بھتان عظیم (آفتاب ص ۲۰۵)

الجواب:

یہ قصہ قانون روایت و درایت ہر دو کے اعتبار سے بے اصل و بے بنیاد ہے۔ روایۃً اس طرح کہ اس بیعت والی روایت میں یوں وارد ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد یزید مدینہ گیا اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ ارباب تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ شہادت امام کے بعد (بلکہ مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد) یزید پلید مدینہ طیبہ کبھی گیا ہی نہیں۔ چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اسی بناء پر اس قصہ کو رد کردیا ہے۔ فرماتے ہیں ''**ھذا غریب اذ المعروف بین اھل السیر ان ھذا الملعون بعد انحلافت لم یأت المدینہ**'' یعنی یہ قصہ غریب (انوکھا) ہے کیونکہ اہل سیر و تواریخ میں مشہور یہ ہے کہ یہ ملعون اپنی الخلافت وحکومت کے دور میں مدینہ گیا ہی نہیں، اس طرح اس قضیہ نامرضیہ کی پوری دیوار ہی گر جاتی ہے۔ اور درایۃً اس طرح جس طرح خود مؤلف نے بیان کیا ہے کہ جس امام زین العابدینؑ کے عظیم والد نے یزید کی بیعت کا انکار کرکے اپنے اصحاب واحباب مروادیئے، بھائی کٹوادیئے۔ بیٹے ذبح کرادیئے۔ اور مخدرات عصمت وطہارت کی چادریں قربان کردیں کیا اس عظیم باپ کا وہ عظیم بیٹا صرف اپنی جان کی خاطر اسی یزید کی بیعت کرے اور وہ بھی اس حد تک گر کر جس طرح روایت میں ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

بھلا وہ امام زین العابدین جن کا فرمان مشہور ہے کہ ''ان القتل لنا عادة و الشهادة لنا كرامة'' کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارے لئے باعث کرامت وسعادت ہے؟ (تاریخ طبری وکامل وغیرہ)

موت سے ڈر کر یزید پلید کی بیعت کر سکتے تھے؟

ے چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن ☆ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اگر کبھی ایسی صورتحال پیش آتی تو وہ اپنے والد کی طرح عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے۔

علاوہ بریں یزید لاکھ ملحد و بے دین اور کافر و زندیق سہی۔ مگر دینوی اعتبار سے اتنا احمق تو نہیں تھا کہ وہ امام حسینؑ کے علم و عمل اور گفتار و کردار کے وارث صاحبزادے سے بیعت کا تقاضا کرتا اس میں یہ جرأت کیسے ہوسکتی تھی؟ کیا اب اس کو عین الیقین نہیں ہو چکا تھا۔ کہ یہ وہ خاندان ہے۔ جو کسٹ تو سکتا ہے مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی عدیم المثال قربانی پیش کر کے آئیندہ ہمیشہ کیلئے اس کا نوادہ عصمت وطہارت سے بیعت کا تقاضا کرنے کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔

ع واللہ کے اے حسینؑ کارے کردی

باقی رہا مؤلف کا یزید کی خلافت کا انکار کہ وہ اسے خلیفہ انہیں سمجھتے۔ وہ ہزار بار انکار کریں مگر وہ اس داغ کو مٹا نہیں سکتے کہ اہل سنت کی تمام کتب عقائد وغیرہ میں یزید کو چھٹا خلیفہ لکھا گیا ہے۔ جسے شک ہے وہ مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

(۱) شرح فقہ اکبر ص ۸۴ طبع دہلی۔ (۲) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۱ طبع مصر جدید (۳) سیرۃ النبی شبلی و سید سلیمان ندوی ج ۳ ص ۴۸۲ (۴) شرح عقائد وغیرہا۔ اور اب تو اہلسنت کے بعض قلم کار کھلم کھلا یزید کی نہ صرف خلافت پر بلکہ اسکے خلیفہ راشد ہونے پر مستقل کتابیں لکھ رہے ہیں اس سلسلہ میں رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ و یزید اور خلافت رشید بن رشید'' خاص طور پر قابل دید ہیں۔ الغرض ع۔ اب راز نہیں کوئی راز ہا سب اہل گلستان جان گئے۔۔ کہ اہلسنت کے بارہ خلفاء کی اس وقت تک تعداد مکمل نہیں ہوسکتی جب تک وہ یزید کو چھٹا خلیفہ تسلیم نہ کریں۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون۔

چالیسواں مسئلہ:

تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس کی ادائیگی پر وہ خود مجبور ہے۔ لیکن شیعہ کا عقیدہ ہے کہ بعض شیعہ نماز، روزہ، حج زکوۃ کا فریضہ ادا کریں۔ تو بعض نہ کرنے والوں کی تلافی ہوجاتی ہے۔ گویا یہ سب امور فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہیں اصول کافی ص ۵۸۵ میں ہے۔۔ ترجمہ ''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمارے نماز پڑھنے والے شیعوں کے طفیل بے نمازوں کو بچا لیتا ہے اور اگر ہمارے سارے شیعہ بے نماز ہوجائیں تو

سب ہلاک ہوجائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والے شیعوں اور حج کرنے والوں کے طفیل زکوٰۃ نہ دینے اور حج نہ کرنے والے شیعہ بچ جاتے ہیں ورنہ سب ہلاک ہوجائیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ اگر خدا بعض لوگوں کے طفیل بعض کی مدافعت نہ کرے تو زمین تباہ ہوجائے۔ بخدا یہ صرف شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے غیر بالکل مراد نہیں ہیں۔ پھر تمام شیعوں کو کیا پڑی ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی اصالتاً تکلیف کریں۔۔ شیعہ صاحبان کیلئے بہت سے دیگر اعمال ایسے موجود ہیں جن کی بدولت بے تعداد فرشتے پیدا ہوجاتے ہیں۔۔۔ جیسا کہ متعہ کارِ ثواب۔۔۔ یہ بھی کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ بنائے اسلام پانچ ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ولایت۔ سب سے فضیلت ولایت کو ہے۔ نیز جناب امیر علیہ السلام کی ولایت کے قائل ہوجانے سے شیعہ صاحبان داخل جنت ہوسکتے ہیں۔ بالخصوص جب سال بھر میں ایک دفعہ غم حسین میں سینہ کوبی کرلیں۔ پھر نماز، روزہ۔ ایسی صعوبات میں پڑنے کی انہیں کیا ضرورت ہے۔ (آفتاب ص ۲۰۶)

الجواب:

سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف یہ عہد کرکے کتاب لکھنے بیٹھے تھے کہ ان کے ترکش کذب و افترا میں جس قدر تیر ہیں وہ سب ختم کرکے ہی دم لیں گے۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ

؎ قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر ☆ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

ان فرائض شرعیہ کی اہمیت اور بجا آوری کی جس قدر تاکید امام المتقین اور زین العابدین جیسے ائمہ طاہرین کے نام لیواؤں کے مذہب میں کی گئی ہے۔ دوسرے اسلامی فرقوں میں اس کی ڈھونڈنے سے مثال نہیں مل سکتی۔ کیا مندرجہ ذیل ارشادات معصومین شیعہ کتب احادیث مثل اصول وفروع کافی، وسائل الشیعہ الئالئ الاخبار بحار الانوار وغیرہ میں موجود نہیں؟

۱۔ الصلوۃ عماد الدین نماز دین کا ستون ہے۔

۲۔ من ترک السلوٰۃ فقد کفر۔ جو جان بوجھ کر نماز ترک کرے وہ کافر ہوجاتا ہے۔

۳۔ اول ما یسئل یوم القیامۃ الصلوٰۃ فان قبلت قبل ما سواھا وان ردت رد ما سواھا، قیامت کے دن (عقائد کے بعد) سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی اگر نماز قبول ہوگئی تو باقی سارے اعمال قبول ہوجائیں گے۔ اور اگر نماز مسترد ہوگئی تو دوسرے تمام اعمال رد کردیئے جائیں گے۔ یہاں تک ائمہ اہل بیتؑ کا ارشاد موجود ہے کہ۔ لا ینال شفاعتنا من استخف بصلوٰتہ۔ جو شخص نماز کو خفیف سمجھے گا۔ اسے ہمارے شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق وارد ہے ''من منع قیراط زکوٰہ مالہ فلیس بموٴکن ولا مسلم ولا کرامۃ''۔ جو آدمی قیراط (بمقدار ۱۲ عدد جو) بھی زکوٰۃ واجب ادا نہیں کرتا۔ ورنہ مؤمن۔ ہے اور نہ مسلمان اور نہ ہی اس کی کوئی قدر و منزلت ہے'' اور حج کے

متعلق ارشاد رسالت ہے جس شخص پر جو واجب ہو اور وہ جان بوجھ کر اسے ادا نہ کرے اور مسلسل ٹال مٹول کرتا رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں مرجائے اس کی موت اسلام پر نہیں ہوگی۔ (من لایحضرہ الفقیہ) **الی غیر ذالک من الاحادیث الکثیرہ الواردہ فی ھذا الاضماء** اگر مؤلف کچھ بھی عقل وانصاف سے کام لیتے تو خود اس اپنی پیش کردہ روایت کو ان فرائض کی اہمیت کی بڑی دلیل قرار دیتے ہیں جس میں یہی معصوم فرماتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا حج نہ کرنا وہ سنگین جرائم ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی عذاب آخرت سے پہلے دینوی عذاب کا سزاوار ہوجاتا ہے، لیکن خدا کا خاص فضل وکرم ہے کہ بعض لوگوں کے ان فرائض کو انجام دینے سے وہ عذاب سے ٹل جاتا ہے۔ ولیکن اگر یہ سب ان فرائض کو ترک کردیتے تو ضرور سب عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتے۔ اس سے یہ کہا ثابت ہوتا ہے کہ بعض کے نماز وروزہ ادا کردینے سے دوسروں سے ان کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے؟ اور سب کی آخروی نجات بھی ہوجائے گی اور یہ واجبات واجب کفائی ہیں؟ یہ ارشاد امام بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ **"لو لا شیوخ رکع و اطفال ورفع لصّب علیھم العذب صبا"** یعنی بعض اوقات نبی اکرمؐ کے گناہ اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ اگر سن طرح بوڑھے رکوع کرنے والے ور چھوٹے بچے دودھ پینے والے نہ ہوں تو سب پر عذاب نازل ہوجائے (انوار نعمانیہ) تو کیا ان بوڑھوں کے رکوع وسجود کرنے سے دوسروں سے نماز وروزہ کی شرعی تکلیف ساقط ہوجاتی ہے؟ حاشا وکلا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کے طفیل اور ان کی برکت سے گنہگاروں سے دنیوی عذاب ٹل جاتا ہے! وبس: ولایت اہلبیتؑ اس لئے سب سے افضل ہے کہ وہ اجر رسالت ہے اور اس کے اقرار پر تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے اگر ولایت اہل بیتؑ کا اقرار نہ ہو و بمطابق ارشاد رسول عمر نوحؑ کے برابر عبادتیں کوہ کے برابر سونے کے صدقے ہزار ہا حج وغیرہ سب عبادت ضائع واکارت ہوجائیں گے اور وہ عبادت گذار جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (ارجح المطالب ص ۵۱ بحوالہ مناقب دہلی)

لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ صرف زبانی اقرار ولایت علیؑ کرنے سے دوسرے فرائض سے چھٹی مل جاتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک واجبات شرعیہ ادا نہ کئے جائیں اور محرمات الٰہیہ سے اجتناب نہ کیا جائے تب تک یہ دولت حاصل ہو ہی نہیں سکتی جیسا کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **لا تنال و لا یتنا الا بالعمل و الورع** ہماری ولایت عمل صالح بجالانے اور محرما سے اجتناب کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی (اصول کافی) متعہ کے تمام متعلقہ امور کا مفصل جواب متعہ کے مسئلہ میں دیا جاچکا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عزاداری سید الشہداء بہترین عبادت ہے اور بخشش گناہ کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسکی بجاآوری سے دوسرے واجبات ساقط ہوجاتے ہیں بلکہ ابھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار نماز کی قبولیت پر ہے اور نماز کی قبولیت ولایت اہلبیتؑ پر موقوف ہے:

ثبتنا اللہ علیہ بالقول الثابت بحقھم علیہم السلام

بلکہ عزاداری کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ سید الشہداء کے مقصد شہادت کو اجاگر کیا جائے یعنی شریعت مقدسہ کا احیاء کیا جائے۔ اور لوگوں کو واجبات کی۔۔ بجا آوری اور محرمات سے دامن بچانے کی رغبت دلائی جائے ونعم ما قیل

؎ افعالِ یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے پیدا الفت ہو ☆ اس واسطے تیرے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں!!

معلوم ہوا کہ شریعت کی پابندی کرنا عزاداری کی روح رواں ہے لہٰذا اگر شریعت مقدسہ کے حدود وقیود کی پابندی نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس عزاداری میں روح موجود نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جسد بے روح اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح

؎ نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بے کار ہوتا ہے

اکتالیسواں مسئلہ:

شیعہ حضرات شیخین کو لعنت وتبرا کہنا اتنا بڑا ثواب سمجھتے ہیں کہ ایک دفعہ لعنت کرنے سے سات کروڑ نیکی کا درجہ ملتا۔ اور سات کروڑ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا فخر المحققین مرزا ابوالفضل اسے یوں نقل کرتا ہے "بالجملہ خاتمہ ایں بحث را۔۔۔

ترجمہ: جو شخص جبت وطاغوت (ابوبکر وعمر) کو ایک دفعہ لعنت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سات کروڑ نیکی کا ثواب دیتا ہے اور سات کروڑ گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے سات کروڑ درجے بلند کرتا ہے جو شام ان دونوں پر ایک دفعہ لعنت کرے اسی قدر اس کو ثواب ملتا ہے۔۔۔ (تا آخر روایت) جائے غور ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بتوں کو بھی برا کہنے سے منع کرے اور جناب باقر علیہ السلام فرمائیں کہ سباب المومن فوق وفوقاتالہ کفر (یعنی مسلمان کو برا کہنا حرام ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

امام ممدوح کے متبع سنت کو ثواب عظیم اور باعث رفع درجات سمجھتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو شیعوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کی ادائیگی کی ضرورت کیا ہے؟ جب وہ لعنت لعنت کا ورد کرکے پورے لعنتی بن جائیں تو نیکیاں ان کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں۔۔۔ (آفتاب ص ۲۰۸)

الجواب:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ بچند وجہ مردود اور ناقابل توجہ ہے۔

اولاً۔ انہوں نے جو روایت پیش کی ہے۔ وہ بے سند اور مرسل ہے جب تک اس قانون روایت ودرایت کے مطابق اس کا سلسلہ سند اور رجال سند کی وثاقت معلوم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس ہرگز پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً۔ اس روایت جبت وطاغوت پر لعنت کرنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ جو دو بتوں اور لوگوں کے خود ساختہ شریکوں کے

نام ہیں اب قوسین ڈال کر اس سے جناب ابوبکر وعمر کو مراد لینا مؤلف کی ذاتی اپج سے بلکہ صریحی شرارت ہے۔ جو نا قابل اعتماد ہے۔ ورنہ اصل کتاب میں ان کا نام مذکور نہیں ہیں۔

ثالثاً۔ بموجب ارشاد رب العباد لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم۔ ہم کفر ومشرکین کو بھی سب وشتم کرنا روا نہیں سمجھتے۔ لیکن لعنت (جیسا کہ کئی بار اسکی وضاحت کی جا چکی ہے) سب وشتم نہیں ہے بلکہ صرف ایک قسم کی (رحمت خداوندی سے دوری کی) بددعا ہے ورنہ پھر خدا کو بھی سب وشتم کا مرتکب قرار دینا پڑے گا۔ جو بار بار مختلف قسم کے بدکاروں پر لعنت کرتا ہے۔ اولئک یلعنھم اللہ ویلعھم الاعنون۔ حالانکہ وہ کفار ومشرکین کو بھی گالی دینے سے منع کرتا ہے اس سے واضح ہے کہ گالی اور ہے اور لعنت اور؟

رابعاً۔ اس سلسلے ہیں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا جو ارشاد بلا حوالہ کتاب پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس سے استدلال کرنا ہے تو پہلے ان لوگوں کا ایمان ثابت کرنا پڑے گا جن کو سب کرنا فسق ہے۔ کیونکہ امام سباب المؤمن فسوق فرمایا ہے۔ علاوہ ریں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سباب کا معنی گالی ہے اور لعنت گالی نہیں ہے۔ کما سبق تحقیقہ

خامساً: اس قسم کی عمومی روایات ہے (کہ معمول عمل کرنے سے بے حساب نیکیاں مل جاتی اور بے شمار برائیاں معاف ہوجاتی ہیں) استدلال کرتے ہوئے اربقول مؤلف شیعوں کو چوری۔ زنا۔ شراب خوری حرام کاری کی چھٹی مل جاتی ہے۔ تو پھر ان تمام بدمعاشیوں اور بدکاریوں کی اہلسنت کو بھی چھٹی ہے۔ بس صرف لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ زبان سے کہہ دیں جنت کا پٹہ ان کے نام ہوجائے گا۔ چنانچہ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۷۰ میں باسناد احمد! ابوالدرداء سے مرفوعاً مروی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا۔ من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ دخل الجنۃ یعنی جو لا الہ الا اللہ وحدہ کہدے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ راوی کہتا ہے میں نے تین بار دریافت کیا وان زنی وان سرق۔ اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے ہر مرتبہ فرمایا ہاں۔ تیسری بار اکتا کر فرمایا۔ علی غم الف ابی الدرواء یعنی ابودرداء کی ناک رگڑ کر بھی جنت میں جائے گا" فرمایئے اس طرح گناہان کبیرہ کے ارتکاب کی کہیں کسی اور مذہب میں بھی کھلی چھٹی دی گئی ہے؟؟

سادساً اگر مؤلف کا امام محمد باقرؑ کے اس فرمان پر ایمان ہے تو پھر جن لوگوں نے کم وبیش نوے برس تک برسر منبر نہ صرف مؤمن کامل بلکہ امیر المومنین بلکہ کل ایمان پر سب وشتم کیا اور جنہوں نے ان سے جنگ وجدال اور قتل وقتال کیا۔ حتی کہ ان کی شمع حیات گل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کے بارے میں فتویٰ صادر فرمائیں گے بینوا توجروا! لیکن یہ یاد رکھنا کہ اگر یہاں خطائے اجتہادی کو سپر دبنایا گیا تو پھر شیعہ بھی اس لعنت اور تبرا کرنے میں اپنے اجتہاد کا عذر پیش کرسکتے ہیں۔

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ☆ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بیالیسواں مسئلہ:

شیعہ نہ صرف فاتح روم وفارس خسر نبی وداماد علی (معاذ اللہ ناقل) حضرت عمرؓ کو ہی معاذ اللہ کافر کہتے ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھتا ہے۔ شکے نیست در کفر عمر و کسے کہ عمر را مسلمان داند۔ پھر اگر ہم غالی شیعہ کو کافر کہیں تو ہمیں کیوں ملامت کی جاتی ہے۔

آمدم برسر مطلب

مضمون اتنا لمبا ہوگیا کہ اصل مضمون سے ہم بہت دور جا پڑے ہیں۔ حدیث ثقلین کی بحث ہو رہی تھی۔ سو ثقل اکبر قرآن کریم سے شیعہ کے انکار کو زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا۔ پھر ثقل اصغر ائمہ اہلبیتؑ کی ہتک وتوہین کی بھی تشریح کردی گئی ہے اور یہ کہ ائمہ اطہار کے ذمہ شیعہ ایسے گندے اور معفن شرمناک مسائل منسوب کرتے ہیں جو ان کی سراسر ہتک وتوہین ہے (آفتاب ص ۲۰۸)

الجواب:

ہم ایک بار نہیں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ مذہب شیعہ نہ تو جناب ابوبکر وعمر وعثمان کو کافر ومشرک سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو ایسا جانتا ہے! ہاں البتہ یہ درست ہے کہ خلافت وامامت کے عہدہء جلیلہ کیلئے جس ایمان کامل کی ضرورت ہے وہ ان حضرات کو اسطرح مومن کامل نہیں سمجھتا۔ مگر اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ ایمان واسلام دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ از علامہ مجلسیؒ نے جناب عمر کو کافر کہا ہے تو یہ ان کا ذاتی قول ہے اور وہی اسکے جواب دہ ہیں ظاہر ہے کہ ذاتی قول کو کسی طرح بھی پورے مذہب شیعہ کا عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر مؤلف صاحب کو دیگر ملاؤں کی طرح مسلمانوں کو کافر بنانے کا بہت ہی شوق ہے بے شک وہ اپنا شوق پورا کریں ان کو اس قسم کے بہانے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ چونکہ فلاں نے ہمیں کافر کہا ہے تو ہم بھی جواب آں غزل کے طور پر ضرور اسے کافر کہیں گے۔ بندہء خدا! اگر اس شخص کا یہ فعل آپ کی نظر میں غلط ہے تو آپ کو محض ضد اور ہٹ میں آکر اس غلط کام کا اعادہ نہیں کرنا چاہیئے آپ بڑی کوشی سے اپنا یہ مشغلہ جاری رکھیں اگر اس قلمی میدان میں اور قلمی تیر وسنان چلانے اور مظلوم شیعوں پر ظلم وستم ڈھانے میں آپ کے بزترگوں سے کچھ کمی رہ گئی ہے تو پورا کریں آپ ضرور اسے پورا فرمائیں ہم اُف بھی نہیں کرینگے۔

؎ تو مشقِ ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

جہاں تک عمر صاحب کے ''دامادِ علیؑ'' ہونے والے افسانہ کا تعلق ہے تو یہاں مؤلف نے اس پر گفتگو کی ہے، ہم اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر چکے ہیں۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اگر آپ نے مضمون کو غیر متعلق بحثوں میں الجھا کر اس قدر لمبا کر دیا ہے کہ اصل موضوع سے بہت دور چلے گئے تو اس میں اور کسی کا کیا قصور ہے یہ صرف حضور کے تقریر وتحریر کے ملکہ وسلیقہ سے عاری ہونے کا نتیجہ ہے اور ہمیں بھی مجبوراً ساتھ ساتھ چلنا پڑا اور نہ ہم طبعاً اس انداز تحریر کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ بہر حال اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے ہم بھی بطور خلاصہ عرض کرینگے کہ جہاں تک قرآن اور عترت کو ماننے یا ان کی تعظیم وتکریم نہ کرنے کا تعلق ہے تو ہم بحمدہ تعالیٰ سطور بالا میں نا قابل انکار دلائل و براہین سے روز روشن کیطرح یہ حقیقت واضح وآشکار کر چکے ہیں کہ اگر کوئی اسلامی فرقہ صحیح معنوں میں دامن قرآن وعترت سے متمسک ہے اور تعلیمات قرآن کو اپنا ایمان اور ارشاداتِ عترت کو حرز جان سمجھتا ہے تو وہ صرف اور صرف فرقہ شیعہ ہے۔ باقی مذاہب کو نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے اور نہ عترت رسول سے کوئی سروکار ہے وہ جس طرح قران وعترت کو سمجھتے ہیں اور ان کی جو تعظیم وتکریم کرتے ہیں اس کی مکمل وضاحت کردی گئی ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ان کے مذاہب کی بنیاد اجتہاداتِ عمر یا فقہ ائمہ اربعہ وغیرہ پر ہے نہ کہ تعلیمات قرآن پر اور نہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے فرمان پر

ع ایںہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است!

اور جن مسائل کو مؤلف نے بزعم خویش گندا اور شرمناک سمجھ کر بیان کیا ہے ہم نے انکے حلی والزامی جوابات شافیہ وکافیہ پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اولاً تو یہ مسائل گندے نہیں ہیں اور ثانیاً اگر یہ مسائل گندے ہیں تو اس سے سوگنا زیادہ گندے مسائل کتب اہلسنت میں موجود ہیں۔

ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

نیز امامت ائمہ اہلبیت کے سلسلہ میں الغرض حدیث ثقلین حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ طاہرین کی خلافت وامامت پر جو کھلی ہوئی دلالت کرتی ہے۔ اس کی بھی توضیح وتشریح کردی گئی ہے والحمد اللہ علی وضوع الحق والحقیقہ ان فی ھذا لبلاغاً لقوم یعقلون اگر درخانہ کس است یک حرف بس است ہاں البتہ

ع مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

شیعہ کی دلیل پنجم:

ایک اور دلیل آیتِ ذیل سے دی جاتی ہے۔ ''قُل لَّآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (سورہ الشوریٰ آیت 23) میں تم سے اس تبلیغ پر اجر نہیں مانگتا۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔'' اس آیت کا شیعہ حضرات یہ معنیٰ کرتے ہیں '' کہ میں تم سے اور تو کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اتنا اجر مانگتا ہوں کہ میرے قریبیوں (اہل بیت) سے دوستی رکھو۔'' اس آیت میں بھی مسئلہ خلاف علی پر کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اگر یہی معنیٰ تسلیم کر لیا جائے۔۔ تو

اہلسنت کو اس سے کب انکار ہوسکتا ہے؟ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ مان لو۔ اور حضرت علیؓ کو خلیفہ رابع تسلیم کرنے سے بھی محبت میں کچھ فرق نہیں آتا اور اگر آیت کہ وہ معنیٰ کریں جو شیعہ کرتے ہیں تو آنحضرتؐ کی شان نبوت پر حرف آتا ہے۔۔ دیگر انبیاء کا مقولہ قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ ہم تبلیغ رسالت پر کچھ اجر نہیں مانگتے تو ختم المرسلین کی نسبت یہ اعتقاد کہ آپ اس پر اجر طلب کرتے تھے حضورؐ کی شان اقدس کے منافی ہے نیز یہ دوسری آیت کے منافی ہے۔ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (سورہ ص آیت 86) (کہہ دے میں تم سے تبلیغ رسالت پر کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا۔ نہ کچھ تکلیف چاہتا ہوں) اگر آیت کا مضمون یہ ہو کہ میں تم سے (مثل ترجمہ شیعہ)۔۔۔ جس کا دوسرا معنیٰ یہ ہوگا کہ ان سے مروت سلوک کر وان کی مالی وجانی امداد کرتے ہوئے تو یہ رسالت نہیں بلکہ خود غرض ہے۔۔ علاوہ اس کے قرآن میں اس قسم کے اقوال جو انبیاء کرام کی طرف سے بیان ہوئے ہیں ان سب میں مخاطب قوم کفار پھر۔۔ کفار جبکہ رسالت م آبؐ سے دشمنی رکھتے تھے۔ آپ ان کو کس طرح کہہ سکتے تھے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت و دوستی رکھو نیز آیت میں لفظ القربیٰ واقع ہے ذوی القربیٰ نہیں۔ سو قربیٰ کے معنیٰ رشتہ داری ہے۔ رشتہ دار نہیں۔۔۔ صحیح معنیٰ۔۔۔ یہی ہے کہ آپ کفار۔۔۔ سے کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ناحق دشمنی کرتے ہو میں تم سے تبلیغ رسالت کا کچھ اجر نہیں مانگتا۔۔۔ چونکہ میں تمہارا رشتہ دار بھی ہوں اس لئے بجائے دشمنی کے تم سے محبت و مؤدت کی مجھے امید ہونی چاہیئے۔۔۔ پھر۔۔۔ مفہوم وہی لیا جائے۔ جو شیعہ کہتے ہیں تو بھی۔۔۔ اس امر کی تخصیص کہاں ہے کہ وہ حضرت کے قربت دار یہی چار افراد علی، فاطمہؑ اور حسنین ہی ہیں۔ اس میں تو جمیع رشتہ دار داخل ہوسکتے ہیں۔ نیز شیعہ کا اس آیت سے استدلال اس لئے بھی صحیح نہیں کہ آیت مکی ہے۔ اس کے نزول کے وقت حسنینؑ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ نہ حضرت فاطمہؑ جناب امیر کی زوجیت میں آئی تھیں! (آفتاب ص ۲۱۰)

الجواب:

ہمارے فاضل مؤلف نے اس طویل اور اپنے خیالات کی طرح الجھی ہوئی پریشان و پراگندہ عبارت کے اندر جو کچھ افادہ فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں یہ کہ یہ آیت اہلبیت رسولؐ کے حق میں نازل نہیں ہوئی دوم یہ کہ اس میں خلافت علیؑ پر کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ پھر پہلے دعوائے پر بزعم خود چند دلائل پیش کئے ہیں۔

۱۔ یہ اسوۂ انبیاء اور شان ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہے۔

۲۔ ایک دوسری آیت کے خلاف ہے۔

۳۔ اہلبیتؑ سے محبت کا حکم دینے میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔

۴۔خطاب کفار کو ہے ان سے دوستیؑ اہلبیتؑ کا تقاضا کرنا صحیح نہیں۔

۵۔بنابرتسلیم ان چار افراد کی تخصیص کی دلیل کیا ہے؟

۶۔آیت مکی ہے لہذا جناب حسنینؑ اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔(جو کہ مدینہ میں متولد ہوئے)

یہ ہے ان کے اعتراضات کا جامع خلاصہ پہلے ہم ترتیب وار ان ایرادات کے جوابات پیش کرتے ہیں بعد ازاں اس کی دلالت بر خلافت علیؑ کے متعلق گفتگو کریں گے۔انشاء اللہ العزیز۔

(۱) یہ درست ہے کہ انبیاء ومرسلینؑ کی تبلیغ خالصاً لوجہ اللہ ہوتی ہے۔وہ لوگوں سے کوئی مال ومنال یا کوئی اور دنیوی معاوضہ طلب نہیں کیا کرتے اور نہ ہی سرکار ختمی مرتبتؑ نے کوئی ایسا مطالبہ قوم سے کیا ہے لیکن اگر کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں۔جس میں خود لوگوں کی صلاح وبہبود پوشیدہ ہو(جیسا کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ہے) تو اس کے ناجائز ہونے پر کیا دلیل ہے؟ آنحضرتؑ فرماتے ہیں و ماسئلتکم من اجر فھو لکم میں نے تم سے جو اجر مانگا ہے دوسرے یہ کہ جو کچھ مانگا ہے وہ ذاتی غرض یا ذاتی مفاد کیلئے نہیں مانگا بلکہ قوم کے اجتماعی فائدہ کیلئے مانگا ہے کہ ان کو اپنے بعد ہادی ورہنما کا نشان بتا دیا ہے۔وبس۔تاکہ گمراہی سے بچ سکیں اور صراط مستقیم پر چل سکیں۔

(۲) سابقہ بیان سے دوسری آیت کے ساتھ اس آیت کی منافات کا خیال بھی ختم ہو گیا۔۔۔اُس میں ہے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔۔۔یعنی کوئی دنیوی مال ومنھال طلب نہیں کرتا اور اس آیت میں ہے کہ اجرت طلب کی یعنی محبت اہلبیتؑ طلب کی تیسری آیت نے وضاحت کردی کہ جو کچھ طلب کیا ہے وہ تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔نہ کہ آنحضرت کے ذاتی مفاد کے لیئے۔لہذا ان میں ہرگز کوئی باہمی اختلاف وتضاد نہیں ہے۔

(۳) اگر اپنے قرابت داروں سے محبت کا حکم دینے میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔تو پھر کیا آنحضرتؑ امت کو ان سے دشمنی و عداوت رکھنے کا حکم دیتے؟ قطع نظر اس آیت مبارکہ سے اپنے قرابت داروں سے محبت کرنا اور یہ خواہش کرنا کہ دوسرے لوگ بھی ان سے اچھا سلوک کریں فطرت سلیمہ کا عین مقتضا ہے تو کیا دین فطرت کے علمبردار کو اس فطری تقاضے سے معرا سمجھا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔

(۴) یہ خطاب کفار سے نہیں بلکہ رسولؑ کے فدائیوں اور اسلام کے شیدائیوں یعنی کلمہ گویان اسلام سے ہے جیسا کہ عنقریب تفاسیر اہلسنت کے حوالہ جات سے واضح وآشکار ہوگا۔یہ تفسیر بالرائے ہے جو کہ بالاتفاق حرام ہے

(۵) ان مخصوص افراد کی دلیل ارشاد رسولؑ ہے۔جو اس آیت کے نزول اور صحابہ کرام کے سوال کے بعد آپؑ نے فرمایا تھا جیسا کہ ابھی ذیل میں واضح کیا جائے گا۔

(٦) یہ درست ہے کہ یہ آیت مبارکہ سورہ شوریٰ (پ ۲۵ ع ۴) میں موجود ہے اور اس سورہ کے سرنامہ پر لکھا ہے ''مکیة'' مگر ارباب علم واطلاع سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح موجودہ قرآن میں سوروں کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے (بلکہ پہلے مدنی اور پھر مکی موجود ہیں) اسی طرح سوروں کے تمام آیات کی ترتیب بھی ان کے نزول کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ بعض مکی سوروں میں کچھ مدنی آیات اور بعض مدنی سورتوں میں کچھ مکی آیات آ گئی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۴۲ میں سورۂ رعد، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۸ میں سورہ رعد، درمنثور ج ۴ ص ۶۹ میں سورۂ ابراہیم، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۶ میں سورہ حج درمنثور ج ۵ ص ۸۲ میں سورۂ شعرا اور تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۶۹ میں سورۂ لقمان کے متعلق ایسا اعتراف کیا گیا ہے اور تفسیر ماجدی (اردو) مع قرآن حصہ اولیٰ ص ۲ طبع تاج کمپنی لاہور میں اس کی مکمل تشریح موجود ہے فراجع۔۔ یہاں بھی یہی صورت حال درپیش ہے کہ گو یہ سورہ مکی ہے مگر اس میں آیت مودہ اور تین اور آئتیں مدنی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید مترجم مولانا نذیر احمد دہلوی طبع انوار محمدی لکھنو کے ص ۶۲۹ پر اس سورہ کا سرنامہ یوں لکھا ہے۔''سورة الشوری مکیة الاقل لا اسئلکم الآیات الاربع ثم زخوف ''یعنی یہ سورہ مکی ہے قل لا اسئلکم علیه اجراً والی چار آیات کے اس کے بعد سورہ زخرف نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب قیل وقال حقیقی مفسر قرآن یعنی سرکار پیغمبر اسلامؐ کی بیان کردہ تفسیر سے روگردانی اور تفسیر بالرائے کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ اگر مؤلف اپنی کتب تفاسیر کی ورق گردانی کرنے کی معمولی سی بھی زحمت گوارا کر لیتے تو جس ترجمہ کو وہ بار بار شیعوں کا ترجمہ کہہ رہے ہیں اور اس پر اعتراضوں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ ان کو صاف معلوم ہو جاتا ۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے اور یہی ترجمہ درست ہے۔ دراصل ایسے ہی تفسیر بالرائے کرنے والے ملاؤں کے بارے اقبال نے کہا ہے۔

ے زما بر صوفی و ملا سلامے ☆ کہ پیغام خدا دادند مارا

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت ☆ خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

مؤلف کی اس تمام تگ و تاز کا مقصد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کی ایک مسلمہ قرآنی فضیلت کو ختم کیا جائے تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

والله متم نورہ ولو کرہ المشرکون (ا)

بھلا وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

آیت مؤدہ کا شان نزول:

مفسرین اسلام نے اس آیت مبارکہ کا جو شان نزول اور اسکی جو تفسیر بیان فرمائی ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بعض صحابہ کرام نے باہم بیٹھ کر مشورہ کیا کہ رسول اسلامؐ نے ہماری خاطر نا قابل برداشت مصائب وآلام برداشت کئے ہیں حتیٰ کہ ان کی برکت سے آج خدائے لم یزل نے ہمیں دولتِ دین ودنیا سے مالا مال کردیا ہے اسلئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حق الخدمت کے طور پر کچھ مال وزر پیش کرنا چاہیئے! چنانچہ جب یہ پیشکش بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو آنحضرتؐ نے حسبِ معمول وحی ربانی کا انتظار فرمایا چنانچہ اس وقت خدائے حکیم ورحیم نے یہ آیت نازل کی قل لا اسئلکم علیه اجرا الایة ان مال وزر کی پیشکش کرنے والوں سے) کہہ دو! میں اس تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ ہاں اگر کچھ چاہتا ہوں تو بس یہ کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔ اس وقت انہی صحابہ کرام نے سوال کیا۔ من قرابتک هؤلاء الذین وجبت علینا محبتهم یا رسول اللهؐ! یا رسول الله! یہ آپ کے قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ولازم قرار دی گئی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا "هم علی و فاطمة و ابناهما" وہ (قرابت دار) یہ ہیں۔ علیؑ، فاطمہؑ، اور انکے دو بیٹےؑ (ملاحظہ ہو تفاسیر اہلسنت، درمنثور، تفسیر کشاف تفسیر بیضاوی، تفسیر جامع البیان، تفسیر الخازن، تفسیر المدارک، تفسیر حقانی، تفسیر روح المعانی وغیرہا)۔ انہی حقائق کی بنا پر تو امام شافعی فرمایا کرتے تھے۔

یا اهل بیت رسول الله حبکم ☆ فرض من الله فی القران انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم ☆ من لم یصل علیکم لا صلوٰة له

اے اہلبیت رسول! آپ وہ بزرگوار ہیں۔ جن کی محبت خدا نے قرآن میں نازل کرکے ہم پر واجب قرار دی ہے۔ آپکی جلالتِ قدر کیلئے یہی بات کافی ہے کہ جو شخص نماز میں آپ پر درود نہیں پڑھتا۔ اسکی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (صواعق محرقہ ص ۸۸ طبع

(ا) مقام تعجب: کسقدر تعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ جن آیات مبارکہ کا مؤلف کے ممدوح خاص صحابہ کی مدح سے دور کا بھی کوئی تعلق و واسطہ نہیں تھا وہاں تو انہوں نے ان آیات کو ان پر چسپاں کرنے میں ایڑی چوٹی کا۔۔ زور صرف کردیا ہے (یہ الگ بات ہے کہ اہل حق کی ضرب حیدری سے وہ ایسا ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے) مگر جو آیات بالاتفاق اہلبیت رسالتؐ کی شان میں نازل ہوئی ہیں وہاں وہ قیل وقال، ایں وآں اور چنین وچنان کہہ کر اپنی پوری توانائیاں اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ ان آیات کا عترت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسے کہتے ہیں عداوت اہلبیت افسوس کہ مولف نے

؎ لاکھوں چھپایا راز عداوت نہ چھپ سکی

بھلا

؎ نہاں کئے ماند آں رازے کزوس زند محملہا

مصر قدیم) مخفی نہ رہے کہ القربیٰ قلیل الوقوع مصادر میں سے ہے بمعنی قرابت اور یہاں مضاف (ذو) محذوف ہے۔۔مطلب یہ کہ وہ محبت جو کہ ذوی القربیٰ میں راسخ و مستقر ہو (ملاحظہ ہو تفسیر کشاف زمخشری)

وجہ دلالت آیت بر امامت علیؑ:

باقی رہا۔اس آیت کا امامت علیؑ و اولاد علی کی دلیل ہونا تو وہ بدو وجہ ہے۔اول یہ کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس آیت مبارکہ میں محبت اہلبیتؑ کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔اور محب کا وجوب محبوب کے اتباع و اقتدا کے وجوب کو مستلزم ہے کیونکہ ان المحب لمن یحب مطیع اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ جن کی اطاعت مطلقہ واجب ہو۔ان کے لئے معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے (بقدر ضرورت اس بات کی تشریح حدیث ثقلین کے ضمن میں گذر چکی ہے) لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگوار معصوم ہیں پس جو معصوم ہوگا۔وہی معصوم رسول کی مسند کا وارث ہوگا۔کیونکہ معصوم نبی کا خلیفہ و جانشین بھی معصوم ہی ہوسکتا ہے! بالفاظِ دیگر جس کی اطاعت مطلقہ واجب ہو وہ یا نبی ہوتا ہے یا نبی کا وصی تو یہ بزرگوار نبی تو ہیں نہیں لہٰذا انہیں وصی ماننا پڑے گا۔وھوالمقصو د

دوم:اس آیت مبارکہ سے یہ بات روز روشن کیطرح واضح و آشکار ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کی محبت و مؤدت تمام مسلمانوں پر (بشمول اصحابہ کرام) واجب و لازم ہے۔یہ حضرات باقی ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جن پر ان کی مودت لازم ہے تو جب افضل یہ ہیں تو جو افضل الناس بعد النبی ہوگا۔وہی مسند نبوی کا ولی و وارث ہوگا۔علاوہ بریں صحیح محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ محبوب کو سب پر مقدم سمجھا جائے دوسروں کو مقدم کر کے محبوب کو مؤخر کرنا محبت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔دعا ہے کہ خداوند عالم تمام مسلمانون کو سچا محب اہلبیت علیہم السلام بننے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔۔مخفی نہ رہے کہ جناب سیدہؑ دوسرے دلائل کی رو سے سلسلہ امامت سے علیحدہ ہیں۔ورنہ آیت کا اطلاق تو ان کو بھی شامل ہے۔۔فلا تغفل۔۔و لا تجحد و لا تکن من المنکرین۔

☆☆☆☆☆

شیعہ کی چھٹی دلیل:

شیعہ خلافت بلافصل حضرت علیؑ پر آیت تطہیر سے بھی استدلال کرتے ہیں:'' إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا '' (ترجمہ) خدا چاہتا ہے کہ اے اہلبیتؑ تم سے جس (ناپاکی) کو دور کردے اور تم کو پاک کردے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت جن میں حضرت علیؑ بھی داخل ہیں معصوم تھے اس لیئے وہی امامت کے لائق تھے۔سو اس آیت سے شیعہ کا استدلال ہرگز درست نہیں۔۔سیاق و سباق آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت حضورؐ کی ازدواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی یہ کس طرح ہو

سکتا ہے کہ پہلے اور پیچھے ازدواج کا تذکرہ ہو اور درمیان میں ایک ٹکڑا اس کے خلاف حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ، کے خطابات میں آجائے۔ جو کہ بلاغت کے بالکل خلاف ہے۔

دوم: لفظ اہلبیت ہر ایک زبان میں عورتوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ فارسی میں اہل خانہ عورت کو کہتے ہیں، ہندی میں گھر والی سے عورت مراد ہوتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس آیت میں ازواج۔ مراد نہ ہوں!

سوم: قرآن کریم میں دوسری جگہ اس لفظ کا اطلاق ازواج پر ہی ہوا ہے چنانچہ جب حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کو جب فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی اور انہوں نے تعجب کیا تو ارشاد ہوا: أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ" (سورہ ھود آیت 73) (ترجمہ) کیا خدا کے کام (قدرت) سے اپ تعجب کرتی ہیں۔ خدا کی رحمت اور برکتیں اے اہلبیت تمہارے شامل حال ہوں۔ بے شک وہ حمد کیا ہوا بزرگ تر ہے اس جگہ لفظ اہلبیت سے مراد باتفاق شیعہ وسنی حضرت سارہ ہیں تو پھر: آیت متنازعہ سے خلاف محاورہ قران غیر ازواج کیوں ہوں۔

چہارم: اہل بیت (گھر والے) وہی ہوتے ہیں جو ہمیشہ گھر رہیں۔ سو یہ وصف ازواج میں ہی پائی جاتی ہے۔۔ لیکن بیٹیاں یا نواسے دوسرے افراد گھر میں رہائش اختیار کر لیتے ہیں اس لیئے ان پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؑ اپنے گھر میں رہتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ بھی نکاح کے بعد اپنے شوہر علیؑ۔۔۔ حسنینؑ کا تولد ہی دوسرے گھر میں ہوا ۔۔۔ اس لیئے اہل بیت النبی ان (ازواج ناقل) کے سوا کوئی ہو ہی نہیں ہوسکتا۔

اعتراض شیعہ:

اگر اہلبیت سے مراد نساء النبی ہوتیں تو بجائے منکم اور یطھر کم ضمائر مذکر کے عنکن ویطھر کن ضمائر مونث استعمال ہوتیں ۔سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اہلبیت کے لفظ کے مصداق مونث (ازواج) ہیں ۔لیکن چونکہ لفظ اہلبیت مذکر ہے اس لئے ۔۔۔ضمائر مذکر ہے اس لئے ۔۔۔ضمائر مذکر استعمال ہوئیں جیسا کہ دوسری آیت ۔۔۔میں باوجود خطاب سارہ (مونث) سے تھا لیکن بلحاظ تذکیر لفظ ۔۔۔علیکم ضمیر مذکر استعمال کیا گیا۔

دوسرا جواب:

اہلبیت میں خود ذاتِ اقدس سرورِ عالم ﷺ ۔۔۔بھی داخل ہے اس لئے برعایت ادب وتعظیم حضور والا تغلیباً ضمیر مذکر استعمال ہوئی۔

تیسرا جواب:

کلام عرب میں بغرض اظہارِ محبت عورتوں کیلئے ضمیر مذکر آجایا کرتی ہے جیسا کہ شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ۔فان شئت حرمت النساء سواکم ۔ایسا ہی حضرت موسیٰ ؑ کے قصہ میں مذکور ہے ۔**قال لاھلہ امکثوا** ۔سو یہاں بھی بجائے امکثی کے امکثوا ضمیر مذکر استعمال ہوا۔

دوسرا اعتراض:

شیعہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث کساء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ علیہم السلام کے متعلق ہی نازل ہوئی یعنی یہ آیت جس وقت نازل ہوئی حضور ﷺ نے انہیں چار بزرگوں کو بلا کر چادر کے نیچے کر لیا اور دعا فرمائی **اللھم ھؤلاء اھلبیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً۔**

جواب:

سو اگر غور وتدبر سے کام لیا جائے تو اس حدیث سے مزید ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ آیت کا مصداق ازواج ہی تھیں۔ اور چونکہ حضور ﷺ کو ان چار بزرگوں سے بھی محبت تھی جو کہ اہلبیت میں از جہت نسب وولادت داخل تھے ۔اس لئے چاہا کہ یہ بھی اس انعام الٰہی سے بہرہ یاب ہو جائیں اس لئے ان کو یکجا کر کے دعا فرمائی۔ یا اللہ! یہ بھی میرے اہلبیت میں داخل ہیں ۔۔ورنہ اگر یہ چار ہی آیت کے مصداق ہوتے تو حکم الٰہی آجانے کے بعد پھر ان کیلئے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو کہ تحصیل حاصل تھا! بعد ازاں ایک مسئلہ سے اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ سرکار (حکومت انگریز) نے

فوجیوں کے بیٹوں اور بھائیوں کو ان کے خدمات کے وظائف منظور کئے ۔۔۔بعض فوجیوں نے عرضیاں دیں کہ حضور فلاں لڑکا میرا متبنیٰ ہے اس کو بھی حصہ ملنا چاہیئے ۔۔۔سوایسا ہی مانحن فیہ میں خیال کرنا چاہیئے ۔کہ جب اہلبیت النبیؑ ازواج رسولؐ کے متعلق تطہیر کا انعام نازل ہوا تو حضورﷺ نے اپنی بیٹی، نواسوں، و داماد کو بھی پیش فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہلبیت میں داخل ہیں انکو بھی انعام عطا ہوا۔اس کی تائید اس حدیث بخاری سے ہوتی ہے کہ ام سلمہؓ نے رسولؐ سے عرض کی۔الست من اھلکم (کیا میں اہلبیت میں شامل نہیں؟) آپ نے فرمایا انک علی کل خیر (تیرا مرتبہ تو پہلے ہی سے بہتر ہے) یعنی تو حقیقی طور پر اہلبیت سے ہے۔

بنا بر تقدیر تسلیم:

یہ تسلیم بھی کرلیں کہ آیت تطہیر کے مصداق ازواج نہیں بلکہ چار اصحاب کساء ہیں تو بھی شیعہ اس سے عصمت جناب امیرؑ اور امامت پر استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ اے اہلبیتؑ تمہارے رِجس (گناہ) دور کردے۔اگر پہلے ہی معصوم تھے تو رجس کا ازالہ بے معنیٰ ہوگا۔اگر رب العباد کو آیت میں عصمت کی خبر دینی مطلوب ہوتی تو بجائے مضارع کے ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا۔یعنی اذھب الرجس عنکم وطھرکم تطھیراً (خدا نے تم سے رجس کو دور کر دیا ہے اور تمہیں کلی طور پر پاک کر دیا ہے) مضارع کا صیغہ استعمال ہونا۔اس امر کی صاف دلیل ہے کہ پہلے عصمت نہ تھی۔

دوم: اگر یہ آیت دلیل عصمت جناب امیرؑ اور ان کی امامت کی ہے تو پھر وہ آیت جو اصحاب بدر کی شان میں نازل ہوئی وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ (سورہ مائدہ آیت 6) (لیکن خدا چاہتا ہے تم کو پاک کردے اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کردے) دوسری جگہ ہے وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ (الانفال آیت 11) (اور دور کردے شر شیطان) سو یہ آیت بدر (جن میں اصحاب ثلاثہ بھی داخل ہیں) کی عصمت کی بھی دلیل ہونی چاہیئے۔۔۔بلکہ اصحاب کی نسبت اتمام نعمت کو مضمون مزید برآں ہے (آفتاب ص 124)

الجواب:

اس کا نام نصب وعداوت اہلبیتؑ کہ جب اور جہاں بھی اس خانوادہ عصمت وطہارت کی کسی ایسی فضیلت کا تذکرہ کیا جائے جو قرآن اور رسول اسلامﷺ کے فرمان کی روشنی میں ثابت شدہ ہو تو پوری ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اور شیطانی وساوس و قیاسات پر عمل کر کے اس کا انکار کر دیا جائے اگرچہ اس سلسلہ میں علاوہ اپنی دوسری کتابوں کے خود صحاح ستہ کا بھی انکار کرنا پڑ جائے

اور اگر وہ فضیلت اس قدر نمایاں ہو اور اس قدر مسلم الثبوت ہو کہ اصل واقعہ کا انکار نہ ہو سکے تو پھر تاویلات رکیکہ کا جال بچھا کر اس کی اہمیت کو گھٹانے کی ناکام کوشش کی جائے۔ اگر چہ اپنے دین و دیانت اور علم و عقل کا جنازہ ہی نکل جائے۔ جیسا کہ اس آیت اور اس سے سابقہ آیت بلکہ کتاب کے ہر ہر صفحہ پر مؤلف نے اس بات کا مظاہرہ کیا ہے اور یہاں تو عترت طاہرہ کو اہلبیتؑ نبوت سے خارج کرنے کیلئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورہ توبہ آیت 32)۔

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہاں دو امر قابل توجہ ہیں پہلا اس آیت مبارکہ کا اصحاب کساء حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور حسن و حسین علیہم السلام کے حق میں نازل ہونا۔ دوسرا اس کی دلیل امامت علوی ہونا۔ ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان ہر دو امر پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اور اسی سے ثابت ہو جائے گا کہ مؤلف نے یہاں حقیقی اہلبیت کو خارج کرنے کیلئے جو مذبوحی حرکات کئے ہیں۔ وہ صرف تفسیر بالرائے اور ابلیسی قیاسات کا نتیجہ ہیں بعد ازاں وار ہم ان کے عائد کردہ اشکالات کے جوابات بھی پیش کریں گے۔ تاکہ اس بحث کا کوئی بھی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

آیت تطہیر کا اصحاب کساء کے حق میں نازل ہونا:

تمام شیعہ اور اکثر مفسرین اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مبارکہ اصحاب کساء کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب سنی عالم نے بھی اقرار کیا ہے کہ (اکثر المفسرین علی انها نزلت فی علی و فاطمة والحسن والحسین) (صواعق محرقہ ص 141 طبع مصر) اب ذیل میں ہم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، اصحاب رسولؐ، ازواج نبی، تابعین اور علماء کاملین کے چند بیانات پیش کرتے ہیں جن سے اصحاب کساء کا مصداق اہلبیت ہونا روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائے گا!

تعیین اہلبیتؑ فرمان رسولؐ کی روشنی میں:

قرآن رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ پر اترا۔ اس کی تفسیر کرنا انکے منصب میں داخل تھا۔ (وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ) سورہ النحل آیت 44 تو جب آنحضرتؐ کسی آیت کی تفسیر فرما دیں تو اس کے بعد کسی کلمہ گو کو چوں و چراں کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء آیت 65) تفسیر درمنثور ج 4 ص 198 طبع مصر میں بحوالہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ نزلت هذه الاية فی خمسة فی وفی علی و فاطمه و حسن و حسین انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت۔ الایۃ یعنی آیت تطہیر پنجتن

پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے

یعنی! میرے، علیؑ، و فاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ کے حق میں (کذافی الصواعق المحرقہ ص 141 طبع جدید مصر تفسیر ابن کثیر ج 3 ص 485 طبع مصر، تفسیر مظہری ج 1 ص 371 طبع دہلی) (بحوالہ مسند احمد بن حنبل و اسباب النزول للواحدی)۔

دیوبندی مکتب فکر کے مولانا رشید احمد گنگوہی نے سنن ترمذی کے مختصر شرح ''الکواکب الدری''۔۔ کے نام سے لکھی جسے شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ کاندھلوں نے مرتب کیا اس کی ج 2 صفحہ 652 طبع سہارنپور میں لکھا ہے قال ابو سعید الخدری ان اھلبیت فی آیۃ التطھیر خاص برسول و علی فاطمۃ و حسن و حسین، حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا کہ بلاشبہ لفظ ''اہلبیت'' آیت تطہیر میں خاص ہے رسول اللہ ﷺ، علیؑ، فاطمہؑ، اور حسنؑ وحسینؑ کیلئے۔

تعیینِ اہلبیتؑ کردارِ رسولؐ کی روشنی میں:

بہت سی روایات میں وارد ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد برابر چھ ماہ اور بروایتے آٹھ بلکہ بروایتے نو ماہ تک آنحضرت ﷺ ہر نماز کے وقت علیؑ و بتولؑ کے دروازہ پر تشریف لے جاتے اور الصلوۃ یا اھلبیت کہہ کر آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیراً (ترمذی شریف ج 2 ص 119 طبع دہلی مسند احمد ج 3 ص 258، 259 طبع مصر در منثور ج 5 ص 199 طبع مصر وغیرہ) اس طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اس بات پر نص قائم کردی کہ مصداق اہلبیت یہی بزرگوار ہیں! لاغیر!

تعیینِ اہلبیتؑ قول اصحاب کی روشنی میں:

صحیح مسلم ج 2 ص 280 مطبوعہ دہلی میں مذکور ہے کہ جناب زید بن ارقم سے دریافت کیا گیا۔ من اھلبیتہ تسائۃ؟ آنحضرت ﷺ کے اہلبیت ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا لا و ایم اللہ! نہ خدا کی قسم! (ازواج اہلبیت نہیں) کیوں؟ اسلئے کہ ''ان المراۃ تکون مع الرجل العصر من الدھر ثم یطلقھا فترجع الی ابیھا و قومھا''۔ (بیوی کا رشتہ عارضی ہے وہ کچھ عرصہ شوہر کے گھر رہتی ہے۔ پھر ناتفاقی کی وجہ سے وہ اسے طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔) پھر کون اہلبیت ہیں؟ اھلبیتہ آسلہ و عصبتہ الذین حرموا الصدقۃ بعدہ آپؐ کے اہلبیت آپؐ کے وہ اصلی و حقیقی قرابتدار ہیں۔ جن پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

ازلہ شبہ:

حضرت زید ابن ارقم کے اس قدر واضح صریح اور مدلّل بیان کے باوجود کہ ازواج اہلبیت میں داخل نہیں (اور نہ ہی ہوسکتی

ہیں) یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک ازواج اہلبیت میں داخل ہیں اور اس کے ثبوت میں صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت پیش کی جاتی ہے کہ حصین نے ان سے دریافت کیا کہ و من اهلبیته یا زید: الیس نسائه من اهلبیته؟ اے زید! آنحضرت ﷺ کے اہلبیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہلبیت نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا نسائه من اهلبیته و لکن اهل بیته من حرم الصدقة بعده اور اس جواب کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔ ''حضورؐ کی ازواج آپؐ کے اہلبیت میں سے ہیں۔ لیکن آپؐ کے اہلبیت وہ ہیں جو آپؐ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے''۔ (حاشیہ آفتاب ص 310) حالانکہ یہ ترجمہ بالکل غلط اور درجہ فصاحت سے گرا ہوا ہے۔ بھلا جب یہ اقرار کر لیا کہ ازواج آپؐ کے اہلبیت میں سے ہیں! تو پھر ''لیکن'' کہہ کر استدراک کرنے کا کیا مطلب؟ علاوہ بریں یہ ان کے سابقہ مفصل و مدلل جواب کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حصین کے سوال کرنے پر جناب زید نے بطور استفہام انکاری کہا نسائه من اهلبیته؟ ہیں! ازواج اہلبیت میں سے ہیں؟ پھر استدراک کرتے ہوئے اصل حقیقت یوں واضح کی کہ ''آپؐ کے اہلبیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے''۔ باقی رہی ان افراد کے مفہوم میں وسعت تو وہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے جو ہمارے لئے حجت اور سند نہیں ہے۔ (فلا تفعل)

مولانا رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ''الکوکب الدری شرح سنن ترمذی جلد 2 ص 256 حاشیہ پر لکھا ہے: ان اهل البیت فی هذه الایة مختص بزوجاته صلی الله علیه وسلم لیس بجید و ان کان هذا القول مرویا عن ابن عباس فلعله لا یصح عنه''

اس آیت میں اہلبیت مختص بازواج ہونے کا قول صحیح نہیں ہے اگرچہ یہ قول حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے تاہم شاید یہ صحیح نہیں ہے۔

تعیین اہلبیت اقوال تابعین کی روشنی میں:

تابعین کرام کی ایک جماعت کثیر اہلبیت سے انہی پنجتن پاک کو مراد لیتی ہے چنانچہ امام علاء الدین خازن کا بیان ہے ذهب ابو سعید الخدری و جماعة من التابعین منهم مجاهد و قتاده و غیر هم الی انهم علی و فاطمة و حسن و حسین رضی الله تعالیٰ عنهم، حضرت ابوسعید خدریؓ اور تابعین کی ایک جماعت ان میں سے مجاہد و قتادہ وغیرہ کا نظریہ ہے کہ اہلبیت حضرت علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہیں (تفسیر خازن ج 5 ص 213 طبع مصر یہی بات کتاب ''الشرف المؤبد للشیخ یوسف نبہانی ص 6، 7 طبع مصر میں'') بایں الفاظ لکھی ہے: و جماعة من التابعین عن مجاهد و قتادة و غیر هم کما نقل الامام البغوی و ابن الخازن الخ۔۔ یعنی تابعین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے چنانچہ قتادہ و مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے جیسا کہ امام بغوی اور ابن خازن نے نقل ہے۔

تعیین اہلبیت اقوال ازواج النبیؐ کی روشنی میں :

(1) متعدد ازواج النبیؐ کے بیانات موجود ہیں کہ یہ آیت مبارکہ انہی پانچ بزرگواروں کی شان میں نازل ہوئی ہے چنانچہ صحیح مسلم ج2 ص283 باب فضل اہلبیت ہیں جناب عائشہؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں: خرج النبی صلی اللہ علیہ و سلم غداۃ و علیہ مرط مرجل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فادخلہ ثم جائت فاطمۃ فادخلھا ثم جاء علی فادخلۃ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیراً۔ یعنی ایک دن صبح سویرے جناب رسول خداؐ اس طرح دولت سرا سے برآمد ہوئے کہ آپ کے دوش مبارک پر سیاہ بالوں کی دھاری دار عبا تھی۔ اس اثنا میں حسن بن علی آگئے۔ آپؐ نے ان کو عبا کے اندر داخل فرمالیا۔ پھر حسین آئے ان کو بھی دامن عبا میں لے لیا۔ پھر فاطمہ آئیں۔ ان کو بھی شامل کر لیا۔ بعد ازاں علی بھی تشریف لائے ان کو بھی لے لیا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انما یرید اللہ۔۔۔ الآیۃ۔۔ (کذا فی تفسیر در منثور ج 5 ص 198، 199 والمستدرک للحاکم ج 3 ص 147 طبع حیدر آباد دکن)

(2) جناب صفیہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک بار رحمت ایزدی کا نزول دیکھا تو پھر فرمایا بلاؤ۔ بلاؤ۔ صفیہؓ کہتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کسے بلائیں فرمایا: اھلبیتی علیا و فاطمۃ و الحسن و الحسین میرے اہلبیت یعنی علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو۔ چنانچہ جب وہ تشریف لائے تو آپؐ نے انکو دامنِ عبا میں لے کر دعا کیلئے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا: اللھم ھؤلاء الی و صل علی محمد و ال محمد۔۔ یا اللہ! یہ ہے میری آل۔ تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام نازل فرما: فانزل اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً یعنی اس وقت خدا نے آیت تطہیر نازل فرمائی۔ (مستدرک حاکم ج3 ص 147، 148 بحوالہ دلائل الصدق)

(3) جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں: ان النبی جلل علی الحسن و الحسین و فاطمۃ کساء ثم قال ھؤلاء اھلبیتی و حامتی اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً۔ یعنی جناب رسول خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ اور علیؑ و فاطمہؑ پر اپنی چادر اوڑھائی اور فرمایا یا اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیت! اور میرے خواص! ان سے ہر قسم کی رجس کو دور رکھ اور ان کو اس طرح پاک و پاکیزہ رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے جناب ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے عرض کیا وانا معھم یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں داخل ہوں؟ فرمایا انک الی خیر! تمہارا انجام بخیر ہے۔ (ترمذی شریف ج2 ص 119 باب فضل فاطمہ) (کذا فی المستدرج 6 ص 304)

ایضاح:

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ آنحضرتؐ کے اصحاب، ان کے تابعین اور خود ازواج النبیؐ نے بطور حصر و نص کے

وضاحت کردی ہے کہ یہی بزرگوار اہلبیتؑ ہیں اور انہی کے حق میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہے۔ ان حقائق کے بعد اس سلسلہ میں مؤلف نے فوجیوں والی مثال دیکر قیاس مع الفارق کرتے ہوئے حقیقی اہلبیت کو (متبنی اولاد کی طرح) طفیلی ثابت کرنے کیلئے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''یہ لوگ بھی مرے اہلبیت میں داخل ہیں''۔ (یہاں لفظ ''بھی'' قابل غور ہے) اس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟ ایسی تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور بات تو کوئی ہارا ہوا وکیل بھی نہیں کرتا۔۔۔ اگر یہی مفہوم ہوتا تو پھر الفاظِ رسول ﷺ یوں ہوتے۔''اللھم ھولاء ایضاً من اھلبیتی''''یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں''لیکن جب نہ یہاں لفظ ''ایضاً'' ہے جس کے معنی ہیں ''بھی'' اور نہ لفظ ''من'' ہے (جس کے معنی ہیں میں سے) اور نہ اس آیت کا ازواج کے حق میں نازل ہونا ثابت ہے تو پھر اس تاویل کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ نیز اس بیان سے مؤلف کے اس خیال کا بھی بخوبی ابطال ہوگیا جو انہوں نے جناب ام سلمہؓ والی روایت کو بخاری سے نقل کر کے ظاہر کیا ہے کہ ''انک علی خیر'' کا مطلب ہے۔ ''تیرا مرتبہ تو پہلے ہی سے بہتر ہے''۔ (گویا اگر پہلے کمی تھی تو علیؑ و بتولؑ اور حسنینؑ کے مرتبہ میں! چہ خوش!) ''یعنی تو حقیقی طور پر اہلبیت سے ہے'' اسے کہتے ہیں ''تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' یعنی کسی کے قول کی ایسی تاویل کرنا جس پر خود کہنے والا بھی راضی نہ ہو۔ جناب ام سلمہؓ تو اعتراف کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اہلبیت کی فہرست سے ہی خارج کر دیا۔ اور ان کے وکیل صاحب کہتے ہیں کہ وہ حقیقی اہلبیت سے ہیں۔ اگر اب بھی یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی تو جناب ام سلمہؓ کا مندرجہ ذیل وضاحتی بیان ملاحظہ ہو۔ جس سے اس تاویل کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے۔ ''تفسیر در منثور ج5 ص 198 میں ہے''۔ جناب ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس وقت گھر میں (علاوہ جناب رسول خدا ﷺ کے) سات افراد تھے۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، علیؑ، فاطمہؑ، اور حسنؑ و حسینؑ، وانا علی باب البیت قلت یا رسول اللہ الست من اھل البیت! میں گھر کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ''انک علی خیر انک من ازواج النبی'' ''تم خیر و خوبی پر ہو۔ اور تم نبیؐ کی بیویوں میں سے ہو۔ (کذا فی تفسیر ابن جریر ج 42 ص 6) اس سے بڑھ کر اور کس طرح صراحت کی جا سکتی ہے کہ اہلبیت نبی اور ہیں اور ازواج نبی اور؟۔۔۔

مسند امام احمد بن حنبل ج6 ص 296 میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ سے فرمایا: قومی و تنحی عن اھل بیتی۔ اٹھو اور میرے اہلبیت سے الگ ہو جاؤ! قالت قمت فتنحیت فی البیت! جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں یہ سن کر میں اٹھی اور گھر کے ایک گوشہ میں چلی گئی۔۔ کہاں تک اس قسم کی روایات کو شمار کیا جائے اور درج کیا جائے کتاب الشرف المؤبد ص 9 میں ہے کہ مفسر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایسی پندرہ روایات درج کی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے در منثور میں ایسی اٹھارہ عدد روایات درج کی ہیں جن میں بعض کی صحت کی تصریح موجود ہے۔ اور ان کے بالمقابل دو چار مرسل و مقطوع السند اخبار و آثار نقل کئے جاتے ہیں جن سے ازواج النبی کی شمولیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ بھی نہ آنحضرت ﷺ سے مروی نہ ازواج النبی سے۔

بلکہ عکرمہ جیسے خارجی (ملاحظہ ہو وفیات العیان ج 1 ص 364 و معجم الادباء ج 12 ص 183) مقاتل جیسے ناصبی اور عروہ بن زبیر جیسے دشمن اہلبیت کے ذاتی آراء و نظریات ہیں (ان لوگوں کے حالات دیکھنے کیلئے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور وفیات الاعیان وغیرہ)

ایک اہم چیلنج:

ہم تمام دنیا کے علماء اہلسنت کو چیلنج کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا مستند روایات (جن میں اصحاب کساء کے اہلبیت اور مصداق آیت تطہیر ہونے کی تصریح ہے) کے بالمقابل اتنی روایات ایسی ثابت کر دیں جن میں اس آیت کا ازواج کے حق میں نازل ہونا مذکور ہو۔ بلکہ ان کا نصف بلکہ اگر اپنی ہی کتابوں سے صرف ایک مرفوع و متصل اور صحیح السند و صریح الدلالۃ ایسی روایت پیش کر دیں۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میری ازواج ہی میری حقیقی اہلبیت ہیں اور یہی آیت تطہیر کی مصداق ہیں۔ تو ہم علاوہ ان لوگوں کے نظریہ کی تصدیق کرنے کے منہ مانگا انعام بھی بصد احترام انکی خدمت میں پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ھل من مطالب؟

؎ گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند ☆ کس بمیدان در نمی آید سواروں را چہ شد؟

اب ہم حسب الوعدہ ذیل میں مؤلف کے شبہات کے مختصر جوابات پیش کرتے ہیں:

مؤلف کے شبہات کے جوابات:

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

پہلا شبہ سیاق و سباق پر مبنی ہے کہ اس آیت سے پہلے اور پیچھے ازواج کا تذکرہ ہے یہ شبہ بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً۔ یہ نصوص صریحہ کے بالمقابل ذاتی قیاس اور اجتہاد اور بمقابل نص ہونے کی وجہ سے ناقابل توجہ ہے۔

ثانیاً۔ ہم اس سے پہلی آیت (آیت مودہ بضمن دلیل پنجم) اہلسنت کی کتب تفسیر کے حوالہ جات سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب سورہ و آیات ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کسی اور مقام کی آیت ہو جسے یہاں درج کر دیا گیا ہے ہو۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان نے اپنی تفسیر وحیدی مطبوعہ لاہور گیلان پریس پ 230 ص 549 حاشیہ 7 پر اقرار کیا ہے۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھ دی گئی ہے جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا اور شاید صحابہ نے اجتہاد سے ایسا کیا ہو واللہ اعلم'' (بحوالہ فلک النجاہ)

ثالثاً۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ایسا ہونا بلاغت کے خلاف ہے۔ ایسا کہنا درحقیقت فصاحت و بلاغت کے اصول وقواعد سے نابلد

ہونے کی دلیل ہے۔ ورنہ اس فن کے واقف کاروں پر مخفی نہیں کہ منجملہ محسناتِ کلام کے ایک ''تفنن فی الکلام'' بھی ہے۔ یعنی ایک اسلوب سے دوسری اسلوب کی طرف رخ موڑ لینا اور ایک بات سے ضمناً دوسری بات کا ذکر کر کے پھر پہلی بات کی طرف لوٹ آنا۔ اور اس کی مثالیں خود قرآن مجید میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً خداوند عالم سورہ لقمان میں جناب لقمان کی ان وصیتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جوانہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورہ لقمان آیت 13)۔ بیٹا شرک نہ کرنا بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کے بعد خدا عنوان کلام بدل دیتا ہے۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ (سورہ لقمان آیت 14)۔ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس کی ماں نے بڑی زحمتیں اٹھا کر اسے اپنے شکم میں رکھا ہے۔ پھر سلسلہ کلام کو موعظہ لقمانی کی طرف پلٹاتے ہوئے فرماتا ہے۔ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (سورہ لقمان آیت 16)۔ اے بیٹا! اگر رائی کے برابر بھی کوئی (نیکی یا بدی) ہوگی۔ تو خدا اسے بھی بروز حشر لائے گا کیا مؤلف یہاں بھی یہی فتویٰ دیں گے کہ یہ بلاغت کے بالکل خلاف ہے؟

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ !

(2) دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

دوسرا شبہ یہ ہے کہ لفظ اہلبیت کا ہر زبان میں عورتوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤلف کے فرزند قاضی مظہر صاحب نے حاشیہ کتاب پر بحوالہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص 692 جلد 14 اقرار کیا ہے اور دیگر کئی علماء مثل ابن حجر مکی (صواعق محرقہ ص 227 طبع مصر جدید) وغیرہ نے تصریحات کی ہیں کہ لفظ اہلبیت کے تین اطلاق ہیں (1) سکنی (2) نسبی (3) اور شرفی (بالفاظ دیگر سکنی، نسبی اور ولادتی) پہلے معنی کے اعتبار سے یہ لفظ گھر میں سکونت رکھنے والوں کو شامل ہے دوسرے معنی کے اعتبار سے صرف اہل خاندان پر بولا جاتا ہے اور تیسرے لحاظ سے اہل شرف و مجد کو جیسے سلمان منا اہل البیت۔ بنابریں یہ لفظ مشترک متصور ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی استعمال میں اسکے تمام معانی مقصود نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا قرائن کو دیکھا جائے گا کہ کہاں کونسا معنی مراد ہے۔ بنابریں جب ہم فریقین کی متعدد احادیث صحیحہ وصریحہ کی روشنی میں واضح و ثابت کر چکے ہیں کہ اس آیت میں اہلبیت نسبی و ولادتی یعنی صرف اصحاب کساء مراد ہیں۔ تو بعد ازیں اس شبہ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟! مولانا وحید الزمان نے انوار اللغتہ پ 22 ص 51 طبع بنگلور پر کیا پتہ کی بات کہی ہے۔ ''صحیح یہ ہے کہ آیت تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں گو عرب کے محاورہ میں ازواج کو بھی شامل ہے۔''

(3) تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

تیسرا شبہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس لفظ کا اطلاق ازواج پر ہوا ہے۔ اتعجبین من امر اللہ۔۔۔اس شبہ کا جواب دوسرے شبہ کے جواب سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ہم نے کب انکار کیا ہے کہ اہلبیت سکنی کے اعتبار سے زوجہ پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔! بحث تو اس میں ہے کہ آیت تطہیر میں اس لفظ سے مراد کون حضرات ہیں؟ اگر ایک کثیر المعنی لفظ (مشترک) کے ایک جگہ ایک معنی مراد ہوں تو کیا ضروری ہے کہ ہر جگہ اسکے وہی معنی مراد لئے جائیں؟ اگرچہ دوسرے معنی کے قطعی دلائل وقرائن موجود ہوں؟ مالکم کیف تحکمون!

(4) چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

بیویاں ہی ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ نہ بیٹیاں اور نواسے اور داماد، اس شبہ کا جواب جناب زید بن ارقم کے کلام سے بخوبی واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ زن وشوہر کا رشتہ عارضی ہے اور اولاد والا رشتہ مستقل ہے۔ لہٰذا حقیقی اہلبیت وہی ہیں۔ جن سے خونی رشتہ ہو جو ناقابل انقطاع ہے۔ مؤلف نے ''اعتراض شیعہ'' عنوان قائم کرکے شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں مذکر کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ اس سے مراد اصحاب کساء ہیں! پھر اس کے تین جوابات دیے ہیں۔ اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات صرف اس بات پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی نہیں کرتے ان کا اصل استدلال تو فریقین کی روایات پر ہے۔ البتہ اسے صرف تائید مزید کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں۔

ثانیاً: یہ تینوں جوابات ناتمام ہیں۔ پہلا جواب اسلئے نامکمل ہے کہ اگر لفظ اہلبیت کے، مذکر ہونے کی وجہ سے بقول مؤلف یہاں مذکر کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ تو لفظ اہلبیت تو مفرد بھی ہے۔ پھر جمع مذکر کی ضمیریں کیوں لائی گئیں ہیں۔ واحد کی ضمیر کیوں نہیں لائی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصداق اہلبیت میں صنفِ ذکور کا غلبہ ہے۔

(2) دوسرا جواب اس لئے مخدوش ہے کہ کم از کم نو ازواج ہوں اور ایک رسول تو کلام عرب کا کوئی قانون تغلیب اس کی تائید نہیں کرتا کہ نو ایک کو ترجیح دے کر اس کے مطابق صیغے استعمال کئے جائیں (شرعی احترام اور ہے کلام عرب کا قانون اور) یہ تیسرا جواب قیاس مع الفارق ہے اگر اظہار محبت کیلئے ایسا جائز بھی ہو اور شاعر نے اپنی محبوبہ کو خطاب کرکے ایسا کہا بھی ہو۔ تو کیا یہاں بھی کوئی عشق و عاشقی کی شاعری ہو رہی ہے۔ یا خدائے قدوس کا کلام معجز نظام زیر بحث ہے؟ اور جناب موسیٰ والے قصہ میں امکثی کی بجائے امکثوا سے استدلال بھی درست نہیں۔ کیونکہ جناب موسیٰ کے مخاطب تین افراد ہیں، بیوی، بچہ اور غلام (ملاحظہ تفسیر بیضاوی وغیرہ) اس لئے جمع مذکر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔ بعد ازاں مؤلف نے دوسرا اعتراض اور اس کا جواب کا عنوان قائم کرکے اس

کے تحت جو کچھ فرمایا ہے۔ ہم سطور بالا میں بضمن احادیث اس کا تار و پود فضائے محیط میں بکھیر چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے ایک مرحلہ تو طے ہوگیا۔ یعنی یہ کہ یہ آیت پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت کا دلیل امامت اہلبیت ہونا:

باقی رہا دوسرا مرحلہ یعنی اس آیت کا دلیل خلافت علیؑ ہونا سو وہ اس طرح ہے کہ رجس کے معنی ہیں ''گناہ'' جس کا مؤلف نے بھی اعتراف کیا ہے (آفتاب ص 414 سطر 4) تو جب خداوند عالم نے ہر قسم کے رجس کو اہلبیت نبویؐ سے دور رکھنے کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ بزرگوار معصوم عن الخطا ہیں چنانچہ اس مطلب کی تائید مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ جو تفسیر در منثور میں بحوالہ حکیم ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ اور حافظ ابو نعیم اصفہانی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسم پر تقسیم فرمایا۔ تو مجھے ان میں سے بہتر قسم میں رکھا۔ پھر قبیلوں کو مختلف گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین گھر میں رکھا اور یہی مطلب ہے **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت۔۔۔ کا فانا و اھلبیتی مطھرون من الزنوب** پس میں اور میرے اہلبیت تمام گناہوں سے مطہر و معصوم ہیں۔ علامہ وحید الزمان انوار اللغۃ پ 22، 51 پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس آیت سے بعضوں نے یہ نکالا ہے کہ یہ حضرات خطا اور گناہ سے معصوم تھے خیر! اگر معصوم نہ تھے تو محفوظ تو ضرور تھے۔'' پس جب عصمت اہلبیتؑ ثابت ہوگئی تو اس سے اس آیت کا بدو وجہ دلیل خلافت علوی ہونا بھی واضح ہوگیا۔ ایک اس طرح کہ جو معصوم ہوگا۔ وہی معصوم نبی کا خلیفہ و جانشین ہوگا۔ دوسرا اس طرح کے عنقریب تیسری تنقیح کے ضمن میں ہم ثابت کریں گے کہ جناب امیر المؤمنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مدعی و طالب خلافت تھے اور معصوم کا دعویٰ غلط نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ان کو صادق القول اور اپنے دعویٰ میں سچا تسلیم کرنا پڑے گا اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

مؤلف کے مزید دو ایرادات کے جوابات:

مؤلف نے اس مقام پر اس آیت کے دلیل عصمت ہونے پر دو اعتراض کیئے ہیں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب:

پہلا یہ کہ یہاں مضارع کے صیغے ہیں۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے رجس موجود تھا۔ لہٰذا ثبوت عصمت کیلئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے اس کے تین قطعی جوابات پیش خدمت ہیں۔

(1) ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ آیت جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی المرتضیٰؑ، فاطمۃ الزہراءؑ، حسن مجتبیٰؑ اور حسین سید الشہداؑ، کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باتفاق سنی و شیعہ معصوم تھے اور حسنینؑ قطع نظر خصوصیات، امامت کے ویسے بھی ہنوز

بچے ہونے کی وجہ سے معصوم عن الخطا تھے۔ لے دے کر متنازعہ فیہ شخصیت تو جناب علیؑ و بتولؑ کی ہی بنتی ہے تو جب کم از کم تین ہستیاں پہلے سے معصوم موجود ہیں تو بقول مؤلف ''رجس کا ازالہ بے معنی ہوگا''۔۔۔ لہٰذا اس طرح رسولؐ اور حسنینؑ کو بھی گنہگار ماننا پڑے گا؟ بہرکیف جب تین ہستیوں کا معصوم ہونا واضح ہے تو ہم مؤلف یا ان کے ہمخیالوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر ان کو علیؑ و بتولؑ کی عصمت میں شک ہے تو بڑی خوشی سے ان کا کوئی گناہ ثابت کریں اور اگر صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ایسا نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو اس آئیں بائیں شائیں سے درست برادار ہو جائیں اور حق و حقیقت کا واضح لفظوں میں اقرار کرلیں۔ کہ اسی میں انکے دین و دنیا کی بہتری ہے۔

(2) آیت مبارکہ میں ''لیذھب'' میں جو ''لام'' موجود ہے۔ اس کو نحو میں لام ''کے'' کہا جاتا ہے۔ جس کے بعد ''ان'' مصدر یہ مقدر ہوتا ہے (وہی یذھب کو نصب دے رہا ہے) جو فعل کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے اور ارباب علم جانتے ہیں کہ مصدر میں تینوں زمانے (ماضی حال اور استقبال) برابر ہوتے ہیں۔ لہٰذا صیغہ ہائے مضارع والا اعتراض ختم ہوگیا۔

(3) جب کسی کو کہا جائے۔ **سلمکم اللہ یا عافا کم اللہ یا یحفظکم اللہ** تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ پہلے سلامت نہیں، یا پہلے محفوظ نہیں، بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا آئندہ بھی تمہاری اس حالت کو قائم دائم رکھے۔ یہاں بھی یہی مفہوم ہے کہ خدا کا یہ حتمی ارادہ ہے کہ اے اہلبیت! وہ تم سے ہر قسم کے گناہ کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاکیزہ رکھے۔ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:

خدا نے ایسے ہی الفاظ اصحاب بدر کے بارے میں استعمال فرمائے (اور بقول جناب محشی) عام وضو و غسل کرنیوالوں کے بارے میں بھی اس لئے ان کو بھی معصوم جاننا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت (راجع با اصحاب بدر) اور وضو و غسل کرنے والوں کے متعلق آیت میں تطہیر کا متعلق نہیں بتایا گیا (کہ خدا کس چیز سے ان کو پاک کرنا چاہتا ہے) پہلی آیت کی تشریح دوسری آیت و **یذھب عنکم رجز الشیطان** میں موجود ہے (جسے مؤلف نے تحریف قبیح کرتے ہوئے ''رجس'' لکھا ہے) اور اس کا ترجمہ انہوں نے ''شر شیطان کیا ہے''۔ بہرکیف مفسرین اسلام کے بیان کے مطابق جنگ بدر میں کچھ آدمیوں کو احتلام ہوگیا تھا۔ پانی کی کمی تھی۔ خدا نے بارش برسادی اور انہوں نے غسل کرلیا۔ یہ ہے رجز شیطان کو دور کرنے کی تفسیر۔۔۔ اور وضو و غسل والی آیت میں بھی صرف اس کثافت کو دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو موجب وضو یا غسل ہوتی ہے۔ اس ہر قسم کے رجس (بمعنی گناہ) کو اہلبیت سے دور رکھنے والی آیت سے کیا نسبت یا تعلق ہے؟

تو کہ از فہم مضامین بدیہی عوری ☆ فہم احکام و علل گر نکنی معذوری

طریقہ:

بموجب ''آنچہ پدر نتو اند پسر تمام کند'' اگر عداوت اہلبیت کا حق ادا کرنے میں مؤلف آفتاب سے کچھ کمی رہ گئی تھی تو جا بجا ان کے خلف رشید قاضی مظہر صاحب نے کتاب کے حاشیہ پر پوری کر دی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر انہوں نے ایک ذیلی حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف فرمایا ہے'' پھر ثبوت میں نہج البلاغہ ج 1 ص 240 طبع بیروت و کتاب الروضہ ص 165 سے آنجناب کے کلام سے اقتباس پیش کیا ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔ ''**فانی لست فی نفسی بفوق من ان اخطی و لا امن من ذالک من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی ما ھو املک**'' کیونکہ میں بذات خود خطا کرنے سے برتر نہیں ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطا سے محفوظ ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری ذات کیلئے ایسا کام بنا دے جس سے وہ میری نسبت زیادہ مالک ہے۔ (حاشیہ آفتاب ص 215) اس کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر آنجناب کے اس جملہ کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ لہٰذا وہ معصوم نہیں ہیں (العیاذ باللہ) تو پھر جناب یوسفؑ صدیق کی عصمت کے متعلق قاضی صاحب کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ جن کا قول خود قرآن مجید میں موجود ہے ''وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (سورہ یوسف آیت 53) میں اپنے نفس کو برائیوں سے پاک نہیں کہتا بے شک نفس تو برے کام کیلئے ابھارتا ہے مگر جب میرا مالک رحم کرے (ترجمہ وحیدی) اور اگر وہاں آپ یہ کہتے ہیں کہ ''إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي'' کے استثناء نے انکی عصمت کو بچا لیا ہے تو یہاں جناب امیرؑ کے کلام میں بھی وہی استثناء ''**الا ان یکفی اللہ**'' موجود ہے اور یہی ہمارا ایمان ہے کہ عصمت لطف خداوندی ہے۔ وہ معصوم کا ذاتی و بالذات کمال نہیں ہے۔

؎ من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم ☆ تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

شیعہ کی ساتویں دلیل:

''فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ'' (سورہ آل عمران آیت 61) آپ کہہ دیں آؤ۔ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔ اپنے وجودوں کو اور تمہارے وجودوں کو پھر مباہلہ کریں۔ خدا کی لعنت جھوٹوں پر ہو۔۔ وجہ استدلال یہ بیان کی جاتی ہے کہ نصاریٰ نجران سے جب مباہلہ کی قرار داد ہوئی۔۔ تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں چار بزرگوں کو علیؑ و فاطمہؑ، حسنینؑ کو ساتھ لے کر نکلے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کوئی منزلت نہ تھی۔ اس لئے جناب امیرؑ ہی خلافت کے لائق تھے۔

جواب:

آیت سے یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ بلکہ آیت کا مفہوم صاف یہ ہے کہ ہر دو فریق سے حسب ذیل اشخاص مباہلہ کیلئے نکلیں۔ مباہلہ کرنے والے بذات خود اور ان کی اولاد، انکی مستورات چونکہ مسلمان فریق سے دعویدار اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب تھے۔ اس لئے یہ سب لوگ ''انفسنا'' میں داخل تھے۔ انہوں نے میدان مباہلہ میں نکلنا تھا ایسا ہی کفار کی طرف سے ابو حارثہ، اسید عاقب معہ اپنی اولاد اور عورتوں کے نکلے۔ شیعہ کا یہ کہنا کہ سوائے ان چار بزرگوں کے حضور کے ہمراہ کوئی نہ نکلا یا آپ کسی کو ساتھ نہ لے گئے۔ مضمون آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حضور علیہ السلام مع علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ کے نکلے تو ''انفسنا ابنا ئنا'' کا مضمون تو ہو سکتا ہے۔ لیکن نسا ئنا کا مضمون کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ حضرت فاطمہؑ نساء الرسول نہیں بلکہ ابناء الرسولؐ میں داخل تھیں۔ نیز کفار کا مقابلہ تو رسولؐ اور سرداران فوج اصحاب کبار سے ہوا اور صرف مباہلہ کیلئے حضرت رسول ﷺ، ان کے داماد، آپؐ کی دختر فاطمہؑ، اور حسنینؑ کے نکلنے پر راضی ہو جائیں۔۔۔ لیکن فاطمہؑ و حسنینؑ تو جدال کے قابل نہ تھے۔۔۔ ان کے استیصال کیلئے عمر فاروق اور ابو بکر صدیق صحیح و سلامت زندہ موجود تھے۔ غرض عقل و نقل دونوں اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مباہلہ کیلئے حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ کو ہی ساتھ لیا۔۔۔ تو اس کے خلاف روایات خواہ کتب شیعہ کی ہوں۔ یا اہل السنت کی قابل استدلال نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ شیعہ حضرات ایسی روایات گھڑ لینے میں پوری مشاق ہیں اور کتب اہلسنت میں بھی دست اندازی کر لینے سے دریغ نہیں کرتے۔

ایک عجیب روایت:

حیات القلوب ج 2 ص 452 میں۔۔۔ ترجمہ: ''جب آیت مباہلہ نازل ہوئی اور دوسرا دن مباہلہ کیلئے مقرر ہوا اور نصاریٰ اپنی جگہ پر واپس ہوئے تو ابو حارثہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ کل دیکھنا اگر محمد ﷺ اپنے فرزندوں اور اہلبیت کے ساتھ مباہلہ کیلئے نکلیں تو۔۔۔ تمہیں ڈرنا چاہیئے اور اگر اصحاب و اتباع کے ساتھ نکلیں تو ذرا پرواہ نہ کرو'' اب جائے غور ہے کہ نصاریٰ نجران کو جناب امیرؑ اور دیگر اہلبیت سے اس قدر خوش اعتقادی کس وجہ سے ہو گئی تھی۔ ممکن ہے حضرت علیؑ کو تو انہوں نے دیکھا ہو۔۔۔ لیکن حسنینؑ اور جناب سیدہؑ کو انہوں نے کیسے دیکھ لیا کہ ان کی مباہلہ میں شمولیت سے اس قدر خوف پیدا ہوا یہ سب کچھ شیعہ حضرات کی خوش اعتقادی کی باتیں ہیں ورنہ کفار کو دہشت جناب رسول پاک ﷺ اور ان کے اصحاب کبار (جو اشداء علی الکفار کے مصداق تھے) سے تھی۔۔۔ انہی کے خوف سے انہوں نے مباہلہ منظور نہ کیا۔۔۔ اگر

بالفرض مان لیا جائے کہ مہم نجران جناب امیرؑ کے طفیل ہی سر ہوئی تو یہ ایسی کونسی بڑی بات ہے۔ایک موضع جس میں صرف چالیس یا پچاس آدمیوں کی آبادی ہو قبضہ میں آجانے سے اسلام کی شوکت میں کیا کچھ اضافہ ہوسکتا تھا۔سچ تو یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی جدو جہد۔۔۔کا نتیجہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک۔۔۔نور اسلام پھیلا۔۔۔غرض شیعہ بیچارے اثبات مدعا، خلافت بلافصل امیرؑ کے لئے ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر ساحل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔

ع ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی ☆ کیں راہ میروی بہ ترکستان است

غرض قرآن وحدیث میں کوئی دلیل خلافت بلافصل علی المرتضیٰؑ پر نہیں اور شیعہ اپنے دعویٰ پر کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔واقعات بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ خلافت خلفائے ثلاثہ کا حق تھی۔۔اس لئے تنقیح ص 2 بھی بحق اہلسنت خلاف شیعہ ثابت ہے۔(آفتاب ص218)

الجواب:

خداوند عالم برا کرے تعصب وعناد اور بغض دلداد کا کہ جب اسکی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے اور اگرچہ حق آفتاب نصف النہار کی طرح بھی واضح و آشکار کیوں نہ ہو مگر اسے کچھ نہیں سوجھتا۔سچ ہے۔

ع اذا لم یکن للمرء عین صحیحة ☆ فلا غروان یرتاب والصبح مسفر

مؤلف آفتاب نے تو عداوت اہلبیت اور تعصب کے تمام حدود توڑ دیے ہیں اور وہ کام کیا ہے جو فضل بن روز بہان، ابن حجر مکی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ متعصب علماء اہلسنت بھی انجام نہیں دے سکے تھے سچ ہے۔کم ترک الاول الآخر۔واہ جی واہ!

ع ایں کار از آید و مرداں چنیں کنند

پہلے امر کا اثبات:

یہاں دو امور قابل توجہ ہیں۔ایک اصحاب مباہلہ کی تعین وتشخیص دوسرے ان کی امامت وخلافت پر اس آیت کی دلالت!!

مباہلہ میں آنحضرت ﷺ کا صرف اصحاب کساء کو ہمراہ لے جانا:

سو پہلے امر کے متعلق عرض ہے کہ تمام شیعہ اور اہلسنت کے تمام قابل اعتقاد مفسرین ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مباہلہ کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ انفسنا کی جگہ جناب امیرؑ ابنائنا کی جگہ۔شہزادگان کونین امام حسنؑ وحسینؑ اور نسائنا کی جگہ جناب سیدہ عالم فاطمۃ الزہراؑ کو اپنے ہمراہ (میدان مباہلہ میں) لے گئے۔چنانچہ صحیح مسلم ج 2 ص 268 ترمذی شریف ج 2 ص 124،214 میں ہے کہ لما نزلت هذه الاية قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائكم ونسائنا ونساء كم دعا رسول الله عليا وفاطمة و

حسنا و حسینا فقال اللھم ھؤلاء اھلی یعنی جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جناب علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ کو بلا کر کہا یا اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیت (کذافی الدر المنثور للسیوطی و المستدرک للحاکم و السنن الکبری البھیقی، تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی تفسیر الکشاف زمحشری اور التفسیر الکبیر للفخر الرازی ج2 ص 456، 464 طبع حسینیہ مصر) میں متعدد اسانید سے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اس طرح میدان مباہلہ کی طرف نکلے کہ ''کان قد احتضن الحسین و اخذ بید الحسن و فاطمۃ تمشی خلفہ و علی رضی اللہ عنہ یمشی خلفھا''۔ حسنؑ کی انگلی تھامے اور حسینؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے۔ فاطمۃ الزہراؑ انکے پیچھے اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے تھے۔ اس اثنا میں آنحضرت ﷺ اس مقدس گروہ سے یہ فرماتے جاتے تھے۔ ''اذا دعوت فامنوا'' جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ جب اسقف نجران (لاٹ پادری) نے یہ منظر دیکھا تو نصاریٰ سے کہا ''انی لاری وجوھا لو سئلو اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازلہ بھا'' میں کچھ ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کردیں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹادے تو ان کی برکت سے ہٹا دے گا: فلا تباھلو افتھلکو ولا یبقی علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیامۃ۔ اس لئے ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہ جائے گا۔ چنانچہ تاریخ عالم گواہ ہے کہ انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ مگر مباہلہ کرنا گوارا نہ کیا۔ امام فخر الدین رازی مذکورہ بالا واقعہ لکھنے کے بعد ج 2 ص 465 لکھتے ہیں و اعلم ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتھا بین اھل التفسیر و الحدیث۔ جاننا چاہیئے کہ یہ روایت ایسی ہے کہ گویا اس کی صحت پر تمام اہل تفسیر و حدیث کا اتفاق ہے۔

انکشاف حقیقت:

مگر بایں ہمہ ہمارے فاضل مؤلف کی جرأت قابل داد ہے کہ ایسی روایات کو ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں۔ خواہ کتب اہلسنت میں ہی کیوں نہ ہوں۔ مؤلف کے حالات میں (جو مقدمہ کتاب میں درج ہیں) لکھا ہے کہ ''آپ بریلوی مسلک سے وابستہ تھے اور آخری ایام میں مولانا مدنی (دیوبندی) سے بیعت ہوگئے تھے''۔ اب یہ حقیقت کھلی ہے کہ جناب والا خطاب خالص چکڑالوی خیال کے ہی یہ کم از کم جہاں اہلبیت نبوت کی شان میں واردشدہ روایات کا بیان ہو۔ وہاں تو ضرور ہی چکڑالویت کا روپ دھار لیتے ہیں اور پکے سنی کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تاکہ ''حسبنا کتاب اللہ'' کے قائل کی محبت کا حق ادا ہوسکے۔

بیفگن پردہ تا معلوم گردد ☆ کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اور پھر صادق آل محمدؑ کے شیعوں پر یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی روایات گھڑنے میں مشاق ہیں۔ اے سبحان اللہ! جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ معصومینؑ کے نام لیوا اور یہ تلبیس و تدلیس؟ اے معاذ اللہ! هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ (سورہ البقرہ آیت 111) یہ چیز آپ کے پیرو مرشد معاویہ اور اس کے پیروں کو مبارک ہو جس نے آل محمد کے فضائل

مٹانے اور دشمنان اہلبیتؑ کے فرضی فضائل گھڑنے کیلئے کچھ اہل علم کے قلم خرید کر باقاعدہ ایک کارخانہ قائم کیا تھا۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج 3 ص 15 طبع مصر و العقد الفرید ج 2 ص 231 وغیرہ اور یہ بات تو اور بھی تعجب خیز ہے کہ شیعہ کتب اہلسنت میں بھی دست اندازی کرنے سے نہیں دریغ کرتے: بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ عورتیں کسی کی ہوں اور بچے کسی کے؟ ہوش کے ناخن لو بغض آل محمد کے جنون میں کیا کہہ رہے ہو؟ ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی؟

مؤلف کے اعتراضات کے جوابات:

پہلا اعتراض:

اس مقام پر مؤلف نے جو بعض ایرادات کئے ہیں انکے جوابات حاضر ہیں۔ (1) ''انفسنا'' میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب سب داخل تھے! اس کا صرف جواب یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ یہ سراسر تفسیر بالرائے ہے (جو بالاتفاق حرام و باطل ہے تفسیر اتقان وغیرہ) اگر بقول مؤلف سب اصحاب اس میں شامل تھے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ جن پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور جو ساری کائنات سے بڑھ کر رمز شناس قرآن و کلام رحمٰن تھے اپنے تمام صحابہ کو ہمراہ کیوں نہ لے گئے؟ کیا کسی ایک روایت میں بھی ان کا ہمراہ لے جانا مروی ہے؟ جب نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایراد بالکل بے بنیاد ہے؟

دوسرا اعتراض:

اگر صرف چار حضرات کو ساتھ لے جائیں تو انفسنا اور ابنا ئنا کا مضمون تو پورا ہوسکتا ہے لیکن نسائنا کا نہیں۔۔۔ اس اعتراض میں دو زبردست غلطیاں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ ابھی اوپر پہلے اعتراض میں یہ کہا تھا کہ ''انفسنا'' سے مراد تمام اصحاب ہیں بنابریں اگر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے ساتھ صرف حضرت علیؑ کو لے جائیں تو پھر ''انفسنا'' کا مضمون پورا ہوا یا ادھورا رہا؟ اسے پورا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مصداق صرف یہی بزرگوار تھے۔ نہ دوسرے اصحاب!

دوسرے یہ کہ یہ کہنا کہ جناب سیدہؑ کو ہمراہ لے جانے سے ''نسائنا'' کا مضمون پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ اعتراض درحقیقت لفظ ''نساء'' کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جس کی ہمیں کم از کم آفتاب ہدایت کے مؤلف سے توقع نہ تھی کہ وہ اس حد تک علوم عربیہ سے کورے ہوں گے۔ مگر افسوس

ع خود غلط بود انچہ ماپنداشتیم

ان کے ذہن میں شاید یہ بات راسخ ہے کہ ''نساء'' کا مفہوم ہے ''زوجہ'' حالانکہ علوم عربیہ کی ابجد سے واقفیت رکھنے والے طلبہ بھی جانتے ہیں کہ لفظ نساء اور نسو ۃ لفظ امرأۃ کی جمع ہے۔ علی غیر اللفظ اور امرأۃ کی معنی ہیں عورت (مرد کے بالمقابل) ملاحظہ ہو

(المنجد ص 754) اس میں یہ کوئی تخصیص نہیں کہ وہ زوجہ ہو۔ یا والدہ ہو یا بیٹی اور ہر عورت میں ان تینوں صفات میں سے کوئی نہ کوئی صفت ضرور پائی جاتی ہے۔ (1) بیٹی (2) بیوی (3) ماں اور جناب سیدہؑ میں یہ تینوں صفات جمع تھیں۔ (1) آنحضرت ﷺ کی بیٹی (2) حضرت علیؑ کی بیوی اور (3) حسنینؑ کی ماں۔ تو ان کی شمولیت سے "نسائنا" کا مضمون کیوں پورا نہیں ہو سکتا؟

تیسرا اعتراض:

کفار کا مقابلہ تو رسول ﷺ اور سردارن فوج اصحاب کبار سے تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مباہلہ کیلئے صرف علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ نکلیں۔۔۔ حالانکہ فاطمہؑ، وحسنینؑ جدال کے قابل نہ تھے! اس قسم کے بودے اور رکیک اعتراض دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر نوکِ قلم پر آجاتا ہے۔

؎ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ☆ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جس طرح اعتراض کر کے مؤلف نے علم عربی سے اپنے کورا ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ یہ اعتراض ک کر کے انہوں نے علم تاریخ وتفسیر سے محض نابلد ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مباہلہ کی حقیقت کا بھی پتہ نہیں۔ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مباہلہ بھی دیگر اسلامی غزوات (جنگوں کی طرح شاید کوئی غزوہ تھا) اس لئے اس میں شمشیر بکف مجاہدوں اور صف شکن دلاروں کی ضرورت تھی حالانکہ یہ نصارائے نجران سے حضرت عیسیٰؑ کی بندگی یا خدائی کے بارے میں زبانی گفتگو کے ناکام ہوجانے کے بعد بطور مباہلہ (اللہ کی بارگاہ میں تضرع وزاری کر کے سچوں کا جھوٹوں پر لعنت کرنا) آخری فیصلہ تھا۔ جس میں کسی قسم کے جنگ وجدال یا قتل وقتال کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ صرف ضرورت اس بات کی تھی کہ مباہلہ کرنے والے صادق (سچے) ہوں وبس۔ سو آنحضرت ﷺ نے بحکم خدا اپنے علم وکردار سے فیصلہ کر دیا (کہ لوگ جسے چاہیں صادق وصدیق مانیں مگر خدا اور رسول کی نظر میں) اس وقت یہی بزرگوار صادق تھے۔ جن کو آنحضرت ﷺ اپنے ہمراہ لے گئے۔

چوتھا اعتراض:

چوتھا اعتراض اس روایت پر کیا ہے کہ "ابو حارثہ نے کہا کہ اگر حضرت محمد ﷺ اہلبیت کو لے کر آئیں تو مباہلہ نہ کرنا اور اگر اصحاب کو لائیں تو پروا نہ کرنا"۔۔۔ نصاریٰ کو اہلبیت سے اس قدر عقیدت کس وجہ سے تھی؟۔۔۔ حسنینؑ اور جناب سیدہؑ کو انہوں نے کیسے دیکھ لیا؟ اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ان کو اہلبیت نبوت سے یہ خوش اعتقادی اس لئے تھی کہ وہ (آپ جیسے) مسلمان نہیں تھے بلکہ نصرانی تھے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انکا یہ قول اس بات پر مبنی نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اہلبیت کون ہیں اور اصحاب کون؟ بلکہ اس امر کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ مباہلہ میں موت وحیات کا سوال تھا اور یہ فطرت انسانی ہے کہ انسان خطرہ کے مقام

میں اپنے خاندان کونہیں لے جاتا بلکہ ان کو بچاتا ہے۔ بنابریں نصاریٰ نے اس امر کو آنحضرت ﷺ کے صدق وکذب کا معیاد قرار دیا
کہ اگر تو ان کو اپنی صداقت پر یقین ہے تو پھر اپنے خاندان والوں کو ساتھ لائیں گے اور اگر یہ یقین نہیں تو پھر اصحاب کو لائیں گے۔
چنانچہ حالات نے صورت حال واضح کر دی۔ آنحضرت ﷺ اپنے سب سے زیادہ قریبی عزیزوں کے ساتھ میدان مباہلہ میں نکلے۔
اس لئے نصاریٰ نے مباہلہ منظور نہ کیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

دوسرے امر کا اثبات:

اب رہا دوسرے امر کا اثبات کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیرؑ کی خلافت بلافصل پر دلیل کیونکر ہے؟ تو مؤلف نے شیعہ استدلال کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا۔ یہ آیت وافی ہدایہ دو طرح حضرت امیرؑ اور حسنینؑ کی امامت پر نص صریح ہے (جناب سیدہ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں)

طریق اول:

باوجود یکہ آیت میں، انفس، ابناء اور نساء تمام جمع کے صیغے موجود تھے اور الفاظ میں بہت آدمیوں کو ہمراہ لے جانے کی گنجائش تھی مگر باتفاق فریقین آنحضرت ﷺ کا اسلام کی صداقت اجاگر کرنے کیلئے نفس کی جگہ صرف جناب امیرؑ نساء کی جگہ صرف جناب سیدہؑ اور ابناء کی جگہ صرف حسنینؑ کو ہمراہ لے جانا سارے مسلمانوں بلکہ سارے عالم پر ان بزرگواروں کی افضلیت کی واضح دلیل ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان سے افضل تو کجا اگر ان کے برابر بھی کوئی اور شخص موجود ہوتا اور آنحضرت ﷺ اسے نظر انداز کر دیتے تو بوجہ ترجیح مرجوح برراجح یا بوجہ ترجیح بلا مرجح آنحضرت ﷺ کی عصمت وعدالت پر حرف آتا۔ اسی لئے زمخشری نے تفسیر کشاف ج 1 ص 193 طبع مصر میں صاف صاف لکھ دیا ہے "**وفیه دلیل علی فضل اصحاب الکساء لا شئی اقوی منه**" اس واقعہ میں اصحاب کساء کی فضیلت کی اتنی بڑی دلیل ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی چیز ہو نہیں سکتی۔ بلکہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد مودة القربیٰ ہمدانی شافعی ص 28 طبع قدیم لاہور میں موجود ہے۔ فرمایا "**لو علم اللہ تعالیٰ فی الارض عباداً اکرم من علی علیہ السلام و فاطمه علیہا السلام و الحسن علیہ السلام و الحسین علیہ السلام لامرنی فی ان اباهل بهم ولکن امرنی بالمباهلة مع هولاء وهم افضل الخلق فغلبت بهم النصاریٰ**"۔ یعنی اگر خدائے تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ زمین میں کچھ لوگ علیؑ وفاطمہؑ اور حسنینؑ سے زیادہ مکرم ومحترم موجود ہیں تو وہ ضرورت مجھے یہ حکم دیتا کہ میں ان کو ہمراہ لے جا کر مباہلہ کروں لیکن اس (خدا) نے مجھے صرف انہی (چار حضرات) کو ہمراہ لے جا کر مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے یہ ساری مخلوق سے افضل ہیں اور انہی کی وجہ سے میں نے نصاریٰ پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اتنی بڑی فضیلت کو جس میں پورے عالم اسلام کی صداقت پوشیدہ ہے کوئی کوتاہ اندیش اور کور باطن یہ کہہ کر خفیف کرنے کی کوشش

کرے کہ ''صرف چالیس پچاس آدمیوں کی آبادی کے قبضہ میں آجانے سے شوکت اسلام میں کیا اضافہ ہوا۔'' تو اس سے اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ

؎ گر نہ بنیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمہ آفتاب را چہ گناہ ؟

بہرحال جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ حضرات افضل الخلق ہیں۔ تو اب عقل ونقل کا یہی فیصلہ ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے افضل ہوگا۔ وہی خلیفۃ النبی اور امام الناس ہوگا۔ کیونکہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو ہادی وراہنما ماننا عقل ونقل کے سراسر خلاف ہے!

طریق دوم:

جیسا کہ قبل ازیں چھٹے مسئلے کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت مباہلہ میں جناب امیرؑ کو نفس رسول ﷺ قرار دیا ہے (خود جناب امیرؑ نے بروز شوریٰ اپنی اس فضیلت کبریٰ پر افتخار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صواعق محرقہ ص 75 طبع مصر قدیم) یہ بات محتاج بیان نہیں کہ دو چشموں کا باہم ایسا اتحاد کہ انکی دوئیت ختم ہوجائے عقلاً محال ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ بجز مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کے (جو بالاتفاق آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص اور انہی پر ختم ہیں۔ جیسا کہ آیت خاتم النبیین اور حدیث منزلت یاعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ وغیرہ سے ثابت ہے) باقی سب فضائل وکمالات میں نفس رسولؐ رسولؐ کے مساوی اور ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت ﷺ کے منجملہ دیگر صفات وکمالات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی امت سے بلکہ تمام مخلوق خدا سے افضل اور

؏ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مصداق ہیں اور سب اہل ایمان کے مولیٰ اور ان کی جان و مال میں تصرف کرنے میں ان سے بھی اولیٰ ہیں (النبی اولی بالمومنین من انفسھم) تو جو بزرگوار بنص قرآن نفس رسولؐ ہوگا۔ وہ بھی تمام کائنات سے افضل اور رسولؐ اسلام کے بعد انہی کی طرح تمام اہل ایمان کا مولیٰ وآقا اور ان پر حاکم ہوگا۔ ولا نعنی بالخلافۃ الا ھذا المعنی۔ امامت کبریٰ اور خلافت عظمیٰ کے اس کے سوا اور کیا معنی ہیں؟ الحمدللہ کہ ان بیانات شافیہ اور دلائل کافیہ کی روشنی میں یہ دوسری تنقیح بھی شیعیان حیدر کرار کے حق میں ثابت ہوئی اور فیصلہ اہلسنت کے خلاف صادر ہوا۔۔ اور قطع نظر حضرت امیر المومنین حضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خلافت بلافصل کے دوسرے سیکڑوں دلائل وبراہین کے جن کے ذکر وشمار کیلئے کئی دفتر درکار ہیں۔

؏ سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کیلئے !

(اس موضوع جہاں اور ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ ہماری ایک کتاب بنام ''اثبات الامامت'' شائع ہو چکی ہے۔ جس میں

اس قسم کے عقلی و سمعی دلائل کی کافی مقدار موجود ہے) صرف انہی آیات و روایات کی روشنی میں جن پر مؤلف نے بزعم خود اعتراضات کئے تھے آپ کی خلافت بلافصل روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگئی ۔ مگر ان حقائق کو سمجھنے کیلئے دیدہ بینا، گوش شنوا اور عقل رسا اور سب سے بڑھ کر عدل و انصاف کی ضرورت ہے ۔

ع دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے ؟

لیکن اگر عقل پر تقلید کی مہر، آنکھوں پر تعصب کی پٹی اور کانوں پر عناد کی چھاپ لگ جائے تو پھر ایسے راہرو کبھی کعبہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے ۔ بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ ۔ کعبہ پہنچنے کی بجائے ترکستان وغیرہ دور دراز ممالک کی جادہ پیمائی کرتے رہتے ہیں اور لانسلم (نہ مانوں) کا علاج خدا کے پاس بھی نہیں ہے ۔ (بجاز جبر و اکراہ اور وہ جبر کرتا نہیں ۔ لا اکراہ فی الدین) سچی بات تو یہ ہے کہ

ے تہی داستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ☆ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

الغرض ع جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں !

تنقیح سوم :

کیا حضرت علیؑ خود طالب خلافت تھے؟ اس امر کا فیصلہ کرنے کیلئے کہ جناب امیرؑ وفات نبویؐ کے بعد خلافت حاصل کرنے کے شائق تھے اور اس کیلئے جدوجہد کی ۔۔۔ یا یہ صرف جناب امیرؑ پر اتہام ہے ۔ ہم جناب ممدوح کے چند اقوال نہج البلاغہ سے پیش کرتے ہیں جو جناب امیرؑ نے عباس اور ابوسفیان کے خطاب میں فرمایا: جب انہوں نے آپ کی بیعت کا ارادہ ظاہر کیا ۔

(1) نہج البلاغہ ص 47 و ص 27 طبع مصر ہے ۔۔ ایھا الناس ترجمہ: اے لوگو! فتنہ کی موجوں سے نجات کی کشتیوں میں بیٹھ کر طے کرو اور مسلمانوں میں منافرت پیدا کرنے کا طریق چھوڑ دو اور فخر و غرور کے تاج اتار دو ۔ کامیاب وہ ہے جو وہ قوت بازو پر کھڑا ہو یا اطاعت کر کے آسائش حاصل کرے ۔ یہ تلخ پانی ہے اور ایسا لقمہ کہ کھانے والے کا گلا پکڑتا ہے ۔ جو شخص میوہ کو تیار ہونے سے پہلے توڑتا ہے وہ ایسا ہے گویا دوسرے شخص کی زمین میں کھیتی کرے اس خطبہ میں جناب امیرؑ اپنے دعویٰ خلافت کو قبل از وقت تصور کرتے ہیں ۔

(2) نہج البلاغہ ص 216 میں ہے ''وانا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً''۔ میرا وزیر رہنا تمہارے لئے امیر ہونے سے بہتر ہے ۔ اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلافت و امارت کے ہرگز خواہاں نہ تھے ۔ خلفائے ثلاثہ کی وزارت کو اپنی امارت ۔۔ پر ترجیح دیتا ہوں ۔

(3) نہج البلاغہ ص 519 وص 347 طبع مصر میں ہے۔۔(ترجمہ)''خدا کی قسم مجھے خلافت کی خواہش نہ تھی۔ البتہ تم نے مجھے خلافت کی طرف بلایا اور اس پر مجھے برانگیختہ کیا''۔اس کلام سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں بھی خلافت اپنی خواہش سے قبول نہیں کی۔ بلکہ۔۔مجبوراً۔۔۔منصب خلافت اختیار کرنا پڑا۔ پھر جب اس قدر تحقیق سے۔۔ثابت ہو گیا کہ آپ خلافت بلافصل تو کیا بلکہ اپنے وقت کی خلافت کے بھی چنداں خواہاں نہ تھے بلکہ قوم نے۔۔۔مجبور کر دیا تھا تو یہ امر کہ آپ خلافت بلافصل حاصل کرنے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ اس کے چھن جانے پر عوام کی طرح اپنی بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر مہاجرین و انصار کے در بدر پھرتے رہے بالکل روافض کی گھڑت ہے اور تنقیح سیوم بھی ہمارے حق میں خلاف شیعہ ثابت ہے۔(آفتاب ص 219)

الجواب:

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا سرکار رسالتمآب ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہمیشہ ہر سہ دور خلافت میں اپنی خلافت حقہ کا دعویٰ کرنا مسند اقتدار پر متمکن ہونے والوں کو غاصب و جائر اور ان کی خلافت کو غاصبانہ و ظالمانہ سمجھنا ایسے نا قابل انکار حقائق ہیں کہ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والا با انصاف آدمی کبھی ان کے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا۔لیکن چونکہ ہمارے مؤلف نے حقائق ثابتہ کے انکار کا تہیہ کر رکھا ہے۔اس لئے ان کی ضیافت طبع کیلئے ہم بڑے اختصار کے ساتھ پہلے آنجناب کا خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کو غاصبانہ سمجھنے کا تعلق ہے۔ہم اس پر قبل ازیں ''اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف'' کے جواب میں تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ مزید ثبوت ملاحظہ ہو۔

حضرت امیرؑ خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کو غاصبانہ سمجھتے تھے:

جناب امیرؑ فرماتے ہیں:''اما و اللہ لقد تقمصها ابن ابی قحافة و انه لیعلم ان محلی منها محل القطب من الرحیٰ فصبرت و فی العین قذیٰ و فی الخلق شجی اری تراثی نهباً''۔لوگو خدا کی قسم! ابوقحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا۔حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں (کمالات علمی و عملی کے لحاظ سے) خلافت کیلئے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کیلئے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے۔میں نے صبر کیا۔حالانکہ آنکھ خاشاک و غبار سے اور حلقوم و گلو استخوان (اندوہ) سے سخت تکلیف میں تھا۔میں اپنی میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا۔نہج البلاغہ ترجمہ رئیس احمد ندوی ج 1 ص 136 و طبع مصر ص 25،26 فرق صرف اس قدر ہے کہ مصری چھاپے میں ابن ابی قحافہ کی جگہ لفظ ''فلان'' مذکور ہے لیکن حاشیہ پر مفتی محمد عبدہ مصری نے اس کی تشریح ابوبکر بن ابی قحافہ سے کر دی ہے۔(2) فرماتے ہیں''فو اللہ ما زلت مدفوعاً عن حقی مستاثراً علی منذ قبض اللہ نبیه صلی اللہ علیه و آله حتی یوم الناس

ھذا‘‘۔خدا کی قسم۔جب سے رسول اکرمؐ نے اس دنیا سے پردہ کیا ہے۔میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جا تا رہا ہوں۔مجھ پر دوسروں کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔یہاں تک کہ آج (جمل کا) دن آگیا ہے اور لوگ آمادہ پیکار نظر آرہے ہیں۔(نہج البلاغہ ترجمہ ندوی ص،147 طبع مصر ج1 ص37)

(3) فرماتے ہیں’’فلما مضی علیه السلام تنازع المسلمون الامر من بعده فوا الله ما کان یلقی فی روعی ولا یخطر ببالی ان العرب تزعج هذا الامر من بعده صلی الله علیه وآله وسلم من اهلبیته ولا انهم منحوه عنی‘‘۔پھر جب رسولؐ گزر گئے۔تو مسلمانوں میں حکومت پر اختلاف ہوا۔بخدا میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ عرب رسولؐ کے بعد اس معاملے کو اہل بیت سے دور کر دیں گے بلکہ مجھے یقین تھا کہ معاملہ میرے ہاتھ ہی رکھیں گے(نہج البلاغہ ج2 ص 826 ترجمہ عبد الرزاق ملیح آبادی طبع لاہور وطبع مصر ج3 ص130)

(4) ابوبکر صاحب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں

فان کنت بالشوریٰ ملکت امور هم ☆ فکیف بهذا والمشیرون غیب

اگر تم نے مشورے کے ذریعے ان (مسلمانوں) کے معاملات پر قبضہ کیا تو غلط تھا کیونکہ مشورہ دینے والے (ہم آل نبیؐ) تو موجود نہ تھے۔

وان کنت بالقربیٰ حججت خصیمهم ☆ فغیرک اولیٰ بالنبی و اقرب

اور اگر رشتے کی دلیل سے حریف کو چپ کیا۔تو تمہارا غیر (علیؑ) تو نبیؐ سے زیادہ قریب اور تم سے بہتر ہے(نہج البلاغہ ندوی ج3 ص904 طبع لاہور وطبع مصر ج3 ص195،196)

وفات نبویؐ کے بعد عہد ثلاثہ میں حضرت علیؑ کا دعویٰ خلافت:

(5) کتاب الامامۃ والسیاسۃ تالیف الامام الفقیھہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدنیوری التوفی 270ھ مطبوعہ مصر ص 11،12 پر لکھا ہے کہ جب جناب امیرؑ کو دربار خلافتِ اولیٰ میں لایا گیا اور ان سے بیعت کرنے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا:’’انا احق بهذا الامر منکم لا ابایعکم و انتم اولی بالبیعة لی اخذتم هذا الامر من الانصار و امتبجتم علیهم بالقرابة من النبی صلی الله علیه وسلم و تا خذو نه منا اهل البیت غصبا۔۔(الی ان قال) الله الله یا معشر المهاجرین۔۔۔نحن احق الناس به لانا اهل البیت و نحن احق بهذا الامر منکم‘‘۔امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۔میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔بلکہ تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے تم نے قرابت رسولؐ کا استدلال کر کے انصار سے خلافت کو لیا اور اب ہم اہلبیت سے بھی اسے غصب کرنا چاہتے ہو؟ اے گروہ مہاجرین! خدا کی قسم ہم تمام لوگوں سے زیادہ آنحضرتؐ کے حقدار ہیں۔کیونکہ ہم ان کے اہلبیتؑ ہیں۔۔اور اس

امر خلافت کے تم سے زیادہ سزاوار ہیں۔(بالآخر بیعت کئے بغیر واپس گھر تشریف لے گئے)

(6) روضۃ الاحباب ج2 ص 33 طبع تیغ بہادر انوار محمدی لکھنو و روضۃ الصفاج 2 طبع بمبئی پر لکھا ہے کہ:

''ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ از وجوہ مہاجر واعان انصار مجمع ساختہ فرستاد و علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ را با آن مجلس طلبیہ وی اجابت فرمودہ دران مجمع حاضر شد و در محلی لائق خود بنشست واز موجب طلب خویش پر سید عمر فاروق گفت موجب آن ست کہ می خواہم کہ چنانچہ سایر اصحاب با ابو بکر رضی اللہ عنہ بیعت کردہ اند تو ہم بیعت کنی علی گفت من ہمان سخن کہ شما بر انسار حجت ساختہ اید این منصب را گرفتید بر شما حجت می گردانم راست گوئید کہ بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کہ اقرب بود کیست عمر گفت تر انہ گزاریم تا بیعت نہ کنی علی فرمود اول این سخن مرا جواب باصواب بگوئید بعد ازان از من بیعت جوئید''

یعنی ابو بکر نے مہاجرین وانصار کا مجمع بنایا اور مجمع میں حضرت علیؑ کو طلب کیا چنانچہ آپ اس مجمع میں تشریف لائے اور بلانے کا سبب دریافت کیا تو عمر نے کہا کہ آپ کو بلانے کا سبب یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح دوسرے اصحاب نے ابو بکر کی بیعت کی ہے آپ بھی کر لیں۔حضرت علی نے فرمایا خلافت کے سلسلہ میں جو دلیل تم نے اپنے حق میں انصار کے سامنے پیش کی ہے۔ وہی دلیل میں تمہارے سامنے اپنے متعلق پیش کرتا ہوں۔سچ بات کہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ قریبی کون ہے ؟ تو عمر نے کہا جب تک بیعت نہیں کرو گے۔ہم آپکو نہیں چھوڑیں گے تب حضرت علیؑ نے فرمایا کہ پہلے میری ان باتوں کا صحیح جواب دیں بعد ازاں مجھ سے بیعت کا مطالبہ کریں۔(بالآخر معاملہ طول پکڑ گیا اور آنجناب بیعت کئے بغیر واپس دولت سرا تشریف لے گئے روضۃ الاحباب ج2 ص 33 طبع تیغ بہادر لکھنو۔)

(7) تاریخ طبری ج3 ص 202 طبع مصر میں لکھا ہے کہ جناب امیرؑ نے ابو بکر کو خطاب کر کے فرمایا۔''کنا نری ان لنا حقافی ھذا الامر فاستبددتم بہ علینا ثم ذکر قرابتہ من رسول اللہ و حقہ فلم یزل علی یقول ذلک حتی بکی ابو بکر''۔ہم اس امر (خلافت) کو اپنا حق سمجھتے تھے مگر تم نے از راہ ظلم و جور اسے ہم سے چھین لیا۔پھر آنجناب نے رسول خدا ﷺ سے اپنی قرابت داری اور اپنے حقوق کچھ اس انداز سے بیان فرمائے کہ ابو بکر رو پڑے۔

(8) بخاری ج3 ص 35 مسلم ج2 ص 91 پر مذکورہ بالا مکالمہ بایں الفاظ درج ہے:''ولکنک استبددت علینا بالامر و کنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ''(مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)ان حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ حضرت علیؑ نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس کی کبھی خواہش کی۔کھلم کھلا جھوٹ اور جناب امیرؑ پر افترا اور بہتان ہے۔اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ۔(سورہ النحل آیت 105)

اتمام حجت کی آخری سبیل:

باقی رہا حضرت امیرؑ کا اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ کے کر رات کے وقت مہاجرین و انصار کے دروازوں پر تشریف لے جانا جسے مؤلف نے اپنی جہالت یا تجاہل سے "روافض کی گھڑت" قرار دیا ہے۔ یہ واقعہ اہلسنت والجماعۃ کی کتب معتمدہ میں بھی مذکور ہے۔۔ملاحظہ ہو۔۔۔الامامۃ والسیاسۃ ص 12 طبع مصر قدیم "وخرج علی کرم اللہ وجھہ لجمل فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی دابۃ لیلاً فی مجالس الانصار تسئلھم النصرۃ فکانوا یقولون یا بنت رسول اللہ قد مضت بیعتنا لھذا الرجل ولو ان زوجک و ابن عمک وسبق الینا قبل ابی بکر ما عدلنا بہ فیقول علی کرم اللہ وجھہ افکنت ادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ لم ادفنہ و اخرج انازع الناس سلطانہ؟ فقالت فاطمۃ ما صنع ابو الحسن الا ما کان ینبغی لہ ولقد صنعوا ما اللہ حسبھم و طالبھم انتھی کلامہ" خلاصہ مطلب یہ کہ حضرت علیؑ رات کے وقت جناب سیدہ دختر رسول ﷺ کو سوار کر کے انصار کے پاس لے جاتے۔ بی بی عالم ان سے نصرت طلب کرتیں اور لوگ معذرت کرتے ہوئے کہتے۔ اب ہم اس شخص (ابوبکر) کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے شوہر پہلے آجاتے تو ہم ضرور انہی کی بیعت کرتے جناب امیرؑ فرماتے۔ کیا میں رسول ﷺ کو دفن کفن کے بغیر چھوڑ کر خلافت کا جھگڑا لے بیٹھتا۔ جناب سیدہؑ فرماتیں۔ ابوالحسنؑ (حضرت علیؑ) نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیئے تھا اور جو کچھ ان لوگوں نے کیا خدا ان سے اسکا محاسبہ کرے گا۔ چونکہ حصول حق کی خاطر آنجناب کی اس جدوجہد کو اس دور کے بعض کوتاہ اندیشیوں نے حرص سے تعبیر کیا تھا اور آج بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ اس لئے خود جناب امیرؑ کے کلام سے طلب خلافت کا مقصد بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں: اللھم انک تعلم انہ لم یکن الذی کان منا منافسۃ فی سلطان ولا التماس شئی من فضول الحطام و لکن لنرد المعالم من دینک و نظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک و تقام المعطلۃ من حدودہ (نہج البلاغۃ ج 2 ص 19 طبع مصر) بارالہا! تو بہتر جانتا ہے کہ ہم سے جو کچھ ظاہر ہوا (مطالبہ خلافت) وہ سلطنت کے حصول یا مال دنیا کی طلب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (ان کی) جگہ پر لگائیں اور شہروں میں امن پیدا کریں۔ تاکہ تیرے مظلوم بندے امن میں ہو جائیں اور تیرے معطل شدہ احکام و حدود کو جاری کیا جاسکے۔

مؤلف کے پیش کردہ کلام جناب امیرؑ کا جواب:

اب آیئے حضرت امیرؑ کے اس کلام معجز نظام کا جائزہ لیں جسے مؤلف نے اپنے مقصد باطل کی تائید میں پیش کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ جب یہ بات نا قابل انکار حقائق کی روشنی میں واضح ہو چکی ہے کہ حضرت امیرؑ خلافت نبویؐ کو بلا شرکت غیرے اپنا حق

سمجھتے تھے اور ثلاثہ کی خلافت کو غاصبانہ وجائرانہ جانتے تھے اور جہاں تک آئینی طور پر اپنی اس رائے کے اظہار کا تعلق تھا وہ بھی آپ نے کئی بار ظاہر فرمادی تھی۔ مگر جناب امیرؑ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعی بہبود کے پیش نظر اس قسم کی شورش اور ہنگامہ آرائی پسند نہیں فرماتے تھے جس سے خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جائے۔ (جیسا کہ کئی بار قبل ازیں) آنجناب کے بزور شمشیر اپنا حق نہ لینے پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔۔ لہٰذا جب ابوسفیان نے (جس کا کردار فتح مکہ سے پہلے کھلم کھلا اور بعد ازیں اسلامی لبادہ اوڑھ لینے کے بعد مخفی طور پر شجرا اسلام کی بیخ کنی کرنے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے متعلق جیسا کچھ تھا وہ اسلامی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے) حضرات پر مخفی نہیں ہے۔ وفات نبویؐ کے بعد جب خلافت کا تنازعہ کھڑا ہوا۔۔ اور عامۃ الناس نے حقیقی وارثان رسولؐ سے اغراض کر کے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے بڑے لطائف الحیل کے ساتھ جناب عباس کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا اور جناب امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی یہ کہا وہ مدینہ کے گلی کوچوں کو سواروں سے بھر دیں گے۔ مگر جناب امیرؑ چونکہ اس کی شاطرانہ چالوں سے کماحقہ واقف تھے اور علی وجہ الیقین جانتے تھے کہ اس کا مقصد سوائے شورش وشرارت اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے اس کی پیشکش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ یہ واقعات تمام اسلامی تاریخوں میں تفصیل سے مذکور ہیں (ملاحظہ ہو طبری۔ کامل۔ حاشیہ نہج البلاغہ مترجم ندوی ج 1 ص 146 وغیرہ)

دوسرے اور تیسرے نمبر پر جو کلام پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس نہج البلاغہ کا جو سہ جلدی مطبوعہ نسخہ موجود ہے (مع شرح محمد عبدہٗ وحید الدین) اس میں اگرچہ یہ عبارتیں محولہ بالا صفحات پر بلکہ عجالۃً ادھر اُدھر سے تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہو سکیں۔ مگر ہم تسلیم کئے لیتے ہیں۔ کلام نمبر 2 سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ یہ قتل عثمان کے بعد لوگوں کے اصرار بیعت پر آنجناب نے فرمایا ہے اور یہ ان کی لوگوں سے ناراضی کا غماز ہے۔ آنجناب یہ فرمارہے ہیں کہ میں نے تینوں خلافتوں کے دور میں اپنے حق کا اظہار کیا۔ مگر تم نے میری بات نہ سنی۔ اب جبکہ قریباً 25 برس کا طویل عرصہ گذر چکا حالات بدل چکے۔ اگر میں امیر بن کر تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلاؤں گا تو تمہیں شاق گذرے گا۔ میں اقتدار سے محروم رہ کر کلمہ حق کہتا رہوں اور بقدر استطاعت اصلاح امت کیلئے کام کرتا رہوں تو یہ تمہارے لئے بہتر رہے گا (اس میں ابوبکر یا عمر وغیرہ کی وزارت کا کوئی تذکرہ نہیں) یہ اس لئے بھی فرمایا کہ جناب کو باعلام ایزدی ان لوگوں کے نقض بیعت کا علم تھا تا کہ ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کیا۔ اور بیعت ہوگئی۔ چنانچہ جب ان ہی لوگوں میں سے بعض نے آنجناب کی مخالفت شروع کی اور بعض نے بیعت کر کے توڑ دی تو اس وقت آنجناب نے یہ کلام فرمایا۔ بخدا مجھے (چوتھے مرتبہ پر) اس خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی۔ ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون الحمد للہ۔ ان واقعات صحیحہ کی روشنی میں اس تنقیح سوم کا بھی بحق شیعہ خیر البریہ اور اہلسنت کے مخالف ہونا کالشمس فی رابعۃ النہار واضح وآشکار ہوگیا۔ اب صرف تنقیح چہارم باقی ہے سو ہم ثابت کریں گے کہ وہ بھی بحق شیعہ ہی ثابت ہے۔ انشاء اللہ۔ اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا

تنقیح چہارم:

رہا یہ امر کہ آنجناب نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی یا نہ؟ سو یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں ہر سہ خلفاء کی بیعت کر لی۔ ہاں اہلسنت کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ نے ان کو خلفاء حق سمجھ کر بطیب خاطر بیعت قبول کی اور شیعہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بیعت بطیب خاطر نہیں بلکہ بالجبر کی چنانچہ شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے کہ ابوبکر کی بیعت سے آپ پہلوتہی کرتے تھے۔لیکن ان کو گردن میں رسی ڈال کر دربار صدیق میں لایا گیا اور اس لئے آپ کو جبراً وقہراً بیعت کرنی پڑی سو کوئی مسلمان جس کے دل میں جناب امیر کرم اللہ وجہ کی نسبت ذرہ بھی عقیدت ہے ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا کہ جناب شجاعت مآب پر کوئی چیرہ دستی کر کے اس سے بزور بیعت منوا تا شیعہ کہتے ہیں کہ آپ پر زبردستی کی گئی ۔۔۔کیونکہ آپ کو صبر کرنے کا حکم تھا۔لیکن کوئی عقلمند۔۔۔اس رکیک عذر کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ایک شخص کا حق زبردستی چھین لیا جائے۔اس کی۔۔۔بیوی۔۔۔کو کوڑوں سے پیٹا جائے۔۔۔اسقاط حمل کیا جائے اور وہ شخص صبر کرتا رہے۔ایسے شخص کو حلیم و بردبار نہیں بلکہ۔۔۔پرلے درجے کا بزدل اور بے غیرت کہا جاتا ہے۔حاشا وکلا کوئی مسلمان ایسے دور از عقل ڈھکو سلوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

بیعت کے متعلق شیعہ کے دو مختلف قول:

شیعہ کا قول تو یہ ہے کہ بذلت و رسوائی باندھ کر کھینچ گھسیٹ کر لے گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ابوبکر کے ہاتھ میں دیا گیا اور اس طرح رسم بیعت بزور ادا ہوئی۔ جیسا کہ جلاء العیون اردو ج 1 ص 154 میں۔۔لکھا ہے (بعد ازاں مذکورہ بالا مضمون کی روایت درج کر کے اس پر حاشیہ آرائی فرمائی ہے) بہرحال اس روایت میں واقعہ بیعت کو جناب امیرؑ کے بے بسی و مجبوری کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔۔۔لیکن شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ایک مصلحت سے ابوبکر کی بیعت بخوشی قبول کر لی۔ چنانچہ فروع کافی ج 3 ص 139 کتاب الروضۃ میں یوں درج ہے۔۔۔ترجمہ ندارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا: لوگوں نے جب یہ بات کی کہ بیعت ابوبکر کر لی تو امیر کیلئے اور کوئی امر اس سے مانع نہ تھا کہ اپنی بیعت کی طرف لوگوں کو بلائے سوائے اس کے کہ آپ کو خوف ہو گیا تھا کہ اگر بیعت ابوبکر سے ہٹا کر اپنی بیعت کی طرف بلائیں تو لوگ اسلام ہی سے پھر جائیں اور رسالت محمد ﷺ سے منکر ہو جائیں اور آپ اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ ان کو اس (بیعت ابوبکر) پر ٹھہرا رہنے دیں۔ اس سے کہ وہ سرے سے اسلام ہی چھوڑ بیٹھیں اور

بہر حال وہ لوگ ہلاک ہو گئے جو بیعت ابوبکر پر متفق ہو گئے۔ وہ کافر نہیں ہوئے نہ اسلام سے خارج ہوئے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے استحقاق کو چھپا رکھا اور مجبور ہو کر بیعت کر لی۔ جبکہ اپنے مددگار نہ دیکھے (اسی مقام پر متن کے لفظ 'بخوشی قبول کر لی' پر حاشیہ میں شرح نہج البلاغہ مصنفہ سلطان محمود طبرسی ج 2 سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''روایت ہے کہ پہلے لوگوں کی توجہ امیر کی طرف تھی جب جناب سیدہ فوت ہوئیں تو لوگوں کی توجہ کم ہو گئی۔ تو آپ اپنے گھر سے نکلے۔ اور بیعت ابوبکر کر لی'') اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے دیکھا کہ صحابہ کلھم بیعت ابوبکر پر متفق ہو گئے اور آپ کا ساتھ بالکل چھوڑ دیا گیا اور حالت ایسی نازک ہو گئی کہ۔۔۔ آپ اپنی بیعت منانا چاہیں تو لوگ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں تو آپ نے اپنے استحقاق کو اپنے سینہ ہی میں مخفی رہنے دیا۔ اور مصلحتاً خود بھی بیعت کر لی۔۔ نہ کوئی ناگوار قصہ پیش آیا۔ ایسے متعارض اقوال کے ہوتے ہوئے شیعہ اپنے دعویٰ میں کامیاب نہیں رہتے اور بلاشبہ تنقیح بحق اہلسنت۔۔۔ خلاف اہل تشیع ثابت ہو جاتی ہے۔

فیصلہ:

جب ہر چہار تنقیح بحق اہلسنت۔۔۔ خلاف شیعہ قرآن وحدیث واحادیث آئمہ اہلبیت واقوال جناب امیرؑ سے ثابت ہو گئے تو دعویٰ شیعہ باطل قرار دیا جا کر ڈگری بحق اہلسنت خلاف شیعہ صادر کی جاتی ہے کہ امامت وخلافت ایک ہی چیز ہے اور حضرت امیرؑ کی خلافت بلا فصل پر کوئی نص قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے اور انتخاب خلاف شوریٰ مہاجرین وانصار و اتفاق اہل حل وعقد سے عین منشاء ایزدی سے۔۔ ہوتا رہا۔ جناب امیرؑ ہرگز طالب خلافت نہین تھے اور انہوں نے برضا و رغبت ہر سہ خلفاء کی بیعت کی۔۔۔ شیعہ کا یہ سب شور وشغب ان کی لاعلمی اور جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے ۔۔ اب خلافت کی بحث ختم ہو چکی اور دلائل سے ہم نے اپنے مدعا کو ثابت کر دیا جس کا جواب شیعہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ (آفتاب ص 222)

الجواب:

مؤلف نے اس تنقیح میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بچند وجہ غلط ہے۔

اولاً: ان کا یہ کہنا کہ مسلمہ فریقین ہے کہ آپ (حضرت علیؑ) نے ہر سہ خلفاء کی بیعت کی۔ یہ بات بالکل خلاف واقع ہے۔ جبکہ بہت سے شیعہ علماء محققین مثل حضرت شیخ مفیدؒ وجناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰؒ وغیرہم اس بیعت کے قائل ہی نہیں۔ نہ جبراً اور نہ اختیاراً۔

ثانیاً: ان کا یہ کہنا کہ اہلسنت کا اعتقاد یہ ہے کہ آپ نے ان ثلاثہ کو خلفاء حق سمجھ کر برضا و رغبت بیعت کی اور شیعہ کہتے ہیں کہ بالجبر کی۔۔۔ یہ بھی حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ ہم عنقریب واضح کریں گے (اگرچہ تیسری تنقیح کے جواب میں بھی ایسا مواد موجود ہے) کہ خود اہلسنت کی کتب معتبرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ بیعت ہوئی تو بڑے جبر و تشدد اور خرابی بسیار کے بعد واقع ہوئی۔

ثالثاً: مؤلف نے ص 219 پر تو یہ تسلیم کیا ہے کہ ''شیعہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بیعت بطیب خاطر نہیں بلکہ بالجبر کی چنانچہ شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے۔'' لیکن ص 221 پر لکھا ہے۔

لیکن شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ایک مصلحت سے حضرت ابوبکر کی بیعت بخوشی کرلی۔ اب ان دونوں متضاد دعووں میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد بہر حال پھر بھی غنیمت ہے کہ

ع ساتھ انکار کے پردہ میں کچھ اقرار بھی ہے!

رابعاً: مؤلف نے ص 221 دعویٰ یہ کیا ہے کہ شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے۔ ''بیعت بخوشی قبول کرلی'' اور ثبوت میں روضہ کافی سے جو مرسل و مقطوع روایت پیش کی ہے (جو بجائے خود نا قابل اعتماد ہے) اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ''بایع مکرھا حیث لم یجد اعوانا'' جس کا ترجمہ خود مؤلف نے یہ کیا ہے ''اور مجبور ہو کر بیعت کرلی جبکہ اپنے مددگار نہ دیکھے''۔ اگر بخوشی بیعت کرنے کا یہی مفہوم ہے کہ ''مددگار نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً بیعت کرلی''؟ تو پھر جبر و اکراہ کا مطلب کیا ہے؟ کیا دعویٰ و دلیل میں مطابقت اسی چیز کا نام ہے؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ؟

خامساً: مؤلف نے عنوان بیعت کے متعلق شیعہ کے دو مختلف قول۔ کے تحت جو کچھ کہا (ایک فریق بیعت بالجبر اور بالرضا کا قائل ہے۔) وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دراصل وہ دو قول یہ ہیں (1) پہلا یہ کہ بیعت ہرگز واقع ہی نہیں ہوئی نہ بالجبر اور نہ بالرضا (2) دوسرا یہ کہ واقع تو ہوئی۔ مگر جبر و اکراہ کے ساتھ (جیسا کہ کتب اہلسنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کما سیظھرا)

سادساً: روضہ کافی والی حدیث میں وارد شدہ لفظ ''فکذالک کتم علی امرہ'' کے متعلق مؤلف نے جو یہ لکھا ہے کہ ''آپ نے اپنے استحقاق خلافت کو اپنے سینہ میں مخفی رہنے دیا''۔ درست نہیں ہے ہم تیسیری تنقیح کے جواب میں دلائل قطعیہ سے آنجناب کا اپنے استحقاق خلافت کا بار بار اظہار کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ ہاں البتہ انہوں نے اس سلسلہ میں زور آزمائی کرنے کو اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے خلاف سمجھا۔ لہذا یہاں بھی اس جملہ کا یہی مفہوم ہے کہ آنجنابؑ نے امت مسلمہ کے مرتد ہو جانے کے اندیشہ سے اپنا حق لینے کے سلسلہ میں ہنگامہ آرائی اور زور آزمائی نہیں فرمائی۔ بلکہ اس صدمہ کو برداشت کرگئے۔

پہلے گروہ یعنی منکرین بیعت کے دلائل کا ایک شمہ:

شیعہ علماء محققین کا وہ طبقہ جو سرے سے اس بات کا منکر ہے وہ اپنے اس نظریہ کی صحت پر بکثرت دلائل قاطعہ رکھتا ہے۔ جن

سب کا یہاں ذکر موجب طوالت ہے۔ مختصر یہ کہ لفظ ''بیعت'' باب مفاعلہ (بایع یبایع مبایعتہ) کے مصدر (مبایعت) (جس کے معنی ہیں باہمی خرید وفروخت) سے حاصل مصدر ہے۔ جس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنیوالا اپنا دین وایمان اور اپنے امور دنیا و دین اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جس کی بیعت کرتا ہے اور اس کے عوض اس سے جنت لیتا ہے۔ لیکن جو بزرگوار بمطابق فرمان رسول ﷺ خود قسیم الجنتہ والنار ہو (کنز العمال ج 6ص 402صواعق محرقہ با 5ص 75فصل 2ریاض نضرہ ج 2ص 172، 177ص 203وغیرہ) اور جو خلافت کو بلا شرکت غیرے اپنا حق سمجھتا ہو (تیسری تنقیح کا جواب ملاحظہ کریں) جو رسولؐ کے بعد ساری کائنات سے افضل ہو (ساتویں دلیل اور اس کا جواب بذیل آیت مباہلہ ملاحظہ ہو) اور جو ابوبکر وعمر کو گنہگار، خیانتکار، دروغ گو اور غدار سمجھتا ہو (صحیح مسلم ج 2ص 90مع شرح نووی تفصیل ''اصحاب ثلاثہ'' کی مشترکہ تعریف کے جواب میں ملاحظہ ہو) اس کے متعلق ایک لحہ کیلئے بھی کوئی صحیح الدماغ آدمی یہ تصور نہیں کرسکتا۔ کہ وہ کسی کی بھی اور بالخصوص ابوبکر وعمر جیسے اشخاص کی بیعت کرے؟؟ حاشا وکلا

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

دوسرے طبقہ یعنی جبری بیعت کے قائلین کے مختصر دلائل:

جو طبقہ اس کا قائل ہے کہ بیعت واقع ہوئی تو وہ بھی یہ کہتا ہے کہ بڑے جبر و اکراہ کے بعد عمل میں آئی۔ یہ تو مؤلف نے تسلیم کر ہی لیا ہے کہ ''شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے (آفتاب ص 219)'' اس لئے اس سلسلہ میں شیعہ کتابوں سے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں (جو ویسے بھی اصول مناظرہ کے خلاف ہے) ہاں بموجب

ے خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

ہم اہلسنت والجماعت کی کتب معتبرہ سے اس بیعت کا بالجبر والاکراہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی مشہور عالم کتاب الامامتہ والسیاستہ ص 11 طبع مصر میں عنوان ''ابائۃ علی کرم اللہ وجھہ بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ'' (یعنی علی کرم اللہ وجہہ کا بیعت ابی بکر سے انکار) کے تحت بڑی تفصیل سے اس امر کو بیان کیا ہے اور پھر ص 12 پر بذیل عنوان ''کیف کانت بیعۃ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ'' یوں رقمطراز ہیں ''ان ابا بکر رضی اللہ عنہ تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجھۃ فبعث الیھم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب و قال والذی نفس عمر بیادہ لتخرجن او لاحرقنھا علی من فیھا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیھا فاطمۃ؟ فقال وان۔'' یعنی ابوبکر نے ایک جماعت کو نہ پایا۔ جو ان کی بیعت سے گریز کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے ہاں قیام پذیر تھے چنانچہ انہوں نے عمر کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر ان کو آواز دی۔ مگر انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور (دھمکیاں دیتے ہوئے) کہا اس خدا کی قسم جس کے

قبضہ میں عمر کی جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ گھر والوں سمیت گھر کو جلادوں گا۔ ان سے کہا گیا اے حفصہ کے باپ! اس گھر میں تو فاطمہؑ بھی ہیں؟ کہا۔ اگر چہ وہ بھی ہوں۔ تو اس کے بعد لکھا ہے اس دھمکی کے بعد سوائے جناب امیرؑ کے دوسرے لوگ تو باہر نکل آئے اور جا کر بیعت کر لی۔ مگر ہنوز حضرت علیؑ گھر ہی میں تھے ان کے متعلق ص 13 پر لکھا ہے "وبقی عمر و معہ قوم فاخرجوا علیا فمضوا بہ الیٰ ابی بکر فقالوا لہ بایع فقال ان انا لم افعل متہ؟ قالوا اذا واللہ الذی لا الہ الا ھو نضرب عنقک" "یعنی عمر اور اس کے ساتھ ایک جماعت (دروازہ فاطمیہ پر) باقی رہ گئی۔ چنانچہ وہ حضرت علیؑ کو گھر سے نکال کر ابوبکر کے پاس لے گئے وہاں ان سے کہا گیا کہ بیعت کرو! آپؑ نے فرمایا! اگر بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟ کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر بیعت نہیں کرو گے تو ہم آپ کی گردن اڑا دیں گے۔" اہل عقل و انصاف بتائیں کیا اسی چیز کا نام رضا و رغبت ہے؟ اور اگر یہی رضا و رغبت ہے تو پھر جبر و اکراہ کس جانور کا نام ہے؟

(2) الامامۃ والسیاسۃ میں اگر چہ ہر قسم کے جبر و تشدد کا تذکرہ تو موجود ہے مگر اسمیں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ حضرت امیرؑ کو کس حالت میں گھر سے نکال کر دربار میں لے جایا گیا؟ اس کی تفصیل شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید معتزلی (سنی) ج 2 ص 18 طبع مصر میں مذکور ہے لکھا ہے "وتخلف علی عن بیعۃ ابی بکر فاخرج ملبباً بمضی بہ رکضا" "یعنی حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا۔ تو ان کو گریبان سے پکڑ کر (یا گردن میں کوئی چیز ڈال کر) اور کھینچ کر رواں دواں لایا گیا۔"

(3) تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کیلئے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیرؑ کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس دور میں اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ نے اپنے بعض خطوط میں جناب امیرؑ کو طعنہ دیتے ہوئے لکھا۔ "تقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتیٰ تبایع" "تمہیں دربار خلافت میں یوں پکڑ جکڑ کر لایا جاتا تھا جس طرح (مست) اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھنچا جاتا ہے تب آپ بیعت کرتے تھے! (العقد الفرید ج 2 ص 234 طبع مصر) جناب امیرؑ نے اس طنز آمیز خط کو جو حکیمانہ جواب باالصواب دیا ہے وہ علاوہ العقد الفرید ج 3 ص 34 کے خود نہج البلاغۃ (ج 3 ص 38 طبع مصر) پر بھی مذکور ہے آپؑ معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "وقلت: انی کنت اقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتیٰ ابایع العمر اللہ لقد اردت ان تذم فمدحت و ان تفضح فافتضحت و ما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوما" "اے معاویہ! تم نے لکھا ہے کہ مجھے بیعت کیلئے یوں کھینچ کر لایا جاتا تھا جس طرح نکیل پڑے اونٹ کو کھینچا جاتا ہے خدا کی قسم تو نے ارادہ تو یہ کیا تھا کہ (یہ طعنہ دے کر) میری مذمت کرے لیکن تو نے تو (لاشعوری طور پر میری) مدح کر دی اور چاہا تھا کہ مجھے رسوا کرے مگر خود رسوا ہو گیا۔ کیونکہ مسلمان کیلئے مظلوم ہونا عیب نہیں ہے (اور یہ تو نے تسلیم کر لیا ہے کہ میں خلفاء ثلاثہ کے دور میں مظلوم رہا ہوں) ہاں البتہ ظالم ہونا عیب ہے جس سے میرا دامن صاف ہے"۔

(4) اس کلام کے ضمن میں مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں: ''**طعن معاویة علی الامام بانه کان یجبر علی مبایعة السابقین من الخلفاء**'' یعنی معاویہ نے امام (حضرت علیؑ) کو یہ طعنہ دیا تھا کہ ان کو سابقہ خلفاء (ثلاثہ) کی بیعت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (حاشیہ نہج البلاغہ ج 3 ص 38 طبع مصر) ان حقائق کی روشنی میں آفتاب عالمتاب کی طرح روشن و منور ہو گیا کہ اگر بالفرض حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی بھی ہے تو وہ بہت ہی جبر و اکراہ اور ناخوشگوار واقعات کے بعد! ہے کہ ایسی بیعت بجائے اسکے کہ اصحاب ثلاثہ کیلئے باعث فضیلت ہو یہ تو الٹا ان کیلئے وزر و وبال کا باعث ہے اور ان کے ظلم و جور کو طشت از بام کرتی ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی خلافت کا بطلان ثابت ہوتا ہے بلکہ ان کے ایمان و اسلام کی ناؤ بھی عین منجدھار میں ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہے۔ **فهل من مدّ کر**؟ سنیو!

؎ نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

ازالہ شبہ:

اس مقام پر مؤلف نے دوستی کی آڑ میں جناب امیرؑ کے متعلق جو نازیبا کلمات استعمال کئے ہیں کہ ''ایسے مصائب کے وقت صبر کرنے والے مرد کو پرلے درجے کا بزدل اور بے غیرت کہا جاتا ہے'' اس سے ان کی ناصبیت کا پردہ بالکل چاک ہو گیا ہے ورنہ جس شخص کے دل میں حضرت امیرؑ کی ذات جامع کمالات کی نسبت ذرہ بھر بھی عقیدت و ارادت ہو وہ ہرگز ایسے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بہر حال مؤلف جو چاہیں کہیں اور لکھیں اور جناب امیرؑ کے پاس فوق العادہ صبر و ضبط پر جس انداز میں چاہیں تبصرہ کریں۔ ہم اس مبحث امامت کی دوسری تنقیح کی تیسری دلیل کے جواب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر کماحقہ روشنی ڈال چکے ہیں کہ ایسے جانگداز حالات میں جناب امیر خیبر گیر نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ اس مقام پر دیگر مصالح و حکم کے علاوہ یہ امر بھی کتب اہلسنت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ان کو جناب رسولخداؐ کی تاکیدی وصیت بھی تھی کہ وہ ان حوصلہ شکن مصائب پر صبر و شکیبائی سے کام لیں۔ اس لئے انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا۔ لہٰذا یہ بات ان کے کمالات ایمان اور کمال شجاعت کی بین دلیل ہے کہ باوجود ایسے صبر شکن حالات کے بھی وصیت نبوی کے پاس اور اسلام کے مفاد کی خاطر طاقت استعمال نہ کی اور شجاعت اسی کا نام ہے کہ جب قدم اٹھانا مناسب ہو۔ اس وقت پُر جگری کے ساتھ آگے قدم بڑھایا جائے۔ اگرچہ جان بھی چلی جائے۔ اور جب سکوت کی ضرورت ہو تو تحمل سے کام لیا جائے۔ اگرچہ انتہائی ناگوار واقعات کا بھی سامنا کرنا پڑے!!

وضاحت:

آفتاب ہدایت چونکہ باپ (مولوی کرم الدین صاحب) اور بیٹے (قاضی مظہر صاحب) بلکہ پوری جماعت خدام اہلسنت کی مشترکہ کدو کاوش کا نتیجہ ہے اس لئے بموجب ''آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند'' متعدد مقامات پر قاضی صاحب کے حواشی موجود ہیں

منجملہ ان کے ایک یہی مقام ہے چنانچہ کتاب کے ص 221 کے حاشیہ پر کسی مجہول الاسم اور مجہول المؤلف شرح نہج البلاغہ سلطان محمود کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جب جناب سیدہؑ فوت ہوئیں تو لوگوں کی توجہ حضرت علیؑ سے کم ہوگئی تو آپؑ اپنے گھر سے نکلے اور بیعت ابوبکر کرلی یہ بات بسہ وجہ اثبات مدعا سے قاصر ہے۔

اولاً: اس نام کی کوئی شرح شیعوں میں موجود نہیں ہے۔ یہ کوئی فرضی شرح ہے یا پھر لکھنے والا کوئی سنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے بھی نقل در نقل سے کام لیا ہے ورنہ صفحہ یا جلد یا مطبع کا حوالہ ضرور دیتے؟

ثانیاً: اس میں لفظ ''روی'' موجود ہے۔ جس کا ترجمہ ''روایت کی گئی ہے''۔ اب اس کا راوی کون ہے؟ قابل اعتبار ہے یا ناقابل اعتماد؟ سنی ہے یا شیعہ؟ کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اہل علم لفظ ''روی''، ''حکی''، ''نقل'' یا ''قیل'' کو ضعف و کمزوری کی علامت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر ناقابل استدلال ہے۔

ثالثاً: دلائل خارجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے راوی اہلسنت ہیں چنانچہ ان کی سب سے بڑی مستند کتاب صحیح بخاری ج 2 ص 601 طبع مجتبائی دہلی میں لکھا ہے ''و کان لعلی وجه حیات فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر و مبایعته ولم یکن لیبایع تلک الاشهر''، ''یعنی جب تک جناب فاطمہؑ زندہ تھیں تب تک (لوگوں کی نظروں میں) حضرت علیؑ کی کچھ وقعت تھی مگر جب جناب سیدہؑ وفات پاگئیں تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگ بالکل ان سے روگردان ہوگئے ہیں۔ اب ابوبکر سے مصالحت و مبایعت کرنا چاہی۔ لیکن ان مہینوں میں (جن میں جناب سیدہؑ زندہ تھیں یعنی بقول اہلسنت وفات نبویؐ کے چھ ماہ بعد تک) حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔'' اس سے بھی (بنا بر تسلیم) یہی ثابت ہوتا ہے کہ حالاتِ حاضرہ سے مجبور ہو کر آنجنابؑ نے ابوبکر کی بیعت کی جو دوسرے معنوں میں صرف ایک قسم کی مصالحت تھی! ورنہ بات بالکل روشن ہے کہ اگر حضرت علیؑ ابوبکر کو خلیفہ برحق اور بیعت کے قابل سمجھتے تھے تو پھر چھ ماہ تک توقف کرنے کا کیا مطلب تھا؟

کشف حقیقت:

نیز اس روایت کے آخری جملہ (ولم یکن لیبایع تلک الاشهر) نے ان لوگوں کے خیال کو بھی محال ثابت کردیا جو یہ انوکھا راگ الاپا کرتے ہیں کہ کہ چھ ماہ بعد والی بیعت ثانیہ (دوسری بیعت) تھی اور سابقہ واقعات نے اس بے سروپا قصہ کو باطل کردیا جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت علیؑ کو ابوبکر کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی۔ تو نہ سر پر عمامہ رکھا، نہ کاندھوں پر چادر اوڑھی بلکہ رواں دواں آئے اور آتے ہی بیعت کرلی۔ مبادا کپڑے پہننے میں دیر ہوجائے۔ سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم! ظاہر ہے کہ بنا بر اصول اہلسنت بوقت تعارض روایات بخاری کی روایت کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کمالا یخفی۔

آخری فیصلہ:

ہمیں رہ رہ کر مؤلف کی روش و رفتار پر تعجب ہوتا ہے کہ خود ہی مقدمہ دائر کرتے ہیں۔ خود ہی کرسی عدالت پر براجمان ہوجاتے ہیں اور پھر خود ہی اپنے حق میں فیصلہ صادر کردیتے ہیں گویا

ع خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

ہے اس دھاندلی یا سادگی کی کوئی حد؟

ے اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ☆ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شائد انہوں نے اپنے خلیفہ اول سے یہ روش سیکھی ہے کہ مدعا علیہ بھی اپنے حق میں فیصلہ کرکے مدعی کے خلاف ڈگری کرسکتا ہے

ع صلائے عام ہے یاران ِ نکتہ داں کے لئے !

اور جہالت مرکبہ کا یہ عالم ہے کہ اپنے تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور دلائل کو بزعم خود اتنا مضبوط سمجھتے ہیں کہ قیامت تک کوئی شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتا! جوابدہی میں اتنی تاخیر بھی صرف اسلئے ہوئی کہ علماء نے اس مزخرف کتاب کو توجہ و جواب کے قابل ہی نہ سمجھا تھا۔ ورنہ ان کی زندگی میں ہی ان کی اس خام خیالی کا پردہ چاک ہوجاتا (جس کا ہمیں بہر حال افسوس ہے) اب ہم نے ان کی چاروں تنقیحات کے جواب میں جو تحقیقی اور الزامی حقائق پیش کردیئے ہیں۔ ہم بجائے اپنی طرف سے کچھ کہنے کے دنیا کے تمام انصاف پسند منصف مزاج حقیقت شناس اور طالبان حقیقت لوگوں پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ ہر چہار تنقیح بحق اہلسنت ثابت ہیں یا بحق شیعہ خیر البریہ؟ ہم علی وجہ البصیرۃ یہ کہہ سکتے کہ ان پیشکردہ حقائق کے پیش نظر دنیا کا ہر منصف مزاج انسان شیعیان حیدر کرارؑ کے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا۔ ہم نے بہر کیف اتنے بڑے چیلنج کا مکمل و مدلل اور مفصل جواب حاضر کردیا ہے

ع خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم!

ان فی ذلک لایات لقوم یعقلون

مطاعن شیعہ:

ہر چند شیعہ کے مطاعن کے شافی جواب کتب متقدمین اہل السنّت والجماعت میں دیئے جاچکے ہیں۔ لیکن شیعہ اس سے اغماض کرکے پھر نئے رنگ میں انہی اعتراضات کو دھرایا کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے مطاعن کو ایک ایک کرکے پہلے لکھ کر ان کے دندان شکن جواب دے جاتے ہیں۔

پہلا طعن:

جناب صدیق اکبر کی نسبت یہ ہے کہ آپ نے جیش اسامہ سے تخلف کیا۔ حالانکہ حضورﷺ نے اس لشکر کو خود تیار کر کے روانہ کیا اور سب کو۔۔ متعین کر کے بڑی تاکید۔ سے فرمایا: جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا (اسامہ کے لشکر کو تیار کرو۔ جو شخص اس سے تخلف کرے گا۔ مورد لعنت ہوگا)

جواب:

اس طعن کو جواب یہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے تجہیز جیش اسامہ کو جو حکم فرمایا: اس کی تعمیل صدیق اکبر نے بوجہ احسن کی ۔۔۔26 صفر کو پیر کے دن آنحضرتﷺ نے حکم دیا کہ رومیوں کی سرکوبی کیلیئے زید بن حارثہ کے انتقام کی مہم روانہ کی جائے۔ آپؐ نے منگل کے روز اسامہ بن زید کو اس لشکر کا امیر نامزد فرمایا۔ بدھ کو۔۔۔ بیمار ہو گئے۔ خمیس کو باوجود بیماری کے بدست خود علم کی درستی فرمائی اور اسامہ کو فرمایا: **اغز بسم اللہ فی سبیل اللہ و قاتل من کفر باللہ**۔ اسامہ حسب ارشاد نبویؐ علم ۔۔۔ لے کر نکلے اور نشان بریدہ بن حصیب اسلمی کے حوالہ کر دیا اور مقام جرف میں پڑاؤ کیا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔۔۔ اصحاب کبار۔۔ صدیق و فاروق، عثمان، علیؑ اور دیگر اکابر اصحاب نے بھی۔۔۔ تیاری کر کے اپنے خیمے مقام مذکور میں بھیج دیئے۔ اتنے میں حضورﷺ کی بیماری میں تیزی ہوگئی اور عشاق رسولؐ بے قرار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر اپنی جگہ امامت پر مامور فرمایا (کتب فریقین میں اس کا ذکر موجود ہے) 10 ربیع الاول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرض سے کسی قدر افاقہ ہوا۔۔۔ اسامہ کو حضورﷺ نے بغلگیر فرما کر دعا فرمائی۔ اسامہ کوچ کیلیئے تیار تھے ۔۔ ام ایمن اور اسامہ۔۔ کہنے لگیں کہ حضورﷺ کی حالت نازک ہوگئی ہے اسامہ۔۔ یہ خبر سن کر ششدر رہ گئے۔ اور کمریں کھول دیں۔۔ حضورﷺ کے وصال کے بعد جب تجہیز و تدفین سے فراغت ہوئی اور منصب خلافت پر صدیق اکبر جاگزین ہوئے تو اسامہ نے پھر مقام جرف میں جھنڈا گاڑ دیا۔۔۔ اسی اثنا میں مدینہ خبر پہنچی کے بعض قبائل مرتد ہو گئے ہیں اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر۔۔۔ سے عرض کی کہ اس موقعہ پر لشکر اسامہ کی روانگی۔۔ ملتوی کر دی جائے لیکن صدیق اکبر نہ مانے۔۔۔ اور کہا جس لشکر کو آقائے نامدار تیار کر چکے ہیں میں اس کو کبھی نہیں روک سکتا ۔۔۔ اگرچہ منافقین مدینہ و مضافات میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ القصہ لشکر اسامہ کو آپ ن مکمل ساز و سامان سے لیس کر کے روانہ کیا اور حضرت عمر کو حضرت اسامہ سے اجازت لے کے ہمراہ خود لیا۔۔۔ اسامہ منزل مقصود پر پہنچے جدال و قتال کر کے حدود شام کو مفتوح کیا و رمدینہ میں بافتح و ظفر واپس آئے۔! سو یہ اعتراض۔۔۔ کہ آپ نے لشکر اسامہ کی تجہیز میں کوتاہی

کی درست نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آپ نے اس لشکر۔۔۔کو پورے ساز وسامان سے تیار کر کے روانہ کیا اور حکم کی تعمیل کا حق ادا کیا اور اگر یہ اعتراض ہے کہ۔۔۔خود نہیں گئے تو اعتراض۔۔ جہالت اور لاعلمی کی دلیل ہے جب خلیفہ یا بادشاہ کسی۔۔۔کو کسی افسر کے ماتحت کر کے کسی جگہ روانہ کرتا ہے تو حقیقت میں قائد فوج وہی سمجھا جاتا ہے۔لڑتی فوج ہے اور نام بادشاہ کا ہوتا ہے۔۔غرض حضرت ابوبکر نے باوجود خطرناک حالت کے۔لشکر اسامہ کو بھیج کر زید بن حارثہ کا خوب انتقام لیا۔علاوہ بریں یہ الزام حضرت علیؑ پر بھی وارد ہوسکتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسامہ کے ساتھ پر مامور تھے آپ کیوں نہ گئے؟ اگر ایسی نازک حالت میں۔۔عاشقان ذات والا آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے تو۔۔۔یہ اعتراض ہوتا کہ ملک گیری کی ہوس میں آقائے نامدار کو مرض الموت میں تنہا چھوڑ کر۔۔باہر سفر میں چل دیئے اور جب دوسرا پہلو اختیار کیا۔۔تو اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ تعمیل حکم نہیں ہوئی۔۔۔یہ بھی واضح رہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کو خدمت امامت پر مامور کر دیا تو تعمیل حکم اسی صورت میں تھی کہ اس ڈیوٹی میں کوتاہی نہ ہو۔ پھر جب بعد وفات رسولؐ بارِ خلافت آپ کے سر پر ڈالا گیا تو پھر تعمیل ارشاد اسی طرح ہوسکتی تھی کہ خود امورِ خلافت کو انجام دیں۔آزمودہ کار فوج کو ماتحتی اسامہ۔۔روانہ کر کے اس مہم کو سر کریں۔چنانچہ یہ دونوں کام خدا کے فضل سے پورے ہوئے اور فتح وظفر کا سہرا صدیق اکبر کے سر بندھا۔حاسد نابکار کڑھا کریں

بمیر تابر ہی از حد کیں رنجیست ☆ کہ از مشقت او جز مرگ نتواں رست

(آفتاب ص225)

الجواب:

اب مؤلف نے مطاعن کا تذکرہ کر کے ان کے جوابات دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جو شیعہ ان کے ممدوحین اصحاب پر کر کے ثابت کیا کرتے ہیں کہ وہ مسند رسولؐ پر بیٹھنے کے قابل نہ تھے۔مؤلف کا یہ کہنا کہ متقدمین اہل السنۃ ان مطاعن کے جوابات دے چکے ہیں مگر شیعہ ان کو پھر نئے رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں واقع کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ یہ شکایت تو شیعیان علیؑ کو ہے کہ وہ اہلسنت کے جواب الجواب میں تشیید المطاعن جیسی جلیل القدر کتابیں لکھ کر ان کے جوابوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر چکے ہیں۔مگر علماء اہلسنت بجائے ان کے جواب الجواب دینے کے انہی اپنے سابقہ فرسودہ اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ جوابات کا سہارا لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔جو ان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ بہرحال ہم اس ضمن میں مؤلف کے جوابات کے جواب الجواب پیش کر کے ان مطاعن کی پختگی، مضبوطی اور ان کا ناقابل جواب ہونا ثابت کریں گے اور جس قدر انہوں نے مطاعن شمار کئے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور مطاعن کا اضافہ بھی کریں گے۔انشاءاللہ العزیز لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰ من حیی عن بیتۃ۔

تجہیز جیش اسامہ کا پس منظر:

۸ ھ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کا ایک لشکر جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ زید بن حارثہ کی ماتحتی میں شام کی جانب روانہ فرمایا تاکہ حارث بن عمیر کے قتل کا بدلہ لے جو موتہ کے مقام پر شرجیل بن عمر غسانی کے حکم سے شہید کئے گئے تھے ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو پھر لشکر کے امیر جعفر بن ابی طالبؑ ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ لشکر کے سردار ہوں گے۔ اس لشکر میں جناب امیرؑ شامل نہ تھے۔ مگر ابوبکر و عمر و عثمان شامل تھے۔ المختصر یہ لشکر گیا لڑائی شروع ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ سرداران لشکر نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کیا۔ بالآخر خالد نے خود بخود علم لشکر ہاتھ میں لیا (رزقانی ج2 ص272 طبری ج3 ص109) مگر جب شکست کے آثار نمودار ہونے لگے تو عمر صاحب نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں جان بچا کر بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ جب یہ شکست خوردہ لشکر اس طرح پسپائی کے ساتھ واپس مدینہ پہنچا اور اہل مدینہ نے جس طرح ان کی پذیرائی کی۔ اس کا نقشہ شبلی نعمانی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

''جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر اس کے مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ او فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔'' (سیرۃ النبی ج1 ص372) اس واقعہ کو قریباً تین سال گذر گئے۔ اس کے بعد بڑے بڑے اہم واقعات رونما ہوئے۔ بہت سے غزوات پیش آئے۔ چنانچہ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ غزوہ حنین اس کے بعد واقع ہوا۔ محاصرۂ طائف، غزوہ تبوک نصارائے نجران سے معاہدہ اس کے بعد عمل میں آیا۔ یمن، بحرین اور شام میں اس کے بعد اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی۔ حجۃ الوداع اور واقعہ غدیر خم اس کے بعد وقوع پذیر ہوا مگر اس پورے عرصہ میں جناب زید بن حارثہ (شہید موتہ) کے انتقام لینے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔

تجہیز جیش اسامہ کا واقعہ:

مگر آنحضرت ﷺ نے مرض الموت سے صرف ایک دن پہلے اچانک یہ پروگرام مرتب فرمایا کہ اسامہ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر تیار کر کے جس میں حضرت امیرؑ کے سوا باقی سب بڑے بڑے نامور اصحاب مثل ابوبکر و عمر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص شامل تھے (مدارج النبوۃ ج2 ص530، 531 طبع کانپور فتح الباری ج7 ص69 شرح نہج البلاغہ حدیدی ج2 ص20 وغیرہ) اور پھر اسے بلاتوقف کوچ کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

سرداریٔ اسامہ پر بعض لوگوں کا اعتراض اور آنحضرت ﷺ کا جواب:

کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عمر رسیدہ بزرگوں نے اس نوجوان قائد کی سرداری پر اعتراض کیا۔ جس کی کل عمر

18 یا 19 اور زیادہ سے زیادہ بیس سال تھی (مدارج النبوۃ ج 2 ص 531)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی دباوجودیکہ آپ کو سخت تکلیف تھی۔ بخار اور دردسر کا شدید عارضہ لاحق تھا۔مگر آپ غم وغصہ کی حالت میں باہر تشریف لائے اور منبر پر جاکر ایک خطبہ دیا۔جس میں ایسا اعتراض کرنے والے لوگوں کی خوب گوشمالی کی اور فرمایا کہ اگر آج تم نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے تم نے اس کی والد زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ زید اور اس کا بیٹا (اسامہ) اس سرداری کے صحیح اہل ہیں (مدارج النبوۃ ص 530، 531 شرح حدیدی ج 1 ص 53 وغیرہ)

جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالے پر لعنت:

مگر بایں ہمہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ساتھ جانے میں پس وپیش کررہے ہیں تو آپ نے تاکید مزید کا آخری پیغمبرانہ حربہ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ”جھزوا جیش اسامة لعن الله من تخلف عنھا[1]۔“ لشکر اسامہ کو (اس میں شامل ہوکر) جلد تیار کرو۔ خدا لعنت کرے اس شخص پر جو اس سے تخلف کرے۔

اب قابل غور تدبر بات یہ ہے کہ زید بن حارثہ کے انتقام لینے میں یا تو اس قدر تاخیر کہ قریباً تین سال تک نام نہیں لیا۔ یا اس قدر تعجیل کہ عین اپنی مرض الموت میں تخلف کرنے والے پر لعنت کررہے ہیں اور لحہ بھر کی تاخیر گوارہ نہیں؟

اسامہ کے طلب مہلت پر تاکید:

اور اگر اسامہ آپؐ کی شفایابی تک مہلت طلب کرتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں ”اخرج وسر علی برکة الله“ اللہ کی برکت پر بھروسہ کرکے جلد چلے جاؤ! وہ پھر عرض کرتا ہے اگر اس حالت میں آپؐ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے سخت رنج ہوگا۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ ”سر علی النصر والعافیة“ نصرت وعافیت کے ساتھ چلے جاؤ۔ (شرح حدیدی ج 2 ص 21)

اسقدر تعجیل کا اصل راز:

آخر اس میں راز کیا ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؑ کے خلاف

---

[1] اس جملہ پر مؤلف نے حاشیہ لکھا ہے کہ ”اہلسنت کی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے یہ روافض کا الحاق ہے۔ صرف محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں یہ جملہ لکھا ہے۔ شہرستانی حسب تحریر کتب جرح وتعدیل ثقہ نہیں بلکہ شیعہ کی طرف مائل تھا (آفتاب ص 223)“ یہ اعتراض بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً شہرستانی اہلسنت کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ اس سلسلہ میں کتب سیر علماء دیکھی جاسکتی ہیں۔ علاوہ بریں انہوں نے اسی کتاب میں شیعوں کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا ہے اسلئے یہ کہنا سراسر خلاف واقع ہے۔ کہ وہ شیعہ کی طرف مائل تھا۔ ثانیاً یہ کہنا کہ یہ جملہ اہلسنت کی کسی کتاب میں نہیں۔ جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ یہ روایت اہلسنت کی ایک دو نہیں بلکہ کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ بطور نمونہ شرح مواقف (عقائد اہلسنت کی مشہور کتاب اور حجج الکرامہ نواب صدیق حسن خان دیکھی جاسکتی ہے) (منہ عفی عنہ)۔

سازشوں کا جال بچھانے والوں کا اچھی طرح علم تھا اور منافقین مدینہ کی ریشہ دوانیوں سے کماحقہ واقف تھے (جن کے موجود ہونے کا خود مؤلف نے تحریر بالا میں بایں الفاظ اقرار کیا ہے کہ ابوبکر نے کہا۔ ''اگر چہ منافقین مدینہ ومضافات میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں'') (آفتاب ص224) اسلئے آپؐ ہدایت خلق کی خاطر چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کے راستے کے جتنے روڑے ہیں وہ ہٹا دیں اور مخالفین کی تدبیروں کا امکان بہر صورت توڑ کریں۔

دوسرے فریق کی کارستانی:

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گروہ بھی حقیقت حال کو بھانپ گیا تھا۔ اور سمجھ چکا تھا کہ وہ دن کہ

ع دن گنے جاتے تھے جس دن کیلئے !

قریب آ گیا ہے اور اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا یہی وقت ہے۔ اگر اس وقت مدینہ سے باہر چلے گئے تو پھر گوہر مقصود بھی ہاتھ نہیں آسکے گا۔ اس لئے باوجود کہ بنا پر بیانات اہلسنت پر لشکر 27 صفر کو مرتب ہوا۔ جانے والے نامزد ہو چکے۔۔ ن میں سے نہ جانے والوں پر لعنت ہو چکی۔ مگر 12 ربیع الاول تک برابر اسمیں ٹال مٹول ہوتی رہی اور مقام ''جرف'' سے لشکر آگے نہ بڑھا اور بعض امہات المومنین کو بھی اس سازش میں شامل کر کے ان کے ذریعہ اسامہ کو آگے نہ بڑھنے دیا گیا۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات حسرت آیات کا سانحہ عظمیٰ پیش آ گیا۔ حضرت امیرؑ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مشغول ہو گئے اور یار لوگوں نے مسندِ رسول ﷺ پر قبضہ کر لیا۔ اگر بقول مؤلف (رائے عامہ سے مرغوب ہو کر) اس کے بعد ابوبکر نے اس لشکر کو روانہ بھی کیا تو اس میں کون سی فضیلت ہے؟

ے توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا ☆ آسمان سے بادۂ گلفام گو برسا کرے

جب وہ وقت ہی گذر گیا۔ وہ مقصد ہی فوت ہو گیا آنحضرت ﷺ کی نافرمانی بھی ہو گئی الغرض

ے وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا

(اگر مقصد صرف خون زید کا بدلہ لینا ہوتا تو وہ اس سے پہلے بھی لیا جا سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ جزو مقصد تھا نہ کہ اصل مقصد) بہر حال تعمیل حکم نبویؐ کا وقت گذر چکا تھا

ے صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا ؟

بعد والی تجہیز اور بقول مؤلف فتح ونصرت کی سہرا بندی ''مشتے کہ بعد از جنگ یاد بیاید بایدبکلہ ءخود زد'' کی مصداق تھی۔ اس میں کسی کے کڑھنے یا حسد کرنے کا کیا مقام ہے؟ مگر آہ

ہر گل تر ز گلرخے یاد ہی کند دے ☆ گوش سخن شنعہ کجا دیدۂ اعتبار کو

ازالہ شبہ:

مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ الزام حضرت علیؑ پر بھی وارد ہوسکتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسامہ کے ساتھ جانے پر مامور تھے۔آپ کیوں نہ گئے؟ یہ بالکل بے محل بلکہ مہمل ایراد ہے۔اگر مؤلف یا انکے ہمنواؤں میں کچھ بھی علمی دم خم ہے تو وہ حضرت امیرؑ کا بماتحتی اسامہ مامور ہونا ثابت کریں ''ودون اثباتہٖ خرط القتاد!'' بلکہ فریقین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت امیرؑ کو اس لشکر میں جانے کا حکم تھا ہی نہیں (مدارج النبوۃ[1] ج2 ص531) بلکہ یہ سارا اہتمام ہی انکی خاطر تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے! بھلا اسلام کا وہ عظیم جرنیل جو پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں تمام غزوات و سرایا میں میرو علمبردار رہا ہو وہ۔آنحضرت ﷺ کے آخری لمحات حیات میں کس طرح ماتحت و مامور ہوسکتا تھا؟ان ھذا الا اختلاق!!

امامت ابوبکر سے استدلال کا جواب:

اس سلسلہ میں بالکل بے ربط انداز میں مؤلف نے امامت ابوبکر (ان کے نماز پڑھانے) کا جو قصہ ذکر کیا ہے۔اس پر اگرچہ تفصیل کے ساتھ یہاں تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں۔مگر اجمالاً اس قدر واضح رہے کہ یہ استدلال بچند وجہ باطل ہے۔اولاً اسلئے کہ یہ واقعہ صرف کتب اہلسنت میں مذکور ہے جو شیعوں پر حجت نہیں۔مؤلف کا متن میں یہ لکھنا کہ کتب فریقین میں اس کا ذکر موجود ہے۔ بالکل خلاف واقع اور کذب صریح ہے۔حاشیہ پر جناب ذاکر حسین صاحب کی تاریخ اسلام کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔وہ بھی بے سود ہے کیوں کہ انہوں نے اسے تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔(جو اہلسنت کی کتاب ہے) انہوں نے اپنا نظریہ اور عندیہ بیان نہیں کیا!

ثانیاً: تاریخ طبری ج3 ص195 طبع مصر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھانے کیلئے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا عائشہ نے ابوبکر کو حفصہ نے عمر کو بھی طلب کر لیا۔جب تینوں آگئے اور آنحضرت ﷺ کو صورت حال کا علم ہوا تو آپؐ نے یہ کہہ کر سب کو رخصت کر دیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو پھر بلا لوں گا۔اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی مرضی تو یہ تھی کہ حضرت علیؑ امامت نماز کے فرائض انجام دیں۔اگر بالفرض اس کے برخلاف ہوا ہے تو یہ عائشہ صاحبہ کی کارستانی ہے۔

ثالثاً: اس بات میں خود اہلسنت کے ہاں شدید اختلاف ہے۔کہ آیا اس نماز میں آنحضرت ﷺ امام تھے (جو مرض الموت میں بڑی مشکل سے مصلے پر پہنچ گئے تھے اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے) اور ابوبکر ماموم ومکبر (بلند آواز سے تکبیر کہنے والے) یا ابوبکر امام تھے اور آنحضرت ﷺ ماموم؟ (معاذ اللہ) اہلسنت کے علماء محققین کا آخری فیصلہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی امام تھے۔چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم ج1 ص177 طبع دہلی میں لکھا ہے:''و ان کان بعض العلماء و زعم ان ابا بکر کان ھو الامام و النبیؐ

---

[1] کتاب مذکور کے اصل الفاظ یہ ہیں:''وحکم عالی چناں صادر شد کہ اعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و سعد بن وقاص و ابوعبیدہ بن الجراح و غیرھم الا علی مرتضیٰ راضی اللہ عنہم اجمعین کہ ہمراہ نکر دراں لشکر ہمراہ اسامہ باشند''(منہ عفی عنہ)

مقتد بہٖ لکن الصواب ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم کان ہو الامام وقد ؟ذکرہ مسلم بعد ھذا الباب صریحاً'' (کذا فی الروض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام ج2ص 269، نیل الاوطار للشوکانی ج3ص39) یعنی اگرچہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر امام اور جناب رسول ﷺ مقتدی تھے مگر صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

رابعاً: اہلسنت کے نزدیک ہر نیک و بد کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے (شرح فقہ اکبر ص91 طبع دہلی وغیرہ) تو بنا بر تسلیم اس واقعہ کو خلافت عظمیٰ دلیل کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟

خامساً: اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا اور دلیل خلافت بھی! تو پھر ابوبکر کی خلافت نصی ہو جاتی نہ اجماعی۔ حالانکہ اہلسنت کا اس کے اجماعی ہونے پر اجماع ہے۔

سادساً: اگر اس واقعہ کی کوئی حقیقت ہوتی اور اس استدلال میں کوئی وزن ہوتا۔ تو چاہیئے تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے باہمی اختلاف کے وقت ابوبکر صاحب اس سے استدلال کرتے مگر ان کا ایسا کرنا کسی فریق کی کتابوں سے ثابت نہیں ہے ۔معلوم ہوا کہ یہ قصہ بالکل بے بنیاد ہے اور محض ایک افسانہ ہے!

سابعاً: خود حضرات اہلسنت آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ باجماعت نہ پڑھے جانے کی یہ تاویل کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ (خواہ بقید حیات ہوں یا بحالت ممات) وہی امام ہوتے ہیں۔ ان کے روبرو کسی کو جماعت کی شکل بنانے کا بھی حق نہیں ہے، تو یہاں کس طرح ابوبکر کو امام مانا جا سکتا ہے؟

ثامناً: اوپر متعدد حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ ابوبکر صاحب اس لشکر اسامہ میں شامل تھے۔ جس کی روانگی کی آنحضرت ﷺ بار بار تاکید فرما رہے تھے۔ اور تخلف کرنیوالوں پر لعنت کر رہے تھے۔ ان حالات میں عقل سلیم کس طرح باور کر سکتی ہے کہ آپؐ نے ابوبکر کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھانے پر مامور کیا ہو اور بقول بعض اہلسنت کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا ہو؟ ان ھذا الاختلاق الغرض اس قصہ کی کوئی چول بھی اور کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے اور اس پر استدلال کی عمارت کھڑی کرنا بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ سچ ہے کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج ☆ تا ثریا می رود دیوار کج

دوسرا طعن:

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر سورہ برأت کے احکام کی تبلیغ کیلئے مکہ روانہ کیا تھا۔ بعد میں جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیغام دیا کہ اس کام کیلئے حضرت علیؑ کو روانہ کرو۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے جا کر فرض تبلیغ انجام دیا۔ تو جب آپ صرف ایک سورہ کی تبلیغ کی قابلیت نہ رکھتے تھے تو وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتے تھے جس کے ذمہ تبلیغ جمیع احکام شریعت کا کام ہوتا ہے۔

جواب:

روایات اہلسنت اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اکثر روایات میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضورﷺ نے پہلے ہی امیر حج مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ بعد ازاں سورہ برأت کا نزول ہوا تو۔۔اس کی تبلیغ کیلئے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ اس صورت میں ۔۔۔اعتراض سرے سے ہی غلط ٹھہرتا ہے۔۔۔دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر حج مقرر کر کے روانہ کئے گئے تو یہ کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا کہ سورہ برأت کے احکام کی تبلیغ کر دی جائے۔لیکن بعد میں حضرت علیؑ کو دوسرے کام کی انجام دہی کیلئے حضرت ابوبکر کا ہاتھ بٹانے کیلئے روانہ کیا گیا۔ جو انہوں نے بماتحتی حضرت ابوبکر انجام دیا۔ عادتِ عرب یہ تھی کہ جب کوئی معاہدہ کرنا یا توڑنا ہوتا اور صلح یا جنگ کا معاملہ درپیش ہوتا وہ ایسے شخص کے ہاتھ سے انجام پذیر ہو سکتا تھا۔ جو بادشاہ کی قوم میں سے اس کا فرزند یا داماد ہو۔۔یہی وجہ ہے کہ سورہ برأت میں اس امر کا اعلان مقصود تھا کہ سابقہ معاہدات ختم ہو چکے۔۔۔اس لئے یہ فرض بغیر حضرت علیؑ کے جو آپ کے عم زاد اور داماد تھے۔ دوسرے سے ہوتا تو کفار کا حسبِ دستور اعتراض ہوتا کہ۔۔کسی شاہی خاندان کے خاص آدمی کے ذریعہ اس کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا۔ اگر حضور علیہ السلام جناب ابوبکر میں قابلیت نہ پاتے تو ابتداء میں آپ انکو اس کام کیلئے کیوں انتخاب فرماتے۔۔۔حضرت ابوبکر لاکھوں نفوس کے سردار قرار دے جا کر احکام حج کی تبلیغ اور انتظام کیلئے بھیجے گئے تھے۔ رونما ہونے والے واقعات وحوادث کا تصفیہ۔شرعی مسائل۔۔۔کا فتویٰ آپ نے صادر کرنا تھا اس کام کیلئے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی۔ جو بڑا مجتہد۔ بڑا منتظم اور بڑا ہی مدبر اور سلیم العقل ہو۔ بخلاف اس سورہ برأت کی چند آیات بآواز بلند پڑھ کر سنا دینا ایک معمولی کام تھا۔ کتب حدیث وسیر سے ثابت ہے کہ اس موقع پر جناب امیرؑ ہر ایک امر میں ابوبکر کی اقتداء کرتے تھے۔ نماز ان کے پیچھے ادا کرتے تھے۔کتب حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ جناب امیرؑ بسواریٔ ناقہ۔۔بعجلت تمام حضرت ابوبکر کے پاس جا پہنچے۔ تو آپ نے پوچھا امیراً جئت ام ماموراً (کیا آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر) آپ نے جواب میں فرمایا جئت ام ماموراً (میں آپ کے ماتحت مامور ہو کر آیا ہوں) خلاصہ یہ کہ امیر الحج کے ذمہ جو چند لاکھ نفوس کے سردار تھے۔ اتنا بڑا کام تھا کہ ان سے اصالۃً سورہ برأت کا جا بجا ہر خیمہ اور ڈیرہ میں جا کر سنانا متعذر تھا اس لئے اس کام کیلئے علیحدہ شخص مقرر ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے یہ کام بوجہ احسن پورا کیا اور حضرت ابوبکر نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا ۔۔۔پھر کتنی بڑی بے انصافی ہے کہ ان ہر دو اصحاب میں سے کسی ایک کی بے قدری کی جائے؟ (آفتاب ص 227)

الجواب:

مؤلف نے اکثر مقامات پر ایسا طرز تحریر اختیار کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علم مناظرہ کے آداب واصول کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں یا اگر واقف ہیں تو ان کو بروئے کار لانا نہیں جانتے۔ اور اگر یہ بھی جانتے ہیں مگر عملاً ایسا نہیں کرتے تو پھر وہ مجادل و مکابر تو ہیں مگر مناظر نہیں ہیں۔ اس فن کی معمولی واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ مناظرہ میں مد مقابل کے مسلمات کو پیش کیا جاتا ہے۔ بنا بریں چاہیئے تو یہ تھا کہ مؤلف اپنے استدلال کی بنیاد شیعہ کتب معتبرہ کے بیانات پر رکھتے مگر وہ اس کے برعکس اپنی کتابوں سے واقعات پیش کرتے ہیں اور وہ بھی بلا سند و بلا حوالہ گویا وہ اپنے ارادت مندان باصفا کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو فرما رہے ہوں اور وہ ہاں جی۔ ہاں جی کر کے ان کا دل بڑھا رہے ہوں! بہر کیف اس روش و رفتار کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ علم مناظرہ کے اصول سے ناواقفی یا انتہائی بے مائیگی۔ کہ ثبوت کیلئے کتب شیعہ تو کجا اپنی کتابوں سے بھی کچھ دستیاب نہیں ہوتا۔

تبلیغ سورۂ برأت سے ابوبکر کی معزولی کا بیان:

جوامر دو فریق (شیعہ و سنی) کی کتابوں سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ 9ھ آواخرہ ذوالقعدہ میں (فتح مکہ کے دوسرے سال) حج کے موسم میں جناب رسول خدا ﷺ نے سورۂ برأت کی ابتدائی چالیس آیات کی تبلیغ کیلئے ابوبکر صاحب کو نامزد کیا۔ جب ابوبکر قافلہ حج کے ساتھ روانہ ہو گئے اور کچھ منازل سفر طے کر چکے تو رب جلیل کی طرف سے جناب جبرئیلؑ یہ پیغام لائے کہ لا یؤدی منک الا انت او رجل منک یہ فریضہ تبلیغ آپ خود انجام دیں یا وہ مرد انجام دے جو آپ سے ہے۔ یعنی حضرت علیؑ چنانچہ اس حکم کے نازل ہوتے ہی آنحضرت ﷺ نے ابوبکر کو معزول کر کے اپنی خاص ناقہ پر سوار کر کے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا چنانچہ آنجنابؑ نے بعجلت تمام منازل سفر طے کر کے ایک شب و روز کی صحرا نوردی کے بعد قافلہ کو جالیا اور ارشاد خدا اور رسول ﷺ کے مطابق ابوبکر کو معزول کیا اور خود اس فریضہ کی تبلیغ کیلئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بمقام منیٰ سابقہ معاہدوں کے ختم ہو جانے اور کفار کے خانہ خدا میں داخل نہ ہو سکنے کا اعلان بڑی شجاعت و دلیری سے فرمایا اور سورۂ برأت کے اسرار و حقائق کی تبلیغ فرمائی۔ المختصر ابوبکر معزولی کے بعد کبیدہ خاطر ہو کر واپس بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور پوچھا۔ کیا میرے متعلق کچھ وحی نازل ہوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا اور تو کچھ نہیں صرف یہ پیغام الٰہی آیا ہے کہ میں خود تبلیغ کروں یا وہ شخص جو میرے اہلبیتؑ میں سے ہو! اس سے پہلے ابوبکر کے تقرر اور پھر ان کی معزولی کے بعد حضرت امیرؑ کو مقرر کرنے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف تمام اسلامی برادری کو بلکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ میری مسند کے وارث علیؑ ہی ہیں اور وہی میرے فرائض تبلیغ کو انجام دے سکتے ہیں اور جو آدمی ایک سورہ کی چند آیات کی تبلیغ کی لیاقت نہیں رکھتا وہ پورے قرآن و شریعت کا مبلغ اور مسلمانوں کا ہادی و رہنما کس طرح ہو سکتا ہے؟

حوالہ جات:

یہ واقعہ کم وپیش معمولی الفاظ وعبارات کے اختلاف کے ساتھ مندرجہ ذیل کتب اہلسنت میں موجود ہے (مگر اصل مطلب سب کا ایک ہے) کنز العمال ج 1ص 246۔طبقات ابن سعد ج 2قسم اول ص 121۔مسند احمد بن حنبل ج 1ص 150، 151ج 2ص 299ج 3ص 212تا 283الریاض النضرۃ ج 2ص 173، 174۔مستدرک حاکم ج 3ص 133۔تاریخ ابو الفداء ج 1ص 150۔تاریخ الخمیس ج 2ص 156۔حبیب السیر ج 3ص 72۔فتح الباری شرح بخاری ج 8ص 241۔تفسیر درمنثور ج 3ص 209، 210۔کامل ابن الاثیر ج 2ص 111۔طبری ج 3ص 154۔مدارج النبوۃ ج 2ص 492۔الروض الانف ج 2ص 328۔معارج النبوۃ رکن 4باب 12ص 210۔ینابیع المودہ ص 72، 73باب 18۔سیرۃ حلبیہ ج 3ص 237وغیرہ۔

ابوبکر راستہ سے بحکم رسول ﷺ واپس لوٹ آئے:

مؤلف نے جو یہ لکھا ہے کہ امیر الحج ابوبکر اور مبلغ برأت حضرت علیؑ تھے۔ یہ اہلسنت کا خانہ زاد نظریہ ہے۔ جس سے ابوبکر کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اس جھوٹے اور کمزور سہارے سے ابوبکر کی پوزیشن اور ہی کمزور ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معزولی کے بعد ابوبکر وہیں راستہ سے ہی واپس آگئے تھے۔ چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج 8ص 241تفسیر سورۂ برأت میں لکھا ہے "فرجع ابو بکر فقال یا رسول اللہ انزل فی شئی"۔ پس ابوبکر واپس پلٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرے خلاف کچھ نازل ہوا ہے؟ ارجح المطالب باب 4ص 587طبع لاہور میں بحوالہ نسائی لکھا ہے کہ "فانصرف ابو بکر و ھو کئیب قال یا رسول اللہ! انزل فی شئی"۔ یعنی ابوبکر رنجیدہ خاطر ہو کر بارگاہ رسالتؐ میں واپس آگئے بلکہ کنز العمال ج 1ص 246، 247سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر کو رسولؐ کے حکم سے واپس کیا گیا تھا۔ لکھا ہے: "ثم قال العلی علیہ السلام الحقہ فزد علی ابابکر و بلغھم انت ففعل فلما قدم ابو بکر بکی فقال یا رسول اللہ الخ" یعنی آنحضرت ﷺ نے جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا۔ کہ ابوبکر کو جا لو اور ان کو میرے پاس واپس بھیج دو اور خود جا کر تبلیغ برأت کرو۔ چنانچہ جب ابوبکر واپس آئے تو روتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرے متعلق کچھ نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اور تو کچھ نہیں مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس فریضہ کو میں خود انجام دوں یا میرے اہلبیتؑ میں سے کوئی شخص انجام دے۔

عادات عرب کی اتباع والے عذر کا بطلان:

اس مقام پر مؤلف نے اس واقعہ کی اہمیت وعظمت کو گھٹانے کیلئے حسب عادت، عادات عرب کی پیروی کا جو کمزور سہارا لیا ہے کہ عربوں کی عادت یہ تھی کہ ایسے معاہدوں کا اعلان خود بادشاہ یا ان کے فرزند و داماد کرتے تھے اس لئے حضرت علیؑ کو بھیجا گیا۔ یہ

عذر بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً: اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کسی قول وفعل میں عربوں کی عادات کی نہیں بلکہ اپنے ہر قول وفعل میں وحی الٰہی کی متابعت کرتے تھے۔ ان کو یہ حکم ربانی تھا۔ ''وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ '''' اے رسول! میری وحی کا اتباع کرو۔'' (سورہ احزاب آیت 2) وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا '''' نہ ان لوگوں کا جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہے۔'' (سورہ کہف آیت 28) ''اے رسول ﷺ! جو مؤمن نہیں ان کی خواہش پر نہ چلو!'' اس سے معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار کفار کی عادات کی اتباع حرام ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کس طرح اس پر عمل کر سکتے تھے؟

ثانیاً: رسول تو کفار عرب وغیرہ کی غلط رسوم کی اصلاح کرنے کیلئے آئے تھے اس لئے وہ ان کی اتباع کس طرح کر سکتے تھے؟ آپ کا ارشاد ہے ''ان اللہ اذھب بالاسلام نخوۃ الجاھلیۃ وتفاخرھا بالنساب''

ثالثاً: اگر بالفرض عربوں کی عادت کی ہی اتباع مقصود ہوتی تو کیا آپ کو پہلے اس کا علم نہ تھا؟ پہلے ہی حضرت علیؑ یا کسی اور فرد خاندان کو بھیج دیتے! معلوم ہوا کہ اس عزل وتقرر سے ابوبکر صاحب کی نااہلی اور حضرت علیؑ کی اہلیت خلافت پر فعلی نص قائم کرنا مقصود بھی وبس۔

رابعاً: اگر عربوں کی عادات کی اتباع کی جائے تو پھر اہلسنت کو ابوبکر کی خلافت سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ عربوں کی ایک عادت یہ بھی تھی (بلکہ تمام اقوام عالم کی یہی عادت ہے) کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اسی کے شاہی خاندان میں سے ہی کسی لائق وفائق شخص کو اس کی مسند امارت پر بٹھاتے تھے تو اس بناء پر بھی حضرت علیؑ کو بلا فصل جانشین رسولؐ ماننا پڑے گا۔ نہ ابوبکر کو۔

خامساً: مؤلف کے کلام میں تضاد پایا جاتا ہے ص 226 پر عربوں کی عادت کا سہارا لیا ہے اور ص 227 پر آخر کلام میں لکھا ہے کہ ''امیر الحج'' کی بکثرت مصروفیات کی وجہ سے تبلیغ متعذر تھی۔ اس لئے اس تبلیغ کیلئے علیحدہ آدمی کی ضرورت تھی۔ اب ان کی کس بات پر اعتبار کیا جائے؟

اس فریضہ کی ادائیگی کیلئے بڑی شجاعت وفصاحت اور علم وحکمت کی ضرورت تھی:

مؤلف کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ تبلیغ صرف مجمع عام میں کرنا تھی نہ کہ ہر ہر خیمہ وڈیرہ پر جا کر! (نیز اسوقت چند لاکھ مسلمان تھے کہاں؟) جس کے لئے بہت بڑی شجاعت ودلیری۔ عظیم فصاحت وبلاغت اور کثیر علم وفضل کی ضرورت تھی اور یہ کام اتنا آسان نہ تھا کہ بقول مؤلف اسے ہر جہیر الصوت حافظ قرآن انجام دے سکتا۔

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

بنا بر تسلیم دو باتیں:

اور اگر بفرض محال چند لمحات کیلئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابو بکر امیر الحج تھے تو دو باتیں تو بہر حال غلط ہیں۔ ایک حضرت امیرؑ کا ان کے ماتحت و مامور ہونا۔ کیونکہ یہ بات نا قابل رد حقائق سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ پوری حیات رسول ﷺ کبھی کسی کے ماتحت نہیں رہے۔ مخالفین اس کے خلاف ایک مسلمہ تاریخی شہادت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ دوسرا امیر الحج کے جو فضائل مؤلف نے بیان کئے ہیں ان کا صحیح ہونا۔ کیونکہ وہ اہلسنت بھی جنہوں نے ابو بکر کا امیر الحج ہونا لکھا ہے انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ صرف ''قافلہ سالار'' تھے۔ دوسرے کام اور لوگوں کے سپرد تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ ج 1 ص 413 طبع اول پر لکھا ہے ''حضرت ابو بکر قافلہ سالار حضرت علیؑ نقیب اسلام، اور حضرت سعد بن وقاص، جابر، ابو ہریرہ وغیرہ معلم تھے'' (بحوالہ صحیح بخاری کتاب المناسک باب حج ابی بکر و تفسیر سورۃ البراۃ) اس بیان سے بھی اسلام کی نقابت اور احکام اسلامی کی ترجمانی جناب امیر المومنینؑ کیلئے ثابت ہوتی ہے اور یہ بات آپ کے جانشین ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ قافلہ سالار کوئی ہوا کرے۔ اسے نیابت رسول ﷺ سے کیا تعلق ہے؟ سچ ہے

؎ جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہیں

تیسرا طعن:

آنحضرت ﷺ نے شیخین کو ایک دفعہ عمرو بن العاص اور ایک دفعہ اسامہ کے ماتحت فرما کر ان کے تابع حکم گردانا۔ اگر وہ خلافت کے قابل ہوتے تو ایسے معمولی اشخاص کے تابع نہ گردانے جاتے!

جواب:

اس طعن کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ یہ اعتراض تب ہو سکتا ہے کہ شیعہ صاحبان عمرو بن العاص یا اسامہ کی فضیلت کے قائل ہوں پھر اعتراض کیسا؟

دوم: یہ کہ کسی خاص امر میں کسی بڑے آدمی کو کسی چھوٹے کے ماتحت رہ کر کام کرنے پر مامور کرنا اس امر کی دلیل نہیں کہ سلطان۔۔۔ کی نظر میں وہ بڑا۔۔ حقیر اور چھوٹا۔۔۔ زیادہ عزت رکھتا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کو جب کبھی کسی آدمی کو بڑے رتبہ پر کرنا منظور ہوتا ہے پہلے اس کو کام سکھانے کیلئے کسی چھوٹے اہلکار کے ماتحت کر دیا جاتا ہے مثلاً ایسے ذی عزت۔۔۔ اشخاص کو سول میں پہلے پٹواری کے ماتحت کام سیکھنا پڑتا ہے! ایسا ہی صیغہ فوج میں۔ جمعدار یا صوبیدار یا لیفٹیننٹ گھر سے بھرتی کیا جاتا ہے۔ اس کو کسی معمولی حوالدار کے ماتحت قواعد پریڈ سکھائی جاتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو

تا ہے کہ حضورؐ کی نگاہ میں جب شیخین نے ایک وقت کی امامت و خلافت حاصل کرنی تھی اسلئے ان کو ماتحتی کی ڈیوٹی پر لگایا تا کہ کام کی مشق اور ریاضت و تجربہ حاصل ہو۔

سوم: اسامہ و عمرو بن العاص کی امارت ایک جزوی مصلحت کی وجہ سے تھی وہ یہ کہ روم و شام نے اسامہ کے باپ زید کو جنگ موتہ میں بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ اس کا انتقام اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ مقتول کا فرزند۔ خود اپنے باپ کا بدلہ لے۔ اسی طرح عمرو بن العاص منصوبہ اور تدبیر میں طاق تھے اور اس وقت ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو بڑے مکار اور حیلہ جو تھے اسلئے ان کے مقابلہ کیلئے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی۔۔

چہارم اگر اس خاص امارت سے فضیلت ثابت ہوسکتی ہے تو پھر جناب امیرؑ پر بھی انکی فضیلت تسلیم کرنی پڑتی ہے جبکہ حضور علی السلام نے ان سے افضل علیؑ کو چھوڑ کر اسامہ و عمرو بن العاص کو امیر بنا کر بھیجا غرض یہ طعن محض جہالت کی وجہ سے کیا گیا ہے جس کی وقعت نہیں۔ (آفتاب ص 228)

الجواب:

اس طعن کے جواب میں شاہ عبد العزیز دہلوی (صاحب تحفہ) کے جس آموختہ کو اپنے بیان کے ساتھ آمیختہ کر کے دھرایا گیا ہے وہ بچند وجہ مردود ہے۔

اولاً: یہ کہنا کہ چونکہ شیعہ عمرو بن العاص وغیرہ کی فضیلت کے قائل نہیں لہٰذا اہلسنت سے جواب ساقط ہے۔ یہ بات عجائبات روزگار میں سے ہے اس طعن کے ثبوت کیلئے شیعوں کو اسامہ یا عمرو العاص[1] کی فضیلت کا قائل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ عمرو بن العاص وغیرہ جس قدر گئے گذرے سہی۔ مگر آنحضرت ﷺ کی نگاہ نبوت میں ابوبکر و عمر وغیرہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں اور جو ایسا ہو وہ مستحق خلافت نہیں ہوسکتا۔ تعجب ہے کہ مؤلف ایسی سیدھی سادھی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ ☆ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

ثانیاً: یہ عذر پیش کرنا کہ خاص امر میں بڑے کے چھوٹے کے ماتحت کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ عذر لنگ عذر گنا بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کیونکہ عقلی قانون قبح تقدیم مفضول بر فاضل (کہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا قبیح ہے) اس میں کسی خاص امر کی

---

[1] اگر حضرات شیعہ عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید کو اچھا نہیں سمجھتے تو وہ اس میں معذور ہیں۔ عمرو بن العاص کی حالت تو عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے دنیا جانتی ہے کہ اس نے کس شد و مد سے حضرت علیؑ کی مخالفت اور معاویہ کی حمایت کی ہاں البتہ اسامہ کا حال شاید اکثر لوگوں کو معلوم نہ ہو تو ان کی اطلاع کیلئے صرف اس قدر وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ شخص اسقدر دشمن علیؑ تھا کہ اس نے چوتھے مرتبہ پر بھی آنجنابؑ کی بیعت نہیں کی تھی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج 5 ص 155 مطبوعہ مصر۔ البدایۃ والنہایہ ج 7 ص 226 مطبعۃ السعادۃ مصر۔ طبقات کبریٰ ابن سعد ج 4 قسم اول ص 50 بذیل ترجمہ اسامہ) (منہ عفی عنہ)

کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ قبیح ہے۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں (علی مانقلہ فی تشئید المطاعن) آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا ''ایما رجل استعمل رجلاً علی عشرة انفس علم ان فی العشرة افضل ممن استعمل فقد غش اللہ و غش مولہ وغش جماعة المسلمین''۔ ''جو شخص کسی آدمی کو (صرف) دس آدمیوں پر امیر مقرر کرے۔ جبکہ وہ جانتا ہو کہ ان دس آدمیوں میں کوئی شخص اس امیر سے افضل موجود ہے تو اس نے خدا، اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت سے خیانت کی ہے۔''

(کذافی ازالۃ الخفا بتفاوت یسیر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر وعمر اسامہ وعمر بن العاص سے افضل نہ تھے اور نہ خود جناب رسول خدا ﷺ اپنے اس ارشاد کی زد میں آجائیں گے رسول اور صیغہ فوج والی مثال علاوہ قیاس ہونے کے (جو فی نفسہ باطل ہے) قیاس مع الفارق ہے۔ ورنہ اٹھارہ سالہ نوجوان (اسامہ) کو ان بوڑھے بزرگوں سے زیادہ تجربہ کار تسلیم کرنا پڑے گا؟

ثالثاً: بقول مؤلف اگر اس طرح ابوبکر وعمر کو ماتحت رکھ کر خلافت و امامت کے کام کا تجربہ کرنا مقصود تھا تو پھر آنحضرت ﷺ کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ (کم از کم) چوتھے مرتبہ پر علیؑ کو خلافت ملے گی پھر یہ عملی تجربہ ان کو کیوں نہ کرایا؟ ان کو کیوں اس ماتحتی کے شرف سے محروم رکھا گیا؟؟

رابعاً: اسامہ اور عمرو بن العاص کی امارت کی جو من گھڑت وجہ بیان کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ اگر اسامہ کے باپ کا انتقام لینا ہی تھا۔ تو اس کیلئے اس امر قبیح کے ارتکاب کی کیا ضرورت تھی؟ کیا وہ ماتحت رہ کر اپنے والد کا انتقام نہیں لے سکتے تھے؟ اور اس طرح اپنے دل کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے تھے؟ اسی طرح یہ کہنا کہ چونکہ بڑے مکار و عیار دشمن سے سابقہ تھا اس لئے عمرو بن العاص جیسے شخص کی ضرورت تھی۔ گویا اس میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عمرو بن العاص بڑا ہی مکار و عیار آدمی تھا۔ اگر یہی بات شیعہ کہیں تو ان کو دشمنِ اصحاب اور انکی توہین کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے۔ مگر خود

ع وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہے کہ عمرو بن العاص امور حرب وضرب میں شیخین سے زیادہ ماہر تھا۔ اس سے بھی ان کی خلافت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ خلیفہ کیلئے ان امور میں سب سے زیادہ ماہر ہونا ضروری ہے۔ علاوہ بریں عمرو ان حضرات کا ماتحت رہ کر بھی اپنے امیر کو اپنے ماہرانہ ومکارانہ مشوروں سے مستفید کر سکتا تھا۔ جیسا کہ معاویہ کے ماتحت رہ کر اسے تدبیریں بتاتا رہتا تھا۔

خامساً: یہ کہنا کہ ''اس سے جناب امیرؑ پر بھی ان کی فضیلت تسلیم کرنا پڑے گی''۔ بالکل بودہ ایراد ہے۔ حضرت امیرؑ کی تو سب پر افضلیت مسلم ہے۔ متعدد مقامات پر (بالخصوص غزوات میں) ان کی علمبرداری ناقابل انکار ہے۔ کبھی کسی کے ماتحت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ تو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت امیرؑ سے ان کو نسبت ہی کیا ہے یہ عمرو بن العاص اور اسامہ سے بھی گئے گذرے ہیں

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ یہ طعن بڑا مضبوط و جاندار اور مؤلف کا جواب ان کی کمزوری وکالت کا شاہکار ہے و اللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

چوتھا طعن:

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا: ''ان لی شیطانا یعترینی فان استقمت فاعینونی و ان زغت فقومونی (میرے لئے بھی شیطان ہے۔ جو وساوس ڈالتا ہے۔ پس اگر میں راہ راست پر چل رہا ہوں تو تم میری مدد کرو۔ اور اگر کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کردو)' پھر ایسا شخص قابل امامت و خلافت کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب:

اول تو اہلسنت کی کتب میں حضرت ابوبکر کا یہ مقولہ درج نہیں ہے اگر بالفرض یہ درست ہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ہم سوائے انبیاءؑ کے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ اور جن ۔۔۔ بدی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ انبیاءؑ باوجود عصمت کے ایسے کلمے فرمادیا کرتے ہیں۔ آدمؑ نے فرمایا ''ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا۔ الایۃ'' ۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا ''وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔'' حضرت علیؑ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں۔

ع ذنوبی بلائی فما حیلتی ☆ اذ کنت فی الحشر حمالها

میرے گناہ میری مصیبت ہیں۔ میرا کیا چارہ ہوگا۔ جب قیامت کے روز گناہوں کا بوجھ میری گردن پر ہوگا۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں قد ملک الشیطان عنانی ۔۔ ترجمہ: شیطان نے بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں میری باگ پکڑ رکھی ہے اور میں اس کے پڑوس اور اپنے نفس کے اس کے مطیع ہونے کی شکایت کرتا ہوں (صحیفہ سجادیہ) اگر انبیاءؑ کے اقوال بالا اور آئمہ معصومینؑ کے ان مقولوں سے نبوت و امامت میں فرق نہیں آتا تو حضرت ابوبکر نے بطور کسر نفسی یوں کہہ دیا تو کیا مضائقہ؟ (آفتاب ص 229)

الجواب:

مؤلف نے اس طعن کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ دروغ بے فروغ ہے اور بچند وجہ ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً: یہ کہنا کہ یہ مقولہ ''اہلسنت کی کتب میں نہیں ہے۔'' بالکل خلاف واقع ہے اور سراسر اپنی کا کتابوں سے جہالت یا تجاہل

پر مبنی ہے۔ ورنہ ارباب علم واطلاع پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ اہلسنت کی بیسیوں کتابوں میں موجود ہے۔ بطور نمونہ چند حوالہ جات درج کئے جاتے ہیں۔ الامامۃ والسیاسہ ص 13، 16 طبع مصر۔ کنز العمال ج 2 ص 130 طبع حیدر آباد دکن۔ صواعق محرقہ ص 10 طبع مصر جدید، تاریخ کامل بن اثیر ج 2 ص 126 طبع مصر۔ تاریخ الخلفاء ص 51 طبع دہلی۔ تاریخ طبری ج 3 ص 203، 211 طبع مصر۔ طبقات ابن سعد ج 3 ص 129 قسم اول وغیرہا۔ بایں ہمہ یہ کہنا کہ یہ مقولہ اہلسنت کی کسی کتاب میں نہیں۔ کس قدر دیدہ دلیری اور سینہ زوری ہے؟

؎ چہ دلا در است وزدے کہ بکف چراغ دارد!

ثانیاً: یہ جو کہا گیا ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر آدمی کیساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ مضمون شیعہ کی کتب معتبرہ میں موجود نہیں۔ مگر بنا بر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا برے کام کی ترغیب دینا اور ہے (یہ تو اس کا کام ہے ہی) اور اس کی ترغیب کو قبول کرنا اور؟ ابوبکر صاحب نے یہ اقرار کیا ہے کہ شیطان ان پر غالب آجاتا ہے ''یعترینی'' کا یہ ترجمہ مؤلف نے غلط کیا ہے کہ ''وساوس ڈالتا ہے''۔ بلکہ ''اعتراء'' کے معنی ہیں۔ ڈھانپنا۔ غلبہ حاصل کرنا۔ قابو میں لینا۔ مطلب یہ کہ شیطان مجھ پر غالب آجاتا ہے۔ اور مجھے قابو میں لے لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مخلص بندے اس کے قابو میں نہیں آتے جس کا اعتراف خود شیطان کو بھی ہے۔ (ان عبادی لیس لک علیھم سلطان)

ثالثاً: انبیاءؑ علیہم السلام کے کلام سے ابوبکر کے کلام کا تقابل کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ انبیاءؑ باتفاق فریقین معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن وحدیث میں ان کا کوئی متشابہ قول وفعل مذکور ہو تو اسکی ایسی تاویل کرنا واجب ہوتی ہے۔ جس سے ان کی عصمت کا مطلع بے غبار ہو جائے۔ مگر ابوبکر تو باقرار مخالف معصوم نہیں اسلئے انکے کلام کی تاویل کرنا ضروری نہیں ہے۔

رابعاً: انبیاءؑ وآئمہؑ کا جو کلام یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں روئے سخن خداوند عالم کی طرف ہے جو ان کے خشوع وخضوع و کمال انقطاع الی اللہ اور اعتراف عجز وقصور از اوائے شکرانہ نعمت خداوندی کی دلیل ہے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ توبہ واستغفار وتضرع وزاری (اگر چہ بغیر عصیاں وگناہ ہو) بجائے خود بہترین عبادت ہے۔ اور بندے کے شکر گذار ہونے کی غماز ہے

؎ راندہ شدہ ابلیس از مستکبری ☆ گشت آدم مقبل از مستغفری

چنانچہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلا گناہ توبہ واستغفار کرنے پر کسی نے عرض کیا کہ جب آپؐ نے کوئی گناہ نہیں کیا تو پھر آپ توبہ واستغفار کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: اولا کون عبداً شکوراً۔ کیا (اگر میں نے گناہ نہیں کیا تو استغفار کر کے خدا کا) بندہ شکر گذار بن کر بھی نہ رہوں؟ (انوار نعمانیہ) خود مؤلف نے ص 259 سطر 21 پر لکھا ہے۔ ''بات یہ ہے کہ محبوبان حضورِ کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو واہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں۔ گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف قصور اس

کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں۔'' یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربان بارگاہ کی بدیاں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن ابوبکر کا روئے سخن خالق کی بجائے مخلوق اور رعایا کی طرف ہے تو جب ہدایت خلق کا دعویدار خود خلق سے اپنی ہدایت و رہنمائی کا طلبگار ہو تو وہ کس طرح خلق کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے؟ جو خلیفہ و امام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔

ع آن خو یشتن گم است کرا رہبری کند ؟

کیا انبیاءؑ و آئمہ علیہم السلام کا بھی اس طرح لوگوں سے کلام کرنا ثابت ہے؟ **ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین!**

خامساً: انبیاءؑ و آئمہ کے اسطرح کے ادعیہ و اذکار اور توبہ و استغفار کے متعلق ایک نظریہ یہ ہے کہ وہ ''تعلیم المسئلہ'' بارگاہ ایزدی میں لوگوں کو عرض و نیاز کرنے کا طریقہ تعلیم دینے پر محمول ہوتے ہیں چنانچہ علامہ ابن جوزی صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ **لو لا ادعیة علی ابن الحسین زین العابدین لما عرف المسلمون کیفیة المناجاة مع اللہ**۔ یعنی اگر امام زین العابدینؑ یہ مقدس دعائیں نہ ہوتیں تو مسلمانوں کو خدا سے مناجات کرنے اور اس کی بارگاہ میں عرض و نیاز کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہوسکتا! (حصائص)

سادساً: ابوبکر صاحب کے کلام کو کسر نفسی پر محمول کرنے کی بجائے ''اظہار حقیقت'' پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کہ خدا نے اصل حقیقت کو ان کی زبان پر جاری کر دیا۔ تاکہ جو لوگ **الحق مع علی و علی مع الحق** (ینابیع المودہ ص 14 طبع بمبئی وغیرہ) کے مصداق معصوم امام کو چھوڑ کر ایسے گنہگار شخص کو خلیفہ و امام تسلیم کر رہے ہیں ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ **لیھلک من ھلک عن بینة**

ع لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

پانچواں طعن:

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے آنحضرت ﷺ کا جنازہ نہیں پڑھا۔ جن لوگوں نے اپنے رسولؐ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ خلیفہ کیسے ہوسکتے ہیں؟

جواب:

جھوٹ محض جھوٹ۔ اگر آج کے شیعہ اپنی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں تو ایسے جھوٹ کہنے پر شرم آئے۔ مگر اللہ رے جہالت! اپنی کتابوں سے انہیں واقفیت نہیں (1) شیعہ کی نہایت معتبر کتاب اصول کافی ص 289 میں لکھا ہے عن ابی جعفر ۔۔۔ ترجمہ ''امام باقرؑ نے فرمایا جب نبی علیہ السلام فوت ہوئے آپ پر فرشتوں اور تمام مہاجرین و انصار نے فوج در فوج نماز

پڑھی‘‘۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ الف ولام جب صیغہ جمع پر واقع ہو تو استغراق کا معنی دیتا ہے۔ اس لئے بقول حضرت امام ؑ جب جمیع مہاجرین وانصار کا نماز جنازہ رسولؐ پڑھانا ثابت ہے تو پھر شیعہ کی بکواس۔۔۔کیا وقعت رکھتی ہے؟(2) شیعہ کی ایک دوسری مستند کتاب اخبار ماتم۔۔ص 65 میں ہے۔۔۔ترجمہ: حضرت امام باقرؑ نے فرمایا لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام پر کس طرح نماز پڑھیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا آپ ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں دس دس نے داخل ہو کر آپؐ پر نماز پڑھی پیر کے دن اور منگل کی رات صبح تک نماز ہوتی رہی اور منگل کے دن حتیٰ کہ تمام چھوٹے بڑے مرد وعورت نے مدینہ اور اردگرد کے لوگوں نے بغیر امام کے نماز پڑھی۔ اب شیعہ خود ہی انصاف کریں۔۔۔کہ تمام مہاجرین وانصار چھوٹے بڑے مرد وعورت۔۔ جنازہ میں شامل تھے تو کیا تمام۔۔۔کے عموم سے شیخین خارج ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابوبکر کا شامل جنازہ ہونا:

اگرچہ مذکورہ بالا دلائل نہایت واضح ہیں۔۔۔لیکن۔۔۔ضدی شیعہ کی اس سے تسلی نہ ہو اس لئے ہم وہ روایات لکھتے ہیں جن سے حضرت ابوبکر کا شامل جنازہ ہونا بالصراحت ثابت ہے۔ اصول کافی ص 185 میں ہے ’’ترجمہ:‘‘ امام جعفرؑ نے فرمایا حضرت عباس حضرت امیرؑ کے پاس آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ کو جنت البقیع میں دفن کریں اور یہ کہ ان لوگوں سے ایک شخص (ابوبکر) امام ہو۔ پس امیرؑ لوگوں کے پاس آئے اور کہا کہ رسول پاک ﷺ ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ میں اسی جگہ دفن کیا جاؤں جہاں میرا انتقال ہوا! امیرؑ دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور خود نماز پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا دس دس آدمی نماز پڑھتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اس روایت سے ثابت ہے کہ بوقت جنازہ رسول ﷺ حضرت ابوبکر موجود تھے۔ ممکن ہے اس سے ایک متعصب شیعہ کی تسلی نہ ہو۔ کیونکہ اس روایت میں بالاشارہ حضرت ابوبکر کے امام بنائے جانے کی خواہش کا ذکر ہے آپ کا نام بالتصریح موجود نہیں ہے تو اب ہم آپ کو وہ روایت دکھائیں۔ جس میں حضرت ابوبکر کا نام بھی درج ہے۔ جلاء العیون اردو ص 4 ج 1۔۔۔میں ہے جناب صادقؑ سے روایت ہے کہ عباس جناب امیرؑ کی خدمت میں آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت کو بقیع میں دفن کریں اور ابوبکر آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ جناب امیرؑ نے کہا بدرستیکہ رسول خدا ﷺ پیشوا اور امام ہمارے حیات وممات ہیں اور حضرتؐ نے خود فرمایا تھا کہ میں دفن ہوں گا۔ جہاں میری روح قبض کی جائے۔ اب تو شیعہ حضرات کی تسلی ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر حسب روایت امام صادقؑ صرف نماز جنازہ میں شامل ہی نہ تھے بلکہ تمام مسلمانوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ آپ ہی امام ہوں۔۔۔پھر کس قدر بے شرمی ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ کو جھٹلا کر شیعہ صاحبان تمام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ اچھے خلیفہ تھے کہ رسول کا جنازہ ہی نہ پڑھا۔

پیارے رسولؐ سے پیارے دوست کی آخری ملاقات:

(اس مقام) پر مؤلف نے جلا العیون اردو ص 77 سے بحوالہ ثعلبی (سنی) وہ روایت درج کی ہے جو اس سے پہلے ص 108 پر بعض فضائل ابو بکر نقل کر چکے ہیں۔ جس میں ابو بکر صاحب کے آنحضرت ﷺ سے چند عامیانہ (بلکہ احمقانہ) سوالات (از قسم آپؐ کا انتقال کب ہوگا؟ آپؐ کی بازگشت کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ) اور آنحضرت ﷺ کے مختصر حکیمانہ جوابات مذکور ہیں اور ہم اسی مقام پر اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔ جو قابل دید ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے (ناقل) اس کے بعد لکھا ہے اور جب ابو بکر آخری دم تک پروانہ وار شمع جمال احمدیؐ پر اپنی جان قربان کئے ہوئے تھے پھر کیونکر ممکن تھا کہ نماز جنازہ رسولؐ سے غیر حاضر ہوں۔۔۔؟ (آفتاب ص 233)

الجواب:

سچ بالکل سچ! شیخین کا اپنے حصول اقتدار کی خاطر جناب رسولؐ کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ سے غیر حاضر رہنا وہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی صاحب علم و انصاف اسکے انکار کرنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر مؤلف کو اپنی کتابوں پر عبور ہوتا تو بھی انکار نہ کرتے اور اگر انصاف کے۔۔ ہوتا تو جو شیعہ روایات اپنی تائید میں پیش کئے ہیں وہ پیش نہ کرتے۔ بہر حال انہوں نے سیرت شیخین اور سنت معاویہ و مروان پر عمل کرتے ہوئے شیعیان علیؑ کے حق میں جو زبان استعمال کی ہے ہم اسوہ علوی و حسنی اور ارشاد ربانی "وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا" "وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا" پر عمل کرتے ہوئے اس سے درگذر کر کے اصل حقائق پیش کرتے ہیں۔

ابو بکر وفات نبویؐ کے وقت حاضر نہ تھے:

(1) بخاری شریف ج 2 ص 180 طبع مصر میں ہے مات رسول اللہ و ابو بکر بالسخ جناب رسول خدا ﷺ کی وفات واقع ہوئی تو اس وقت ابو بکر مقام "سخ" میں تھے (جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ہے)

دفن رسولؐ کے وقت شیخین غائب تھے:

(2) تیسیر الباری ترجمہ بخاری طبع احمدی پریس لاہور پ 6 ص 4 کتاب الجنائز باب موت الاثنین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہا "میں ابی بکر کے پاس گئی ابو بکر نے کہا بیان کیجئے نبی صلعم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ بی بی عائشہ نے کہا تین کپڑوں میں پھر ابو بکر کہنے لگے کس دن رسول فوت ہوئے؟ عائشہ نے کہا پیر کے دن"۔ واہ رے شمع رسالت کے اس سچے پروانے کا عشق! اور یار غار کی رفاقت و محبت! کہ اقتدار کی جدو جہد اور دوڑ دھوپ میں ایسے بدحواس اور دیوانے ہوئے کہ دفن بھول گئے، کفن بھول گئے،

نماز جنازہ بھول گئے بلکہ وفاتِ پیغمبر کا دن بھول گئے۔فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

(3) کنز العمال ج3 ص 140 طبع حیدر آباد میں ہے عن عروۃ قال ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما لم یشھدا دفن النبی صلعم و کانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا۔عروہ روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر وعمر۔پیغمبر اسلام ﷺ کے دفن کے وقت حاضر نہ تھے بلکہ وہ انصار میں (خلافت کیلئے لڑ جھگڑ رہے) تھے۔اور انکی واپسی سے پہلے آنحضرت ﷺ دفن کر دیئے گئے۔(کذا فی السیرۃ الحلبیۃ ج3 ص392،394 والتاریخ للطبری ج3 ص198، 201 والکامل لابن الاثیر ج2 ص123)

(4) الامامۃ والسیاسۃ ص13 طبع مصر بذیل عنوان "کیف کانت بیعۃ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ" لکھا ہے کہ جب عمر نے باب فاطمہؑ کے جلانے کی دھمکی دی تو اسوقت جناب سیدہ سلام اللہ علیھا نے دروازہ کے اندر کھڑے ہو کر فرمایا لا عھدلی بقوم حضر و اسوء محضر منکم ترکتم جنازۃ رسول اللہ بین ایدینا و قطعتم امرکم بینکم لم تستامروا و لم تردوا لنا حقا ہمارا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ کوئی عہد و تعلق نہیں ہے جو برائی سے پیش آئے۔تم لوگوں نے رسول ﷺ کا جنازہ ہمارے درمیان چھوڑ دیا اور معاملہ خلافت کو خود باہم بیٹھ کر طے کرلیا۔نہ ہم سے مشورہ کیا اور نہ ہمارا حق (خلافت) ہمیں دیا۔ان تمام حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جو لوگ (شیخین) رسولؐ کے دفن و کفن سے غیر حاضر تھے۔لامحالہ وہ نماز جنازہ سے بھی غائب ہونگے حسب تصریح کنز العمال از علی متقی حنفی وہ اس وقت واپس آئے کہ جب آنحضرت ﷺ دفن بھی ہو چکے تھے تو نماز جنازہ کب اور کہاں پڑھی؟ وھذا اوضع من ان یحفی۔

شیعی روایات کا جواب:

اس سلسلہ میں مؤلف نے بہت کچھ ہاتھ پیر مار کر جو روایات کتب شیعہ پیش کی ہیں ان سے ہرگز انکا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً پہلی روایت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ "صلت علیہ الملائکہ و المھاجرین و الانصار"۔میں المھاجرین و الانصار پر جو الف ولام کے مفید استغراق ہونے میں اختلاف ہے اگرچہ مشہور یہی ہے جیسا کہ کتب نحو واصول کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے۔

ثانیاً: بنا بر تسلیم اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ہر جگہ استغراق و عموم ہی مراد ہوتا ہے اور بطور عہد خارجی مخصوص افراد مراد نہیں ہو سکتے (ولو مجازاً)

ثالثاً: اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے عموم تسلیم بھی کر لیا جائے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم اصول فقہ و معانی و بیان کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ لا دلا لۃ للعام علی الخاص باحدی الد لالات الثلاث کہ عام کی خاص پر تینوں دلالتوں (مطابقی، تضمنی اور التزامی) میں سے کوئی دلالت بھی نہیں ہوتی۔لہٰذا عام مہاجرین وانصار کے نماز جنازہ پڑھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے بھی پڑھی! تیسری روایت سے استدلال دیکھ کر تو ہمیں مؤلف کے دماغی توازن کے قائم ہونے میں بھی تردد ہو گیا ہے۔دعویٰ یہ ہے کہ

وہ ایسی روایات پیش کر رہے ہیں۔ جن میں ابوبکر کے شامل جنازہ ہونے کی صراحت ہے اور جو روایت اصول کافی سے پیش کی ہے۔
اس میں صراحت تو کجا کوئی اشارہ و کنایہ تک موجود نہیں۔ بلکہ یہ لفظ موجود ہے۔ ویو مهم منهجم جل یعنی لوگوں نے جنت البقیع میں
آنحضرتؐ کو دفن کرنے پر اتفاق کیا ہے اور اس پر کہ انہیں میں سے کوئی آدمی ان پر نماز پڑھا دے ''رجل'' اسم نکرہ ہے جس کا
مطلب ہے ''کوئی ایک مرد'' مؤلف کی اپچ قابل داد ہے کہ پہلے اس سے مخصوص شخص مراد لے کر پھر قوسین میں خود ہی لکھتے ہیں
(ابوبکر) اور پھر آخر میں خود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں'' کہ اس روایت میں بالاشارہ حضرت ابوبکر کے امام بنائے جانے کی خواہش کا ذکر
ہے۔ آپ کا نام بالتصریح موجود نہیں'' کجا وہ شوراشوری اور کجا بے نمکی۔ دعویٰ صراحت کا تھا نکلا اشارہ۔۔۔ حالانکہ دراصل اسمیں اشارہ
بھی نہیں ہے۔ باقی رہی چوتھی روایت جو جلاء العیون سے پیش کی ہے۔ اس کا جواب بھی واضح ہے۔ اس روایت میں یہ کہاں وارد ہے
کہ ابوبکر اس وقت وہاں موجود بھی تھے؟ اس میں تو صرف بعض لوگوں کے اس عزم و ارادہ کا تذکرہ ہے کہ ابوبکر نماز پڑھائیں (جن کو
سقیفہ سے بلایا جا سکتا تھا) اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ وہاں موجود بھی تھے اور پھر انہوں نے خود نماز بھی پڑھی یا پڑھائی تھی۔ اگر ان
حضرات میں کچھ بھی ہمت اور جرأت ہے تو آئمہ طاہرین کا کوئی ایسا مستند فرمان پیش کریں جس میں ابوبکر و عمر کے جنازہ رسولؐ میں
شریک ہونے کی صراحت موجود ہو۔ ورنہ یاد رکھیں ان بھول بھلیوں سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

بر سولاں بلاغ باشد و بس ☆ گر نیاید بگوش حقیقت کس

''پیارے رسولؐ سے پیارے دوست کی آخری باتیں'' کے زیر عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے ہم اس پر ''فضائل ابوبکر'' کے ذیل
میں مکمل تبصرہ کر کے اس فرضی فضیلت کا رذیلت ہونا ثابت کر چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوبکر تو آخری لمحات
میں آنحضرتؐ کے پاس موجود ہی نہ تھے (جیسا کہ ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ) وہ ''مقام سخ'' میں گشت فرما رہے تھے۔

آخری وقت میں حضرت علیؑ کا آنحضرتؐ کے پاس ہونا اور سرگوشی کرنا:

بلکہ آخری وقت صرف امیر علیہ السلام موجود تھے۔ جن کو آنحضرتؐ نے بلوایا تھا اور انہی کی گود میں آنحضرتؐ کا
سر اقدس تھا کہ روح مقدس قفس اقدس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جناب عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے آخری لمحات حیات
میں فرمایا ادعوا الی حبیبی! میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے ابوبکر کو بلایا۔ آپؐ نے دیکھ کر سر تکیہ پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا
میرے حبیب کو بلاؤ! میں نے عمر کو بلایا آپؐ نے دیکھ کر سر تکیہ پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے لوگوں سے کہا۔ علیؑ کو
بلاؤ۔ بخدا آپؐ ان کے بغیر اور کسی کو نہیں بلاتے! چنانچہ جب جناب علیؑ تشریف لائے تو ان کو کپڑے کے نیچے لے کر سینے سے لگا لیا اور
اسی حالت میں آپؐ کی وفات ہوئی (معجم کبیر طبرانی وغیرہ) اسی طرح جناب ام سلمہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے تین بار
دریافت فرمایا جاء علی کیا علیؑ آ گئے ہیں؟ جب حضرت علیؑ تشریف لائے تو ہم لوگ علیحدہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ راز

دو نیاز کی باتیں کیں اور اسی حالت میں آپ کا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال پر ملال ہو گیا (مستدرک حاکم ج3 ص139 طبع حیدر آباد دکن، السنن الکبریٰ للنسائی ج5 ص154 طبع بیروت)

لطیفہ:

مؤلف کا یہ کہنا کہ "ابوبکر آخری دم تک پروانہ وار شمع احمدی پر اپنی جان نثار کئے ہوئے تھے" پھر کیونکر ممکن ہے کہ نماز جنازہ رسولؐ سے غیر حاضر ہوں بہت ہی شگفت آور ہے۔ موصوف کو کیا یہ معلوم نہیں کہ پروانہ صرف اس وقت تک شمع کے ارد گرد طواف کرتا ہے جب تک شمع روشن رہتی ہے۔ اُدھر شمع گل ہوئی اور ادھر پروانہ غائب ہوا۔ ولنعم ما قیل۔

؎ چوں صحابہ حب دنیا را شتند ☆ مصطفیؐ را بے کفن گذاشتند

(مولانا رومؒ)

نتیجۃ الکلام:

ان حقائق کی روشنی میں واضح وعیاں ہو گیا کہ شیخین جنازہ رسولؐ سے غیر حاضر رہے اور جو اس قدر مطلب پرست ہو کہ اپنے ذاتی مفاد اور اقتدار پر رسول اسلام ﷺ کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کو قربان کر دے وہ ہرگز ہرگز آنحضرت ﷺ کا جانشین اور امیر المؤمنین نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس منصب جلیل کا مستحق صرف اور صرف وہ بزرگوار ہو سکتا ہے کہ جو

؎ امامے کہ روز وفات پیغمبر ☆ خلافت گذارد بماتم نشیند

کا مصداق ہو۔ وھو سو اللہ فی العالمین علی بن ابی طالب علیہ افضل صلوۃ المصلین الی یوم الدین و الحمد للہ رب العالمین۔

چھٹا طعن (قضیہ فدک):

شیعہ کا یہ طعن ہے کہ ابوبکر صدیق نے فدک بنت رسولؐ (فاطمہؑ) سے چھین لیا۔ ان کو ناراض کیا اور رسول پاک ﷺ نے خاتون جنت کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی سے تعبیر کیا پھر ایسا شخص خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب:

چونکہ شیعہ صاحبان اس طعن کو بڑی شد و مد سے پیش کیا کرتے ہیں۔۔۔ اس لئے ہم اس کے متعلق شرح و بسط سے کلام کر کے۔۔۔ پہلے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فدک ہے کیا چیز۔۔ قرآن کا فیصلہ اس کے متعلق کیا ہے اور رسول پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ۔۔۔ اہلبیت۔۔۔ کا طرز عمل کیا رہا۔۔

فدک کی تعریف:

سو فدک جیسا کہ قاموس میں ہے ایک چھوٹے سے قریہ کا نام ہے جو خیبر کے نواح میں ہے اور جو یہود کے قبضہ میں تھا ۔جب آنحضرت ﷺ فتح خیبر سے واپس ہوئے تو محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کے پاس ۔۔۔ بھیجا ۔۔۔ یہود نے حضور ﷺ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اور صلح کے عوض فدک کی آدھی زمین دینی منظور کی ۔ چونکہ یہ جائداد قبضہ اسلام میں بدون لڑائی بطور صلح آئی تھی ۔ اس لئے اسے فےء کہتے ہیں اور فےء کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی قابل عمل تھا فی الحقیقت فدک کی کل کائنات چند کھجوریں ہیں جن کے متعلق اسقدر دھائی مچائی جاتی ہے کہ صحابہ نے خاتون جنت کی جائیداد چھین لی۔

فدک کی حقیقت شیعی نقطہ خیال سے:

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی ص 355 میں ایک طوالانی حدیث لکھی ہے جس میں حضرت ابوالحسن موسیٰ نے خلیفہ مہدی سے فدک کی واپسی کے متعلق مکالمہ کیا ہے ۔۔۔ فقال لہ الھدی ۔۔۔ ترجمہ: مہدی نے کہا اے ابوالحسن ! فدک کی حد بتایئے: امام نے کہا ایک کنارہ اس کا کوہ احد ہے اور دوسرا عریش مصر۔ ایک گوشہ سمندر اور دوسرا دومۃ الجندل۔ مہدی نے کہا کیا یہ سب فدک ہے؟ امام نے کہا ہاں! خلیفہ نے کہا یہ تو ایک ملک ہے اور میں اس بارے میں غور کروں گا۔ شیعہ کی اس حد شماری سے فدک آدھی دنیا کا نام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ فدک لاکھوں کی جائیداد تھی جو ابو بکر نے دبالی۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا رسول پاک ﷺ دنیا طلبی کیلئے مبعوث ہوئے تھے کہ نبوت کے اقتدار سے جن ممالک پر قبضہ ہوا وہ سب دختر نیک اختر کے حوالہ کر دیا۔ مخالفین اسلام اس بارہ میں کیا کہیں گے؟ ہمارے رسول پاک ﷺ اور آپ کے اہلبیت کی تو یہ حالت تھی کہ باوجود شہنشاہ اعظم ہونے کے تین تین روز فاقے گذرتے تھے۔ پھر جب آپ کی وفات ہوئی ۔ تو آپ کی زرہ چند درہم کے عوض ایک یہودی کے گرد تھی ۔ اور آپکے اہلبیت بھی اسکے خوگر تھے کہ فاقے سے رہ کر یاد خدا میں شب و روز مصروف رہتے تھے ۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ذمے ایک بہت بڑا افتراء ہے کہ آپ نے ایک بڑا ملک ۔۔ فقراء و مساکین امت کو محروم کر کے سارا اپنی بیٹی کو دے دیا اور اسی طرح ۔ فاطمۃ الزہراءؑ پر یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ آپ دنیائے حقیر کی اسقدر دلدادہ تھیں ۔ کہ کچہریوں میں مقدمات لڑتی پھریں۔ استغفر اللہ!

فدک کے متعلق فیصلہ قرآن:

یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ فدک مال فے ء تھا۔ مال فے ء کے متعلق قرآنی فیصلہ کیا ہے؟ پارہ 28 سورہ حشر آیت 7 میں ہے" مَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْ أَهْلِ ٱلْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ "" ترجمہ: جو زمین اور جائیداد بطور فے ء اہل دیہات سے رسول کو ملی وہ خدا و رسول اور قرابتداران رسول اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور فقراء اور مہاجرین اور ان سب مسلمانوں کیلئے (وقف) ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں گے۔" اس آیت میں صریح فیصلہ موجود ہے کہ مال فے ء۔۔۔ کسی کی خاص ملکیت نہیں بلکہ اس کے حقدار رسول و۔و۔و (جو آیت میں مذکور ہیں۔ ناقل)۔۔ پھر شیعہ کا یہ خیال برخلاف فیصلہ قرآن کہ فدک۔۔۔ رسول پاکؐ نے صرف فاطمۃ الزہراءؑ کی ملکیت میں دے دیا تھا۔ نہ صرف قرآن کو ہی جھٹلانا ہے بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذمے اتہام لگانا ہے۔ کیا فیصلہ قرآن سے بڑھ کر کوئی اور فیصلہ ہوسکتا ہے؟ شیعہ جواب دیں!

کیا فدک رسول پاکؐ کی ذاتی جائیداد تھی؟

فدک کو فاطمۃ الزہراءؑ کی ملکیت قرار دینے کے متعلق شیعہ کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ۔۔ آپ کو بطور ہبہ ملا تھا اور کبھی یہ کہ وراثتاً ترکہ میں آیا تھا۔ لیکن یہ دونوں باتیں تب ہوسکتی ہیں۔ کہ فدک رسولؐ کی ذاتی ملکیت ہوتی۔ لیکن اس بات کا ثابت کرنا بالکل مشکل ہے۔ اول تو یہ کہ آیت بالا اس کے مخالف ہے۔ دوم یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ذاتی جائیداد وہ ہوتی ہے جو کسی شخص کو وراثتاً ملے یا اس نے ذاتی کمائی سے خریدا ہو۔ یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ بادشاہ یا امام نبیؑ کو جو جائیداد حکومت یا امامت یا نبوت کے اثر سے حاصل ہوئی ہو وہ بادشاہ یا امام یا نبی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ گورنمنٹ کی ملکیت ہوتی ہے۔ وہ اس کے وارثوں کو وراثت میں نہیں ملا کرتیں۔ (یہاں مؤلف نے مضمون بالا کی مزید وضاحت کی خاطر جناب شبلی نعمانی کی الفاروق ج 2 ص 171 سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ جس کا مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا کہ بادشاہ، نبی، امام کے قبضہ میں جو جائیداد ہو اسکی دو حیثیتیں ہوا کرتی ہیں۔ ذاتی مملوکہ اور مملوکہ حکومت پھر مثالیں دے کر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ خوف طوالت اور مطلب کے واضح ہونے کیوجہ سے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ ناقل) بس جب فدک حضور علیہ السلام کے ذاتی املاک ہی سے نہ تھا تو اس کا ہبہ بحق خاتون جنت کر دینا یا آپ کی وفات پر وراثتاً آپ کو ملنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

ایک عجیب قصہ:

ہبہ فدک کے متعلق شیعہ حضرات نے ایک عجیب قصہ تراش کر رکھا ہے۔ جس کا اصول کافی ص 255 میں ہے۔ ترجمہ: امام ابوالحسن نے کہا خدا نے رسول پاک ﷺ کے ہاتھ پر فدک وغیرہ فتح کئے۔ جن کے متعلق فوج کشی نہ کی گئی تھی تو خدا نے آیت آت ذالقربی حقه (دے رشتہ دار کو اس کا حق) نازل کی تو رسول کو معلوم نہ ہو سکا کہ ذوالقربیٰ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیلؑ سے استفسار کیا اور جبرئیلؑ نے رب العزت سے تو خدا نے وحی بھیجی کہ فدک فاطمہؑ کو دے دیجئے۔ تب رسولؐ نے بلا کر کہا۔ فاطمہؑ! خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں۔ فاطمہؑ نے کہا میں نے خدا اور رسولؐ سے یہ عطیہ قبول کیا۔ قصہ تراشنے والوں نے اپنے مطلب کی بات تو وضع کر لی لیکن یہ نہیں سوچا کہ اس سے رسول پاک ﷺ پر الزام آتا ہے ک ذوالقربیٰ کے معنی بھی نہ سمجھ سکے پھر اللہ پر یہ الزام آتا ہے کہ اس نے یہ حکم ایسے معمہ کے طور پر فرمایا نہ اس کا معنی صاحب الوحی سمجھ سکے نہ حامل وحی۔ پہلے ہی سے یوں فرما دیا جاتا وآت فاطمہ فدک (فاطمہ کو فدک دے دیجئے)۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟ وہ ہجرت کے بعد قبضہ اسلام میں آیا۔

دعوائے ہبہ فدک:

شیعہ کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہراءؑ نے فدک ۔۔ کا مقدمہ دربار صدیق میں دائر کیا اور دو ۔۔ ثقہ اور معتبر گواہ (حضرت علی وام ایمن) بھی پیش کئے۔ لیکن ابوبکر نے شہادت رد کر دی ۔۔۔ سو اول تو اس واقعہ کا ثبوت اہلسنت کی کسی معتبر کتاب سے نہیں ملتا ہے کیونکہ بحکم قرآن ''وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ'' (البقرہ آیت 282) ''دو گواہ رکھو وہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں'' چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت موجود نہ تھا ۔۔ اس لئے اگر ابوبکر صدیق اس شہادت پر فیصلہ بحق خاتون جنت کرتے تو لوگ کہتے دختر رسولؐ کی خاطر غلط فیصلہ دے رہا ہے ۔۔ عدالت و انصاف کا بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے ایوان عدالت میں شاہ گدا، امیر وغریب، شریف ورذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ واستشھدو کا حکم عام ہے۔ اول تو یہ ناممکن ہے کہ ۔۔۔ جناب امیرؑ ۔۔ نامکمل شہادے لے کر ۔۔۔ عدالت میں حاضر ہوں۔ اگر ایسا ہو گیا ہو تو خلیفہ رسولؐ کا اہم فرض تھا کہ بحکم خدا ۔۔۔ اس نامکمل شہادت پر خاتون جنت کے حق میں ڈگری نہ دیں۔ امیرؑ اور خاتون جنت کو بجائے اس کے کہ ناراض ہوں حاکم شرح خلیفہ کی داد دینی چاہیئے تھی (اس کے بعد اس مقام پر مؤلف نے دو واقعات نقل کئے ہیں۔ ایک عمر کے مقرر کردہ قاضی زید بن ثابت کے دربار میں عمر اور ابی بن کعب کا مرافعہ لے جانے اور زید کے عمر کی معمولی رعایت کرنے پر عمر کے ان کی سر

زنش کرنے کا۔۔اور دوسرا شریح قاضی کی عدالت میں حضرت امیرؑ کے یہودی کے ساتھ زرہ کے بارے میں مقدمہ پیش کرنے اور اس کے گواہ طلب کرنے پر آپ کے امام حسن اور قنبر کو پیش کرنے اور اس کے ان کو نامنظور کرنے کا۔۔کہ اس پر آپ ناراض نہ ہوئے)الغرض دعویٰ فدک کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے نہ حضور علیہ السلام باقی اقرباء کو محروم کر کے اکیلے فاطمۃ الزہراءؑ کو یہ جائیداد دے سکتے تھے۔

دعویٰ وارثت:

جب ہبہ کی طرف سے فیل ہوتے ہیں تو شیعہ حضرات وراثت کا سوال پیش کر دیتے ہیں کہ۔۔۔فاطمۃ الزہراءؑ نے ابوبکر کے پاس دعویٰ کیا کہ فدک وراثت میں مجھے ملنا چاہیئے۔سو یہ۔۔۔پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

(1)وارثت بھی ان ہی اشیاء میں ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہوں جب فدک حسب مسئلہ مال فئی (وقف) تھا۔تو وراثت کیسی!

(2)اس لئے کہ دیگر ورثاء کو محروم کر کے اکیلے فاطمہؑ کو بطور وراثت لینے کا کیا حق تھا۔حضرت کی نو بیویاں اور حضرت عباس (چچا) بھی موجود تھے۔اگر فدک میں سلسلہ وراثت جاری ہوسکتا۔تو حضرت ابوبکر کو۔۔کچھ عذر نہ ہوتا۔۔اس سے آپ کے دختر عائشہ بھی بہرہ یاب ہوتیں اور حضرت عباس بھی۔۔

(3)آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے"نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقة"(ہم گروہ انبیاء نہ کسی مال دنیوی کے وارث ہوتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے)

سوال شیعہ:

آیت"یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ أَوْلَٰدِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَیَیْنِ"(النساء آیت 11)عام ہے پھر رسول اللہ اس سے کیسے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں۔اور حدیث صحیح بھی تو آیت کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔

جواب:

کئی آیات میں جو بظاہر عام ہوتی ہیں۔لیکن رسولؐ اس حکم سے مستثنیٰ ہوتے ہیں"فَانکِحُوا مَا طَابَ لَکُم مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنَیٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ"(النساء آیت 3)عام ہے جس کا مفہوم ہے کہ چار بیویاں کرنا جائز ہیں۔زائد نہیں۔رسول پاکؐ اس سے مستثنیٰ ہیں۔۔۔اسی طرح یوصیکم اللہ سے بھی آپؐ مستثنیٰ ہیں اور حدیث ناسخ نہیں۔بلکہ حدیث مذکور سے تخصیص مطلوب ہے اور حدیث مخصص آیت ہوسکتی ہے۔

سوال شیعہ:

حدیث لانرث الخ حضرت ابوبکر نے خود ہی وضع کر لی ہے۔

جواب:

شیعہ کی لاعلمی یا ہٹ دھرمی پر افسوس ہے یہی حدیث شیعہ کی کتابوں میں بروایت آئمہ اہلبیتؑ موجود ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص 17 میں ہے ترجمہ: ''ابی عبداللہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے، بلکہ اپنی احادیث چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے یہ میراث پائی اس کو بہرہ وافر ملا'' اس حدیث میں مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء مال دنیا کی میراث ہرگز نہیں چھوڑتے۔ بلکہ انکی میراث علم وحکمت ہوتی ہے۔ خدا کے فضل سے شیعہ کی کتابیں علماء اہلسنت کے پاس موجود ہیں۔

سوال شیعہ:

دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء مال دنیا ترکہ میں چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی اولاد وارث ہوسکتی ہے۔ آیات یہ ہیں (1) ''وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ'' ۔۔۔ (النمل آیت 16) (2) ''فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ ءَالِ يَعْقُوبَ''! (المریم آیت 5،6)

جواب:

شیعہ صاحبان کی سمجھ پر افسوس ہے۔ جن آیات کو وہ اپنی دلیل سمجھتے ہیں حقیقت میں ان سے ان کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔ دونوں آیات میں میراث نبوت وحکمت مراد ہے ورنہ اگر دنیوی مال کی وارثت ہوتو آیت کا معنی ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ کے نہ صرف سلمانؑ واحد فرزند تھے۔ بلکہ آپ کے اٹھارہ فرزند اور بھی موجود تھے۔ اسلئے سب وارث ہوئے نہ اکیلے۔ حضرت سلیمان۔ الا۔ میراث نبوت حضرت سلیمانؑ ہی کو ملی۔ دوسری آیات سے اسکی تصدیق ہوتی ہے ''وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَنَ عِلْمًا'' (النمل آیت 15) ''وَقَالَ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ ٱلطَّيْرِ'' (النمل آیت 16)۔۔ فی الحقیقت مال دنیا عطا ہونا ایک نبی کی فضیلت ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انبیاء کی دولت علم وحکمت ونبوت ہوتی ہے۔۔ ایک اور حدیث سے بھی یہ عقدہ حل ہوتا ہے کہ وارثتِ سلیمانؑ مالی نہ تھی۔۔۔ ترجمہ: سلیمانؑ داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت محمد ﷺ سلیمانؑ کے وارث ہوئے (اصول کافی)

کون نادان کہہ سکتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا کوئی دفینہ باقی رہ گیا تھا جو ہمارے پیغمبرؐ کے قبضہ میں آیا چونکہ حضور حضرت

سلیمانؑ کے بعد کامل مکمل نبی ہوئے۔اس لئے گویا حضرت سلیمانؑ کے ترکہ (نبوت) کے۔۔آپ ہی وارث سمجھے جاتے ہیں۔دوسری آیت وھب لی من لدنک۔۔حضرت زکریاؑ نے جو فرزند صالح کی تمنا کی تھی وہ اس لئے نہ تھی کہ آپ بہت سی دولت و مال کے مالک تھے اور آپ کو کھٹکا تھا کہ اس کو دوسرے وارث نہ سنبھال لیں۔کوئی بیٹا پیدا ہوجائے تو اس کے نصیب ہو۔اگر ہو بھی اور وارثوں کو ملنا پسند نہ ہو تو ایک آن میں سارا مال راہ خدا میں صرف کیا جاسکتا ہے۔۔۔آپ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! مجھے ایسا ولی عطا ہو جو میراث نبوت کا مالک ہو سکے۔۔۔اگر میراث سے مراد علمی نہیں بلکہ مالی ہے اور یرثنی کا مضمون صحیح بھی ہو تو یرث من آل یعقوب کا مفہوم درست نہیں ہوسکتا۔کیونکہ حضرت یعقوبؑ اور زکریاؑ کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو کیا اب تک آل یعقوب کا مال غیر منقسم پڑا تھا کہ وہ سب مال حضرت یحیٰی بن زکریا کو ملنا تھا۔ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہاں وراثت علمی مراد ہے۔۔غرض دونوں آیات میں وارثت مالی مراد ہونا کسی صورت سے درست نہیں ہوسکتا۔بلکہ وراثت علمی مراد ہے۔۔تحقیق بالا سے ثابت ہوگیا کہ فدک مملوکہ خاص آنحضرت ﷺ کا نہ تھا نہ آپ نے فاطمہؑ کو بطور ہبہ دیا تھا نہ بطور وراثت آپ کو مل سکتا تھا یہ مال فے ء تھا۔مساکین و یتامی۔کا حق تھا۔حضرت ابوبکر نے اس میں وہی عمل کیا جو جناب رسالت مآبؐ نے کیا۔باقی صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔

حضرت علیؑ کا عمل:

یہ امر شیعہ کے دعویٰ کے بطلان کی صریح دلیل ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے عہد میں بھی فدک ورثاء فاطمہؑ میں تقسیم نہیں کیا۔بلکہ بدستور سابق عامۃ المسلمین کیلئے وقف رہا۔۔ہم فروع کافی ج 3 کتاب الروضہ 29،30 سے ایک خطبہ جناب امیرؑ کا درج کر دیتے ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے وقت میں فدک ہی ورثاء فاطمہؑ کو نہ دیا ۔۔(ترجمہ)۔۔۔جناب امیرؑ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے جبکہ آپ کے گرد آپ کے اہلبیت اور شیعہ بیٹھے ہوئے تھے پہلے خلیفوں نے مجھ سے پہلے ایسے کام کئے ہیں جن میں رسول خدا کی مخالفت کی گئی ہے اور دانستہ خلاف کیا گیا ہے۔عہد توڑا گیا۔رسولؐ کی سنت تبدیل کی گئی ہے اور اگر میں لوگوں کو وہ کام چھوڑنے کیلئے کہہ کر اصلی حالت پر لانا چاہوں جیسا کہ رسولؐ کے وقت میں تھا تو میرا لشکر مجھ سے علیحدہ ہوجائے اور میں صرف اکیلا رہ جاؤں یا چند شیعہ رہ جائیں۔جو میری فضیلت اور میری خلافت و امامت کے فرضیت قرآن اور حدیث سے جانتے ہیں۔اگر میں کہوں مقام ابراہیمؑ اس طرح کر دیا جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں تھا اور باغ فدک کو ورثاء فاطمہؑ کو واپس دلا دوں اور صاع کو ایسا ہی کر دوں جیسا کہ رسولؐ کے وقت تھا اور لوگوں کو متعہ کا حق دے دوں اور پانچ تکبیر جنازہ پڑھنے کا حکم دوں تو لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں بخدا میں نے لوگوں کا کہا کہ ماہ رمضان میں بغیر نماز فرض کے جمع نہ ہوں (نماز تراویح نہ پڑھیں) اور میں نے انہیں

بتایا کہ نوافل (تراویح) کیلئے مجتمع ہونا بدعت ہے تو میرے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مل کر لڑائی کر رہے ہیں۔ منادی کرا دی کہ اے مسلمانوں حضرت علیؑ حضرت عمر کی سنت کو بدلنا چاہتے ہیں اور ہمیں ماہِ رمضان میں نوافل تراویح پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ اس خطبہ سے ثابت ہوا کہ جناب امیرؑ جماعت کے افتراق کے خوف سے نہ تو فدک ورثاء فاطمہؑ کو واپس دلا سکے ۔ نہ متعہ جیسے کار ثواب کی ترویج کرا سکے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ امیرؑ کی خلافت و امامت کس کام کی تھی؟ وہی بدعات جو پہلے خلفاء نے جاری کر رکھی تھیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک بے بس تھے کہ باغ فدک وغیرہ بھی حسنینؑ کو نہ دلا سکے۔ پھر آپ کی خلافت سے شیعہ کو فائدہ ہی کیا پہنچا؟ یہ بھی تعجب ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی زندگی میں تو درہ عمر یا تیغ صدیقی کا خوف تھا۔ بعد وفات ان کے لوگوں کو کیا کھٹکا تھا کہ ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ کیا جناب امیرؑ کے خطبات بلیغہ کا بھی ان کے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نہ ذوالفقار حیدری کی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو سکی۔ کیا صداقت تھی جو دلوں کو فتح کر چکی تھی۔ یہ سب حیلے بہانے ہیں کہ لوگوں کے افتراق کا خوف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فدک کے متعلق جناب امیرؑ کو خوب معلوم تھا کہ فیصلہ خلفاء مطابق قرآن اور حدیث رسولؐ تھا اسی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل مشکل تھا۔ اسکے جواب میں شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے وقت میں فدک اس لئے واپس نہیں دلایا کہ مغصوبہ چیز کا واپس لینا شانِ امامت کیخلاف تھا۔

جواب الجواب:

ہم کہتے ہیں یہ درست نہیں اگر۔۔۔ درست نہ تھا تو خلافتِ مغصوبہ کیوں واپس لی گئی۔۔۔ جب نہ آپ نے اور نہ امام حسنؑ نے فدک واپس کیا تو ظاہر ہے کہ فیصلہ خلفاء ماسبق کو ناطق سمجھ کر اس کی مخالفت نہ کی۔۔۔

غضبِ فاطمہؑ:

شیعہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر کے ہاں فدک کے متعلق دعویٰ کیا ابوبکر نے نہ دیا تو فاطمہؑ غضبناک ہوئیں اور حضرت ابوبکر سے بات چیت نہ کی حتیٰ کے فوت ہو گئیں۔ غضب فاطمہؑ غضب خدا اور رسولؐ ہے۔

جواب:

اول: صحیح بخاری کی جو حدیث بیان کی جاتی ہے۔ وہ کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے صرف عائشہ کا قول ہے اور یہ قصہ درایۃً نا قابل تسلیم ہے اول اس لئے کہ حضرت فاطمہؑ بنت رسولؐ سے جس کا لقب ہی بتول (تارک الدنیا) تھا یہ توقع نہیں کہ وہ چند کھجوروں کیلئے مقدمہ بازی شروع کر کے کچہری میں نامحرموں کے پاس جا کر اصالتاً حاضر ہو کر مخاصمہ کریں۔۔۔

دوم: بخاری اور مسلم کی حدیث میں لفظ ''وجت'' ہے جس کے معنی ''مذمت'' کے ہیں یعنی صدیق اکبر سے آپ نے معقول جواب سن لیا تو اپنے دعویٰ کرنے پر آپ کو ندامت ہوئی اور پھر اپنے مرنے تک اس کے متعلق کبھی گفتگو نہ کی جن روائیتوں میں غضب کا لفظ ہے اس کا معنی بھی یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر خفا ہوئیں۔

سوم: اگر بفرض محال تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت فاطمہؓ اس بات سے خفا ہوگئیں تو یہ اقتضاء بشریت ہے جس حدیث میں وعید ہے اس میں لفظ ''من اغضبھا'' یعنی جس نے دانستہ آپ کو غضبناک کیا۔ یہاں غضاب نہیں ہے۔ کیونکہ ابوبکر نے یہ معاملہ آپ کو غضبناک کرنے کو نہیں کیا بلکہ تعمیل ارشاد رسولؐ وحکم قرآن ایسا کیا۔ تقاضائے بشریت ہے کہ بعض اوقات خواص اہل اللہ کو بھی کسی غلط فہمی کی بنا پر رنجیدگی لاحق ہوجاتی ہے اور اس سے کوئی برا نتیجہ اخذ کرنا نادانی ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک اولو العزم رسول تھے جب کوہ طور سے چلہ پورا کرکے واپس آئے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا ایسے غضبناک ہوئے کہ الواح مقدسہ کو زمین پر دے مارا اور اپنے بھائی ہارون (نبی) کو سر اور داڑھی سے پکڑ کر کھینچا۔ جس پر ہارون نے اپنی بے قصوری کا عذر پیش کرکے بھائی سے کہا مجھے بے عزت کرکے دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں۔۔ جب ایک رسول کا اپنے بھائی نبی پر اس طرح غضبناک ہوکر دست بگریبان ہونا طرفین میں سے کسی کا خطاکار ہونے کا باعث نہیں ہوسکتا تو حضرت فاطمہؓ اگر غصہ کریں تو آپ کا یا جناب صدیق اکبر کا اس سے مجرم ہونا کس طرح ثابت ہوسکتا ہے؟

چہارم: شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بارہا حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؑ کے مابین ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جناب خاتون جنت حضرت علیؑ پر غضبناک ہوکر ان کے گھر سے نکل کر اپنے والد ماجد رسالتمآبؐ کے گھر چلی گئیں۔۔۔ تو جب حضرت فاطمہؑ کے غضبناک ہونے سے حضرت علیؑ پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔۔۔ تو حضرت ابوبکر پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟

حضرت علیؑ پر حضرت فاطمہؑ کا ناراض ہونا:

جلاء العیون اردو ص 137 میں ہے (یہاں اس مضمون کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جناب جعفر طیار جب حبشہ میں تھے ان کو کسی نے ایک کنیز ہدیہ بھیجی انہوں نے مدینہ پہنچکر بطور ہدیہ حضرت امیرؑ کو دی۔ وہ خدمت کرتی۔ ایک دن جناب سیدہ حضرت امیرؑ کو اس کے دامن میں سر رکھے۔ دیکھ کر ناراض ہوگئیں۔ اور اجازت لیکر رسولؐ کے پاس چلی گئیں۔ قبل اس کے کہ آپ کوئی حرف شکایت زبان پر لائیں آنحضرت ﷺ نے بوجہ نزول جبرئیلؑ حکم خدا سے مطلع ہوکر فرمایا۔ علیؑ کے پاس پھر جاؤ اور کہو میں راضی ہوں، چنانچہ جناب نے واپس آکر تین مرتبہ کہا میں راضی ہوں) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب سیدہ ایسی زود رنج تھیں کہ کنیز کو جناب امیرؑ کے پاس دیکھ کر خفا ہوگئیں۔

دوسرا واقعہ ناراضگی فاطمہؑ:

جلاء العیون اردو ص 63،62 میں (یہاں وہ قصہ نقل کیا ہے کہ کسی شقی نے حلفیہ طور پر جناب سیدہؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت علیؑ نے دختر ابو جہل کی خواستگاری کی ہے۔ یہ سن کر جناب سیدہ کو بہت غیرت آئی۔ اور بالآخر تمام بچوں کو ساتھ لے کر اپنے پدر بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں۔ جناب رسول خداؐ بھی یہ قصہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے۔ الغرض آنحضرت ﷺ جناب سیدہ اور بچوں کو ہمراہ جناب امیرؑ کے پاس آئے اور جب جناب امیرؑ نے حلفیہ بیان دیا کہ جو کچھ جناب سیدہ سے کسی نے کہا ہے وہ صحیح نہیں۔ میرے تو دل میں بھی یہ خیال نہیں گذرا۔ تب جناب فاطمہؑ خوشحال ہوئیں اور) اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؑ کسی کے حلفیہ کہہ دینے سے کہ جناب امیرؑ دختر ابو جہل سے نکاح کرنا چاہتے ہیں غضبناک ہو گئیں۔۔

جناب سیدہؑ کی نازک مزاجی:

چونکہ جناب سیدہؑ بوجہ صاحبزادگی نازک مزاج تھیں اسلئے معمولی باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو جانا کچھ بڑی بات نہ تھی۔

روایات شیعہ:

شیعہ صاحبان جو نقشہ اخلاق و عادات جناب سیدہؑ کا پیش کرتے ہیں۔ اس کے لکھنے سے شرم آتی ہے مگر بوجہ اس کے کہ نقل کفر کفر نباشد درج کرتے ہیں۔ جلاء العیون اردو ج 1 ص 130 میں ہے۔ ''پس جب ارادہ تزویج فاطمہؑ ہمراہ علیؑ ہوا جناب فاطمہؑ سے پنہاں حضرت نے بیان کیا جناب فاطمہؑ نے کہا میرا آپ کو اختیار ہے لیکن زنان قریش کہتی ہیں کہ علیؑ بزرگ شکم اور بلند دست ہے اور بند ہائے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور ہمیشہ خندہ دہان اور مفلس ہیں'' کیا ایک شریف شرم مجسم خاتون سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ بحالت کنوارگی اپنے سرور عالم کے سامنے ایسی کلام کرے۔ اسی کتاب کے ص 136 میں ہے کہ کتاب کشف الغمہ میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن جناب فاطمہؑ نے رسول خداؐ سے شکایت کی کہ جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیتے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہؑ ایسی طماع و حریص تھیں کہ جناب امیرؑ کا خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا بھی ان کو ناپسند تھا۔

شیعہ کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک حضرت فاطمہؑ کو دے کر سند بھی تحریر کر دی تھی جیسا کہ جلاء العیون اردو ص 151 میں ہے۔ ''بروایت دیگر ابوبکر نے نامہ لکھا اور جناب فاطمہؑ کو دیا عمر نے رستہ میں دست مبارک فاطمہؑ سے نامہ لے کر نامہ پر تھوکا اور نامہ پھاڑ دیا۔'' اسی طرح اصول کافی ص 355 میں بھی روایت ہے۔۔ علاوہ

ازیں شیعوں کے شیخ ابن مطہر حلی نے بھی اپنی کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہے۔۔۔(منہج الکرامۃ) جب تم تسلیم کرتے ہو کہ حضرت ابوبکر نے فاطمہؑ کو دے کر نامہ بھی لکھ دیا تو پھر بھی تم جناب صدیق کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔۔جناب سیدہؑ کی رضا مندی حضرت ابوبکر سے شیعہ کی معتبر کتاب حجاج السالکین میں لکھا ہے۔۔۔روایت یوں ہے ان ابا بکر۔۔۔(بحذف عربی) (ترجمہ) ''ابوبکر نے جب دیکھا کہ جناب فاطمہؑ ان سے کشیدہ خاطر ہوگئیں ہیں اور بات کرنا چھوڑ دیا ہے تو یہ ان پر شاق ہوا اور جناب سیدہؑ کو رضا مند کرنے کی غرض سے ان کے پاس گئے اور کہا آپ نے بے شک سچ کہا ہے اے بنت رسولؐ! لیکن میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ آپ فدک کی پیداوار کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ محتاجوں مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا کرتے تھے۔جب تم اہلبیت کو پہلے خرچ دیتے تھے اور کام کرنے والوں کو بھی اس سے دیتے تھے۔جناب سیدہؑ نے کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسے میرے والد ماجد رسول خداؐ کیا کرتے تھے تو ابوبکر نے کہا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا۔جناب سیدہؑ نے کہا خدایا اس پر گواہ رہنا۔پھر جناب سیدہؑ اس پر رضا مند ہوگئیں اور عہد لے لیا۔ابوبکر پہلے ان کو خرچ دیا کرتے تھے اور بعد میں غرباء و مساکین کو دیتے تھے۔''

جنازہٴ فاطمۃ الزہراؑ:

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کا جنازہ ابوبکر نے نہیں پڑھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رضامندی نہ ہوئی تھی۔ یہ لوگ اس کے متعلق بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کی وفات کی اطلاع نہ دی تھی۔میں کہتا ہوں یہ محض غلط ہے۔جب کتب فریقین سے رضامندی کا ہوجانا ثابت ہے تو جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔۔۔حضرت علیؑ کے اطلاع نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خاتون جنت کی وفات کی حضرت ابوبکر کو اطلاع نہ ہو۔۔۔حضرت علیؑ او اسماء بنت عمیس نے حضرت فاطمہؑ کو غسل دیا۔اسماء۔۔۔حضرت ابوبکر کی زوجہ تھیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیوی میت کو غسل دے اور شوہر کو وفات کی ہی خبر نہ ہو۔۔حضرت ابوبکر نے جنازہ پڑھایا جیسا کہ طبقات ابن سعد جزء ہشتم ص 19 میں ہے۔ترجمہ:''یعنی فاطمہؑ بنت رسولؐ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں ''۔اب ہم فدک کے متعلق مکمل بحث کر چکے ہر ایک ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ رسولؐ کا قبضہ فدک پر متولیانہ تھا۔۔فدک کی آمدنی جمع کر کے اپنے اہلبیتؑ کو سالانہ قوت دے کر باقی غرباء و مساکین امت پر خرچ کر دیا کرتے تھے (بعد ازاں مؤلف نے''معقولی بحث'' کے زیر عنوان دائرۃ الاصلاح لاہور کے کسی رسالہ سے چند اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کیا ہے)

معقولی بحث:

اب ہم نقلی کو چھوڑ کر اس معاملہ میں عقلی بحث کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فدک سچ مچ حضرت زہراءؑ کو ہبہ کر دیا تھا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی جاگیر جس کی آمدنی (بقول شیعہ) ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ بیان کی جاتی ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت فاطمہؑ کے سپرد کر دی ہو اور مسلمانوں کی ضرورت کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا ہو؟ یہ اسوۂ حسنہ رسول سے توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلمان روٹی کے محتاج رہیں۔۔۔ اصحاب صفہ کا لقب پائیں۔۔۔ کفار کے حملوں سے۔۔ چین نہ پڑے۔۔۔ امہات المؤمنین مسکینی میں بسر کریں۔ نو مسلم فاقوں سے پیٹ کی تواضع کریں اور رحمۃ العالمین۔۔۔ اتنی بڑی جاگیر۔۔۔ اپنی اولاد کے عیش و آرام کیلئے مخصوص کر دیں۔ کیا اس رسول برحق کیلئے جو فقیروں کا ملجاء غرباء کا سہارا۔ تھا یہ باتیں محالات۔ سے نہ تھیں۔۔۔ کیا وہ محض نفع ذاتی اور اپنی اولاد کیلئے کرتا تھا۔ کیا احسان کا بدلہ یہی تھا کہ وہ مہاجر جنہوں نے فی سبیل اللہ اپنے گھروں اور مالوں کو راہ خدا میں قربان کیا۔۔ نان جویں کو ترسیں اور رسول کریم ﷺ کا ابر کرم اپنی صاحبزادی کے سوا کسی پر نہ برسے! ۔ کیا اس زمانہ کے مسلمان اسقدر سادہ لوح تھے کے باوجود اس صریح بے انصافی کے جوان کے حق میں روا رکھی گئی ہو۔ ذرہ بھی متاثر نہ ہوئے ہوں۔ کیا دشمنان اسلام ان حالات کی موجودگی میں بانگ دہل اس امر کا اعلان نہ کریں گے کہ وہ نبی جس کا مذہب خود غرضی اور نفس پروری کا دفعیہ ایثار و اخلاق مکارم کی تکمیل کا ذریعہ تھا۔ نعوذ باللہ میدان عمل میں اسکے خلاف کرے۔ کیا ہم حضرت امیرؑ یا خاتون جنت کے اخلاق۔ سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ انکے پیارے باپ کی امت تو اس رنج و صعوبت میں گرفتار ہو اور وہ اتنی بڑی صاحب جاگیر ہو کر ذرہ بھر ان کی امداد نہ کریں۔ (آفتاب از ص 233 تا ص 254)

الجواب:

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر ☆ اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

المیہ فدک کا اجمالی بیان:

فدک کا قضیہ نامرضیہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جس قدر بھی رنج و افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس سانحہ نے تاریخ اسلام کے روشن چہرہ کو سیاہ اور مسلمانوں کی گردنوں کو جھکا دیا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خونچکاں داستان ہوگی کہ رسول دو جہان ﷺ اپنی ایک خاص جائیداد (فدک) اپنی سیدۃ النساءؑ دختر نیک اختر کو بطور ہبہ دیں (اور ہبہ نامہ بھی لکھ کر چھوڑ جائیں) مگر اسلامی برادری کا پہلا خلیفہ منبر رسول پر قدم رکھتے ہی دختر رسولؐ کے حق پر قبضہ کر لے۔ جب خاتون جنت اپنے حق کا دعویٰ کرے تو اس سے گواہ طلب کئے

جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے شوہر امام المتقین علیؑ۔ آپ نے بیٹے سید اشباب اہل الجنتہ حسنینؑ اور صحابیہ مہاجرہ صابرہ ام ایمن کو پیش کرے۔ مگر ان کی گواہی نامنظور کر دی جائے۔ پھر سیدۂ عالم اپنا حق حاصل کرنے کیلئے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل کر یہ کہے کہ اچھا اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراث پدر ہی یہ جائیداد مجھے دے دو۔ مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ کل کلاں جو لوگ تحریر رسولؐ کے جواب میں ''حسبنا کتاب اللہ'' کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ آج ایک خانہ ساز حدیث کا سہارا لے کر بی بی عالم کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیتے ہیں اور عالمہ غیر معلمہ بی بی انکے جواب میں قرآن کی آیات پیش کرتی ہے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس انسیہ حوراء سیدۃ النساء کو اپنی اس حق تلفی اور اپنی ناقدرشناسی پر اس قدر صدمہ پہنچتا ہے۔ کہ متعلقہ لوگوں پر غضبناک ہو جاتی ہے۔ (وہ بی بی عالم جس کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے) اور ان سے ہر قسم کی بات چیت اور دیگر اسلامی تعلقات قطع کر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس غم و غصہ میں اور حزن و ملال میں کڑھ کڑھ کر چند دنوں کے بعد راہی ملک بقا ہو جاتی ہے اور جاتے جاتے اپنے شوہر نامدار کو یہ وصیت بھی کر جاتی ہے کہ جن لوگوں نے میرا حق تلف کیا اور میری توہین کی ہے ان کو میرے جنازہ میں شامل نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ان کا غیور اور وفا شعار شوہر اس وصیت پر عمل کر کے ان لوگوں کو جنازہ فاطمہؑ کے قریب بھی نہیں آنے دیتا۔ آیا تاریخ عالم میں اس دھاندلی اور صریح بے انصافی کی کہیں کوئی مثال ملتی ہے؟ اور اس تمام کاروائی کے بانی خلیفہ رسولؐ سمجھنے والوں کے پاس اس کا کوئی معقول جواب ہے؟

اہلسنت کیلئے مسئلہ فدک مشکل ترین قضیہ ہے:

انہی حقائق کی بناء پر تو شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو اس حزنیہ کے سامنے سپر انداز ہو کر یہ لکھنا پڑا کہ ''مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہؑ زہرا است''۔ تمام قضیوں سے زیادہ مشکل جناب فاطمہؑ زہرا کا قضیہ ہے (جس کی کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی) (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ج 3 ص 453 طبع نولشکور) اب ذیل میں ہم اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف کے بے بنیاد بیانات و استدلالات کا بالکل قلع قمع ہو جائے گا اور حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش کے ساتھ طالبان حق کے سامنے جلوہ گر ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔ و بیدہ الزمۃ التحقیق۔

فدک کی حقیقت:

فدک حجاز میں مدینہ سے دو روز (اور بقولے تین روز) کی مسافت پر ایک گاؤں ہے جس میں ایک بہترین چشمہ آب اور بہت سی کھجوریں تھیں اور یہ وہی فدک ہے جس کے متعلق جناب فاطمہؑ زہرا نے ابوبکر سے فرمایا تھا کہ یہ رسولؐ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور ابوبکر نے جواب میں گواہ طلب کئے۔ اہل خبرہ کے بیانات ملاحظہ فرمایئے۔

(1) علامہ حموی (جوفن معرفت بلاد و امصار کے خاص ماہر ہیں) اپنی کتاب معجم البلدان ج 6 ص 643 طبع مصر میں لکھتے ہیں ''فدک قریہ بالحجاز بینھا و بین المدینہ یومان و قیل ثلاثہ ۔ (الی ان قال) فیھا عین فوراۃ و نخیل کثیرۃ و ھی التی قالت فاطمۃ ان رسول اللہ نحلنیھا فقال ابو بکر ارید بذالک شھوداً''

(2) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں ''فدک و ھی بفتح الفاء و الدال المھملۃ بعدھا کان بلدۃ بینھا و بین المدینۃ ثلاثہ مراحل'' (ہر دو عبارات کا مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)

ایک غلطی کا ازالہ:

فدک کی جو تعریف ہم نے کتب اہلسنت سے پیش کی ہے وہی تمام کتب شیعہ میں بھی مذکور ہے۔ اس سلسلہ مؤلف نے اصول کافی سے اس کے برخلاف جو ایک روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ مہدی کے امام موسیٰ کاظمؑ سے فدک کا حدود اربعہ دریافت کرنے پر امام نے فرمایا۔ اس کی ایک حد کوہ احد ہے (تا آخر) تو مؤلف نے کلام امام (جو امام الکلام ہے) کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے اصل بات یہ ہے کہ جب خلیفہ مہدی عباسی نے آل رسولؐ کے پائمال شدہ حقوق واپس کرنے پر اپنی کچھ آمدگی ظاہر کی اور اسکے حدود امام موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کئے تو امام علیہ السلام نے جواب میں اس وقت کی تمام اسلامی مملکت کے حدود اربعہ بیان فرما دیئے۔ مطلب یہ تھا اگر فدک واپس کرنا چاہتے ہو تو صرف وہی ہمارا حق نہیں بلکہ تمام قلمرو اسلام کے حقیقی والی اور مسند رسولؐ کے جائز وارث ہم ہیں اس لئے تمام حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ مہدی امام کا مطلب سمجھ گیا اور غور کرنے کا وعدہ کر کے اپنی گلوخلاصی کرانے میں سلامتی دیکھی اور پھر کبھی بھول کر بھی اس ارادہ کا اظہار نہ کیا

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

فدک کس طرح پیغمبر اسلام کے قبضہ میں آیا:

جب چند روز کے محاصرہ اور جنگ جدال کے بعد خداوند عالم نے مسلمانوں کو خیبر میں عظیم الشان فتح و نصرت عطا فرمائی اور یہودی بری طرح ذلیل و رسوا ہوئے اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت اور جائیداد غیر منقولہ مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ تو قرب و جوار کے کفار کے دلوں میں قدرتی طور پر اسلام اور مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا۔ انہی لوگوں میں سے ''فدک'' نامی گاؤں کے رہنے والے یہودی بھی تھے جن کا سردار یوشع بن نون نامی ایک یہودی تھا۔ انہوں نے از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے مال و جان کو امان دیں اور ہم اس کے عوض اپنی نصف جائیداد آپ کے حوالہ کرنے پر تیار ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے انکی اس پیشکش کو منظور کر لیا۔ اور فدک لے لیا۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ تاریخ طبری ج 3 ص 95 ''حاصر رسول اللہ اھل خیبر فی

حصنیھم الوطیس والسلام حتی اذا یقنو بالھلکۃ۔ (الی ان قال) فلما سمع بھم اھل فدک قد صنعوا ما صنعوا بعثوا الی رسول اللہ یسئلو نہ ان یسیر ھم وی یحقن و مائیھم ۔ و صالحۃ اھل فد ک علی مثل ذالک ''۔(2) طبری ج 3 ص 97 ''ولما فرغ رسول اللہ من خیبر قذف اللہ الرعب فی قلوب اھل فدک و بلغھم ما او مع اللہ باھل خیبر فبعثوا الی رسول اللہ یصا لحون علی النصف من فد ک فقبل ذالک منھم ''(3) ایسی ہی دو روایات تاریخ کامل بن اثیر ج 2 ص 106، 107 طبع مصر پر موجود ہیں (4) کامل ابن اثیر ج 2 ص 108 میں ہے۔''لما انصرف رسول اللہ من خیبر بعث الی اھل فدک یدعو ھم الی الاسلام فصالحوا رسول اللہ علی نصف الارض فقبل منھم ذلک '' پہلی تینوں روایات کا مفہوم وہی ہے ۔ جو اوپر مذکور ہے اور چوتھی میں صرف اس قدر اضافہ ہے کہ فدک کے یہودیوں نے یہ پیشکش آنحضرتؐ کی دعوت اسلام کے جواب میں کی ۔ بہر کیف اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ جائیداد ہر قسم کے جنگ وجدال، قتل وقتال اور ہر قسم کی تگ وتاز وگھڑ دوڑ کے بغیر بانی اسلام کے قبضہ میں آئی۔ ایسی جائیداد کو شرعی اصطلاح میں ''انفال'' کہا جاتا ہے اس بیان نیر البرہان سے مؤلف کی غیر معقول بحث بعنوان ''معقول بحث'' کا تار وپود بھی بکھر گیا۔ جوانہوں نے اس موضوع کے آخر میں پیش کی ہے فتدبر۔

مال غنیمت وانفال اور فئے کا باہمی فرق:

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں مال غنیمت انفال اور فئے کا باہمی فرق اور انکے مصارف واحکام کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس کا آئندہ مباحث سے گہرا ربط ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ کفار مشرکین سے جو مال وجائیداد اسلام اور اہل اسلام کے قبضہ میں آئے اسکی چند قسمیں ہیں ان میں سے دو یہ ہیں ۔(1) اگر جہاد کرنے اور عملی تگ وتاز کے بعد ملے تو اسے غنیمت کہا جاتا ہے (2) اور اگر ہر قسم کی سعی وکوشش کے بغیر اور بغیر گھوڑے دوڑائے دستیاب ہو جائے تو اسے ''انفال'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے جائیداد فدک اور اسے فئے بھی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں اقسام کے مصارف واحکام کا بیان:

ان ہر دو اقسام کے احکام شریعت اسلام میں الگ الگ ہیں ۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں ۔ چار حصے مجاہدین میں اس طرح تقسیم کئے جائیں گے کہ سوار کو دوہرا اور پیدل کو اکہرا حصہ دیا جائے گا اور پانچویں حصہ کا نام خمس ہے ۔ جو خدا اور رسول، اور رسول کے قرابتداروں مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کا حق ہے (تفصیل دسویں پارہ کی ابتداء میں مذکور ہے) اور جہاں تک مال ''انفال'، وفئے کا تعلق ہے وہ صرف خدا اور رسول (اور رسول کے بعد امام) کی ملکیت ہے اور کسی کا اس میں کوئی حصہ وحق نہیں ہے چنانچہ سورۂ انفال آیت نمبر 1 میں مذکور ہے ''یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ''۔اے رسول! لوگ تم سے مال

انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ یہ مال صرف خدا اور اسکے رسول کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں نے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے اور کوئی جدوجہد نہیں کی۔ خود بخود خدائے قہار نے اپنے رسولؐ کو غلبہ دے کر ان کو یہ مال دلوایا ہے۔۔۔ یا رسولؐ کے قرابتداروں اور انکے یتیموں اور مسکینوں کا حال ہے وبس۔

فدک جناب رسول خداؐ کی خاص ملکیت تھی:

اگر چہ مذکورہ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ''فدک'' بوجہ ''انفال'' ہونے کے آنحضرت ﷺ کی ملکیت تھا اور اسمیں مسلمانوں یا ان کے فقراء و مساکین کا ہرگز کوئی حصہ نہ تھا۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اس امر کی تائید میں اسلامی برادری کی چند معتبر کتابوں کے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) علامہ حموی معجم البلدان ج6 ص643 پر فدک کی (مذکورہ بالا) تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''**فھی مما لم یو جف علیه لجیل و لا رکاب فکانت خالصة لرسول الله**'' یعنی فدک ایسی بستی ہے جس پر نہ گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ اونٹ (لشکر کشی نہیں کی گئی) اس لئے وہ رسول خدا ﷺ کی خالص جائیداد تھی۔

(2) علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں منقولہ بالا عبارت (در تعریف فدک) کے بعد لکھا ہے ''**و کانت لرسول الله خاصة**'' یعنی یہ فدک خاص رسول پاک ﷺ کی ملکیت تھا۔

(3) تاریخ طبری ج3 ص95 پر مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے۔ ''**و کانت فدک خالصة لرسول الله لا نهم لم یجلبوا علیها بخیل و لا رکاب**''

(4) کامل ابن الاثیر ج2 ص104 پر منقولہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے ''**و کان نصف فدک خالصاً لرسول الله لا نه لم یو جف علیه بخیل و لا رکاب**''

(5) علامہ نووی شرح مسلم ج2 ص91، 92 پر قاضی عیاض کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کے مملوکہ اموال کی تفصیل لکھتے ہوئے کہ ایک مال موہوب بھی ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنا مال آپ کو ہبہ کر دے۔ اخیر میں انفال اور فدک کو اس میں شامل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''**فکانت هذه کلها ملکاً لرسول الله خاصةٍ لا حق فیها لا حد غیر ه**'' یہ سب اموال آپ کی خاص ملکیت میں تھے جن میں کسی اور کا کوئی حق نہ تھا۔

(6) علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ ج2 ص241 طبع دکن میں باسناد احمد و بخاری و مسلم جناب عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ ''**فکانت هذه خلاصةً لرسول الله صلعم**''

رسولؐ کے متولیانہ قبضہ کی رد:

ان قابل ردحقائق کی روشنی میں مؤلف کے وہ تمام پادر ہوا بیانات حرف غلط کی طرح بالکل باطل ہو گئے جوانہوں نے ''کیا فدک رسول کی ذاتی جائیداد تھی''؟ کے زیرعنوان درج کئے ہیں اور ذاتی ملکیت کوصرف دو چیزوں میں منحصر قرار دیا ہے۔(1) جو وراثتاً ملے (2) ذاتی کمائی سے خریدی جائے۔معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی ذاتی ملکیت میں کم از کم دو چیزیں اور بھی آتی ہیں (1) جو مال بطور ہبہ حاصل ہو (2) انفال وہ مال جو بغیر جنگ وجدال کفار سے حاصل ہو۔اور یہ فدک اسی آخری قسم میں داخل ہے۔۔۔اور اس سے مؤلف کے اس دعویٰ کا بطلان بھی عیاں ہو گیا۔جوانہوں نے بار بار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اس جائیداد پر قبضہ صرف متولیانہ تھا ۔۔ہمارے ان تحقیقی بیانات سے ثابت ہو گیا کہ یہ قبضہ متوالیانہ نہیں بلکہ مالکانہ تھا۔۔اور آنحضرت ﷺ کو اس میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا کلی اختیار تھا جس کو چاہیں۔جس قدر چاہیں دیں۔اور جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے۔''**یفعل فیه مایشاء**'' (تفسیر جلالین ص 453) **بصنعه حیث یشاء** (تفسیر کبیر ج8 ص125) یعنی آپ کو مکمل اختیار تھا۔جو چاہیں اس میں تصرف کریں اور جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

فدک کی ملکیت رسول ﷺ ہونے پر ایک عجیب استدلال:

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ فدک کے خاص ملکِ رسول ﷺ ہونے کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ جب جناب سیدہؑ نے ہبہ فدک کا دعویٰ دائر کیا تو عدالت نے گواہ طلب کئے (جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے) اگر ابوبکر وعمر اس جائیداد کو ملکیت رسول نہیں سمجھتے تھے تو ہبہ کے ثبوت میں گواہ کیوں طلب کئے؟ یہ کیوں نہ کہا جب یہ جائیداد آنحضرت ﷺ کی ہی نہ تھی تو آپؐ اس کا ہبہ کیونکر کر سکتے تھے؟ اور جب گواہی منظور نہ کی گئی اور بی بی عالمؑ نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مقدمہ کا عنوان بدل دیا کہ اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراث پدر ہی یہ جائیداد میرے حوالہ کرو تو اس مقام پر بھی ایک موضوع حدیث (نحن معاشر الانبیاء لانرث) کا سہارا لینا بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان کو فدک کے ملک رسولؐ ہونے کا انکار نہ تھا ورنہ اس مخالف قرآن جعلی حدیث کا سہارا لینے کی بجائے ان کیلئے یہ کہہ دینا زیادہ آسان تھا کہ یہ جائیداد تو آنحضرت ﷺ کی ملکیت ہی نہ تھی۔بلکہ وہ سارے مسلمانوں پر وقف تھی اور آپ کا اس پر صرف متولیانہ قبضہ تھا نہ مالکانہ۔اس لئے وہ اسے ہبہ نہیں کر سکتے تھے۔اور نہ ہی اسمیں میراث کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے لیکن انکا اس موقف کو اختیار کرنا اس بات کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ وہ فدک کو ملکیت رسول ﷺ تسلیم کرتے تھے۔**وھوالمقصود**۔

ہبہ فدک بحق خاتون جنتؑ:

جب یہ امر سطور بالا میں ثابت ہو گیا ہے کہ فدک جناب رسول خدا ﷺ کی خاص ملکیت تھی۔اور انکو اسمیں ہر قسم کے مالکانہ

تصرفات کرنے کا حق حاصل تھا۔ تو اب صرف اس بات کا اثبات باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے یہ جائیداد اپنی دختر نیک اختر جناب خاتون جنت ؑ کو ہبہ کر دی تھی؟ سو یہ امر فریقین کی مسلمہ کتب تفاسیر و احادیث سے ثابت ہے کہ جب آیت مبارکہ ''وآت ذی القربیٰ حقه'' (اے رسول! اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو) نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جناب سیدہ ؑ کو طلب کر کے فدک ان کو ہبہ کر دیا اور ان کو ایک وثیقہ بھی لکھ دیا۔ جسے بی بی عالم ؑ نے دربار خلافت میں پیش کیا تھا (1) چنانچہ تفسیر در منثور ج 4 ص 177 طبع مصر میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے منقول ہے۔ کہا ''لما نزلت و آت ذالقربیٰ حقه و دعا رسول الله۔ فاطمه فاعطاها فدک''۔ دوسری روایت جو ابن عباس ؓ سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ مروی ہیں۔ لما نزلت و اٰتِ ذی القربیٰ حقه۔ اقطع رسول الله فاطمه فدکاً۔ ہر دو روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ جب آیت ایتاء ذی القربیٰ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ ؑ کو فدک ہبہ کر دیا۔ (2) کذا فی الباب النقول فی اسباب النزول مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر جلالین ج 2 ص 19 طبع مصر (3) ترجمان القرآن ج 7 ص 85 نواب صدیق حسن خان۔ (4) معارج النبوۃ ج 4 ص 311 طبع نولکشور (5) حبیب السیر ج 1 ص 85 (6) روضۃ الصفاج 2 ص 142 طبع معمورہ بمبئی میں لکھا ہے۔ ''پیغمبر فاطمہ را بخوانہ برائے حجتی نوشت و آن وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول اللہ ﷺ پیش ابوبکر صدیق آوردہ وگفت کہ ایں کتاب رسول خدا ﷺ و آلہ وسلم است کہ برائے من حسن و حسین نوشتہ است۔''

ایک ایراد کا جواب:

مؤلف نے اس مقام پہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟ اس ایراد کا ہم کئی بار بالخصوص آیت تطہیر کے ذیل میں تفصیل سے جواب پیش کر چکے ہیں کہ جس طرح قرآنی سوروں کی موجودہ ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں۔ اسی طرح آیات کی ترتیب بھی نزول کے موافق نہیں ہے بلکہ بعض مکی سوروں میں مدنی آیات اور بعض مدنی سوروں میں مکی آیات درج ہوگئی ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں مقام مذکور پر کتب اہلسنت سے پیش کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا کسی سورہ کے مکی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکی تمام آیات بھی مکی ہوں۔۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن ج 7 ص 2 طبع صدیقی لاہور پر سورۂ بنی اسرائیل (جس میں آیات درج ہے) کے متعلق لکھا ہے کہ ''بعض نے کہا کہ آٹھ آیات اس میں مدنی ہیں'' علاوہ بریں بنا بر تسلیم اینکہ یہ آیت مکی ہے ممکن ہے۔ یہ آیت ان آیات احکام میں سے ہو جن کے حکم مکہ میں نازل ہوا اور تعمیل مدینہ میں ہوئی۔ جیسے نماز جمعہ جو فرض تو مکہ میں ہوئی مگر اس پر عمل در آمد مدینہ میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان ج 2 ص 63)

ایک اور ایراد کا جواب:

اس مقام پر مؤلف نے اصول کافی سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم نہ ہوا کہ ''ذی القربیٰ'' کا مصداق کون ہے؟ حتیٰ کہ بتوسط جبرئیل خدا سے دریافت کیا! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ ایراد تو جب وارد ہوتا کہ صاحبِ وحی (رسولؐ) آیت کا مفہوم کسی آدمی سے دریافت کرتا۔ لیکن اگر معلم قرآن (رسولؐ) مُنزل قرآن (خدا) سے کسی آیت کا مفہوم دریافت کرے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کیا رسولؐ کا علم ذاتی ہے؟ کیا وہ عطیہ خداوندی نہیں ہے؟ کیا یہ علم قابل از دیاد و اضافہ نہیں ہے؟ اگر اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں تو پھر آیت ''رب زدنی علماً'' کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خدا کا ارشاد نہیں ہے ''ان علینا جمعه و قرآنه ثم ان علینا بیانه'' یعنی اس قرآن کا جمع کرنا، پڑھانا اور اس کا مفہوم بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے بنا بریں اگر رسول اسلام ﷺ مُنزل قرآن یعنی خدائے رحمٰن سے مفہوم قرآن معلوم کریں اور وہ بیان کر دے تو اس میں قابل اعتراض بات کیا ہے؟ یا سعد الابل!

خاتون جنتؑ کا دعوائے ہبہ فدک:

یہ بات نا قابل انکار تاریخی دلائل و شواہد سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ نے منبر رسولؐ پر قدم جماتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دختر رسولؐ کے حق (فدک) پر ہاتھ صاف کیا۔ چنانچہ کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج 2 ص 6 تا ص 161 میں لکھا ہے ''ان ابا بکر انتزع من فاطمة فدک'' یعنی ابوبکر نے جناب فاطمہؑ سے فدک چھین لیا اور بخاری باب الخمس و باب المغازی میں جناب عمر کی زبانی مروی ہے ''ثم توفی الله نبیه صلی الله علیه و سلم فقال ابو بکر انا ولی رسول الله فقبضها ابو بکر'' یعنی وفات رسولؐ کے بعد ابوبکر نے یہ کہہ کر کہ میں ولی رسولؐ ہوں فدک پر قبضہ کر لیا۔ جناب سیدہؑ نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ کہ یہ جائیداد جناب رسول خدا ﷺ نے ان کو ہبہ کر دی ہے (جس پر ان کا قبضہ بھی تھا) خلیفہ نے اس سلسلہ میں گواہ طلب کئے۔ خاتون جنتؑ نے حضرت امیرؑ اور جناب ام ایمن کو (بروایتے حسنینؑ کو بھی) گواہی میں پیش کیا۔ عدالت نے بوجوہ ان کی گواہی مسترد کر دی۔ مؤلف نے اس مخمصہ سے گلوخلاصی کرانے کیلئے دو عذر خام پیش کئے ہیں۔ اول یہ کہ ''اس واقعہ کا ثبوت اہلسنت کی کسی معتبر کتاب سے نہیں ملتا'' دوم یہ کہ ''اگر صحیح بھی ہو تو اس سے حضرت ابوبکر کا عامل بالشرع اور منصف حاکم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ بحکم قرآن دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونے چاہئیں۔'' اور چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت مکمل نہ تھا۔ اس لئے ابوبکر نے فیصلہ بحق خاتون جنت نہ کیا۔

مؤلف کے بعض عذر ہائے خام کا جواب:

سو پہلے عذر کے متعلق واضح ہو کہ مؤلف کا یہ عذر انکی اپنی کتابوں سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ ورنہ بیسیوں کتب معتبرہ

میں یہ واقعہ درج ہے۔ بطور نمونہ ہم چند کتابوں سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ (1) فتوح البلدان بلاوزی ص 38 طبع اول مصر میں لکھا ہے۔ ''قالت فاطمہ لابی بکر ان رسول اللہ جعل لی فدک فاعطانی ایاھا و شھد لھا علی بن ابی طالب فسالھا شاھداً آخر فشھدت لھا ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول اللہ انہ لا تجوز الا شھادۃ رجلین اور رجل و امرأتین۔'' یعنی جناب سیدہؑ نے ابوبکر سے کہا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ ابوبکر نے آپ سے گواہ طلب کئے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے شہادت دی۔ خلیفہ نے اور گواہ طلب کیا۔ بی بی نے ام ایمن کو پیش کیا۔ انہوں نے گواہی دی ابوبکر نے کہا۔ بنت رسولؐ! آپ کو علم ہے کہ گواہی دو مردوں کی ایک مرد اور دو عورتوں کی قبول ہوتی ہے (کذا فی وفاء الوفاء للسمہودی ج 2 ص 160، 161 طبع مصر)

(2) صواعق محرقہ ص 22 طبع قدیم مصر لکھا ہے۔ ''فاتتہ فاطمۃ فقالت ان رسول اللہ اعطانی فدک فقال ھل لک بینۃ فشھد لھا علی و ام ایمن۔'' (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)

(3) علامہ سید شریف جرجانی شرح مواقف ص 735 پر لکھتے ہیں ''فان ادعت فاطمۃ انہ علیہ السلام نحلھا ای اعطاھا فدک نحلۃ ای عطیۃ و شھد علیہ علی الحسن و الحسین و ام کلثوم و الصحیح ام ایمن و ھی امراۃ اعتقھا رسول اللہ و اکان حافظۃ لا و لا دہ و زوجھا من زید فولات لہ اسامۃ'' ''حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ان کو فدک عطا کیا ہے اس پر حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور جناب ام کلثوم نے گواہی بھی دی اور صحیح قول یہ ہے کہ ام ایمن بھی تھیں اور ام ایمن وہ ہیں جن کو رسولؐ اللہ نے آزاد کرایا اور وہ آپ کی اولاد کی دایہ تھیں ان کا عقد زید سے کرایا گیا تھا جس سے اسامہ پیدا ہوئے۔ بعد ازاں شریف جرجانی نے نصاب کے نامکمل ہونے کا جو عذر پیش کیا ہے اس پر ہم عنقریب تبصرہ کریں گے۔''

(4) علامہ حموی نے معجم البلدان ج 6 ص 643 میں فدک کی حقیقت بیان کرنے اور اسکے خالصہ رسولؐ ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''وھی التی قالت فاطمۃ ان رسول اللہ نحلینھا فقال ابوبکر ارید بذلک شھوداً و لھا قصۃ۔'' ''یعنی یہ فدک وہی گاؤں تھا جس کے متعلق جناب فاطمہؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ جناب رسول خداؐ نے مجھے ہبہ کر دیا ہے اور ابوبکر نے جواب میں کہا تھا۔ کہ میں گواہ چاہتا ہوں اور ایک طویل قصہ ہے۔'' کیا یہ سب اہلسنت کی ہی معتبر کتابیں ہیں یا کسی اور مذہب کی؟؟ باقی رہا۔ دوسرے عذر کے خام ہونے کا بیان (کہ اس سے ابوبکر کا عامل بالشرع ہونا ثابت ہوتا ہے)۔ سو یہ بچند وجہ باطل اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً: ابوبکر کا بی بی عالم سلام اللہ علیھا سے گواہ طلب کرنا قواعد شرعیہ کے خلاف تھا کیونکہ جناب سیدہؑ اس جائیداد پر قابض اور اس میں متصرف تھیں اور شرعی نقطہ نظر سے متصرف سے گواہ طلب نہیں کئے جاسکتے۔ بلکہ خود قبضہ دلیل ملکیت ہوتا ہے جب تک اس کا خلاف شرع ہونا ثابت نہ ہوجائے۔

ثانیاً: اگر قبضہ وتصرف سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو تب بھی خلیفہ صاحب کو جناب سیدہؑ سے گواہ طلب کرنے کا کوئی حق نہ تھا ۔کیونکہ شہادت تو حقیقی علم حاصل کرنے کا یاک ذریعہ ہے نہ اصل مقصد۔لہٰذا جب حاکم وقاضی کو کسی طرح کسی واقعہ کی صحت کا علم ہو جائے۔جیسے یہ کہ مجرم نے اسکے سامنے جرم کیا ہو تو وہ شہادت کو نظر انداز کر کے اپنے علم کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوبکر نے مخدومہ کونین معصومہ اور صدیقہ بی بی کے بیان پر کیوں یقین واعتبار نہ کیا؟ اور ان سے کیوں گواہ طلب کئے؟ اصل مقصد تو عدالت کو یقین دلانا ہوتا ہے۔کیا ایک مسلمان کہلانے والے کیلئے خاتون قیامت کا بیان یقین حاصل کرنے کیلئے کافی نہ تھا؟

ثالثاً: وہ آیت جس میں مدعی کو دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا عموم نا قابل انکار ہے۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ''مامن عام الا وقد خص'' ہر عام قابل تخصیص ہوتا ہے۔اس کلیہ سے آیت شہادت مستثنیٰ نہیں ہے۔یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ گواہی میں گواہ کے درجہ کو بہت دخل ہوتا ہے۔بعض اوقات صرف ایک ثقہ اور متدین آدمی کی شہادت سے وہ یقین پیدا ہو جاتا ہے جو عام قسم کے پچاس آدمیوں کی شہادت سے بھی پیدا نہیں ہوتا۔چنانچہ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ خذیمہ بن ثابت نے جناب رسول خداؐ کے ایک بدو کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے کے سلسلہ میں آنحضرتؐ کے حق میں شہادت دی تھی تو آنحضرتؐ نے اسکی شہادت کو دو شہادتوں کے قائمقام قرار دیا تھا۔اسی لئے ان کو ''ذوالشہادتین'' کہا جاتا ہے۔

بنا بریں اصول کیا جناب امیرؑ جیسے صدیق و معصوم امام برحق کی شہادت دو شہادتوں کے قائمقام نہیں ہو سکتی تھی؟ جب انہوں نے گواہی دے دی تو اب مزید گواہوں کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ جناب حسنینؑ اور ام ایمن نے بھی شہادت دی۔مگر افسوس صد افسوس کہ جن بزرگواروں کی شہادت ٹھکرانے کی جرأت نصرانیوں نے بھی نہیں کی تھی۔نام نہاد مسلمانوں نے ان کی گواہی مسترد کر دی اور بی بی عالمؑ کا حق ہضم کیا۔

؎ مر مرا باور نمی آید زروئے اعتقاد حق زہراؑ خوردن و دین پیغمبر داشتن

رابعاً: یہ چیز بھی کتب فریقین سے ثابت ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو اس کے ساتھ اگر وہ قسم کھالے تو اس کی یہ قسم دوسرے گواہ کی قائمقام بن جاتی ہے۔لہٰذا اگر عدالت اسے قسم دلوائے اور وہ قسم کھالے تو فیصلہ اس کے حق میں ڈگری ہو جاتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ ابوبکر کا بھی یہی نظریہ تھا۔چنانچہ کنز العمال فصل 3 کتاب شہادت میں وارد ہے کہ ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر و عثمان کانو یقضون لشہادۃ الواحد و الیمین ''یعنی جناب رسول خداﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔بنا بریں وہ زیادہ سے زیادہ جناب سیدہؑ سے حلف لے کر ان کے حق میں فیصلہ کر سکتے تھے۔مگر انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔اور دختر رسولؐ کا حق غصب کیا۔

خامساً: مؤلف کے عامل بالشرع خلیفہ کے متعلق نا قابل انکار تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ بعض اوقات صرف مدعی

کے بیان پر اعتبار کر کے بغیر طلب شہود فیصلہ بحق مدعی کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری پ 17 ص 78 مسلم پ 10 ص 54 کنز العمال، تاریخ الخلفاء وغیرہ کتب میں درج ہے۔ کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں جب فتح بحرین کا مال غنیمت آیا تو انہوں نے اعلان کرایا کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ آئے اور آ کر موعودہ مال لے جائے۔ چنانچہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری ؓ نے آ کر کہا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین کا مال آئے گا تو اس سے تمہیں کچھ دیا جائے گا۔ یہ سن کر خلیفہ صاحب نے ان کو ڈیڑھ ہزار درہم عطا فرمائے۔ اس واقعہ کی شرح میں شارح بخاری کرمانی نے لکھا ہے ''واما تصدیق ابی بکر جابر أفی دعواہ فلقولہ۔من کذب علی متعمد أفلیتبوا ءمقعدہ من النار فھو وعید لا یظن بان مثلہ یقدم علیہ''۔ اور فاضل عسقلانی نے فتح الباری (پارہ 5 ص 426) میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''وفیہ قبول خبر واحد العدل من الصحابہ ولو جر ذلک نفعاً لنفسہ لان ابابکر لم یلتمس من جابر شاھداً علی صحۃ دعواہ'' یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک آدمی کی خبر بھی قبول کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ اس کی ذات کیلئے سودمند ہو۔ کیونکہ ابوبکر نے جابر ؓ سے ان کے دعویٰ کی صحت پر گواہ طلب نہیں کئے اور علامہ عینی نے لکھا ہے ''انما لم یلتمس شاھداً منہ لانہ عدل بالکتاب و السنتہ'' ابوبکر نے اس لئے جابر ؓ سے گواہ طلب نہیں کئے کہ وہ (جابر ؓ) کتاب وسنت کی رو سے عادل تھے۔ (عمدۃ القاری ج 5 ص 675) کاش برادران اسلام اور انکے چہیتے خلفاء سیدۃ النساء حضرت فاطمہ ؑ الزہرا اور سید الاولیاء علی ؑ مرتضیٰ کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے جو عام صحابہ رسول کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ اگر جابر ؓ کا دعویٰ بلا گواہ صرف اس وجہ سے قبول کر لیا گیا کہ وہ صحابہ رسول ہونے کی وجہ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ تو کیا جناب سیدہ ؑ اور جناب امیر ؑ کے متعلق یہی حُسن ظن نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ بوجہ صحابی وقرابتدار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے غلط بیانی نہیں کر سکتے؟ والی اللہ المشتکی۔

ایک غلط واقعہ کی ردّ:

اس مقام پر مؤلف نے نصاب شہادت کے نامکمل ہونے کی صورت میں مدعی خلاف فیصلہ ہونے کے جو دو واقعات نقل کئے ہیں۔ پہلا تو چونکہ جناب عمر کے متعلق ہے اس لئے ہمیں اس کی صحت وسقم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں البتہ دوسرا واقعہ حضرت امیر ؑ سے متعلق ہے اس لئے اس پر ہم مختصر تبصرہ کئے دیتے ہیں۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ زرہ کے جھگڑے میں جب آنجناب شریح کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے گواہ طلب کئے اور آنجناب نے اپنے فرزند جناب امام حسن ؑ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا اور شریح نے یہ کہہ کہ ''بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست نہیں ہے''۔ ان کی گواہی کو نامنظور کر دیا۔ تو اس فیصلہ پر جناب امیر ؑ بالکل ناراض نہ ہوئے حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنجناب کو اس غلط فیصلہ پر بہت رنج وملال ہوا اور وہیں اس امر کا برملا اظہار بھی کیا اور فرمایا: ''رجل من اھل الجنہ لا تجوز شھا دتہ سمعت رسول اللہ یقول الحسن و الحسین سید الشباب اھل الجنۃ'' کیا جنتی مرد

کی گواہی نافذ نہیں؟ میں نے جناب رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں (تاریخ الخلفاء ص 125) علاوہ بریں دعوائے ہبہ میں جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ اور ام ایمن کو پیش کرنا اور آنجناب کا حاضر ہو کر گواہی دینا اور دوسرے واقعہ میں جناب امیرؑ کا اپنے شہزادے امام حسنؑ کو پیش کرنا اور ان کا گواہی دینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شوہر کی شہادت بیوی کے حق میں اور اولاد کی شہادت والدین کے حق میں نیز ایسی صورت میں ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت نافذ العمل ہے ورنہ اہلبیت رسالتؑ ایسا نہ کرتے! کیا وہ مسئلہ جو مولوی کرم دین کو معلوم ہے وہ آل محمدؐ کو معلوم نہ تھا؟ کچھ تو سوچو خدا کیلئے!!

دعوائے میراث:

بہرکیف جب بی بی عالم کے دعوائے ہبہ کو مسترد کر دیا گیا۔ تو خاتون جنتؑ نے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل دیا کہ اگر یہ جاگیر فدک بطور ہبہ مجھے نہیں دیتے تو بطور میراث پدری دے دو اور یہ بات ارباب عقل و علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک ہی مقصد کے حصول کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور یہ کہ اگر ایک طریقہ سے کامیابی نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

عنوان دعویٰ بدلنے کی نظیر:

مثلاً جناب ابراہیم نمرود کے سامنے اپنے پروردگار کی ان الفاظ میں معرفی کراتے ہیں۔ ''ربی الذی یحیی و یمیت'' میرا پروردگار وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ مگر جب نمرود نے ''انا احی و امیت'' کہہ کر آنجنابؑ کے اس استدلال کو ٹھکرا دیا۔ تو جناب خلیل نے دوسرا طرز استدلال اختیار کیا اور کہا ''فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب'' میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اسے مغرب سے نکال لا۔ خلاصہ یہ کہ ''فبھت الذی کفر'' نمرود مبہوت اور لاجواب ہو گیا۔ تو جس طرح جناب ابراہیمؑ کے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف عدول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی دلیل غلط ناقص تھی ۔اسی طرح جناب سیدہؑ کے پہلے دعویٰ کے عدول سے بھی یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ آپ کا پہلا دعویٰ غلط تھا۔

اب یہ حقیقت ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے کہ جب دختر رسولؐ نے پہلے خلافت کے دربار میں دعوائے وارثت دائر کیا اور خلیفہ صاحب نے ان کے جواب میں ایک من گھڑت حدیث پیش کی کہ ''نحن معاشر الانبیاء لا نرث و نورث ما ترکنا صدقۃ'' ''ہم گروہ انبیاءؑ نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' (بخاری ج 4 ص 101 ج 3 ص 11 طبع مصر۔ مسلم ج 2 ص 92 وغیرہ)

جناب سیدہؑ کا استدلال:

تو عالمہ غیر معلّمہ بی بی نے اس جعلی حدیث کے بالمقابل قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال کیا۔ جیسے ''وورث سلیمان

داؤد۔ رب هب لی من لدنک ولیاً یرثنی۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ ''اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا :''انتم تزعمون ان لا ارث ابی افعلی عمدترکتم کتاب اللہ فزعمتم ان لا حظ لی ولا ازث لی من ابی افحکم اللہ بانہ اخرج ابی منھا۔۔ ام انتم اعلم بخصوص القرآن و عمومه من ابی افحکم الجاھلیة تبغون۔۔؟''تمہارا یہ گمان ہے کہ میں اپنے باپ کی وارث نہیں۔ کیا تم جان بوجھ کر کتاب خدا کو چھوڑ رہے ہو؟ کیا خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے والدان آیات (وارثت) سے خارج ہیں۔۔ یا تم لوگ قرآنی عموم وخصوص کے میرے باپ سے زیادہ عالم ہو؟ کیا تم جاہلیت والے احکام چاہتے ہو۔۔۔(شرح نہج البلاغہ حدیدی بلاغات النساء ص 16 تا ص 23) نیز ابوبکر سے فرمایا ''یابن ابی قحافه اترث اباک ولا ارث ابی ''اے ابوقحافہ کے بیٹے! (کیا یہ انصاف ہے کہ) تو تو اپنے باپ کا وارث بنے مگر میں اپنے باپ کی وارث نہ بن سکوں؟ (تذکرہ خواص الامۃ ص 179) مگر افسوس۔ وہی لوگ جو کل رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلم دوات طلب کرنے کے وقت ''حسبنا کتاب اللہ'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔ آج قرآن کے مقابلہ میں خلاف عقل ونقل ایک من گھڑت حدیث کا سہارا لیتے ہوئے دختر رسولؐ کو ان کے حق سے محروم کو رہے تھے۔ الغرض فابی ابو بکر ان یدفع الی فاطمة شیئا ابوبکر نے جناب سیدہ کو کچھ حق بھی دینے سے صاف انکار کر دیا (صحیح بخاری ج 3 ص 140 طبع مصر مع فتح الباری ج 4 ص 17 طبع دہلی) اس ابا وانکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''فوجدت او غضبت علی ابی بکر و هجرته ولم تتکلمه حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلاً ولم یؤذن بها ابا بکر''۔ جناب سیدہؑ ابوبکر پر غضبناک ہوگئیں اور تا زیست ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا۔ اور آنحضرتؐ کے بعد کل چھ ماہ تک زندہ رہیں۔ جب فوت ہوگئیں تو ان کے شوہر علیؑ نے رات کے وقت ان کو دفن کیا اور ابوبکر کو اسکی اطلاع تک نہ دی (بخاری ج 3 ص 140 طبع مصر۔ ج 4 ص 17 مع الفتح طبع دہلی) اور صحیح مسلم میں مذکور بالا عبارت پر اس قدر اضافہ ہے کہ ''وصلی علیھا علی علیہ السلام'' (ج 2 ص 91) یعنی نماز جنازہ حضرت علیؑ نے پڑھائی۔ اگرطہ یہ مضمون غیر معمولی طور پر طویل ہوتا جارہا ہے۔ تاہم ذیل میں مذکور بالا بعض امور کی کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی۔ لیهلک من هلک عن بینة ویحی من حی عن بینة۔

حدیث ''نحن معاشر الانبیاء لانرث'' خلاف قرآن وعقل ہے:

وہ موضوع حدیث جس سے تمسک کر کے ابوبکر نے جناب سیدہؑ کو پدری میراث سے محروم کیا وہ بالکل خلاف عقل وقرآن ہے۔ اس لئے وہ استدلال کے قابل نہیں ہے۔ اس کا خلاف عقل ہونا بچند وجہ ہے۔

اولاً: انبیاءؑ جو شریعت لاتے ہیں۔ اس کے احکام خود ان پر بھی حاوی ہوتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ کا وجوب اور مناہی سے اجتناب۔ تو حکم میراث سے وہ کیونکر خارج ہو سکتے ہیں؟

ثانیاً: ہر پیغمبر کے پاس زمینیں اور جاگیریں تو نہ تھیں۔۔۔ تو کیا ان کی وفات کے بعد ان کا اثاثہ البیت امت کے غرباء میں

تقسیم ہو جاتا تھا اور انکے ورثاء محروم ہوتے تھے؟ کیا تاریخ میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے؟ کیا خدا کو یہ منظور ہے کہ پیغمبر کے اہل وعیال بھیگ مانگ کر یا لوگوں کے عطیات وصدقات پر گذر بسر کریں؟

ثالثاً: اگر اس حدیث کی کوئی اصلیت ہوتی تو چاہیے تو یہ تھا کہ اس کے متعلقہ حضرات (علیؑ وفاطمہؑ اور حسنینؑ) کو معلوم ہوتی اور آنحضرت ﷺ کا بھی فرض تھا کہ ان کو آگاہ فرما جاتے تاکہ بعد میں کسی قسم کا کوئی تصادم اور اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ متعلقہ افراد کو تو اس کی اطلاع نہ دیں اور غیر متعلق آدمی (ابوبکر) کو بتا دیں؟ (کذا فی التفسیر الکبیر ج3 ص230) مگر ان ذوات مقدسہ کا دعویٰ دائر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انکے علم میں یہ حدیث نہ تھی۔ ورنہ آیت تطہیر کی مصداق ذواتِ قادسہ کا کذب لازم آئے گا۔ اس سے عیاں ہے کہ یہ یار لوگوں کی خانہ ساز ہے۔۔ باقی رہا اس کا خلاف قرآن ہونا سو وہ بچند وجہ ہے۔

اولاً: یہ عمومات قرآنی کے خلاف ہے جیسے "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ" (النساء آیت 11) اولاد کے بارے میں خدا تمہیں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کے دو برابر حصہ دو (2) "وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ" (النساء آیت 33) ہم نے ہر ایک کے وارث بنائے ہیں۔ جو کچھ والدین یا قرابتدار چھوڑ جائیں۔ اس میں انبیاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ازالہ شبہ:

کہا جاتا ہے کہ حدیث مخصص قرآن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آیت **فانکحوا** الخ سے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ استثناء قرآن کی۔ ایک دوسری آیت کے پیش نظر ہے جس میں وارد ہے کہ "**خالصة لک من دون المومنين**" یہ بات آپؐ سے مخصوص ہے۔ دوسرے اہل ایمان اس میں شامل نہیں۔ ثانیاً قطع نظر اس اختلاف سے جو خبر واحد کے مخصص عموم قرآنی ہونے کے بارے میں علمائے اصول کے درمیان ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے (**کما هو الصحيح**) تو یہ تب ہے کہ وہ خبر صحیح السند اور مسلم الثبوت ہو مگر وہ خبر جو علیؑ وفاطمہؑ اور حسن و حسین علیہم السلام جیسے معصوم ذوات مقدسہ کی نظر میں غلط ہے وہ کسی طرح بھی مخصوص قرآن نہیں ہو سکتی۔ اوپر جناب سیدہؑ کا یہ کلام گذر چکا ہے کہ "**ام انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومه من ابی**" کیا تم میرے باپ سے زیادہ قرآن کے عموم وخصوص کے عالم ہو؟ اس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہاں کوئی مخصص موجود نہیں ہے۔ **وهو المقصود**۔

ثالثاً: یہ قرآنی واقعات وحکایات کے خلاف ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے "**وورث سليمان داؤد**" حضرت سلیمانؑ (اپنے باپ) داؤد کے وارث ہوئے "وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنۢ ءَالِ يَعۡقُوبَ ''(مریم آیت 5 تا 6)''حضرت زکریا بارگاہ میں عرض کرتے ہیں مجھے اپنے وارثان بازگشت سے خوف ہے اور میری عورت بانجھ ہے مجھے اپنی بارگاہ سے ایسا وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔''ان آیات سے واضح ہے کہ نبی نبیوں کے وارث ہوتے رہے ہیں لہٰذا مضمون روایت کہ ''نبی کسی کے وارث نہیں ہوتے''۔بوجہ مخالف قرآن ہونے کے باطل ہے۔اور نا قابل قبول۔ **کما لا یخفی علی ذوی العقول!**

ازالہ شبہ:

کہا جاتا ہے کہ یہاں وارثت سے مراد نبوت وحکمت ہے نہ مال ومنال۔ ورنہ وراثت مالی میں صرف جناب سلیمان نہیں ۔انکے باقی اٹھارہ بھائی بھی تھے۔اسی طرح جناب زکریا کو مال کا اندیشہ نہ تھا۔ بلکہ ناخلف چچازاد بھائیوں سے اندیشہ تھا۔ورنہ وہ سارا مال موت سے پہلے راہ خدا میں خرچ کر سکتے تھے۔نیز وہ مولود آل یعقوب کا مدت دراز کے بعد کیونکر وارث ہوسکتا تھا۔؟

تفسیر آیات وراثت انبیاءؑ:

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی بناء پر نا قابل توجہ ہے کیونکہ فریقین کی کتب تفاسیر میں وارد ہے کہ یہاں وراثت سے مالی وراثت مراد ہے۔ چنانچہ آیت ''وورث سلیمان داود'' کے متعلق علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں''**فقال الحسن المال و قال غیرہ النبوۃ۔وقال آخرون بل الملک و السیاسۃ۔۔۔(الی ان قال)۔۔فاما اذا قیل ورث المال و الملک معاًفھذا لا یبطل بالجوہ التی ذکرناھا**''۔یعنی حسن (بصری) کہتے ہیں کہ یہاں مراد مال ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال وملک ہے۔اگر مذکورہ وجوہ کی بنا پر اس سے مال وملک ہر دو مراد لیا جائے تو باطل نہیں ہے۔عقلاً بھی یہی تفسیر درست ہے کہ یہاں وراثت سے وراثت مالی مراد ہے ورنہ جناب سلیمانؑ نبی تو جناب داوٗد کی زندگی میں تھے اور علم وحکمت بھی اس قدر رکھتے تھے کہ مسئلہ غنم میں انکا فیصلہ نافذ تھا۔**ففھمنا ھا سلیمان و کلاً آتیناہ وحکماً و علماً**۔لہٰذا علم تو ان کو بالاصل خدا سے حاصل تھا۔اس میں وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔باقی رہی ان کی تخصیص باوجود یکہ بھائی اور بھی تھے۔تو یہ ان کی عظمت شان بیان کرنے کیلئے ایسا کیا گیا ہے۔ **کما لا یخفی علی اولی الافھام۔**

موارث انبیاء کا بیان:

بعض تفاسیر میں اس وراثت مالی کی تفصیل بھی موجود ہے۔ چنانچہ کتب تفاسیر مثلاً تفسیر بیضاوی ، کشاف ، روح المعانی ، مدارک اور معالم میں بذیل آیت مبارکہ **اذعرض علیہ بالعشی** لکھا ہے **وورث سلیمان من ابیہ دائود الف فرس** جناب سلیمانؑ نے اپنے باپ حضرت داوٗدؑ سے وراثت میں ہزار گھوڑے پائے! دوسری آیت (**فھب لی ولیاً یرثنی**) کے متعلق تفسیر کبیر

ج 5 ص 767 میں لکھا ہے ''المراد بالمیراث فی المو ضعین ھو وراثۃ المال و ھذا قول ابن عباس و الحسن وا لضحاک ''یعنی دونوں مقامات (یرثنی ویرث من آل یعقوب) پر وراثت سے مراد مالی وراثت ہے۔ یہی اب عباس حسن بصری اورضحاک کا قول ہے۔نو وی نے شرح مسلم ج2 ص92 پر لکھا ہے کہ ''عن الحسن البصری یرثنی ویرث من آل یعقوب المرادو راثۃ المال و لو ارادو راثۃ النبوۃ لم یقل و انی خفت الموالی من ورائی الاآیۃ اذا لا یخاف الموالی علی النبوۃ ۔''یعنی حسن بصری اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ وراثت سے مراد مال ہے اگران (زکریاؑ) کی مرادنبوت ہوتی تو یہ نہ کہتے کے مجھے وارثان باز گشت سے خوف ہے کیونکہ نبوت پر کسی سے اندیشہ نہیں ہوسکتا۔اسے کہتے ہیں۔

ع جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

قول کا قول اور دلیل کی دلیل ۔اس استدلال میں ان لوگوں کیلئے لحہ فکر یہ ہے جو یہاں وراثت سے مرادنبوت لیتے ہیں! جناب زکریاؑ کے موالی (چچازاد بھائی) اچھے تھے یا برے۔نبوت کے بارے میں ان سے خوف کرنے کا کیا مطلب خدا خود اپنے اس منصب جلیل کیلئے مناسب افراد منتخب کر لیتا ہے وہ نہ بدکاروں کوملتی ہے اور نہ ہی اس کی بربادی کا کوئی خطرہ ہوتا ہے البتہ اگران کوکوئی خطرہ تھاتو اپنے مال کے متعلق کہ وہ اشرار سے معصیت خدا میں خرچ نہ کردیں۔علاوہ بریں جناب یحییٰؑ اپنے والد جناب زکریاؑ کے حین حیات میں مستقل نبی تھے۔لہٰذا نبوت کو وراثت میں حاصل کرنے کا کیا مطلب؟ کیا نبوت کوئی موروثی چیز ہے؟ باقی رہا یہ خیال کہ تمام مال کوراہ خدا میں خرچ کردیتے۔سو واضح رہے کہ تمام مال خرچ کر کے خودکوفقیر ونادار بنا لینا اصول شریعت کے خلاف ہے خدا فرما تا ہے ''وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔'' (اسراء آیت 29) اس قدر ہاتھ کشادہ نہ کروکہ قابل ملامت حالت میں بیٹھ رہو۔آل یعقوب کے مال کے وارث ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جناب زکریاؑ تک جو مال پہنچا تھا۔اس میں آل یعقوب کا مال بھی شامل تھا!۔اس طرح جوشخص بلاواسطہ جناب زکریاؑ کا وارث ہوگا وہ بالواسطہ آل یعقوب کا وارث بھی ہوگا

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست !!

علاوہ بریں وہ بزرگوار (جناب رسول خداؐ) جن کی طرف یہ حدیث منسوب ہے۔خود ان کے متعلق کتب سیر وتواریخ میں مذکور ہے کہ ان کومتعدد چیزیں اپنے والد سے وراثت میں ملیں۔چنانچہ سیرت حلبیہ ج1 ص60، 61 میں لکھا ہے ''ترک عبد اللہ (ابو محمدؐ) خمسۃ اجمال و قطعۃ من غنم فورث ذلک رسول اللہ من ابیہ ''یعنی رسول خداؐ کے والد جناب عبد اللہ نے پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں چھوڑیں جن کے آنحضرتؐ وارث ہوئے اسی کتاب کی جلد 3 ص366 پر لکھا ہے ''سیف یقال لہ ماثور ورثہ علیہ السلام من ابیہ '' آنحضرتؐ کی ''ماثور'' نامی ایک تلوارتھی جوآپؐ کو اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ ج1 ص122 بحوالہ طبقات بن سعد لکھا ہے۔''عبد اللہ نے اونٹ ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام

ایمن تھا یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ (ورثہ) میں ملیں''۔ اب ان حقائق کی روشنی میں اہل عقل و انصاف فرمائیں کہ یہ حدیث کہ ''گروہ انبیاء نہ کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے۔'' کہاں تک صحیح ہے؟

؎ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء کا جواب:

اہل خلاف اس مقام پر اپنی گرتی ہوئی دیوارِ اعتقاد کو اصول کافی کی اس حدیث سے سہارا دینے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں (جیسا کہ مؤلف نے کیا ہے) جس میں وارد ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے ۔۔ یہ سہارا بچند وجہ نا قابل استناد ہے۔

اولاً: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اسکا راوی ابوالبختری (وہب بن وہب) ہے اور وہ کذب البریہ ہے جیسا کہ رجال کشی ص 199 اور رجال نجاشی ص 303 ہر دو طبع یمنی میں مذکور ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اللئالی المصنوعہ ج2 ص125،126 طبع مصر میں اس کے متعلق لکھا ہے''من کبار الوضاعین ''بہت بڑے حدیث سازوں میں سے ہے اسلئے یہ حدیث نا قابل اعتماد ہے۔

ثانیاً: بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو اہل خلاف لیتے ہیں یہ''تو کلمہ حق یراد بہا الباطل'' والا معاملہ ہے بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ انبیاء کی وراثت دو قسم کی ہوتی ہے۔(1) مالی (2) علمی ۔ مال کے وارث ان کے رشتہ دار اور علمی کے وارث علماء کبار ہوتے ہیں۔ جب امام نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں تو یہاں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے مال کے وارث بھی علماء ہوں گے؟ اس لئے ازالہ وہم کی خاطر فرمایا کہ یہ صرف علم کے وارث ہیں نہ درہم و دینار کے کیونکہ اس کے وارث تو ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

دفع دخل مقدر:

یہ خیال کہ وارث تو اور بھی تھے چچا عباس ۔ ازواج تو اس کے متعلق واضح رہے کہ یہ بات اپنے مقام (فقہ جعفری) میں دلائل و براہین سے ثابت کی جا چکی ہے کہ اولاد کی موجودگی میں چچاؤں کو کچھ نہیں ملتا اور جائیداد غیر مفقولہ سے ازواج محروم الارث ہوتی ہیں ۔ لہٰذا آنحضرتؐ کی جائیداد غیر منقولہ کی واحد وارث جناب سیدہؑ ہی تھیں نصف کی بالفرض اور نصف کی بالرد فتدبر و لا تکن من الغافلین[1]۔

---

[1] اس مسئلہ کی مکمل تفصیلات دیکھنے کے شائقین ہماری فقہی کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کی جلد دوم کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

عمل، علویؑ والے شبہ کا جواب:

مؤلف نے (دیگر مناظرین اہلسنت کی طرح) یہاں اپنے موقف کی تائید میں حضرت امیرؑ کے عمل کا بھی سہارا لیا ہے کہ انہوں نے اپنے ظاہری دور خلافت میں فدک واپس نہیں کیا۔ سو اس کا جواب واضح ہے۔ جناب امیرؑ نے ظاہری مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فرمایا تھا ''لو قد استوت قدمای من هذه البداحض لغیرت الاشیاء'' (نہج البلاغہ) اگر مجھے ثابت قدمی حاصل ہو گئی تو میں بہت سی اصلاحات کروں گا۔ معلوم ہوا کہ یہ اصلاحات ثبات قدم حاصل ہونے کے ساتھ مشروط۔۔تھیں۔ چنانچہ مؤلف کے بزرگوں کی وجہ سے نہ آنجناب کو ثبات قدم حاصل ہوا اور نہ وہ یہ موعودہ اصلاحات کر سکے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ ''اذا فات الشرط فات المشروط'' اگر اس امر کی صراحت مطلوب ہو کہ جناب امیرؑ فدک کو اپنا مغصوبہ مال سمجھتے تھے تو اس سلسلہ میں آنجناب کا یہ کلام بطور نص صریح موجود تھا۔ فرماتے ہیں: ''بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلته السماء فشحت علیه نفوس قوم و سخت عنها نفوس آخرین و نعم الحکم اللہ'' جو کچھ زیر آسمان ہے۔ اسمیں صرف فدک ہی ہمارے قبضہ میں تھا۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں نے بخل سے کام لیا۔ (ہم سے غصب کر لیا) خدا ہی بہتر حکم کرنے والا ہے (نہج البلاغہ ج 2 ص 93 طبع مصر) کتاب الروضہ کی جس روایت پر مؤلف نے ایراد کیا ہے۔ یہ ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے ورنہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نگاہ ہے کہ جناب امیرؑ خانہ جنگیوں اور سازشیوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار تھے اور آپ کے ہمراہی اگر تمام نہیں تو اکثر ایسے تھے جو ابوبکر، عمر اور عثمان کو خلفاء برحق جانتے تھے۔ دریں حالات ان خلفاء کے بدعات و احداث کا قلع قمع کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جو کچھ جناب نے کیا وہی عقل و خرد کا تقاضا تھا۔ علاوہ بریں اس روایت سے بھی اتنا تو واضح ہے کہ آنجنابؑ ان خلفاء کو خدا و رسول کا مخالف اور بدعات کا مرتکب سمجھتے تھے۔۔ لہٰذا اس سے مؤلف کی تردید ہوتی ہے کہ تائید!

لمحہ فکریہ:

علاوہ بریں اہلسنت کیلئے اس بات میں بھی لمحہ فکریہ ہے کہ انکے ایک خلیفہ نے فدک غصب کیا اور دو خلیفوں نے یکے بعد دیگرے اسے اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔ ایک عمر بن عبدالعزیز اموی اور دوسرے مامون عباسی نے (فتوح البلدان ص 40 معجم البلدان ج 2 ص 345) اب کس خلیفہ کا عمل صحیح تھا اور کس کی کاروائی غلط تھی؟ بینوا تو جروا؟

جناب سیدہ کی ناراضگی:

یہ باب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس واقعہ کے سلسلہ میں ابوبکر پر سخت ناراض ہوئیں اور تادم زیست ان سے بات نہ کی (جیسا کہ اوپر حوالہ جات سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے) اور ان کو اپنی نماز جنازہ میں شرکت سے بھی

منع کر دیا (جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا) مگر اس کا کیا علاج کہ جب صحاح ستہ میں سے بنیادی دو کتابیں بخاری و مسلم کی روایات کا بھی انکار کر دیا جائے تو پھر کس کتاب کا حوالہ پیش کیا جائے حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 106 طبع مصر پر وضاحت سے لکھا ہے کہ جو شخص بخاری و مسلم کی کسی حدیث کا انکار کرے وہ مذہب اہلسنت سے خارج ہو جاتا ہے اور گمراہی بدعتی قرار پاتا ہے۔ مؤلف نے بتول کا معنی تارک الدنیا کر کے چند کھجوروں کی خاطر کچہری میں جا کر مقدمہ پیش کرنے کو بھی ان کی شان کے خلاف قرار دے کر اسے غلط قرار دینے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ حالانکہ بتول کے معنی ہیں وہ عورت جو نسوانی نقائص سے پاک ہو۔ ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرنا اسلام میں روا نہیں ہے۔ بی بی عالم کا دروازہ عین مسجد میں کھلتا تھا اور دربار خلافت مسجد میں تھا۔ لہٰذا اگر انہوں نے باپردہ ہو کر اپنا دعویٰ پیش کیا تو اس میں کیا جائے تعجب ہے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنا تھوڑا ہو یا زیادہ عقلاً و شرعاً قبیح نہیں ہے بلکہ حسن ہے اور اس اعتبار سے کہ اس سے بے ایمانی کے بے ایمانی اجاگر ہوتی ہے احسن ہے۔ علاوہ ازیں اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فدک چند کھجوروں کا نہیں بلکہ ایک پورے گاؤں کا نام ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ چند کھجوریں تھیں تو اس سے خلیفہ صاحب کی رہی سہی ساکھ کا بھی جنازہ نکل جائے گا کہ چند کھجوروں کی خاطر دختر رسول کو ناراض کیا۔

وجدت کا معنی نَدَمَتْ کرنا جہالت مرکبہ ہے:

مؤلف کا یہ کہنا کہ بخاری و مسلم میں لفظ ''وجدت'' وارد ہے اور اس کے معنی ہیں ''نَدَمَتْ'' بی بی سوال کر کے نادم ہوئیں (معاذ اللہ) تین وجوہ سے غلط ہے۔ اولاً: تو خود بخاری میں لفظ ''**غضبت فاطمہ**'' موجود ہے (ملاحظہ ہو بخاری ج 3 ص 140 طبع مصر) ثانیاً: مؤلف کا یہ کہنا کہ ''وجدت'' کا معنی ہے ''مذمت'' اور اس سلسلہ میں حاشیہ میں قاموس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ جو سراسر جھوٹ ہے۔ اور مؤلف کی جہالت و ضلالت کی واضح دلیل ہے۔ قاموس کیا کسی بھی لغت عرب میں اس بات کا نام و نشان ہی نہیں ہے ''وجد'' کے معنی خصوصاً جبکہ اس کا صلہ ''علی'' کے ساتھ ہو جیسے ''**وجد فلان علی فلان**'' سوائے ناراضی کے اور کوئی ہوتے ہی نہیں ہیں اس سلسلہ میں قاموس، المنجد، لسان العرب، منتھی الارب، صراح، نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار وغیرہ کتب لغت دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم کی جن روایات میں ''**وجدت فاطمة علی فلان**'' وارد ہے۔ وہاں بخاری و مسلم کی محشی اور شارح حضرات نے اس کے معنی غضبت ہی لکھے ہیں۔

ثالثاً: یہ کہنا کہ اپنے آپ پر ناراض ہوئیں۔ ہر قسم کے حالات اور عبارات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے ایسی بے تکی بات کہنا دھاندلی و بے انصافی کی بدترین مثال ہے۔ ورنہ علاوہ دوسری بیسیوں کتب کے خود بخاری و مسلم کی متعدد روایات میں وارد ہے کہ ابوبکر پر ناراض ہوئیں اور ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا اور ان سے بات چیت بند کر دی۔ ان حیلوں بہانوں سے ابوبکر کو جناب خاتونِ جنت کی ناراضی سے ہرگز نہیں بچایا جا سکتا

؎ بگڑی ہے کچھ ایسی بات کہ بنائے نہیں بنتی

جناب سیدہؑ کی ناراضگی خدا اور رسولؐ کی ناراضی کا باعث ہے:

علاوہ دیگر بے شمار کتب کے خود بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کی رضا خدا اور رسولؐ کی رضا اور ان کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی کا موجب ہے۔ چنانچہ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں''فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبی۔ (وفی روایۃ) یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا (وفی روایۃ) من اذاھا فقد آذانی ومن اغضبھا فقد اغضبنی۔'' (بخاری ج3ص390 طبع لاہور وطبع مصر ج1ص161، 187۔ مسلم ج1ص290۔ شرح فقہ اکبر ص125 طبع لاہور۔ روضۃ الاحباب ج1ص432 وغیرہ)۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہے کہ جناب سیدہؑ کی اذیت رسانی خدا اور رسولؐ کی اذیت کا باعث ہے اور ان کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی کا سبب ہے۔

خدا اور رسولؐ کو ایذا دینے والوں کی سزا:

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو ایذا دینے والوں کی سزا کیا ہے؟ ارشاد قدرت ہے''إِنَّ ٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا'' (الاحزاب آیت 57) جو لوگ خدا اور رسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر خدا نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے! (جس کیلئے مخدومہ کونین کو ناراض کرنیوالوں اور انکی حمایت کرنیوالوں کو تیار رہنا چاہئے!)

مؤلف کے ایرادات ثلاثہ کے جوابات:

مؤلف نے اس ناراضی ک وزن کو ہلکا کرنے کیلئے بزعم خود بعض ایرادات کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ''اغضاب'' کا مطلب ہے جس نے دانستہ آپ کو غضبناک کیا اور ابوبکر نے ایسا نہیں کیا۔۔۔ یہ ایراد بدو وجہ باطل ہے۔ اولاً یہ کہنا کہ''اغضاب'' میں قصد شرط ہے۔ درست نہیں بلکہ اسکا صاف مطلب ہے کسی کو ناراض کرنا (بای نحوٍ کان) بقول خود مؤلف جب جناب سیدہؑ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علیؑ دختر ابوجہل سے عقد کر رہے ہیں تو غضبناک ہوئیں اور جناب رسول خداؐ نے فرمایا''من اغضبھا فقد اغضبی'' تو کیا جناب امیرؑ نے جناب سیدہؑ کو غضبناک کرنے کا قصد کیا تھا؟

ثانیاً: کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص15 طبع مصر سے واضح ہے کہ خود ابوبکر و عمر کو اعتراف تھا کہ انہوں نے بی بی کو غضبناک کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:''قال ابو بکر لعمر انطلق بنا الیٰ فاطمۃ فانا قد اغضبناھا'' ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہمارے ساتھ فاطمہؑ کے پاس چلو کیونکہ ہم نے ان کو غضبناک کیا ہے اس سے واضح ہے کہ مؤلف کا برأت ابوبکر کیلئے ہاتھ پر مارنا''مدعی سست گواہ چست'' والی

مثل کا مصداق ہے۔

روایات نازک مزاجی کا جواب:

مؤلف نے بزعم خود اس مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب سیدہؑ بوجہ شہزادی ہونے کے نازک مزاج تھیں ۔اس وہ معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہوجاتی تھیں ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض ضعیف آثار واخبار کا سہارا بھی لیا ہے۔ جو مسلمہ حقائق سے متصادم ہونے کی بنا پر نا قابل اعتبار ہیں ۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ وہ شہزادی ضرور تھیں ۔لیکن نہ دنیا کی شہزادیوں کی طرح ۔ بلکہ وہ ایسی شہزادی کونین تھیں جو چرخا خود کاتتی ، چکی خود پیستی ، جھاڑو خود دیتی اور گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں ۔ لہٰذا ان کا دنیوی شہزادیوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو بالا اتفاق باطل ہے ۔ جلاء العیون کے حوالہ سے جو بعض واقعات مؤلف نے پیش کئے ہیں وہ فی نفسہٖ بے حد ومرسل اور صحیح تاریخی حقائق کے معارض ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتماد ہیں ۔ مثلاً حضرت علیؑ کے ساتھ جناب سیدہؑ کے عقد کے وقت آنحضرتؐ کے ساتھ انکا جو مکالمہ درج ہے وہ روایۃً ودرایۃً شانِ سیدہؑ کے بالکل منافی ہے ۔ صحیح روایات میں صرف اس قدر وارد ہے کہ جب جناب رسول خداؐ نے اپنی دختر نیک اختر سے اجازت حاصل کرنا چاہی تو بی بی عالم خاموش ہوگئیں ۔آنحضرت ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ اکبر سکوتھا رضاھا '' ان کی خاموشی ان کی رضا مندی کی علامت ہے (منتہی الامال وغیرہ)

اسی طرح کنیز والا واقعہ بھی بالکل بے بنیاد ہے اور عصمت مآب بی بی کی جلالت شان سے بعید ہے کہ ایک جائز اور مباح بات سے ناراض ہوں ۔۔۔علاوہ بریں علامہ مجلسیؒ نے یہ واقعہ لکھ کر اسکی خود ایک مناسب تاویل کر دی ہے ۔ وہاں رجوع کیا جائے ۔ اسی طرح جناب امیرؑ کا دختر ابوجہل کے ساتھ عقد کرنے کا ارادہ اور جناب سیدہؑ کی ناراضی والا واقعہ بھی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے علل الشرائع میں اس قصہ کی رد کی ہے فرماتے ہیں ''**الخبر لیس ھذا الخبر عندی بمعتمد ولا ھو لی بمعتقد فی ھذہ العلة لان علیا علیه السلام و فاطمة علیها السلام ما کان لیقع بینھما کلام یحتاج رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم الی الاصلاح بینھما لانه علیه السلام سید الوصیین وھی سیدة نساء العالمین مقتدیان بنبی اللہ (ص) فی حسن الخلق** '' یعنی یہ خبر میرے نزدیک قابل اعتقاد واعتماد نہیں ہے ۔ کیونکہ جناب علیؑ سید الاولیاء اور جناب فاطمہ سیدۃ النساء تھیں ۔ ان کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کے درمیان ایسا نزاع واقع ہو کہ جناب رسول خداؐ کو صلح کرانے کی ضرورت پیش آئے ۔ حضرت علی علیہ السلام سید الاوصیاء ہیں اور حضرت فاطمۃ علیہا السلام تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہیں یہ دونوں حسن اخلاق میں نبی اکرمؐ کے مقتدی ہیں ۔ نیز آنحضرتؐ بھی ایک جائز کام کا برا منائیں یہ شان رسالت کے منافی ہے ۔ اسی طرح محدث عبدالحق دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ ج 2 ص 585 طبع نولکشور پر اس واقعہ کی تردید کی ہے ۔ علاوہ بریں یہاں ایک اور

بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اولاً تو ان اخبار و آثار میں ''جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ پر غضبناک ہونا'' مذکور نہیں صرف یہ وارد ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئیں آپ کو حزن و ملال ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ ان دو باتوں میں نمایاں فرق ہے۔

ثانیاً: انکشاف حقیقت کے بعد فوراً ان کا راضی ہو جانا اور حزن و ملال کا زائل ہو جانا بھی ثابت ہے۔ جس کی نظیر جناب موسیٰ و ہارون کے قصہ میں موجود ہے کہ سوئے تفاہم سے معمولی سی باہمی رنجش پیدا ہوئی اور انکشاف حقیقت کے بعد فوراً زائل ہوگئی اور صفائی ہوئی۔ مگر ابوبکر کے معاملہ میں تو یہ ناراضی تا زیست باقی رہی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ناراضی صرف بتقاضائے بشریت نہ تھی کیونکہ اولاً تو بی بی عالمؑ آیت تطہیر کا مصداق اور درجہ عصمت پر فائز ہونے کے سبب بشری کمزوریوں سے منزہ مبرا تھیں۔ ثانیاً اگر بالفرض یہ ناراضی بتقاضائے بشریت ہوتی تو فوراً زائل ہو جاتی مگر یہاں تو مدت العمر تک ان کا ناراض رہنا ثابت ہے۔

رضا مندی سیدہؑ والی روایت کا جواب:

مؤلف نے تمام تاریخی مسلمات سے آنکھیں بند کر کے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تقلید کرتے ہوئے کسی مجہول المصنف اور مجہول الحال کتاب مسمی بہ ''مجاج السالکین'' سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جناب سیدہؑ ابوبکر پر راضی ہوگئی تھیں سچ ہے ''الغریق یتشبث بکل حشیش'' غالباً سب سے پہلے اس افترا پردازی کا سہرا محدث دہلوی نے اپنے سر پر باندھا پھر بعد والے مصنفین اہلسنت نے بلا سوچے سمجھے۔ اسے نقل کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود موصوف کے نہاں خانہ دماغ میں ہو تو ہو ورنہ اور تو کہیں اس کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو تمام کتب معتبرہ اور تاریخی مسلمہ واقعات کو نظر انداز کر کے صرف اس مرسل و مقطوع روایت کو کسی طرح آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری (ص 15 طبع مصر) میں ہے کہ جب ابوبکر و عمر جناب سیدہؑ کے آخری ایام حیات میں ان کو راضی کرنے کیلئے ان کے گھر گئے اور بڑی رد و قدح کے بعد اذن باریابی ملا تو شیخین نے جا کر سلام کیا۔۔۔ بی بی عالمؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکر نے سلسلہ کلام کا آغاز کیا جناب سیدہؑ نے جواب میں فرمایا۔ میں تم دونوں سے خدا کو گواہ کر کے پوچھتی ہوں کہ آیا تم نے جناب رسول خداؐ سے یہ سنا تھا کہ فاطمہؑ کی رضا مندی میری رضا مندی اور فاطمہؑ کی ناراضی میری ناراضی ہے؟ دونوں نے اقرار کیا۔ اس وقت جناب سیدہؑ نے فرمایا: میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا اور رضا مند نہیں کیا۔ میں جب بابا سے ملوں گی تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ پھر ابوبکر سے خطاب کر کے فرمایا۔ میں جب تک زندہ ہوں۔ ہر نماز کے بعد تم پر بددعا کروں گی۔ اس کے بعد شیخین اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ علاوہ بریں اس روایت میں رضیت بذلک وارد ہے نہ کہ رضیت عنہ اور ارباب علم جانتے ہیں کہ جب ''رضی'' کا صلہ باء کے ساتھ ہو تو اس کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں نہ کہ رضا مندی کے لہذا بنا بر تسلم مقصد یہ ہے کہ بامر مجبوری خاتون جنت نے اسی مقدار پر قناعت کر لی جو مل رہی تھیں۔ اس میں یہ کہاں وارد ہے کہ ابوبکر پر راضی ہوگئیں۔ یہ

بات تمام اہلسنت ملکر صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ثابت نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً۔

بنتِ رسولؑ کی اپنے جنازہ میں شیخین کو شامل نہ کرنے کی وصیت:

بخاری و مسلم میں تو صرف اس قدر ہے کہ جناب امیرؑ نے جناب سیدہؑ کو بوقت شب دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع نہ دی۔ مگر دوسری بکثرت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کاروائی جناب سیدہؑ کی وصیت کے مطابق کی گئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الاحباب ج 1 ص 610 میں ہے: ''ونماز بروئے علیؑ وبقولی عباس گذارد گویند روز دیگر ابوبکر صدیق وعمر فاروق وسائر اشراف صحابہ باعلی کرم اللہ وجھہ ماتبہ می کردند کہ چوں مارا خبر نکر دی تا شرف نماز بروئے دریافتمی علی عذر گفت بنا بر وصیت او چنین کردم'' (کذافی مدارج النبوۃ) ''یعنی دوسرے دن ابوبکر و عمر وغیرہ نے حضرت علیؑ سے شکوہ کیا کہ ہمیں اطلاع نہ دی تاکہ ہم بھی نماز جنازہ کا شرف حاصل کرتے! حضرت علیؑ نے جواب میں فرمایا میں نے بی بی کی وصیت پر ایسا کیا ہے'' کتب وفاء الوفاء سمہودی ج 2 ص 92 طبع مصر میں لکھا ہے ''ان ابابکر علم بذالک و احب ان لا یرد غرض علی کتمانہ منہ'' یعنی ابوبکر کو (وفات سیدہؑ) کا علم تو ہو گیا تھا مگر اس نے چاہا کہ حضرت علیؑ کی پوشیدہ رکھنے سے جو غرض ہے وہ پوری ہو جائے (اس لئے جنازہ میں شریک ہونے کی کوشش نہ کی)

ایک عجیب دروغ بے فروغ:

ان لوگوں کی ڈھٹائی قابل داد ہے اگر چہ صحیح مسلم (ج 2 ص 91) وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ابھی اوپر کتب اہلسنت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ابوبکر و عمر جناب سیدہؑ کے جنازہ میں شریک بھی نہ تھے۔ مگر ہمارے فاضل مؤلف یہ راگ الاپتے ہیں کہ ''بنت رسول کی نماز جنازہ ابوبکر نے پڑھائی اور وہ بھی چار تکبیر'' یک نہ شد دوشد۔ سچ ہے

ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

حالانکہ مؤلف نے جو حوالہ دیا ہے۔ ان کے اکابر علماء اسے رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی اصابہ ج 4 ص 379 پر اور زرقانی شرح مواہب ج 3 ص 207 پر یہی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں۔ ''ھذا فیہ ضعف و انقطاع'' اور سیرۃ حلبیہ ج 3 ص 390 میں لکھا ہے ''ثبت عندنا ان علیاً کرم اللہ وجھہ دفنھا رضی اللہ عنھا لیلاً و صلی علیھا'' یہ بات ہمارے نزدیک پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کو رات کے وقت دفن کیا اور خود ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔

واقعہ فدک سے سنیوں کی گلوخلاصی ناممکن ہے:

الغرض اہلسنت جس قدر چاہیں ہاتھ پیر ماریں واقعہ فدک سے ان کی اور ان کے خلیفہ کی گلوخلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس

لئے محدث عبدالحق دہلوی نے تسلیم کیا ہے کہ ''مشکل ترین قضایا قضیہ فدک است''

واقعہ فدک پر بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا بے لاگ تبصرہ:

آخر کلام میں واقعہ فدک اور آزردگی بتولؑ اور جفا کاری امتِ رسولؐ کے متعلق بعض اہل انصاف علمائے اہلسنت کا بے لاگ تبصرہ نقل کر کے اس مبحث کو ختم کیا جاتا ہے۔

(1) مولانا صدرالدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰ طبع کانپور ص 36، 37 پر لکھتے ہیں ''بعد از وفات پیغمبرؐ واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل او وتہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ حضرت زہراؑ اجتماع نمودہ بودند و نالہ وشیون نمودن حضرت زہراؑ پیش انصار طولے وارد کرش نکردن اولی تراست وصیت نمودن حضرت زہراؑ کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نشود۔ دلیل صریح است برآن کہ حضرت زہراؑ آرزدہ وملول از دنیا رفت۔ اکنون تاویل ہر چہ خواہند کنند۔ و مرثیہ برائے پیغمبرؐ انشاء نمودہ یک بیت از اول قصیدہ ایں است۔''

صبت علی مصائب لو انها ☆ صبت علی الا یام صرن لیا لیا

(2) مولانا حافظ نذیر احمد مترجم قرآن دہلوی اپنی کتاب رویائے صادقہ ص 199 تا ص 200 طبع پنجم پر لکھتے ہیں: ''جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ صاحب سے متاذی ہوا وہ جناب فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبرؐ صاحب تھے اور باپ بھی کیسے باپ؟ دین ودنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا۔ نمک بر جراحت۔ ترکہ پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر ان کے صبر وضبط ان ہی کے ساتھ تھے پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا اللہ وانا الیہ راجعون مانا کہ انکا غصہ کسی قدر بے جا بھی ہو(معاذ اللہ، ناقل) تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے؟ جناب فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کیلئے جناب علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے (معاذ اللہ، ناقل) برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا! مگر باغ فدک کے دینے میں ایسی کونسی قباحت تھی؟ غایۃ مافی الباب حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکناہ صدقۃ کے خلاف ہوتو گناہ اگر ہوتا تو جناب فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ انکا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں ضعف آگیا اور وہ شدشد منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی کہ اگر سچ پوچھو۔ تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔'''و

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔''

ساتواں طعن:

حضرت ابوبکر کا قول ہے: ''لست لخیر کم و علی فیکم اقیلونی اقیلونی'' میں تمہارے لئے بہتر نہیں ہوں جبکہ علی تم میں موجود ہیں مجھے واپس کرو۔ واپس کرو۔ اس سے فضیلت حضرت علیؑ۔۔۔ابوبکر پر ثابت ہوتی ہے اور افضل کی موجودگی میں مفضول خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

جواب:

اولاً: یہ کہ یہ صرف شیعہ کی گھڑت ہے۔ اہلسنت کی کسی معتبر کتاب میں اس کا وجود نہیں ۔۔۔ثانیاً صحابہ کرام کے اس قسم کے اقوال بے نفسی اور زہد و اتقاء کی وجہ سے ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرا وزیر ہونا میرے امیر ہونے سے بہتر ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں طمع خلافت نہ تھی۔ یہ بارگراں اہل حل وعقد نے بالا جماع ان کی گردن پر رکھ دیا۔ تکبر وغرور شیطانی اوصاف ہیں۔ بزرگان خدا باوجود کمال وجلال خود کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔

؎ رانده شد ابلیس از مستکبری ☆ گشت مقبل آدمی از مستغفری

(آفتاب ص254،255)

الجواب:

مؤلف کا اس روایت کو شیعہ کی من گھڑت قرار دیتے ہوئے کتب اہلسنت میں اس کے وجود کا انکار کرنا ان کے اپنی کتابوں سے نابلد ہونے کی بین دلیل ہے۔ حالانکہ یہ ان کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو ابطال الباطل ابن روز بھان، سر العالمین غزالی اور تذکرۃ الخواص سبط ابن الجوزی وغیرہ۔۔

اور بنا بریں تسلیم مؤلف نے اس کی جو یہ تاویل کی ہے کہ یہ محض کسر نفسی کے طور پر کہا ہے یہ تاویل بالکل علیل ہے اولاً کسر نفسی کا اپنا مقام ومحل ہوتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی شخص کو نبی بنائے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے لوگو مجھے چھوڑ دو۔ کیونکہ فلاں شخص موجود ہے (یعنی اس کو نبی مان لو) جب نبی ایسا نہیں کرسکتا تو وصی کس طرح کرسکتا ہے؟

ثانیاً: بالفرض اگر یہ کلام بطور کسر نفسی ہوتا تو پھر حضرت امیرؑ کا اسم گرامی صراحت کے ساتھ نہ لیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ کہا جاتا کہ تم سے مجھ سے بہتر ہو۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بموجب الحق یجری علی اللسان یہ حق بت ان کی زبان پر جاری ہوئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو اپنے سے افضل جانتے تھے اور اس حقیقت کا کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ کہ افضل

کی موجودگی میں مفضول مسندِ خلافت پر بیٹھنے کا حقدار نہیں ہے۔

مؤلف نے یہ بڑی طرفہ کی بات کی ہے کہ ''ابوبکر کے دل میں خلافت کی طمع نہ تھی۔ اہل حل وعقد نے یہ باگراں ان کی گردن میں ڈال دیا'' ہم آیات فضائل صحابہ میں سے پہلے آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ صاحب اسلام ہی طمع خلافت وامامت میں لائے تھے اور یہ مطلب بھی کئی بار واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ جس طرح نبی و رسولؑ خدا منتخب کرتا ہے۔ خلافت الٰہی کیلئے بھی مناسب افراد کا انتخاب وہی کرتا ہے۔ اجماع وشوریٰ سے کوئی شخص نہ نبی بن سکتا ہے اور خلیفہ نبی اور یہ کہ ابوبکر صاحب کی خلافت پر تو اہل حل وعقد بھی اجماع نہیں ہوا سقیفہ میں جو چند افراد موجود تھے (جبکہ تمام بنی ہاشم غیر حاضر تھے) ان میں بھی باہمی نگاہ فساد ہو رہا تھا اور ''منا امیر و منکم امیر'' کی آوازیں بلند تھیں۔ مہاجر وانصار کی باہمی تو تکار وتکرار فلک کج رفتار تک پہنچ رہی تھی کہ جناب عمر کی دھینگا مشتی سے بڑے ڈرامائی انداز میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی (شرح مواقف وغیرہ) اسی بنا پر عمر کہا کرتے تھے ''**کانت بیعة ابی بکر فلتتةً و فی اللہ شرھا**'' (بخاری شریف)

اگر بوجہ ابوبکر صاحب خلافت کے خواہشمند نہ تھے اپنی بیعت لینے کیلئے حضرت علیؑ کو ظلم وستم کا نشانہ کیوں بنایا؟ اور دروازہ فاطمیہؑ پر آگ ولکڑیاں جمع کر کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکیاں کیوں دی گئیں؟ (الامۃ والسیاسۃ وغیرہ) قبل ازیں تفصیل کے ساتھ ان امور پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ خدائے قدیر نے یہ جملہ ابوبکر کی زبان پر جاری کر دیا ہے۔ تاکہ ان کی نااہلی اور حضرت امیرؑ کی افضلیت واہلیت پر مہر تصدیق ثبت ہوجائے ''**ولیحق اللہ الحق بکلماتہ**''۔

آٹھواں طعن:

ابوبکر نے اپنے نفاق کا خود اقرار کیا ہے اور ایسا شخص قابل خلافت نہیں ہوسکتا۔

جواب:

متقدمین شیعہ کسی قدر شرم وحیا سے بھی کام لیتے تھے لیکن آج کل کہ شیعہ ع بے حیا باش ہر چہ خواہی کے مصداق ہو کر ایسے بے تکی ''عربی نہ فارسی نہ ترکی، نہ تال کی نہ سرکی'' ہانگ دیا کرتے ہیں۔۔۔۔ ہم اصل حقیقت کو بے نقاب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ترمذی میں ایک حدیث یوں لکھی ہے ''**عن خنظلہ الاسدی**'' (بحذف عربی) حنظلہ اسدی سے مروی ہے جو حضور علیہ السلام کے کاتبوں میں سے تھا کہ ابوبکر کے پاس سے گذرا جبکہ وہ رو رہا تھا۔ ابوبکر نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ کہا حنظلہ منافق ہوگیا ہے! اے ابوبکر! ہم رسول خداؐ کے پاس ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمیں دوزخ وبہشت کی یاد دلاتے ہیں۔ پھر جب گھروں میں آتے ہیں عورتوں اور کام کاج کے شغل میں ہوجاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابوبکر نے کہا بخدا

میرا بھی یہی حال ہے چل رسول اللہؐ کے پاس چلیں۔ہم دونوں رسولؐ کے پاس گئے آپ نے دریافت کیا حنظلہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضورؐ حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں۔آپ ہمیں دوزخ (وہی سابقہ تقریر دھرائی ہے۔ناقل)۔۔حضورؐ نے فرمایا: اگر تم اسی حالت پر رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہو جاتی ہے فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں میں آکر بلکہ تمہارے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ ساعت بساعت حالات بدلتے رہتے ہیں۔۔۔اب اہل انصاف غور کریں کہ اس واقعہ سے حنظلہ اور ابوبکر کے نفاق کا ثبوت ملتا ہے یا ان کے کمال ایمان اور خوف وخشیتہ الٰہی ثابت ہوتی ہے۔۔

(یہاں شیعہ علماء ومجتہدین کا توہین آمیز کلمات کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے ناقل)۔اسی مضمون کی حدیثیں اصول کافی میں بھی موجود ہیں چنانچہ ص 573 میں ہے ''دخل علی ابن جعفر علیہ السلام حمران بن اعین۔'' (اس مقام پر ترمذی والی حدیث کی ہم مضمون دو روایتیں اصول کافی سے مع ترجمہ نقل کی ہیں۔بعدازاں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے ناقل'') ان دو احادیث نے جو شیعہ کی مستند کتاب اصول کافی سے بروایت آئمہ اہلبیت مذکور ہیں۔حدیث حنظلہ کی تشریح کر دی ہے جن کا مضمون بعینہٖ وہی ہے بلکہ اس سے کچھ زائد ہے کہ اصحاب کمال خوف الٰہی سے ذرہ ذرہ باتوں سے کانپ جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر استفسار کیا کرتے تھے کہ ایسے وسوسوں سے ہماری ایمانی حالت میں کچھ خلل تو نہیں آجاتا۔حضورؐ ان کی تشفی فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم تمہاری ایمانی حالت میں ان باتوں سے تغیر نہیں ہوتا۔۔خاصان خدا کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ باوجود عدم صدور ذنب کے وہ خود کو گنہگار کہتے ہیں۔اصول کافی ص 574 پر ایک حدیث ہے کہ واللہ ما ینجو من الذنب الا من اقر بہ (بخدا گناہ سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو گناہ کا اقراری ہو) دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام جو پیغمبر معصوم تھے کہتے ہیں ''وما ابریٔ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء''۔۔کیا معترض اس سے یہ استدلال کرے گا کہ حضرت یوسف معاذاللہ گناہ سے مبرانہ تھے؟ ہاں یہ بتاؤ کہ نبی آخرالزمانؐ کو تو تم معصوم مانتے ہو۔لیکن اصول کافی ص606 میں ایک حدیث ہے (بحذف عربی) امام جعفر صادقؑ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ دن میں ستر مرتبہ اللہ عزوجل سے طلب مغفرت کرتے تھے کیا اس سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ العیاذ باللہ آپؐ گنہگار تھے پھر جناب امیرؑ جن کو شیعہ معصوم سمجھتے ہیں اپنی خطاؤں کا ذیل میں اقرار فرما کر طلب مغفرت کرتے ہیں

ذنوبی بلائی فما حیلتی ☆ اذا کنت فی الحشر حمالھا

اب بتاؤ ان اشعار سے ایک خارجی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ اس کی منطق کی زد الٹی اس کے مذہب پر اور پیشوائے مذہب (حضرت علی المرتضیٰؑ) پر پڑتی ہے۔بات یہ ہے کہ محبان حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی

جوواہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں ۔ گناہ سمجھ کر ہر وقت با اعتراف اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ملا باقر مجلسیؒ نے حیات القلوب ص 54 میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ''حسنات الابرار سیأات المقر بین نیکوں کی نیکیاں مقربین کی بدیاں متصور ہوں گی'' (آفتاب ص 259)

الجواب:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ شیعیان حیدر کرار ابوبکر کو سچا و پکا مسلمان اور مخلص با ایمان نہیں جانتے بلکہ ۔۔ جانتے ہیں ۔ لیکن ان کے اس نظریہ کی بنیاد اس واقعہ پر نہیں ہے جس کے جواب میں مؤلف نے اس قدر طول لا طائل سے کام لیا ہے (اگر چہ اس واقعہ سے بھی ان کے کمال ایمان کی نفی ہو جاتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر مومن کامل ہوتے تو ان کی خلوت وجلوت اور ظاہر و باطن اور حضور وغیاب برابر ہوتا ۔ اور اس میں یہ تغیر وتبدل اور بوقلمونی نہ ہوتی ۔ ''إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُواْ'' (الحجرات آیت 15) بلکہ ہمارے اس اعتقاد کا سنگ بنیاد اور بعض تلخ حقائق پر ہے ۔ جن میں سے بعض حقائق سابا قہ ابواب (بالخصوص بحث ایمان ابوبکر) میں ذکر کئے جا چکے ہیں اور بعض کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے ۔

(1) آنحضرت ﷺ نے ابوبکر سے خطاب کر کے فرمایا: الشرک فیکم اخفی من دبلیب النمل ! اے ابوبکر ! شرک تم میں چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے ! ابوبکر نے کہا ۔ ھل الشرک الا ان یجعل مع اللہ الٰہ آخر ۔ کیا شرک یہ نہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی اور خدا مانا جائے ؟ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا ۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ برحاشیہ فتح البیان طبع مصر ج 5 ص 229 ۔ تفسیر درمنثور ج 4 ص 54 ۔ کنز العمال ج 2 ص 97، 98) اور کنز العمال ج 2 ص 169 میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ ابوبکر کے سوال (ھل الشرک ۔۔۔) پر آنحضرتؐ نے فرمایا ۔ ثقلتک امک یا ابابکر الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل ۔ اے ابوبکر تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے ۔ تم میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے ۔ تفسیر درمنثور کے اسی صفحہ اسی جلد پر آنحضرتؐ کا حلفیہ بیان موجود ہے فرمایا ۔ والذی نفسی بیدہ ان الشرک الخ ۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے (شرک تم میں الخ) اہل انصاف فرمائیں جسے رسول الاسلام ﷺ حلفیہ طور پر مشرک فرمائیں ۔ ہم کیوں کر اسے مؤمن تسلیم کر سکتے ہیں ؟

(2) ایک مرتبہ ابوبکر صاحب نے اہل یمن کو خوف خدا سے روتے ہوئے دیکھ کر کہا ۔ ھکذا کنا ثم قست القلوب ۔ ہم بھی کبھی ایسے ہی تھے مگر پھر دل سخت ہو گئے (تفسیر کبیر ج 8 ص 136 طبع مصر، تاریخ الخلفاء ص 67 طبع لاہور) حالانکہ خداوند عالم بطور حصر ارشاد فرماتا ہے: إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتۡ قُلُوبُهُمۡ ۔ (الانفال آیت 2) مومن تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قسی القلب ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا ۔

(3) نیز یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ حضرت علیؑ جو (الحق مع علی و علی مع الحق کے مصداق تھے) ابوبکر کو کاذب، آثم، خائن و غادر سمجھتے تھے (صحیح مسلم مع شرح نووی ج2 ص92 طبع دہلی) اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جسے رسولؐ مشرک، علیؑ کاذب و آثم اور وہ خود اپنے تئیں قسی القلب سمجھتا ہو وہ مسند نبوی کا وارث نہیں ہوسکتا۔ باقی اس سلسلہ میں مؤلف نے جو غیر متعلق باتیں کیں ہیں ان کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ بریں ان کا جواب باصواب وہی ہے جو خود مؤلف نے سرکار علامہ مجلسیؒ کی ہموائی میں دے دیا ہے کہ۔ **حسنات الابرار سئیات المقربین و الحمدلله علی ظهور الحق و الحقیقة۔**

مؤلف نے صرف انہی آٹھ عدد ''مطاعن بکریہ'' کو جواب دینے کی سعی لاحاصل کی ہے جن کا جواب الجواب پیش کر کے ہم نے ان کے جوابوں کا تارو پود فضائے محیط میں بکھیر کر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ان مطاعن سے ابوبکر اور اس کے ماننے والوں کی کبھی گلوخلاصی نہیں ہوسکتی حتی **یلج الجمل فی سم الخیاط**۔۔ اس کے بعد مؤلف نے مطاعن عمر یہ ذکر کر کے ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر ہم سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے قبل یہاں ابوبکر صاحب کے مزید چند مطاعن اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے یہ حقیقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ ایسا شخص کسی طرح بھی عہدہ جلیلہ خلافت نبویہ کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ **وهو المراد۔**

طعن 9:

ایک شخص مر گیا اس کی دادی نے ابوبکر صاحب سے اپنے حصہ وراثت کا سوال کیا۔ انہوں نے کہا تیرے لئے کتاب خدا اور سنت رسول میں کچھ نہیں۔ اس وقت واپس لوٹ جا۔ تاکہ میں لوگوں سے دریافت کرلوں۔ چنانچہ خلیفہ صاحب نے جب لوگوں سے اس بارے میں سوال کیا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابوبکر نے گواہ طلب کیا۔ محمد بن مسلمہ نے اٹھ کر گواہی دی۔ تب ابوبکر نے اسے حصہ دلوایا۔۔۔ (ازالۃ الخفاء ج2 ص31۔ حجۃ اللہ البالغہ ص146۔ صواعق محرقہ 20 وغیرہ) جس شخص کی علمی حالت یہ ہو کہ میراث کے عامۃ البلوی مسائل بھی نہ جانتا ہو کیا وہ بھی خلیفۃ النبی ہوسکتا ہے؟؟

طعن 10:

تاریخ اسلام کا یہ بہت ہی تکلیف دہ واقعہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کو صحیح جانشین رسولؐ نہ سمجھتے ہوئے اس کے عمال کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ ابوبکر نے خالد بن ولید کو ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ جس نے اس قبیلہ کو تہس نہس کر دیا اور سردار قبیلہ مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بعد اسی رات اسکی بیوی۔ سے منہ کالا کیا۔ دربار خلافت میں اس کے اس فعل شنیع کی گواہیاں بھی دی گئیں مگر بایں ہمہ ابوبکر صاحب نے خالد پر شرعی حد جاری نہ کی (تاریخ طبری، کامل، کنز العمال، روضۃ الاحباب و تاریخ خمیس وغیرہ) کیا ایسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والا اور حدود شرعیہ کو معطل کرنے والا شخص بھی خلیفہ رسولؐ ہوسکتا ہے؟

طعن 11:

ابوبکر نے فجانہ اسلمی کو آگ میں جلا دیا حالانکہ شرعاً کسی کو آگ میں جلانا ممنوع ہے۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے ابوبکر کی اطاعت نہیں کی تھی۔ کلمہ شہادتین پڑھتے ہوئے جل گیا (استیعاب ج1 ص222 طبع حیدر آباد دکن وغیرہ) اس کے جواب میں یہ کہنا کہ "حضرت علیؑ نے ابن سبا یہودی کو آگ میں جلا دیا تھا" درست نہیں ہے کیونکہ جناب امیرؑ کا اسے جلانا ثابت نہیں بلکہ زیادہ معتبر روایت یہ ہے کہ اسے جلا وطن کیا تھا (ملاحظہ ہو تنقیح المقال۔ از علامہ مامقانی)

طعن 12:

ابوبکر نے چور کا بایاں ہاتھ قلم کرایا۔ حالانکہ شرعاً اس کا دایاں ہاتھ قطع کرنے کا حکم ہے (جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے)

طعن 13:

پوری تفسیر تو درکنار ابوبکر صاحب کو بعض مفردات قرآنی کے معانی بھی معلوم نہیں تھے۔ چنانچہ جب ان سے "وفاکهةً و اباً" کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی (تفسیر اتقان ج2 ص115 وغیرہ)

طعن 14:

باوجودیکہ لوگ اعتراض کرتے رہے مگر ابوبکر صاحب نے بلا استحقاق اپنے بعد عمر کو اپنا نائب نامزد کر ہی دیا (کنز العمال ج3 ص146 ازالۃ الخفاء ج1 ص41 وغیرہ) حالانکہ حقیقی نائب رسولؐ (حضرت امیرؑ) کی موجودگی میں نہ خود اسے منبر رسولؐ پر قدم رکھنے کا حق تھا اور نہ ہی کسی اور کو خلیفہ بنانے کا۔۔ کیا جس شخص کی علمی و عملی حالت یہ ہو وہ بھی رسولؐ اسلام کا خلیفہ و جانشین ہوسکتا ہے؟ حاشا وکلا!

؎ مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

نواں طعن حدیث:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور حدیث قال ابن عباس یوم الخمیس بحذف عربی۔ ابن عباس نے کہا جمعرات کا دن اور وہ کیسا دن تھا کہ اس میں آنحضرتؐ کو درد کی شدت تھی پس فرمایا لاؤ میرے پاس تمہیں ایک تحریر لکھ دوں۔۔۔ کہ تم کبھی اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو۔ حاضرین آپس میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے آپؐ کا کیا حال ہے۔ کیا ہجرت (دنیا) کرنے کو ہیں۔ آپؐ سے دریافت کرو۔ ان لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ کیونکہ جس حالت میں ہوں اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ پھر آپؐ نے تین وصیتیں کیں (1) یہ کہ کفار و

مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو (2) کہ وفدوں کو میری طرح عطیے دیتے رہنا۔ تیسری سے ابن عباس نے سکوت فرمایا کہا اسے بھول گیا ہو۔

توضیح:

بخاری میں یہ حدیث باختلاف الفاظ متعدد جگہ مذکور ہے کسی جگہ ہے۔ **ایتونی بالکتف و اللوح الدواہ۔۔فقال بعضھم ان رسول اللہ علیہ الوجع و عند کم القرآن حسبنا کتاب اللہ** ۔۔۔ایک جگہ ہے **فقال عمر ان رسول اللہ ۔۔۔قد غلبہ الوجع** ۔۔عمر نے کہا حضورؐ کو اس وقت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ کتاب اللہ کافی ہے پس گھر والوں نے اختلاف شروع کر دیا۔ بعض کہتے تھے کہ حضورؐ کو کاغذ دو۔۔۔بعض وہ بات کہتے تھے جو عمر کہتے تھے۔ جب شوروغل پڑ گیا تو حضورؐ نے فرمایا چلے جاؤ۔

خلاصہ طعن شیعہ:

(1) عمر نے قول آنحضرتؐ رد کیا جو سراسر وحی تھا اور رد وحی کفر ہے (2) عمر نے قول آنحضرتؐ کو ہذیان سے تعبیر کیا یہ کمال گستاخی ہے (3) عمر نے رسول اللہؐ کے حضور رفع صورت کیا جو حکم آیت "لَا تَرْفَعُوٓا۟ أَصْوَٰتَكُمْ" (الحجرات آیت 2) ممنوع ہے (4) وصیت میں رکاوٹ ڈال کر حق امت تلف کیا۔

جواب:

اول یہ حدیث جتنے طریق سے مروی ہے سب میں آخری راوی عبداللہ بن عباس ہیں حالانکہ۔۔۔اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی تھی۔۔اور تیرہ سال کے نابالغ بچے کی اکیلی شہادت کب قبول ہو سکتی ہے۔۔۔جبکہ حضورؐ کی مرض الموت کے وقت تمام اصحاب اور اہل بیت رسولؐ کا موجود ہونا ضروری ہے۔۔۔پھر جب ان اکابر صحابہ سے جن میں حضرت علیؑ المرتضیٰ بھی شامل ہیں کوئی بھی اس واقعہ کی روایت نہیں کرتا تو ایک نابالغ بچے کی شہادت کس طرح قابل سماعت ہو سکتی ہے ۔۔۔دوم۔۔سب سے بڑا الزام جو حضرت عمر کے ذمے تھونپا جاتا ہے یہ ہے کہ انہوں نے قول آنحضرتؐ کو ہذیان سے نسبت دی لیکن حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا جس لفظ سے شیعہ صاحبان خوش فہمی سے ہذیان کا معنی لیتے ہیں۔ وہ "اھجر" ہے لیکن حدیث میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر نے کہا حدیث میں "**قالو اما شانہ اھجرا استفھموہ**" لکھا ہے حاضرین نے یہ لفظ کہا۔۔۔نیز اھجر کا معنی ہذیان کرنا شیعوں کی ڈبل جہالت کی دلیل ہے معنی عبارت یہ ہے کہ حضورؐ کا کیا حال ہے کیا آپؐ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں۔ آپؐ سے دریافت تو کرو۔ اگر ہجرت کے معنی ہذیان کئے جائیں تو

استفھموا کا معنی صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس شخص کی نسبت یہ گمان ہوا کہ اس کے حواس مختل ہو گئے ہیں۔ تو کوئی پاگل بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس سے پوچھو تو سہی کہ تمہارے اس کلام کا مفہوم کیا ہے۔۔۔

علاوہ ازیں اگر ہجر کا معنی بفرض محال ہذیان بھی کئے جائیں تو چونکہ لفظ ہجر میں حمزہ استفہام موجود ہے اور یہ استفہام انکاری ہوگا تو پھر بھی شیعوں کا مدعی پورا نہیں ہوسکتا۔ مطلب قائل کا یہ ہے کہ جو کچھ حضورؐ فرما رہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپؐ ہذیان نہیں کہہ رہے ہیں اس لئے آپؐ سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اس تحریر سے بحکم وحی کسی ضروری مسئلہ کا بتلانا مقصود ہے یا بطور استحسان حضورؐ کچھ فرمانا چاہتے ہیں جو زبانی بھی ہوسکتا ہے یا اس کے بعد بھی۔۔ اور احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں حاضرین دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے بعض اصرار کرتے تھے کہ قلم دوات، کاغذ حاضر کیا جائے۔ بعض قول عمر سے اتفاق کر کے کہتے تھے کہ مسائل دین و دنیا کی تکمیل بذریعہ قرآن کریم ہو چکی۔۔ اس لئے حضورؐ کو ایسے وقت تکلیف میں ڈالنا عشاق ذات احمدیؐ گوارا نہیں کر سکتے۔ پھر ان دو فریق میں ایک طرف حضرت علیؑ اور بنو ہاشم بھی ضرور ہوں گے اور وہ الزامات جو بلا وجہ حضرت عمر کے ذمہ لگائے جاتے ہیں ان کے ذمہ دار جناب امیرؑ اور جملہ بنی ہاشم بطریق اولیٰ ہو گے ۔۔ جناب امیرؑ کا فرض تھا کہ فوراً اشیاء مطلوبہ حاضر کر کے تحریر لے لیتے۔

کیا وہ تحریر ضروری تھی؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جناب جس امر کیلئے کاغذ قلم دوات طلب فرماتے تھے وہ کوئی ضروری امر تھا اور وحی حق کے ذریعہ اس کا حکم تھا یا ویسے مصلحتاً حضورؐ لکھنا چاہتے تھے۔۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اس وقت خلافت علی المرتضیٰؑ کے متعلق لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ بات شیعہ کے سخت برخلاف ہے کیونکہ اس سے شیعہ کے باقی تمام استدلالات پر پانی پھر جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ بروز خم غدیر حضورؐ نے خلافت علیؑ کا اعلان فرمایا اور نہ کوئی حدیث یا آیات اس وقت تک خلافت علیؑ پر موجود تھی۔۔۔ اور وصیت تحریری نہیں ہوئی شیعہ حضرات کو ناکامی پر ناکامی کا سامنا ہوا

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

علاوہ ازیں اگر تحریر ضروری اور بحکم وحی تھی اور محض چند اشخاص کے اختلاف رائے کے باعث حضورؐ اس کی تعمیل سے قاصر رہے تو آپؐ کے ذمے سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ آپؐ نے فرض تبلیغ میں کوتاہی کی اور حضرت علیؑ اور دیگر اہل بیت کے ذمے الزام ہے کہ انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد نہ کی۔۔ اور اس بات کا قطعی ثبوت کہ وہ تحریر کوئی ضروری امر نہ تھا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد چار روز زندہ رہے اور افاقہ بھی ہوتا رہا لیکن پھر نہ کاغذ قلم دوات طلب فرمایا نہ کوئی تحریر کی۔ دوسرا ثبوت اس کا حدیث میں موجود ہے کہ ان دو فریق سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فریق کی رائے سے اتفاق فرمایا جو حضور

ﷺ کو یہ تکلیف نہ دینا چاہتے تھے۔ دوسرے فریق کو آپ ؐ نے ڈانٹ دیا کہ مجھے بے وجہ تکلیف نہ دو۔۔۔شیعہ اس حدیث سے کس طرح دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ خلافت علیؑ کی ہی وصیت لکھنا مقصود تھی۔ممکن ہے کہ خلافت صدیق لکھنا منظور ہو اور چونکہ بنی ہاشم کو حضور ﷺ کا رجحان معلوم تھا کہ امامتِ نماز پر بھی آخری وقت ابوبکر صدیق کو ہی مامور کیا گیا۔اس لئے قلم کاغذ دوات پیش کرنے سے اہلبیت نے تامل کیا۔۔۔حدیث میں اختلاف اور شوروغل کو اہلبیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے **فاختلف اهل البيت**۔۔ پھر تعجب ہے اور تو سب جگہ اہلبیت سے مراد حضرت علیؑ، فاطمہؑ و حسنینؑ مراد لئے جاتے ہیں ۔لیکن یہاں اہلبیت سے حضرت عمر و ران کے طرفداران مراد لئے جاکر اختلاف۔۔۔کا ذمہ داران ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔

حدیث میں تنازعوا اختصموا قالوا وغیرہ سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اس تنازعہ و جھگڑا اور رفع الصورت ردقول رسول ﷺ حق تلقی امت میں جملہ حاضرین حجرہ جن میں علی المرتضیٰؑ اور بنو ہاشم وغیرہ بھی تھے سب یکساں شریک ہیں اگر قصور ہے تو سب کا نہیں تو کسی کا بھی نہیں۔

حسبنا کتاب اللہ:

ہاں یہ قصور حضرت عمر کا ہے کہ انہوں نے عشق و محبت رسول ﷺ کی وجہ سے یہ رائے پیش کردی کہ جب یہ مسلم امر ہے کہ دین کا کوئی ایسا امر باقی نہیں ہے کہ قرآن میں مذکور نہ وہ۔ "اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" (المائدہ آیت 3)۔۔۔تو حضور اقدس ﷺ کو ایسی نازک حالت شدت مرض میں تکلیف ڈالنا شیدایان ذات والا کو مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ عمر کی رائے زرین سے یہ صرف اکثر حاضرین نے بلکہ حضور رسول پاک ﷺ نے بھی اتفاق فرمایا کہ تحریر کی صلاح ملتوی کردی۔۔

ردّ قول رسول ﷺ:

اگرچہ ردّ قول رسول ﷺ کی ذمہ داری زیادہ تر اہلبیت رسول ﷺ کے ذمہ عائد ہوتی ہے لیکن بفرض محال اس کا مجرم حضرت عمر کو ہی قرار دیا جائے تو چونکہ اقتضائے محبت و عشق اور نیک نیتی پر مبنی تھا اسلئے یہ داخل جرم نہیں ہو سکتا اور اگر ہر حالت میں خواہ کسی نیت سے ہو۔ردقول جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب جناب امیرؑ بھی متعدد مرتبہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب حیات القلوب ج2 ص399 میں ہے (یہاں مؤلف نے صلح حدیبیہ کے وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی کتابت پر کفار کا اعتراض کرنا اور آنحضرت ﷺ کا جناب امیرؑ کو فرمانا کہ میرے نام سے "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دیں اور آنجنابؑ کا معذرت طلب کرنا پھر خود۔۔آنحضرت ﷺ کا محو کرنے والا مشہور واقعہ نقل کر کے لکھا ہے۔) اب شیعہ حضرات

انصاف سے بتائیں کہ کیا ردّ قول رسول ﷺ اور آپ ؐ کا عدول حکم نہ تھا۔

دوسرا واقعہ:

شریف مرتضیٰ (علم الھدیٰ) اپنی الدرر والغرر میں یوں لکھتے ہیں (یہاں ماریہ قبطیہ والا واقعہ پیش کیا ہے کہ جب لوگوں نے اس معظمہ کو اسکے چچازاد بھائی کے ساتھ متہم کیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو تلوار دے کر بھیجا کہ اگر وہ وہاں مل جائے تو اسے قتل کردیں وہ دوڑ کر کھجور پر چڑھ گیا۔ پھر الٹا نیچے گرادیا اور پاؤں اوپر کر لئے حضرت امیرؑ نے دیکھا کہ وہ مقطوع الذکر ہے آپ نے تلوار نیام میں کر لی اور واپس آکر ماجرا بیان کیا۔ حضور ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہم اہلبیت کو رجس سے پاک کیا ہے)۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جناب امیرؑ نے حکم رسول ﷺ کی تعمیل نہ کی اور قبطی کو تلوار سے قتل نہ کیا۔۔ نوٹ: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی اہلبیت ہیں چنانچہ ماریہ قبطیہ کے حق میں یہ لفظ استعمال فرمایا۔

تیسرا واقعہ:

شیعہ کی معتبر کتاب ارشاد القلوب دیلمی نے اور محمد بن بابویہ نے امالی میں یہ روایت لکھی ہے (بحذف عربی) رسول پاک ﷺ نے فاطمہؑ کو سات درہم دیے اور فرمایا کہ علیؑ کو دو تا کہ وہ اپنے اہل وعیال کیلئے غلہ خرید لائے کہ وہ گرسنہ شکم ہیں۔ جناب سیدہؑ نے وہ درہم حضرت علیؑ کو دے کر فرمائش رسولؐ کی اطلاع دی۔ آپ وہ درہم لے کر غلہ خریدنے گئے۔ تو ایک شخص کو یہ آواز کرتے سنا کہ کوئی شخص ہے جو غنی راست وعدہ کو قرض دے آپ نے وہ درہم اس کے حوالہ کر دیئے''۔ کیا یہ فرمان نبویؐ کی مخالفت نہیں ہے اور ردقول رسول ﷺ کا جرم امیرؑ پر عائد نہیں ہوتا۔

خلاصہ جواب:

اول تو حدیث صرف ایک نابالغ طفل سے مروی ہونے کی وجہ سے درایۃً حجت نہیں۔ دوم حدیث سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمر نے رسول ﷺ کو ہذیان کی نسبت دی۔ اور اگر ہجر کا معنی ہذیان ہی لیا جائے تو یہاں استفہام انکاری ہونے کی وجہ سے نفی ہذیان ہو رہی ہے۔ حسبنا کتاب اللہ کہنا کوئی جرم نہیں۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان فیصلہ خلافت لکھنے کیلئے نہ تھا ایسا ہو تو شیعہ کا ادعا نص خلافت علیؑ کی تمام عمارت گر جاتی ہے۔۔ یہ درست نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کوئی دینی ضروری امر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے اور حضور ﷺ پر الزام آتا ہے کہ آپؐ نے تبلیغ حکم الٰہی میں قصور کیا اگر کاغذ قلم دوات حاضر نہ کرنا۔ نافرمانی حکم رسول ﷺ میں داخل ہے تو اس کے مجرم بہ نسبت عمر حضرت علیؑ اور دیگر اہلبیتؑ زیادہ

ہیں۔اگر ہر بات میں قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنا ضروری ہے تو حضرت علی المرتضیٰؑ نے متعدد دفعہ فرمان نبویؐ کی مخالفت کی اس لئے اس بھاری جرم کے مرتکب ہونے کی وجہ سے آپؑ خلافت وامامت کے اہل نہیں رہے(آفتاب ازص260تا268)

الجواب:

قضیہ نامرضیہ قرطاس تاریخ اسلام کے ان افسوسناک قضایا میں سے ایک ہے کہ جن پر جس قدر رنج وافسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے۔اس نے اسلام میں ایسے اختلافات کا سنگ بنیاد رکھا اور اسی ضلالت وگمراہی کی۔تخم ریزی کی ہے کہ جس کے آثار قیامت تک زائل نہیں ہوں گے۔فاضل شہرستانی نے اختلاف امت مرحومہ کے اسباب گنواتے ہوئے پہلا سبب اسی واقعہ ہائلہ کوقرار دیا ہے۔(اول تنازع وقع فی مرضہ۔۔الملل والنحل للشہرستانی ص8 طبع ایران)اور یہ وہ واقعہ ہائلہ ہے جس نے دشمنان اسلام کے سامنے مسلمانوں کی گردنوں کوخم کردیا ہے اور وہ اہل عالم کومنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔اقوام عالم کا دستور ہے کہ وہ اپنے پیروز کے تمام فرامین پر بالعموم اور آخری لمحات حیات میں نکلے ہوئے جملوں پر بالخصوص عمل درآمد کرتے ہیں۔مگر یہاں معاملہ ہی دیگر ہے۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحات حیات میں شمع رسالت کے پروانے ہونے کے دعویداروں سے حجرہ کچھا کچھ بھرا ہوا ہے کہ اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے یہ جملے نکلتے ہیں"مجھے قلم کاغذ اور دوات لا دو تاکہ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ جاؤں کہ اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو" مگرتعمیل ارشاد کی بجائے انہیں یہ جواب ناصواب سننا پڑتا ہے۔"یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔"(العیاذ باللہ)اور اس کے نتیجہ میں خلق عظیم کے مالک کو مجبوراً فرمانا پڑ جاتا ہے کہ"قوموا عنی"میری بارگاہ سے نکل جاؤ۔ جہاں تک شیعیان حیدر کرار کا تعلق ہے ان کے نزدیک یہ معاملہ پیچیدہ نہیں ہے۔وہ اس گستاخی کے مرتکب اور اس کے ہمنواؤں کو مومن ہی نہیں سمجھتے۔کیونکہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل تمام کائنات کو پرکاہ کے برابر نہیں جانتے۔لیکن مصیبت اور دوہری مصیبت ان لوگوں کیلئے ہے جو نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اپنے چہیتے خلیفہ کا دامن چھوڑنے کیلئے تیار نظر آتے ہیں۔وہ عجیب مخمصہ میں مبتلا ہیں۔کبھی اس واقعہ کے راوی کو نابالغ بچہ قرار دے کر اس سے گلوخلاصی کرانے کی طفلانہ حرکت کرتے ہیں۔کبھی عمر کے اس قول کے قائل ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کبھی اس کی بعید از کار تاویلات رکیکہ پیش کرتے ہیں مگر

؎ بگڑی ہے کچھ ایسی بات کہ بنائے نہیں بنتی

یہ قصہ ان کے گلے کا ایک ایسا پھندہ ہے جس سے قیامت تک ان کی گلوخلاصی نہیں ہوسکتی!

ابن عباسؓ کا صغرسنی والے شبہ کا جواب:

یہ کہہ کر اس واقعہ کا انکار کرنا کہ اس کا راوی ابن عباسؓ جو تیرہ سال کا بچہ تھا۔ بچند وجہ غلط ہے اولاً۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ وفاتِ نبویؐ کے وقت ابن عباسؓ کی عمر کیا تھی؟ مشہور تو یہی ہے کہ تیرہ سال تھی مگر بعض آثار سے پندرہ سال ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ استیعاب مطبوع بر حاشیہ اصابہ ج2 ص351 طبع سعادہ مصر پر خود ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وفاتِ رسول ﷺ کے وقت مری عمر پندرہ برس تھی۔ بنابریں خوردسالی والا عذر ختم ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: بنابر تسلیم اینکہ ان کی عمر تیرہ سال تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین اہلسنت نے طفل ممیز کی روایت کو صحیح اور قابل قبول قرار دیا ہے چنانچہ رسالہ فخر الحسن۔ مؤلفہ مخر الدین نظامی دہلوی (علی مانقلہ فی فلک النجاہ) کتاب جامع الاصول ابن اثیر، اتمام الدرایہ، فتح الباری شرح بخاری وغیرہ کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ جب لڑکا بافہم و باتمیز ہو اس کی روایت اور سماع صحیح ہیں۔ شبلی نعمانی (جنہوں نے الفاروق میں ابن عباسؓ کی صغرسنی کو ڈھال بنا کر اس واقعہ کے انکار کی جسارت کی ہے) سیرۃ النبی ج1 ص54،55 طبع اعظم گڑھ میں لکھتے ہیں ''روایت کرنے کیلئے عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ پانچ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے یا مثلاً اگر کسی صحابی نے پانچ برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابل اعتبار ہوگی۔ محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن ربیع ایک صحابی تھے۔ آنحضرت ﷺ کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا اس واقعہ کو انہوں نے جوان ہو کر لوگوں سے بیان کیا اور سب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ 5 برس کی عمر کی روایت مقبول ہوسکتی ہے'' اسی طرح ص56 پر فتح المغیث ص121 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''محدثین بچہ حق میں (بے عقل کے حق میں نہیں) اس کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہو گیا تو اس کی روایت جائز سمجھتے ہیں'' مقام تدبر ہے جب پانچ برس کے بچہ کی روایت اہلسنت کے نزدیک جائز اور قبول ہے تو تیرہ سال کے لڑکے کی روایت کیوں قابل قبول نہیں ہے؟ ھل فیکم رجل رشید؟

ثالثاً: اس طرح بخاری و مسلم کی تحقیر اور ان کی روایات کا انکار لازم آئے گا اور انکی تحقیر کرنے والا اور ان کی روایات مرفوعہ کا منکر بقول شاہ ولی اللہ دہلوی بدعتی اور مذہب اہلسنت سے خارج ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج1 ص106 طبع مصر) نیز اس طرح بخاری و مسلم کی صحت بھی ختم ہو جائے گی اور امام بخاری و مسلم کی علمی جلالت بھی اور واضح ہوگا کہ وہ ایسے مورکھ تھے کہ ان کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ ایک نابالغ بچے کی روایت ناقابل اعتماد ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی صحیحین میں اس کی روایات درج کیں۔

رابعاً: اگر بوجہ صغرسنی یہ روایت ناقابل قبول ہے تو پھر اس حِبرِ امّت و ترجمان قرآن رئیس المحدثین، ابن عباسؓ سے کتب تفسیر واحادیث میں جس قدر روایات مروی ہیں ان سب کا انکار کرنا پڑے گا! لیکن یہ سودا اہلسنت کو بہت مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ اس طرح انکو

اپنے مذہب کی تقریباً ایک تہائی حصہ روایات سے دست بردار ہونا پڑے گا کیا یہ سودا انکو منظور ہے؟

واقعہ قرطاس کے دوسرے راوی:

خامساً: یہ کہنا بھی خلاف حقیقت ہے کہ سوائے ابن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے یہ واقعہ منقول نہیں ہے کیونکہ ابن عباسؓ کے علاوہ یہ واقعہ متعدد صحابہ سے مروی۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل ج 3 ص 346 پر جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے اور ازالۃ الخفاء ج 1 ص 101 پر عبد الرحمٰن بن ابی بکر سے منقول ہے۔ بلکہ کنز العمال ج 3 ص 138 ج 4 ص 52 میں خود حضرت عمر سے مروی ہے۔

؎ کیا لطف جو غیر پر دہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

رسول ﷺ دو جہاں کو ہذیان کی نسبت دینے والا عمر ہی ہے:

اگر چہ محدثین نے ''قالوا'' وغیرہ جمع کے صیغے استعمال کر کے اصل قائل کو پردہ میں بٹھانے کی بہت کوشش کی ہے مگر بموجب اینکہ

؎ تاڑ نے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

وہ اس پردہ نشین ''قالوا'' کو تاڑ ہی گئے کہ وہ جناب عمر ہی ہیں کوئی اور نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ قدرت کاملہ نے اس کی یہ پردہ دری بھی محدثین اہلسنت کے ہاتھوں کرائی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(1) مجمع البحار از طاہر پٹنی ص 475 ج 3 پر ہے ''هجرا اذا هذیٰ و هو مایقول المحموم عند الحمیٰ و منه قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول اللہ ان هذا الرجل لیهجر علی عادة العرب'' یعنی ہجر کے معنی ہذیان کے ہیں اور ہذیان اس کلام کو کہا جاتا ہے جو تپ زدہ آدمی شدت بخار کے وقت کرتا ہے۔ اسی سے عمر بن الخطاب کا عادت عرب کے مطابق یہ جملہ ہے کہ اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے (العیاذ باللہ)

(2) نہایہ ابن اثیر ج 4 ص 255 طبع مصر میں تصریح موجود ہے کہ ''القائل کان عمر'' اس ہذیان کی نسبت دینے والا عمر تھا۔

(3) مشکوٰۃ ج 2 ص 540 میں بھی تصریح موجود ہے کہ عمر نے کہا۔ قد غلب علیه الوجع و عند کم القرآن حسبکم کتاب اللہ۔ آپؐ پر درد کا غلبہ ہے (یعنی یہ کلام اسی کا نتیجہ ہے) تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور یہ تمہیں کافی ہے۔

(4) مقدمہ ابن خلدون ص 177 طبع مصر میں بالوضاحت لکھا ہے ''و ان عمر منع من ذلک'' یعنی جب آنحضرت

ﷺ نے کاغذ قلم دوات طلب کیا تو عمر نے تحریر میں رکاوٹ ڈالی۔

(5) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری ج 2 ص 352 طبع اسلامبول میں لکھا ہے "و فی بعض طرقہ قال عمر ان النبی لیھجر ای یاتی بھجر من الکلام"۔ یعنی بعض طرق میں وارد ہے کہ عمر نے کہا کہ نبی کو ہذیان ہوگیا ہے۔

(6) شرح شفا خفاجی ج 1 ص 327 میں لکھا ہے "ورد فی الاحادیث الصحیحۃ من ان النبی قال فی مرضہ ایتونی بدوات اکتب لکم کتاباً لا تضلون بہ من بعدی فقال عمر ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ۔" یعنی احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس قلم دوات لاؤ تاکہ میں ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ عمر نے کہا اس مرد کو ہذیان ہوگیا ہے۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

(7) سر العالمین غزالی ص 9 طبع بمبئی پر مذکور قال عمر ان الرجل لیھجر یعنی عمر نے کہا اس مرد کو ہذیان ہوگیا ہے۔

(8) علامہ ابو البقاد العکبری الحنبلی نے شرح دیوان المتنبی ج 1 ص 22 طبع میں شعر "انطق فیک ھجر أبعد علمی، بانک خیر من تحت السماء" کی شرح میں تحریر کیا: "الھجر القبیح من الکلام و الفحش و ھجر اذا ھدی و ھو ما یقولہ المحموم عند الحمی و منہ قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول اللہ ان الرجل الیھجر علی عادۃ العرب" (ترجمہ پہلے گذر چکا ہے)

(9) تذکرہ خواص الامۃ سبط بن جوزی ص 36 پر مذکور ہے کہ عمر نے کہا "دعوا الرجل فانہ لیھجر" اس مرد کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اسے ہذیان ہوگیا ہے جو بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ (نعوذ باللہ)

(10) شبلی نے بھی دبے لفظوں میں اس کا اقرار کر لیا ہے لکھتے ہیں "طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر نے ہی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔" (الفاروق ج 1 ص 29 طبع دہلی) تلک عشرۃ کاملۃ

؎ چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما ؟

بایں ہمہ مؤلف شیعیان حیدر کرار کو کوستے ہیں کہ وہ عمر پر یہ الزام عائد کرتے ہیں۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ۔ سچ ہے

؎ بے حیا باش و ہر چہ خواہی گو

ہجر کے معنی ہذیان ہی ہیں:

جب یہ حقیقت ناقابل رد حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگئی کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف اس "ہجر" کی نسبت دینے والا عمر ہی ہے تو اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ جاتی ہے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں؟ مؤلف آفتاب نے نئی اپچ لگاتے ہوئے اس کے معنی یہ کیے ہیں "کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں" اور "ہجر" کے معنی ہذیان کرنے کو شیعوں کی ڈبل جہالت قرار دیا ہے

۔اب ہم بفضلہ تعالیٰ اہل لغت وحدیث کے بیانات کافیہ کی روشنی میں ہجر وہذیان کا ہم معنی ہونا اور مؤلف کے بیان کردہ مفہوم کا غلط محض ہونا ثابت کرتے ہیں ۔جس کے بعد یہ بات بالکل الم نشرح ہو جائے گی کہ باب مدینہ علم نبوت کے دامن سے متمسک لوگوں کو جہالت کا طعنہ دینا اپنی جہالت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے اور ''ہجر'' کے معنی ''ہجرت'' کرنا ڈبل جہالت اور ٹرپل ضلالت ہے۔

؎ بے طاقتی کے طعنے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

(1) المنجد طبع چہار دہم ص 855 بیروت پر لکھا ہے ''الھجر الاسم من الا حجار القبیح من الکلا الفحاش فی النطق''یعنی ھجر احجار سے اسم ہے جس کے معنی قبیح اور فحش کلام کے ہیں ۔اسی صفحہ پر لکھا ہے ''ھجر فی نو مہ اور مر ضہ خلط و ھذی''یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے نیند یا مرض میں ہجر کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کہا سے ہذیان ہو گیا ہے (بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے)

(2) قاموس اللغتہ ج 2 ص 158 طبع مصر میں لکھا ہے ''و الھجر بالضم القبیح من الکلام و ھجر فی نو مہ و مر ضہ ھجر اً بالضم ھذی''یعنی ہجر ضمہ (پیش) کے ساتھ کلام قبیح کو کہا جاتا ہے اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے نیند یا مرض میں ہجر کیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے ہذیان ہو گیا ہے۔

(3) مجمع البحار از محمد طاہر گجراتی ج 3 ص 45 پر لکھا ہے ''ھجر اذا ھذی و ھو ما یقول المحموم عند الحسمی''یعنی ہجر کے معنی ہیں ہذیان اور ہذیان اس کلام کو کہا جاتا ہے جو تپ زدہ آدمی شدت مرض کے وقت کرتا ہے یعنی بڑ ابڑ اتا ہے اور لایعنی اور بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔

(4) مفردات راغب اصفہانی ص 559 طبع مصر میں ہے ''و ھجر المریض اذاتی ذلک من غیر قسد''یعنی کہا جاتا ہے ۔ہجر المریض ۔یہ اسوقت کہا جاتا ہے جب وہ بلا قصد وارادہ کوئی (بہکی ہوئی) بات کرے ۔

(5) صراح از محمد بن عمر قرشی ص 428 میں لکھا ہے ''ہجر'' بالفتح پریشان گفتن بیمار ۔وبالضم سخن بے ہودہ۔

(6) الفاروق شبلی ص 29 طبع دہلی میں لکھا ہے ''روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں''

(7) تفسیر درمنثور ج 5 ص 70 پر لکھا ہے ''الم تر الی المریض اذا ھذی قیل ھجر ای قال غیر الحق '' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب مریض کو ہذیان ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''ہجر''یعنی خلاف حق بات کر رہا ہے ۔

(8) انوار اللغتہ پ 27 ص 1 میں علامہ وحید الزمان نے ''اھجر ا استفھموہ'' کے یہ معنی کئے ہیں آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے کہیں بخار کی شدت میں آپ بڑ بڑا تو نہیں رہے (جیسے بیمار کا حال ہوتا ہے)

(9) شرح مسلم نو دی ج 2 ص 43 پر لکھا ہے ۔''صدر منہ صلی اللہ علیہ و سلم من غیر قصد جازم و ھو المراد

بقولهم هجر و بقول عمر غلب علیه الوجع ''یعنی آنحضرت ﷺ سے یہ کلام بلا ارادہ صادر ہوا ہے اور صحابہ کے قول ''ہجر'' اور عمر کے قول ''غلبہ علیہ الوجع '' سے یہی مراد ہے۔

(10) منتہی الارب فی لغات العرب ص 469 بذیل لغت ہجر لکھا ہے ''ھجر فی نومہ او مرضہ ھجراً بالضم ہذیان در آمد در آن و پریشان گفت''تلک عشرۃ کاملۃ۔ امید ہے کہ اب تسلی ہوگئی ہوگی کہ ہجر کے معنی ہذیان کے ہی ہیں۔

؎ اگر اب بھی نہ تم سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے

مؤلف آفتاب نے بموجب ''زادنی الطنبور نغمۃ'''' ہجر'' کے جو معنی ہجرت کئے ہیں یہ ان کی ذاتی ذہنی اختراع ہے یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے مطلب کو ادا کرنا ہو تو عربی زبان میں ''ھاجر یھاجر '' از باب ''مغاعلہ'' استعمال ہوتا ہے۔ نہ ''ہجر یہجر'' مؤلف نے شاید نہ قیاس کیا ہے کہ جب دونوں کا مادہ ایک ہے تو معنی بھی ایک ہی ہوں گے اور یہ نہ سوچا کہ مجرد و مزید فیہ میں اکثر اوقات معانی تبدیل ہو جایا کرتے ہیں مثلاً قَتَلَ اور قَاتَلَ کا مادہ ایک ہے مگر معانی مختلف ہیں۔ قتل کے معنی قتل کرنا اور قاتل کے معنی جنگ کرنا۔ اسی طرح ''سفر'' و ''مسافر'' کا مادہ ایک ہے۔ لیکن سفر و سفور کے معنی ظہور و بے حجابی کے ہیں اور ''مسافر'' کے معنی سفر کرنے والے کے ہیں اسی طرح ''ہجر'' اور ''ہاجر'' کا مادہ گو ایک ہے مگر معانی الگ الگ ہیں ''ہجرت'' ''مہاجرت'' سے اسم مصدر ہے۔ استفھمو اکا سہارا لیتے ہوئے مؤلف نے اپنے غلط معنی کی جو تائید حاصل کرنا چاہی ہے وہ غلط ہے۔ اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو علامہ وحید الزمان نے انوار اللغتہ میں بیان کیا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے کہیں بخار کی شدت سے بڑ بڑا تو نہیں رہے'' اسی طرح اس استفہام کو استفہام انکار ہی قرار دینا بھی کسی طرح درست نہیں۔ بالخصوص جبکہ اکثر روایات میں ہمزہ ہے ہی نہیں بلکہ وہاں تو بڑے شد و مد سے حرف تحقیق ''ان'' اور ''لام تاکید'' کے سابقہ بیان کیا گیا ہے کہ ''ان ھذا الرجل لیھجر ''امید ہے کہ دوسروں پر جہالت کا الزام عائد کرنے والے اب ضرور زیر لب یہ کہتے ہوں گے

؎ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مؤلف کے فرزند قاضی مظہر نے اپنی جہالت مرکبہ کا ثبوت دیتے ہوئے ''ہجر'' (بالفتح) کے معنی جدائی بیان کر کے اس سے دنیا سے جدائی مراد لی ہے۔ اور یہ نہیں سمجھا کہ ہم نے جو ''ہجر'' کے معنی ہذیان کئے ہیں وہ بالضم ہے کہ بالفتح نیز ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقلی ہونے کیلئے لفظ ہجرت کا اسم مصدر ہے کہ کہ لفظ ''ہجر'' اور اس مفہوم کے ادا کرنے کیلئے لغت عرب میں ہاجر مہاجر مفاعلہ استعمال ہوتا ہے نہ کہ ہجر یہجر نیز یاد رہے کہ مجمع البحار گجراتی مؤلف کے احتمالی معنیٰ سے لغت عرب مرتب نہیں ہوسکتی بلکہ استفھموہ کے صحیح معنی وہی ہیں جو ہم نے علامہ وحید الزمان کی زبانی پیش کر دیے ہیں۔ اور یہی معنی خود گجراتی نے اسی کتاب مجمع البحار جل 2 ص 45 پر کئے ہیں۔ فراجع۔

وہ تحریر اشد ضروری تھی!

مؤلف نے یہاں اس مطلب پر بھی زور طبع صرف کیا ہے کہ کیا وہ تحریر ضروری تھی۔ وحی حق کے ذریعہ اسکا حکم تھا یا ویسے مصلحتاً حضورؐ لکھنا چاہتے تھے؟ اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ حضورؐ کے احکام دو قسم کے ہوتے تھے کچھ وحی کے تابع اور کچھ ذاتی مصلحت کے ماتحت (العیاذ باللہ) غالباً اسی بنا پر شبلی نعمانی نے الفاروق ج 2 ص 209، 238 طبع دہلی پر لکھا ہے کہ ''حضرت عمر نے نزدیک نبیؐ کے سب احکام واجب التعمیل نہیں ہوتے تھے اور اسی نظریہ فاسدہ پر منکرین حدیث نے انکار حدیث کا سنگ بنیاد رکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے احکام دو قسم کے تھے کچھ وحی کے تابع اور کچھ ذاتی مصلحت کے تابع تو ہمیں کیا پتہ کہ کون سا حکم تابع وحی ہے اور کون سا تابع مصلحت'' لہٰذا

؎ ایں دفتر بے معنیٰ غرق مئے ناب اولیٰ

جب یہ لوگ انکار حدیث کرتے ہیں تو حمایت کارانِ عمران پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ

؎ اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!

بہر حال عمر یا اور لوگ جو چاہیں نظریہ قائم کریں قرآن حکیم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کے تابع ہوتا تھا۔ ارشاد قدرت ہے ''وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ''۔ یعنی

؎ گفتہ او گفتہ اللہ بود ☆ گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسی وجہ سے تو ہر حال اور ہر قول و فعل میں رسولؐ کی اطاعت واجب اور انکی اطاعت اطاعت خدا ہے ''ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' چنانچہ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر ج 3 میں اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں ''من اقوی الدلائل علی ان الرسول معصوم فی جمعی الاوامر و النواھی و فی کل ما یبلغه من اللہ لانه و اخطأ فی شئی منھا لم یکن طاعة طاعة اللہ'' یعنی اس بات کی سب سے قوی ترین دلیل کہ آنحضرت ﷺ تمام اوامر و نواہی اور تمام تبلیغات میں معصوم تھے۔ یہ ہے کہ ہر حالت میں ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اگر وہ کسی بات میں غلطی کا ارتکاب کریں تو پھر ہر حال میں ان کی اطاعت خدا کی اطاعت نہ ہوگی۔ اسی طرح آیت مبارکہ ''انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ'' کے ذیل میں فخر رازی نے لکھا ہے: ''قال المحققون ھذه الایة تدل علی انه ما کان یحکم الا بالوحی و النص'' یعنی علماء محققین نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی اور نص کے بغیر کوئی حکم نہیں دیتے تھے (تفسیر کبیر ج 3 ص 317)

علاوہ بریں حدیث میں وارد شدہ جملہ ''اکتب لکم کتابا لا تضلون بعده'' میں تمہارے لئے اسی چیز لکھ جاؤں کہ اسکے بعد گمراہ نہ ہو۔ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے وہ تحریر بہت ہی اہم تھی۔ جس کے ترک میں ضلالت و گمراہی کا اندیشہ تھا۔ یہ درست ہے

کہ نزول قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ تنزیلی طور پر تکمیل دین کی سند بھی مل چکی تھی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب کسی چیز کی تشریح یا اسے ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی؟ علاوہ بریں اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک استجاب کا کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو اس وقت تک صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہوتا ہے لہٰذا ''ایتونی بدواۃ'' وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ بعد میں آنحضرت ﷺ نے وہ تحریر کیوں نہ لکھی؟ تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب آپؐ کی اسقدر مخالفت کی گئی کہ آپؐ پر ہذیان اور یاوہ گوئی کا بہتان بھی لگا دیا گیا تو اب لکھنے لکھوانے کا فائدہ کیا تھا؟ بہرکیف جس طرح آپ نے حکم خدا سے لکھوانے کا حکم دیا تھا اسی طرح حکم خدا سے اسے ترک بھی کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج 4 ص 100 پر لکھا ہے۔ ''و عزمه صلعم ان کان بالوحی فترکه کذالک'' یعنی اگر آنحضرت ﷺ کا لکھوانے کا عزم وحی سے تھا تو اسکا ترک بھی وحی کا ماتحت تھا اسے ''نسخ قبل الوقع'' کہا جاتا ہے جو عندالاکثر جائز ہے (ملاحظہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج 1 ص 431)

حضرت امیر علیہ السلام نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی؟:

مؤلف نے بار بار اس بات پر اصرار کیا ہے کہ اگر وہ تحریر ضروری تھی تو پھر حضرت امیرؑ نے کاغذ پیش کر کے کیوں نہ لکھوائی؟ اس کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

اولاً: یہ واقعہ وفات سے تین چار دن پہلے کا ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ کی موجودگی ثابت ہی نہیں ہے۔ روایت میں جو موجود ہے کہ ''فاختلف اهل البیت'' لمحات شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت گھر میں موجود تھے نہ کہ اہلبیت نبوت! (جن میں اختلاف ہوتا ہی نہیں ہے) اور قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اہلبیت نبوتؐ کی موجودگی ثابت نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہاں اختلاف کرنے والے اہلبیت سے مراد اس کے عمومی لغوی معنی ہیں (گھر میں موجود افراد) نہ خاص اصطلاحی (و هم اهل الکساء)

ثانیاً: اس تحریر کی ان لوگوں کو ضرورت تھی جن کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ جناب امیرؑ تو بنص رسولؐ کل ایمان اور معصوم امام تھے ان کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ لکھواتے۔ نسخہ شفا بیمار کیلئے لکھا جاتا ہے نہ کہ تندرست کیلئے۔

ثالثاً: جب عمر اور ان کے ہمنواؤں نے آنحضرت ﷺ کے دماغ پر حملہ کر کے ان پر تہمت ہذیان لگا دی تو اب اگر جناب امیرؑ وہ تحریر لکھوا بھی لیتے تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا؟ کیا وہ تحریر ان لوگوں کے نزدیک قابل قبول ہوتی؟ لا و رب الکعبۃ۔

رابعاً: مذکورہ بالا امور سے قطع نظر ہماری کتب مثل احتجاج طبرسی، سلیم بن قیس وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے وہ تحریر لکھوائی تھی اور جناب سلیمانؓ ابوذر اور مقدادؓ کو گواہ مقرر کیا تھا اور وہ تحریر آئمہ اطہارؑ از علی تا مہدی علیہم السلام کی امامت و خلافت حقہ کے متعلق تھی۔۔ ذلک فضل اللہ یو تیه من یشاء۔

آنحضرت ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے؟

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ آنحضرت ﷺ لکھوانا کیا چاہتے تھے؟ مؤلف نے کہا ہے کہ شیعہ یہ کہتے ہیں: ''حضرت علیؑ کی کی خلافت نص قائم کرنا چاہتے تھے۔'' اور پھر بزعم خویش اس بات کو شیعوں کے خلاف قرار دیا ہے کہ اس سے دوسری تمام نصوص خلافت علیؑ پر پانی پھر جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اس تقریر دلپذیر سے علم وفضل کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں! کیا تقریر وتحریر میں کوئی تضاد وتناقص پایا جاتا ہے؟ اگر کوئی بات پہلے زبانی طور پر کہی گئی ہو اور اب پھر اسے حیط تحریر میں لایا جائے تو کیا پہلی بات پر پانی پھر جائے گا؟ **مالکم کیف تحکمون** ؟ آنحضرت ﷺ اعلان رسالت کے دن سے لے کر دم واپسیں تک بار بار حضرت امیرؑ کی خلافت حقہ کی زبانی اعلان واظہار فرما چکے تھے اب چاہتے تھے کہ اپنے آخری لمحات حیات میں اس بات کو ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تاکہ کسی کو یارائے انکار نہ ہو سکے اور کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کر سکے۔ مگر چونکہ یار لوگ آنحضرت ﷺ کا منشا بھانپ گئے تھے۔ اسلئے اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنانے دیا۔۔۔! یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا نہ صرف شیعوں نے بلکہ علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے چنانچہ کتاب نسیم الریاض شرح شفاج 4 ص 307 طبع مصر پر لکھا ہے ''**وقال سفیان اراد ان یبین امر الخلافة بعده حتی لا یختلفوا فیھا**'' یعنی سفیان کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ امر خلافت کا بیان کر دیں تاکہ اس میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو۔ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے ''**اراد ان یکتب اسم الخلیفة بعده لئلا یختلف الناس**'' یعنی آنحضرت ﷺ کا یہ ارادہ تھا کہ اپنے بعد والے خلیفہ کا نام لکھ دیں تاکہ لوگ اس امر میں اختلاف نہ کریں۔ اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے ''**ھو تعیین الخلیفة بعده**'' یعنی اس تحریر سے مقصود خلیفہ کی تعیین تھی۔ (کذا فی النووی شرح المسلم ج 2 ص 42 بحوالہ فلک النجاہ)

الفاظ حدیث سے بھی اس مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ اس حدیث قرطاس میں ہے، میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو۔ اور حدیث ثقلین میں بھی یہی وارد ہے کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی نفیس اور گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر ان کے دامن سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت اہلبیتؑ (حدیث متواتر)

حسبنا کتاب اللہ کے قائل کی گلوخلاصی ناممکن ہے:

خدا کا ارشاد ہے کہ ''اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ'' ''جب بھی خدا اور رسول تمہیں بلائیں تو تم لبیک کہو (الانفال آیت 24)'' مگر عمر نے اس حکم کی نہ صرف صریح خلاف ورزی کی بلکہ آنحضرت ﷺ پر تہمت ہذیان بھی لگائی۔ اب مؤلف ان کے اس جرم شنیع کو ہلکا کرنے کیلئے اس مدح کا رنگ دے رہے ہیں کہ قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ دین ودنیا کے تمام مسائل اس میں درج تھے۔ تو اب رسولؐ کو اس حالت میں زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" والی بات ہے۔ ورنہ اگر قرآن ہر لحاظ سے کافی تھا تو پھر خدا کو اسکے ساتھ رسولؐ کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن یقیناً کافی ہے۔ مگر اس معنی میں کہ اسکی موجودگی میں کسی اور کتاب وقانون الٰہی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس کے کسی حقیقی مفسر وشارح اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اگر یہ مطلب درست ہوتا تو خود عمر صاحب بیسیوں مرتبہ یہ کیوں کہتے "**لولا علی الھلک عمر**" اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا (شرح مواقف وغیرہ)۔ اور اگر عمر کا یہ خیال آنحضرتﷺ کے مزاج کے مطابق ہوتا تو آپ ناراض ہو کر ان کو اپنی بزم سے کیوں نکالتے؟ یہ کہنا کہ ناراض ان پر ہوئے جو تحریر لکھوانا چاہتے تھے۔ یہ اتنا بڑا سفید جھوٹ ہے کہ شاید اس کی سنگینی سے آسمان و زمین پھٹ جائیں۔ "**کبرت کلمۃ تخرج من افواھم ان یقولون الا کذباً**" یعنی تعمیل حکم کی کوششیں کرنیوالوں پر ناراض اور مخالفت کرنے والوں سے خوش۔ چہ خوش؟

ع جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

یہ رسولؐ پر تہمت ہذیان لگانے والوں کا اپنا ہذیان نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیپا پوچی کا کیا فائدہ کہ انہوں نے عشق رسولؐ کی وجہ سے کہا کہ ایسے نازک حالت میں آپ کو تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں ہے! یہ عجب انداز عشق ومحبت ہے کہ محبوب کوئی حکم دے اور بجائے اس کے تعمیل کر کے اس کو خوش وخرم کیا جائے الٹا اسکے دماغ پر حملہ کر کے اسے اذیت دی جائے؟

مؤلف کے الزامی جواب کا جواب:

مؤلف نے عمر کی حکم عدولی رسولؐ کرنے کے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے قیاس مع الفارق کرتے ہوئے جناب امیر علی علیہ السلام کے متعلق تین غیر متعلقہ واقعات پیش کئے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس تمام تگ وتاز کے باوجود گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آیا کیونکہ ناکامی و نامرادی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

ے تیری وہ مثل ہے اب اے رضی ☆ نہ اِلا الذی نہ اُلا الذی

اس لئے دم، قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ توفیق شامل حال نہیں ہوتی کہ باطل کو چھوڑ کر دامن حق سے وابستہ ہو جائیں۔ جہاں تک صلح حدیبیہ میں حضرت علیؑ کے لفظ "رسول اللہ" کو اپنے ہاتھ سے نہ مٹانے کا تعلق ہے تو سنی وشیعہ علماء نے اقرار کیا ہے کہ یہ آپ نے پاس ادب نبوت سے کیا تھا۔ چنانچہ شارح نووی نے شرح مسلم ج 2 ص 104 میں لکھا ہے "**وھذا الذی فعلہ عنی رضی اللہ عنہ من باب الادب المستحب**" یعنی جو کچھ حضرت علیؑ نے کیا وہ ادب مستحب کی قسم سے ہے۔ ایسا ہی مواہب مدینہ میں لکھا ہے "**قال العلماء وھذا الذی فعلہ علی من باب الادب المستحب**" کیونکہ

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا: بلکہ ان سے کاغذ لے کر خود محو کر دیا۔ جہاں تک ماریہ قبطیہ والے واقعہ کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق کتاب الدرر والغرر کی عبارت نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ کی گئی ہے۔ اس میں وارد ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جناب امیرؑ کو قبطی کے قتل کا حکم دیا تو جناب نے دریافت کیا "یا رسول اللہ! کون فی امرک اذا ارسلتنی کالسکۃ المحماۃ امضی لما امرتنی بہ ام کالشاھدی یری ما لا یری الغائب قال بل کا الشاھد الخ "یارسول اللہ! جس معاملہ کے متعلق آپ مجھے بھیج رہے ہیں اس میں گرم ہوہے کی مانند بنوں یا معاملہ پر موجود شخص کی مانند بنوں کہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا شاہد کی مانند بننا۔ مطلب یہ کہ تحقیق سے کام لینا۔ چنانچہ جب جناب امیرؑ نے تحقیق کی تو قبطی کو بلاقصور پایا۔ اس لئے اسے قتل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آنحضرت ﷺ ناراض ہونے کی بجائے الٹا خوش ہوئے اور شکر خدا ادا کیا۔ اہل انصاف بتائیں کہ یہ حکم عدولی ہے! یا ارشاد رسالت کی عین پیروی؟ ایسا ہی کتب اہلسنت میں مذکور ہے چنانچہ نصیحۃ الشیعہ ج2 ص 417 طبع ملتان پر بحوالہ صافی لکھا ہے "علی رسول اللہ کے پاس آئے اور یہ پوچھا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں یا تامل کے ساتھ تحقیق کروں تو رسولؐ نے فرمایا کے تامل کے ساتھ کام کرو۔" (کذافی حیواۃ الحیوان اللدمیری) چنانچہ جب حضرت علیؑ نے حسب الحکم تحقیق سے کام لیا تو قبطی کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناراض ہونے کی بجائے آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور شکر خدا ادا کیا۔ تیسرا واقعہ اسقدر واضح ہے کہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ باوجود اپنی احتیاج وضرورت کے دوسرے حاجتمندوں کو اپنے اوپر ترجیح دینا وہ مستحسن فعل ہے کہ خداوند عالم نے ایسا کرنے والوں کی مدح میں قرآنی سورے نازل کئے ہیں "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا" (دھر آیت 8)۔ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ اس کا عمر کے کردار سے کیا تعلق ہے کہ جس کے گستاخانہ اقدام سے رسولؐ دو جہان کو اسقدر صدمہ پہنچا کہ "قوموا عنی" فرما کر ان کو اپنی بزم سے بھی نکال دیا۔ محبوب خدا ور رسولؐ کا مقام اور ہے اور طرید رسولؐ کا مقام اور؟

ع شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور؟

تحریر رسولؐ کے معرض وجود میں نہ آنے کی وجہ سے اب تک جو ضلالت و گمراہی پھیلی ہے یا آئندہ پھیلے گی اسکی تمام ذمہ داری عمر بن الخطاب پر عائد ہوتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس سے اس کے وزر و وبال سے نجات نہیں دلا سکتی و عذاب الاخرۃ اشد وابقی

ع نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستیاں کب تک؟

قدفصلنا الایات لقوم یعقولون۔

دسواں طعن:

حضرت عمر نے معاذ اللہ جناب سیدہؑ کی سخت توہین کی۔ ان پر دروازہ گرا کر پسلیاں توڑ دیں۔۔۔شکم مبارک پر ۔۔۔حمل گرا دیا۔۔۔ان کا گھر جلا دیا۔۔

جواب:

یہ سب باتیں بیہودہ خرافات ہیں۔جن کو عقل و نقل دونوں تسلیم نہیں کرتے۔

جناب سیدہ خاتون جنت، لخت جگر رسولؐ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔تو شیر میدان حضرت علی المرتضیٰؑ اپنی زوجہ محترمہ۔۔۔کی طرف کی توہین دیکھ کر خاموش بیٹھے رہیں؟۔۔۔خدانخواستہ ایسا ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔تمام بنو ہاشم داماد رسول اور لخت جگر رسولؐ کی حمایت کیلئے تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوتے۔نمونہ محشر برپا ہو جاتا۔شیعہ اس بارگاہ میں عجیب وغریب قصے تراش کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔جلاء العیون اردو ص 87 میں درج ہے۔بسند معتبر جناب صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جس وقت ابوبکر نے جناب امیرؑ سے خلافت غصب کی۔ جناب امیرؑ نے فرمایا۔کیا جناب رسول خداؐ نے تجھے میری اطاعت کا حکم دیا؟ ابوبکر نے کہا نہیں!۔۔جناب امیرؑ نے فرمایا اگر اب پیغمبر کو دیکھے اور تجھ کو میری اطاعت کا حکم دیں تو میری اطاعت کرے گا۔۔۔کہا ہاں! جناب امیرؑ نے فرمایا: میرے ہمراہ مسجد قبا میں چل جب وہاں پہنچے۔ابوبکر نے دیکھا کہ حضرت رسولؐ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب فارغ ہوئے تو جناب امیرؑ نے عرض کی یا رسول اللہ! ابوبکر کو انکار ہے کہ آپ نے میری اطاعت۔۔۔آنحضرتؐ نے ابوبکر سے کہا میں نے مکرر تجھے اطاعت علیؑ کا حکم نہیں کیا؟۔۔۔ابو بکر نے خائف۔۔۔معاودت کی راہ میں عمر کو دیکھا عمر نے کہا اے ابوبکر! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ ابوبکر نے کہا حضرت رسولؐ نے مجھ سے ایسا فرمایا ہے! عمر نے کہا وہ گروہ ہلاک ہو گیا جو تجھ ایسے احمق کو سردار کرے۔مگر تو نہیں جانتا یہ سب بنی ہاشم کا سحر ہے۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ کو اسقدر قدرت تھی کہ جناب رسول خداؐ کو مسجد قبا میں ابوبکر کے سامنے زندہ لا کھڑا کیا پھر وہ اپنی قوت اعجاز سے ابوبکر و عمر کے دلوں کو کیوں نہ مسخر کر لیتے۔

دوم: جب ابوبکر نے مدتِ حیات میں اپنے مال و اہل وعیال حضورؐ نبی پر قربان کر کے خدا اور رسولؐ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ جناب امیرؑ کے زورِ کرامت سے رسولؐ زندہ دیکھ کر اور یہ ارشاد سن کر کہ اطاعت علی تجھ پر فرض ہے۔حضرت عمر یا کسی اور شخص کے کہنے پر قول رسولؐ سے انحراف کرتے۔۔۔یہ سب یار لوگوں کی گھڑت ہے۔

ءِ ہٹ دھرم تہمت لگا نا چھوڑ دے
راستی پر آخدا کو مان کر

(آفتاب ص270)

الجواب:

مؤلف آفتاب اوران کے ہمنواؤں کی عقل تسلیم کرے یا نہ کرے۔اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔مگر یہ حقیقت نا قابل انکار حد تک ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جناب خاتون جنت، حضرت امیرؑ اور یکے بعد دیگرے دوسرے افراد خانوادۂ عصمت و طہارت پر مصائب وشدائد کے جو کوہ ہائے گراں گرائے گئے۔ بقول علامہ تفتازانی (درشرح مقاصد) جمادات بھی ان کی گواہی دے رہے ہیں۔خاتون قیامت کے مشہوردل گداز مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے۔

ے صبت علی مصائب لو انها ☆ صبت علی الا یام صرن لیا لیا

(تیسر الباری ترجمہ بخاری پ5 ص64)

مؤلف بجائے اسکے کہ اس سلسلہ میں حضرات شیعہ جو حوالہ جات پیش کیا کرتے ہیں ان کے عقلی و نقلی جوابات پیش کرتے۔ انہوں نے بالکل وہی روش ورفتار اختیار کی ہے جو حامیان یزید واقعات کربلا پر پردہ ڈالتے ہوئے کیا کرتے ہیں۔ ''بھلا اس طرح کوئی شخص خاندان نبوت کی توہین کر سکتا تھا'' ''کوئی مخدرات کے سروں سے چادریں اتار کر ان کو قید کر سکتا تھا'' ''اگر ایسا ہوتا تو قیامت نہ آجاتی'' وغیرہ وغیرہ۔عامیانہ وسوقیانہ باتیں کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ شان دکھانے کا مقام اور ہوتا ہے اور امتحان دینے کا مقام اور؟ اگر نصرتِ دین کی خاطر نبیوں کو آروں سے چیرا جاتا ہے اور قیامت برپا نہیں ہوتی۔حضرت مریمؑ پر تہمت زنا لگائی جاتی ہے اور قیامت برپا نہیں ہوتی پیغمبر خاتمؐ کے دانت مبارک توڑے جاتے ہیں اور قیامت برپا نہیں ہوتی۔تو اگر اس دین مبین کی حفاظت کے سلسلہ میں جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ پر ایسے مظالم ڈھائے جائیں تو اس سے قیامت کیوں برپا ہو جائے گی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو ہاشم بڑے شجاع و دلیر تھے۔مگر وہ احمق نہ تھے۔شجاعت وتہور میں یہی تو فرق ہے کہ شجاعت نام ہے اس حقیقت کا کہ جہاں آگے بڑھنے میں مصلحت ہو تو اگر چہ سارا جہان مخالفت پر کمر بستہ ہو مگر قدم پیچھے نہ ہٹے۔اور جہاں خاموشی میں مصلحت ہو۔وہاں اگر چہ کئی جوش دلانے اور ابھارنے والے امور موجود ہوں مگر تلوار درمیان سے باہر نہ نکلے۔لیکن تہور میں موقع ومحل کی پابندی نہیں ہو تی۔متہور شخص (اجڈ) ہر جگہ آستین چڑھا کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے۔

حضرت امیرؑ ہوں یا دیگر جوانان بنی ہاشم وہ شجاع تھے متہور نہ تھے۔۔۔کہ محل وموقع کی نزاکت کا احساس کئے بغیر تلوار اٹھا کر محشر برپا کر دیتے۔۔نیز بنی ہاشم حضرت امیرؑ کے تابع فرمان تھے اور جناب امیرؑ خدا ورسولؐ کی مرضی کے تابع اور خدا ورسولؐ کی

مرضی صبر و ثبات کا دامن پکڑنے اور خاموشی اختیار کرنے میں تھی! جیسا کہ ان امور پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس تمہیدی بیان کے بعد اب ہم ذیل میں اصل موضوع کے اثبات پر چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ باانصاف ناظرین پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے کہ بقول مؤلف ''یہ یار لوگوں کی گھڑت'' نہیں بلکہ ناقابل انکار تاریخی حقائق ہیں۔ جو کسی حق جُو حق بین پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

ع الا علیٰ اکمہٍ لم یبصر القمر !

اُمت کا رسولؐ زادی کے دروازہ پر آگ و لکڑیاں لے جانا:

کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص 13 طبع مصر پر لکھا ہے ''و ان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقہ قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجھہ فبعث الیھم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجو فدعا بالحطب و قال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقنھا علی من فیھا فقیل لہ یا ابا حفص! ان فیھا فاطمۃ فقال و ان ''! یعنی ابوبکر نے ایک گروہ کو نہ پایا۔ جو ان کی بیعت سے گریز کر کے حضرت علیؑ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے عمر کو بھیجا۔ اس نے لکڑیاں ساتھ لے لیں اور دروازہ پر بآواز بلند کہا مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ گھر کو گھر والوں سمیت آگ لگا دونگا۔ ان سے کہا گیا۔ اے حفصہ کے باپ! اس گھر میں تو فاطمہؑ موجود ہیں؟ کہا اگرچہ ہوں (کذا فی تاریخ الطبری والعقد الفرید للدندلسی۔ و شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید۔ تاریخ ابی الفداء وغیرہ)

(2) کتاب الملل والنحل للفاضل الشہرستانی ص 26 پر نظام کا یہ قول لکھا ہے: ''ان عمر ضرب فاطمۃ یوم البیعۃ حتیٰ القت المحسن من بطنھا و کان یصیح احرقوھا بمن فیھا و ما کان فی الدار غیر علی و فاطمۃ والحسن والحسین'' یعنی بیعت والے دن عمر نے جناب فاطمہؑ کے بطن اقدس پر ایسی ضرب لگائی جس سے محسن شہید ہو گیا اور وہ اس دن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ اس گھر میں سوائے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کے اور کوئی موجود نہ تھا۔

(3) اسی طرح جناب امیرؑ کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کشاں کشاں بیعت کی طرف لے جانا الامامۃ والسیاسۃ ص 14 شرح نہج البلاغہ حدیدی ج 2 ص 27 پر بھی مذکور ہے۔

خانوادہ مصطفیٰؐ کیساتھ امت کے ناروا سلوک پر بعض سنی علماء کا تبصرہ:

انہی حقائق کے پیش نظر تو بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ''جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور نمک بر جراحت ترکہ

پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مرجاتا۔ مگر ان کے صبر وضبط ان ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جن سے انہیں رنج پہنچے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے کی بھی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔۔۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہئے تھا۔ اس میں ضعف آ گیا اور شدہ شدہ منجر ہوا اس قابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جسکی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے'' (رؤیائے صادقہ ص 199، 200 مولانا نذیر احمد دہلوی)

اعجاز مرتضوی کا اثبات:

مؤلف نے بحوالہ جلاء العیون ایک معجزہ علویہ کا تذکرہ کر کے اور پھر اسے ''یار لوگوں کی گھڑت'' قرار دے کر اپنی ناصبیت کا ثبوت دیا ہے۔ بھلا اگر حضرت عیسیٰ ۔۔۔ مقام اعجاز نمائی میں مردوں کو زندہ کریں تو یہ ان کا معجزہ اور درست۔ مؤلف کے نام نہاد اولیاء سینکڑوں مردوں کو زندہ کریں تو ان کی کرامت اور صحیح۔ لیکن اگر یہی کام جناب امیرؑ کریں جو سردار جمیع اولیاء ہیں تو یہ کار لوگوں کی گھڑت بن جائے

؎ جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے!

(حالانکہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے جو نبی و امام کی استدعا پر ان کی صداقت کے اظہار کیلئے ان کے ہاتھوں پر خارق عادت امر کو ظاہر کرتا ہے) قرآن مجید میں تاثیر ہے کہ اس کے ذریعہ سے مردوں سے کلام کیا جاسکتا ہے ''وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ'' (الرعد آیت 31) تو اگر خدا حقیقی وارث قرآن کے ہاتھ پر اسی قرآن کی برکت سے کسی مردہ کو زندہ کر دے تو اس میں کونسی تعجب انگیز بات ہے؟؟ اور رسولؑ تو درحقیقت ہیں ہی زندہ و لکن لا تشعرون۔

ایک استبعاد کا جواب:

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ابوبکر یہ کرامت دیکھ کر قول رسولؐ سے کیونکر انحراف کرتے؟ یہ محض استبعاد ہے جس سے ثابت شدہ حقائق کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ

؎ جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

بھلا جو شخص رسول اسلامؐ کی ظاہری زندگی والے بیسیوں فرامین کو پس پشت ڈالنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ خصوصاً غدیر خم کے موقع پر حضرت امیرؑ کو جانشین رسولؐ اور اپنا مولیٰ تسلیم کر کے مکر جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔

؎ اقرارِ خودش ظاہر با نکار آمادہ آخر ☆ کہ ان الاصل لا یخفی حدیث مصطفیٰ باشد

تو وہ کراماتی زندگی میں فرمانِ رسول کو کس طرح نظرانداز نہیں کرسکتا؟ اور جہاں تک خلیفہ صاحب کے مالی وجانی ایثار کا تعلق ہے ہم اس پر قبل ازیں مفصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ العاقل یکفیہ الاشان و البلید لا ینفعہ الف عبارۃ۔

گیارھواں طعن:

عمر نے ایک حاملہ عورت کے بجرم زنا سنگساری کا حکم دیا تھا۔ جناب امیرؑ نے کہا۔۔۔ اگر چہ اسکی ذات پر حکم دینے کا حق ہے لیکن اس کے بچہ شکم پر سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔ عمر نے۔۔۔ سزا ملتوی کر دی اور کہا لولا علی لھلک عمر۔۔۔ جب وہ دینی مسائل سے جاہل تھے تو خلافت کا استحقاق کس طرح رکھتے۔

جواب:

بات یہ ہے کہ محصنہ مزینہ پر جرم زنا ثابت ہوگیا تھا۔ جس کی سزا رجم ہے اس کے حمل کا جناب امیرؑ کو کسی وجہ سے علم تھا۔ حضرت عمر کو یہ معلوم نہ تھا۔ حضرت امیرؑ نے بتایا کہ یہ حاملہ ہے تو آپ نے سزا ملتوی کر کے جناب امیرؑ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ ادا کیا۔۔۔ اس سے جناب فاروق اعظم کی صاف باطنی وخشیت الٰہی اور بے نفسی کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے حضرت المرتضیٰ کو ہرگز کچھ کدورت تھی وہ آپ کو نیک مشورہ دیتے آپ قبول کر کے ان کا شکریہ ادا کرتے۔ (آفتاب ص 271)

الجواب:

اکثر و بیشتر مطالب میں آفتاب ہدایت بالکل اسی طرح تحفہ اثنا عشریہ کا سرقہ اور چربہ ہے۔ جس طرح خود تحفہ۔ صواقع کابلی کا سرقہ ہے جو کچھ شاہ صاحب نے تحفہ میں لکھ دیا۔ ہمارے مخاطب نے اسے بلاکم وکاست آفتاب میں نقل کر دیا۔ گویا وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔

؎ در پس آئینہ صفت طوطی داشتہ اند ☆ آنچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

بنابریں ہماری یہ کتاب جہاں ''آفتاب ہدایت'' کا دندان شکن جواب ہے وہاں بفضلہٖ تعالیٰ بالواسطہ طور پر تحفہ اثنا عشریہ کا ہمت شکن جواب بھی ہے۔ والحمدللہ علی احسانہٖ بہرکیف ہمارے مؤلف محترم نے صاحب تحفہ کے تتبع میں جو جواب پیش کیا ہے وہ بچند وجہ غلط ہے اور یہ طعن خلیفہ دوم کی جہالت کا وہ بولتا ہوا ثبوت ہے کہ پرستران ثانی اس کی موجودگی میں اپنے خلیفہ کی جہالت پر قیامت تک پردہ نہیں ڈال سکتے۔

اولاً: یہ کہنا کہ حضرت امیرؑ کو کسی طرح اس عورت کے حاملہ ہونے کا علم ہو گیا تھا اور خلیفہ دوم صاحب کو معلوم نہ تھا۔ یہ نص روایت کے خلاف ہے۔ کنزالعمال وغیرہ کتب میں اصل واقعہ ہی یوں مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر دو سال سے غائب تھا۔ جب گھر آیا تو عورت کو حاملہ پا کر عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ جس پر خلیفہ صاحب نے اس عورت کے سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا۔ لہٰذا یہ تاویل بالکل علیل ہے کہ عمر کو اس کے حمل کا علم نہ تھا!

ثانیاً: اگر صورت حال یہی ہوتی جو اس تاویل میں بیان کی گئی ہے تو جناب امیرؑ صرف یہ اطلاع دے دیتے کہ یہ عورت حاملہ ہے وبس۔ مگر وہ تو حاملہ عورت کے سنگسار نہ کرنے پر دلیل قائم فرما رہے ہیں کہ ''**ان کان لک علیها سبیل فلیس لک علی ما فی بطنها سبیل**''۔ یعنی اگرچہ تجھے اس عورت پر حکم دینے کا حق ہے مگر اس کے بچے کو سزا دینے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں۔ یہ دلیل بہانگ دہل بتا رہی ہے کہ خلیفہ کو اس کے حاملہ ہونے کا علم تو تھا۔ مگر یہ علم نہ تھا کہ حاملہ کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا!

ثالثاً: ان سب باتوں سے قطع نظر عورت کا حاملہ ہونا موانع رجم میں سے ایک مانع ہے یعنی حمل کی صورت میں زانیہ عورت کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حکم رجم سے پہلے مفتی اور حاکم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تحقیق حال کرلے کہ کہیں عورت حاملہ تو نہیں ہے۔ لہٰذا عمر کا بلا تحقیق اسکے سنگسار کرنے کا حکم دے دینا شرعی قواعد کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے اور اس سے بہر حال عمر کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔

رابعاً: حضرت امیرؑ کے مشورہ دینے اور عمر کے **لو لا علی لهلک عمر** کہنے سے مؤلف نے ان کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے پر جو استدلال قائم کیا ہے وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ اور کمزور ہے۔ اس بات کا مکمل اور تحقیقی جواب تو وہاں گذر چکا ہے۔ جہاں سابقاً مؤلف نے فضائل عمر بیان کئے ہیں۔ یہاں صرف اجمالاً اسقدر لکھا جاتا ہے کہ حضرت امیرؑ تھے حقیقی محافظِ شریعت اور لوگوں کے واقعی خیر خواہ۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حکم شریعت کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور بلا وجہ ایک جان تلف ہو رہی ہے۔ تو بوجہ محافظ شرع اقدس ہونے کے انہوں نے اپنا فرض ادا کیا اور عمر صاحب نے بھی جب دیکھا کہ اب نہ جائے ماندن ہے اور نہ پائے رفتن تو ''**لو لا علی لهلک عمر**'' کہہ کر اپنی سبکی کو کم کرنے کیلئے حضرت امیرؑ کے فضل وکمال کی داد دے دی مگر یہ نہ سوچا کہ اسطرح تو وہ حضرت امیرؑ کی افضلیت کا اعتراف کر رہے ہیں جس سے ان کی اپنی خانہ ساز خلافت کا قصر زمین بوس ہو جائے گا۔ کیونکہ افضل کی موجودگی میں مفضول اور عالم کی موجودگی میں جاہل کی حکومت شرعاً جائز نہیں ہے۔

؎ اے ترکِ من مناز کہ ترکی تمام شد!

بارھواں طعن:

ایک روز عمر خطبہ میں لوگوں کو گرانی مہر نساء سے منع کر رہے تھے اس اثناء میں ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی اے عمر

!خدا فرماتا ہے"ان آتیتم احدلهن قنطاراً فلاتاخذو امنه شیاً" (اگر گرانقدر خزانہ بھی عورتوں کے حق مہر دے دوتو واپس نہ کرو) اس پر خلیفہ نے کہا۔ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات (سب لوگ عمر سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں حتیٰ کہ مستورات بھی) تو جب ایک عورت بھی علم میں آپ سے زیادہ تھی تو آپ خلافت کے قابل نہ تھے۔

جواب:

بریں فہم و دانش بباید گریست۔ نادان معترض جس بات کو باعث طعن قرار دے دیتا ہے اہل عقل و دانش اس کو کمال و صف سمجھتے ہیں کہ باوجود جلال جبروت کے جو فاروق اعظم کو حاصل تھا اور قیصر و کسریٰ کے محل آپ کے نام سن کر لرز رہے تھے ان کے بے نفسی۔۔کی یہ حالت ہے کہ ایک ادنیٰ عورت سر دبار ٹوک دیتی ہے اور قرآن کی آیت کو استدلال میں پیش کرتی تو خلیفہ وقت قرآن پاک کے ادب سے اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔۔۔ اگر حضرت عمر کی جگہ کوئی دنیا پرست مغرور انسان ہوتا۔۔۔ تو جانبر ہونا مشکل تھا۔ حضرت عمر باوجود افقہ الناس ہونے کے خود کو سب سے فقاہت میں کمتر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ باوجود افضل الناس ہونے کے خود کو اشرالناس کہتے ہیں۔

یظن الناس بی خیراً و انی ☆ لشر الناس ان لم تعف عنی

حقیت میں عورت کا سوال بے محل اور استدلال صحیح نہ تھا کیوں کہ حضرت عمر فرمار ہے تھے کہ۔۔۔ رسولؐ پاک نے اپنی بیٹیوں کے مہر بہت معمولی بندھوائے اور آپ کا ارشاد ہے"اعظم برکۃً ایسر هن صداقاً" اور گرانی مہر کے نتائج ہمیشہ آخر خراب نکلتے ہیں، فتنہ وفساد، مقدمہ بازی تک نوبت پہنچتی ہے۔۔ اسلام نے ہر معاملہ میں کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے۔ آیت قرآن کا یہ مفہوم نہیں کہ مہر میں قنطار۔۔ہی مقرر کیا جائے بلکہ اسکا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص نادانی سے ایسا کر بیٹھے تو پھر دے کر اس واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہر چند عورت کا استدلال صحیح نہ تھا۔۔ خلیفہ وقت نے اسکی فقاہت دیکھ کر ۔۔۔محض اسکی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کیلئے اس کی داد دی۔ جناب امیرؑ کی نسبت اسی طرح کا ایک قصہ مشہور ہے۔۔۔ ایک شخص نے علی المرتضیٰ سے مسئلہ پوچھا آپ نے جواب دیا تو اس شخص نے کہا اس کا جواب یہ نہیں بلکہ اس طرح ہے۔ آپ فرمانے لگے تو نے ٹھیک کہا اور ہر دانا کے اوپر کوئی دانا ہوا کرتا ہے۔۔۔ یہ بھی واضح رہے کہ کسی جزوی بات میں اگر کوئی شخص کسی مسلم بزرگ سے زیادہ واقفیت پیدا کرے تو اس۔۔کی شان میں کمی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت داوٗد کے مقابلہ میں ان کا فیصلہ درست نکلا۔ حالانکہ حضرت سلیمان اس وقت نبی نہ تھے۔۔۔ (آفتاب ص272)

الجواب:

لطیفہ: کتاب ایقاظ العلماء و تنبیهه الامراء میں ایک واقعہ نظر سے گذرا ہے کہ ایک بزرگ سے چالیس مسئلے دریافت کئے گئے۔ انہوں نے پینتیس مسئلوں کے جواب میں تو اپنی لاعلمی ظاہر کی اور صرف پانچ مسئلوں کا جواب اثبات میں دیا۔ اس کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا سبحان اللہ ہمارے بزرگ کس قدر نیک نفس ہیں کہ جس چیز کا علم نہ تھا اسمیں بلاچون وچراں اپنی لاعلمی تسلیم کرلی۔ بلاتشبیہہ کچھ یہی کیفیت خلیفہ دوم اور ان کے مرید خاص مولوی کرم الدین صاحب کی ہے کہ اپنے خلیفہ کی کھلی جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے بحث کا رخ دوسری طرف موڑ دیا ہے کہ سبحان اللہ۔ ان کے عہد میں اظہار رائے کی کس قدر آزادی تھی کہ جس سے قیصرو کسریٰ کے ایوان لرزتے تھے دربار میں ان کو ایک عورت ٹوک دیتی ہے اور خلیفہ صاحب سرتسلیم خم کردیتے ہیں۔ چلو ہم چندمنٹ کیلئے مان لیتے ہیں کہ اس دور میں اظہار رائے کی آزادی تھی (جو کہ محل کلام ہے) جلالت عمر سے قیصر وکسریٰ ترساں ولرزاں تھے۔ وغیرہ وغیرہ مگر کیا اس سے خلیفہ کی جہالت رفع ہوگئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو تقریر سے فائدہ؟ اگر بالفرض اس دور میں اظہار رائے کی آزادی تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی مؤلف کے خلیفہ کی خلافت نہیں بچ سکتی کیونکہ صحیح جانشین رسولؐ کیلئے صرف لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی دینا کافی نہیں ہے (اگرچہ یہ بھی ضروری ہے) بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس قدر عالم شریعت ہونا بھی لازم ہے۔ کسی سائل کے کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ پوری امت میں اس سے بڑا تو کیا اس کے برابر بھی کوئی دوسرا عالم نہ تھا۔ مگر جس دعویدار سے (باقرار خودش) پردہ نشین عورتیں بھی زیادہ فقہ دان ہوں وہ اور تو سب کچھ ہوسکتا ہے مگر عالم علم لدنی نبی کی مسند کا وارث نہیں ہوسکتا۔

مدعی سُست گواہ چست:

پھر مؤلف نے بموجب مدعی ست گواہ چست عمر کو افقہ الناس قرار دیتے ہوئے۔۔ جس کا دعویٰ عمر صاحب نے بھی کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کی نظیر حضرت امیرؑ کی طرف منسوب ایک شعر سے پیش کی ہے جو بدو وجہ غلط ہے۔

اولاً: اس شعر کا کلام جناب امیرؑ ہونا مسلم نہیں ہے۔ یہ اس دیوان میں ہے جو آنجناب کی طرف منسوب ہے جس کے متعلق علماء اعلام کی رائے یہ ہے کہ نہ سارا کلام آنجناب کا ہے اور نہ ہی سارا غلط ہے بلکہ کچھ درست اور کچھ مجہول۔۔ علامہ سید محسن امین عاملیؒ نے بیروت سے جو دیوان علیؑ کا نسخہ ''علی الرویۃ الصحیحہ'' شائع فرمایا ہے اس میں یہ شعر موجود نہیں ہے، فراجع۔

ثانیاً: بنابر تسلیم جناب امیرؑ کا روئے سخن خدائے ذوالجلال کی طرف ہے۔ جہاں انبیائے اولوالعزم جیسے معصوم بزرگوار بھی توبہ واستغفار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جہاں تک لوگوں کے سامنے بات کرنے کا تعلق ہے۔ جناب امیرؑ ہمیشہ اپنے آپ کو افضل الناس

سمجھتے اور ظاہر فرماتے تھے اور یہاں تو معاملہ ہی دیگر ہے کہ ایک عورت خلیفہ صاحب کو غلط مسئلہ بیان کرنے پر ٹوکتی ہے اور وہ اسکے جواب میں عاجز اور پادرگل ہو کر اپنی جہالت اور اس عورت کی علمی برتری کا برملا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وشتان مابینھما!۔

نادان دوست کا کردار:

مؤلف نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ نادان دوست کا پارٹ ادا کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عورت کا سوال بے محل اور استدلال صحیح نہیں تھا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ اس طرح تو خلیفہ پر ایک اور الزام عائد ہوتا ہے کہ جب انکے سامنے آیت قرآنی کے ساتھ غلط استدلال کیا گیا اور قرآن کی تفسیر بالرائے کی گئی تو انہوں نے بجائے ٹوکنے اور صحیح مفہوم بتانے کے الٹا اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کیلئے داد بھی دی۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است؟

غلط کام پر ہمت افزائی کرنا بجائے خود انتہائی غلط اقدام ہے اس طرح تو خلیفہ کی دیانت کا بھرم بھی کھل جاتا ہے۔

یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر مہر تھوڑا ہو تو یہ مستحسن ہے مگر کلام زیادہ مہر مقرر کرنے کے جواز میں ہے کہ آیا جائز ہے یا نہ۔ سو یہ لا کلام جائز ہے۔ لیکن عمر صاحب اسے ناجائز قرار دے کر زائد مقدار کو بیت المال میں داخل کرنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ جس پر عورت نے سر دربار انہیں ٹوکا۔ اس عورت کی گرفت اس طرح اچانک اور اس قدر مضبوط تھی کہ خلیفہ صاحب سے اسکا کوئی جواب نہ بن پڑا اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ جس شخص کی علمی حالت اتنی کمزور ہو کر عام عورت کے بالمقابل بھی نہ ٹھہر سکے وہ رسول اسلام کی مسند خلافت پر نہیں بیٹھ سکتا! وھو المقصود۔

مؤلف کے ناصبیانہ حملہ کا جواب:

یہاں مؤلف نے حضرت امیرؑ کی طرف جس بے سر و پا قصہ کو منسوب کیا ہے وہ صرف ان کی ناصبیت نوازی ہے ورنہ ضمیر ان کا بھی گواہی دے رہا تھا کہ یہ قصہ سراسر غلط ہے۔ ورنہ کم از کم کوئی حوالہ تو دے دیتے۔ صرف شہرت کا سہارا نہ لیتے اور اصول مناظرہ کے مطابق الزام بھی وہ درست ہوتا جو شیعہ کی کتب مستندہ میں موجود ہوتا اور یہ بات آفتاب قیامت کے طلوع کرنے تک کوئی خارجی و ناصبی بجز ختمی مرتبت حضرت امیر علیہ السلام پر کسی اور شخص کی علمی برتری ثابت نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی طرف ان کا کسی مسئلہ میں رجوع کرنا ثابت کر سکتا ہے۔ قل ھاتو ابر ھانکم ان کنتم صادقین۔

ایک قیاس مع الفارق:

آخر میں مؤلف نے جناب داؤد سلیمانؑ کے قصہ سے جو تمسک کیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے درجہ اعتبار سے

ساقط ہے۔ وہ دونوں بزرگوار نبی تھے (اگرچہ ایک فی الحال خاموش تھے لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس وقت نبی نہ تھے) اور اس واقعہ خاصہ کا علم خداوند حکیم نے بالخصوص جناب سلیمانؑ کو اس لئے عطا فرمایا تھا۔ تاکہ باقی اولاد داؤد میں سے جناب سلیمانؑ کی خلافت نبوت پر نص قائم ہو جائے اس کا جناب عمر اور اس کے واقعہ کے ساتھ کیا ربط و تعلق ہے؟ افسوس

ؔ ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ ☆ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

تیرہواں طعن:

صحیح مسلم میں ہے فقال ابو بکر (بحذف عربی) جس میں حضرت علیؑ وجناب عباس کا ابوبکر وعمر کو کاذب، آثم، غادر اور خائن قرار دینا مذکور ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ وعباس حضرت ابوبکر وعمر کو کاذب۔ آثم ۔غادر۔ خائن سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت نے کہا جو ایسا ہو وہ قابل خلافت کب ہوسکتا ہے۔

جواب:

یہ طعن متقدمین شیعہ کو نہیں سوجھا کیونکہ ان میں کسی قدر مادہ انصاف موجود تھا۔۔لیکن متاخرین شیعہ ان سب باتوں سے پاک فاضع، ماشعت پر عمل پیرا ہیں۔ اس جگہ حضرت عمر تنبیہہ کے طور پر حضرت عباس وحضرت علیؑ کو کہتے ہیں کہ جو فیصلہ حضرت ابوبکر نے مطابق فرمان نبوی کیا۔ میں نے اس کو بحال رکھا۔ کیا تم لوگ، ابوبکر کو اور مجھ کو اس بارہ میں کاذب، آثم، غادر خائن سمجھتے ہو؟ حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اور ابوبکر اپنے دعویٰ میں سچے، بارراشد، تو یہ روزمرہ کا محاورہ ہے کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں فی الواقع سچا ہوتا ہے وہ اپنی بریت کیلئے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کیا تم مجھے چور بدمعاش۔۔سمجھتے ہو؟ کہ میں نے تمہاری چیزیں دبا رکھی ہیں۔ دوم حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت عباس نے حضرت عمر کے پاس حضرت علیؑ کی معیت میں یہ الفاظ کہے ''اقض بینی و بین ھذا الکاذب الاثم الغادر الخائن'' وہی الفاظ حضرت عمر نے اپنی اور حضرت ابوبکر کی نسبت دھرائے تا کہ حضرت عباس کو جوش ختم ہو۔ اگر حضرت علیؑ کاذب۔ آثم۔ نہیں ہے تو ہم بھی تو ایسے نہیں ہیں۔ کیا معترض کہہ سکتا ہے کہ حضرت عباس۔۔۔نے جو الفاظ کاذب آثم۔۔اپنے برادرزادہ حضرت علیؑ کی نسبت استعمال کئے فی الواقع وہ ان کو ایسا ہی سمجھتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہاں اسطرح کہہ سکتے ہو کہ فی الواقع حضرت عباس وعلیؑ شیخین کو ان الفاظ کا مصداق سمجھتے تھے۔۔؟ (آفتاب ص 274)

الجواب:

مؤلف کی عادت قدیمہ ہے کہ وہ شیعیان حیدر کرارؑ کو بالعموم اور ان میں سے متاخرین کو بالخصوص بڑے قبیح الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ہم مقدمہ کتاب میں وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم بموجب ارشاد العباد ''و اذا مروا بالغو مروا کراماً و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا اسلاماً'' ان کی گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیں گے اور نہ ہی ہمیں سرکار محمدؐ وآل محمدؐ علیھم السلام کی سیرت اس بات کی اجازت دیتی ہے ورنہ سباب کے اس پرستار کو اس انداز سے جواب دیا جاتا کہ اس کی نسلیں بھی یاد رکھتیں کہ کسی کو ناجائز طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ثلاثہ کے مطاعن اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل

ہے۔لہٰذا ہمارے علماء متقدمین ہوں یا متاخرین (شکر اللہ مساعیهم الجمیلہ) انہوں نے بقدر امکان وگنجائش ظرف زمان ومکان اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ کسی عالم کے کسی طعن کو اپنی کتاب میں درج نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ طعن اسکے نزدیک طعن ہی نہیں ہے کیونکہ

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں[1] کے لئے!

جہاں تک زیر بحث طعن کا تعلق ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب عمر نے جناب عباس اور حضرت علیؑ کو خطاب کر کے کہا کہ تم نے ابوبکر کو کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھا پھر اس کے بعد مجھے بھی ایسا ہی سمجھتے ہو حالانکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ نہ ابوبکر ایسا تھا نہ ہی میں ایسا ہوں۔مگر حضرت امیرؑ اور جناب عباس نے ان کے اس الزام کی تردید نہیں کی۔ بلکہ اپنی خاموشی سے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ واقعاً ہم تم لوگوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں! مؤلف کا یہ کہنا درست ہے کہ روزمرہ کا محاورہ ہے کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہو وہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ کیا تم مجھے چور بدمعاش سمجھتے ہو۔مگر وہ یہ حقیقت کیوں بھول گئے ہیں کہ روزمرہ کا محاورہ یہ بھی ہے کہ اگر مخاطب ایسا کلام کرنے والے کو فی الواقع چور اور ڈاکو نہ سمجھتا ہو تو وہ فوراً سے ٹوک کر اسکی تردید کر دیتا کہ ''نہ جناب ہم تو ہرگز آپ کو چور اور ڈاکو نہیں بلکہ ایک شریف اور معزز آدمی سمجھتے ہیں''لیکن اگر مخاطب یہ کلام سن کر خاموش ہو جائے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ متکلم کو فی الواقع ایسا ہی سمجھتا ہے! چنانچہ یہاں بھی صورت حال یہی ہے۔ جناب امیرؑ وعباس نے سکوت اختیار کر کے عمر کے قول پر کہ ''تم ابوبکر کو اور مجھے کاذب، آثم غادر اور خائن سمجھتے ہو''۔ مہر تصدیق لگا دی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عمر کا یہ الزام غلط ہوتا تو وہ بزرگوار فوراً اسے ٹوکتے اے معاذ اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم کب آپ کو ایسا ویسا سمجھتے ہیں۔۔مگر روایت میں تردید کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔علاوہ بریں روایت کے سیاق وسباق پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ جناب عمر نے بطور استفہام نہیں بلکہ جملہ خبریہ کے طور پر کلام کیا ہے۔

اور جہاں تک جناب عباس کے حضرت امیرؑ کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے کا تعلق ہے اسکے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ الفاظ الحاقی معلوم ہوتے ہین جو یار لوگوں نے کسی خاص مقصد کے تحت گھڑ لئے ہیں ورنہ عباس کی جلالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ حضرت امیرؑ ایسے عظیم امام مبین کے حق میں ایسے قبیح الفاظ استعمال کریں؟ دوسری بات یہ کہ اگر بالفرض یہ بات ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ الفاظ حضرت علیؑ کے حق میں استعمال کئے ہیں تو پھر اگر جناب امیرؑ کا ان کو معاف کرنا ثابت ہو جائے تو فبہا ورنہ ہم ان سے بھی بیزاری اختیار کر لیں گے۔اور ان کو بھی ایسا ہی سمجھیں گے جیسا دشمنان اہلبیتؑ کو سمجھتے ہیں ہم اصول پرست ہیں

---

[1] جو شخص اصحاب ثلاثہ کے مطاعن کا تفصیلی جائزہ لینے کا خواہشمند ہے۔وہ کتاب مستطاب تشیید المطاعن کی تینوں جلدوں کا مطالعہ کرلے فان فیه شفاء لکل علیل وریا لکل غلیل (منہ عفی عنہ)

شخصیت پرست نہیں ہیں۔ بموجب ارشادِ رسولؐ ''انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی''۔۔۔ ہمارے کسی شخص کو ماننے یہ نہ ماننے کا میزان ایک قرآن اور دوسرا عترت رسولؐ انام ہے۔ لہذا کتاب وہ صحیح جو قرآن کے مطابق ہو اور بندہ وہ درست جو آلؑ رسولؐ کے تابع ہو اور جو ایسا نہیں ہم اس سے بیزار ہیں۔ کائنا من کان!

ہزار نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک ☆ کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے

چودھواں طعن:

میزان الاعتدال میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا ''یا حذیفة باللہ انا من المنافقین'' ''اے حذیفہ! بخدا میں منافقوں سے ہوں'' پھر خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟

جواب:

اول: میزان الاعتدال میں اسی حدیث کو ضعیف موضوع قرار دیا گیا ہے اور اسکے راوی زید بن وہب کے متعلق لکھا ہے فی حدیثہٖ خلل کثیر (زید کی حدیث مرویہ میں خلل ہے) اور اس روایت کو جھوٹ پر محمول کیا گیا ہے شیعہ کی خیانت قابل داد ہے۔

دوم: اگر روایت بھی ہو تو جیسا کہ طعن 8 پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ خوف۔۔۔ الٰہی سے خاصانِ خدا اپنے آپ کو کمتر خلائق سمجھتے ہیں۔۔۔ مفصل جواب۔۔۔ طعن 8 میں پڑھنا چاہئے۔ جہاں شیعہ کتب حدیث سے۔۔۔ متعدد حدیثیں لکھی گئیں ہیں کہ دوستارانِ رسول جب دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو کر لحہ بھر دربار رسالت سے دور ہو جاتے تو اس کو نفاق سے تعبیر کرنے لگتے۔۔۔ بندہ خدا منافق تو اسے کہا جاتا ہے جو اپنے نفاق کو چھپاتا اور اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتا ہے۔ یہ مؤمن کامل کا خاصہ ہے کہ باوجود کمال ایمان خود کو ناقص تصور کرتا ہے۔ کیا تمہیں آدم علیہ السلام کی دعا یاد نہیں رہی ربنا ظلمنا انفسنا۔۔۔ کافی کلینی میں ''اعتراف الذنوب'' ایک مستقل باب باندھ کر احادیث لکھی گئی ہیں کہ مومن کی شان ہے کہ معترف الذنوب ہو کر استغفار کرے۔ کاش کوڑھ مغز معترض جناب امیرؑ کی دعا مندرجہ نہج البلاغہ ص 149 مطبوعہ ایران ص 82 پڑھ کر اس کے الفاظ پر غور کرتا ''اللھم اغفر لی ماانت اعلم بہ منی فان عدت فعد علی بالمغفرة اللھم اغفر لی ما رأیت من نفسی و لم تجد لہ وفاء عندی اللھم اغفر لی ما تقربت الیک بلسانی ثم خالفہ قلبی اللھم اغفر لی رمزات الالحاظ و سقطات الالفاظ و شھوات الجنان و ھفوات اللسان''۔۔۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ کی اس دعا کے الفاظ دیکھ کر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ فی الواقع آنجناب گنہگار تھے اور بار بار گناہ کی طرف عود کر کے طالبِ مغفرت

ہوتے تھے۔۔۔نہیں نہیں۔ یہ سب کچھ اسی خوف وخشیہ الٰہی کا نتیجہ ہے کہ جو ایک کامل ایمان شخص کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا رہتا ہے کہ اپنی عبادتوں کو گناہ، اپنے ایمان کو نفاق، اپنی حرکات وسکنات کو لغزشیں تعبیر کر کے طالب مغفرت ہوتا ہے اور ایک کو باطن شخص اس کے ظاہری الفاظِ انکسار کو دیکھ کر اس کو واقعی خطار کار سمجھتا ہے۔

ع تو خود نہ شنوی بانگ دہل را
رموزِ سرِ سلطان را چہ دانی

(آفتاب ص 271)

الجواب:

مؤلف ایک ہی سانس میں اس روایت کو ضعیف اور موضوع کہہ گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خیر سے فن درایۃ الحدیث کی اصطلاحات کا علم نہیں ہے ورنہ اربابِ علم جانتے ہیں کہ موضوع اس حدیث کو کہا جاتا ہے کہ جس کو کوئی کذاب گھڑ کر رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کر دے۔ (نزہتہ النظر لابن حجر ص 68) اور ضعیف اسے کہا جاتا ہے کہ جس کے راوی بظاہر کمزور ہوں (اور عین ممکن ہے کہ واقع میں صحیح ہو) اسی طرح کسی راوی کے متعلق جب فن رجال میں یہ کہا جائے کہ "فی حدیثہٖ خلل" اس کی روایت میں خلل ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اسکی تمام مرویات کو درجہ اعتبار سے ساقط قرار دے دیا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کی روایات کی جانچ پڑتال کر لینا چاہئے۔ وبس۔ لہٰذا اس قاعدے کے تحت زید بن وہب کی اس روایت کو صاحب میزان الاعتدال کے میزان کے مطابق ضعیف تو کہا جا سکتا ہے (جو فی الواقع صحیح بھی ہو سکتی ہے اور ہے) لیکن اس موضوع ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی صاحب میزان الاعتدال علامہ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا ہے بلکہ انہوں نے راوی کو توثیق کی ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج 1 ص 365 طبع مصر) اسکے بعد مؤلف نے پیرایہ 2 میں جو کچھ طول لاطائل سے کام لیا ہے اور مزید برآن طعن نمبر 8 کے جواب کا حوالہ بھی دیا ہے وہ سراسر اس روایت کے شان ورود سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ اگر اس روایت کے شان ورود ۔۔۔ کا علم ہو جائے تو پھر یہ ساری تحریر بے کار اور مہمل ہو کر رہ جاتی ہے۔ تو آیئے آپ کو اس کا پس منظر بتائیں سو مخفی نہ رہے کہ لیلۃ العقبہ میں جب بعض منافقوں نے جناب رسول خداؐ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور چونکہ خداوند کریم نے بروقت آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے مکروہ عزائم کی خبر دے دی تھی اور آنجناب نے بروقت حفاظتی اقدام کر لیا تھا جس کی وجہ سے بال بال بچ گئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے خاص صحابی جناب حذیفہؓ یمانی کو ان سازشی منافقوں کے نام بتا دیئے تھے جن کی تعداد بارہ تھی اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی تھی کہ ان ناموں کا اظہار کسی سے نہ کرنا۔ اسی بنا پر جناب حذیفہؓ کو "صاحب السر" (آنحضرت ﷺ کا راز دار) کہا جاتا ہے۔ اب بموجب "چور کی ڈاڑھی میں تنکا" کئی حضرات جناب حذیفہؓ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ ان منافقوں میں کہیں ان کا نام تو

شامل نہیں ہے؟ انہی لوگوں میں سے ایک حضرت عمر بھی تھے جو ہمیشہ اس ٹوہ میں لگے رہتے تھے کہ حذیفہؓ مجھے بتاؤ کیا منافقوں کے اس سازشی ٹولہ میں میرا نام بھی داخل ہے؟ مگر جب حذیفہؓ نے حقیقت حال کے اظہار سے ہر بار انکار کیا تو بالآخر ایک دن تنگ آ کر عمر خود ہی پھٹ پڑے اور کہا ''یا حذیفۃ! باللہ انا من المنافقین'' اے حذیفہ! (تم بتاؤ یا نہ بتاؤ) خدا کی قسم میں ضرور منافقوں میں سے ہوں۔ سچ ہے بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ و لو القیٰ معاذیرہ!

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

اب اس پس منظر میں اس واقعہ کو دیکھ کر اہل انصاف ناظرین کرام فرمائیں کہ اس واقعہ کو عبد و معبود کے باہمی رشتہ اور خالق اکبر کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کے اقرار اور پھر توبہ و استغفار کرنے سے کیا تعلق ہے؟ یا اسے جناب امیرؑ کی دعا و مناجات سے کیا ربط؟ جس کے متعلق خود مؤلف طعن 8 کے جواب میں بالوضاحت لکھ چکے ہیں۔ کہ ''محبوبان حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو واہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف قصور اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں'' (آفتاب ص 259) اسی بیان سے جناب آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کی توبہ و استغفار کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے طور پر تھی! بہر کیف چونکہ بندے کو چاہیے کہ خدا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو مجرم ظاہر کر کے اس سے طلب مغفرت کرے تو اس سے کوئی دانشمند یہ مطلب اخذ کر سکتا ہے کہ ہر مؤمن کامل کو عام لوگوں کے سامنے بھی یہ اعلان کرنا چاہیے کہ لوگو! میں منافق ہوں، میں بے ایمان ہوں، کیا یہ کسر نفسی ہے یا حماقت؟

؎ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقالے دارد

؎ ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است ☆ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مگر افسوس ؎ جس کی عقل ہو موٹی وہ کیا جانے

پندرہواں طعن:

حضرت عمر نے غزوہ حدیبیہ میں کہا اے رسولؐ! جب سے اسلام لایا ہوں مجھے شان نبوت میں ایسا کبھی شک نہیں ہوا جیسا آج ہوا۔

جواب:

ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے النجم میں اس کے متعلق پانچ سو روپے انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں۔ اس لئے جب تک معترض حوالہ نہ دکھائے۔ جواب کی

ضرورت نہیں۔

دوم: اگر اقتضائے بشریت سے ایک مومن کامل کو کسی امر میں تردد پیدا ہوا اور وہ فی الفور رفع ہو جائے تو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے موحد کامل نے رب العزت سے احیاء اموات کا نشان اطمینان قلب کیلئے طلب کیا۔ ہم شیعہ کی مستند کتاب حدیث فروع کافی کتاب الروضہ سے، ہمچو قسم ایک روایت پیش کرتے ہیں۔۔۔امام جعفر صادقؑ ایک دفعہ خلیفہ منصور کے اردل میں جارہے تھے۔ خلیفہ بڑے جاہ وجلال سے گھوڑے پر سوار تھا۔۔۔لیکن امام گدھے پر۔ آپ کے ایک خاص الخاص شیعہ نے استفسار کیا جبکہ آپ واپس دولتخانہ پر تشریف لائے ترجمہ: امام نے فرمایا جب میں واپس گھر آیا تو میرا ایک۔۔ شیعہ مجھے ملا اور کہنے لگا۔ میں آپ پر قربان! بخدا میں نے آپ کو منصور کی اردل میں دیکھا۔ آپ گدھے پر سوار تھے وہ گھوڑے پر اور وہ آپ کی طرف جھک کر باتیں کررہا تھا گویا آپ اسکے ماتحت ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ (امام) خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت۔۔۔اور یہ دوسرا (منصور) ایک ظالم شخص ہے جو اہلبیت رسولؐ کو قتل کرتا ہو پھر تعجب ہے کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ جارہا ہے اور آپ گدھے پر سوار میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ حتیٰ کہ مجھے اپنے ایمان کا خوف ہو گیا۔ امام فرماتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا کاش! تو ان فرشتوں کو دیکھتا جو میرے گرد وپیش جارہے تھے تو تو منصور اور اس کے جاہ جلال کو ہیچ سمجھتا۔ اس شیعہ۔۔۔ نے کہا اب میری تسلی ہوگئی۔ بتلایئے امام صادقؑ کے خاص الخاص جب شیعہ نے تو یہاں کہہ دیا کہ مجھے امامت کے متعلق ایسا شک ہوا کہ مجھے اپنے دین وایمان کا بھی اندیشہ ہو گیا۔ کیا وہ محب امام شک کی وجہ سے کافر ہو گیا تھا؟۔۔ نہیں وہ پہلے سے بھی ایمان میں مضبوط ہو گیا۔۔ سو اسی وجہ سے اگر حضرت عمر نے بھی کہہ دیا ہو اور پھر اعجاز نبوی سے ہدایت مزید اطمینان قلب کا باعث ہوا تو نور علی نور ہے۔ ایسا شک ہر کسی کو نصیب ہو۔ شیعہ بیچارے ان نکات کو کیا سمجھیں؟ (آفتاب)

الجواب:

جناب عمر کا صلح حدیبیہ کے مقام پر بایں ہمہ الفاظ شک فی النبوة کا اظہار کرنا کہ ''**ما شککت منذ اسلمت الا یو مئذ**'' صرف کسی ایک کتاب میں نہیں بلکہ بہت سی کتب معتبرہ میں مذکور ہے۔ بطور نمونہ چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر درمنثور ج6 ص77) (2) عمدة العاری للعینی شرح بخاری ج6 ص 457 طبع مصر۔ بر روایت مروی ہے **قال عمر لقد دخلنی امر اعظیم و راجعت النبی مراجعة مارجعت مثلھا قط**۔ اس روز میرے دل میں براہی شک وشبہ پیدا ہوا اور بار بار میں نے اسقدر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رجوع کیا کہ ایسا کبھی نہیں کہا تھا۔ (3) تفسیر ابن جریر ج26 ص58 طبع مصر (4) زاد المعاد ابن قیم طبع کانپور ج1 ص376 (5) تاریخ خمیس ج2 ص22 طبع مصر (6) معالم التنزیل ج4 ص74،78 وغیرہ اب اگر یہ شک خداؑ کی

نبوت اور دین اسلام کی صداقت میں نہیں تھا تو اور کس چیز کے متعلق تھا؟ آخر متعلقِ شک کیا تھا؟

اگر ملا عبدالشکور لکھنوی یا مولوی کرم دین آف بھین اس وقت بقید حیات ہوتے تو ہم بطور ارمغاں یہ حوالہ جات انکی خدمت میں پیش کرتے اور کہتے کہ ہم نے حسب الطلب اس مقولہ کو کتب معتبرہ اہلسنت سے ثابت کر دیا ہے لیکن ہم پانچ سو روپیہ نہیں لیتے۔ عطائے شما بلقائے شما۔ یہ دنیائے دوں تمہیں مبارک ہو۔

؎ رضنا قسمت الجبار فینا ☆ لنا علم و للا عداء مال

البتہ ہم ان سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ ایسے شاک فی النبوۃ کے دامن کو چھوڑ کر اس بزرگوار کے دامن امامت سے متمسک ہو جائیں۔ جو کا دعویٰ تھا۔ لو کشف الغطاء لما ازدوت یقیناً (شرح فقہ اکبر ص 156 طبع لاہور) مگر اب جبکہ وہ اس عالم ناپائیدار میں موجود نہیں بلکہ اپنے اعمال کے وزر و وبال سمیت اپنے پروردگار کی بارگاہ۔۔۔ میں پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے ان کی بجائے ان کے ہم نواؤں سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ

؎ ادھر آ بحر عشق پنجتن میں ڈال دے کشتی ☆ جو اس میں ڈوب جائے اسکا بیڑا پار ہوتا ہے

(اگر حجابہائے قدرت ہٹ جائیں تب بھی میرے ایقان میں مزید اضافہ نہیں ہو سکتا) ارشاد رب العزت ہے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا" (الحجرات آیت 15) یعنی مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد پھر کبھی شک نہیں کرتے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی توحید و رسولؐ کی رسالت میں شک کرنے والا مومن کامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایسا ہو وہ مسند امامت و خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس سلسلہ میں مؤلف نے جناب ابراہیمؑ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسکا ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ آنجناب ایمان کے مقام پر تو فائز تھے ہی اب وہ یہ استدعا کر کے اس سے بالائی منزل اطمینان قلب حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ جیسا کہ خدا کے رسول "اولم تؤمن" کے جواب سے ظاہر ہے کہ "بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" کیا ان کو اصل ایمان میں شک تھا جسے خدا نے رفع؟ حاشا وکلا۔

اسی طرح مؤلف نے فروع کافی کی کتاب الروضہ سے جس مولائی کا واقعہ نقل کیا ہے اسے منصور دوانیقی کا ظاہری جاہ وجلال اور امام وقت کی ظاہری خستہ حالی دیکھ کر دل میں شک پیدا ہوا اس کا بھی ہمارے موضوع سے کوئی ربط نہیں وہ شخص نہ نبوت کا دعویدار تھا اور نہ خلافت کا۔ لہٰذا اگر اس کے ایمان میں نقص ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں۔ مگر ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو ایک طرف اقلیم خلافت کا دوسرا تاجدار ہونے کا دعویدار ہے اور دوسری طرف ایمان کی کمزوری کا عالم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت میں شک کر رہا ہے

؏ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

نیز جناب عمر اور اس مولائی کے شک میں ایک نمایاں فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ امام کی اعجاز نمائی سے اس مولائی کا شک تو رفع ہو گیا اور ایمان مضبوط ہو گیا مگر صلح حدیبیہ میں شک کرنے والے کو تو پیغمبر اسلامؐ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا تھا۔ جس سے اس کا شک رفع ہوتا اور ایمان مضبوط ہوتا۔ وہاں تو صرف شک کرنا ثابت ہے۔ جس سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور پھر اس شک کے زائل ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں

ذهب الحمار ليستفيد لنفسه ☆ قرناً فآب و ماله اذ نان

ایسے شک کی خواہش جناب عمر کے مریدان باصفا ہی کر سکتے ہیں ورنہ اور تو کوئی عقل و ہوش رکھنے والا آدمی ایسی غلط خواہش نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اس میں پوشیدہ نکات کو سمجھ سکتا ہے۔ جو کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کے مصداق میں سچ ہے "حب الشئی يعمى و يصم۔ انها لا تعمى الابصار بل تعمى القلوب التى فى الصدور و الله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم" (نوٹ) اس کے بعد مؤلف نے مطاعن عثمان ذکر کر کے بزعم خویش ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر ہم اس سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے جناب عمر کے چند دیگر مطاعن کا اجمالی تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔۔ وهى هذه۔

طعن 16:

جناب عمر نے خدا و رسول کی بعض حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا جیسے متعۃ النساء اور متعۃ الحج۔ چنانچہ انہوں نے علی الاعلان بر سر منبر کہا تھا متعتان كانتا على عهد رسول الله و انا انهى عنهما و اعاقب من عاد متعة النساء و متعة الحج۔ یعنی دو متعے رسولؐ اسلام کے زمانے میں جائز تھے مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور دوبارہ ارتکاب کرنے والوں کی سزا دوں گا۔ ایک متعۃ النساء ہے دوسرا متعۃ الحج (شرح تجرید فاضل قوشجی حنفی ص 484 و تفسیر کبیر ج 3 ص 287۔289) تفصیل مسئلہ متعہ میں گذر چکی ہے و من يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا۔ ظاہر ہے کہ حلال خداوندی کو حرام بنانے والا شخص خلیفہ رسولؐ نہیں ہو سکتا!

طعن 17:

جناب عمر نے ماہ رمضان میں بجماعت نماز تراویح رائج کی اور خوش ہو کر "نعمت البدعة هذه" "یہ بہت اچھی بدعت ہے" (صحیح بخاری ج 1 ص 636) حالانکہ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں ہے (کنز العمال ج 1 ص 48) ظاہر ہے کہ بدعتی شخص نائب رسول نہیں ہو سکتا۔

طعن 18:

عمر صاحب نے نماز صبح میں الصلوة خير من النوم جاری کرایا جیسا کہ موطائے مالک مع شرح تنویر الحوالک

ج1 ص71 طبع مصر میں ہے۔ کذا فی الفاروق للشبلی ص290 طبع لاہور۔

طعن 19:

جناب عمر پہلا شخص ہے جس نے نماز میں لوگوں کو ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ اس سے قبل کوئی ہاتھ نہیں باندھا کرتا تھا (کتاب الاوائل علامہ ابو بلال عسکری)

طعن 20:

جناب عمر نے ہی ایک وقت میں جاری کردہ تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے بلکہ ان کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں بیک وقت تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔۔ (صحیح مسلم ج2 ص83 طبع دہلی)

طعن 21:

جناب عمر نے ہی لوگوں کو چار تکبریں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص137 طبع مصر)

طعن 22:

عمر نے ایک مجنونہ عورت کو بجرم زنا سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب جناب امیرؑ نے ٹوکا کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ پیغمبر کا ارشاد ہے تین شخصوں سے حکم شریعت ساقط ہے۔ (1) مجنون سے جب تک اسے افاقہ نہ ہو (2) نابالغ سے جب تک بالغ نہ ہو۔ (3) اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک بیدار نہ ہو۔ یہ سن کر عمر نے کہا **لو لا علی لھلک عمر** (فواتح میبندی وشرح مواقف وغیرہ) واضح ہے کہ جو شخص شریعت اسلامیہ کی مبادیات سے ناواقف ہو اس میں تغیر وتبدل کرنے والا ہو وہ مسند رسول کا وارث نہیں ہوسکتا!

اس کے بعد ہم مؤلف کی ترتیب کے مطابق مطاعن عثمان کا تذکرہ کر کے ان کے جواب الجواب پیش کرتے ہیں۔

سولہواں طعن:

حضرت عثمان نے قرآن جلوا دیئے۔ اس لئے توہین قرآن کے جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایسا شخص اہل خلافت نہیں ہوسکتا!

جواب:

حضرت عثمان نے قرآن جلوائے نہیں بلکہ قرآن کو جمع کر کے حفاظت کتاب اللہ کا ثواب حاصل کیا۔۔۔ آپ نے قرآن کو جمع کر دیا۔ البتہ غیر قرآن جو از قسم تفسیر لوگوں نے قرآن میں شامل کر رکھا تھا۔ انکو جلا دیا اور سوائے اس صورت کے کلام اللہ کی حفاظت مشکل تھی۔ لیکن شیعہ معترض کو اپنے گھر کی بھی خبر ہے کہ بقول انکے آئمہ اہلبیت نے قرآن سے کیا

سلوک کیا حضرت علیؑ نے تو قرآن جمع کرنیکے بعد ایسا گم کیا کہ کہیں پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ کہا جاتا ہے آپ نے اپنی اولاد کے سپرد کیا اور آخر امام مہدیؑ کے ہاتھ آیا۔ کیا اس سے بڑھ کر توہین قرآن ہوسکتی ہے؟ شیعہ بیچارے مجبوراً اسی غلط سلط سنیوں کے قرآن سے کام لے رہے ہیں۔ اس کو نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ اسکی تعلیم اپنے اطفال کو دلانی پڑتی اس کا ثواب اپنے مردوں کی روحوں کو بخشوایا جاتا ہے۔۔۔توہین قرآن کا ایک واقعہ۔۔۔اصول کافی 180 میں ہے کہ حضرت صادقؑ نے قرآن کی آیت یوں پڑھی ''ولا تقونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوتٍ انکاثاً تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم ان تکون أئمۃ ازکی من امتھم (قرآن موجودہ میں ہے) ان تکون انۃ اربی من امۃٍ قال قلت جملعت فداک أئمۃ قال لی واللہ أئمۃ قلت فانا نقرا اربی من امۃ فقال ما اربی و او مابیدہ فطرحھا'' ترجمہ: راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ یہ آئمہ ہے۔ آپ نے کہا ہاں خدا کی قسم آئمہ ہے۔ پھر میں نے کہا ہم اربیٰ پڑھا کرتے ہیں۔ آپ نے کہا اربیٰ کیا ہے؟ پھر آپ نے (جوش میں آکے) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن زمین پر پھینک دیا۔ اب دیکھیے اس سے بڑھ کر توہین کیا ہوسکتی ہے۔۔۔امام معصوم کا یہ فعل صریح توہین کلام پاک نہیں ہے؟ (آفتاب ص279)

الجواب:

مؤلف نے جناب عثمان کے دفاع میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے وہ ''تاویل القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ'' یعنی کسی کے قول یا فعل کی ایسی دور از تاویل کرنا جس پر وہ خود قائل بھی راضی نہ ہو کی بدترین مثال ہے۔ بخاری شریف ج3 ص140 طبع مصر مطبع بھیہہ مصریہ۔ میں عثمان کی جمع قرآن والی کیفیت کے بعد لکھا ہے ''حتیٰ اذا نسخوا الصحف فی مصاحف رد عثمان الصحف الیٰ حفصۃ و ارسل الی کل افاق بمصحف بما نخسوا او امری، سواہ من القرآن فی کل صحیفہ او مصحف ان یحرق''۔۔یعنی جب کتابت قرآن مکمل ہوگئی تو عثمان نے حفصہ کے صحف انکو واپس کر دیئے اور اپنے لکھے ہوئے قرآنوں کا ایک ایک نسخہ ہر ہر علاقہ میں بھجوادیا۔ اور ''حکم دیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جو بھی قرآن ہیں جلا دیئے جائیں'' صحیح بخاری کی اس قدر واضح روایت کے بعد ہمارے مولوی صاحب کی تاویل علیل کی کیا وقت رہ جاتی کہ ''جو کچھ جلایا گیا وہ از قسم تفسیر تھا''۔ یہاں تو اس کے قرآن ہونے کی صراحت موجود ہے اس کے بعد مؤلف نے ہارے ہوئے وکیل کی طرح نہایت کھسیانے ہوئے لب ولہجہ میں الزامی طور پر جو کچھ لکھا ہے خدا شاہد ہے اس تحریر کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کوئی نہروان کا خارجی آلؑ رسولؐ کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہا ہے جیسے اس محرر کا ان آئمہ اہلبیتؑ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور گویا یہ ذواتِ قادسیہ صرف شیعوں کے ہی پیشوا و مقتدا ہیں۔ حالانکہ کتاب لکھنے والا اہلسنت کہلاتا ہے اور یہ ذواتِ مقدسہ سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہیں اور سب کے پیشوا اور ان کے دین و دنیا کے ہادی و رہنما ہیں۔ بہرکیف موجودہ قرآن پر شیعوں کے ایمان رکھنے، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے اسی کو پڑھنے اور پڑھانے، حضرت امیرؑ

کے قرآن جمع کرنے اور مؤلف کے پیشواؤں کے اسے ٹھکرا دینے کے تفصیلی واقعات اسی کتاب کے ابتدا میں ایمان بالقرآن کی بحث میں مفصل ذکر ہو چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ فان فیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔ یہاں ان مباحث کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہاں ایک اہم مطلب پر تنبیہ کرنا لازم ہے۔ مؤلف نے اس بحث کے خاتمہ پر ''توہین قرآن کا ایک واقعہ'' کے ذیل میں جو واقعہ لکھا ہے اور جملہ ''او مابیدہ فطرحھا'' کا ترجمہ یہ کیا ہے ''پھر آپ نے (جوش میں آ کے) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن زمین پر پھینک دیا۔'' یہ سراسر غلط اور دروغ بے فروغ ہے! اس پوری عبارت میں قرآن کا کہیں ذکر تک موجود نہیں کہ وہ امام کے ہاتھ میں تھا! ''فطرحھا'' کی ضمیر مؤنث ہے کہ ''اس کو پھنک دیا'' کیا قرآن مؤنث ہے؟ حالانکہ بات یہ ہے کہ ''فطرحھا'' میں ضمیر مؤنث کا مرجع ہاتھ ہے جو مؤنث سماعی ہے اصل مطلب عبارت یہ ہے کہ جب راوی نے کہا کہ ہم تو اسے ''امۃ'' پڑھتے ہیں تو امام نے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے ہاتھ نیچے پھینکا۔ مطلب یہ تھا کہ تم بھی اسی طرح اس کو ترک کر دو۔ نا سمجھی سے مؤلف نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی اور رائی کا پہاڑ بنا دیا متنبی نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا تھا

وکم من غائب قولاً صحیحاً ☆ ومن آفتہ من الفھم السقیم

یعنی کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ ان کا اپنا دماغ خراب ہوتا ہے سچ ہے

ان الیتیم یتیم العقل و الا دب

علاوہ بریں یہ بھی واضح رہے کہ اس روایت سے تحریف قرآن ثابت نہیں ہوتی بلکہ اختلاف قرأت کی نشاندہی ہوتی ہے ۔ کمالا یخفی۔

ستر ہواں طعن:

حضرت عثمان نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلوا لیا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور شیخین نے بھی اس کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

جواب:

حضورؐ نے حکم کو اس لئے مدینہ سے نکال دیا تھا کہ اس کی منافقین اور کفار سے دوستی تھی اور احتمال فتنہ وفساد تھا۔۔ اور چونکہ حکم بنی امیہ سے تھا اور شیخین تیمؔ اور عدی سے ۔۔۔ اس لئے انہوں نے ۔۔۔ واپس آنے کی اجازت نہ دی ۔۔۔ لیکن حکم چونکہ حضرت عثمان کا رشتہ دار ابن العم تھا اور نیز مرض الموت میں حضرت عثمان نے رسول پاک سے سفارش کر کے اسکا

کے قرآن جمع کرنے اور مؤلف کے پیشواؤں کے اسے ٹھکرا دینے کے تفصیلی واقعات اسی کتاب کے ابتدا میں ایمان بالقرآن کی بحث میں مفصل ذکر ہو چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ فان فیه کفایۃ لمن له ادنیٰ درایة۔ یہاں ان مباحث کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہاں ایک اہم مطلب پر تنبیہ کرنا لازم ہے۔ مؤلف نے اس بحث کے خاتمہ پر ''توہین قرآن کا ایک واقعہ'' کے ذیل میں جو واقعہ لکھا ہے اور جملہ ''او مابیده فطرحها'' کا ترجمہ یہ کیا ہے ''پھر آپ نے (جوش میں آکے) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن زمین پر پھینک دیا۔'' یہ سراسر غلط اور دروغ بے فروغ ہے! اس پوری عبارت میں قرآن کا کہیں ذکر تک موجود نہیں کہ وہ امام کے ہاتھ میں تھا! ''فطرحها'' کی ضمیر مؤنث ہے کہ ''اس کو پھنک دیا'' کیا قرآن مؤنث ہے؟ حالانکہ بات یہ ہے کہ ''فطرحها'' میں ضمیر مؤنث کا مرجع ہاتھ ہے جو مؤنث سماعی ہے اصل مطلب عبارت یہ ہے کہ جب راوی نے کہا کہ ہم تو اسے ''امة'' پڑھتے ہیں تو امام نے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے ہاتھ نیچے پھینکا۔ مطلب یہ تھا کہ تم بھی اسی طرح اس کو ترک کردو۔ نا سمجھی سے مؤلف نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی اور رائی کا پہاڑ بنا دیا متنبی نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا تھا

وکم من غائب قولاً صحیحاً ☆ ومن آفته من الفهم السقیم

یعنی کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ ان کا اپنا دماغ خراب ہوتا ہے سچ ہے

ان الیتیم یتیم العقل و الا دب

علاوہ بریں یہ بھی واضح رہے کہ اس روایت سے تحریف قرآن ثابت نہیں ہوتی بلکہ اختلاف قرأت کی نشاندہی ہوتی ہے ۔کمالایخفی۔

سترہواں طعن:

حضرت عثمان نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلوالیا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور شیخین نے بھی اس کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

جواب:

حضورؐ نے حکم کو اس لئے مدینہ سے نکال دیا تھا کہ اس کی منافقین اور کفار سے دوستی تھی اور احتمال فتنہ وفساد تھا۔۔ اور چونکہ حکم بنی امیہ سے تھا اور شیخین تیمّ اور عدی سے ۔۔۔ اس لئے انہوں نے ۔۔۔ واپس آنے کی اجازت نہ دی ۔۔۔ لیکن حکم چونکہ حضرت عثمان کا رشتہ دار ابن العم تھا اور نیز مرض الموت میں حضرت عثمان نے رسول پاک سے سفارش کر کے اسکا

جواب:

مروان بن حکم نے عہد نبوی یا خلافت شیخین میں کوئی فتنہ وفساد نہیں کیا تھا جس سے معلوم ہوسکتا کہ مفسد وشریر ہے ۔۔۔حضرت عثمان کوئی عالم الغیب نہ تھے کہ آئندہ کے حالات ان کو معلوم ہوتے انہوں نے صلہ رحمی کے لحاظ سے اس کو ملازم رکھ لیا۔آخر کار اس نے شرارت کی۔لیکن شیعہ کے پاس اسکا کیا جواب ہے کہ۔۔۔جنگ جمل میں جب وہ گرفتار ہو گیا تھا تو حسنینؑ نے جناب امیرؑ کے پاس سفارش کی اور اسے چھوڑ دیا جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے۔۔خود جناب امیرؑ نے اپنے عہد امارت میں زیاد جیسے ولد الزنا کو فارس کا امیر بنا رکھا تھا۔۔۔لیکن اس بدنہاد نے آخر کار نمک حرامی کی اور محبان اہلبیت پر طرح طرح کے ظلم کئے۔ نیز آپ نے عبد الرحمٰن بن ملجم کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور اس پر طرح طرح کے احسان کئے۔ چنانچہ جلاء العیون اردو ص 119 میں ہے ''اس وقت عبد الرحمٰن بن ملجم بھی آیا کہ حضرت سے بیعت کرلے۔حضرت نے اسکی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں آیا۔مرتبہ سوم میں حضرت نے اس سے بیعت لی۔جب اس نے پیٹھ پھیری پھر حضرت نے اسے بلوایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور عہد ہائے محکم اس ملعون سے لئے۔ جناب ممدوح کو آخر شہید کیا۔ جناب امیر علیہ الرضوان نے بقول شیعہ عالم الغیب ہوکر ایسے ملعون کی بیعت قبول فرمائی اور اس پر طرح طرح کے احسان بھی کرتے رہے۔۔کیا شیعہ کچھ جواب دے سکتے ہیں؟ کہ حضرت امیرؑ نے جو بقول ان کے انجام کار سے واقف تھے۔کیوں اس پر احسانات کرتے رہے؟۔۔(آفتاب ص 282)

الجواب:

یہ طعن اسقدر مضبوط ہے کہ ادھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کر کے اس سے پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا۔صرف یہی نہیں کہ عثمان نے طرید بن طرید رسولؐ کو واپس مدینہ بلوایا۔ بلکہ اسے آپ نے بہن کا رشتہ بھی دیا، تمام امور سلطنت کا مدار المہام بنایا اور افریقہ کا خمس بھی اس کے حوالہ (الامامۃ والسیاسۃ ص 30 طبع مصر) نیز جاگیر فدک اس کے سپرد کردی (تاریخ الخلفاء ص 1157 وض المناظر لابن شحنہ حنفی ص 110 طبع بیروت) اگر اس کا نام صلہ رحمی ہے۔تو پھر مخالفتِ خدا اور رسولؐ کس چیز کا نام ہے؟ یہ کہنا کہ اس نے پہلے کبھی کوئی شرارت نہیں کی تھی۔جس سے اس کا شریر ہونا ثابت ہوتا۔ یہ حقائق کے سراسر خلاف ہے۔مروان اور اس کے باپ حکم کی شرارتوں کی داستان اسقدر طویل ہے کہ

؎سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

اور اگر بالفرض چند لمحات کیلئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ پہلے اس نے کوئی شرارت نہیں کی تھی اور بقول مؤلف ''آخر کار اس

نے شرارت کی'' اور اسی بنا پر امت رسولؐ نے (جس میں کئی صحابہ کرام بھی شامل تھے) عثمان سے اس شریر کی برطرفی کا مطالبہ کیا تو کیا اسوقت عثمان نے اس کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کی؟ اسے برطرف کیا؟ اگر نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا تو کیوں؟ کیا یہ بھی صلہ رحمی تھی؟ صلہ رحمی اپنے مال سے کی جاتی ہے نہ کہ خدا اور رسولؐ کے مال سے! کیا یہ صلہ رحمی ہے کہ ایک نااہل کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا جائے، اور ان کے سفید و سیاہ کا اسے مختار کل بنا کر حقوق شرعیہ کا پیسہ اس کے حوالہ کر دیا جائے اگر یہ صلہ رحمی ہے تو پھر معصیت خدا و مصطفیٰؐ کیا ہے؟ یہ کہنا کس قدر بے ربط ہے کہ اگر مروان ایسا تھا تو جناب امیرؑ نے باوجود اس کی شرارت کے ظاہر ہو جانیکے جنگ جمل میں اسے کیوں چھوڑ دیا؟ کسی مجرم کے جرم سے درگذر کر کے اسے چھوڑ دینا اور ہے اور مفسد و شریر اور خدا و خلق کے حقوق پامال کرنے والے شخص کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا اور! پہلا فعل عقلاً و شرعاً مستحسن ہے اور دوسرا قبیح۔ و لا شک فیه! اسی طرف مؤلف کے الزاماً یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے زیاد کو کیوں فارس کا امیر بنایا؟ یہ سنت اللہ ہے کہ جب تک مجرم سے جرم سرزد نہ ہو اس وقت تک اس کا مواخذہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے حسن سلوک سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ جسطرح خداوند حکیم نے شیطان کے ساتھ سلوک کیا۔ زیاد نے جو کچھ شرارتیں کیں اور محبان اہلبیت پر مظالم ڈھائے یہ سب حضرت امیرؑ کی شہادت کے بعد کیا اور مؤلف کے محبوب القلب معاویہ کے ساتھ مل کر اور اسی کی انگیخت پر کیا۔ اگر اس نے یہ نمک حرامی آنجناب کے دور میں کی ہوتی اور پھر بھی جناب اسے امارت پر برقرار رکھتے۔ تب یہ اعتراض وارد ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ باقی رہا عبدالرحمٰن بن ملجم کا معاملہ تو اگرچہ شیعہ خیر البریہ عالم الغیب صرف خداوند عالم کو جانتے ہیں باقی انبیاء مرسلینؑ ہوں یا آئمہ طاہرینؑ وہ اسی قدر مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ جس قدر خدا ان کو اطلاع دیتا ہے (عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول) ہاں البتہ بعض اخبار و آثار سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب امیرؑ کو باعلام اللہ والرسول اس شریر کی شرارت کی پیشگی اطلاع ضرور تھی۔ جب ہی تو اس سے بیعت لینے میں اس قدر تردد و تامل فرمایا جس کا اقرار خود مؤلف نے بھی کیا ہے۔ ورنہ پہلے اس قدر تامل پھر اس قدر تاکید اور بیعت سے عدم انحراف پر اسقدر عہد و پیمان لینے کی کیا ضرورت تھی؟ باقی رہا اس پر احسانات کرنا اور اس سے بلطف و مدارا پیش آنا۔ تو یہ صرف اتمام حجت کیلئے تھا کہ اس شقی ازلی کو اس کافرانہ اقدام کرنے کا کوئی ادنیٰ جواز بھی نہ مل سکے پھر بھی اسے لوگوں کو حاکم تو نہیں بنایا تھا اور نہ ہی کوئی اسلامی عہدہ اس کے سپرد کیا تھا! یہ ایسے کھلے ہوئے حقائق ہیں کہ معمولی سمجھ والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ نہ معلوم ان لوگوں کی بصیرت کیوں ختم ہوگئی ہے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مالهؤلاء القوم لا یفقهون حدیثا؟ حالانکہ

ع این‌ها همه راز است که معلوم عوام است

انیسواں طعن:

حضرت عثمان کی نعش تین دن بے گور و کفن پڑی رہی اور نماز جنازہ بھی نہ ہوئی۔

جواب:

اول تو یہ بات سراسر بہتان و افتراء ہے۔ متعدد رشتہ دار حضرت طلحہ، عمرو بن العاص وغیرہ موجود تھے۔ جنہوں نے قصاص میں جنگہائے عظیم کئے اور نیز صدہا جانثار غلام بھی موجود تھے تو یہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ آپکی نعش تین روز بے گور وکفن پڑی رہی ہو! اگر فرض کرو ایسا ہی ہوا تو اس سے آپکی شان اقدس میں کیا کمی آسکتی ہے؟ کیا شہدائے کربلا کے ساتھ اشرار نے اس سے بڑھ کر سلوک نہیں کیا۔ ایسے اعتراضات کرتے وقت شیعوں کو یہ خیال کرنا چاہئیے کہ اس سے ہم پر تو زد نہیں پڑتی۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی نعش مبارک بڑے عزت و احترام سے جنت البقیع میں دفن کی گئی۔۔۔ اس امر کی تصدیق تفسیر جامع عباسی باب دوم میں درج ہے۔ عثمان غنی برگزیدہ خلیفہ رسولؐ تھے! جن کو دوہری دامادی رسول مقبول کا فخر حاصل تھا۔۔۔ آپ کے عہد خلافت میں۔۔۔ اسلامی مقبوضات میں وسعت ہوئی۔ پس آپ کی شہادت پر ترقی اسلام کا خاتمہ ہوگیا۔۔۔ عہد امارت جناب امیرؑ میں صرف خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔۔۔ کسی شاعر نے آپ کی منقبت میں یوں درفشانی کی ہے۔

ع

نبی کی بہن کے تھے عثمان بیٹے ☆ ہو کیا اس سے بڑھ کر نجات غنی کی

سب اسلامیوں سے ہوئی دور عسرت ☆ ہوئی نفع بخش ایسی دولت غنی کی

ہوئی فوت اک دوسری دے دی بیٹی ☆ یہ دل میں نبی کے تھی وقعت غنی کی

نبی نے سفارت یہ مکے کو بھیجا ☆ تو لی ہاتھ اپنے سے بیعت غنی کی

علیؑ ان کے ہم زُلف زہراؑ تھی سالی ☆ یہ سبطینؑ سے تھی قرابت غنی کی

ہے اوراق تاریخ میں ثبت اب تک ☆ شجاعت علیؑ کی سخاوت غنی کی

(آفتاب)

الجواب:

یہ حقیقت ناقابل انکار تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ جناب عثمان کی نعش قتل کے بعد تین دن تک بے گور وکفن پڑی رہی اور بالآخر تیسرے دن بڑی افراتفری کے عالم میں بمقام ''حش کوکب'' (جہاں لوگ بول و براز کرتے تھے اور یہودیوں کا قبرستان تھا) راتوں رات دفن کی گئی اور پھر معاویہ نے اپنے دور حکومت میں جنت البقیع کی دیوار کو ٹیڑھا کر کے اس مقام کو جنت البقیع میں داخل کرایا

(آج تک دیوار کی کجی معاویہ کی اس کارستانی کی شاہد ناطق ہے) ان حقائق کے مختصر حوالہ جات یہ ہیں۔(1) حیواۃ الحیوان دمیری ج1 ص51 طبع مصر میں لکھا ہے و اقام ثلاثہ ایام لم یدفن و لم یصل علیہ یعنی عثمان کی نعش تین دن تک بے گور وکفن اور بلا نماز پڑی رہی۔(2) سیرت حلبیہ ج2 ص81 طبع مصر پر مزید برآں لکھا ہے۔''القی علی المزیلۃ ثلاثہ ایام'' یعنی عثمان کی نعش تین دن تک مزبلہ (اروڑی) پر پڑی رہی۔(3) خواجہ حسن نظامی نے اپنے رسالہ محرم نامہ ص41 پر لکھا ہے۔''دل لرزنے کی بات ہے امیر المؤمنین (عثمان) جانشین رسولؐ کا جنازہ تین دن بے گور وکفن پڑا رہا۔ عبرت کا مقام ہے جو خلیفہ دنیا کے بڑے حصہ کا مالک ہوا اسی کی میت کے ساتھ چار آدمی سے زیادہ نہ تھے اور اس پر بلوائیوں کا یہ حال تھا کہ پتھر مار رہے تھے اور بیچارے جنازہ اٹھانے والے بھاگم بھاگ جا رہے تھے۔ جب حضرت عثمان کو آخر مجبور ہو کر یہودیوں کے قبرستان میں جو جنت البقیع کے برابر تھا اس حامی اسلام اور مسلمان خلیفہ کو دفن کیا گیا''۔(4) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص42 طبع مصر پر لکھا ہے کہ عثمان کو بمقام حش کوکب دفن کیا گیا۔(5) انوار اللغہ 22 ص99 پر لکھا ہے''حش کوکب بقیع سے باہر ایک مقام ہے۔ جس میں یہودی اپنی میتوں کو دفن کیا کرتے تھے اور معاویہ نے اپنے زمانہ میں اس مقام کو بقیع میں داخل کر لیا اور لوگوں کو حکم دیا اس قبر (عثمان) کی نواح میں مسلمانوں کی قبریں بنائیں۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا اور وہ مقام مقابر مسلمین سے متصل ہو گیا۔'' اب اہل انصاف بتائیں کہ یہ بات بہتان ہے یا بالکل حقیقت؟ مؤلف نے اس حقیقت کو جھٹلانے کیلئے جس بات کا سہارا لیا ہے وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اگر عثمان کے طلحہ اور عمرو بن العاص جیسے مقتدر رشتہ دار اور صدہا غلام جانثار موجود تھے تو عثمان قتل ہی کیوں ہوئے؟ اور اگر یہ حقیقت ہے کہ حالات اس قدر بے قابو ہو چکے تھے کہ یہ لوگ قتل عثمان کے معاملہ میں بے بس تھے تو دفن وکفن کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہ تھا!

پھر مؤلف نے اپنے خلیفہ کی اس بے عزتی کے وزن کو ہلکا کرنے کیلئے شہدائے کربلا کی مظلومیت اور انکی بے کفنی و بے دفنی کا تذکرہ کیا مگر یہاں جو نمایاں فرق تھا وہ اسے نظر انداز کر گئے یعنی وہ یہ بھول گئے ہیں کہ کربلا میں حضرت سید الشہداءؑ اور ان کے اعزہ و انصار وحی و ارواح العالمین بہم الفداء کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے کوفہ کے وہ درندہ صفت انسان نما تھے۔ جن میں نہ کوئی صحابی تھا اور نہ کوئی تابعی مگر عثمان کو قتل کرنے والے اور تین دن تک بے گور وکفن رکھنے والے یا صحابہ کرام تھے یا تابعین عظام۔ الغرض برادرانِ اسلامی کے اصول کے مطابق قاتل بھی رضی اللہ عنہ اور مقتول بھی رضی اللہ عنہ ظالم بھی رضی اللہ اور مظلوم بھی رضی اللہ۔ یہ عجیب انداز محبت ہے ظالم سے بھی یارانہ مظلوم سے بھی یارانہ بہرحال

؏ سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا ☆ ببیں تفاوت راہ کجا است تا بکجا ؟

مؤلف نے عثمان کی دامادی اور حدود مملکت کو وسیع کرنے وغیرہ کے جن غیر متعلق امور کا یہاں تذکرہ کیا ہے۔ ان کے دندان شکن جواب اس سے قبل کئی مقامات پر بالخصوص فضائل عثمان کے عنوان کے ذیل میں دیئے جا چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ فلا

نطیل الکلام لتکرار ہاں البتہ نظم کا جواب نظم میں حاضر ہے اسے پڑھیے اور سر دھنیئے۔

حضرت عثمان کا تعارف

تھی مشہور عالم شرافت غنی کی ☆ نرالی تھی سب سے نجابت غنی کی

تھے عثمان حضرت امیہ کے پوتے ☆ تھی اموی نژادوں سے نسبت غنی کی

تھے مروانیوں کے وہ ہم نسل بھائی ☆ جگر خوارہ سے تھی قرابت غنی کی

غنی کے اقارب تھے بیری نبیؐ کے ☆ ہو کیا اس سے بڑھ کر فضیلت غنی کی

طرید رسالت سے محکم تھا رشتہ ☆ ہوئی جس ذریعے اہانت غنی کی

نہ حیدرؑ سے قربت نہ زہراؑ سے الفت ☆ یہ دشمن کی جھوٹی ہے مدحت غنی کی

ہوئی جُند مروان کی دور عسرت ☆ برے کام آئی سخاوت غنی کی

جناب غنی تھے سخاوت کے پیکر ☆ ملی رشتہ داروں کو دولت غنی کی

نبیؐ کے صحابہ رہے دیکھتے ہی ☆ ہوئی ان کے غیروں پہ شفقت غنی کی

بہر حال ہے یہ مقام تعجب ☆ صحابہ کے ہاتھوں شہادت غنی کی

ہے اتنا تو افسوس منظورؔ کو بھی! ☆ گئی حش کوکب میں میت غنی کی

(سید منظور بخاری)

نوٹ:۔ یہاں تک مؤلف کے بیان کردہ مطاعن اور ان کے جوابات کے جوابات تو مکمل ہو گئے مگر حسب سابق ہم بڑے اختصار کے ساتھ یہاں عثمان کے چند مزید مطاعن کا تذکرہ کرتے ہیں۔

طعن 20:

جناب ابو ذرؓ جیسے پاکباز صحابی کو ربذہ جیسے مقام کی طرف شہر بدر کیا (الخصائص الکبریٰ ج 2 ص 120 طبع حیدر آباد دکن، بخاری مع فتح الباری ج 6 ص 14، 15۔ طبع دہلی اور کذا فی تیسیر الباری پ 6 ص 22 حاشیہ 5 و ص 13 حاشیہ 2 طبع لاہور)

طعن 21:

جناب عمار بن یاسرؓ جیسے مخلص مؤمن اور سچے صحابی رسولؐ کو اسقدر پٹوایا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔۔(تاریخ مروج

الذہب برحاشیہ کامل ج5ص159وغیرہ)

طعن22:

مروان بن الحکم کو افریقہ کا تمام خمس بخش دیا (تاریخ خمیس ص271وغیرہ)

طعن23:

ولید بن عقبہ جیسے شرابخور کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ جس نے صبح کی چار رکعت نماز پڑھائی اور شراب کی قئے کی (مروج الذہب ج2ص24طبع جدید مصر وغیرہ)

طعن24:

مروان کو فدک ہبہ کر دیا حالانکہ اسی کی خاطر پہلے خلیفہ نے صدیقہ کبریٰ بی بی عالم کی ناراضی مول لی تھی (روضہ المناظر الابن شحنہ برحاشیہ مروج الذہب ج1ص209وغیرہ) جو بقول اہلسنت امت کے تمام غرباء و مساکین کا مال تھا اور بقول شیعہ خاتون قیامت اور ان کے بعد انکی اولاد امجاد کا حق تھا۔

طعن25:

انہی مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر جناب عائشہ صاحبہ کہا کرتی تھیں۔ ''اقتلو انعشلا لقد فجر نعثل ''''(عثمان) کو قتل کرو کہ یہ فاجر ہو گیا ہے'' الامامۃ والسیاسۃ ص48 ونہایۃ ابن اثیر باب النون مع العین۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کا یہ کردار ہو اور یہ روش و رفتار ہو وہ اور تو سب کچھ ہو سکتا مگر رسولؐ کردگار کی مسند کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر آیت 3)۔

اصحاب ثلاثہ کے نام پر فرزندان علی کے نام:

کتب معتبرہ تواریخ فریقین سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر۔۔۔ایک کا نام۔۔عمر رکھا۔۔ایک کا نام عثمان رکھا۔۔۔ایک صاحبزادی کا نام ام المؤمنین۔۔۔کے نام پر میمونہ رکھا دوسری دو صاحبزادیوں کے نام رقیہ و ام کلثوم رکھا جو رسول پاکؐ کی دو صاحبزادیوں کے نام تھے۔۔۔ایسا ہی امام حسن نے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر۔۔۔ایک کا نام عمر رکھا۔۔۔امام زین العابدینؑ نے بھی اپنے ایک فرزند کا نام عمر رکھا اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے بھی اپنے ایک صاحبزادے کا نام ابوبکر رکھا۔ حضرت امام رضاؑ نے اپنی دختر کا نام عائشہ رکھا اور حضرت علی نقیؑ نے اپنی نور چشمی کا یہی نام رکھا۔ اب شیعہ حضرات سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر جناب امیرؑ علیہ رضوان اور ان کے فرزندان گرامی کو حضرات ثلاثہ اور ازواج مطہرات سے محبت و پیار نہ تھا تو اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے؟ کوئی شخص دشمن کے نام پر

اپنی اولاد کے نام نہیں رکھے گا۔۔۔ یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہمارے ہاتھ میں فضیلت۔۔۔ اصحاب ثلاثہ ثابت کرنے کیلئے ہے جس کا کوئی جواب شیعہ سے قیامت تک نہیں ہوسکتا۔

لطیفہ:

(یہاں مؤلف نے یہ لطیفہ یا بالفاظ مناسب یہ کثیفہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک جہلمی شیعہ دوست سے یہی سوال کیا تو اس نے جواباً کہا تاکہ بیٹوں کا نام لے کر ثلاثہ کو دل کھول کر گالیاں دے سکیں۔ اس پر مؤلف نے کہا تو پھر آپ یزید و شمر نام رکھیں۔ تاکہ ان کو بھی گالیاں دے سکیں۔ جس پر وہ دوست خاموش ہوگیا)

شیعہ سے چند سوالات:

ہم شیعہ سے چند سوالات کرتے ہیں امید ہے کہ کوئی صاحب جواب باصواب سے مطلع کریں گے اور اگر جواب نہ دے اور ہرگز نہیں دے سکتے تو خدارا راہ راست پر آجائیں۔ (1) پہلا سوال یہی ہے کہ اگر اصحاب ثلاثہ۔۔۔ منافق و کافر تھے۔۔۔ تو جناب امیرؑ اور ان کے اہلبیت نے اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے۔ (2) اگر نعوذ باللہ وہ کافر و منافق تھے تو رسولؐ نے اپنے بیٹوں کے ناطے ان کو کیوں دیئے اور ان کی بیٹیاں اپنے زوجیت میں کیوں لیں؟۔ (3) اگر وہ کافر و منافق تھے تو جناب امیرؑ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کو کیوں حضرت عمر کو نکاح دی۔ (4) اگر وہ کافر و منافق تھے تو جناب رسول پاکؐ نے اور حضرت امیرؑ نے ان سے لڑائی کیوں نہ کی حالانکہ قرآن کا حکم ہے "یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِینَ" (توبہ آیت 73) (5) جب بقول شیعہ اصحاب ثلاثہ نے جناب امیرؑ سے خلافت چھین لی۔ فدک دبا لیا ۔۔ جناب امیرؑ نے کیوں تلوار نہ اٹھائی؟ اگر کہو کہ صبر کیا تو پھر۔۔۔ امیر معاویہ سے کیوں جنگ کی۔۔۔ حضرت امام حسینؑ نے کیوں یزید سے لڑ کر اپنی اور معصوم بچوں کی جانیں قربان کیں؟ (6) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ثُمَّ لَا یُجَاوِرُونَكَ فِیهَا إِلَّا قَلِیلًا" (الاحزاب آیت 60) منافق لوگ نبی کی ہمسائگت میں زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہر سکیں گے۔ حالانکہ اصحاب ثلاثہ زندگی میں ہمیشہ جناب رسولخداؐ کے مصاحب خاص رہے اور بعد وفات ان کو۔۔۔ مجاورت۔۔۔ حاصل ہے۔ (7) قرآن میں ہے لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِیَاءَ (ممتحنہ آیت 1) (میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ) تو جب بقول شیعہ اصحابِ ثلاثہ جناب رسولؐ اور جناب امیرؑ کے دشمن تھے تو کیوں رسول پاکؐ نے ان کو دوست بنائے رکھا؟ اگر کہو بے بس تھے تو ہجرت کیوں نہ کی؟ (8) قرآن میں ہے إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِینَ آمَنُوا (غافر آیت 51) (ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو نصرت بخشا کرتے ہیں) اگر اصحاب ثلاثہ مؤمن نہ تھے تو کیوں نصرت الٰہی ان کے شامل حال رہی

؟(9) اگر خلافت اصحاب ثلاثہ کا حق نہ تھی تو حضرت شہر بانو جو غنیمت میں مقید ہو کر آئی تھیں اور حضرت عمر نے امام حسینؑ کو دے دیں آپ نے قبول کیوں کیں۔(10) جب متعہ اتنا بڑا ثواب کا کام ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ کیوں اس ثواب سے محروم رہے۔ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا (11) کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ علی المرتضیٰؑ کے تین فرزند جن کا نام ابوبکر، عمر، عثمان تھے وہ بھی امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ مرثیوں میں ان کا نام کیوں ذکر نہیں کیا گیا۔(12) کتب شیعہ میں تصریح موجود ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا تھا انہوں نے قبول نہ کیا۔ تو آپ نے کہا اب تم لوگ اس قرآن کو تا قیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اس وقت کہاں ہے؟ اگر امام غائب نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب خدا چھپا رکھنے کے مجرم نہیں ہیں؟ کافی کلینی میں تصریح ہے کہ رسول پاکؐ کے فوت ہوتے ہی تمام اصحاب سوائے تین چار کے اسلام سے پھر گئے۔ پھر بعثت رسولؐ اور نزول قرآن سے فائدہ کیا ہوا؟ اور پھر سوال یہ ہے کہ جناب امیرؑ انہی تین چار بزرگوں کے اجماع سے خلیفہ ہوئے۔ کیا کوئی شیعہ بزرگ ان سوالات کا کوئی معقول جواب دیں گے؟ ہمیں تو امید نہیں ہے۔ (آفتاب ص 287)

الجواب:

مؤلف اصحاب ثلاثہ کی محبت میں کچھ اس طرح گرفتار ہیں (حشرہ اللہ معھم یوم القیامۃ) کہ بزعم خویش انکی کوئی فرضی فضیلت ثابت کرنے یا آئمہ اہلبیتؑ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات ظاہر کرنے کی خاطر وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور باتوں کا سہارا لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور اس بات کا تو گویا انہوں نے اجارہ لے لیا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ان تمام امور کا تذکرہ کریں گے۔ جو ان کے پیشرو اہل حق کے خلاف کر گئے ہیں ان کی بلا سے وہ بیسیوں مرتبہ کے مردودہ اور مدتوں کے فرسودہ ہیں۔ جس سے سمجھدار قارئین کرام ان کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں لے سکتے بلکہ وہ انکی علمی بے مائیگی اور فضل و کمال سے تہی دامنی کا یقینی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مثلاً اسی ناموں والے مسئلہ ہی کو لے لیں۔ اس پر انہوں نے حضرت آئمہ اہلبیتؑ اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے کی دیوار استوار کی ہے یہ کس قدر کمزور اور بودہ استدلال ہے۔

الف: شیعیان حیدر کرارؑ کو آئمہ اطہار کی تقلید و تاسی میں جو کچھ کد و کاوش ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کے یہ نام ہیں۔ ان کو ناموں سے کوئی پرخاص نہیں ہے اسم تو اپنے مسمیٰ کی صرف ایک شناختی علامت ہے جو کچھ خوبی یا خامی ہوتی ہے وہ مسمیٰ میں ہوتی ہے نہ اسم میں

؎ الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا ☆ غواص کو موتی کی طلب ہے کہ صدف کی؟

تنگ نظر ملاؤں کو (جو اپنے مخالف کا نام لینا سننا گوارا نہیں کر سکتے) ہادیانِ خلائق کا اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ☆ گر چہ باشد در نوشتن شیر شیر

ب۔ اگر مؤلف کا یہ نظریہ علی الاطلاق درست تسلیم کر لیا جائے کہ فوت شدگان سے جو بزرگ واجب الاحترام اور ذی شرافت سمجھا جاتا ہے ''اس کا نام تبرکاً اولاد کا رکھا جاتا ہے'' مؤلف کے ہم مذہب کئی اکابر و اصحاب کے نام عبدالرحمٰن اور یزید ہیں ۔(کتب رجال میں فہرست دیکھی جاسکتی ہے) تو کیا پھر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے۔ کہ اہلسنت کو جناب امیرؑ اور جناب امام حسینؑ کے قاتلوں سے محبت ہے اور یہ ان کو واجب الاحترام بزرگ سمجھتے ہیں جب ہی تو ان کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھتے ہیں۔ لیکن اگر قاتلان آئمہ کے نام پر نام رکھنے سے اہل سنت کے تعلقات سے ان ملعونوں سے خوشگوار ثابت نہیں ہوتے تو پھر اصحاب ثلاثہ کے نام پر اولاد کے نام رکھنے سے آئمہ اور ثلاثہ کے تعلقات بھی خوشگوار ثابت نہیں ہو سکتے۔

ج: آئمہ اطہار اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کی کیفیت تو متنازعہ فیہ ہے مگر یہ تو مسلم ہے کہ وہ معاویہ اور یزید کو برا سمجھتے تھے حالانکہ آئمہ اطہار کے اصحاب کبار میں بہت سے حضرات کے نام معاویہ اور یزید ہیں (ثبوت کیلئے تمام کتب رجال دیکھی جاسکتی ہیں) کیا کوئی عقل کا اندھا یہ باور کر سکتا ہے کہ ان حضرات کے والدین نے ان کے نام اس لئے رکھے تھے کہ ان کو معاویہ اور یزید سے محبت تھی۔ اور وہ ان کے واجب الاحترام بزرگ تھے؟ حاشا و کلا

د۔ اور یہ قاعدہ بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کسی کے نام پر نام رکھنے سے باہمی محبت ظاہر ہوتی ہے تو اس کی دلیل ہے کہ حضرت امیرؑ یا دوسرے آئمہ اطہارؑ نے اصحاب ثلاثہ کو ہی پیش نظر رکھ کر اپنی اولاد کے یہ نام نہیں رکھے ہیں۔ کیا ثلاثہ کے علاوہ ان اسماء کا کوئی اور اچھا مسمیٰ نہ تھا؟ ایک ابوبکر وہ ہے جس نے جناب امیرؑ کی خلافت غصب کی تو دوسرا وہ ابوبکر ہے جس نے ان کو اس حرکت پر سر عام ٹوکا تھا (ملاحظہ ہو کتاب الیقین بحوالہ مناقب ابن جریر ص 108) جناب امیرؑ کے جداعلیٰ جناب ہاشم کا اسم گرامی عمرو ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب باصفا کا نام بھی عمر ہے۔ جیسے عمر بن سلمہ اور عمر بن مالک وغیرہم۔ نیز عثمان نام کے کئی اچھے بزرگ موجود تھے جیسے رسولؐ خدا کی جلیل القدر صحابی عثمان بن مظعونؓ اور دوسرے جناب امیرؑ کے عظیم صحابی عثمان بن حنیفؓ۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ آئمہؑ نے ان حضرات کے جذبہ محبت سے سرشار ہو کر اپنی اولاد کے نام انکے ناموں پر رکھے ہوں۔ لہٰذا جب تک ثلاثہ کو سامنے رکھ کر ان کے نام پر نام رکھنا ثابت نہ کیا جائے (جو کہ قیامت تک اہلسنت ثابت نہیں کر سکتے) اس وقت تک آئمہ اہلبیتؑ اور ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا! الحمد اللہ ان حقائق کی روشنی میں بزعم خویش مؤلف کی زبردست دلیل کا تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہونا واضح ہو گیا۔ اب آیئے ذیل میں مؤلف کے بیان کردہ بارہ عدد سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں جن کو انہوں نے بلا ربط و ارتباط یہاں بطور بھرتی جمع کر دیا ہے اور پھر اس خوش فہمی میں مبتلا بھی ہیں کہ کوئی شیعہ ان کے

جواب نہیں دے سکتا۔ یاللعجب!

؎ خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ☆ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد ؟

مؤلف کے پیش کردہ بارہ سوالات کے تحقیقی جوابات:

(1) پہلے سوال کا تحقیقی جواب باصواب ابھی اوپر واضح کر دیا گیا ہے۔

(2) دوسرے سوال کا تحقیقی جواب قبل ازیں بذیل مناقب عثمان ''مسئلہ بنات رسول'' کے ضمن میں دیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(3) اس سوال کا صحیح اور مکمل جواب بذیل ''فضائل عمر'' دیا جا چکا ہے اور دلائل قاطعہ سے اس ازدواج کا ایک افسانہ ہونا ثابت کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(4) اصحابِ ثلاثہ کو چھوڑ یئے تنا تو سب مانتے ہیں کہ مدینہ میں منافق موجود تھے (ومن اهل المدينة مردوا على النفاق) کفار سے تو آنحضرت ﷺ نے متعدد جہاد فرمایا۔ کیا کسی تاریخ سے منافقین سے بھی آنحضرت ﷺ کے جہاد کرنے کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے! تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کی نوعیت جدا جدا ہے! کفار سے ''جہاد بالسیف'' (تلوار سے جنگ) کا حکم تھا اور منافقین سے ''جہاد باللسان'' (زبان سے جنگ) کا۔ جیسا کہ تمام مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج3 ص258) اور آنحضرت ﷺ اور جناب امیرؑ برابر ان لوگوں سے یہ جہاد فرماتے رہے۔ اگر منافقین سے بھی جہاد بالسیف فرماتے جو بظاہر اصحاب میں شامل تھے تو اشاعت اسلام کا سلسلہ رک جاتا اور يتحدث الناس ان محمدا! يقتل اصحابه لوگ یہ باتیں بناتے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں (بخاری مع فتح الباری ج3 ص308)

(5) اس سوال کا تحقیقی جواب باصواب کئی بار قبل ازیں مختلف مقامات پر دیا جا چکا ہے فہرست مطالب دیکھ کر قارئین کرام ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ معاویہ کے ساتھ جنگ کی نوعیت اور تھی جناب امیرؑ کی خلافت قرآن وسنت کی روشنی میں تو پہلے ہی ثابت تھی۔۔۔ اب حسب ظاہر بھی سارا عالم اسلام آپ کی بیعت خلافت پر اتفاق کر چکا تھا مگر معاویہ نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ تو باغی کی سرکوبی کرنا اسلامی حکومت کے سربراہ کا فرض منصبی ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ''قاتلو التى تبغى حتى يفئى الى امر الله'' باغی سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک حکم خدا (اقرار حق یا صلح) کی طرف نہ لوٹ آئے۔ باقی رہے حضرت سید الشہداءؑ تو ان کا معاملہ اپنے بھائی اور والد ماجد سے قطعاً مختلف تھا۔ ان حضرات کا جن سے سابقہ پڑا تھا وہ بباطن جیسا کچھ بھی تھے مگر بظاہر اسلام کا نام لیتے تھے اور اسکے اکثر ظواہر پر عمل درآمد بھی کرتے تھے۔ مگر امام حسینؑ کا جس نابکار سے واسطہ پڑا تھا۔ اس نے اسلام کا جوا بالکل گردن سے اتار دیا تھا۔ اس لئے ان کو تحفظ اسلام کی خاطر یہ عظیم قربانی پیش کرنا پڑی جو واقعہ ہائلہ کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ مقصد

تمام حضرات کا ایک تھا۔ البتہ اس کے حصول کے طریقے مختلف تھے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایک ہی مقصد کے حاصل کرنے کے طریقے حالات وظروف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں ۔ کمالا یخفی اس سے زیادہ تفصیلی جوابات دیکھنے کیلئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ اور اثبات الامامت کی طرف رجوع کیا جائے۔ ولنعم ماقیل۔

چاہا جب خدا نے یہ بتائے دنیا والوں کو ☆ کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے

تو بھیجے اپنی رحمت سے علیؑ کے لاڈلے دونوں ☆ یہ سمجھا جائیں جس پر آج دنیا دنگ ہوتی ہے

یہ آئے اور مسلم کو عمل کرکے یہ بتلایا ☆ یہاں پر صلح ہوتی ہے یہاں پر جنگ ہوتی ہے

(6) پوری آیت پڑھنے سے اس سوال کا جواب باصواب معلوم ہوجاتا ہے جو اس طرح ہے۔ "لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا" (الاحزاب آیت 60،61) "منافق اور وہ لوگ جن کی نیتیں بد ہیں اور جو لوگ مدینے میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں پھیلایا کرتے ہیں اگر (اپنی حرکات سے) باز نہ آئیں گے تو (اے پیغمبرؐ) ہم تم (ہی) کو ایک نہ ایک دن ان پر اکسا دیں گے پھر (یہ لوگ) مدینے میں تمہارے پڑوس میں ٹھہرنے پائیں گے نہیں مگر چند روز (عارضی طور پر) ان کا یہ حال ہوگا کہ ہر طرف پھٹکارے ہوئے جہاں ملے پکڑا اور مار کر ٹکڑے اڑا دیئے" (ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی)۔۔ مولانا موصوف اسی آیت کے حاشیہ نمبر 2 میں تحریر فرماتے ہیں: "جھوٹی افواہیں پھیلانے کی نسبت مفسرین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر یا فوج کا دستہ جہاد کے لئے جاتا تو کچھ لوگ مدینے میں بڑی افواہیں پھیلاتے کہ مسلمان ہارے اور مارے گئے اور بھاگے۔ ان افواہوں کی وجہ سے مجاہدین کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں تشویش ہوتی تھی اور یہ آیت ان ہی افواہ بد پھیلانے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔" (ص 556 طبع دہلی) اس ترجمہ اور تفسیر کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ آیت صرف ان منافقوں اور افواہیں پھیلانے والوں کے متعلق بطور تنبیہہ نازل ہوئی ہے کہ اگر وہ اپنی ان ناشائستہ حرکات سے باز نہ آئے تو ہم ایسا ویسا کریں گے لیکن جب وہ لوگ اس دھمکی کے بعد بظاہر ان حرکات سے باز آگئے تو بموجب اذافات الشرط فات المشروط وہ سرزنش اور سزا بھی موقوف کر دی گئی جو اس آیت میں بیان کی گئی تھی۔ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علی الاطلاق چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ کے دور میں منافق ختم ہو گئے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ منافق آپؐ کے بعد بدستور موجود اور پہلے سے بدتر حالت میں موجود تھے چنانچہ بخاری ج 4 ص 141 طبع مصر میں بروایت خدیفہ یمانیؓ مروی ہے۔ فرمایا ان المنافقین الیوم شر منھم علی عھد رسول اللہ کانوا یومئذٍ یسرون و الیوم یجھرون۔ آج کل (وفات پیغمبر کے بعد) منافقوں کی حالت عہد نبوی والی حالت سے بدتر ہے۔ کیونکہ وہ آج کل کھلم کھلا کاروائیاں کررہے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے وقت میں چھپ کر ریشہ دوانیاں کرتے تھے۔ اور

شبلی نعمانی نے تو یہ لکھ کر رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے جس وقت وفات پائی۔ مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کردیں۔'' (الفاروق ج1 ص53 طبع لاہور)

(7) کتاب کی ابتداء میں جہاں مؤلف نے آیات قرآنیہ سے فضائل ثلاثہ پر استدلال کیا ہے۔ وہاں آیت مبارکہ **لاتجدو قوماًیؤمنون باللہ ورسولہ یوادون من حاد اللہ** ۔ کے ذیل میں اس سوال کا مکمل جواب دیا جاچکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(8) اگر اس نصرت سے ظاہری فتح وفیروزی مراد لی جائے تو یہ ان دوسری آیات کے خلاف ہے جن سے انبیاء مرسلین اور کامل الایمان مومنین کا مظلومیت کے عالم میں شہید ہونا مذکور ہے۔ جیسے **تقتلون فریقاًو تامرون فریقاً۔یقتلون انبیاء اللہ بغیر حق**۔۔۔لہٰذا اس طرح ان بزرگواروں کو نبیوں اور مومنوں کی فہرست سے خارج کرنا پڑے گا (معاذ اللہ) اور بڑے فاتحین جیسے سکندر اعظم، بخت نصر، نپولین وغیرہ کو مؤمن کامل تسلیم کرنا پڑے گا جنہوں نے مؤلف نے خلفاء سے کہیں بڑھ کر ممالک فتح کئے اور ظاہری نصرت الٰہی ان کے شامل حالت رہی۔ ہم کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ ظاہری فتوحات کسی شخص کے ایمان کی دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ **ان اللہ یوید ھذاالدین بالرجل الفاجر**۔

(9) اس سوال کا مفصل ومکمل جواب ''فضائل عمرؔ'' کے جوابات کے ضمن میں دیا جاچکا ہے۔ جہاں مؤلف نے یہ استدلال پیش کیا تھا۔ اس جگہ رجوع کیا جائے۔

(10) یہ کہنا کہ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا کتب شیعہ سے ناواقفی کی بیّن دلیل ہے ورنہ کتب شیعہ سے آئمہ طاہرینؑ کا اس سنت نبویہؐ پر عمل کرنا مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ اور وسائل الشیعہ وغیرہ۔ اور ہم سابقہ ابواب میں ناقابل انکار دلیلوں سے اسلام میں متعہ کا جواز اور اس کا شرعی نکاح ہونا ثابت کر آئے ہیں تو بعد ازیں اگر آئمہ اہلبیتؑ نے اس پر عمل کیا ہے تو اس میں قباحت کیا ہے؟؟

ایضاح:

مؤلف کے لائق فرزند نے اس مقام پر ہم سے سادات عظام (یعنی آئمہ طاہرین علیہم السلام) کا متعہ نامہ طلب کیا ہے جس میں ان عورتوں کے نام درج ہوں جن سے انہوں نے متعہ کیا اور پھر اس اولاد کے نام بھی درج ہوں جو اس کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔۔تو جواباً عرض ہے کہ پہلے موصوف اپنے بارہ خلفاء کا ''نکاح نامہ'' پیش کریں اور ''کنیز نامہ'' بھی اور ''اولاد نامہ'' بھی یعنی اپنے خلفاء کی تمام منکوحہ بیویوں اور مملوکہ (لونڈیوں) کے نام اور پھر ان سے پیدا ہونے والی تمام اولاد کے نام ہم بتائیں پھر ہم بھی سادات کا متعہ نامہ پیش کردینگے؟ نیز یہ بودا ایراد بھی کیا ہے کہ جب نکاح کے اسقدر فضائل نہیں تو متعہ کے کیوں ہیں؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ کے خلیفہ دوم نے اس سنت نبویہ کو بند کر دیا تھا۔ اس لئے حقیقی جانشینانِ رسولؐ نے اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کیلئے اس کے زیادہ

فضائل بیان فرمائے ہیں۔

متعہ کرنے سے حسنینؑ کا درجہ حاصل ہونے والے ثواب پر وارد شدہ ایراد کے جواب میں ہم نے آیت کریمہ ''اولئک الذین انعم اللہ علیھم'' پیش کر کے جو جواب دیا تھا اس کے جواب الجواب میں قاضی نے جس ژولیدہ خیالی کا اظہار کیا ہے۔ اور ہمارے بیان کردہ مفہوم کو امام صادقؑ کے بیان کردہ مطلب سے جس طرح متضاد قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ ان کی شکست خوردہ ذہنیت اور پریشان خیالی کا شاہکار ہے۔۔ فلیراجع۔

(11) یہ سوال بھی مذہب شیعہ خیر البریہ کی کتب تاریخ بالخصوص واقعہ کربلا پر لکھی جانے والی کتب سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے ورنہ ان کتابوں کے ناظرین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر وہ کتاب جس میں شہداء کربلا کا مقدس تذکرہ ہے اس میں ان نام بردہ حضرات کی شہادتوں کا تذکرہ بھی موجود ہے بلکہ اس موضوع پر چند کتب بالخصوص موجود ہیں جیسے ابصار العین۔ نجاۃ الدارین، فرمان الھیجا، شہداء کربلا اور اصحاب الیمین اس راقم آثم کی کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں بھی ان حضرات کی مقدس شہادتوں کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ہمیشہ شیعہ علماء ومورخین نے نظم ونثر میں دوسرے شہداء کے ساتھ ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

؎ شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

(12) اس سوال کا تحقیقی جواب کتاب کی ابتداء میں تحریف قرآن والی بحث میں دیا جا چکا ہے۔ اس قرآن مجید (جو جناب امیرؑ نے مرتب کیا تھا) کے اخفاء اور تاخیر ظہور کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ مؤلف کے چہیتے خلفاء تھے۔ اگر مجرم ہیں تو وہی نہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ۔

مؤلف نے آخر میں جو سوال اٹھایا ہے اس کا الزامی اور حلی جواب باصواب بھی ازیں وہاں پیش کیا جا چکا ہے جہاں مؤلف نے ''ارتداد صحابہ'' کی بحث کی ہے۔ نہ معلوم اس سوالات کا بار بار تکرار کرنے سے مؤلف کا مقصد کیا ہے۔ یہاں صرف اسقدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر انوارِ نبوت اور فیوض رسالت سے صرف چند نفوس زاکیہ نے ہی صحیح استفادہ کیا اور باقی محروم رہے تو اس میں رسول کا کوئی قصور نہیں ہے۔ کیونکہ

؎ نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے

؎ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ☆ در زار لالہ روئید و در شوم بوم و خس

وقلیل من عبادی الشکور۔

علماء اہلسنت سے چند سوالات:

بعونہٖ تعالیٰ جب ہم نے مؤلف کے تمام پیش کردہ سوالات کے تحقیقی جوابات پیش کر دیے ہیں۔ جن پر ان کو اس قدر ناز تھا

کہ بار بار یہ کہتے تھے "کوئی شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتا" تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی ان کے ابناء مذہب سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات کا ان سے مطالبہ کریں۔ کیا علماء اہلسنت ان سوالات کے تحقیقی جوابات دینے کی زحمت گوارا کریں گے ؟ اور اگر ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہ دے سکیں (جس کی آفتابِ قیامت کے طلوع ہونے تک امید نہیں ہے۔ ویسے رطب و یابس جمع کر کے چھاپ دینا اور بات ہے) تو کیا ہم ان سے توقع رکھیں کہ وہ کشتی نجات اہلبیتؑ نبوتؐ پر سوار ہو کر سعادتِ دارین حاصل کریں گے؟

پہلا سوال:

جب کتب حدیث اہلسنت سے ثابت ہے کہ خدا عرش پر بیٹھتا ہے اور عرش اس کے بیٹھنے سے اس طرح چر چراتا ہے جیسے تازہ زین سوار کے بیٹھنے سے چر چراتی ہے (کنز العمال ج1 ص57) اس کے کپڑے ریشم کے ہیں، جوتے سونے کے اور اس کے بال گھنگھریالے ہیں (کنز العمال ج1 ص58) وہ اٹھتا ہے بیٹھتا ہے چڑھتا ہے اترتا ہے (انوار اللغتہ پ14 ص115) بروز قیامت اپنی ٹانگ دوزخ میں ڈالے گا (بخاری ج3 ص119 طبع مصر) تو بعد ازاں خدا تعالیٰ لیس کمثلہ شئی کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور ایسا اعتقاد و فاسد رکھنے والا فرقہ کیونکر موحد کہلا سکتا ہے؟

دوسرا سوال:

جب خیر وشر کا مقدر اور فاعل اور جاعل خدا کو ہی تسلیم کیا جائے (جیسا کہ اہلسنت کا اعتقاد ہے) تو پھر خدا کی عدالت کیونکر بر قرار رہ سکتی ہے؟ اور اسکی جنت و جہنم اور وعدو وعید پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

تیسرا سوال:

بخاری ج3 ص179 باب الطلاق پر جناب رسولخداؐ کا جونیہ کے متعلق جو حیرتناک واقعہ درج ہے کیا اسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد رسولؐ کی رسالت برقرار رہ سکتی ہے؟ اور کیا اس کا معتقد مسلمان کہلا سکتا ہے؟

چوتھا سوال:

کتاب جذب القلوب شیخ عبد الرحمٰن محدث دہلوی مطبوعہ کلکتہ 1262ھ ص191 پر جناب رسولخداؐ کے متعلق مسجد فضیخ میں بیٹھ کر شراب نوشی کرنے کا جو واقعہ درج ہے کیا اسکی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا اس کا معتقد مسلمان کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہے؟

پانچواں سوال:

بخاری ج 4 ص 101 طبع مصر میں ہے کہ مطالبہ فدک وانکار ابوبکر کے بعد جناب خاتونِ قیامت ابوبکر پر اسقدر ناراض ہوئی کہ تا زیست ان سے کلام نہیں کیا اور اسی بخاری کی ج 2 ص 213 پر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد درج ہے کہ فاطمہؑ میرا پارہ ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور قرآن میں رسولؐ کو ایذا دینے اور ناراض کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور انہیں جہنمی قرار دیا گیا ہے (إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) (الاحزاب 57) کیا بعد ازیں ابوبکر کو مومن تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ تا بخلافت چہ رسد؟

چھٹا سوال:

بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف ج 2 ص 540 پر مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی مرض الموت میں حکم دیتے ہیں کہ مجھے قلم دوات لا دو تا کہ میں ایسی تحریر لکھ جاؤں کہ اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو مگر جناب عمر اسے ہذیان کہہ کر یہ تحریر لکھوانے سے مانع ہوتے ہیں! کیا دریں حالات تمام گمراہوں کی گمراہی کی ذمہ داری عمر پر عائد نہیں ہوتی؟ اور کیا ان حالات میں عمر کو مومن قرار دیا جاسکتا ہے؟

ساتواں سوال:

جناب عائشہ جناب عثمان کے متعلق کہا کرتی تھیں اقتلو انعثلا فانه کفر لمبی داڑھی والے اس نعثل (یہودی) کو قتل کرو خدا اسے قتل کرے کیونکہ وہ کافر ہو گیا ہے! ملاحظہ ہو نہایہ ابن اثیر ص 166۔ مجمع البحار ج 2 ص 373۔ الامامۃ والسیاسۃ ص 54 اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ جناب عائشہ کا یہ فتویٰ کہاں تک صحیح ہے؟ کیوں کہ اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو عثمان کا ایمان وخلافت رخصت اور اگر غلط مانا جائے تو جناب عائشہ کی دیانت وامانت ختم؟

ع چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

آٹھواں سوال:

خداوند عالم قرآن مجید میں بارہا اپنے برگزیدہ بندوں سے محبت اور انکی اتباع کرنے اور بروں (جیسے کافر، ظالم اور کاذب وغیرہ) سے دوری اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود ان پر لعنت بھی کرتا ہے کیا یہی وہ تولا و تبرا نہیں جس کے شیعہ قائل ہیں اور اہلسنت اس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا برادران اسلامی کی روشن تعلیمات اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے؟

نواں سوال:

پیغمبر خاتمؐ سے پہلے بنا بر مشہور ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گذرے ہیں۔ کیا کسی ایک نبی کے متعلق یہ ثابت کیا جاسکتا

ہے کہ وہ اپنی مسند کے وارث کا نام ونشان بتائے بغیر دنیا سے تشریف لے گیا ہو۔ اور اس کے بعد اسکی امت نے اجماع وشوریٰ کر کے اس کے وصی کو منتخب کیا ہو؟ اور اگر ایسی کوئی مثال نہ مل سکے تو پھر پیغمبر اسلامؐ کے وقت کس طرح ایسا ہوسکتا ہے؟ کیونکہ لن تجد لسنته الله تبدیلا۔!

دسواں سوال:

کیا پیغمبرؐ خاتم سے پہلے ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک نبی کے متعلق کوئی ثبوت ملتا ہے کہ اس کا ترکہ اسکی امت کے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔ اور اسکی اولاد کو اس کے ورثہ سے محروم کر دیا گیا ہو؟ اور اگر ایسا ثابت نہ ہوسکے تو پھر پیغمبرؐ خاتم کے متعلق یہ نظریہ کیوں قائم کیا جاتا ہے ماتر کنا صدقة؟

گیارہواں سوال:

جو شخص پیغمبرؐ اسلام کے صحیح جانشین کی خلافت وامامت کو تسلیم نہ کرے بلکہ علی الاعلان اس کی مخالفت کرے اور اس سے جنگیں لڑے اس کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم کیا ہے؟ اور کیا وہ حکم معاویہ اور مائی عائشہ پر نافذ نہیں ہوتا؟ اس کے باوجود ان کا احترام اور ان کو خلیفہ ماننے والوں کا انجام ومقام کیا ہے؟

بارہواں سوال:

صحاح ستہ سمیت تمام کتب حدیث چھلک رہی ہیں کہ رسولخداؐ نے فرمایا۔ میرے بعد میرے بارہ جانشین ہونگے! اب سوال یہ ہے کہ وہ بارہ جانشینانِ رسولؐ کون ہیں؟ حضرات شیعہ جن بارہ کو جانشین رسولؐ اور امام خلق مانتے ہیں وہ تو ساری دنیا جانتی ہے (از علیؑ تا مہدیؑ) غور طلب بات یہ ہے کہ اہلسنت کے نزدیک وہ بارہ خلیفہ کون ہیں؟ کیا ان میں چھٹے نمبر پر یزید اور ساتویں پر مروان کا نام بھی شامل ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے (جیسا کہ کتب عقائد اہلسنت میں تصریح موجود ہے) تو جس مذہب کے امام یزید اور مروان جیسے بے ایمان ہوں وہ مذہب بھی نجات کا ضامن ہوسکتا ہے؟ اور اس کے نام لیوے ناجی ہوسکتے ہیں؟ بینوا توجروا ان درمیانی کڑیوں کے بعد ہم پھر عنان بیان مؤلف آفتاب کے بیانات اور ان کے جوابات کی طرف موڑتے ہیں چنانچہ جناب موصوف درج ذیل عنوان کے تحت رقمطراز ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ:

اصحاب ثلاثہ کے بعد زیادہ غیظ وغضب شیعہ اصحاب کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے ہے اور آپ کے خلاف چند الزامات کو لگائے ہیں جن کا جواب دینا فرض ہے۔

پہلا طعن:

قرآن مجید میں ہے "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ" (الاحزاب آیت 33) (اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نہ نکلو) حضرت عائشہ نے اس حکم کی مخالفت کی کہ معرکہ کارزار میں نکل کر شریک ہوئیں۔۔

جواب:

نادان معترض جس کو تدبیر فی القرآن نصیب نہیں۔ آیات قرآن کے معنی کرتے وقت ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ کیا اس کا یہ معنی ہے کہ گھر کی چاردیواری میں عمر بھر ایسی محبوس رہیں کہ گھر سے باہر نکلنا کسی دینی ضرورت کے لئے بھی جائز نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کو حج اور عمرہ کے لئے ساتھ لے جایا کرتے۔ میکے جانے، عیادت مریض۔۔۔ کی ممانعت نہ تھی۔۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جیسے عورتیں بے حجاب ہو کر زرق و برق لباس پہنے بازاروں میں پھرتی تھیں اب اس طرح بے پردہ پھرنا جائز نہیں ہے۔۔ حدیث میں ہے کہ اس آیت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن (اب تمہیں اجازت دی گئی کہ اپنی حاجت کیلئے نکل سکو) حضرت عائشہ صدیقہ چونکہ مظلوم خلیفہ عادل کے قصاص کیلئے سفر میں نکلنے پر مجبور ہوئی تھیں اس لئے یہ سفر جہاد، حج و عمرہ کی طرح ایک دینی ضرورت تھی۔ جن پر طعن نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ کے ساتھ آپ کے اقارب میں سے عبداللہ بن زبیر۔۔ تھے۔۔ علاوہ ازیں آپ ام المؤمنین ہونے کیوجہ سے تمام مسلمانوں کی ماں اور سب آپ کے فرزند تھے۔ اس لئے آپ کے اس سفر پر معترض ہونا شیعہ کی سخت حماقت ہے۔۔۔ غالباً شیعہ حضرات اہلسنت پر ایسے اعتراض کرتے وقت اپنے گھر سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؑ زہراؑ گھر سے باہر نکل کر حضرت عمر سے دست بگریباں ہوئیں۔۔۔ شیعہ اس کے بھی قائل ہیں کہ جناب سیدہؑ نے باغ فدک کیلئے دربار میں اصالتاً دعویٰ کیا۔۔ یہ بھی شیعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ غصب خلافت و دیگر حقوق پر جناب امیرؑ خاتون جنت کو سوار کر کے مہاجرین و انصار کے گھر پھرتے کیا یہ باتیں جائز تھیں؟

دوسرا طعن:

حضرت عائشہ نے جناب امیرؑ سے بغاوت کی اور جنگ کیا۔

جواب:

اسی قسم کا اعتراض جناب امیرؑ پر بھی عائد ہوتا ہے کہ بحکم "و ازواجه امهاتهم" (رسول کی بیویاں مومنوں کی مائیں

ہیں)جب حضرت عائشہ حضرت علیؑ کی ماں تھیں آپ کو ان سے جنگ ہرگز جائز نہ تھا۔قرآن میں ہے ۔ولا تقل لھما اف۔حقیقت یہ تھی کہ یہ جنگ وجدل طرفین کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہردوفریق کی اجتہادی غلطی تھی۔حضرت عائشہ اور ان کے طرفدار حضرت عثمان کا قصاص لینے کیلئے ان کے قاتلین کو امیرؑ سے مانگتے تھے۔جناب امیرؑ ان کے شروفساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کرسکے۔

طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی آخر کار صلح وصفائی ہوئی حضرت عائشہ اپنے کئے پر پشمان ہوئی۔جناب امیرؑ نے انکو بڑی عزت ۔۔سے گھر پہنچایا اور دلی صفائی ہوگئی ۔۔اعتراض ہردو یکساں عائد ہوتا ہے۔**فما ھو جوابکم فھو جوابنا** ۔حضرت عائشہ مومنوں کی ماں ہیں ۔آپ کو ہی یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کے حجرہ میں آپ کی گود میں حضور کا وصال ہوا ۔آپ کی نسبت قرآن کریم میں آپ کی بریت کے متعلق آیات نازل ہوئیں اور آپ کے قاذفین اور ملاعین کو عتاب ہوا۔

تیسرا طعن:

حضرت عائشہ نے روضہ مطہرہ میں اپنے باپ اور حضرت عمر کو دفن کرنے کی اجازت دی حالانکہ اس مکان کی آپ اکیلی مالک نہ تھیں۔

جواب:

حضورؐ نے اپنی زندگی میں ازواج مطہرات کو الگ الگ مکان دے کر ان کو ان کا مالک کر دیا ہوا تھا۔چنانچہ یہ حجرہ ۔۔حضرت عائشہ کا تھا جو ان کی ملکیت تھا۔اگر عائشہ کی ملکیت نہ تھی تو حضرت امام حسنؑ نے اپنے مزار کیلئے حضرت عائشہ سے کیوں اجازت طلب فرمائی۔قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حجرات ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ جہاں وہ بستی تھیں قرآن میں ہے۔وقرن فی بیوتکن (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو)(آفتاب از ص 287 تا ص 299)

الجواب:

یہ امر بھی نادارئی روزگار کا شاہکار ہے۔کہ آج وہ لوگ بھی قرآن ناطق کے نام لیواؤں کو عدم تدبر فی القرآن کا طعنہ دے رہے ہیں ۔ جنکے پیروں اور مرشدوں کو سارا قرآن تو کجا اسکی ایک آیت کا بھی صحیح مطلب معلوم نہیں تھا ۔ (تفسیر درمنثور ج 6 ص 317)اگر کسی قوم کے ماموم جاہل ہوتو کوئی ایسی بات نہیں۔خدا کرے کسی قوم کا امام جاہل نہ ہو۔!

عائشہ کا قصاص عثمان کیلئے گھر سے نکلنا بچند وجہ غلط ہے:

یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی شرعی ضرورت کیلئے مستورات کا گھر کی چاردیواری سے باپردہ باہر نکلنا جائز ہے اور آیت سے

اسکی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ہمارا یہ مدعا ہے۔ مگر جناب عائشہ کا قصاص عثمان کیلئے گھر سے باہر نکلنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا مؤلف نے جو اس خروج کو قصاصِ عثمان کی خاطر حج وعمرہ کی بجا آوری کی طرح ایک دینی ضرورت قرار دیا ہے۔ یہ بچند وجہ غلط ہے۔

وجہ اول:

کتب سیر وتواریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ قتل عثمان میں سب سے زیادہ حصہ انہی صاحبہ کا ہے۔ ذیل میں اس کے بعض شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ (الف) ابن سعد اور بلاذری نے لکھا ہے کہ جن دنوں عثمان محصور تھے ۔ عائشہ نے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔ عثمان نے مروان، زید بن ثابت اور عبدالرحمٰن بن عتاب کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ ان دنوں مدینہ سے باہر نہ جائیں۔ شاید اس طرح یہ مصیبت ٹل جائے مگر مروان کے بار بار اصرار کے باوجود جب عائشہ اپنا ارادہ بدلنے پر آمادہ نہ ہوئیں تو مروان یہ شعر پڑھتا ہوا واپس لوٹ آیا۔

وحرق قیس علیّ البلاد ☆ وحتی اذا ما استعرت اجذ ما

یعنی قیس نے میرے خلاف شہروں میں آگ لگا دی یہاں تک کہ جب وہ خوب بھڑک اٹھی تو خود بھاگ گیا (طبقات ابن سعد مترجم ج 5 ص 54 طبع کراچی)

(ب) بلاذری طبری، ابن ابی الحدید وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ عثمان نے عبداللہ بن عباس کو موسم حج کا افسر مقرر کر کے بھیجا۔ راستہ میں عائشہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ عائشہ نے ان سے کہا۔ ابن عباس! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ خدا نے تمہیں قوت تقریر بخشی ہے۔ تم لوگوں کو اس شخص (عثمان) کی مدد سے روکو اور ان سے روگردان کرو۔ اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ وہ مختلف شہروں سے سمٹ آئے ہیں۔ میں دیکھ آئی ہوں کہ طلحہ بن عبداللہ نے بیت المال اور خزانوں کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کر لی ہیں اگر وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے چچا کے بیٹے (ابوبکر) کی سیرت پر چلیں گے۔

(ج) مورخ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ منجملہ مخالفین عثمان کے ایک عائشہ بھی تھیں۔ وہ پیغمبرؐ کا موئے مبارک اور پیراہن اقدس نکال کر کہتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن او موئے مبارک ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے مگر تمہارا دین بوسیدہ ہو گیا ہے۔

(د) جناب عائشہ ہی تھیں جو بار بار یہ کہہ کر کہ **اقتلو انعثلاً فقد کفر** (نعثل کو قتل کرو کہ وہ کافر و فاجر ہو گیا ہے) لوگوں کو قتل عثمان پر ابھارتی تھیں (الامامۃ والسیاسۃ ص 48)

(ہ) ابومخنف طرق سے روایت کی ہے کہ جب مکہ میں عائشہ کو قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا ''بعدہ اللہ'' خدا سے غارت کرے۔ **ذالک بما قدمت یداہ وما اللہ بظلام للعبید**۔ یہ ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ خدا ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

ایک سوال کا جواب:

یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقعہ جناب عائشہ قتل عثمان پر نہ صرف راضی تھیں بلکہ لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارتی بھی رہتی تھیں تو پھر ان کے قصاص لینے کا کھڑاک کیوں کھڑا کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے جیسا کہ اوپر (ب) میں لکھا گیا ہے۔ عائشہ یہ چاہتی تھیں کہ عثمان کے بعد خلافت طلحہ کو ملے تا کہ اس طرح پھر خلافت تیمّ کے گھر آجائے۔ مگر جب ایسا نہ ہوا بلکہ قتل عثمان کے بعد لوگوں نے حضرت امیرؑ کی بیعت پر اتفاق کرلیا۔ اور عائشہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ تو پھر قصاص عثمان کا بہانہ بنا کر چاہا کہ اس سے اپنے مقصد کی تکمیل کی راہ ہموار کریں۔

چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ مکہ سے واپسی پر عائشہ جب مقام ''سرف'' میں پہنچیں تو وہاں عبداللہ بن ام کلاب سے ملاقات ہوئی۔ عائشہ نے اس سے مدینہ کا حال پوچھا۔ عبداللہ نے کہا۔ لوگوں نے عثمان کو قتل کر دیا۔ عائشہ نے کہا پھر کیا ہوا؟ عبداللہ نے کہا سب نے حضرت علیؑ کی خلافت پر اتفاق کرلیا ہے۔ عائشہ نے کہا۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پر پھٹ پڑے۔ مجھے واپس مکہ لے چلو۔ چنانچہ واپس مکہ جا کر کہا ''قتل و اللہ عثمان مظلوماً'' بخدا عثمان بحالتِ مظلومی قتل ہوا ہے۔ میں اسکا انتقام لوں گی عبداللہ ابن ام الکلاب نے کہا خدا کی قسم آپ ہی نے تو سب سے پہلے ان کے خلاف فضا مکدر کی اور کہا ''اقتلوا نعثلاً فقد کفر'' اور آج یہ نعرہ بلند کر رہی ہیں؟ عائشہ نے کہا میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے۔!

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

ابومخنف نے عائشہ کا جناب ام سلمہ کو قصاص عثمان کیلئے بصرہ ہمراہ چلنے پر آمادہ کرنے اور جناب ام سلمہ کے ان کو ٹکا سا جواب دینے کا تذکرہ کیا ہے کہ عائشہ! تم ہی تو تھیں جو لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتی تھیں اور ان کیلئے سوائے نعثل (بے وقوف بڈھا) کے اور کوئی نام نہ تھا اور پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسولخداؐ نے نزدیک علیؑ کی کیا قدر و منزلت تھی؟ (مذکورہ بالا تمام حقائق درج ذیل کتب میں موجود ہیں۔ طبقات ابن سعد ج5 ص25 طبع لیدن۔ کتاب الانساب ج5 ص5 وص 71، 191۔ الامامة والسیاسة ج1 ص 42، 46 وص 57۔ تاریخ طبری ج5 ص66، 140 وص106، 172۔ العقد الفرید ج2 ص 267، 272۔ تاریخ ابن عساکر ج7 ص319۔ تاریخ ابوالفداء ج1 ص172۔ نہایہ ابن اثیر ج4 ص166۔ سیرۃ حلبیہ ج3 ص314 وغیرہا) (بحوالہ الغدیر)

وجہ دوم:

سابقہ حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی شرعاً عائشہ کو قصاص عثمان کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ عائشہ عثمان کی نہ ولی تھیں نہ وارث۔ وہ بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ جبکہ عائشہ کا تعلق بنی تیمّ سے تھا اس لئے ان کو ان سے کوئی نسبت نہ تھی اور نہ کوئی

واسطہ جبکہ عثمان کی اپنی اولاد و برادری موجود تھی۔ لقد حسن قدح لیس منہا۔

وجہ سوم:

اگر سابقہ ہر دو وجہ سے بھی چشم پوشی کر لی جائے تاہم ایک عورت کو محاذ جنگ پر لشکر کی کمانڈاری کرنے اور ناحق لوگوں کا خون بہانے سے کیا واسطہ؟ مؤلف کا یہ عذر کس قدر پھسپھسا ہے کہ مومنوں کی ماں تھیں اور سب ان کے فرزند آیا اس عذر لنگ سے ایک ماں کے لشکر کی کمانڈاری کرنے اور اپنے بیٹوں کا خون ناحق بہانے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ ماں اس اعتبار سے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد امت کا کوئی آدمی ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ حجاب وغیرہ کی پابندی ختم ہو جائے اور ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر بالکل حقیقی ماں اور بیٹے والے احکام مترتب ہوں۔ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

وجہ چہارم:

اس جنگ کو دونوں فریق کی اجتہادی غلطی قرار دینا مؤلف کی ناصبیت کی بین دلیل ہے۔ ورنہ علمائے اہلسنت ہمیشہ سے غلطی کا شکار جناب عائشہ اور دیگر محاربین علیؑ کو قرار دیتے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح مواقف ص 745 طبع نولکشور۔ جناب رسولخدا کا بھی یہی فرمان ہے کہ **الحق مع علی و علی مع الحق** ہر حال میں حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہی۔ جناب امیرؑ خلیفہ وقت تھے۔ ہر شورش کا فرو کرنا اور ہر بغاوت کا کچلنا ان کے فرائض میں داخل تھا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی علیؑ دشمنی کی علامت ہے کہ عائشہ علیؑ کی ۔۔۔ ماں تھیں۔ اور ان کو ان سے نہیں لڑنا چاہیئے تھا، حضرت علیؑ بھلا کب لڑے تھے؟ انہوں نے تو صرف دفاع کیا تھا جو قانوناً اخلاقاً اور شرعاً ان کا حق تھا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتی!

وجہ پنجم:

یہ کہنا بھی خلاف واقع ہے کہ یہ جنگ عائشہ کی اجتہادی غلطی تھی۔ سب علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی نص موجود نہ ہو۔ مگر یہاں تو نصوص صریحہ وصحیحہ موجود ہیں کہ علیؑ سے جنگ کرنا رسولؐ سے جنگ کرنا ہے۔ ان سے جنگ کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ اور علیؑ سے جنگ خدا سے جنگ ہے۔ (صواعق محرقہ ص 238۔ ینابیع المودہ ص 70 وغیرہ) اور نص کے مقابلہ میں بالاتفاق اجتہاد ناجائز اور باطل ہے۔

عداوت عائشہ با علیؑ:

بعد ازیں اس جنگ کو عائشہ کی خطائے اجتہادی قرار دے کر اسکے وزر و وبال کو کم نہیں کیا جا سکتا بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ جنگ عائشہ کے حضرت علیؑ سے ذاتی بغض وعناد کا نتیجہ تھی اور عائشہ کی حضرت علیؑ سے عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ بڑے

بڑے عظیم القدر علمائے اہلسنت نے اس تلخ حقیقت کا اقرار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری شرح بخاری پ 3 ص 372 باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ بخاری مع شرح تسہیل القاری پ 3 ص 538، 587۔تاریخ طبری ج 3 ص 191۔عمدۃ القاری ج 2 ص 720 اور الامامۃ والسیاسۃ ص 38 ارشاد الباری شرح بخاری ج 6 ص 32 وغیرہ اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ عائشہ حضرت کا نام لینا گوارا نہ کرتی تھیں (مذکورہ بالا حوالہ جات) یہ درست ہے کہ عائشہ کی شکست کے بعد حضرت امیرؑ نے اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت ونجابت کا ثبوت دیتے ہوئے عزت کے ساتھ انہیں مدینہ پہنچایا۔مگر یہ کہنا بالکل بے دلیل ہے کہ ''دلی صفائی ہوگئی تھی'' ''قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ''حضرت خاتون قیامت کے عمر سے دست بگریباں ہونے کا واقعہ بالکل بے بنیاد ہے اور دروغ بے فروغ دوسرے جن مقامات پر جناب خاتون جنت کے بیت الشرف سے باہر آنے کے واقعات مؤلف نے شمار کئے ہیں ان میں شرعی ضرورت کے تحت اس معظّمہ کا بیت العصمت سے باہر قدم رکھنا جائز تھا۔مگر عائشہ کے خروج کا اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کا عدم جواز مسلم ہے۔

تیسرے طعن کا جواب الجواب:

تیسرے طعن کا مؤلف نے جو جواب دیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور یہ محض قیاس بے اساس ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں جن مکانوں میں رہتی تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کا مالک بنا دیا تھا۔

؎ نکفتہ کسے باتو دارد نہ کار ☆ ولیکن چوں گفتنی دلیلش بیار!

الگ الگ مکانات میں ٹھہرانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ مکان ان کی ملکیت بھی قرار دے دیئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی آیت وقرن فی بیوتکن سے استدلال بھی درست نہیں یہ نسبت مجازی ہے۔اسی قرآن کی دوسری آیت سے بالصراحت ثابت ہے کہ یہ سب مکانات آنحضرت ﷺ کی ملکیت تھے۔ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (الاحزاب آیت 53) اے ایمان والو! جب تک اجازت نہ مل جائے۔ نبی کے گھروں میں مت داخل ہوا کرو! لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس حجرہ کو آٹھویں حصہ میں سے نواں حصہ عائشہ کا تھا اور اتنی مقدار میں دو آدمی تو کجا ایک بھی دفن نہیں ہوسکتا تھا۔لہٰذا ان کا یہ اقدام شرعی نقطہ نظر سے ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ یہ شعر ابن عباس کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے عائشہ کو خطاب کر کے کہا تھا۔

؎ لک التسع من الثمن و بالکل تصرفت ☆ تجملت تبغلت و لو عشت تفیت

اے عائشہ! تیرا (آنحضرت ﷺ کی املاک سے) آٹھویں حصہ میں سے نواں حصہ تھا (باقی سات حصے دختر رسولؐ کے تھے اور 1/8 میں نو بیبیاں شریک تھیں) مگر تو نے تمام پر قبضہ جمالیا تو اونٹ پر سوار ہوئی۔ خچر پر بھی ہوئی اور اگر زندہ رہی تو اب ہاتھی پر بھی سواری کرے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ شیخین کی یہ تدفین غصبی جگہ پر عمل میں آئی ہے۔ جو فعل حرام ہے۔

عائشہ کے ایما پر جنازہ حسنؑ پر تیر چلنا:

مؤلف نے اس حجرہ کی ملکیت عائشہ ہونے پر اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ امام حسنؑ نے اسمیں دفن ہونے کیلئے ان سے اجازت طلب کی تھی۔ یہ استدلال بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً تو شیعہ کتب معتبرہ میں اس اجازت طلب کرنے کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔ ہاں بعض کتب اہلسنت میں اس کا تذکرہ ہے جو ہمارے لئے حجت نہیں۔ ثانیاً مؤلف یہ ہضم کر گئے کہ بالآخر عائشہ نے جنازہ امام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

روضۃ الصفاج 3 ص 7،6 طبع نولکشور میں ہے کہ عائشہ صاحبہ نے خچر پر سوار ہو کر امام حسنؑ کے جنازہ کو روکا اور حجرہ میں دفن سے مانع ہوئیں۔ اس پر شیعیان علیؑ نے شور مچایا کہ تو بقول ابن عباس کبھی اونٹ پر سوار ہوتی ہے اور کبھی خچر اور اگر زندہ رہی تو اب ہاتھی پر بھی سوار ہوگی۔ اس طرح تذکرہ خواص الامامہ ص 123 روض المناظر تالیف شیخ محبّ الدین ابی الولید المعروف با بن شحنہ حنفی ص 118 پر "وفی سنۃ تسع و ثلاثین" کے تحت پر لکھا ہے "فمنعت من ذلک عائشہ رضی اللہ عنہا" یعنی عائشہ نے امام حسنؑ کو دفن ہونے سے روکا۔ خواجہ حسن نظامی نے اپنے رسالہ محرم نامہ میں لکھا ہے "اور ان کے ساتھیوں نے حضرت حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے جس سے جنازہ چھلنی ہوگیا اور مجبور ہو کر حضرت حسنؑ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا" باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے؟ مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور ہے اور مؤمنہ ہونا اور!

اسی طرح جس بات کے متعلق خدا نے ان کی بریت دی۔ شیعوں نے کبھی بھول کر بھی اس چیز کی نسبت جناب عائشہ کی طرف نہیں دی۔ ہم یہ بات دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ قذف (تہمت زنا) لگانے والے جن کو بقول مؤلف خدا نے عتاب کیا۔ کون تھے؟ آیا وہ شیعیان حیدر کرار تھے؟ جن پر مؤلف بہت غیظ وغضب فرماتے ہیں۔ یا صحابہ رسولؐ مقبول تھے۔ جن پر جناب موصوف کی بہت ہی نظر عنایت ہے؟ اور اگر وہ صحابہ ہی تھے (اور یقیناً صحابہ تھے) تو جو شخص زوجہ رسولؐ پر تہمت زنا لگائے اور خدا اس کو عتاب کرے اور رسولؐ اس پر حد قذف جاری فرمائیں وہ بھی "عادل" ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں (اور یقیناً نہیں) تو پھر "الصحابۃ کلھم عدول" کا خود ساختہ نظریہ اہلسنت کہاں تک درست ہے؟ عائشہ پر اتہام آپ کے صحابہ لگائیں اور آپ الزام دیں شیعوں کو کہ وہ ان کا احترام نہیں کرتے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی ؟

حضرت امیر معاویہ:

شیعہ صاحبان حضرت معاویہ کو بہت کوستے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جناب امیرؑ سے جنگ کی اس کا جواب پہلے دیا جاچکا

ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا وہ باہم جدی بھائی تھے اصحاب رسولؐ تھے۔ حضرت امیر معاویہ کاتب وحی بھی تھے۔ حضورؐ کے سالے بھی تھے آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پر ہوا آپ کو برا کہنا اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنا ہے۔ حضرت یوسفؑ پر ان کے بھائیوں نے کس قدر مظالم توڑے۔۔لیکن آخر یوسفؑ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔ ایسا ہی یہ واقعہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا ہے۔ سو آپ نے ایک گشتی چھٹی بدست خاص تحریر فرما کر مختلف بلاد میں شائع کی تھی۔ جو نہج البلاغہ مطبوع طہران ص 502 میں ہے۔ درج کی جاتی ہے۔۔ بحذف عربی (ترجمہ) ''ہمارے معاملہ کی ابتدا یوں ہے کہ ہماری اور اہل شام کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہم دونوں فریق کا ایک خدا اور ایک رسولؐ ہے اور ہمارا اسلام میں بھی دعویٰ ایک رہا ہے۔ ہم ان سے دوبارہ اعتقادات توحید ورسالت کچھ زیادتی نہیں چاہتے اور نہ اس بارہ میں وہ ہم سے کچھ زیادتی کے طالب ہیں بات ایک ہی ہے۔ اختلاف صرف خون عثمان کے متعلق تھا حالانکہ ہم اس الزام سے بری ہیں''۔ حضرت امیر علیہ الرضوان کا یہ مکتوب امر متنازعہ کے متعلق ایک قاطع النزاع صریح فیصلہ ہے۔۔۔ کہ اسلام کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ اعتقادات میں بھی کوئی نزاع نہیں۔۔۔ صرف یہ اختلاف تھا کہ انہوں نے اپنے خیال میں حضرت عثمان کے قتل کا ذمہ دار ہمیں قرار دیا۔۔ جناب امیرؑ جن سے جنگ ہوئی وہ تو تمام اسلامی عقائد میں امیر معاویہ کو اپنے جیسا مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن شیعہ صاحبان برخلاف فیصلہ جناب امیرؑ ان کو کافر و منافق قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ معاذ اللہ فاسق ومنافق ہوتے تو حضرت امام حسنؑ ہرگز ان کی بیعت نہ کرتے۔ بلکہ تلوار اٹھا کر ان سے مقابلہ کرتے جیسا کہ بعد میں امام حسینؑ نے یزید لعین سے کیا۔۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

ابتدائے آفرینش سے لے کر زمان نبوت محمدیہ تک جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام اور برگزیدہ ہستیاں دنیا کی ہدایت کے لئے تشریف لائیں۔ ان مقدس ہستیوں کو مطعون کیا گیا۔۔ تاجدار مدینہ۔۔۔ کو ساحر کہا گیا۔۔۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود اللہ جل جلالہ پر بھی اعتراض کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں صحابہ کرام۔۔ کی مبارک ہستیاں ہیں کہ ایک گروہ نے ان کو بھی برا کہا۔۔۔ حالانکہ صحابہ کرام کو خداوند قدوس نے جو فضیلت بخشی اور سرکار دو عالم نے ان کی جو عزت کی اور تعریف فرمائی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق دفتر کا دفتر موجود ہے۔۔ اوروں سے ہمیں کیا شکوہ خود ہمارے یہاں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جو بظاہر سنی حنفی اپنے کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا مجازی شعار یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فاسق و فاجر تھے۔۔۔ ہمارے دیار میں بھی ایسے نام نہاد سنی حنفی جماعت کا وجود پیدا ہو چلا ہے۔۔۔ وہ مقدس

ہستیاں جن کی شان میں تمام امت کا اتفاق ہوالصحابۃ کلھم عدول ۔۔۔جن کے فضائل میں احادیث نبویہ کا خانہ معمور ہوااور قرآن کریم جن کے ایمان ۔۔ پر شاہد عدل ہو۔ کیسے ان کی تفسیق کی جائے؟ غوث الثقلین (حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ) سے منقول ہے کہ اگر حضرت امیر معاویہ کے رہگذر میں بیٹھوں اور آپ کے گھوڑے کا سم کا غبار میرے اوپر پڑ جائے تو میں اس کو باعث نجات خیال کروں ۔۔۔ امام ہمام عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز ۔۔۔ تو جواب دیا۔ خدا کی قسم وہ غبار جو حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گھسا ہے عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجہ افضل ہے۔ تقریب التہذیب میں ہے۔ **معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و کتب الوحی** (حضرت معاویہ بن ابوسفیان خلیفہ صحابی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور آپ نے وحی لکھی) علامہ صفی الدین اپنی کتاب خلاصہ میں تحریر فرماتے ہی ۔۔ امیر معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے اور آپ سے 130 حدیثیں روایت کی گئی ہیں تاریخ میں ہے کہ حضرت معاویہ نے 163 حدیثیں روایت کی ہیں اور آپ سے بہت سے صحابہ مثلاً ابن عباس، ابن عمر ۔۔۔ اور تابعین مثلاً ابن المسیب، حمید بن عبدالرحمٰن وغیرہم نے روایت کی ہے۔ آپ ہوشیاری دانائی اور بردباری میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں۔ آپ کا حلم ضرب المثل ہے۔ آپ کی طرف عمر دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ نیز حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ معاویہ کو برا نہ سمجھو۔ جس وقت یہ تمہارے درمیان سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سرتن سے جدا کئے جائیں گے ۔۔ حافظ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں ارقام فرماتے ہیں ۔۔ کہ حضرت امیر معاویہ بیس سال شام کے ولی رہے اور بیس سال مالک رہے اور حلیم و کریم تھے۔ اور بہت مدبر و منظم تھے۔ عقلمند تھے اور امیر ہونے کے لائق اور سرداری کیلئے کامل تھے حضرت امیر معاویہ بہت بڑے مجتہد تھے۔ اگر ان کی شان فقاہت اور اجتہاد بھی ملاحظہ فرمانا ہو تو بخاری اور مشکوٰۃ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ امیر ۔۔۔ معاویہ وتر میں ایک رکعت پڑھتے ہیں تو ابن عباس نے فرمایا **اصاب انہ فقیہ** کہ معاویہ صائب الرائے شخص اور فقیہہ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے **دعہ انہ صحب النبیﷺ** یعنی معاویہ کو کچھ نہ کہو وہ تو حضورؐ کے صحابی ہیں۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے معاویہ کو حج کے سال میں عاشورہ کے دن منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اہل مدینہ کہاں ہیں تمہارے علماء میں نے رسولؐ اقدس کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشورہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا۔ البتہ میں روزہ دار ہوں بس جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے۔ حضرات! اس طرح مجمع عام میں تمام علماء کو دعوت دے کر حکم شرعی بیان کرنا مجتہدین کی شان ہے مادشا کا کام نہیں ہے۔ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور امیر معاویہ میں جو کچھ ہوا یا اور جتنے واقعات مابین صحابہ اس قسم کے واقع ہوئے وہ

محض خطائے اجتہادی پر مبنی تھے۔۔۔نہ بغض وعناد کی وجہ سے بالخصوص جبکہ ان تینوں میں صلح واقع ہوگئی۔جیسا کہ تمہید شرح عقائد میں ہے **لا لجور اللعن علی معاویہ** (بحذف عربی) یعنی حضرت معاویہ پر لعن جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؑ نے ان سے صلح کر لی تھی۔۔حضرت حسنؑ نے بھی مصالحت فرمائی تھی۔۔اگر حضرت امیر معاویہ لعن کے مستحق ہوتے تو البتہ ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔(ایسے ہی مزید دو حوالے انوار اور شرح مسلم نودی سے دیئے گئے ہیں۔رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہمارے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو خاموش ہو جاؤ اور اس لئے مجال دم زدنی نہیں (بیان الامراء ص 185) حضرت معاویہ کی طرف سے حضرت حسنؑ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا (بیان الامراء ص 288) کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے۔۔اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے جیسا کہ علامہ نوری اور علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں (بحذف عربی) (ترجمہ) اور بہر حال وہ لڑائیاں جو مابین صحابہ واقع ہوئیں۔پس ہر گروہ کیلئے شبہ تھا۔جس کے سبب سے ہر شخص نے اپنے کو حق پر سمجھا اور سب کے سب عادل ہیں اور اپنے حروب وغیرہ میں متاول ہیں اور ان اشیاء میں سے کوئی شئی عدالت سے ان کو نہیں نکالتی اس واسطے کہ صحابہ مجتہد ہیں۔حضور سرور کائنات امیر معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں: **اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیا و اھد بہ** رواۃ الترمذی مشکوۃ ص 571۔۔۔اے اللہ! امیر معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا بنادے اور معاویہ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔۔علامہ طیبی فرماتے ہیں۔۔۔(ترجمہ) اس بات میں شک نہیں کہ جو دعا رسول اکرمؐ نے حضرت معاویہ کیلئے فرمائی وہ عند اللہ مقبول ہے۔

حضرت معاویہ کے نجی حالات:

صاحب مظاہر حق بھی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کاتب وحی تھے اور بعض نے کہا کہ کاتب وحی نہیں بلکہ حضورؐ کے خطوط نویس تھے اور حضرت عمر کے زمانہ میں شام کے حاکم ہوئے اور بیس سال تک حکومت کی اور اٹھہتر سال کی عمر میں رحلت فرمائی آپ کے پاس رسولؐ کا تہمند اور چادر اور قمیض تھی اور کچھ حضورؐ کے موئے مبارک اور ناخن تھے۔۔۔عرباض بن سادیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ الٰہی معاویہ کو حساب کتاب سکھادے اور اپنے عذاب سے ان کو بچالے۔خود حضرت معاویہ نے کہا مجھے خلافت کی اس وقت سے امید تھی جس وقت سے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ معاویہ جب تو بادشاہ ہوجائے لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا (بیان الامراء ص 207،208) چنانچہ وہ حتی الوسع لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ پیش آئے۔حضرت معاویہ کو برا کہنے والا حضورؐ کے مبارک ارشاد **و لا تسبو اصحابی** (مسلم) اور حدیث **اذا رئیتم الذین یسبون اصحابی فقولو العنۃ اللہ علی شکرکم** (ترمذی) سب صحابہ حرام ہے علامہ نودی فرماتے ہیں **و اعلم ان سب الصحابۃ حرام**۔۔اور جان لو کہ حرام ہے

صحابہ کو گالی دینا۔فواحش محرمات میں سے ۔۔ چاہے وہ صحابہ ہوں جو فتنہ میں ملابس ہوئے (جیسے حضرت امیر معاویہ) کیونکہ وہ باہمی جنگوں میں مجتہد اور متاول ہیں اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس (صحابہ کو گالیاں دینے والے ناقل) کی تعزیر دی جائے اور قتل نہ کیا جائے اور بعض مالکیہ نے فرمایا کی قتل کیا جائے۔(نودی ص 310) علماء کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں **ویکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر** (شرح عقائد ص 116) یعنی صحابہؓ کے ذکر سے روکا جائے مگر خیر کے ساتھ۔ **و لذا ذھب جمھور العلماء الی ان الصحابۃ کلھم عدول قبل فتنۃ عثمان و علی و کذا بعدھا** ۔۔علامہ نسفی بھی اس متن کی شرح میں فرماتے ہیں **و بالجملۃ لم تنفقل عن السلف المجتھدین و العلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویۃ و احزابہ** (شرح عقائد ص 116) الحاصل سلف مجتہدین اور علماء صالحین سے حضرت معاویہ اور ان کے شرکاء پر جواز لعن منقول نہیں ہے۔لہٰذا محقق ہوگیا کہ علماء اہلسنت والجماعت کے نزدیک حضرت معاویہ کو فاسق کہنا یا ان پر لعن طعن کو جائز قرار دینا بدعت ہے۔۔(آفتاب از ص 290 تا 297)

الجواب:

ے نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر ☆ اب جگر تھام کے بیٹھو کہ مری باری آئی

کس قدر ستم ظریفی اور ناحق کوشی ہے کہ سواد اعظم کے پہلے خلیفہ کے دور میں جن بعض مسلمانوں نے ان کو زکوۃ دینے سے انکار کیا۔ان پر بغاوت کا الزام عائد کر کے ان کے خلاف لشکر کشی کی گئی۔مردوں کو قتل اور عورتوں کو کنیزیں بنالیا گیا۔اور آج تک مسلمانوں نے ان کو معاف نہیں کیا لیکن وہ معاویہ بن ابوسفیان جس نے انہی مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد کے خلاف نہ صرف یہ کہ علم بغاوت بلند کیا۔ بلکہ ہزار ہا اہل ایمان کا خون ناحق بھی بہایا۔یزید پلید جیسے بدکردار کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔ولد الزنا زیاد کو اپنا بھائی بنایا وغیرہ وغیرہ وغیرہ اس کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جارہا ہے۔اس کی تائید میں طومار کے طومار سیاہ کئے جارہے ہیں۔اس کی بریت میں مستقل کتابیں لکھی جارہی ہیں اور مضامین شائع کئے جارہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز برابر جاری وساری ہے یا للعجب۔۔

ع تفو بر تو اے چرخِ گر دوں تفو

آفتاب ہدایت میں معاویہ کی حمایت میں جو طویل وعریض مضمون النجم لکھنو سے نقل کیا گیا ہے اگر چہ اصول مناظرہ کی رو سے اسکی جوابدہی ہم پر عائد نہیں ہوتی۔کیونکہ وہ تمام تر کتب اہلسنت کے حوالہ جات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے جو شاید ان حنفی مسلمانوں کے لئے تو سند ہوسکتا ہے جو بقول مضمون نگار کے سنی حنفی کہلا کر بھی معاویہ کو برا بھلا کہتے ہیں (اور شاید یہ مضمون لکھا بھی انہی کے اصلاح کیلئے گیا ہے۔جسے غلطی سے یہاں شیعوں کے بالمقابل نقل کر دیا گیا ہے) مگر وہ شیعیان حیدر کرارؑ کیخلاف ہرگز حجت وسند

نہیں ہوسکتا اور جب تک معاویہ کی مدح یا اس کی بریت کے سلسلہ میں شیعہ کتب معتبرہ کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس وقت تک ایسے مضامین کی جوابدہی کا فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ محض تبرکاً ہم اس کا جواب پیش کر کے اس کے مندرجات کا تار و پود بکھیرتے ہیں اور معاویہ کے حقیقی خدوخال سے اپنے قارئین کرام کو روشناس کراتے ہیں اور اصول مناظرہ کے مطابق سب حوالہ جات بھی کتب اہلسنت سے پیش کریں گے اس مضمون میں سب سے زیادہ زور ان باتوں پر دیا گیا ہے۔

(1) معاویہ صحابی ہے اور صحابیوں کے معاملہ میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔

(2) حضرت علیؑ و معاویہ کے مابین جو جنگیں واقع ہوئیں وہ خطائیں اجتہادی کا نتیجہ نہیں۔

(3) آخر میں معاویہ کی جناب امیرؑ اور امام حسنؑ سے صلح ہوگئی تھی۔

(4) ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ان تمام امور پر تبصرہ کر کے حق و حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔

معاویہ کی صحابیت پر تبصرہ:

جہاں تک صحبت رسول کا تعلق ہے لاریب یہ ایک بہت بڑا شرف ہے مگر (جیسا کہ ہم قبل مناسب مقام پر اس پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جسے بھی چند روز صحبت رسولؐ میں بیٹھنے کا اتفاق ہو جائے وہ معصوم عن الخطا اور اس طرح مرفوع القلم ہو جاتا ہے کہ اس سے شرعی مواخذہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق گناہ و ثواب کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ ہم مقام مذکور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ جماعت صحابہ میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ دیندار بھی۔ دنیا دار بھی۔ صالح بھی۔ طالح بھی۔ مومن بھی۔ غیر مومن بھی۔ عادل بھی۔ اور فاسق بھی ظالم بھی۔ مظلوم بھی حتیٰ کہ قاتل بھی اور مقتول بھی۔ الغرض یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ اس چند روزہ صحبت سے ان کی بشری کمزوریاں سلب نہیں ہوگئیں تھیں کیونکہ

ے ہر کہ روئے بہبود نداشت ☆ دیدنِ روئے نبیؐ سود نداشت

یقیناً صحبت رسولؐ ایک بہت بڑا اعزاز اور شرف ہے مگر اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں کچھ حقوق صحبت ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے گا اور پھر انہیں ادا بھی کرے گا وہ لائق صد احترام و اکرام ہوگا۔ مگر جو شخص ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا تو بجائے خود محسوس بھی نہ کرے اور کسی بھی دینی و دنیوی قدر و منزلت کا حامل اور کسی بھی تکریم و تعظیم کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ بد قسمتی سے معاویہ کا شمار اسی آخری قسم میں ہوتا ہے جس نے صحبت رسولؐ کے تمام حقوق اور سب تقاضوں کو ہمیشہ پامال کیا۔ چنانچہ حضرت علامہ وحید الزمان (مترجم صحاح ستہ) اپنی مشہور کتاب انوار اللغتہ پ 14 ص 9،10 مطبوعہ بنگلور پر معاویہ کی صحابیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہم اہلسنت و جماعت معاویہ اور عمرو بن عاص اور حجاج وغیرھم کی تکفیر نہیں کرتے نہ ان پر لعنت کرنا بہتر جانتے ہیں۔ بلکہ ان کو ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن عاص کو صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے لفظ صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا جیسے بی بی ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا بعض اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے'' یہی علامہ وحید الزمان اسی کتاب کے پ 16 ص 25 پر تحریر فرماتے ہیں ''واللہ لو د معاویه انه ما بقی من بنی هاشم نافخ مزمة الا طعن فی نیطه'' قسم خدا (یہ حضرت علیؑ نے فرمایا) معاویہ یہ چاہتا ہے کہ ہاشم کی اولاد میں سے کوئی آگ پھونکنے والا تک نہ رہے مگر وہ اس کا دل چھید ڈالے (اس کو مار ڈالے) معاویہ کا اصل مطلب حضرت علیؑ نے قسم کھا کر بیان فرمایا جو شخص خاندان رسالت کا ایسا دشمن ہو کہ سارے خاندان کو فنا و برباد کرنا چاہتا ہو کیا اس کا صحابی ہونا کچھ کام آسکتا ہے؟ لا واللہ کلا واللہ۔

بہر کیف معیار حق قرآن و سنت ہے اسی پر ہر شخص کو جانچا جائے گا۔ غلطی بہر حال غلطی ہے۔ خواہ کوئی عام آدمی کرے اور خواہ کوئی ''حضرت صاحب'' کرے۔ کوئی ''رحمۃ اللہ'' کرے یا کوئی ''رضی اللہ'' کرے۔ کسی شخص کی شخصیت سے مرعوب ہو کر حق کے پیمانے بدلنا اسلامی شیوہ وشعار اور اہل حق کا طریقہ کار نہیں ہے لا انه یعرف الرجال بالحق و لا یعرف الحق بالرجال۔

خطائے اجتہادی کی سپر اور اس کی کمزوری کی وجوہ:

برادران اہلسنت نے بخیال خویش بعض صحابہ کی گرتی ہوئی پوزیشن کو سہارا دینے کیلئے ایک سپر تیار کر رکھی ہے۔ جس کا نام ہے۔ ''خطائے اجتہادی'' جب بھی کسی شخص نے کسی صحابی کی صریح غلطی کا تذکرہ کیا تو جھٹ انہوں نے ''خطائے اجتہادی'' کا سہارا لیا۔ پھر ان کا اصول یہ ہے کہ مجتہد مصیب کو دوہرا اور مخطی کو اکہرا ثواب ملتا ہے کیا خوب

ع وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا۔۔؟

عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ یہ سپر تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اول:

الصحابة کلهم مجتهدون۔ قرآن و حدیث کی کوئی نص نہیں بلکہ ''الصحابة کلهم عدول'' کی علماء کو خود ساختہ مقولہ ہے جو محققین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوم:

اجتہاد کیا ہے؟ آنکھوں کا تیل نکالنا اور لوہے کے چنے چبانا۔ یہ اتنا سستا مال نہیں کہ ہر شخص مفت میں اسے حاصل کر سکے نہ

اجتہاد پڑا ایسے ارزاں پڑا بکتا ہے جو اس طرح رائیگاں اور مفت ہاتھ آجائے۔ اگر تمام صحابہ مجتہد ہوتے اور ان کے ہر ہر قول و فعل پر اجتہاد کا اطلاق ہو سکتا۔ تو خود پیغمبر اسلامؐ اپنے بعض صحابہ پر شرعی حدود جاری نہ فرماتے اور قرآن اور دفتر حدیث ان کے کارہائے زشت کی مذمت سے لبریز نظر آتے۔ حالانکہ بعض صحابہ پر قذف (تہمت زنا لگانے) بعض پر چوری کرنے اور بعض پر شراب خواری جیسے سنگین جرائم کے ارتکاب کرنے پر آنحضرت ﷺ نے حدود جاری فرمائے ہیں (سرور عزیزی ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج1 ص243 وغیرہ)

وجہ سوم:

یہ بھی تو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اجتہاد کا محل و مقام کیا ہے؟ باتفاق تمام اہل اسلام اجتہاد وہاں ہوتا ہے۔ جہاں قرآن و حدیث کا کوئی صریح نص موجود نہ ہو لہٰذا جہاں نص موجود ہے وہاں خدا اور رسولؐ کے حکم کے بالمقابل اگر کوئی شخص اجتہاد کرے گا تو اس کا اجتہاد باطل متصور ہوگا۔ اور جب حضرت علی علیہ السلام کے متعلق پیغمبر اسلامؐ کے نصوص صریحہ وصحیحہ موجود ہیں کہ علیؑ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے اور علیؑ سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ تو ان کے بالمقابل معاویہ یا کسی اور شخص کے اجتہاد کا کیا مقام یا کیا وزن ہو سکتا ہے؟

وجہ چہارم معاویہ مجتہد نہیں ہے:

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ معاویہ مجتہد ہے یا نہیں؟ سو مخفی نہ رہے کہ برادران اہلسنت کے تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ مجتہد نہیں ہے۔ ذیل میں اطمینان قلب کی خاطر چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) بحر العلوم کے والد نے ''الصبح الصادق'' میں لکھا ہے و معاویۃ و نحوہ لیس مجتھدا معاویہ اور اس جیسے لوگ مجتہد نہیں ہیں (از ماہیہ معاویہ ص35)

(2) شاہ عبدالعزیز ی دہلوی فتاویٰ عزیزی ج1 ص103 طبع مجتبائی دہلی پر معاویہ وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں ''پس ہر کہ اجتہاد ایشاں را نفی کند درست است زیرا کہ در حضور آنحضرتؐ ایشاں را آں مرتبہ حاصل نبود۔ آنحضرتؐ در ہیچ مسئلہ برصحبتِ اجتہاد معاویہ حکم نفرمودہ اندتا اجتہاد ایشاں معتبرہ و مفتی بہ تواند شد'' ''یعنی جو شخص ان کے اجتہاد کی نفی کرتا ہے۔ وہ درست کرتا ہے کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ کے حضور میں اجتہاد کا درجہ حاصل نہ تھا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ نے کبھی ان کے کسی اجتہاد کی تصدیق فرمائی تھی تاکہ ان کا اجتہاد معتبر اور مفتی بہ ہو سکے۔''

(3) کتاب الروضۃ الندیۃ للصدیق حسن خان ص413 پر لکھا ہے۔ ''معاویہ ان جنگوں میں مجتہد نہ تھا۔ بلکہ ظالم باغی تھا''

(4) نواب صدیق حسن خان اپنی دوسری تصنیف بغیۃ الرائد فی شرح العقائد ص67 طبع بھوپال میں لکھتے ہیں: ''وا ینکہ کہ

گویند خطائے اجتہادی بود پسند خاطر انصاف پسندان نیست''''یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کی خطا اجتہادی تھی یہ بات اہل انصاف کو پسند نہیں ہے'' انہی چار معتبر شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ

؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

مشاجرات صحابہ پر علماء اہلسنت کے بے لاگ تبصرے:

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ معاویہ نے جناب امیرؑ کے ساتھ جو جنگ وجدل کیا وہ ہوس اقتدار وجذبہ ملک گیری کے تحت کیا اور جان بوجھ کر خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے اسے کسی طرح بھی خطائے اجتہادی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اولاً تو معاویہ مجتہد ہی نہیں اور ثانیاً بنا بر تسلیم اجتہاد یہاں اجتہاد کا کوئی محل نہیں ہے۔ کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت بالنص ثابت ہے۔ نیز صحیح فرمان رسولؐ کی روشنی میں علیؑ سے جنگ کرنا خود رسولؐ اسلام سے جنگ کرنے کے مترادف ہے (ترمذی، مشکوۃ، مسند احمد وغیرہ) یہی وجہ ہے۔ اکثر منصف مزاج علماء اہلسنت اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہ جنگیں نفسانیت اور حب جاہ طلب ریاست کے فاسد جذبہ سے خالی نہ تھیں۔ چنانچہ علامہ تفتازانی اپنی مشہور تصنیف شرح مقاصد ج 2 ص 306 طبع اسلامبول پر لکھتے ہیں۔''انما وقع بین الصحابة من المحار بات والمشا جرات علی الو جه المسطور فی کتب التواریخ المذ کور علی السنة الثقاة یدل بظاهره علی ان بعضهم قد حاد عن طریق الحق و بلغ حد الظلم والفسق ''یعنی صحابہ رسولؐ کے درمیان جو جنگ وجدال اور قتل وقتال واقع ہوئے جیسا کہ کتب تواریخ میں مسطور اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پر مذکور ہیں وہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض جادہ حق سے ہٹ گئے اور ظلم وجور وفسق وفجور کی حد تک پہنچ گئے۔۔۔

(2) علامہ شوکانی اپنی کتب وبل الغمام میں تحریر فرماتے ہیں (علی ما نقل عنه فی اکلیل الکرامة۔نواب صدیق حسن خان ص 12)''لا شک ولا شبهة ان الحق بید علی فی جمیع موا طنه اما طلحة الزبیر و من معهم فلا نهم کانوا با یعوه فنکثوا ببعیته بغیاً علیه فو جب علیه قتالهم و اما قتاله للخوا رج فلا ریب فی ذالک و اما اهل الصفین فبغیهم ظاهر و لو لم یکن فی ذالک الا قوله صلی اللہ علیه وسلّم لعمار تقتلک الفئة الباغیة لکان ذالک مفیداً للمطلوب ثم لیس معاویة من یصلح لعمار ضته و لکنه اراد طلب الریاسة و الدنیا بین اقوام اغنام لا یعرفون معروفاً و لا ینکرون منکراً فخارعهم بانه طالب بدم عثمان فنفق ذالک علیهم و بذلوا بین یدیه و مائهم و اموالهم و نصحوا اله الخ''یعنی بلاشک وشبہ تمام لڑائیوں میں حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ (جنگ جمل میں) طلحہ وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے پہلے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی پھر اسے توڑ ڈالا۔ اس لئے حضرت علیؑ پر ان کے ساتھ لڑنا واجب تھا۔ جہاں تک (نہروان کے) خوارج کا تعلق ہے۔ ان کے ساتھ جنگ کے جواز میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔ باقی رہی اہل صفین (معاویہ وغیرہ) تو ان کی بغاوت بھی ظاہر ہے۔ اگر اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام کا صرف

یہی ایک ارشاد موجود ہوتا جو حضورؐ نے عمارؓ سے فرمایا تھا کہ "تجھے باغی گروہ قتل[1] کرے گا تو مدعا کے اثبات کیلئے کافی تھا پھر یہ بھی تو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ معاویہ۔ علیؑ کی مخالفت کرنے کی اہلیت بھی کب رکھتا تھا؟ لیکن اس نے سرداری اور دنیاداری طلب کرنے کے ارادہ سے ایسے بھیڑ چال لوگوں کو آلہ کار بنایا جو بالکل بے وقوف تھے اور معروف ومنکر کو نہیں پہچانتے تھے۔ معاویہ نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا کہ وہ عثمان کا قصاص لینا چاہتا ہے۔ اس کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے معاویہ کیلئے جان و مال کی قربانیاں دیں اور اس کے سچے خیرخواہ بن کر اس کی مطلب برآری کرتے رہے"

(3) شاہ عبدالعزیز دہلوی عزیزی ج 1 ص 193 طبع مجتبائی دہلی پر فرماتے ہیں: "علمائے ماوراء النهور ومفسرین وفقہاء ایں ہمہ حرکات و جنگ وجدل اور ابا جناب مرتضیٰ علی حمل برخطائے اجتہادی دارند ومحققین اہل حدیث بعد تتبع روایات صحیحہ دریافتہ اند کہ ایں حرکات خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ وقریشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبودہ است پس نہایت کارش این است کہ مرتکب کبیرہ و باغی باشد و الفاسق لیس باهل اللعن" "یعنی علماء ماوراء النہر، مفسرین اور فقہا کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے حرکات جنگ وجدل جو حضرت مرتضیٰ علیؑ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بنا پر تھیں مگر محققین اہل حدیث نے روایات صحیحہ کے تتبع وتلاش کے بعد جو کچھ دریافت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے اور اس تہمت سے خالی نہ تھے کہ جناب ذی النورین (عثمان) کے معاملہ میں جو تعصب امویہ وقریشیہ میں تھا۔ اس کی وجہ سے یہ حرکات معاویہ سے وقوع میں آئے (معاویہ کے حق میں) زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسے گناہ کبیرہ اور بغاوت کا مرتکب قرار دیا جائے اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہے" شاہ صاحب موصوف نے ایسا ہی افادہ اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مترجم اردو ص 285 پر فرمایا ہے۔ فراجع۔

(4) نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب بغیۃ الرائد میں تحریر فرماتے ہیں "وہرچہ از مخالفات ومحاربات واقع شد از طرف معاویہ شد جنگ او خالی از حمیت ونفسیانیت نیست و اینکہ گویند خطائے اجتہادی بود پسند خاطر انصاف پسند نیست" "یعنی حضرت علیؑ کے ساتھ معاویہ نے جو لڑائیاں لڑی ہیں وہ تعصب اور نفسانیت کے جذبہ سے خالی نہ تھیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ خطائے اجتہادی تھی۔ یہ بات اہل انصاف کو پسند نہیں ہے۔"

(5) شرح مواقف جزء ثامن ص 374 طبع اول مطبع السعادۃ مصر (جو کہ اہلسنت کے عقائد کی مشہور ومستند کتاب ہے) میں لکھا ہے "والذی علیه الجمهور من الامة ان المخطی قتلة عثمان و محار بوا علی رضی الله عنه لا نهما امامان یوم القتل و المخالفة قطعا الا ان بعضهم کالقاضی ابی بکر ذهب الی ان هذه التخطیة لا تبلغ حد القفسیق و منهم من ذهب

---

[1] ذہبی نے سیر النبلاء میں بذیل ترجمہ عمار اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے (منہ عفی عنہ)

الی القفسیق کالشیعہ و کثیر من اصحابنا''''جمہور امت جس مسلک پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قاتل اور حضرت علی ؑ سے جنگ کرنے والے خطا کار تھے۔ کیونکہ یہ دونوں امام وقت تھے لہٰذا ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعاً حرام تھی۔ البتہ بعض علماء امت جیسے قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک یہ خطا فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچتی اور بعض کے نزدیک علیؑ سے جنگ کرنے والوں کی خطا فسق کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسے شیعہ اور ہمارے علماء اہلسنت کی کثیر تعداد' ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف جو جنگیں لڑیں ہیں وہ تعصب وعناد اور نفسانیت و انانیت کے فاسد جذبہ کے تحت اور طلب ریاست، حصول اقتدار۔ جب جاہ اور تحصیل دنیا کی خاطر تھیں اور شیعہ تو بجائے خود اہلسنت کی اکثریت کے نزدیک معاویہ کی یہ حرکات فسق و فجود کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فساق و فجار پر قرآن و حدیث کی رو سے لعنت کرنا جائز ہے۔ **کما لا یخفی علی اولی الافہام۔**

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ازالہ اشتباہ:

اس سلسلہ میں مؤلف آفتاب نے نہج البلاغہ سے جناب امیرؑ کے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے اس مکتوب اصل مفہوم سمجھتے ہیں مؤلف نے اشتباہ کیا ہے۔ اس میں جناب امیر ایمان وایقان کے معاملہ میں اپنے اور معاویہ کے درمیان مساوات ثابت نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ معاویہ کی اس گہری سازش کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف برسرپیکار ہے اور اسے اسلامی جہاد کا رنگ دے رہا ہے حالانکہ وہ یہ جنگ خدا اور رسولؐ کیلئے نہیں لڑ رہا ہے۔ بلکہ اس نے خون عثمان کا بدلہ لینے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ جو سراسر اس کی دھوکہ دہی و فریب کاری ہے ورنہ وہ خود بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ یہ ہے اس خط کا صحیح مفہوم۔ اگر اس مکتوب کا وہ مطلب لیا جائے جو مؤلف نے لیا ہے تو وہ خود جناب سرکار ولایت کے ان متعدد دوسرے مکتوبات کے مضمون کے خلاف ہوگا۔ جو آنجناب نے وقتاً فوقتاً کو لکھے ہیں جس میں معاویہ کو شیطانی گروہ کا لیڈر و منافق بلکہ خارج از اسلام تحریر فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک راستباز آدمی کے قول میں اختلاف نہیں ہوتا۔ ان خطوط میں سے بعض یہاں بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

معاویہ حضرت علیؑ کے مکتوبات کی روشنی میں:

آنجناب، نہج البلاغہ ج3 ص19 طبع مصر میں معاویہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:''**واما قولک انا بنو عبد مناف، فکذالک نحن و لکن لیس امیة کھا شم و الاحرب کعبد المطلب ولا ابو سفیان کا بی طالب ولا المھاجر کالطلیق ولا الصریح کاللصق ولا المحق کالمبطل ولا المؤمن کالمدخل**''۔''اے معاویہ! تیرا یہ کہنا کہ ہم سب

اولادِ عبد مناف ہیں درست ہے۔لیکن امیہ ہاشم کے برابر نہیں اور نہ عبد المطلب کی مانند ہے نہ ابو سفیان ابو طالب کی مثل ہے اور نہ مہاجر (خود جناب امیر) آزاد کردہ (معاویہ) جیسا ہے نہ صحیح النسب اور غیر صحیح النسب[1] برابر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اہل حق و اہل باطل مساوی ہو سکتے ہیں اور نہ مومن اور منافق ایک جیسے ہو سکتے ہیں'' (پھر میں اور تو کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ اس فقرہ میں معاویہ کے نسب پر جو تعرض ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں) ایک اور مکتوب گرامی میں معاویہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: ''و انی یکون ذلک کذالک و منا النبی و منکم المکذب و منا اسد اللہ و منکم اس الاخلاف و منا سید اشباب اھل الجنۃ و منکم صبیۃ النار و منا خیر نساء العالمین و منکم حمالۃ الحطب'' (نہج البلاغہ ج3 ص36) ''بھلا تم اور ہم کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ نبی ہم سے ہے اور جھٹلانے والا (ابو جہل) تم سے اسد اللہ (حمزہؓ) ہم سے ہے اور اسد الاخلاف (پیغمبرؐ کے خلاف لڑنے پر لوگوں سے قسم لینے والا ابو سفیان) تم سے جوانانِ جنت کے سردار ہم سے ہیں اور جہنم کی اولاد (اولادِ مروان) تم سے، تمام عالمین کی عورتوں کی سردار (فاطمۃ الزہراؑ) ہم سے ہے اور لکڑیاں اٹھانے والی حمالۃ الحطب (ام جمیل زوجہ ابولہب اور معاویہ کی پھوپھی) تم سے۔''

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں (و انی علی المنہاج الذی ترکتموہ طائفین و دخلتم فیہ مکرھین) مطلب یہ ہے کہ دخلت فی الاسلام کرھا و خرجت منہ طوعاً۔اے معاویہ! تو اسلام میں داخل تو مجبوری کے ساتھ ہوا تھا (بروز فتح مکہ) لیکن اس سے نکلا اپنی خوشی سے ہے (نکلنے میں کوئی مجبوری نہ تھی) (نہج البلاغہ ج3 ص130) کنز العمال ج6 ص89 میں ہے ''سمعت علیاً یقول و حزبنا حزب اللہ و الفیئۃ الباغیت حزب الشیطان و من سوی بیننا و بین عدونا فلیس منا'' راوی کا بیان ہے میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے ہمارا گروہ خدا کا گروہ ہے اور باغی گروہ (معاویہ خیل شیطان کا گروہ ہے) جو شخص ہمیں اور ہمارے دشمن کو برابر سمجھتا ہے۔وہ ہم سے نہیں ہے ان حقائق کی موجودگی میں مؤلف آفتاب کا یہ قول کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ ''جناب امیر اسلامی عقائد میں امیر معاویہ کو اپنے جیسے مسلمان سمجھتے ہیں''۔اہل انصاف بتائیں ہم جناب مولوی کرم الدین کی بات مانیں، یا جناب امیر علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان پر ایمان لے آئیں؟

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

معاویہ کے شخصی و نجی حالات:

اب تک اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اگر چہ اس میں مضمون کتاب کا مکمل جواب آ گیا ہے۔مگر ہم چاہتے ہیں کہ یہاں معاویہ کے

---

[1] اس فقرہ میں معاویہ کے نسب پر جو تعریض ہے۔وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔(منہ عفی عنہ)

متعلق کچھ حقائق بھی بیان کر دے جائیں تاکہ معاویہ کے حقیقی خدوخال اس طرح بے نقاب اور واضح وآشکار ہو جائیں کہ طالبانِ حق کو حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت ودشواری نہ ہو۔

فضیلت معاویہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں:

اگرچہ ہواخواہان معاویہ بڑھ چڑھ کر اس کے فضائل ومناقب بیان کیا کرتے ہیں۔ مؤلف آفتاب نے بھی کہا ہے کہ ''آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں'' مگر نقادان فن حدیث وحافظان اخبار کا بیان ہے کہ فضائل معاویہ کے بارے میں ایک بھی صحیح السند حدیث موجود نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب اللالئ المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ ج1 ص215 طبع مصر ص221 میں فضائل معاویہ میں چند احادیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''**کلها موضوعة لا اصل لها**'' یہ سب کی سب وضعی حدیثیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(2) اس طرح خاتمۃ الحفاظ محمد بن علی الشوکانی نے اپنی کتاب الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ میں لکھا ہے: ''**اتفق الحفاظ علی انه لم يصح فی فضل معاوية حديث**'' تمام حافظان حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے (بحوالہ النصائح الکافیہ ص63،62)

(3) اسی طرح علامہ ابن عراق اپنی کتاب تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ طبع مصر ج2 ص7 میں لکھتے ہیں: ''**لا يصح عن النبی صلی الله عليه و سلم فی فضل معاويه بن ابی سفيان شئی**'' معاویہ کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔

حدیث لا اشبع الله بطنه کا شان ورود:

امام اہلسنت نسائی (صاحب سنن نسائی) سے فضائل معاویہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی انہوں نے کہا۔ ''**ما اعرف لی فضيلة الا لا اسبع الله بطنه**'' میں ان کی کوئی فضیلت نہیں جانتا سوائے **لا اشبع الله** (خدا اس کا پیٹ نہ بھرے) کے (استیعاب ابن عبدالبر ج3 ص401 وغیرہ)

جناب رسول خداؐ نے کسی کام کے سلسلہ میں معاویہ کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔ اس نے واپس جا کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ دوبارہ بھیجا اس نے جا کر پھر یہی کہا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لا اشبع الله بطنه**، اس بددعا کا اثر کیا ہوا علامہ وحید الزمان کی زبانی سنیئے'' کہتے ہیں انکے دسترخوان پر سو طرح کے کھانے رکھے جاتے تھے اور وہ کھاتے کھاتے آخر میں کہتے پیٹ تو نہیں بھرا لیکن منہ تھک گیا ہے۔ یہ اثر تھا اس بددعا کا جو آنحضرت ﷺ نے ان کو دی تھی۔'' ''**لا اشبع الله بطنه**۔ اللہ اس کا پیٹ نہ

بھرلے'' (انوار اللغۃ پ 2 ص 68) (علامہ وحید الزمان)

اللھم اجعلہ ھادیاً کی حقیقت:

جس حدیث کو اس مضمون میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یعنی **اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً**۔ ترمذی نے اسے نقل کرنے کے بعد ''غریب'' کہا ہے اس لئے یہ ضعیف السند ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں ہے۔ علاوہ ازیں شیخ عبدالحق محدث الدہلوی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے (اشعۃ اللمعات ج 4 ص 716 طبع نولکشور) علامہ وحید الزمان انوار اللغۃ پ 27 ص 20 پر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ ''**اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً**'' کی حدیث (معاویہ کے حق میں) صحیح نہیں ہے جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کئے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ ہدایت۔ مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید کیلئے بالجبر اور بہ مکر و فریب بیعت کرانا۔ نقض اس معاہدہ کو جو امام حسنؑ سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ **لا ینبئک مثل خبیر**۔

معاویہ کے کاتب وحی ہونے کے استدلال کا جواب:

اسی طرح پرستاران معاویہ اس کے کاتب وحی ہونے سے بھی اسکی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ سو جواباً واضح ہو کہ یہ مزعومہ فضیلت بھی درحقیقت کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ کاتب وحی تھا یا کاتب خطوط۔ جیسا کہ خود اس مضمون میں اس اختلاف کا اقرار کیا گیا ہے۔ لہٰذا بموجب **اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال**۔ یہ استدلال درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

ثانیاً: بنا بر تسلیم اینکہ وہ کاتب وحی تھا۔ چونکہ وہ حرف شناس تھا اور پیغمبرؐ نے کچھ دن بعض آیات کی اس سے املاء کرادی ہو تو اس میں کونسی فضیلت ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود ہے کہ جو کاتب قرآن ہوگا وہ مومن کامل ہوگا، یا قرآن کی کتابت وہی شخص کرے۔ جو پکا مسلمان ہو؟؟ کیا عبدا بن خطل پہلے کاتب قرآن نہیں تھا جو بعد میں مرتد ہو گیا؟ (اللآلئ المصنوعہ ج 1 ص 216 طبع مصر) باقی بعض روایات جو مضمون نگار نے بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء کے حوالے سے نقل کی ہیں۔ وہ سب ناقابل اعتماد ہیں خود صاحب تاریخ الخلفاء نے ابتداء حالات معاویہ میں تصریح کر دی ''**قد و رو فی فضلہ احادیث قل ما تثبت**'' (ص 132) ''یعنی معاویہ کی فضیلت میں کچھ احادیث وارد ہوتی ہیں جو بہت ہی کم ثابت ہیں۔''

ایک مضحکہ خیز استدلال:

معاویہ زندگی بھر خاندان نبوت سے برسر پیکار رہا۔ان کو مختلف اذیتیں پہنچاتا رہا قتل کراتا رہا، ان کی شمع حیات گل کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہا۔ اوران کے حبداروں کے خون ناحق سے ہولی کھیلتا رہا۔مگراس کے ہواخواہ کہتے ہیں کہ ''اس کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ موئے مبارک اور کچھ ناخن اقدس تھے۔جن کے متعلق اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے وقت اس کے ناک اور منہ میں رکھ دینا '' ایسا بودہ استدلال کرنے والوں کو اپنی عقل وخرد کے ناخن لینے چاہئیں! اگراس کی نگاہ میں رسولؐ خدا کی اتنی ہی عظمت ہوتی تو ان کے مقدس خاندان کے ساتھ بالعموم اور جان مصطفیٰ ﷺ (علی المرتضیٰؑ) کے ساتھ بالخصوص وہی سلوک کرتا جو اس نے کیا ہے؟ **مالکم کیف تحکمون؟**

مذمتِ معاویہ میں چند احادیث واقوال:

فضائل کی بجائے اس کے رذائل میں چند احادیث واقوال مل جاتے ہیں۔مثلاً تاریخ طبری جزو 11 ص 357 میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''**یطلع من ھذا الفخ رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ**''اس گھاٹی سے میری امت کا ایک ایسا شخص نمودار ہوگا۔جو میرے دین پر محشور نہ ہوگا۔چنانچہ معاویہ برآمد ہوا۔

(2) طبری کی اس جلد اور اسی صفحہ پر نیز کتاب صفین ص 252 پر آنحضرت ﷺ سے مروی ہے فرمایا:''**ان معاویۃ فی تابوت من النار اسفل درک منھا ینادی یا حنان یامنان الان و قد عصیت قبل و کنت من المفسدین**''۔''معاویہ جہنم کے نچلے طبقہ میں آگ کے ایک تابوت میں ہوگا۔ باآواز بلند پکارے گا۔اے خدائے مہربان! مجھے معاف کردے۔آواز آئے گی۔اب معافی مانگتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدین میں سے تھا''

(3) تاریخ خطیب بغدادی ج2 ص 181 کنوز الدقائق ص 10 میں آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث مذکور ہے۔فرمایا''**اذا رائیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ**'' جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کردینا۔

تنبیہ:

ہم نے کتب اہلسنت والجماعت سے مذمت معاویہ میں یہ چند احادیث پیش کردی ہیں۔اب اگر کوئی معاویہ خیل یہ کہے کہ یہ حدیثیں دشمنان معاویہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پھر فضیلت معاویہ میں حدیثیں بھی ہواخواہانِ معاویہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ ج2 ص 179 میں لکھا ہے''**اما معاویۃ فکان فاسقاً مشھوراً بقلۃ الدین والانحراف عن الاسلام**''۔معاویہ فاسق وفاجر تھا اور دین کی کمی بلکہ دین اسلام سے انحراف وروگردانی کرنے میں مشہور تھا۔

صلحِ حسنیؑ کی حقیقت:

مضمون نگار نے صلح حسنیؑ سے بھی معاویہ کے دیندار ہونے پر استدلال کیا ہے کہ اگر وہ مستحق لعن ہوتا تو پھر اس کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح صرف اس آدمی یا جماعت سے ہونی چاہیئے جو مستحق رحمت وصلوات ہو! بنابریں مضمون نگار کفار مکہ کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی صلح کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جو ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ اس صلح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ کفار نابکار مستحق لعنت و پھٹکار ہوتے تو رسولؐ کردگار ان سے ہرگز صلح نہ کرتے؟ تو جو جواب مضمون نگار صاحب اس استدلال کا دیں گے۔ وہی جواب ہم خود ان کے استدلال کا پیش کریں گے! حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جناب پیغمبر اسلامؐ نے بعض مجبوریوں کے تحت کفار سے صلح کی تھی بالکل اسی طرح ان کے نواسے نے بھی حفاظت اسلام اور امت کی فلاح و بہبود کی خاطر مجبوراً معاویہ سے صلح کی۔ یہاں پوری تفاصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے بنابر اختصار اس سلسلہ میں برادرانِ اسلامی کے ایک منصف مزاج عالم حضرت علامہ وحید الزمان کے حقیقت افروز بیان نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے وہ اپنی کتاب انوار اللغتہ پ 15 ص 17 پر لکھتے ہیں۔

''ہمارے بڑے شہزادے امام حسن علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی طبیعت پر تھے۔ نہایت دانشمند اور انجام بین، وقت اور موقع محل دیکھ کر کام کرنے والے۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحۃً صلح کر لی تھی ویسے ہی حضرت امامؑ نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے۔ ادھر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے تو ناچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کر لی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے بخوشی معاویہ کو خلافت دے دی اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہوگئی۔ انہوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امامؑ اس وقت کے حالات کے اوپر نظر کر کے مجبور ہوگئے اور آپ نے ایک ضرر عظیم سے بچنے کیلئے ضرر خفیف کو گوارا کیا۔ پس درحقیقت یہ صلح امامؑ کی طرف سے صحیح اور جائز تھی لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز اور محض ظلمی اور جبری تھی۔ جیسے صلح حدیبیہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے جائز اور صحیح تھی لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکہ ہو گیا ہے۔'' انتہیٰ کلامہ۔

بایں ہمہ چونکہ معاویہ نے بظاہر اسلامی لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس سے امام حسنؑ نے صلح کر لی۔ برخلاف اپنے ناخلف بیٹے یزید کے جس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے بالکل اتار پھینکا تھا۔ اس لئے حضرت امام حسینؑ کیلئے اس سے جہاد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ مضمون نگار نے معاویہ کے امام حسنؑ کو جس وظیفہ دینے کا تذکرہ کیا ہے وہ دراصل عطیہ نہ تھا بلکہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت امامؑ کیلئے گذارہ الاؤنس تھا جو بوجہ حقیقی خلیفہ رسولؐ ہونے کے ان کا حق تھا نہ کہ معاویہ کا احسان جو کہ دراصل غاصب تھا۔ لہٰذا اگر اصل

حقدار کو اس کا حق مل جائے خواہ ظالم و غاصب کے ہاتھ سے ہو تو اس میں کوئی عقلی یا شرعی قباحت نہیں ہے امام حسنؑ نے وظیفہ کی خاطر ظاہری اقتدار معاویہ کے حوالہ نہیں کیا تھا ایسا خیال کرنا قاضی مظہر کی جہالت و ضلالت ہے۔ بلکہ اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی فلاح کی خاطر ایسا کیا تھا جیسا کہ ہم اسکی سابقاً وضاحت کر چکے ہیں اور جہاں تک ظاہری ملکی اقتدار کا تعلق ہے تو وہ جب اصل نبی و رسول کی نبوت و رسالت کی شرط نہیں تو انکے خلیفہ کی خلافت کی شرط کس طرح ہو سکتی ہے؟ نبی نبی ہے خواہ مسند اقتدار پر ہو یا قید خانہ میں ہو اس طرح خلیفہ و امام ہے۔ خواہ مسند رسول پر جلوہ افروز ہو اور خواہ یہودیوں کے باغ میں مزدوری کر رہا ہو اور خواہ خانہ نشین ہو۔

چند مہلکاتِ معاویہ کا بیان:

اگر چہ یہ مضمون پہلے ہی غیر معمولی طور پر لمبا ہو گیا ہے مگر بڑے اختصار کے ساتھ دو چار اور متعلقہ باتوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تا کہ ہوا خواہان معاویہ کیلئے درس عبرت کا سامان مہیا ہو جائے۔ سو واضح ہو کہ معاویہ نے اپنی حیاتِ مستعار میں وہ وہ حرکاتِ ناشائستہ کئے ہیں اور وہ وہ کارہائے بد انجام دیئے ہیں کہ اگر کوئی ان میں سے صرف کسی ایک کا بھی ارتکاب کرتا تو اس کی ہلاکت ابدی کیلئے کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب وہ سب جمع ہو گئے ہوں۔ ان میں سے بعض کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(1) حضرت امیرؑ پر سب و شتم کرانا:

یہ بات تاریخ و حدیث پر معمولی نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ معاویہ نے حضرت علیؑ اور اہلبیت نبوی پر سب و شتم کی با قاعدہ مہم جاری کی اور پھر یہ سنت سیہ برابر بنی امیہ کے منحوس دور میں منبروں پر جاری رہی۔ یہاں تک عمر بن عبد العزیز نے اسے بند کرایا۔

(1) تذکرہ خواص الامۃ ص 37 پر لکھا ہے کہ منبروں پر سب و شتم کا قبیح سلسلہ برابر ایک ہزار مہینہ تک جاری رہا۔ صاحب تذکرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ (ثم استفاض لعن علی علیه السلام علی منابر الف شهر و کان ذالک بامر معاویة)

(2) علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص 166 پر لکھا ہے کان بنو امیه یسبون علی بن ابی طالب علیه السلام فی الخطبة۔ یعنی بنی امیہ خطبوں میں حضرت علیؑ کو گالیاں دیا کرتے تھے۔

(3) شبلی نعمانی اپنی مشہور سیرۃ النبی ج 1 ص 49 تقطیع کلاں پر لکھتے ہیں "حدیثیوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے 90 برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہؑ کی توہین کی اور جمعہ میں حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں" معاویہ اس امر شنیع میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتا تھا کہ لوگوں کو پکڑ پکڑ جناب امیرؑ پر سب و شتم کراتا اور نہ کرنے پر اس کی وجہ دریافت کرتا تھا۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج 2 ص 278 باب

فضائل علیؑ) بنی امیہ کو اپنی اس قبیح حرکت پر اس قدر اصرار تھا کہ امام حسنؑ کو بوقت صلح یہ شرط عائد کرنا پڑی تھی کہ ان کے عظیم والد پر سب وشتم کا سلسلہ بند کیا جائے مگر یہ شرط منظور نہ ہوئی۔ تب امام مظلوم نے فرمایا کہ کم از کم تنا تو کیا جائے کہ میری موجودگی میں یہ حرکت نہ کی جائے چنانچہ اسے تسلیم کر لیا گیا۔ گو بعد میں اس پر بھی عمل نہیں ہوا (تاریخ کامل ابن اثیر ج 3 ص 203۔ تاریخ طبری ج4 ص122 وغیرہ) آہ۔۔

؎ فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً

(2) حضرت امیرؑ سے جنگ وجدال کرنا:

معاویہ نے حضرت امیرؑ سے جنگ وجدال کرنے میں اپنی زندگی گزاری، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ان سے جنگ کرنا خود پیغمبر اسلامؐ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ مضمون نگار نے برادران یوسفؑ والے واقعہ سے تشبیہہ دیکر اس جرم شنیع کی سنگینی کو ہلکا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے جو بالکل قیاس بے اساس ہے۔ اولاً۔ تو وہاں جناب یوسفؑ کے معافی دینے کا تذکرہ کلام مجید میں مذکور ہے اور یہاں اس معافی کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ ثانیاً۔ دونوں کی نوعیت مختلف ہے۔ وہاں ذاتی رنجش تھی۔ اور برادرانِ یوسفؑ کی اذیت رسانی صرف جناب یوسفؑ کی ذات تک محدود تھی۔ اس لئے وہ اپنا حق معاف کر سکتے تھے۔ مگر یہاں تو دین کا معاملہ تھا اور ہزاروں اہل ایمان نہ صرف یہ کہ معاویہ کے عام ظلم وستم کا بلکہ قتل وغارتگری کا نشانہ بن چکے تھے۔ اس لئے جناب امیرؑ معاف کر بھی کس طرح سکتے تھے؟ اگر معاملہ ان کی ذات تک محدود ہوتا تب بھی کوئی بات تھی۔ الغرض

؎ بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

(3) جناب حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرانا:

ویسے تو ہزاروں بے گناہوں کے خون ناحق کا مظلمہ معاویہ کی گردن پر ہے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کے ظلم وجور کا نشانہ بن کر راہی ملک بقا ہوئے۔ مگر جناب حجر بن عدی (اور ان کے سات ساتھیوں) کے واقعہ قتل کو کچھ غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جنہوں نے بڑی بیدردی اور اندوہناک کیفیت کے ساتھ بحالت اسیری معاویہ کے حکم سے جام شہادت نوش کیا۔ جناب حجر بن عدی حضرت رسولخداؐ کے شب زندہ دار اور روزہ دار عبادت گذار جلیل القدر صحابی تھے۔

(استیعاب ابن عبدالبر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، اسد الغابۃ، المستدرک للحاکم وغیرہا) چونکہ جناب حجر اپنے غیر معمولی زہد و تقویٰ کی وجہ سے بڑے صاحب اثر بزرگ تھے۔ ان کی گرفتاری اور پھر سفاکانہ قتل نے امت محمدیہ کے لوگوں کا دل دہلا دیا۔ چنانچہ جب جناب عائشہ کو جناب حجر کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو فوراً عبدالرحمٰن بن حارث کو یہ پیغام دے کر معاویہ کے پاس شام دوڑایا کہ اللہ

اللہ فی حجر و صحابہ ''حجر اور ان کے ساتھیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو'' (لیکن جب عائشہ کا قاصد پہنچا تو جناب حجر اپنے ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش فرما چکے تھے) (الاصابۃ ص355 وغیرہ) جب عبداللہ بن عمر کو شہادت حجر کی اطلاع ملی تو شدت گریہ وبکا سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ (الاستیعاب، الاصابۃ، اسد الغابہ وغیرہا) قابل غور بات یہ ہے کہ اس قدر عابد و مرتاض شخص کے قتل کا سبب کیا تھا؟ اگرچہ پرستارانِ معاویہ نے تاڑ کا پہاڑ بنا کر پیش کیا ہے کہ انہوں نے بغاوت کی تھی اور مسلح ہو کر گورنر کوفہ کا مقابلہ کیا تھا۔ مگر یہ سب افسانے ہیں بات صرف اسقدر تھی کہ معاویہ کے گورنر نے حضرت امیرؑ کے خلاف بنا بر سب وشتم کا جو قبیح سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جناب حجر اس سے کڑھتے تھے اور بعض اوقات وہ بھی جوابی طور پر ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے۔ چنانچہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام ج2 ص130 پر لکھتے ہیں۔ ''امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں بر سر منبر حضرت علیؑ پر سب شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدی اور ان کی جماعت کو قدرۃً اس سے تکلیف پہنچی تھی۔ اس کے جواب میں وہ بھی مغیرہ اور امیر معاویہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ زیاد کے زمانے میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اس کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ حضرت حجر بن عدی بڑے رتبے کے صحابی تھے اس لئے ان کے قتل کا بہت برا اثر پڑا'' بالآخر اسی زیاد بن ابیہ کی شاطرانہ چالوں کی بدولت وہ گرفتار ہوئے اور معاویہ کے حکم سے شہید ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ ہے معاویہ کے حلم و بردباری کی حقیقت جس کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

(4) زیاد بن ابیہ کا الحاق:

شریعت مقدسہ کا حکم ہے الوالد للفراش و للعاھر الحجر (بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کو پتھر لگیں گے) مگر معاویہ نے اس حکم کو پامال کرتے ہوئے سیاسی اغراض کے تحت زیاد بن سمیہ کو (جو طائف کی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا) یہ ظاہر کر کے کہ اس کے باپ ابوسفیان نے سمیہ سے زنا کیا تھا جس سے زیاد متولد ہوا۔ اپنا بھائی بنا لیا۔۔ (البدایۃ والنہایۃ۔ طبری۔ کامل۔ تحفہ اثناعشریہ۔ الاخبار الطوّل وغیرہا)

(5) گورنروں کے مظالم:

معاویہ کے گورنر جیسے زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ، بسر بن ارطاۃ وغیرہم جن کے مظالم کے واقعات پڑھ کر حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی تمام معاویہ کی گردن کا ہار ہیں۔ جن سے قیامت تک اس کی گلوخلاصی نہیں ہوسکتی۔

(6) امام حسنؑ کو زہر خورانی:

معاویہ نے ہی بڑے لطائف الحیل سے امام حسن مجتبیٰؑ کو انکی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ (مروج الذہب مسعودی طبع جدید ج 2 ص 303۔ تذکرۃ الخواص ص 121 النصائح الکافیہ ص 60) اور جب اسے شہادت امام کی اطلاع ملی تو فرحت و انبساط کا اظہار کیا (تاریخ ابو الفداء ص 445 طبع دہلی، الامامۃ والسیاسۃ ج 2 ص 127، 144 اوراسات اللبیب ص 79 طبع لاہور وغیرہ) انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(7) یزید کی ولی عہدی:

یزید جیسے حرام کار، شرابخوار ملحد اور زندیق شخص کیلئے مسلمانوں سے جبر و اکراہ کے ساتھ بیعت لے کر اسکے لئے زمین حکومت ہموار کی۔ معاویہ کے ان ننگِ اسلام و انسانیت واقعات کی پوری تفصیل ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

معاویہ کے متعلق حسن بصری کی رائے:

آخر کلام میں معاویہ کے متعلق مشہور تابعی حسن بصری کی رائے درج کر کے اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے وہ کہا کرتے تھے۔ ''معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے اندر ہوتی تو اس کی ابدی ہلاکت کیلئے کافی تھی''

(1) اس نے امت محمدیہ پر تلوار کھینچی اور افاضل صحابہ کی موجودگی میں بلامشورہ تختِ خلافت پر قابض ہو گیا۔

(2) اپنے شراب نوش بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔ جو ریشمی لباس پہنچتا تھا اور سارنگی و طنبورہ بجاتا تھا۔

(3) زیاد کو اپنا بھائی بنایا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کیلئے کنکر

(4) جناب حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو شہید کرایا۔ جن کا خون اس کی گردن پر زبردست وبال ہے۔ (تاریخ ابن عساکر ج 2 ص 381 طبری ج 1 ص 57۔ کامل ج 3 ص 242۔ تاریخ ابو الفداء ج 1 ص 196)۔ و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

؎ مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

چالیسواں مسئلہ طینت:

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں کی جزا وسزا نیک و بداعمال پر موقوف ہے "فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ(7)وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (8)(الزلزال آیت 8،7)" "لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم آیت 39)" نیز قرآن کریم میں ہے "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات آیت 13)" لیکن شیعوں کا عجیب وغریب عقیدہ ہے کہ ان کی پیدائش اس طینت (مٹی) سے ہے جس سے آئمہ کرام اور انبیاء پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ قطعی جنتی ہیں خواہ کیسے ہی بداعمال کیوں نہ ہوں اور کافروں اور سنیوں کی پیدائش دوزخ کی آگ سے ہے وہ یقیناً دوزخی ہیں خواہ کتنے ہی نیک عمل کرتے ہوں اصول کافی ص358 میں باب طینۃ المومن والکافر میں اس کے متعلق بہت سی احادیث درج ہیں ہم ان کا صرف محصل بیان کرتے ہیں۔علی بن حسین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ابدان وقلوب علیین سے پیدا کئے اور مؤمنین یعنی شیعہ کے قلوب بھی اسی طینت سے پیدا کئے گئے ہیں اور کفار کے ابدان سجین سے پیدا کئے ۔۔۔(بعد ازاں مؤلف نے اسی مضمون کی بعض روایات اصول کافی سے نقل کی ہیں جن میں سے بعض میں درج ہے کہ خدا نے ان دونوں قسم کی طینتوں کو باہم ملا دیا۔لہٰذا بعض اہل ایمان میں جو کج خلقی یا دوسرے عیوب ہیں۔وہ طینت سجین کا ثمرہ اور مخالفین میں جو حسن خلق وغیرہ محاسن ہیں وہ طینت علیین کا نتیجہ ہے۔اس پر مؤلف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے)"تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جنت و دوزخ کی ہر دو طینتوں کو ملا دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔دھوکہ سے ایسا ہو گیا یا دانستہ ایسا کیا گیا۔ایسا تو کوئی کاریگر بھی نہیں کر سکتا"۔۔۔(بعد ازاں جلاء العیون سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا۔ہم اور تم ایک طینت سے مخلوق ہوئے اور ہماری زیادتی طینت سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے۔ جب قیامت ہوگی تو لوگوں کو ان کی ماں کے نام کے ساتھ پکاریں گے مگر تمہارے شیعوں کو ان کے باپ کے نام سے طلب کریں گے اس لئے کہ وہ حلال زادہ ہیں)بعد ازاں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے"جائے غور ہے کہ حسب اعتقاد شیعہ یہ تمام بھنگی، چرسی، شرابی، ڈوم، میراثی، قلندر جو اکثر شیعہ کہلاتے ہیں۔بمنطوق احادیث مندرجہ اصول کافی چونکہ ان کی پیدائش طینت انبیاء کی زیادتی سے ہے اس لئے قطعی جنتی ہیں اور حسب روایت جلاء العیون یہی لوگ حلال زادہ ہیں اور تمام بزرگانِ اہلسنت۔۔۔۔معاذ اللہ دوزخی اور غیر صحیح النسب ہیں"(آفتاب ص299)

الجواب:

جن روایات پر یہ ایراد مبنی ہے وہ "اخبار طینت" کے نام سے مشہور ہیں اور چونکہ یہ بظاہر مذہب حق کا مسلمہ عقیدہ کہ "انسان

اپنے افعال میں فاعل مختار ہے'' کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔لہٰذا ان کے ردو قبول میں شیعہ علماء کے دو نظریے ہیں۔

احادیث طینت کے متعلق شیعی نقطہ نظر:

بعض علماء اعلام مثل شیخ مفید و سید مرتضیٰ علم الھدیٰ نے تو انہیں اخبارِ آحاد ہونے اور مسلّمات سے متصادم ہونے کی بناء پرنا قابل اعتماد و استناد قرار دیا ہے۔ ہاں البتہ دوسرے حضرات نے ان کو قبول ضرور کیا ہے مگر اس گروہ میں باہم اختلاف ہے بعض علماء نے یہ روش اختیار کی ہے کہ چونکہ یہ اخبار متشابہہ ہیں لہٰذا (آیات متشابہات کی طرح) ان پر اجمالاً ایمان رکھنا چاہیئے۔لیکن ان کے حقیقی مطلب ومفہوم سے اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں آئمہ اہلبیتؑ کی طرف لوٹانے کا نظریہ قائم کیا ہے اور بعض نے انکو تسلیم کرکے ان کے مفہوم پر وارد شدہ ایراد کا اس طرح جواب دیا ہے کہ یہ اخبار تشبیہہ واستعارہ پر مبنی ہیں۔یعنی مؤمن ایمان کے قبول کرنے اور اچھے کام کرنے میں اس طرح نرم ہوتا ہے گویا اس کی طینت پاکیزہ ہے اور کافر کفر اور اعمال بد کا ارتکاب کرنے میں ایسا راغب ہوتا ہے کہ گویا اس کی طینت رجس وخبیث ہے ورنہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ خالق حکیم وعلیم کو خلقت کائنات سے پہلے اپنے علم لدنی سے معلوم تھا کہ کون لوگ اپنے عزم واختیار سے ایمان لاکر اعمال صالح بجالائیں گے اور کون لوگ اپنے ارادہ سے کفر اختیار کرکے اعمال بد کا ارتکاب کریں گے اس لئے اس نے مؤمن کو طینت علیین اور کافر کو سجین سے پیدا کیا تاکہ اول الذکر بآسانی ایمان لاسکے اور ثانی الذکر بسہولت کفر اختیار کرسکے اور پھر یہ اختلاف طینت ایمان وکفر یا عمل صالح اور عمل بد اختیار کرنے کی علتِ تامہ بھی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے اقتضاء اور طبعی میلان ورجحان ظاہر وعیاں ہوتا ہے نہ کہ جبر و اکراہ۔اور بعض حضرات نے اس ایراد کا حل یہ پیش کیا ہے کہ جب عالم ارواح میں خدا نے روحوں کا امتحان لیا تھا (جسے عہد الست اور عالم ذر بھی کہا جاتا ہے) تو جو روحیں وہاں کامیاب یا ناکام ہوئیں اس عالم دنیا میں ان کو ان کی اسی روش ورفتار کے مطابق مادی قالب دیا گیا اور یہ عین حکمت وصواب ہے۔ یہاں اس موضوع پر اسی قدر کافی ہے۔مزید تفصیل کے شائقین حضرات ہماری کتاب ''احسن الفوائد فی شرح العقائد'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان حالات کی روشنی میں اہل انصاف بتائیں کہ جن اخبار کی یہ حالت اور کیفیت ہو کہ خود شیعہ علماء کبار کے درمیان ان کے ردّ وقبول میں اختلاف ہو اور جو قبول کریں وہ بھی ان کو متشابہ قرار دیں۔کیا ان کے ظاہری مفہوم کو شیعہ عقیدہ ظاہر کرکے ان پر اعتراض کرنا کہاں تک درست ہے؟ سچ ہے ''اَلَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَاءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَاءَ تَأۡوِیلِهِ'' (آل عمران آیت 7) محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی پیروی کرنا۔کج طبعی کی غمازی کرتا ہے۔

الزامی جواب:

اگر اس قسم کی روایات کی بناء پر کسی مذہب پر اعتراض کرنا روا ہو تو پھر شیعہ حضرات بھی بڑی آسانی سے جواباً کہہ سکتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ وغیرہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی بکثرت روایات موجود ہیں کہ خدا فرماتا ہے۔"انا خلقت الخلق و خلقت الخیر و الشر فطوبیٰ لمن قدرت علی یدیه الخیر"۔"یعنی میں نے مخلوق کو خلق کیا ہے اور میں نے ہی نیکی و بدی کو پیدا کیا۔ بشارت ہے اس بندے کیلئے جس کے ہاتھوں پر میں نیکی کو جاری کروں۔"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے جو کچھ اچھائی یا برائی کرتے ہیں درحقیقت سب کچھ خدا کراتا ہے۔ پھر آیات مبارکہ "فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ"۔۔۔اور۔۔۔"لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ"اور"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"وغیرہ آیات کہاں جائیں گی؟ جب انسان مجبور متصور ہوگا؟۔فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

لوگوں کا ماؤں کے نام کے ساتھ اٹھایا جانا:

باقی جلاء العیون کی جس روایت پر مؤلف نے اعتراض کیا ہے وہ اعتراض خود ان پر وارد ہوتا ہے کیونکہ کتب اہلسنت میں یہ لکھا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا (تفسیر درمنثور بذیل آیت يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ)

علیؑ کی دوستی ولادت کے پاکیزہ ہونے کی علامت ہے:

اور یہ بھی کتب فریقین میں وارد ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا یا علیؑ! تجھ سے دوستی وہی رکھے گا جس کی ولادت پاکیزہ ہوگی اور جو تجھ سے دشمنی وہی رکھے گا جس کی ولادت میں خرابی ہوگی (کنز العمال وغیرہ) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے یا علیؑ! جو تجھے نہیں پہچانتا بلکہ دشمن رکھتا ہے وہ تین میں سے ایک ہے (1) یا ولد الزنا ہے (2) یا ولد الحیض ہے۔(3) یا منافق ہے (مودۃ القربیٰ ہمدانی ص32)

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ حدیث میں شیعہ وسنّی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ بلکہ علیؑ کے دوست اور دشمن کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نہ معلوم مؤلف کو کیا مرض ہے۔ کہ جہاں بھی دشمنان علیؑ کا ذکر ہو وہ اس سے مراد سنّی ہی لیتے ہیں اگر بدقسمتی سے وہ عداوتِ علیؑ کے مرض میں مبتلا ہیں تو انہیں تمام اہلسنت کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے جنکی اکثریت محبّت علیؑ کا دم بھرتی ہے اور دشمن سے بھی وہ دشمن علیؑ مراد ہے جو مرتے دم تک دشمن رہے۔ لہٰذا جو شخص مرنے سے پہلے کسی وقت بھی عداوت علیؑ سے توبہ کرلے وہ حبداران علیؑ کے مقدس

گروہ میں شامل ہوجائے گا اور اس تہدید سے بچ جائیگا۔ اس تشریح سے آفتاب ہدایت کے محشی کا اعتراض بھی ختم ہوگیا۔ فتدبّر۔

مؤلف کے بیجا طعن کا جواب:

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ ''بھنگی، چرسی، ڈوم، کنجر۔۔۔ جو شیعہ کہلاتے سب جنتی ہوں گے''۔۔۔ تو جواباً عرض ہے کہ صرف شیعہ کہلانے سے کوئی شخص شیعہ بن نہیں جاتا۔ اگر صرف کہلانا ہی معیار ہے تو پھر اہلسنت والجماعت کی صفوں میں بھی کئی کنجر، کلال، ڈوم، ڈھاری، طبلچی، شرابی، کبابی اور صبابی مل جائیں گے کیا ہمارے کرم فرما مولوی کرم دین صاحب ان کو صحیح اہلسنت تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں؟

ع آنچہ برائے خود نمی پسندی برائے دیگراں مپسند

حقیقت یہ ہے کہ جس مذہب کے خود پیشوا، گنہگار خطا کار اور قصاب و جولا ہے وغیرہ کمین ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس مذہب میں تو شاید ایسے لوگوں کی گنجائش نکل سکے۔ مگر جس پاکیزہ مذہب کے پیشوا فخر بنی نوع انسان سادات کرام اور مطہر و معصوم عن الخطا والعصیان ہوں اس مقدس مذہب میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شیعۃ الرجل اتباعہ یعنی کسی کا شیعہ وہ ہوتا ہے جو اس کے نقش قدم پر چلے۔ لہٰذا جسے علیؑ کا شیعہ بننا ہے۔ اسے علیؑ کے قول و کردار پر عمل بھی کرنا پڑے گا۔ شیعہ کہلانا اور ہے اور شیعہ ہونا اور یا سعد الابل!

پینتالیسواں مسئلہ رجعت:

شیعہ کا ایک عجیب و۔۔۔غریب اعتقاد ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا اور اسلام کی تلوار ان کے ہاتھ میں ہوگی وہ پہلا یہ کام کریں گے کہ مدینہ منورہ جا کر دریافت کریں گے ابوبکر و عمر و عثمان کے تابعین اور حضرت عائشہ و حفصہ کہاں کہاں مدفون ہیں۔ جب لوگ ان کی قبروں کا نشان دیں گے تو وہ ان سب کو کھینچ کر زندہ کرلیں گے اور حضرت علیؑ و حسنینؑ اور ان کی ذریت اور شیعوں کو بھی زندہ کریں گے اور ان کے روبرو اصحاب و ازواج رسولؐ اور ان کے اتباع کو طرح طرح کی اذیت پہنچا کر۔۔۔ مار ڈالیں گے اور ان کی لاشوں کو درختوں سے لٹکا دیں گے۔۔۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ باوجود اسد اللہ الغالب ہونے کے ان حضرات پر غالب نہ ہوسکے اور اپنی تمام عمر ان سے ڈر کر تقیہ میں گذار دی۔ ان کی گردن میں رسا ڈال کر کھینچا گیا۔۔۔ اور ان کی زندگی میں ہی نہیں۔ بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دل پر ایسا رعب طاری رہا کہ ان کے خلاف کوئی عمل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ نہ ورثاء فاطمہؑ پر ردِّ فدک کر سکے۔۔۔ تو اب ان کے پوتے امام مہدی جنھوں نے اپنی تمام عمر سنی ملوک و سلاطین سے ڈر کر غارِ سرمن رائے میں محبوس رہ کر گذار دی۔۔۔ اب ان میں

ایسی جرأت کہاں سے آجائے گی کہ ان بہادران اسلام خلفائے ثلاثہ کو یوں اذیتیں پہنچا کر علیؑ وحسنینؑ اور ان کے شیعوں کا دل ٹھنڈا کریں گے۔ان ھذا الا بھتان عظیم۔(آفتاب ص300)

الجواب:

مسئلہ رجعت میں تین باتیں قابل غور ہیں۔اوّل یہ کہ رجعت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ دوم۔یہ کہ آیا رجعت عقلاً ممکن اور شرعاً واقع ہے؟ سوم۔یہ کہ رجعت کے بعد کیا ہوگا؟ چونکہ مؤلف نے ان تمام مباحث کو باہم گڈمڈ کر دیا ہے۔ہم ان ہر سہ امور کی بقدر ضرورت الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔جس کے بعد مؤلف کا ایراد خود بخود درفع ہو جائے گا۔

رجعت کا صحیح مفہوم:

سو مخفی نہ رہے کہ عقیدۂ رجعت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب حضرت امام مہدیؑ کا ظہور پُر نور ہوگا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علیؑ المرتضیٰ، بعض دوسرے انبیاءؑ تمام یا بعض آئمہ ہدیٰ، کامل مومنین باصفا اور بعض پکے کفار و منافقین نابکار بھی دوبارہ اس دارِ دنیا میں بحکم پروردگار بھیجے جائیں گے۔

رجعت کا اثبات قرآن کی روشنی میں:

باقی رہا یہ امر کہ آیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ تو ظاہر ہے کہ ہر وہ مسلمان جو خدا کو علیٰ کل شئیٍ قدیر مانتا ہے وہ اس بات کے امکان میں ہرگز شبہ اور کلام نہیں کر سکتا۔بھلا جو خدائے قدیر بروز قیامت ساری کائنات کو زندہ کر کے میدانِ حشر میں لانے پر قادر ہے کیا وہ کسی خاص مصلحت کے تحت قیامت سے پہلے اپنے کچھ۔۔۔بندوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجنے پر قادر نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے۔۔۔بہرحال اس کے امکان میں تو کوئی کلام نہیں۔جو کچھ بحث ہے وہ اس کے وقوع میں ہے کہ کبھی پہلے ایسا واقعہ رونما ہوا ہے یا آئندہ ایسا ہونے کی کوئی امید ہے؟ سو بابصیرت حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ قرآن وحدیث میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آئے ہیں۔مثلاً (1) وہ ہزاروں لوگ جو طاعون سے فرار ہو کر جا رہے تھے کہ خدا نے ان کو موت دے دی۔۔۔اور پھر زندہ کیا۔جس کی تفصیل اس آیت مبارکہ میں موجود ہے ''أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ''(البقرہ آیت 243)'' کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔خدا نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ۔(جب وہ مر چکے تو) پھر انہیں زندہ کیا۔''

(2) جناب عزیز نبیؑ کا واقعہ ہے۔جنہیں سو سال تک موت کا ذائقہ چکھانے کے بعد خالق حکیم نے دوبارہ زندہ کیا۔خدا نے

ان کا واقعہ قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان فرمایا۔ ''أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''(البقرہ آیت 259)''اس شخص کا واقعہ یاد کرو جو ایک بستی کے پاس سے اس وقت گذرا جبکہ وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اس شخص نے (ازراہ تعجب) کہا۔ اس کے نیست و نابود ہو جانے کے بعد کیونکر خدا اسے دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس پر خدا نے وہیں اس شخص کو سو برس کے لئے موت دے دی پھر اسے زندہ کر کے فرمایا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ اس نے کہا ایک روز یا اس سے بھی کچھ کم! خدا نے فرمایا بلکہ تم یہاں سو سال تک پڑے رہے ہو''

(3) وہ ستر آدمی جن کو حضرت موسیٰؑ میقاتِ پروردگار کے لئے منتخب کر کے کوہ طور پر ہمراہ لے گئے تھے اور تجلی پروردگار کے بعد سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جناب موسیٰؑ کی استدعا پر خدا نے دوبارہ ان کو زندہ کیا۔ چنانچہ خداوند عالم اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ''(البقرۃ آیت 56)''ہم نے تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تا کہ تم میرا شکر ادا کرو۔''

(4) وہ تمام لوگ جو مقام اعجاز میں جناب عیسیٰؑ کے ہاتھ پر باذن اللہ زندہ ہوئے وہ بھی دوبارہ دار دنیا میں آئے ظاہر ہے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونے والے تمام افراد جن کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔۔۔ مدتہائے دراز تک دنیا میں زندہ رہے۔ کھاتے پیتے اور نکاح کرتے رہے اور بالآخر اپنی طبعی موت کا ذائقہ چکھ کر دار فانی سے دار جاودانی کی طرف منتقل ہوئے۔

رجعت کا اثبات حدیث کی روشنی میں:

تو جب سابقہ امتوں میں ایسا ہوتا رہا ہے تو اگر اس امت میں بھی ایسا ہو تو جائے تو ایراد کیا ہے؟ اس بات کی اس وقت اور بھی اہمیت بڑھ جاتی جب جناب رسول خدا ﷺ کا یہ ارشاد دیکھا جاتا ہے جو فریقین کی کتابوں میں موجود ہے فرمایا ''یکون فی ھذہ الامۃ ماکان فی الامم السابقۃ حذو النعل با النعل و القذۃ بالقذۃ''''یعنی جو واقعات اگلی امتوں میں ہو چکے ہیں وہ بعینہ میری امت میں بھی اس طرح واقع ہوں گے۔ جس طرح ایک کفش دوسرے کفش اور ایک تیر دوسرے تیر کے برابر ہوتا ہے۔''(تفسیر درمنثور ج5 ص4۔ نہایۃ ابن اثیر ج1 ص244۔ ترمذی ج2 ص89۔ بخاری مع فتح الباری ج13 ص256 طبع مصر وغیرہا) فلسفہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''اذل دلیل علی امکان الشئ وقوع الشئی''''یعنی کسی چیز کے ممکن ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا وقوع پذیر ہونا ہے'' تو جب پہلے ایسا ہو چکا ہے تو یہ اسکے ممکن ہونے کی اور پیغمبر اسلام ﷺ کا مذکورہ بالا فرمان اسکے اس امت میں واقع ہونے کی محکم دلیل ہے۔

زمانہ رجعت میں کیا ہوگا؟:

باقی رہی آخری بات کی تحقیق کہ زمانہ رجعت میں کیا ہوگا؟ تو اگر چہ اس کی تمام تفاصیل کے متعلق تو یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ دو چیزیں بالیقین ثابت ہیں۔

(1) دینِ اسلام کا تمام ادیانِ عالم پر غلبہ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ''هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ''(التوبہ آیت 33)''خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کے دین کو دوسرے ادیان پر غلبہ دے اگر چہ مشرک اس بات کو ناپسند ہی کریں'۔ ظاہر ہے کہ یہ غلبہ تا حال حاصل نہیں ہوسکا۔ اُدھر قرآن کی صداقت لاکلام ہے اس لئے مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ ''ذالک عند نزول عیسیٰ و خروج المھدی فلایبقیٰ اھل دینِ الا دخلوا فی الاسلام''۔ ''یعنی اسلام کا یہ غلبہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت ہوگا۔ اس وقت تمام ادیانِ عالم کے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوجائیں گے'' (تفسیر فتح البیان وابن کثیر وغیرہ)

(2) بعض وہ مظلوم انبیاء وآئمہ ہدیٰ جو بحالت مظلومیت دنیا سے اٹھ گئے اور ان کا تاحال انتقام نہیں لیا گیا۔ ان کے ظالموں اور قاتلوں سے انتقام لیا جائے گا۔ اور اُخروی عذاب سے پہلے ان کو ان کے ظلم وستم کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ ''(السجدہ آیت 21)''کہ ہم ان لوگوں کو بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے'' اسی بیان سے فلسفہ رجعت واضح وعیاں ہوجاتا ہے۔

مؤلف کے بے جا طنز و تشنیع کا جواب:

جس بات کا تذکرہ مؤلف نے کیا ہے۔ اگر چہ اخبار صحاح میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مگر جس استبعاد کی بناء پر مؤلف نے اس کے وقوع کا انکار کیا ہے وہ بہت ہی کمزور ہے ''الامور مرھونۃ باوقاتھا'' ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جس طرح آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے دور میں اسلام کو باقی باطل ادیان پر عملی غلبہ حاصل نہیں ہوسکا اور وہ صرف جناب امام مہدیؑ کے دور میں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کام کی تکمیل جس کو جناب امیرؑ بوجوہ انجام نہیں دے سکے بموجب ''آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند'' جناب مہدیؑ ہادیؑ کے دور میں ہو تو اس میں کونسی تعجب خیز بات ہے؟ غار کے اندر محبوس ہونے کا نظریہ جاہلانہ ہے۔ یہ کسی باسمجھ شیعہ کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ امام العصرؑ اسی عالم میں جہاں خدا کی مشیت ہے۔ تشریف فرماہیں اور جب اس کی مشیت ہوگی تو ظہور فرمائیں گے۔۔۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآن مجید میں تصریح موجود ہے۔ پہلے وہ فرعون کے خوف سے بھاگ گئے تھے ''فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ ''(الشعراء آیت 21) مگر تاریخ عالم گواہ ہے کہ بالآخر انہی کے

ہاتھوں فرعون کا خاتمہ ہوا۔ اگر یہاں بھی ایسا ہی ہو کہ جو امام علیہ السلام ظالمین کے خوف سے اس وقت روپوش ہیں بالآخر خدا انہی کے مقدس ہاتھوں پر ان لوگوں کا خاتمہ کر دے تو اس میں کون سی اچنبے کی بات ہے؟ خدا کا وعدہ ہے ''وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ'' (القصص آیت 5) ''جن کو زمین میں کمزور بنایا گیا ہم ان کو امام اور وارث بنائیں گے''۔۔۔اس کے صحیح مصداق امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ہیں یہ بڑے کھلے ہوئے حقائق ہیں مگر افسوس

ع جس کی عقل ہو موٹی وہ کیا جانے ؟

عبداللہ بن سبا:

مطاعن کی بحث ختم ہو چکی۔ فضائل صحابہ۔ قرآن کریم، اقوال آئمہ اہلبیتؑ بحوالہ کتب معتبرہ شیعہ دیا جا چکا۔ شیعہ کے عجیب وغریب۔۔۔ مسائل بھی بیان ہو چکے جن کو پڑھنے سے ناظرین حیران ہوں گے کہ اس عجیب۔۔۔ مذہب کی آخر ابتداء کس طرح ہوئی اب اس کے متعلق بھی کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔۔۔ اس مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔ یہ شخص ملک یمن۔۔۔ کا باشندہ تھا۔ یہودی تھا بعدہٗ بظاہر اسلام لایا۔ لیکن اندر سے اسلام کا سخت دشمن تھا۔۔۔ اور اسلام لانے کی غرض ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے طبری نے اس کا یوں حال لکھا ہے عبداللہ 25ھ میں مسلمان ہوا تاکہ حضرت عثمان اس کی کچھ عزت کریں۔ مگر حضرت عثمان نے کچھ بھی اس کے حال پر توجہ نہ کی اس لئے وہ۔۔۔ عثمان کی غائبانہ برائیاں بیان کرتا تھا اس نے مذہب رجعت ایجاد کیا۔۔۔ شیعہ کی مستند کتاب اطواق الحمایۃ بحث امامت میں سوید بن غفلہ سے یہ روایت درج ہے (بحذف عربی)۔۔۔ راوی کہتا ہے میں ایک گروہ کو ملا جو شیخین کی تنقیص شان کرتے تھے۔ میں نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی اور۔۔۔ کہا تم خفیہ طور سے انہی لوگوں سے متفق نہ ہو تو ان کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔ عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے اپنا خبث باطن ظاہر کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا۔ میں ان لوگوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا شیخین پر رحمت کرے پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں داخل کیا خود منبر پر چڑھے پھر اپنی ریش مبارک مٹھی میں پکڑ لی۔۔۔ پھر خطبہ شروع کیا۔ کیا حال ہے اس گروہ کا جو رسول اللہؐ کے بھائیوں، آپؐ کے دو وزیروں، آپؐ کے دو یاروں، قریش کے دو سرداروں مسلمانوں کے دو باپوں کا اہانت سے ذکر کرتے ہیں۔ میں ان کی اس جرأت سے بیزار ہوں۔۔۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اصحاب تھے۔ جدوجہد۔۔۔ سے احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے، امر و نہی کرتے۔۔۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا (بحذف عربی) ''خدا اس کو لعنت کرے جو ان کی نسبت سوائے خیر وخوبی کے کہتا ہے اور اس کا ثمرہ دیکھ لے گا۔ پھر آپ نے ابن سبا کی طرف حکم بھیج کر مدائن کی طرف بھیج دیا اور حکم نافذ فرمایا کہ کسی ایک بستی میں اقامت نہ کرنے پائے''۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ بغض وعداوت اصحاب کا بیج

اس یہودی عبداللہ بن سبا کا بویا ہوا ہے۔اس نے اپنے ہم خیال آدمی پیدا کر لئے تھے اور ان کو کہتا تھا کہ امیر علیہ السلام کا حقیقتاً مذہب یہی ہے۔ بظاہر تقیہ کر کے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی شکایت امیر علیہ الرضوان تک پہنچی۔ تو آپ لاحول پڑھنے لگے اور مسجد میں عام مجمع کے سامنے۔۔۔خطبہ پڑھ کر فضائل شیخین کا اعتراف فرمایا کہ رسولؐ کے بھائی راست باز یارانِ غار۔(تا آخر روایتِ محولہ مذکورہ ناقلؔ) کیا شیعہ صاحبان جناب امیر علیہ السلام کے فیصلہ پر کیا حکم صادر کریں گے؟۔۔۔دوسری روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ نے اس نابکار ابن سبا کو اس جرم پر کہ وہ لوگوں کو شیخین کی بدگوئی کی تعلیم دیتا تھا۔ملک بدر فرمادیا۔۔۔ایک اور روایت کتب شیعہ سے لکھی جاتی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس مذہب کا بانی درحقیقت وہی ابن سبا ہے۔ چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استر آبادی منہج المقال میں لکھتا ہے" **فانظروا فی عبارۃ الکشی**"(بحذف عربی) بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔اسلام لایا اور علیؑ کا محب بنا۔ وہ اپنے زمانہ یہودیت میں یوشعؑ وصی موسیٰ کی نسبت غلو کرتا تھا پھر اسلام کے بعد رسول خداﷺ کے فوت ہوجانے پر علیؑ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا اور پہلا شخص ہے جس نے فرضیت امامت علیؑ کا اعلان کیا اور ان کے بعد اعداء سے تبراء کیا۔ علیؑ کے مخالفین کو برا کہتا اور ان کو کافر قرار دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل یہودیت پر ہے۔(رجال کشی ص 71)اس روایت نے۔۔۔سارا بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ عبداللہ بن سبا ایک غالی شیعہ تھا۔ یہودیت کے وقت۔۔۔(چند سطروں تک مذکورہ بالا روایت کے الفاظ دھرائے گئے ہیں۔ناقلؔ)۔۔۔حضرات شیعہ کو جب کہا جائے کہ مذہب پاک شیعہ کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے تو وہ سخت گھبرا کر برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ ان حضرات کو بات بالا پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ بہرحال بقول شخصے ؏ ساتھ انکار کے پردہ میں کچھ اقرار بھی ہے۔ شیعہ حضرات لاکھ چھپائیں حق برزبان جاری۔۔۔بے شک عبداللہ بن سبا یہودی نے موالات علیؑ کے لباس میں حضرات شیخین سے بغض و عناد کی خفیہ وعلانیہ تعلیم دی۔ جلاوطنی کی سزا بھی پائی۔۔۔پہلے تقیہ کی صورت میں مریدان ابن سبا سبّ صحابہ کرتے رہے اب علانیہ ہونے لگی اعاذنا اللہ منہ۔(آفتاب ص 304)

الجواب:

مؤلف آفتاب نے یہاں بھی کوئی نئی تحقیقی بات نہیں کی بلکہ حسب العادت اپنے قدیمی بزرگوں کا آموختہ دھرایا ہے۔ قدیم الایام سے دشمنان شیعہ وشیعیت یہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے ہیں کہ "مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی ایجاد ہے" حالانکہ یہ سراسر کذب وافتراء ہے و **انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون**۔ ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ اس بے بنیاد پروپیگنڈہ پر کچھ تبصرہ کرتے ہیں۔ **لیحق اللہ الحق بکلماتہ**۔

بعض علماء کے نزدیک ابن سبا کا وجود فرضی ہے:

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض اہل تحقیق کی رائے تو یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی شخصیت اور مجنوں عامری وابو بلال کی طرح داستان سراؤں کا خیالی ہیرو ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں سنی، شیعہ اور انگریز محقق شامل ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر طہٰ حسین مصری (سنی) مورخ جارج جبر داق لبنانی (عیسائی) استاد عبداللہ سبیتی کاظمی، علامہ سید محمد حسین طباطبائی قمی، فاضل مرتضیٰ عسکری عراقی (شیعہ) ڈاکٹر علی الوردی پروفیسر بغداد یونیورسٹی (سنی) مولانا سید محمد باقر کھجوی، مولانا سید منظور حسین بخاری اجنالوی (شیعہ) ان حضرات میں سے بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں اور بعض نے مستقل کتب تالیف کر کے روایت و درایت کے اصول کے تحت یہ ثابت کیا ہے کہ ابن سبا کا وجود افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جسے صرف شیعوں کو بدنام کرنے اور عثمان وغیرہ کے افعال زشت پر پردہ ڈالنے کیلئے گھڑا گیا۔ ہم بوجہ اختصار صرف ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کی عبارت کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ فاضل موصوف اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ ج 1 ص 132 طبع مصر پر رقمطراز ہیں ''ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے تو اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا مقصد یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر شامل کر دیا جائے۔ امویوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبد اللہ بن سبا کے معاملے میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ اس کے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کئے اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور وہ ناپسندیدہ امور جو ان کے متعلق مشہور ہیں کہ سن کر لوگ شک وشبہ میں پڑ جائیں ان کا ازالہ ہو گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے مخالفین نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں''۔۔۔ طبری کے بعد والے قریباً تمام مورخین نے ابن سبا کے قصہ کو طبری سے لیا ہے جیسا کہ تاریخ ابو الفداء کامل، البدایۃ والنہایہ وغیرہ تواریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور طبری نے اسے سیف بن عمر کی زبانی نقل کیا ہے اور یہ سیف بن عمر علماء رجال کے نزدیک ''ضعیف الحدیث لیس بشئی'' ہے۔ ''متروک یضع الحدیث''، ''عامة حدیثه منکر متهم بالوضع و الزندقة'' میزان الاعتدال ذہبی ج 1 ص 438۔ تہذیب التہذیب ج 4 ص 225 وغیرہا۔ بہرحال جس شخص کا وجود ہی متنازعہ فیہ ہو اس کو کسی مذہب کا بانی کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

عبداللہ بن سبا اور کتب رجال شیعہ:

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ قاعدہ وقانون فطرت یہ ہے کہ ہمیشہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کے بانیوں اور خدمتگاروں

کا تذکرہ بڑے شاندار الفاظ اور تجلیل و تعظیم کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔مگر اس کے برعکس شیعہ کی تمام موجودہ کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ ابن سبا غالی اور ملعون تھا اور تمام شیعہ علماء نے اس پر لعنت کی صراحت کی ہے اور اس کے خیالات سے بیزاری اختیار کی ہے۔ ہلکی سے ہلکی عبارت جو شیعہ علماء رجال نے اس کے بارے میں تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ ''ان عبد اللہ بن سبا العن انٗ یذکر''' ''عبداللہ بن سبا ایسا ملعون ہے کہ اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں'' (اصل شیعہ ص 57) حضرت علامہ حلی نے اپنے رجال میں حسب ذیل الفاظ میں ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے ''عبداللہ بن سبا غالی ملعون ہے امیر المؤمنینؑ نے اسے آگ میں جلا دیا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ علیؑ خدا ہے اور وہ خود نبی ہے۔خدا اس پر لعنت کرے'' (تاریخ الشیعہ ڈاکٹر حسین علی ص 9) انہی الفاظ کے ساتھ فاضل اردبیلی نے جامع الرواۃ ج 1 ص 485 اور فاضل قمی نے تحفۃ الاحباب ص 184 میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسی مضمون کی دو روایتیں رجال کشی میں موجود ہیں۔فراجع۔۔۔ان حقائق سے معلوم ہوا کہ بنا بر تسلیم وجود (کما ھو الحق) وہ شیعی عقائد کا حامل نہ تھا بلکہ غالی تھا۔غلو اور تشیعّ باہم ضدیں ہیں۔جن کا ایک شخص میں اور ایک ہی وقت میں اجتماع ناممکن ہے۔بھلا جو شخص حضرت علیؑ کو خدا یا خدا کا اوتار اور خدائی صفات کا حامل سمجھتا ہے وہ اسے رسولؐ کی مسند کا وارث اور امام کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر جناب امیرؑ نے اسے جلایا ہے یا بروایتے شہر بدر کیا ہے تو اس کے غلو کی وجہ سے ایسا کیا ہے نہ کہ شیخین کو بُرا کہنے کی وجہ سے۔!!

رجال کشی کی عبارت کی وضاحت:

باقی رہی فاضل کشی کی وہ عبارت جسے مؤلف نے فاضل استر آبادی کی منہج المقال کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔اس عبارت کا آغاز ''ذکر بعض اھل العلم'' (بعض اہل نے بیان کیا ہے) کے عنوان سے کیا گیا ہے۔جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عبارت میں فاضل موصوف نے اپنا نظریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی دوسرے شیعہ علماء کا عندیہ پیش کیا ہے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخالفوں کے وہ بعض اہل علم جنہیں شیعیت کے اصول وفروع سے کماحقہ واقفیت نہیں ہے وہ عبداللہ بن سبا کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں اور اسی لئے مخالفین کے نزدیک اصلِ شیعیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔

؎ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اطواق الحمایۃ کی روایت کا جواب:

باقی رہی اطواق الحمایۃ''' (جسے مؤلف نے شیعہ کی مستند کتاب قرار دیا ہے) کی روایت جس میں شیخین کے بڑے فضائل درج ہیں اور جس پر مؤلف نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔مگر افسوس یہ تمام کارروائی بناء الفاسد علی الفاسد کی مصداق ہے۔اوّلاً تو اطواق ہماری کوئی مستند کتاب نہیں بلکہ ایک عام سی کتاب ہے۔ثانیاً جس روایت کا سہارا لیا ہے یہ اہلسنت کی ہے

جسے مؤلف نے اہلسنت کے استدلال میں نقل کر کے پھر آگے اس کا جواب لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اصل کتاب دیکھی نہیں ہے (جب ہی تو صفحہ ندارد ہے) ورنہ شاید اس قدر دھاندلی روا نہ رکھتے! شیخین کے بارے میں حضرت امیر المؤمنینؑ اور دیگر آئمہ طاہرینؑ کا صحیح نظریہ وہی ہے جسے ہم اس سے قبل مناسب مقام پر بڑی تفصیل کے ساتھ کتب فریقین کے حوالہ جات سے پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

مذہب شیعہ کے اصل بانی خود ''بانی اسلامؐ'' ہیں:

اگر ذوق سلیم سے تاریخ شیعیت کے آغاز کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ جہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے وہیں سے باغبانِ شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبتؐ نے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا۔ آبیاری کی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس کی نگہداشت فرماتے رہے۔ یہ پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا اور رسولؐ کی زندگی میں پھولنے لگا۔ مگر پھیلنے نہ پایا تھا کہ چراغ نبوت گل ہو گیا۔۔۔ اس دعویٰ میں شیعہ منفرد نہیں بلکہ جمہور اسلام کے رواۃ اور محدثین اور علماء اسلام بھی شریک نظر آتے ہیں۔ احمد بن حنبل، سیوطی، ابن حجر، زمخشری، نسائی، اور ابن اثیر وغیرہ فحول علماء کرام نے ابن عباس، حضرت علی علیہ السلام وغیرہما سے یہ روایت کی ہے کہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔ حضرت امیرؑ سے فرمایا کرتے تھے ''انت و شیعتک هم الفائزون یوم القیامة (اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے)'' ان علماء کے علاوہ اہلحدیث نے بھی اس حدیث کو مختلف طرق سے بیان کیا ہے۔ تاریخ و حدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے عہد نبویؐ میں صحابہ کرام کا ایک گروہ جناب امیرؑ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حضرت امیر علیہ السلام کو اپنا روحانی پیشوا، تعلیم رسولؐ کا حقیقی مبلغ نیز احکام و اسرارِ نبوت کا واقعی شارح اور مفسر تسلیم کرتا ہے اور شیعہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت تو پہلے ہی سے نفس رسولؐ کے ساتھ تھی مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیاسی مناقشات کے دور میں اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے آپ کی معیت اختیار کر لی۔ سلمانؓ، عمارؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، خزیمہؓ ذوالشہادتین، اور ابوایوب انصاریؓ، ایسے اسیؓ (80) سر برآوردہ اور بعد میں خصال شیخ صدوقؒ کی روایت کے مطابق بارہ ہزار صحابی، بدری اور عقبی مہاجرین و انصار ایسے تھے جو حضرت ابو ترابؑ کی حمایت میں شامل ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے جنگ جمل اور حرب صفین میں اپنی اپنی جانیں نثار کیں۔ (ماخوذ از اصل و اصول شیعہ ۔۔ بحوالہ کتاب عبداللہ بن سبا از فاضل اجنالوی) **فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثوراً۔**

شیعہ کے مختلف فرقے:

چونکہ بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کی اصل غرض تخریب اسلام اور مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرنی تھی۔ اس نے

اپنے زمانہ جلاوطنی میں مختلف بلاد میں مختلف قسم کی تعلیم دی۔بعض کو یہ کہا کہ علیؑ خدا ہیں انسان کی شکل میں دنیا میں آئے بعض کو کہا کہ وہ نبی ہیں۔۔۔بعض کو کہا کہ وصی نبی ہیں۔۔۔اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ کے بے تعداد فرقے پیدا ہو گئے۔ان کی تفصیل تحفہ اثنا عشریہ و دیگر کتب مبسوطہ میں موجود ہے۔۔کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ ایسے بھی شیعہ ہیں کہ جو جناب امیر علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں۔۔۔رسول پاک ﷺ سے بھی ان کو زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔حق الیقین اردو ص 370 میں ہے کہ ان بزرگوں کے غرائب احوال و محاسن صفات۔۔۔۔۔اور تمام معجزوں کے سبب۔۔۔غالیوں میں سے بعضوں کو ان کی پیغمبری کا اور بعضوں کو ان کی خدائی کا اعتقاد ہے۔۔۔اسی کتاب کے ص 16 میں ہے۔بعض غالیوں کا اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ نے آئمہ ہدیٰ کو پیدا کر کے خلقت عالم ان بزرگواروں پر چھوڑ دیا۔۔ص 19 میں لکھا ہے بعض غالیانِ شیعہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسولؐ اور آئمہ ہدیٰ میں حلول کیا ہے یا ان کے ساتھ متحد ہوا ہے یا ان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔۔۔ص 78 میں ہے بعض غالیوں کا یہ قول ہے کہ حضرت امیرؑ حضرت رسولؐ سے افضل ہیں۔۔۔حق الیقین کی ان روایات سے ثابت ہوا کہ شیعہ میں ایسا فرقہ بھی موجود ہے جو جناب امیرؑ کو پیغمبر بلکہ خدا مانتے ہیں۔ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امیر علیہ السلام بلکہ تمام اہلبیتؑ مخلوق خدا کے جملہ امور کے کفیل ہیں رزق دینا، نفع ونقصان پہنچانا، موت وحیات سب ان کے اختیار میں ہے خدا نے صرف ان کو پیدا کیا ہے پھر معطل ہو گیا ہے۔۔۔حق الیقین میں تصریح ہے کہ یہ سب شیعیان علیؑ ہیں۔۔۔بقول شخصے ؎ اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست

یہ ساری مہربانی یہودی۔۔۔(ابن سبا) کی ہے جس نے اس نرالے مذہب کی ایجاد کر کے اپنی تاثیر و تعلیم۔۔میں یہ سپرٹ پیدا کی اور سچ پوچھو تو بعض نہیں بلکہ تمام شیعہ جناب امیرؑ اور آئمہ اہلبیتؑ کو اگر خدا نہیں تو شریک خدا ضرور مانتے ہیں۔۔۔آئمہ ہدیٰ علم ما کان و ما یکون رکھتے ہیں، مرنا جینا ان کے اختیار میں ہے۔۔۔حق الیقین ص 436 میں جناب امیرؑ کا قول درج ہے کہ بادل و برق و رعد، نور ظلمت ہوا و پہاڑ و دریا، سورج و چاند سب کچھ میرے تابع حکم ہیں۔اب بتایئے خدا کی کون سی صفت باقی رہ جاتی ہے۔۔۔ہمارے ملک کے شیعہ کے اعتقادات غالی شیعوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یا اللہ کے۔۔۔بجائے یا علیؑ کا ورد پکارتے ہی اسلام علیکم کی بجائے۔۔جو سلام بنا لیا ہے یا علیؑ مدد۔اس سے ان کے عقیدہ۔۔۔کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔۔۔اشعار ذیل ان کے اندرونی خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں

؎ غلط الامین فجاز ھا عن حیدر (جبرئیل امین نے غلطی کر کے نبوت علیؑ کو نہ دی)

؎ جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بے چوں　　در پیش محمد شد و مقصود علیؑ بود　　(جبرئیل جو درگاہ الٰہی سے آیا اور محمدؐ کے پاس چلا گیا دراصل مقصود تو علیؑ تھے) چونکہ شیعہ کے تمام فرقے اسی یونیورسٹی کے درس یافتہ ہیں جو عبد اللہ بن سبا نے قائم کی اس

لئے معتقدات میں ان کا متحد ہونا قدرتی اور لازمی بات ہے۔۔۔(آفتاب ص 306)

الجواب:

یہ بیان باطل التیام بچند وجہ غلط اور مردود ہے۔

اوّل: اسمیں افتراق شیعہ کا بانی عبداللہ بن سبا کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ ابھی اوپر سطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اولاً: تو عبداللہ مذکور کے وجود میں ہی اختلاف ہے ثانیاً بنا بر ثبوت اس کا بانی مذہب شیعہ ہونا بالکل بے بنیاد اتہام ہے۔

دوم: دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ ''ابن سبا کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ شیعوں کے مختلف فرقے پیدا ہو گئے'' مگر ثبوت میں حق الیقین ص 370 کا جو حوالہ دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ آئمہ اہلبیتؑ کے محاسن، کمالات اور معجزات دیکھ کر گمراہ ہوئے۔عقل وخرد سے یہ بیگانگی شیعیت کی اندھی مخالفت کا نتیجہ ہے۔

سوم: جناب رسولخدا ﷺ کا متفق بین الفریقین ارشاد ہے۔ **ستفترق امتی علی ثلاثۃ و سبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ۔** ''کہ میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔اور سوائے ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔'' شیعہ کے زیادہ سے زیادہ 24 فرقے شمار کئے جاتے ہیں۔ بقول مؤلف شیعوں کا یہ افتراق تو عبداللہ بن سبا کی وجہ سے ہوا۔مگر اہلسنت کے اپنے 49 فرقے کس نے بنائے؟ اگر لگے ہاتھوں یہ کہہ دیتے کہ اسلام کے پورے تہتر فرقے عبداللہ بن سبا کی پیداوار ہیں تو کچھ بات بھی ہوتی۔

چہارم: حق الیقین کے حوالہ سے جس قدر بعض عقائد فاسدہ نقل کئے گئے ہیں۔وہ سب غالیوں کے ہیں اور حق الیقین میں جا بجا تصریح موجود ہے کہ بعض غالیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ پھر غالیوں کے فاسد عقائد کو شیعوں کے سر منڈھنا دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے؟ غالی وہ ہے جو حضرت علیؑ کو خدا کہے یا خدائی صفات کا حامل ٹھہرائے اور شیعہ وہ ہے جو ان کو خاص بندہ خدا اور رسولؐ کا پہلا جانشین سمجھے۔آیا یہ دونوں باتیں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں؟ بایں ہمہ ع چہ دلا ور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ لکھتے ہیں ''حق الیقین میں تصریح موجود ہے کہ یہ سب شیعیان علی ہیں'' حالانکہ غالی باتفاق مذہب شیعہ کافر اور مفوضہ (جو کہتے ہیں خدا نے صرف محمدؐ وعلیؑ کو پیدا کر کے پھر نظام عالم چلانے اور اشیاء پیدا فرمانے کے کام ان کے حوالہ کر دیے ہیں) مشرک ہیں۔شیعہ کتب عقائد وحدیث میں اس امر کی تصریحات موجود ہیں۔ بہر کیف غالیوں کو شیعوں میں شمار کرنا شرمناک جسارت وحرکت ہے۔اسی حق الیقین میں جا بجا ان لوگوں کے کفر کی صراحت موجود ہے۔

پنجم: شیعیان حیدر کرار پر یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ خدا کے اتحاد یا حلول کے قائل ہیں (العیاذ باللہ) ہمارا تمام سرمایہ علم کلام اس بات کی تردید کا شاہد عادل ہے۔عقائد کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ ملے گا کہ خدا کی صفات سلبیہ میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ

کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی شئی سے متحد ہوتا ہے۔ہاں اس عقیدہ فاسدہ کے قائل یا بعض غلاۃ ہیں یا پھر اہلسنت کے صوفیائے کرام جن کا مایہ ناز مسئلہ ہی ''وحدت الوجود'' ہے۔چنانچہ محی الدین ابن عربی فتوحات کے مقدمہ میں لکھتا ہے۔''سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا''اور عارف رومی صاحب لکھتے ہیں۔

ہر لحظ بشکلے بت عیّار بر آمد ☆ دل بر دو نہاں شد

ہر دم بلباسِ دیگرآن یار بر آمد ☆ گہہ پیرو جواں شد

گہہ نوح شدد کر و جہاں رابد عاغرق ☆ خود رفت بکشتی

گہہ گشت خلیل و بدل نار برآمد ☆ آتش گل از انشد

اور شیخ شبستری گلشن راز میں یوں گوہرافشانی فرماتے ہیں

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست ☆ بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

اسی طرح شاہ نعمت اللہ اپنے دیوان میں یوں عرفان بافی فرماتے ہیں

تو منی من تو ام دوئی بگذاد ☆ ایں ہمہ نزد ماہویتِ اوست

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

وجود ایں واں نقش خیالست ☆ حقیقت جزِ وجودِ کبریا نیست

اگر کوئی ہمہ حق است حق است ☆ دگر خلقش ہمہ خوانی خطا نیست

۔۔۔کتاب مذاہب اسلام ص 602،601 پر فرقہ مشبہ کے بارے میں لکھا ہے''یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ جسم ہے طول عرض و عمق اور گوشت وخون رکھتا ہے۔۔۔اور کہتے ہیں کہ عرش اللہ کے چاروں طرف سے چار چار انگل زیادہ بڑھا ہوا ہے ان کے نزدیک سوائے بنی امیہ کے اور کوئی امام نہیں۔اللہ کے دوستان صادق دنیا و آخرت میں اس سے گلے ملتے ہیں اور ان کو یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔جبکہ انسان بہت سے ریاضات کر کے حدِ اخلاص و اتحاد تک پہنچ جاتا ہے ''فرمایئے یہ بدعقیدہ فرقہ سنیوں کا ہے یا شیعوں کا ؟ بنی امیہ کو سنی امام مانتے ہیں یا شیعہ؟

سبحان اللہ عما یقول المشرکون علواً کبیراً۔۔۔یہ الزام بھی بالکل بے جا ہے کہ تمام شیعہ آئمہ اہلبیتؑ کو شریک خدا مانتے ہیں۔اور ثبوت میں علم ما کان و ما یکون وغیرہ امور کو پیش کیا ہے۔ہم اس کا الزامی اور حلی جواب قبل ازیں جہاں مؤلف نے ان مسائل کا مستقلاً تذکرہ کیا ہے۔پیش کر چکے ہیں۔وہاں رجوع کیا جائے۔۔۔اس سلسلہ میں حق الیقین اردو ص 436 سے جن فقروں پر اعتراض کیا ہے یہ ان کی ناسمجھی کا نتیجہ ہے ورنہ اصل کتاب میں تصریح موجود ہے کہ ''منم انکہ خدا مسخر من گر دانید ہ است

ابرہا۔۔۔۔۔۔۔یعنی میں ہوں جس کے لئے خدا نے ابر و رعد۔۔۔۔۔۔کو مسخر کیا ہے۔''

اس میں تو خدا کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے یہ شرک کہاں ہے؟ (فارسی ص 389 طبع ایران) علاوہ بریں جس خطبے کے یہ جملے ہیں وہ مستند نہیں[1] ہے۔

یا علیؑ مدد کہنے کا جواز:

مؤلف نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ شیعہ اٹھتے بیٹھتے۔۔۔۔۔۔یا علیؑ کا ورد کرتے ہیں۔ تو ان کے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کو خدا یا شریک خدا یا نبی و رسول سمجھ کر ان کے نام کا ورد نہیں کرتے۔ بلکہ بموجب ارشاد پیغمبرؐ ذکر علی عبادة (علی کا ذکر عبادت ہے) (ارجح المطالب ص 97 بحوالہ کنز العمال و دیلمی وغیرہ) عبادت خدا سمجھ کر کرتے ہیں اور اللہ کا ولی اور نبی کا وصی سمجھ کر کرتے ہیں مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے!

؎غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست ☆ مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بو تراب میں

نیز شیعیان علیؑ پر یہ سراسر اتہام اور غلط الزام ہے کہ انہوں نے اسلامی سلام (السلام علیکم) کی بجائے کوئی نیا سلام ایجاد کر لیا ہے (یعنی یا علیؑ مدد) حاشا و کلا۔ کوئی بھی باخبر شیعہ اسے اسلامی سلام کی جگہ سلام نہیں سمجھتا۔ بلکہ صرف بعض حضرات اسلامی سلام کے بعد بطور وسیلہ (اپنے اور خدا کے درمیان حضرت امیرؑ کو وسیلہ سمجھ کر) ''یا علیؑ مدد'' کہہ لیتے ہیں۔ تاکہ مؤمن و منافق کی پہچان ہو جائے فرمایئے اس میں غلو یا شرک کی کونسی بات ہے؟ وسیلہ اختیار کرنے کا خود خدا نے حکم دیا ہے ''یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ '' (المائدہ آیت 35) سفارش کرنا وسیلہ کا کام ہے اور کام کرنا خدا کا کام۔۔۔ فرمایئے یہ شرک ہے یا عین توحید؟ اور اگر لفظ ''یا'' کے استعمال پر اعتراض ہے تو نحو کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ لفظ ''یا'' قریب و بعید ہر دو کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

غلط الامین الخ۔۔۔۔۔۔میں جس نظریۂ فاسدہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ شیعیان علیؑ اس سے بیزار ہیں یہ کسی غالی خبیث کا نظریہ ہے نہ شیعیان حیدر کرار کا۔ دوسرا شعر دیوان منسوب بہ شاہ شمس تبریز نولکشور لکھنؤ میں موجود ہے کہتے ہیں مولوی رومی نے یہ اشعار کہہ کر اپنے مرشد کی طرف منسوب کر دیئے ہیں (حقیقۃ العرفان۔ از علامہ برقعی) بہر حال اوّلاً تو یہ شعر ہمارے خلاف حجت و سند نہیں۔ ثانیاً اسکی صحیح تاویل ممکن ہے کہ غدیر خم کے موقع پر اگرچہ بظاہر جبرئیل امین جناب رسولخداﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ مگر اصل میں جناب امیرؑ کی ولایت و وصایت کا اعلان کرانا مقصود تھا۔

؎ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است ☆ نہ ہر کہ سر تبراشد قلندری داند

---

[1] ان مسائل کی تفصیلات وتحقیقات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ (منہ عفی عنہ)

شیعہ کا ادعائے قدامت:

شیعہ کہتے ہیں ہمارا وجود قدیم سے ہے۔ تمام پیغمبر شیعہ تھے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ سب شیعہ تھے۔ رسولپاک ﷺ بھی شیعہ تھے۔ بریں فہم ودانش بہ باید گریست ع اتنی سمجھ بھی نہیں کہ شیعہ خارجی کا وجود تو اس وقت سے ہے جب بقول ان کے غصب خلافت ہوا۔ جو لوگ تین یاروں کو نہیں مانتے۔۔۔وہ شیعہ و رافضی کہلاتے ہیں پھر پہلے پیغمبروں نوح۔۔۔۔کا شیعہ ہونا چہ معنی دارد حضرت رسولپاک ﷺ اگر شیعہ ہوتے تو تین یاروں کو ان کے دربار میں جگہ ہی کاہے کو ملتی۔ وہ رسولؐ کے شام وسحر کے رفیق۔۔۔حضور ﷺ ان کو بیٹیاں نہ دیتے۔۔۔ہاں حضرت علیؑ بھی شیعہ نہ تھے۔ ورنہ ان کے مشیر کار ہر امر میں۔۔۔مددگار ان کے پیچھے نمازیں نہ پڑھتے غنائم سے حصہ نہ لیتے۔۔ہر چند تلاش کرو۔ شیعیت کا سراغ ملتا ہے تو اس ابن سبا سے جس کو حضرت امیرؑ نے دھتکار کر مدینہ رسولؐ سے نکال دیا تھا۔۔

(آفتاب ص 307)

الجواب:

شیعیان حیدر کرار کا یہ دعویٰ بالکل بجا اور مبنی بر حقیقت ہے یہ تو سب مانتے ہیں کہ اسلام کے دو ہی عظیم الشان فرقے ہیں۔ (1) شیعہ اور (2) اہلسنت والجماعت۔ شیعہ کے معنی ہیں گروہ، جماعت اور پیروکار۔ اس لفظ کے اندر جو کچھ حُسن یا قبح ہے وہ اضافی ہے یعنی اگر کسی اچھے شخص کا پیروکار ہوا تو اچھا متصور ہوگا۔ اور اگر کسی برے کی پیروی کر لے گا تو برا سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ لفظ ''سنت'' کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کے معنی ہیں دستور، طریقہ، کسی اچھی ذات کا طریقہ ہے تو یہ سنت اچھی ورنہ بری سمجھی جائے گی۔ شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر دو معنی کے اعتبار سے لفظ شیعہ قدیم الایام سے موجود ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ ''وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ'' (الصافات آیت 83) اور ''فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ'' (القصص آیت 15) سے واضح ہے۔ اس کے برخلاف ''اہلسنت والجماعت'' کا قرآن میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شیعہ کا وجود غصب خلافت کے وقت سے ہے۔ کیونکہ ہم ''عبداللہ بن سبا'' کے عنوان کے تحت یہ ثابت کر آئے ہیں کہ باغبان شریعت جناب رسولخدا ﷺ نے اسلام کے ساتھ ہی اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا تھا۔ اور بار بار فرمایا تھا یا علیؑ! ''انت و شیعتک هم الفائزون یوم القیامة، علی و شیعته هم الفائزون یوم القیامة، هذا و شیعته هم الفائزون یوم القیامة، یا ابا الحسن علیہ السلام! انت و شیعتک فی الجنة، علی و شیعته السابقون الی الجنة۔۔یاعلی! اتائی انت و شیعتک یوم القیامة راضین و یاءتی عدوک غضبا بأمقحمین'' (باختلاف الفاظ، صواعق محرقہ، تذکرہ خواص الامۃ، حلیۃ الاولیاء، نور الابصار، فرائد السمطین، ینابیع المودۃ،

فردوس الاخبار، مؤدۃ القربیٰ، کنوز الحقائق، فصول مہمہ، مناقب خوارزمی وغیرہا) یہی وجہ تھی کہ یہ احادیث دیکھ کر بڑے بڑے اکابر اہلسنت کے منہ سے بھی لال ٹپک پڑی۔ چنانچہ صاحب صواعق محرقہ اس مضمون کی چند روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں "شیعتہ هم اهل لسنّة" "یعنی حضرت امیرؑ کے شیعہ، اہلسنت ہیں"۔۔۔اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ ص 11 طبع نولکشور پر لکھتے ہیں"۔ باید۔۔۔دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ وتفضیلیہ اند درزمانِ سابق بہ شیعہ ملقب بودند" "یعنی اسلام کے پہلے فرقہ کا نام شیعہ ہے اور اہلسنت کا سابقہ نام بھی شیعہ ہی ہے۔"

علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ 21 ص 144 پر بذیل حدیث "انت و شیعتک راضین مرضین" لکھتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی نکلتا ہے کہ شیعہ علیؑ ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر خود آنحضرت ﷺ نے کیا۔ الحمدللہ کہ ان حقائق کی روشنی میں شیعوں کا ادعائے قدامت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوگیا اور مؤلف کے بیان کا غلط ہونا بھی واضح وعیاں ہوگیا۔ نیز مؤلف نے رسولؐ و ثلاثہ اور علیؑ ثلاثہ کے اتحاد واتفاق کے متعلق جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم ایک نہیں کئی بار اسی کتاب میں (خصوصاً فضائل ثلاثہ کے جواب میں) ان کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر چکے ہیں اور ان کا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہونا واضح وآشکار کر چکے ہیں فلانطیل الکلام بالتکرار۔ من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

لفظ شیعہ کی مذمت قرآن میں:

اب ہم قرآن پاک کی طرف رجوع کرتے ہیں۔۔۔شیعہ بڑا ناز کرتے ہیں کہ ہمارا نام قرآن مجید میں ہے۔۔۔یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ شیعہ لکھا ہے۔ اس سے مراد کفار واشرار ہیں اور بس۔۔۔یہ منحوس نام قرآن پاک میں نیکوں کی بجائے بدوں کے حق میں استعمال ہوا ہے۔

(1) "إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا" (القصص آیت 4) "یعنی فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اہل ملک کو شیعہ بنا دیا۔"

(2) "إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ" (الانعام آیت 159) "یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے۔ اے میرے حبیب! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں" شیعہ۔۔۔کی تفسیر عمدۃ البیان ص 379 میں اس کا خلاصہ یوں لکھا ہے کہ اس جگہ شیعہ کا لفظ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پر استعمال ہوا ہے۔

(3) "قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا" (الانعام آیت 65) "یعنی اللہ اس بات پر قادر ہے کہ بھیجے عذاب تم پر اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو شیعہ شیعہ بنا کر آپس میں لڑائے"۔۔۔عمدۃ البیان ج 1 ص 353 میں ہے کہ یہاں شیعہ کا لفظ شریروں فتنہ بازوں

۔۔۔پر استعمال ہوا ہے۔

(4)''وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ''(الروم آیت 31،32)''یعنی اے لوگو! نہ ہو تم ان شیعوں سے کہ جنہوں نے فرقہ فرقہ ہو کر اپنے دین کو برباد کر دیا۔عمدۃ البیان ج 3 ص 13 میں لکھا ہے کہ یہاں شیعہ مشرکوں، بت پرستوں۔۔۔کو کہا گیا ہے۔''

(5)''وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ''(الحجر آیت 10،11)''یعنی ہم بھیج چکے ہیں اے رسول تجھ سے پہلے اگلے شیعوں میں۔نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول، مگر کرتے رہے ان سے ٹھٹھے۔عمدۃ البیان ج 2 ص 174 میں ہے۔اس آیت میں شیعہ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھہ مخول کرنے والے کافر تھے۔''

(6)''كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ''(سبا آیت 54)''یعنی ایسا کیا گیا اگلے شیعوں کے ساتھ وہ شک و بدگمانی میں پڑے ہوئے تھے۔عمدۃ البیان ج 3 ص 93 میں ہے کہ یہاں شیعہ کافروں کو کہا گیا۔جو خانہ کعبہ کو گرانے آئے تھے۔''

(7)''وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ ''(القمر آیت 51)''یعنی ہم نے ہلاک کیا ہے اگلے شیعوں کو''اشیاع جمع شیعہ کی ہے۔عمدۃ البیان ج 3 ص 33 میں ہے۔یہاں شیعہ اگلے کافروں کو کہا گیا ہے۔

(8)'فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا '(مریم آیت 68)''یعنی قسم ہے تیرے رب کی کہ قیامت کو حشر ضرور کریں گے ان کو شیطانوں کے ساتھ پھر حاضر کریں گے ان کو گرداگرد دوزخ کے جب وہ زانوں کے بل چل کر آئیں گے۔''''ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا '(مریم آیت 69)''پھر ہم نکال لیں گے۔دوزخ میں ڈالنے کو پہلے ان شیعوں سے جو ہوگا۔ان سے سخت خدا سے سرکش''۔۔۔عمدۃ البیان ج 2 ص 616 میں ہے فرمایا اللہ عزوجل نے کہ ان شیعوں میں سے جو بڑا سرکش ہوگا پہلے ہم اس کو دوزخ میں ڈالیں گے۔ان تمام آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق کفار، مشرکین، فتنہ باز، فسادیوں، یہود و نصاریٰ، سرکش شیطان صفت گروہ پر ہوا ہے پھر شیعہ خود ہی غور کریں کہ کیا وہ اس لفظ کا مصداق بننا چاہتے ہیں؟۔۔ہاں ان دو آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق بظاہر اچھے معنی میں نظر آتا ہے۔

(1)''هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ '(القصص آیت 15)''یہ اس گروہ سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں سے ''شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں شیعہ کا معنی دوست و رفیق ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے رفقاء کو بھی شیعہ کہا

جاتا تھا۔ مگر یہ محض شیعہ کی نافہمی ۔۔۔ ہے وہ پہلا شخص گو حضرت موسیٰ ؑ کے قبیلہ ۔۔۔ سے تھا مگر منافق و مشرک تھا ۔۔۔ بلکہ مفسرین کہتے ہیں کہ اسی کا نام سامری تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے پہلے دن اسی کو مجرمین میں شمار کیا ۔ پھر دوسرے دن تو ۔۔۔ صاف صاف فرما دیا۔ ''انک لغوی مبین'' (یعنی تو ایک بدخواہ بظاہر گمراہ ہے) پھر یہاں بھی لفظ شیعہ کا اطلاق اچھے شخص پر نہیں ہوا۔ بلکہ بُرے پر ہوا ہے۔۔۔ جس کی وجہ سے آپ کو شہر چھوڑ کر مدین کی طرف بھاگ جانا پڑا۔

(2) ''وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ'' (الصافات آیت 83،84،85) ''یعنی اس کے گروہ میں سے تھا ابراہیم۔ جبکہ آیا رب اپنے کی طرف سے سلامت دل لے کر'' شیعہ کہتے ہیں یہاں شیعہ کا لفظ ابراہیم پر اطلاق ہوا ہے اور ابراہیم ؑ شیعہ تھے۔ لیکن یہ بھی ان کی خوش فہمی ۔۔ کا نتیجہ ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ ابراہیم کا تولد قوم شیعہ (کفار) میں ہوا جس سے نکل کر آپ اپنے رب کی طرف صاف دل ہو کر آگئے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود شیعہ تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قوم شیعہ یعنی اس قوم سے نکل کر آپ ہدایت یافتہ ہو کر اپنے رب کے پاس آگئے جو نوح ؑ کے مخالف گمراہ قوم چلی آتی تھی۔ (آفتاب ص 309)

الجواب:

پہلے مناظرین اہلسنت میں کچھ شرم وحیا ہوتی تھی اور وہ استدلال میں اس خیال کے پیش نظر اس قسم کی دھاندلی کو روا نہیں رکھتے تھے کہ اہل علم وفضل میں انکی رسوائی ہو جائے گی مگر دینی وعلمی لحاظ سے چونکہ زمانہ روبہ تنزّل ہے۔ اس لئے جب رفتہ رفتہ نوبت مولوی کرم الدین صاحب تک پہنچی تو یا تو شرم وحیا کے معنی بدل چکے تھے۔ یا پھر انہوں نے حیا کا لبادہ اس طرح اتار کر دور پھینک دیا ہے۔ جس طرح بالکل بوسیدہ کپڑا اتار کر پھینک دیا جاتا ہے یا پھر ہمیشہ سے ان سے شرم وحیا اسطرح غائب تھی جس طرح گدھے کے سر سے سینگ سچ ہے ''اذالم تستح فاصنع ماشئت'' یعنی بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔ انہوں نے سطور بالا میں اسقدر اندھیر گردی اور دھاندلی سے کام لیا ہے کہ انکی کارستانی دیکھ کر جبین علم عرق انفعال سے تر ہو جاتی ہے اور جواب دیتے ہوئے قلم لرزتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل میں خوف خدا اور خوف حشر ونشر کا سوتا بالکل خشک ہو گیا ہے اور دیدہ سے شرم وحیا کا آخری قطرہ بھی ڈھلک گیا ہے۔ ورنہ اس دیدہ دلیری کے ساتھ تفسیر بالرائے کی جرأت نہ کرتے۔ سچ ہے ''انها لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور'' اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ عام شرعی الفاظ کی طرح لفظ ''شیعہ'' کے ایک ہیں لغوی معنی (آخر جب عربی زبان کا لفظ ہے تو اس زبان میں اس کے کوئی معنی بھی ہوں گے) اور وہ یہ ہیں (1) گروہ (2) متبع و مطیع (3) ناصر و مددگار (4) صاحب و ساتھی (ملاحظہ ہو قاموس ج 3 ص 47 طبع مصر، المنجد ص 411 وغیرہ) اور دوسرے ہیں عرفی و شرعی معنی اور وہ یہ ہیں ''وہ گروہ جو جناب امیر علیہ

السلام کی نصی خلافت بلافصل کا قائل ہے۔ ان سے محبت رکھتا ہے اور دین و دنیا میں ان کو پیشوا اور راہنما سمجھتا ہے۔" چنانچہ مقدمہ ابن خلدون ص 196 طبع مصر پر مرقوم ہے "اعلم ان الشیعة لغةً هم الصحب و الاتباع و یطلق فی عرف الفقها و المتکلمین من الخلف و السلف علی اتباع علی و بنیه رضی الله عنهم"۔ "یعنی جاننا چاہیئے کہ لفظ شیعہ کے لغت میں معنی ہیں اصحاب و اتباع۔ مگر متقدم و متاخر فقہاء و متکلمین کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیروؤں پر ہوتا ہے" اسی طرح فاضل شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل ج 1 ص 67 طبع ایران پر بذیل عنوان "الشیعہ" لکھا ہے "هم الذین شایعوا علیاً علیه السلام با لخصوص و قالوا بامامته نصاً و وصیته اما جلیاً و اما خفیاً"۔ "یعنی شیعہ وہ ہیں جو حضرت علیؑ کی متابعت کرتے ہیں اور انکی خلافت منصوصہ کے قائل ہیں" قاموس اور المنجد وغیرہ میں بھی اس کے مذکورہ بالا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد یہ تصریح موجود ہے کہ "و قد غلّب هذا الاسم علی کل من یتولی علیاً و اهلبیته حتی صار لهم اسماً خاصاً"۔ "یعنی اب یہ نام اس گروہ پر بولا جاتا ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ ان کا مخصوص نام ہو کر رہ گیا ہے"۔

بہر حال جب اس لفظ کے لغوی معنی متبع اور گروہ کے ہیں۔ تو اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کے اندر کوئی ذاتی حسن یا قبح موجود نہیں ہے اگر کوئی شخص اچھے بزرگوں کا متبع اور نیکوں کے گروہ میں شامل ہے تو یہ لفظ اچھے معنی دے گا جیسے "شیعہ علیؑ" اور اگر بدوں کا تابع ہے اور بُروں کے گروہ میں داخل ہے تو یہ بُرے معنی دے گا۔ جیسے "شیعہ معاویہ" اور یہ لفظ ان آٹھ عدد آیات میں (جنہیں مؤلف نے مذمت شیعہ میں پیش کیا ہے) انہی لغوی معنوں کے اعتبار سے بُرے گروہ یا بُروں کے اتباع میں استعمال ہوا ہے اور مؤلف نے بڑی چابکدستی اور چالاکی سے ان آیات کے ترجمہ میں "شیعہ شیعہ" کی لفظ اصطلاحی معنوں میں لکھ کر یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ گویا اصل لفظ شیعہ کے معنی ہی بُرے لوگ ہیں اور وہ ہمیشہ کفار و اشرار کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ ان هذا الا اختلاق (ان آیات کے صحیح تراجم معلوم کرنے کیلئے ناظرین کرام، شارہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ وحید الزمان وغیرہم کے تراجم قرآن مجید کی طرف رجوع فرما کر اصل حقیقت معلوم کر سکتے ہیں)۔

ہم بنظر اختصار اسی اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔۔ مؤلف نے آخر کلام میں دو آیات کے متعلق یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ "ان میں بظاہر لفظِ شیعہ اچھے معنی میں استعمال ہوا ہے" پھر جو تاویل کا جال بچھایا ہے اسے دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کی یہ رباعی بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتی ہے

ز ما بر صوفی و ملّا سلامے ☆ کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت ☆ خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

شیعیت کا تعلق عمل سے زیادہ اعتقاد سے ہے۔ جس طرح غوایت (گمراہی) کا تعلق عقیدہ سے زیادہ عمل کے ساتھ ہے۔

بات یہ تھی کہ جب اسرائیلی وقبطی لڑ رہے تھے تو خداوند عالم فرماتا ہے ''هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ (القصص آیت 15)'' ایک حضرت موسیٰ کا شیعہ تھا۔یعنی ان کے دین پر تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا۔یعنی کافر تھا۔چنانچہ یہی معنی مفسرین اہلسنت نے کئے ہیں۔تفسیر بیضاوی ج 4 ص 125 طبع مصر میں لکھا ہے۔من شیعتہ ای شایعه علی دینه ایک ان کا شیعہ تھا یعنی ان کے دین پر تھا ۔معالم التنزیل ج 3 ص 175 پ 20 میں لکھا ہے هذا مؤمن و هذا کافر یعنی ان لڑنے والوں میں ایک شیعہ یعنی مؤمن اور دوسرا کافر تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ اہل ایمان اور انبیاء کے ہم مسلک کو کہا جاتا ہے۔۔۔باقی رہا یہ کہ جناب موسیٰؑ نے اس شخص کو ''غوی'' کہا تو یہ اس کے جھگڑالو ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بدعقیدہ ہونے کے سبب سے مطلب یہ کہ اس کی روش غلط تھی نہ کہ عقیدہ۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج 6 ص 430 تا ص 432 پر اس واقعہ کو بالتفصیل لکھنے اور اس شیعہ موسیٰؑ کے ایمان و اسلام ثابت کرنے کے بعد اسی غوایت والے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے اس شخص کے جھگڑالو ہونے کی وجہ سے اسے ''غوی'' کہا ہے۔کیونکہ جس شخص کے جھگڑے کی وجہ سے دفع ضرر مشکل ہو جائے۔اس کا وہ فعل رشد کے خلاف ہوگا اور اس پر ''غوایت'' کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

خوشتراں باشد کہ سرِ دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

دوسری آیت جس میں حضرت ابراہیمؑ کو جناب نوحؑ کا شیعہ کہا گیا ہے۔اس کی تفسیر بالرائے کرنے میں تو مؤلف نے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔(ومن فسر القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔فرمان رسولؐ۔تفسیر اتقان) ہم اس آیت مبارکہ کا ترجمہ وتفسیر اہلسنت کے مسلم الثبوت علماء کے تراجم وتفاسیر کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔جس سے حضرت ابراہیمؑ کا شیعہ نوحؑ ہونا اور مؤلف کے بیان کردہ معنیٰ کا تفسیر بالرائے ہونا روز روشن سے بھی زیادہ واضح وآشکار ہو جائے گا۔

مولانا نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں۔''اور نوحؑ کے ہی طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے۔'' مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں ''اور نوحؑ کے طریقہ والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے''۔۔۔تفسیر جلالین میں لکھا ہے ''ان من شیعتہ ای ممّن تابعه فی اصل الدین و ان طال الزمان بینتهما''۔۔۔''یعنی منجملہ جناب نوحؑ کے تابعین کے جنہوں نے باوجود طول زمان کے اصل دین میں ان کی متابعت کی۔ایک جناب ابراہیمؑ بھی ہیں'' فتح الخبیر مع الفوز الکبیر مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی ص 23 پر لکھا ہے ''و ان من شیعتہ و اھل دینه''۔۔۔ابراہیمؑ نوحؑ کے شیعہ تھے یعنی ان کے ہم دین تھے (کذا فی التفسیر الکبیر ج 5 ص 380 و روح البیان ج 7 ص 468 ای ممّن شایعه فی اصول الدین ای من اهلبیته و علی دینه و منهاجه لا براهیم) اور تفسیر کبیر ج 7 ص 149 میں لکھا ہے ''و ان من شیعته من المشایعة یعنی و ان ممّن شایعه علی دینه و تقواه حسین جاء بقلب سلیم قال الاصولیون المراد انه عاش و مات علی طهارة القلب عن کل دنس من المعاصی''۔''یعنی شیعہ مشایعت سے ہے مطلب یہ کہ جناب ابراہیمؑ ان لوگوں میں سے تھے

جو دین و دیانت اور تقویٰ وطہارت میں جناب نوح کے پیرو کار تھے۔ جب قلب سلیم کے ساتھ آئے اس کے متعلق علماء اُصول نے کہا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ گناہوں کی ہر قسم کی کثافت سے پاک وصاف رہ کر زندہ رہے اور اسی حالت میں وفات پائی'' اس سے واضح ہو گیا کہ حقیقی شیعہ ہوتا ہی وہ ہے۔ جو نبی کے دین پر ہو اور اس کا دل گناہوں کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ شیعہ تھے اور ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ''فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا '' (آل عمران آیت 95) ''ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع کرو'' لہٰذا ہمیں اگر ملت ابراہیمؑ کی اتباع کرنا ہے تو پھر ہمیں بھی شیعہ بننا پڑے گا۔ جس مقدس لفظ کو مؤلف نے ازراہِ ناصبیت ''منحوس'' قرار دیا ہے۔

ہم نے قرآنی حقائق کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اطلاق انبیاءؑ اور ان کے حقیقی متبعین پر ہوا ہے اور سابقہ عنوان (شیعہ کا ادعائے قدامت) کے ذیل میں متعدد کتب اہلسنت کے حوالہ جات سے فضائل شیعہ میں واردشدہ احادیثِ نبویہ پیش کی جا چکی ہیں۔ نیز اسی مقام پر بڑے بڑے علمائے اہلسنت کے اقوال بھی پیش کر دیئے گئے کہ ''وہ شیعہ علیؑ ہیں'' یا یہ کہ سابقہ زبان میں ان کا لقب شیعہ تھا۔ اس سے بڑھ کر فضیلت شیعہ کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ مگر اس کوڑھ مغزی کا کیا علاج جو ہنر کو عیب سمجھتی ہے۔

ہرگز نہ ہوئے مغزِ سخن سے آگاہ ☆ لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

قرآن میں لفظ سنت کی تعریف:

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سنیوں کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں اس لئے ہم لفظ سنت کی قرآن میں تلاش کرتے ہیں

(1) ''سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ '' (الاحزاب آیت 62) (عمدۃ البیان ج3 ص64) میں ہے کہ سنت طریقہ اللہ کا ہے جو چلا آیا ہے اگلے پیغمبروں میں۔

(2) ''يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ '' (النساء آیت 26) عمدۃ البیان ج1 ص232 ہدایت کرے اللہ تم کو طریقے ان لوگوں کے جو پہلے تم سے مثل ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ گزرے۔

(3) ''سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا '' (الاسراء آیت 77) ''سنت طریقہ ان لوگوں کا ہے جو پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پائے گا تو میری سنت و دستور میں تفاوت'' عمدۃ البیان ج2 ص285 میں ہے ''طریقہ رکھنا رسولوں کا کہ تحقیق بھیجا۔ ہم نے ان کو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہ جو کوئی پیغمبروں کو جھٹلا دے تو ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کو''۔۔۔

(4) ''سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا '' (الفتح آیت 23) عمدۃ البیان ج3 ص272 میں ہے ''یعنی سنت طریقہ اللہ کا ہے اس میں کوئی تغیر کرنے والا نہیں ہے۔''

(5) ''وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ''(الحجر آیت 13) ''گذر چکا طریقہ پہلے لوگوں کا''۔

(6) ''إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ''(الکہف آیت 55) عمدۃ البیان ج 2 ص 288 میں ہے یعنی پہنچا ان کو طریقہ خدا کا ہلاک کرنے والا اگلوں کو۔۔

(7) ''سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ''(غافر آیت 85) عمدۃ البیان ج 3 ص 119 میں ہے۔ سنت طریقہ خدا کا ہے جو اس کے اگلے بندوں میں چلا آیا ہے۔

(8) ''قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ''(الانفال آیت 38)۔ کفار کو کہہ دیجئے اگر وہ باز آجائیں ان کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر انہوں نے پھر وہی گناہ کیا تو پہلوں کا طریقہ گذر چکا ہے۔

(9) ''فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ''(فاطر آیت 43) ''یعنی وہ نہیں دیکھیں گے۔ مگر پہلوں کے طریقہ کو اور خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی''۔ ان تمام آیات قرآن میں لفظ سنت کو خدا یا رسول کی طرف اضافت ہے اور پھر سنی اور اہلسنت وہ لوگ ہیں جو سنت الرسول کے پیرو ہیں۔ یہی رسولی گروہ متبع السنت ہے۔ اسی کی تاکید رسول پاکؐ اور آئمہ ہدیٰ کرتے رہے۔ (آفتاب ص 311)

الجواب:

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کوئی ''تخریج آلایات'' سامنے رکھ لی ہے اور قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ''سنت'' ملا ہے۔ ان آیات کی بھرتی کر دی ہے اور جوش تعصب میں یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ انہی آیات میں سے اکثر بجائے ان کے مفید مطلب ہونے کے الٹا ان کے لئے ضرر رساں ہیں۔ خدا برا کرے تعصب کا کہ جب اس کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر روز روشن کی طرح واضح حقائق بھی نظر نہیں آتے۔

لفظ سنت کا عذاب وغیرہ برے معنوں پر اطلاق:

مثلاً آیت نمبر 1 (الاحزاب آیت 62 میں موجود ہے) اس سے قبل منافقین کا ذکر ہے کہ ''أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ''(الاحزاب آیت 61) ''جہاں ملا پکڑا اور مار کے ٹکڑے اڑا دیئے'' اس کے بعد بلا فاصلہ ہے ''سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ '''' جو لوگ پہلے ہو گذرے ہیں ان میں (بھی) خدا کا یہی دستور رہا ہے۔'' (ترجمہ نذیر احمد دہلوی) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سنۃ اللہ سے مراد پکڑنا اور مار کر ٹکڑے اڑانا ہے۔

آیت نمبر 3 کے ذیل میں عمدۃ البیان کا جو تائیدی بیان نقل کیا ہے وہ خود ان کے خلاف ہے۔ ''جو کوئی پیغمبروں کو جھٹلا دے ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کو'' اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''سنتہ اللہ'' سے مکذّبین کا ہلاک کرنا مقصود ہے۔

آیت نمبر 4 سے پہلی آیت کا تتمہ یہ ہے ''ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا '' (الفتح آیت 22) ''پھر ان کو نہ کوئی حامی ہی ملتا اور نہ کوئی مددگار'' اس کے بعد ہے ''سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا '''' اللہ کا دستور (ہے) جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔'' (ترجمہ نذیری) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سنت اللہ سے مراد ہے۔ کسی کی حمایت اور مدد نہ کرنا۔

اسی طرح آیت نمبر 5 کا پہلا حصہ یوں ہے ''لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ '''' یہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں اور یہ رسم (کچھ انوکھی نہیں) اگلوں (ہی) سے ہوتی چلی آئی ہے۔'' (ترجمہ نذیری) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ '' سے مراد ہے۔ ''حق کے ظاہر ہو جانے کے باوجود اس پر ایمان نہ لانا'' اور اس کے انکار پر اصرار کرنا ہے۔ موضح القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے ''بیشک یہ نری راہ ہے اگلوں کی یعنی مکہ کے لوگوں کا نبی کو ساحر اور قرآن کو شعر اور قصہ کہنا یہ رسم اگلی قوموں کی ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ '''' سے مراد ''نبیوں کو جادوگر اور آسمانی کتابوں کو قصہ کہانی کہنا ہے''۔

آیت نمبر 6 کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ''۔ ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو (اب) ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے ان کو اس کے سوا اور کون امر مانع ہوسکتا ہے۔ کہ اگلے لوگوں کا (سا) ماجرا ان کو بھی پیش آئے۔'' اس سے واضح ہوا کہ یہاں ''سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ '' سے مراد سابقہ امتوں والا عذاب ہے۔ عمدۃ البیان والے بیان سے بھی یہی چیز ظاہر ہے۔ مگر مؤلف کو جوشِ تعصب میں تائید و تردید کے درمیان تمیز نہیں رہی۔

آیت نمبر 7 کا پہلا حصہ اس طرح ہے ''فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ '''' مگر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو (آتے) دیکھ لیا تو (اسوقت انکا) ایمان لانا ان کو کچھ بھی سودمند نہ ہوا (یہ) دستور الٰہی ہے جو (سدا سے) اس کے بندوں میں جاری رہا ہے'' (ترجمہ نذیری) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں ''سنت اللہ'' سے مراد یہ ہے کہ معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا سودمند نہیں ہوتا۔۔ اور ایسے لوگوں کو خدائے قہار کے قہر و غضب سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

آیت نمبر 8 میں بھی سنتہ الاولین سے مراد ہلاکت و بربادی ہے ''اگر پھر شرارت کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (وہی انجام ان کا بھی ہونا ہے)'' (ترجمہ نذیری)۔

آیت نمبر 9 میں بھی سنتہ الاولین سے مراد خدا کا وہ برتاؤ ہے جو وہ کفار سے کرتا رہا ہے یعنی ان کو بذریعہ عذاب نیست و نابود

کرنا۔مولانا نذیر احمد اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "یہ (لوگ) اسی برتاؤ کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ "ان حقائق کی روشنی میں انصاف پسند ناظرین کرام فرمائیں کہ ان آیات میں سے اکثر آیات میں سنّت کی لفظ بُرے معنوں میں استعمال ہوئی ہے یا نہ؟

حقیقت حال کا انکشاف:

حقیقت الامر یہ ہے کہ سنت کے معنی ہیں۔سیرت، طریقہ، طبیعت اور شریعت (المنجد ص 353) یعنی لفظ شیعہ کی طرح اس لفظ کے اندر بھی کوئی ذاتی جلالت یا رذالت نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ جو کچھ حسن یا قبح حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی نسبت و اضافت سے کرتا ہے یعنی اچھوں کی سنت ممدوح اور بروں کی سنت مقدوح سمجھی جائے گی (اسی لئے احادیث میں سنۃ حسنہ اور سنۃ سیہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں) (من سن سنتۃً حسنتۃً۔۔و من سن سنتۃً سئتۃً)

اہل سُنَّت نہیں بلکہ اہل سَنَته:

اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ "سنّت" (سین کے پیش اور نون کی شد کے ساتھ) ہر جگہ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے (حالانکہ ہرگز ایسا نہیں ہے) تب بھی مولوی کرم الدین صاحب یا ان کے ہم مذہبوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ وہ "اہل سنّت" نہیں بلکہ "اہل سَنَۃ" (سین کی زبر اور بغیر شد کے ساتھ۔ بمعنی سال) یعنی ایک خاص سال والے لوگ ہیں اور اس سال سے مراد ہے۔ صلح حسنؑ کے بعد معاویہ کے تختِ خلافت پر متمکن ہونے والا سال۔ چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج 6 ص 552 و استیعاب برحاشیہ اصابہ ج 1 ص 372، 373 وغیرہ میں ہے "دخل معاویة الکوفة و بایعه الناس فسمّی سنة الجماعة لا جتماع الناس و انقطاع الحرب" "یعنی اس کے بعد معاویہ کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اس سال کا نام "سَنَۃُ الجماعۃ" رکھا گیا کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی اور سب لوگ حکومت معاویہ پر جمع ہو گئے"۔حیواۃ الحیوان ج 1 ص 52 تاریخ الخلفاء ص 132 نہج الوصول ص 164 میں بھی اس سال کا نام "عام الجماعۃ" لکھا گیا ہے اس طرح معاویہ والے "اہل سنۃ الجماعۃ" جماعت کے سال والے لوگ کہلائے پھر مرور ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے اہل السُنۃ والجماعت بن گیا۔ یہ ہے موجودہ اہلسنت والجماعت کے مذہب کی اصل حقیقت۔ جو ہم نے بلا کم و کاست انہی کی کتابوں سے پیش کر دی ہے۔! ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب معاویہ بن ابوسفیان کا خود کاشتہ پودا ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تاسیس و تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ انہی حقائق کی بنا پر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثناعشریہ ص 81 پر مجبوراً یہ تسلیم کیا ہے کہ زمان سابق میں ان کا لقب "شیعہ" تھا بعد میں ان کے بزرگوں نے اپنا نام "اہل سنّت و جماعت" تجویز کیا۔اب ہم مؤلف کا یہ شعر جو انہوں نے ایک جگہ ہمارے حق میں استعمال کیا ہے ان کی خدمت میں لوٹاتے ہیں اور

امید ہے کہ "ھذہ بضاعتنا ردّت الینا" کہہ کر اسے قبول کرلیں گے

لا مذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں ☆ ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

اتباع سنّت کی تاکید:

جلاء العیون اردو ج 1 ص 42 میں شیخ مفیدؒ و شیخ طوسیؒ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول ﷺ نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی۔۔۔اور وصیت فرماتے تھے کہ میرے طریقہ سنت سے دست بر دار نہ ہونا کتاب مذکور ج 1 ص 35 میں جناب کی آخری وصیت کے الفاظ یوں ہیں "میری وصیت تم سے یہ ہے کہ شرک بخدا وند بزرگوار نہ کرنا۔۔۔اور سنّت و طریقہ حضرت رسول ﷺ کو ضائع نہ کرنا (کذا فی نہج البلاغہ ص 128)" کتاب مذکور ص 142 میں ہے "امام وہ ہے جو سنّت نبوی کا عامل ہو۔ وہ امام قرآن و سنّت پیغمبر کو زندہ کرے گا فروع کافی میں ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی جو شخص میری سنّت سے روگرداں ہوا وہ مجھ سے نہیں۔" دیکھئے رسولپاک ﷺ اور جناب امیرؑ نے جو وصیت بوقت وفات فرمائی وہ اتباع سنتِ رسولؐ ہے۔۔۔پھر جو لوگ لفظ سنت پر تمسخر کرتے ہیں وہ رسول پاک ﷺ اور حضرت علیؑ المرتضیٰ کے اقوال کو جھٹلاتے ہیں بیشک بقول رسولؐ و آئمہ اہلبیتؑ بشہادت کتب شیعہ وہی فرقہ ناجی ہے جو اہلسنت کہلاتا ہے۔ (آفتاب ص 312)

الجواب:

الحمدللہ کہ اب مخالف نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ شیعی لٹریچر قرآن کے ساتھ ساتھ اتباع سنّت کی تاکید سے لبریز نظر آتا ہے اور یہ ہے بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کی بنیاد ہی قرآن اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان پر ہے اس لئے وہ ان دونوں گرانقدر چیزوں کو اپنے لئے حرزِ جان جانتا ہے اور کسی بات میں ان سے سرمو انحراف و روگردانی کرنے کو روا نہیں سمجھتا اور منکرین حدیث خیر الانام کو منکرین قرآن کی طرح دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سنّت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ مگر اس تمام کدو کاوش سے مؤلف کو کیا فائدہ؟ کیونکہ ہم ابھی اوپر سابقہ عنوان کے تحت ثابت کرآئے ہیں کہ یہ لوگ فی الحقیقت "اہلِ سَنَۃ الجماعت" (جماعت کے سال والے) ہیں نہ کہ "اہل السُّنّۃ والجماعت" جس طرح ہم نے شیعیان علیؑ کا نام اور ان کے فضائل اور ان کا ناجی ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اگر اہلسنت اور انکے مناظرین میں کچھ بھی جرأت و ہمت ہے تو اسی طرح یہ بھی اصول مناظرہ کے مطابق ہماری احادیث مرفوعہ صحیحہ میں اپنا پورا نام (اہل سنت و الجماعت) دکھائیں اور پھر اس کا ناجی ہونا بھی ثابت کریں اپنی کتابوں سے اور وہ بھی ضعیف روایتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اگر وہ ایسا

کر دکھائیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں (اور ہر گز نہیں کر سکتے) تو پھر ہم انہیں مخلصانہ مشورہ دینگے کہ ضد چھوڑ کر اور تقلید اباء و اجداد کا رشتہ توڑ کر کشتی نجات اہلبیتؑ نبوتؐ پر سوار ہو جائیں۔ کیونکہ "من رکبھا نجیٰ و من تخلف عنھا ضل و غرق و ھویٰ" جو اس کشتی نجات پر سوار ہو جائے گا اس کا بیڑا پار ہو جائے گا اور جو اس سے منہ موڑیگا وہ گمراہ اور غرق و تباہ ہو جائے گا۔ و ما علینا الا البلاغ۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے ☆ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

شیعوں کی احادیث:

اس سے پہلے ہم کافی بحث کر آئے ہیں کہ شیعوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور جس قرآن جمع کردہ علیؑ پر ایمان ہے وہ ابھی غار سے باہر نہیں نکلا۔۔۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حدیث کا سرمایہ شیعہ کے ہاں کہاں تک پایا جاتا ہے؟ ہم دلائل سے بیان کریں گے کہ حدیث صحیح کی طرف سے بھی ان بیچاروں کو صاف جواب ملتا ہے۔ اوّل اس لئے کہ رواۃ حدیث ایسے ملے کہ ان کے سرغنوں پر آئمہ اہلبیت کو اعتبار نہ تھا۔ انہوں نے آئمہ ہدیٰ کو سخت سُست کہا۔۔۔ وہ عمداً آئمہ ہدیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے۔۔ (آفتاب ص 312)

الجواب:

جہاں مؤلف نے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شیعیان علیؑ کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس مقام پر ناقابل ردّ دلائل سے ان کا اسی قرآن پر ایمان ثابت کر آئے ہیں۔ مؤلف بار بار اس بات پر طنز کرتے ہیں کہ "شیعوں کا قرآن غار میں ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ بقول ان کے "غار والے قرآن کے برآمد ہونے کی تو پھر بھی امید ہو سکتی ہے۔ مگر سنّیوں کے اصلی قرآن کے دستیاب ہونے کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے۔"

اہلسنت کا اصلی قرآن خدا کے پاس ہے:

کیونکہ امام اہلسنت ابوالحسن اشعری کے نزدیک حقیقی قرآن تو ابھی خدا کے پاس محفوظ ہے۔ نہ اب تک اس سے جدا ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی جدا ہوگا اور جو لوگوں کے پاس موجود ہے۔ یہ مجازی قرآن ہے۔ ان کے عین الفاظ یہ ہیں "ان القرآن المعجز انما ھو الذی لم یفارق اللہ عز و جل قط۔۔ و ان القرآن لیس عندنا التبتہ الا علی ھذا المجاز و ان الذی نریٰ فی المصاحف و نسمع من القرآن و نقرأ فی الصلوٰۃ و نحفظ فی الصدور لیس ھو القرآن۔۔ بل ھو شیئ آخر و ان کلام اللہ لم یفارق ذات اللہ عز و جل" (الفصل ج 4 ص 207 تا 2011 طبع مصر) "یعنی قرآن جو معجزہ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کبھی اس سے جدا نہیں ہوا۔ اور

یہ قرآن جو ہم مصاحف میں دیکھتے، کانوں سے سنتے، نماز میں پڑھتے اور سینوں میں حفظ کرتے ہیں یہ اصلی نہیں بلکہ مجازی قرآن ہے'' ہم بڑے قلبی دکھ درد کے ساتھ مؤلف کے لفظوں میں کہتے ہیں کہ '' لاکھوں سنی اس قرآن کے انتظار میں مر گئے اور کروڑوں اور مریں گے لیکن اس قرآن موہوم کا ملنا محال ہے''۔

یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے ☆ بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے۔ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ لاکھوں احادیث صحیحہ نبویہ کا ذخیرہ بطریق آئمہ اہلبیتؑ شیعوں کے پاس موجود ہے اور جیسے ان کے رواۃ احادیث ثقہ اور صادق القول ہیں۔ ان کی اس آسمان نیل گون کے نیچے اور فرش زمین کے اوپر کوئی مثال نہیں ملتی۔۔۔ آگے چل کر مؤلف جہاں روایات اور رواۃ پر تنقید کریں گے تو ہم حلی والزامی جوابات سے ان کی ایسی تواضع کریں گے کہ اس میں دوسرے معترضین کیلئے بھی سامان عبرت موجود ہوگا۔ انشاء اللہ۔

راویانِ حدیث:

احادیث شیعہ کا بہت بڑا راوی زرارہ بن اعین ہے اور منجملہ مبشر بالجنہ ہے (رجال کشی ص 113) اس کی نسبت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں زرارۃ شر من الیہود والنصاری (رجال کشی ص 117)۔۔ یہی زرارۃ صاحب ہیں جنہوں نے امام محمد باقرؑ کو بڈھا بے علم کہا۔ جیسا کہ اصول کافی ص 557 میں ہے کہ زرارۃ کو امام ممدوح سے ایک مسئلہ میں تکرار ہوگئی۔۔۔ کہنے لگا۔ شیخ لا علم لہ بالخصو مۃ دوسرا راوی ابو بشیر ہے جس نے امام صادقؑ کو طماع بتایا جس پر کتے نے اس کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ امام موسیٰ کاظمؑ کو ناقص کہا۔۔ (تنقیح ص 168 ایک اور راوی مختار بن ابی عبیدہ ہیں جس کی نسبت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ''کان المختار یکذب علی علی بن الحسین مختار امام زین العابدینؑ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا'')۔۔ ایک اور راوی حکم بن عدی ہے۔ امام صادقؑ نے اس کی ایک روایت (باقری سن کر) تین بار قسم کھا کر فرمایا (بحذف عربی) میرے باپ نے ہرگز نہیں فرمایا۔ حکم بن عینیہ نے میرے والد پر جھوٹ باندھا ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں (بحذف عربی) یعنی امام حسنؑ کیلئے ایک کذاب تھا جوان پر جھوٹ باندھا کرتا تھا ایسا ہی ایک کذاب تھا امام حسینؑ پر جھوٹ باندھتا تھا۔ مختار امام زین العابدین پر جھوٹ باندھا کرتا تھا اور مغیرہ بن سعید میرے والد محترم۔۔ پر جھوٹ باندھنے والے تھے (رجال کشی ص 150)۔۔۔ جب ایک ایک امام کیلئے ایک شخص ایسا مقرر تھا۔ جس کی ڈیوٹی امام والا مقام کی طرف جھوٹی حدیث وضع کر کے لوگوں میں مشتہر کرنے کی تھی۔۔۔ تو پھر احادیث شیعہ کا کیا اعتبار رہا؟ اور سنیئے۔۔۔ امام ابوالحسن رضا علیہ السلام کذابین کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کان بنان (بحذف عربی) یعنی بنان امام زین العابدینؑ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ خدا اسے لوہے کا عذاب چکھائے۔ مغیرہ بن سعید امام باقر پر، محمد بن بشیر موسیٰ رضا

پر، ابوالخطاب امام صادقؑ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے خدا ان کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے اور مجھ پر محمد بن فرات جھوٹ باندھا کرتا ہے۔(رجال کشی ص 195) دیکھیے۔۔۔امام رضاؑ نے اپنے زمانہ تک کے کذابوں تک کی تشریح کر دی۔۔پھر بقول شخصے ؎ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

جب تمام رواۃ کی حالت یہ ہو کہ انہوں نے آئمہ کرام پر جھوٹ باندھے۔۔۔تو پھر احادیث شیعہ کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی احادیث کتب شیعہ۔۔۔میں بھری ہیں جو کبھی عقل باور نہیں کر سکتی۔۔۔اب ناظرین خود ہی خیال فرمائیں کہ قرآن تو پہلے ہی سے گم تھا۔حدیث کا بھی اعتبار جاتا رہا تو مذہب شیعہ کی تمام بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی ہے۔۔۔چونکہ مذہب شیعہ میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں نہ اسناد کا اوپر تک پہنچنا ضروری ہے۔۔۔اس لئے یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔تقیہ (جھوٹ) جزو ایمان سمجھا گیا۔متعہ کی فضیلت کی حدیثیں بنائی گئیں۔تعزیہ داری کو باعثِ نجات تصوّر کیا گیا۔وقس علی ھذا۔(آفتاب ص 314)

الجواب:

مذہب شیعہ کے مثالی راوی:

مذہب شیعہ خیر البریہ کا یہ طغرائے امتیاز ہے کہ اسے رسول اسلام ﷺ کی احادیث کے بارہ (12) ایسے راوی ملے ہیں جو سب کے سب درجہ عصمت کبریٰ پر فائز ہیں یعنی دوازدہ امام علیہم السّلام جبکہ دوسرے اسلامی مذاہب میں ایک راوی بھی معصوم نہیں ہے اسی بناء پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

اذا شئت ان ترضیٰ لنفسک مذھباً ☆ ینجیک یوم الحشر من لھب النارِ

فدع عنک قول الشافعی و مالک ☆ واحمد و المنقول عن کعب بن احبار

ووال اناساً قولھم و حدیثھم ☆ روی جدنا عن جبریل عن الباری

بعد ازاں ان آئمہ طاہرینؑ کو ایسے صادق وثقہ راوی ملے جن کی نظیر صفحہء عالم پر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی اپنے بیگانے ان کی ثقاہت کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

شیعہ راویوں کی صداقت کی کہانی علمائے اہلسنت کی زبانی:

بہ نظر اختصار دو چار مثالیں پیش کی جاتی ہیں (1) جناب ابان بن تغلبؒ کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے ''شیعی صلب ولکنہ صدوق و صدقہ لنا و بدعتہ لہ'' یعنی ابان سخت پکا شیعہ ہے۔لیکن ہے بہت بڑا راست گو۔۔لہذا اس کی

صداقت ہمارے لئے اوراس کی بدعت (اعتقادی) اس کے لئے''(2) جعفر بن زیاد الاحمر الکوفی کے متعلق علامہ عسقلانی نے تقریب ص 68 میں لکھا ہے''صَدُوق یتشیع''بہت سچا ہے، مگر ہے شیعہ۔(3) حسین بن حسن الاشقر الفزاری الکوفی کے متعلق تقریب ص 57 پر لکھا ہے''صدوق ویغلو فی التشیع''بہت راست باز ہے۔مگر غالی شیعہ ہے۔(4) ثعلبہ بن یزید کوفی کے بارے میں تقریب ص 62 میں لکھا ہے''صدوق شیعی''ہے تو شیعہ مگر بہت ہی سچا ہے۔(5) عبدالرزاق محدث کے بارے میں، شبلی نعمانی دیباچہ سیرۃ النبی ص 24 میں لکھتے ہیں۔''ثقات محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔مزاج میں کسی قدر تشیع تھا۔ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہوجائے تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کرسکتے۔''اگر تفصیل میں جائیں تو دفتر تیار ہوجائے ہم نے بطور نمونہ مشتے از خروارے یہ چند مثالیں پیش کردی ہیں۔اب تو یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ بحمد ہٖ تعالیٰ شیعوں کا قرآن پر بھی ایمان ہے(جسے کئی بار ثابت کیا جاچکا ہے) اور احادیث صحیحہ کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے۔صرف ہماری کتاب کافی کی احادیث اہلسنت کی صحاح ستہ کی احادیث سے زائد[1] ہیں۔اور ان کے راوی صداقت وثقاہت میں اپنی مثال آپ ہیں حتیٰ کہ مخالف بھی ان کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں

والفضل ما شهدت به الا عداء

بعض کذابین کا بدانجام:

ہاں البتہ بعض کالی بھیڑیں ہر مذہب وملّت میں ہوا کرتی ہیں جنکی ہمارے معصوم اماموں نے نشاندہی فرمادی ہے جس کی وجہ سے شیعیان علیؑ نے ان کذابین سے ہرگز کوئی روایت قبول نہیں کی۔یہی وجہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ اور امام رضا علیہ السلام نے جن دروغ گو راویوں کی نشاندہی کی ہے ان کی کوئی روایت کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے اور اگر بالغرض کسی روایت میں ان میں سے کسی راوی کا نام نظر آجائے تو وہ اسے مسترد کردیتے ہیں نیز وہ سب کے سب اُخروی عذاب سے پہلے آئمہ ہدیٰ کی بددعا کے نتیجہ میں لوہے کا عذاب چکھ کر قتل ہو کر واصل جہنم ہوچکے ہیں۔مؤلف نے امام کے ارشاد''فاذاقه الله حرّ الحديد''کے جملہ فعلیہ خبریہ کو جملہ انشائیہ دعائیہ سمجھ کر یہ غلط ترجمہ کیا ہے کہ''خدا اسے لوہے کا عذاب چکھائے''۔حالانکہ امامؑ یہ خبر دے رہے ہیں کہ خدا نے اسے لوہے کا عذاب چکھایا۔یعنی وہ قتل ہوگیا اور آخری راوی محمد بن فرات جو امام رضاؑ پر جھوٹ باندھتا تھا۔اس کے متعلق بھی رجال کشی (ص 195) میں ہے کہ اسے ابراہیم بن شکلہ نے قتل کردیا تھا۔یک خس کم جهاں پاک!!

---

[1] اصول کافی کی احادیث کی مجموعی تعداد سولہ ہزار ایک سو ننانوے (16199) ہے (منہ عفی عنہ)

زراہ کی مذمت کا اصل راز:

اگر مؤلف میں ذرّہ بھی انصاف یا شرم وحیا کا مادہ ہوتا تو زرارہ جیسے جلیل القدر صحابی پر جرح کرنے کی جسارت نہ کرتے جس کا جواب اسی رجال کشی کے ص 91، 92 پر موجود ہے کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مؤلف خود تسلیم کرتے ہیں کہ زرارہ مبشر بالجنہ ہے (کشی ص 113) اور پھر اسی کشی کے ص 117 سے نقل کرتے ہیں کہ وہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں (معاذ اللہ) کچھ تو سوچتے کہ یہ اختلاف چہ معنی دارد؟ حقیقت یہ ہے کہ زرارہ بڑے جلیل القدر، عظیم المرتبت بزرگوار ہیں۔ آئمہ اطہار کی نظر اشرف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ اگر زرارہ اور اس جیسے راویانِ اخبار نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ جاتے (رجال کشی ص 113) دراصل بات یہ ہے کہ جس دور میں امام عالیمقام موجود تھے وہ ایسا نازک دور تھا کہ جو شخص آلؑ رسولؐ سے محبت و اخلاص میں مشہور ہو جاتا اسے حکومت وقت کے عتاب وعقاب کا شکار ہونا پڑتا۔ اس لئے حکمائے اسلام یعنی آئمہ اہلبیت علیہم السلام مصلحت کے تحت ایسے افراد کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر بعض اوقات عام لوگوں میں بیٹھ کر مذمت فرما دیتے تھے تاکہ حکومت یہ سمجھے کہ یہ اشخاص آئمہ کے منظور نظر نہیں ہیں۔ چنانچہ اس مذمت کی یہی مصلحت رجال کشی ص 91، 92 پر خود امام جعفر صادقؑ کی زبانی منقول ہے۔ امام علیہ السلام زرارہ کے فرزند عبداللہ سے فرماتے ہیں "**اقرا منی علی والدک السلام و قل لہ انی انا اعیبک دفاعاً منی عنک فان الناس والعدو یسارعون الی کل من قربناہ و حمد نا مکانہ لادخال الاذی فیمن نحبہ و نقربہ۔۔۔۔۔الخ۔۔۔۔**" "اپنے والد (زرارہ) کو میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ میں جو بعض اوقات تمہاری عیب جوئی کرتا ہوں تو یہ سب کچھ تمہارے دفاع کی خاطر ہے۔ کیونکہ عام لوگ اور دشمن اس آدمی کو اذیت رسانی میں جلدی کرتے ہیں جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور اسے اپنا مقرب بناتے ہیں"۔۔۔معلوم ہوا کہ یہ مذمت اس اہم مصلحت کے ماتحت کی گئی ہے۔ ورنہ جناب زرارہ کا مقام بہت اجل وارفع ہے اور امام عالی مقامؑ کے اسی بیان حق ترجمان سے دوسرے بعض جلیل القدر اصحاب کبار و راویان اخبار کی مذمت کا راز بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے۔ **فلا تغفل۔**

مختارؒ پر جرح کا جواب:

اس سلسلہ میں مؤلف نے مختار پر بھی جرح کی ہے یہ بچند وجہ غلط ہے۔ اولاً مختار ہمارے راویان اخبار میں سے نہیں ہیں۔ ثانیاً اگر ان کی مذمت میں ایک روایت مؤلف نے رجال کشی ص 83 سے ڈھونڈ نکالی ہے تو اسی کتاب کے ص 83 تا 85 پر ان مدح کی بھی بکثرت روایات موجود ہیں۔ مثلاً ص 83 پر امام محمد باقرؑ کا ارشاد موجود ہے۔ "**لا تسبوا المختار فانہ قد قتل قتلتنا و طلب بثارنا و زوج ارا ملنا و قسم فینا المال علی انعسرۃ**" "مختار پر سب وشتم نہ کرو کیونکہ اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہے ہمارا انتقام

لیا ہے ہماری رانڈوں کی شادیاں کرائی ہیں اور تنگی کے وقت ہم میں مال تقسیم کیا ہے"۔ کیا مؤلف کو مدح والی یہ روایات نظر نہیں آئیں؟ اچھی چیز کو چھوڑ کر گندی پر گرنا مگس کا یا مگس فطرت لوگوں کا کام ہے شرفاء کا یہ شیوہ وشعار نہیں ہے۔ثالثاً مختار کی مذمت میں اموی حکومت کا خاص حصہ ہے۔ تفصیل کیلئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف رجوع کیا جائے۔ بظاہر یہ مال اسی کارخانہ کا معلوم ہوتا ہے۔

ابوبصیرؒ پر جرح کا جواب:

مؤلف نے ابوبشیر راوی پر جرح کی ہے۔ سو واضح ہو کہ ابوبشیر نامی ہمارا کوئی راوی نہیں ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے وہ کہنا ابوبصیر چاہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوبصیرؒ چند افراد کی کنیت ہے۔ جنکی تعداد پانچ تک ملتی ہے۔ ان میں سے بعض قوی ہیں اور بعض ضعیف۔ تفصیل کیلئے کتاب سماء المقال فی تحقیق علم الرجال ج 1 ص 97 تا 134 ملاحظہ فرمائیں۔ لہٰذا ایسے مشترک راوی کی اجمالی مذمت سے اصل مقصد پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ علاوہ بریں واضح ہے کہ اگر کسی غیر معصوم شخص سے کبھی کبھار کوئی عملی غلطی سرزد ہو جائے تو اس سے اس کی صداقت وثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔

حکم بن عینیہ پر جرح کا جواب:

مؤلف نے شیعہ راویوں پر جرح کرتے ہوئے حکم بن عینیہ کا بھی نام لیا ہے۔ مؤلف نے حکم کو شیعہ راوی کہہ کر اپنی علیت اور دیانت کا بھانڈا چورا ہے پر پھوڑا ہے۔ کیونکہ بالاتفاق حکم مذکور سنی المذہب ہے۔ موصوف نے رجال کشی کے جس صفحہ (ص 137) کے حوالہ سے اس پر جرح کی ہے۔۔۔ اسی صفحہ پر یہ وضاحت موجود ہے کہ "کان من فقهاء العامة" یعنی حکم بن عینیہ اہلسنت کے فقہا میں سے تھا۔ بایں ہمہ اسے شیعہ راوی ظاہر کر کے اس پر تنقید کرنا مولوی کرم الدین صاحب جیسے لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے! جنہوں نے دین ودیانت اور شرم وحیا کو تین بائن طلاقیں دے رکھی ہوں۔

احادیث اہلسنت کی اجمالی کیفیت:

اور اسی بیان حقیقت ترجمان سے مؤلف کے اس بے جا طعن کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ "ایسی ایسی احادیث کتب شیعہ میں بھری ہیں جو کبھی عقل باور نہیں کر سکتی" مؤلف کے ترکش میں اس قسم کے جتنے تیر تھے وہ سب چھوڑ چکے ہیں اور سابقہ مباحث میں ہم بفضلہٖ تعالیٰ ان احادیث پر تبصرہ کر کے ان کا موافق عقل وشرع ہونا واضح کر چکے ہیں۔ خدا کے فضل وکرم سے ہماری احادیث عقل سلیم اور شرع قویم کے عین مطابق ہیں۔ ہاں البتہ کتب اہلسنت میں ایسی خلاف عقل ونقل بلکہ ننگِ اسلام روایات کا ذخیرہ موجود ہے۔ جن کی مدد سے دشمنان اسلام نے ماضی میں "رنگیلا رسول" جیسی کتابیں مرتب کی ہیں اور آج پرویزی فرقہ انہی گندی حدیثوں کی

وجہ سے پورے دفتر احادیث کا انکار کر کے انہیں دریا برد کرنے کا مشورہ دے رہا ہے اگر خوف طوالت دامنگیر نہ ہوتا تو ضرور ایسی بعض حدیثوں کے نادر نمونے پیش کئے جاتے۔ مگر افسوس نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ان کو نقل کر کے ہم دشمنان اسلام کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات کتاب ہفوات المسلمین ہر دو جلد اور دو اسلام وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

شیعہ اور علم رجال:

مؤلف نے ہمیں یہ بے جا طعنہ بھی دیا ہے کہ ''شیعہ مذہب میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں'' یہ بیان سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ اگر انہوں نے شیعہ علمِ رجال سے عدم واقفیت کی وجہ سے ایسا کہا ہے تو یہ انکی جہالت ہے اور اگر سب کچھ جانتے ہوئے کہا ہے تو عین ضلالت ہے۔ اعاذنا اللہ منہ ورنہ ارباب بصیرت پر دوسرے فنونِ اسلام کی طرح اس فن میں بھی شیعیان حیدر کرار کی مساعی جمیلہ پوشیدہ نہیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ دوسرے تمام اسلامی علوم وفنون کی طرح اس فن کی تدوین میں بھی شرف تقدم شیعوں کو ہی حاصل ہے۔ ولا فخر۔

بعض کتب رجال کے نام:

اس فن میں سب سے پہلی تالیف عبید اللہ بن ابی رافع تابعی کی ہے جو حضرت امیر علیہ السلام کے کاتب تھے (اعیان الشیعہ ج 1 ص 297) پھر برابر عہد آئمہ میں اس فن میں کتابیں لکھی جاتی رہیں اور بعد میں علماء اعلام نے انہی کتابوں کی روشنی میں اس فن میں بڑی بڑی کتابیں مرتب کیں۔ ذیل میں صرف ان بعض کتب کے نام درج کئے جاتے ہیں جو اس وقت موجود ہیں۔ (1) رجال کشی ؒ (2) فہرست ابن ندیم ؒ (3) رجال غضائریؒ (4) رجال نجاشیؒ (5) رجال شیخ طوسیؒ (6) رجال (معالم العلماء) ابن شہر آشوب (7) رجال حسن بن علی بن داؤد حلیؒ (8) خلاصۃ الاقوال فی الرجال از علامہ حلیؒ (9) حواشی علی الخلاصہ از شہید ثانیؒ (10) رجال مرزا محمد استر آبادیؒ (11) رجال جناب سید مصطفی تفرشیؒ (نقد الرجال) (12) رواشح سماویہ از علامہ میر باقر دامادؒ (13) جامع المقال (منہج المقال) طریحیؒ (14) حاوی الاقوال فی علم الرجال از شیخ عبد النبی الجزائریؒ (15) رجال شیخ حر عاملیؒ (16) رجال علامہ مجلسیؒ (الوجیزہ فی الرجال) (17) جامع الرواۃ اردبیلیؒ (18) ریاض العلماء مرزا عبد اللہ اصفہانیؒ (19) لؤلؤ البحرین شیخ یوسف بحرانیؒ (20) رجال سید مہدی بحر العلومؒ (21) رجال ابو علی الحائریؒ (منتہی المقال فی احوال الرجال) (22) روضات الجنات سید محمد باقر اصفہانی ؒ (23) اتقان المقال فی احوال الرجال شیخ محمد نجفیؒ (24) تنقیح الرجال مامقانیؒ (25، 26) تحفۃ الاحباب، وفوائد رضویہ شیخ عباس قمی ؒ (27) طبقات الشیعہ آقائے بزرگ طہرانیؒ (28) قاموس الرجال قمی (29) رجال آقائے خوئی الی غیر ذلک من الکتب

المتمعة لکثیرہ التی یضیق عن ذکر ھا نطاق البیان۔

بعض کتب درایۃ الحدیث کے نام:

اسی طرح فن درایۃ الحدیث میں بھی شیعوں کے علمی کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں اس فن میں سب سے پہلے حاکم نیشاپوری نے کتاب معرفۃ علوم الحدیث لکھی ہے (اور حاکم کو شاہ عبد العزیز نے ابستان المحدثین ص 140 پر اور نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول ص 125 پر شیعہ قرار دیا ہے) (2) پھر سید جمال الدین احمد بن موسیٰ حلی نے اس موضوع پر کتاب لکھی (3) پھر جناب شہید ثانی نے البدایہ فی علم الدرایہ تصنیف فرمائی (4) شیخ حسین بن عبد الصمد الحارثی نے رسالہ وصول الاخیار الی اصول الاخبار لکھا (5) پھر ان کے فرزند جناب شیخ بہاؤ الدین عاملی نے وجیزہ تحریر فرمایا (6) شیخ ملا علی طہرانی نے توضیح المقال تالیف کی (7) سید حسن صدر کاظمی نے شرح وجیزہ تحریر فرمائی (8) حضرت شیخ عبد اللہ مامقانی نے مقیاس الدرایۃ لکھی (9) شیخ علی اکبر اصفہانی نے ہدیۃ المحدثین پیش فرمائی (10) اور پھر فاضل قمی نے درایۃ الحدیث ضبط تحریر میں لائی۔ اور اسطرح علماء شیعہ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ **شکر اللہ ما عھم الجمیلۃ و جزاھم عن حمایۃ الحق و نصرۃ الدین خیر الجزاء فانہ لا یضع المحسنین**۔ بایں ہمہ یہ کہنا کہ "مذہب شیعہ میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں الخ"۔۔ کسقدر دروغ بے فروغ ہے **لعنۃ اللہ علی الکاذبین**۔

اہلسنت کے بعض روایانِ اخبار کا بیان:

اگر چہ یہ بحث پہلے ہی بہت طویل ہوگئی ہے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جوابِ آں غزل کے طور پر اہلسنت کے بعض روایانِ اخبار کے حالات وکوائف سے ناظرین کرام کو روشناس کرا دیا جائے۔

(1) ابو ہریرہ:

اہلسنت کا سب سے بڑا راوی جس سے قریباً ان کی دوثلث روایات مروی ہیں وہ ابو ہریرہ ہے اسکی حالت یہ تھی کہ (1) معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا (مراۃ الجنان یافعی) (2) روٹی معاویہ کے دسترخوان پر کھاتا اور نماز حضرت علیؑ کے پیچھے پڑھتا اور جنگ صفین کے وقت بلند ٹیلے پر چڑھ کر تماشا دیکھتا تھا (سیرۃ حلبیہ) (3) جناب عمر نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے پر ان کو درے لگائے (شرح ابن ابی الحدید) (4) جناب امیرؑ کا ارشاد ہے رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم پر سب سے زیادہ جھوٹ باندھنے والا ابو ہریرہ ہے (ایضاً) (5) میزان الاعتدال ص 173 پر لکھا ہے کہ علامہ عثمان مقسم میری نے ابو ہریرہ کو کاذب لکھا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات دیکھنے کے شائقین کتاب "ابو ہریرہ اور شیخ المضیرہ" کی طرف رجوع کریں۔

(2) سمرہ بن جندب :

دوسرا راوی سمرہ بن جندب ہے یہ معاویہ کا گورنر تھا۔ اپنے چند ماہ دورِ حکومت میں آٹھ ہزار مسلمان تہ تیغ کئے (نصائح کافیہ ص 52 بحوالہ طبری) کان من شیعة معاویة یعنی سمرہ معاویہ کے پیروکاروں میں سے تھا (اصابہ ج 1 ص 148) علامہ وحید الزمان نے المشرب الوردی ص 183 پر لکھا ہے کہ وفی نفسی من سمرة شئی لا اعتمد علی روایته میرا دل سمرہ کی جانب سے صاف نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتا۔

(3) مروان بن حکم :

ایک راوی مروان بن حکم ہے جو دشمن خدا، دشمن رسولؐ اور دشمن آلِ رسولؐ ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے هذا الوزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون (چھپکلی پسر چھپکلی اور ملعون پسر ملعون) فرمایا (صواعق محرقہ ص 108) اس مردود ازلی اور اس کے منحوس خاندان نے اہلبیت نبویؐ پر مظالم کے جو کوہائے گراں گرائے وہ عیاں راچہ بیان کے مصداق ہیں۔ تکاد السمٰوت یتفطرن منه۔

(4) عکرمہ :

اہلسنت کا ایک راوی عکرمہ ابن عباس کا غلام بھی ہے۔ جس کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں یہ باتفاق تمام ارباب سیر و تواریخ خارجی تھا اور کذاب و مفتری (ملاحظہ ہو معجم الادباء ج 2 ص 83 وفیات الاعیان ج 1 ص 346)

(5) ابراہیم بن محمد اسلمی :

ایک راوی ابراہیم بن محمد اسلمی ہے جس سے ابن ماجہ روایت لیتا ہے۔ مگر آئمہ رجال نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ امام مالک اسے غیر ثقہ، یحییٰ بن معین اسے کذاب اور احمد بن حنبل اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں (تفصیل کیلئے تہذیب التہذیب بذیل ترجمہ موصوف ملاحظہ ہو)

(6) احمد بن محمد صاحب مغازی :

ابوداؤد کے رواۃ میں سے ایک راوی احمد بن محمد ہے جسے علامہ ذہبی نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے میزان الاعتدال نے کذاب کہا ہے۔

(7) اسماعیل بن ابی اویس :

اہلسنت کا ایک راوی جس کی روایات بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں اسماعیل بن ابی اویس ہے۔ اسے یحییٰ بن معین سارق الحدیث، دولابی ضعیف اور مروزی کذاب قرار دیتے ہیں۔ تفصیل میزان الاعتدال میں موجود ہے۔

(8) مقاتل بن سلیمان:

اہلسنت کے ایک اور اہم راوی کا نام مقاتل بن سلیمان ہے۔ ارباب رجال نے اسے کذاب و دجال اور مجسمہ فرقہ سے شمار کیا ہے (تفصیل کے لئے تقریب ان حجر عسقلانی دیکھی جاسکتی ہے)

(9) یعقوب بن ولید:

اہلسنت کا ایک راوی یعقوب بن الولید ہے۔ جس کی روایات ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ مگر اہل فن اسے بڑے کذابین اور وضاعین حدیث سے شمار کرتے ہیں۔ (تفصیل کیلئے میزان الاعتدال ذہبی ملاحظہ ہو)

(10) عمران بن حطان:

اہلسنت کے راویوں میں سے ایک عمران بن حطان خارجی بھی ہے جس سے بخاری روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ خبیث ہے جس نے حضرت امیرؑ کے قاتل کی تعریف میں اشعار کہے ہیں (انوار اللغۃ) ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے انہی چند راویانِ اہلسنت کے اجمالی کوائف بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ

؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

تفصیل کیلئے کتاب تنقید الرجال بخاری، اور استقصام الافخام وغیرہ کتب مبسوط دیکھی جاسکتی ہیں۔

نتیجہ بحث:

اب ناظرین باانصاف فرمائیں کہ جس مذہب کا قرآن تا حال خدا کے پاس ہو اور راویانِ حدیث، کذاب، وضاع، ملعون، قاتل، سارق اور متروک الحدیث ہوں۔

؎ آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم!

ایسے باکمال راویوں کی روایات سے اگر ''ستیارتھ پرکاش''، ''ہفوات المسلمین'' اور ''رنگیلا رسول'' جیسی ننگ انسانیت و رسوائے زمانہ کتابیں مرتب نہیں ہوں گی تو اور کیا ہوگا۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔ دوسروں پر زبان اعتراض دراز کرنے سے پہلے اپنے کارخانہ کے مال پر بھی ایک نگاہ ڈال لینی چاہیے تاکہ بعد میں یہ نہ کہنا پڑے کہ

؎ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

روایتِ حدیث:

شیعہ کے ہاں روایت حدیث کا بھی عجیب طریق ہے الفاظ حدیث میں کمی و بیشی کر لینے کا اختیار ہے۔ جس حدیث کو

باپ سے سنا بیٹے سے (وبالعکس)۔۔۔روایت ہوسکتی ہے۔ یہ بھی اختیار ہے کہ حدیث کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اوّل و آخر درمیان کے کچھ الفاظ لکھ کر حدیث کی روایت کی جائے۔۔۔یہ جملہ امور حدیث ذیل سے ثابت ہیں۔

(1)(بحذف عربی) محمد بن مسلم نے کہا۔ میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ جو حدیث میں نے آپ سے سنی ہو۔کیا مجھے اس میں کمی بیشی کرنے کا اختیار ہے؟ آپ نے فرمایا دونوں طرح روایت کرنا یکساں ہے۔مگر میرے والد سے روایت کرنا بہتر ہے(اصول کافی ص29)

(2)(بحذف عربی) عبداللہ نے امام جعفرؑ سے کہا۔ میرے پاس لوگ حدیث سننے آتے ہیں اور میں بیان حدیث پر قادر نہیں ہوسکتا۔آپ نے کہا اوّل و آخر اور درمیان سے حدیث بیان کردیا کرو۔(اصول کافی ص29)

(3)(بحذف عربی) احمد بن عمر حلال نے امام رضاؑ سے پوچھا۔ایک شخص نے میرے احباب کو کوئی کتاب دی ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ مجھ سے روایت کرو۔کیا مجھے اس سے روایت کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ آپ نے کہا اگر تجھے معلوم ہے کہ کتاب اسی کی ہے تو اس کا روایت کرنا جائز ہے(اصول کافی ص29) اب دیکھیئے۔اسناد حدیث میں اس قدر بے پرواہی کرنا روا ہو۔تو حدیث کا کیا اعتبار؟ اصول کافی ص 36 پر رواۃ حدیث چار قسم کے بیان کئے گئے ہیں اوّل منافق دوم مخطی۔۔۔سوم مصیب (لیکن منسوخ حدیث بیان کرتا ہے) چہارم مصیب (جو حدیث غیر منسوخ بیان کرتا ہے)۔۔۔پھر جب منافق اور مخطی اشخاص سے بھی روایت حدیث جائز ہے تو حدیث کس طرح معتبر سمجھی جائے گی؟ علاوہ ازیں چونکہ شیعہ مذہب میں تقیہ جائز بلکہ باعثِ ثواب ہے تو یہ پتہ لگنا مشکل ہے کہ راوی نے حدیث کو صدق دل سے۔۔۔بیان کیا ہے یا کسی خوف اور مصلحت سے تقیۃً جھوٹ لکھ دیا ہے۔(آفتاب ص316)

الجواب:

اس بندۂ خدا پر ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے جو نہ اپنے مذہب کے حقائق سے واقف ہے اور نہ مذہب شیعہ کے معارف و دقائق سے اور کتاب لکھنے بیٹھ گیا ہے اور لایعنی اعتراضات کرکے اہل علم و دانش میں اپنی فضیحت و رسوائی سے بھی نہیں ڈرتا۔ ہاں البتہ فریب کاری وابلہ فریبی اور عیاری میں ید طولیٰ رکھتا ہے سچ ہے

ع اذا لم تستح فاصنع ماشئت

اس عنوان کے ذیل میں موصوف نے مذہب شیعہ پر جو ایرادات کئے ہیں وہی خود اس کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں اور فی الحقیقت ان میں کوئی بات بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔جیسا کہ فن درایۃ الحدیث کے طالب علموں پر یہ بات مخفی نہیں ہے اے کاش! ہم پر زبان اعتراض دراز کرنے سے پہلے مؤلف نے اس فن کی کوئی کتاب دیکھ لی ہوتی۔(اور نہیں تو کم از کم شرح نخبۃ الفکر ہی پڑھ لی

ہوتی جو مولوی فاضل کے کورس میں داخل ہے) مگر آہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حدیث کے "نقل بالمعنی" کا جواز:

اس سلسلہ میں مؤلف نے جو پہلا اعتراض کیا ہے اسے اصطلاح میں "روایت بالمعنیٰ" کہا جاتا ہے جو اکثر علماء اہلسنت کے نزدیک جائز ہے یہ پوری بحث شبلی نعمانی کے لفظوں میں سنیے وہ اپنی کتاب سیرۃ النبی ج 1 ص 56، 57 پر رقمطراز ہیں "ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے یا صحابہ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہٖ وہی ادا کرنے چاہیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے؟ محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ہوتا تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں ۔۔۔۔ عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ صحیح ترمذی کتاب العلل میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل ہے۔ **ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما ھو المعنیٰ**۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہٖ وہی ادا کر دیتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو۔ میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں" (انتہی کلامہٗ) اسی چیز کی امام نے محمد بن مسلم جیسے بابصیرت راوی کو اجازت دی ہے۔ بتایئے اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟؟

روایت نمبر 2 کا صحیح مفہوم:

حدیث نمبر 2 میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی واضح ہے چونکہ سب آلِ محمد علیہم السّلام کے روایات وتعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ ہے قرآن وسرکار رسالت ﷺ کا فرمان۔ ان سب کا قول وفعل ایک ہے نہ ان کے کردار میں اختلاف اور نہ گفتار میں افتراق اور ان کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کا علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ "**قول و احدٍ منھم قول باقیھم**" یعنی آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا قول ہوتا ہے وہی سب کا ہوتا ہے (دراسات اللبیب، لواقح الانوار شعرانی) اس لئے والد کی حدیث ولد کے نام سے اور ولد کی والد کے نام سے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں والد کے احترام کے خیال سے اگر بیٹے کی بیان کردہ حدیث بھی والد کے نام سے روایت کر دی جائے تو انسب ہے۔ فرمایئے یہ بات شریعت کے کس ضابطہ سے متصادم ہے؟ یا سعد الابل!

حدیث نمبر 3 کا صحیح مطلب:

حدیث نمبر 3 میں وہ مطلب بیان کیا گیا ہے۔ جس کا تعلق بیان حدیث کے آداب سے ہے کہ ایک آدمی کے پاس دفتر

حدیث موجود ہے۔شائقین سماعت موجود ہیں۔مگر وہ بیان کرتے کرتے تھک گیا ہے تو اسے چاہئے کہ اس دفتر کے اوّل، وسط اور آخر سے ایک ایک حدیث بیان کر کے اپنے سلسلہ کلام کو ختم کر دے۔اس طرح اس گلشن حدیث کی اجمالی سیر بھی ہو جائے گی اور محدث کو اکتاہٹ وتھکاوٹ بھی محسوس نہ ہو گی۔فرمایئے اس میں کیا چیز قابل ایراد ہے؟ جبکہ اہلسنت کی کتب درایۃ الحدیث میں بھی بالکل ایسا ہی مرقوم ہے۔فراجع۔

حدیث نمبر 4 کے حقیقی معنی:

حدیث نمبر 4 میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔اسے علم درایۃ الحدیث کی اصطلاح میں ''مناولہ'' کہا جاتا ہے کہ ایک شخص فرداً فرداً روایات بیان کرنے کی بجائے اپنا ایک مجموعہ احادیث دوسرے شخص کو دے دیتا ہے۔اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ دینے والا صراحت کر دے کہ تم ان کو میرے نام سے روایت کر سکتے ہو۔دوسری یہ کہ وہ مجموعہ حوالے کرتے وقت کچھ نہ کہے۔۔۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ (دوسرا شخص) اس (پہلے شخص) کا حوالہ دے کر وہ احادیث بیان کر سکتا ہے یا نہ؟ پہلی صورت کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں اور دوسری صورت میں اکثر کا فتویٰ یہی ہے کہ یہ جائز ہے جبکہ یقین ہو کہ وہ مجموعہ حدیث اسی کا ہے اسی مطلب کو امام علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔تفصیل کیلئے شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔بتایئے اس مطلب پر اعتراض کر کے مؤلف نے اس فن سے اپنی ناواقفیت کے اظہار اور جہالت کے اقرار کے سوا اور کیا حاصل کیا ہے؟ سچ ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند!

حدیث نمبر 5 کا اصل مقصد:

حدیث نمبر 5 میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ عقل وشرع کے عین مطابق ہے راوی جس قدر ثقہ وصادق کیوں نہ ہو۔اس سے غلطی کے صدور کے امکان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔اس لئے بیان کنندہ کو چاہیئے کہ جب کوئی واقعہ نقل کرے تو منقول عنہ کا نام ضرور لے لے۔اس طرح یہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے سے سن کر بیان کر دے! جن جناب کا یہ قول ہے۔انہی کا ارشاد ہے''لاتُحدّث الاعن ثقة فتکون کذاباً'' جب بھی کچھ بیان کرو تو قابل وثوق آدمی سے کرو ورنہ کذّاب قرار پاؤ گے(نہج البلاغہ) وکفی بالمرء کذبا ان یحدّث بکل ماسمع۔۔۔اس میں کونسی ات قابل اعتراض ہے؟

اصول کافی والی روایت کا پس منظر:

مؤلف نے اصول کافی ص 26 سے رواۃ حدیث کے چار اقسام والی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اگر ان میں سے حیا وشرم کا کچھ بھی رمق ہوتا تو اس حدیث کا نام بھی زبان پر نہ لاتے مگر جب دل خوف خدا اور آنکھ شرم وحیا سے عاری ہو تو پھر آدمی آزاد

ہوتا ہے جو چاہے کہے اور لکھے۔اس حدیث کا لب لباب یہ ہے (جو بالتفصیل کتاب سلیم بن قیس، توحید شیخ صدوق اور اصول کافی میں موجود ہے) جناب سلمان محمدیؓ نے حضرت امیرؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ہم لوگوں سے تفسیر قرآن اور حدیثیں کچھ اور طرح سنتے ہیں اور آپ سے کچھ اور طرح۔اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ اس وقت جناب امیرؑ نے فرمایا۔لوگوں کے پاس کچھ حق ہے۔۔۔۔۔اور کچھ باطل ہے۔کچھ ناسخ ہے اور کچھ منسوخ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے والے چار قسم کے لوگ تھے (1) منافق (2) مسلمان۔کند ذہن (جو بھول جاتا ہے) (3) مسلمان جاہل (جسے منسوخ کا علم نہیں) اور (4) مسلمان عالم جسے سب حقائق کا علم ہے۔لوگوں کے پاس آنحضرت ﷺ کی احادیث انہی چار قسم کے لوگوں سے پہنچی ہیں۔جس کی وجہ سے اختلاف رونما ہو گیا (پھر آنجناب نے اپنی ذات کو آخری قسم میں سے شمار فرمایا ہے) اس روایت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ منافق وغیرہ سے روایت حدیث جائز ہے؟ تاکہ ایراد وارد ہو بلکہ اس حدیث کو اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اس سے تو مؤلف کے صحابہ کرام کی اکثریت کا دین و دیانت و علم و فضل اور عقل و خرد سے تہی دامن ہونا ثابت ہوتا ہے۔مبارک باشد

ے نئے فروعت محکم آمد نئے اصول ☆ شرم باید از خدا و از رسول

مؤلف نے آخر کلام میں تقیہ کی وجہ سے بھی احادیث شیعہ کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے تو اس کے متعلق صرف اس قدر گذارش ہے کہ جب مذہب اہلسنت میں عند الضرورت جھوٹ بولنا واجب ہے (شرح مسلم نودی ج 2 ص 266) تو اب اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ راوی نے سچے دل سے سچ سمجھ کر بیان کیا ہے یا کسی خوف و مصلحت سے ضرورۃً جھوٹ لکھ دیا ہے۔مزید برآں جب اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے احادیث و ارشادات دو قسم کے ہوتے تھے۔ایک وہ جو بحیثیت نبی۔۔۔۔کے فرماتے تھے (جن میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا) دوسرے وہ جو بحیثیت بشر و انسان کے کہتے تھے (جن میں ہر قسم کی غلطی اور سہو و نسیان کا امکان ہوتا تھا) تو اب جبکہ دونوں قسم کی احادیث باہم مخلوط (گڈمڈ) ہوگئی ہیں تو کس طرح یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کونسی حدیث بحیثیت رسولؐ ارشاد فرمائی ہے اور کونسی بحیثیت بشر؟ اس عقیدہ کی بناء پر کیا اہلسنت کا پورا دفتر حدیث مشکوک اور درجہ اعتبار سے ساقط نہیں ہوجائیگا؟

ے مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے ☆ آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کر

آئمہ اہلبیت پر جھوٹ کا الزام:

اہلبیت کے ذمے رواۃ حدیث شیعہ نے یہاں تک بہتان باندھا کہ انہوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق تین مختلف اشخاص کو الگ الگ مختلف۔۔۔۔جواب دیئے ہیں۔۔۔۔۔احادیث ذیل سے جو اصول کافی ص 37 میں درج ہیں ان کا انکشاف ہوتا ہے۔

(1)(بحذف عربی) منصور بن حازم کہتا ہے میں نے امام جعفرؑ سے نے کہا کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں ۔آپ مجھے اس کا جواب دیتے ہیں پھر ایک دوسرا شخص آ کر وہی مسئلہ پوچھتا ہے اور اس کو اس کے خلاف جواب دیتے ہیں آپ نے کہا ہم لوگوں کو بڑھا گھٹا کر جواب دیتے ہیں۔

(2)(بحذف عربی) زرارہ بن اعین کہتا ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے مجھے جواب دیا۔ پھر دوسرے شخص نے آ کر وہی مسئلہ پوچھا۔ اس کو مجھ سے اور دوسرے شخص سے بھی مخالف جواب دیا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے پوچھا حضور کیا یہ عراقی مرد آپ کے شیعہ ہیں جنہوں نے آ کر ایک ہی مسئلہ پوچھا آپ نے دونوں کو مختلف جواب دیئے آپ نے کہا اے زرارہ! یہی بات ہمارے لئے بہتر ہے۔ ہماری اور تمہاری بقا کا باعث ہے۔ اگر تم ایک ہی بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ ہمارے بارے میں تم کو سچا سمجھ لیں گے اور ہماری اور تمہاری زندگی کیلئے مضر ہوگا۔ زرارہ کا کہنا ہے میں نے جعفر علیہ السلام سے (یہی سوال کیا) پھر امام علیہ السلام نے وہی جواب دیا جو ان کے والد نے دیا تھا (اصول کافی ص 107)

ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ آئمہ معصومین کی نسبت کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں تین ایسے اشخاص کو جو ان کے راسخ الاعتقاد مرید (شیعہ) ہوں۔ تین مختلف جواب دیں۔۔۔ یقیناً ان تینوں میں سے ایک سچ ہوگا۔ دو صریح جھوٹ۔ اور ایسا جھوٹ موجب درازئ عمر اور بقائے حیات سمجھا جائے۔۔۔ الصدق ینحبی و الکذب یھلک۔۔۔ اگر بفرض محال آئمہ کا یہ حال تھا کہ راستی کی پابندی نہ تھی۔۔۔ تو پھر ان کی حدیث کا کیا اعتبار؟ بحکم ''اذا تعارضا تساقطا'' دونوں پایہ اعتبار سے ساقط ہو جائیں گی۔۔ (آفتاب ص 317)

الجواب:

شرعی احکام کے اقسام:

یہ بات علم اصول فقہ میں واضح کی جا چکی ہے کہ احکام کی متعدد قسمیں ہیں۔ حکم اوّلی، حکم ثانوی، حکم ظاہری، حکم واقعی، حکم عام، حکم خاص، حکم مطلق، حکم مشروط، وغیرہا۔ سائل کا کام ہے سوال کرنا۔ اب دانشمند مجیب کا کام یہ ہے کہ وہ حالات وظروف کا مکمل جائزہ لینے کے بعد جو جواب مناسب سمجھے وہ دے۔ آئمہ اہلبیتؑ جن ناسازگار حالات میں گھر کر شریعت مقدسہ کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے تھے اور جن نامساعد حالات کا سامنا کر کے دین مبین کی نشر و اشاعت کر رہے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ یا وہ لوگ لگا سکتے ہیں جو اس دور میں موجود تھے۔ یا پھر کچھ اندازہ وہ لگا سکتے ہیں۔ جنہوں نے تعصب وعناد کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا

ہے۔

؎دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے ؟

اموی وعباسی منحوس دورحکومت:

بنی امیہ و بنی عباسیہ کا دور تاریخ اسلام کا وہ تاریک ترین دور تھا جس میں آئمہ اہلبیتؑ کے نام پر نام رکھنا گردن زدنی جرم تھا (ابن خلکان) ان کے فضائل بیان کرنے سے زبانیں گدی سے کھنچوائی جاتی تھیں (تاریخ طبری) ان کے قبور مقدسہ کی زیارت کرنے پر پاؤں قلم کئے جاتے تھے (تاریخ الخلفاء) اور آلؑ رسولؐ سے مسائل دریافت کرنے پر تعزیریں لگتی تھیں (خزینۃ الجواہر) ان حقائق کو مولوی کرم الدین جیسے لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا کام صرف پاکباز اور مقدس ہستیوں پر ایراد واعتراض کرنا ہے وبس سچ ہے۔

؎چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

آئمہ اہلبیتؑ کی حکیمانہ روش ورفتار:

بہرحال ان حالات کی روشنی میں اپنی اور اپنے نام لیواؤں کی جان کی حفاظت کرنا اور پھر اپنے جدِّ نامدارؐ کی شریعت کی حفاظت اور اسکی نشر واشاعت کرنا آئمہ اہلبیتؑ کا ہی کام تھا۔ اس لئے وہ حکمائے اسلام حالات کی نبضوں پر ہاتھ رکھ کر ہر شخص کو مناسب حال جواب دیتے تھے یعنی کسی کو حکم ظاہری بتاتے تو کسی کو واقعی، کسی کو عمومی تو کسی کو خصوصی و، و، وہ احکام اگرچہ بادی النظر میں بظاہر باہم متخالف ومتعارض معلوم ہوتے تھے مگر فی الحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا۔ جیسے دو سائلوں کو اس سوال ''کیا لحم خنزیر کھانا جائز ہے؟'' کے دو مختلف جواب دیئے جائیں۔ ایک سے کہا جائے حرام ہے (یعنی عندالاختیار) اور دوسرے سے کہا جائے حلال ہے (یعنی عندالاضطرار) اس طرح حکم شرعی بھی یہاں ہوجاتا تھا اور شیعوں کے اس ظاہری اختلاف سے حکومت یہ سمجھتی تھی کہ یہ شتران بے مہار کی طرح باہم اختلاف کررہے ہیں۔ ان کا کوئی مرکز نہیں ہے۔ لہٰذا آئمہ اہلبیتؑ کی اس حکیمانہ روش ورفتار کی جس قدر مدح وثنا کی جائے کم ہے! یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تعارض کے وقت تساقط ہوجاتا ہے۔ بلکہ تعارض کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟ اس کا جواب آنے والی اس حدیث میں موجود ہے۔ جسے مؤلف نے درج ذیل عنوان کے تحت نقل کیا ہے **فانتظروا انی معکم من المنتظرین** مگر اس کا کیا علاج کہ

؎چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر!

اہلسنت سے عداوت:

ایک اور بات بھی از بس عجیب ہے جو بذمہ اہلبیت افتراء کیا گیا کہ ان کا فتویٰ ہے کہ اہلسنت کا قول کیسا ہی کتاب اللہ و

سنت الرسولؐ کے مطابق ہواسکی مخالفت کرنا چاہیئے جیسا کہ اصول کافی ص 39 میں ہے۔۔۔(بحذف عربی) راوی نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا کہ اگر دو حدیثیں آپ سے مشہور ہیں اور ان کے راوی بھی ثقہ ہیں۔تو کس کو لیا جائے؟ کہا جس کا حکم کتاب اللہ وسنت الرسول کے مطابق ہو اور عامہ (اہلسنت) کے مخالف ہو۔اس کو لیا جائے۔۔۔راوی نے کہا اگر دونوں حدیثیں کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں اور ایک اہلسنت کے مطابق ہو اور دوسری مخالف ہم کس کو لیں۔کہا جو اہلسنت کے مخالف ہو اس کو لینا بھلائی ہے میں نے کہا۔اگر دونوں حدیثیں اہلسنت کے قول کے مطابق ہوں کہا پھر یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے جس کی طرف ان کے احکام اور قاضیوں کا میلان ہے اس کو چھوڑ دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے۔جائے غور ہے کہ اہلبیت کو اہلسنت سے اس قدر دشمنی تھی کہ اگر ان کا قول مطابق کتاب اللہ وسنت الرسول۔۔بھی ہو تو پھر بھی حتی الامکان اس کی مخالفت ہی کرنا چاہیئے حاشا وکلا۔۔۔**انظر الی ما قال و لا تنظر الی من قال ایک مسلم مقولہ ہے** یہ سب کچھ سبائی کمیٹی کی گھڑت ہے۔۔۔(آفتاب ص 318)

الجواب:

متنبی نے بالکل بجا کہا ہے کہ

ؔوکم من عائب قولاً صحیحاً ☆ و آفتہ من الفہم السقیم

اس حدیث کے حقیقی مطلب کی وضاحت:

مؤلف امام کے کلام کا (جو کہ امام الکلام ہے) مطلب سمجھتے نہیں اپنی ناسمجھی کی بنا پر فوراً اعتراض جڑ دیتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں نہ تو اہلسنت کی مخالفت کا اقرار ہے اور نہ بے جا تعصب کا اظہار۔بلکہ امام عالیمقام جن مشکلات ومصائب میں گھرے ہوئے تھے اور ان حالات میں جس طرح مختلف الفاظ وعبارات میں لپیٹ لپیٹ کر شرعی احکام بیان کرتے تھے (جس کی تفصیل سابقہ عنوان کے تحت بیان کی جا چکی ہے) ان کوائف میں اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے اور اسے صرف کاشف کی حیثیت حاصل ہے کہ بظاہر دو متعارض حدیثوں میں سے جو مسلک اہلسنت کے موافق ہے اسے نظرانداز کر دیا جائے کیونکہ یہ موافقت عامہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت مقام تقیہ میں وارد ہوئی ہے اور اس روایت پر عمل درآمد کیا جائے جو ان کے مخالف ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حکم واقعی کا بیان ہے اس حدیث میں یہ کہیں بھی مذکور نہیں کہ ''اگر کوئی حدیث اہلسنت کے مطابق ہے تو اسکو صرف اس موافقت کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔اگرچہ قرآن وسنت کے مطابق بھی ہو'' **ان ھذا الا بھتان عظیم**۔

ؔچوں بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است ☆ سخن شناس نہء دلبرا خطا اینجا است

اہل حق سے اہلسنت کی اندھی عداوت کی مثالیں:

ضد اور اہل حق سے عناد یہ ہے کہ باوجود اہل سنت کہلانے کے اور ایک چیز کو سنت رسولؐ تسلیم کرنے کے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس پر شیعہ عمل کرتے ہیں لہٰذا اس پر عمل کرنے سے شیعوں سے مشابہت لازم آتی ہے۔

(1) جناب شیخ عبد القادر گیلانی غنیۃ الطالبین ص 55 میں لکھتے ہیں کہ ''التختم بالیمین سنة داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت رسولؐ ہے'' پھر اپنے مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ ''ولکن تختموا بالیسار فان التختم فی الیمین شعار للمبتدعة الرافضة تم بائیں ہاتھ میں پہنا کرو کیونکہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بدعتی رافضیوں کا طریقہ بن چکا ہے۔''

(2) ملا علی القاری شرح فقہ اکبر (ج1 ص150) میں یہ ثابت کرنے کے بعد کہ حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنے میں کوئی لغوی و شرعی سقم نہیں ہے لکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی کہنا نہیں چاہیئے کیونکہ ''ان قول علی علیہ السلام من شعار اھل البدعة'' یعنی علی علیہ السلام کہنا بدعتی لوگوں (شیعوں) کی خصوصی علامت ہے۔

(3) شیخ منادی نے شرح شمائل ترمذی ج1 ص206 میں تسلیم کیا ہے کہ عمامہ کی تحت الحنک رکھنا سنت نبویؐ ہے مگر آخر میں لکھا ہے ''وصار الیوم شعار الفقھاء الامامیة فینبغی تجنبه'' یعنی چونکہ اب یہ شیعہ فقہا کی علامت بن چکی ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(4) فاضل مقریزی نے خطط الاثار ج2 ص380 طبع مصر میں تسلیم کیا ہے کہ مصر میں شاہان علویین چونکہ یوم عاشورہ کو یوم حزن وملال قرار دیتے تھے ان کے بعد جب بنی ایوب کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ان کی ضد میں اسے یوم مسرت و شادمانی قرار دیا۔ یہاں مؤلف اور ان کے ابناء مذہب کو یہ مسلمہ مقولہ کیوں بھول جاتا ہے کہ انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال اور کیوں اہل حق کی مجالس و محافل میں شرکت کرنے اور ان کی باتیں سننے میں نکاح ٹوٹنے لگتے ہیں اور کیوں اہل حق کی ضد میں سنت رسولؐ کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے؟

اند کے غمِ دل باتو گفتم و بدل تر سیدم ☆ کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

تعزیہ و مرثیہ خوانی:

واضح ہو کہ اسلام میں بدعاتِ محرّم کی ایجاد۔۔۔شیعہ سے ہے۔ جو سنّت یزید تازہ کرنے کے لئے سال بسال ماہِ محرم میں کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ شیعیان حسینؑ کیلئے نجات اخروی کیلئے۔۔۔کافی ہے سال بھر میں ایک دفعہ غم حسینؑ میں سینہ کوبی کرلیں۔ ماتمی لوگ بغیر کسی پرسش کے سیدھے جنّت میں چلے جائیں گے۔۔۔نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے

۔۔نماز، روزہ۔۔۔وغیرہ فرائض ادا کئے ہیں یا نہیں؟ شیعوں کا یہ مسئلہ عیسائیوں کے مسئلہ صلیب سے کم نہیں۔۔۔ہم نے قرآن وحدیث اور دینی کتب کو چھان مارا ہے ہمیں اس مسئلہ کا کہیں کھوج نہیں مل سکا۔شیعہ کی اپنی کتابیں بھی اس مسئلہ کی سخت مخالف ہیں۔۔۔۔ہم شیعہ بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تعزیہ و مرثیہ خوانی کا شروع کس پیغمبر یا امام سے ہوا؟۔۔۔ماننا پڑے گا سب کچھ بدعات محرمہ سے ہے اور بس۔۔جناب امیر علیہ السلام نہایت بے دردی سے ۔۔۔شہید ہوئے حسینؑ نے ان کے غم میں مجالس ماتم نہیں کیں پھر حضرت امام حسنؑ بھی زہر خوانی سے شہید کئے گئے حضرت حسینؑ نے۔۔۔۔غم میں کبھی ماتم نہیں کیا۔حضرت زین العابدینؑ نے۔۔۔واقعہ کربلا۔۔۔دیکھا تھا انہوں نے بھی ماتم نہیں کیا۔۔۔ایسا ہی دیگر آئمہ عظام نے بھی کبھی تعزیے نہیں نکالے۔۔اسلام میں پہلا سانحہ عظیم وفات رسول مقبول ﷺ کا ہوا۔مگر اہلبیتؑ یا صحابہ نے کبھی نوحہ، بکا، مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کی رسم ہونے نہ دی اللہ تعالیٰ نے جا بجا قرآن کریم میں مومنین کو صبر کی ترغیب دی ہے۔۔۔"وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ "(البقرہ آیت 156،155)"اے رسول! ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے کہ جب انہیں کوئی دکھ درد پہنچتا ہے کہتے ہیں ہم خدا کیلئے ہیں اور ہماری بازگشت اسی کی طرف ہے"۔مسلمانوں کو ارشاد ہے۔"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ "(البقرہ آیت 153) صبر اور نماز کے وسیلہ سے مدد مانگو پھر معلوم نہیں قرآن کے کس پارہ میں یہ آیت لکھی ہے کوئی واقعہ ہائلہ۔۔پیش آئے۔سوگ بنا کر خوب جزع فزع کرو۔کپڑے پھاڑو۔۔۔شاید اس قرآن میں یہ حکم ہو جو ستر ہزار آیات کا ہے۔۔۔اصول کافی ص 410 میں یہ حدیث ہے (بحذف عربی) امام صادقؑ نے فرمایا صبر ایمان کے بجائے سر ہے جب سر کٹ جائے تو بدن بے کار ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب صبر چھوڑ دیا جائے تو ایمان جاتا رہتا ہے۔پھر جو لوگ برخلاف اس حدیث کے جزع فزع کرتے روتے پیٹتے۔۔ہیں بشہادت امام۔۔۔وہ بالکل بے ایمان ہیں۔آئمہ۔۔۔نے جزع۔۔۔۔سے یہاں تک منع فرمایا کہ۔۔۔رانوں پر ہاتھ مارنا بھی موجب حبط اعمال قرار دیا جیسا کہ فروع کافی ج 1 ص 128 میں درج ہے "**عن ابی عبد اللہ قال رسول اللہ ضرب المسلم یدہٗ علی فخذہ احباط لاجرہ**"اب برخلاف اس کے جو لوگ منہ پر طمانچے رسید کرنا موجب ثواب سمجھتے ہیں وہ امام صادق کے قول کی تکذیب کرتے ہیں۔اس بارہ میں قول فیصل جناب امیر علیہ السلام کا قول ہے جو نہج البلاغہ ص 193 و 338 مطبوعہ طہران میں درج ہے (بحذف عربی) امیر علیہ السلام نے رسول پاک ﷺ کے غسل اور تجہیز کے وقت فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی وفات سے وہ امور منقطع ہوئے ہیں۔جو کسی اور کی وفات سے نہ ہو سکتے تھے۔وہ امور نبوت اور آسمانی وحی ہیں۔آپ ایسے خاص ہوئے کہ ماسوائے سے قطع کر دیا۔اور آپ کا فیض ایسا عام ہوا کہ تمام لوگ اس سے

یکساں مستفیض ہوئے۔ اگر آپ نے ہمیں صبر کرنے کا حکم اور جزع فزع سے منع نہ کر دیا ہوتا تو آج ہم آپ کی وفات پر اتنا روتے کہ رطوبت بدن خشک ہو جاتی۔ دیکھئیے جناب امیر علیہ السلام کا ایسے دردناک موقعہ وفات رسولؐ پر جزع فزع چھوڑ کر صبر سے کام لینا۔۔۔اس امر کی فیصلہ کن دلیل ہے کہ بعد الرسول اور کسی شخص ۔۔۔پر جزع فزع کرنا۔۔۔ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وفات رسولؐ سے بڑھ کر کوئی سخت صدمہ مسلمان کیلئے۔۔ہو نہیں سکتا۔ پھر ایسے دردناک وقت میں جزع فزع اور سینہ کوبی تو کجا آنسو بہانے کو بھی خلاف صبر تصوّر کر کے صبر و تحمل سے کام لیا گیا تو پھر کس طرح کسی اور شخص کی وفات یا شہادت پر اس کے خلاف رونا پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا روا ہو سکتا ہے جناب امیرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے فیصلہ جات ہیں جن پر شیعہ مذہب کا دارومدار ہے۔ اس لئے شیعہ کو سر تسلیم خم کرنے کے بغیر ہرگز چارہ نہیں۔

ع گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر ☆ تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

(آفتاب ص 321)

الجواب:

اس بیان نافرجام میں عزاداری فرزند خیر الانام کی جس ناصبیانہ انداز میں مخالفت کی گئی ہے وہ ارباب ایمان پر واضح وعیاں ہے۔ اگر بالفرض بقول مؤلف کے یہ بدعت ہے تو دوسرے اسلامی ممالک کی طرح اس ملک میں بھی بدعات تو اور بھی بہت ہیں۔ ان کے خلاف کیوں صدائے احتجاج بلند نہیں کی جاتی؟ جب بھی یہ "انکر الاصوات" بلند ہوتی ہے تو صرف عزاداری سیدّ الشہداءؑ کے خلاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

عزاداریٔ سیدّالشہداءؑ کے بعض فوائد کا بیان:

یہ لوگ جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کا راز اسی عزاداریٔ سید الشہداءؑ کے اندر پنہاں ہے کہ ہر سال سینکڑوں غیر شیعہ افراد مذہب حق اختیار کرتے ہیں اور شیعوں کا کوئی طفل نادان بھی اس مذہب کو ترک نہیں کرتا۔ (اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلمان مفکر ڈاکٹر جوزف فرانسیسی نے بھی اپنے رسالہ "الاسلام والمسلون" کے اندر کیا ہے) بلکہ حقیقتِ حال اس سے بھی بالا ہے۔ یعنی اسلام کی بقاء اور شریعتِ اسلامیہ کی نشوونما سب سرکار امام حسینؑ کی شہادت اور انکی عزاداریٔ کی مرہون منت ہے جیسا کہ مشہور مؤرخ میسور ماربین آلمانی (جرمنی) نے اپنے رسالہ "السیاسۃ الاسلامیہ" کے اندر اس کا اقرار کیا ہے۔ سچ ہے

ع حقا کہ بناء لا الہ است حسینؑ

اگر شیعیان علیؑ ہر سال مراسم عزاء کو علانیہ ادا نہ کرتے ۔ تو نہ معلوم اب تک کس قدر میرزا حیرت دہلوی آنجہانی پیدا ہو چکے ہوتے جو قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ شہادت حسینؑ کا کوئی واقعہ عمل میں آیا ہی نہیں ۔ یہ سب فرضی افسانہ ہے۔ یہ کسطرح باور ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کے کلمہ گو ان کے فرزند دلبند کو بے دردی سے شہید کر کے ان کی مخدّرات کو دیار و امصار میں تشہیر کریں۔ سچ ہے

؎ یک حسینؑ نیست کو گردد شہید ☆ ورنہ بسیار اند در عالم یزید

عزاداری کی مخالفت کرنے والوں کا انجام:

مؤلف آفتاب سے پہلے ہزاروں دشمنان حسینؑ و حسینیت عزاداری کی حرمت کا فتویٰ دیتے رہے اور و یحرم علی الواعظ وغیرہ ذکر مقتل الحسن و الحسین ۔ (صواعق محرقہ ص 133 طبع مصر قدیم) کا راگ الاپتے رہے مگر نتیجہ کیا نکلا؟ تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ مراسم عزا کو ختم کرنے والے خود حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر عزاداری تا حال پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کیساتھ منائی جارہی ہے اور قیامت تک اسی آب و تاب سے منائی جاتی رہے گی (انشاءاللہ)

؎ نہ مٹا، مٹ نہ سکا نام تیرا اے مولاؑ ☆ مٹ گئے آپ ہی تجھ کو مٹانے والے

ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ وہ اس شمع کو گل کرنا چاہتے تھے۔ جسے خدا نے ہمیشہ فروزاں رکھنے کا حتمی فیصلہ کیا ہوا ہے۔

؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد ☆ اگر کس پف کند ریشش بسوزد

واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون ۔ یہ بات نا قابل فہم ہے کہ ہم روتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے سینہ کوبی کرتے ہیں تو اپنے ہاتھوں سے پیسہ صرف کرتے ہیں تو اپنی جیبوں سے پھر معلوم نہیں ان فتویٰ فروشوں کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

؎ نمی دانم زمنع گریہ نفعے چیست ناصح را ☆ دل از من دیدہ از من گریاں از من

اگر اس سے کسی کے بزرگوں کے ظلم و ستم کا پردہ چاک ہوتا ہے تو ہوتا رہے اگر کوئی ظالم بے نقاب ہوتا ہے تو ہوتا رہے

ع روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں ؟

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔

تلقین صبر کرنے والوں سے ایک سؤال:

ہمیں قرآن کریم کی آیات اور پیغمبرؐ و آل پیغمبرؑ کی روایات پڑھ کر صبر کی تلقین کی جاتی ہے۔ صبر کے فضائل سنائے جاتے ہیں ۔ مگر ہم ان حضرات سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی صبر کے معنی و مفہوم پر بھی غور کیا ہے؟ کہ اسکے معنی کیا ہیں؟ اور کبھی

یہ بھی سوچا ہے کہ آیا رونا بے صبری ہے؟ یقین جانیئے کہ اگر صبر کے مفہوم پر غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو رونے کے خلاف کبھی سنانِ قلم و زبان حرکت میں نہ آتے!

صبر کے معنی کی تحقیق:

صبر کے معنی ہیں۔"کف النفس عما لا ینبغی"یعنی ناشائستہ بات اور بے جا اعتراض سے نفس کو روکنا۔اسی بنا پر جناب خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا"إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا"(الکھف 67)"کہ تم صبر نہیں کر سکو گے"کیا مطلب؟تم روؤ گے؟نہیں!بلکہ مطلب یہ کہ تم بے جا اعتراض کرو گے؟چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی مرنے والے کے غم والم میں اشک غم بہانا بالخصوص جبکہ وہ کشتۂ جور و جفا ہو۔ناشائستۂ حرکت ہے؟ اور ایسا کرنے سے آیا خدا پر کوئی اعتراض عائد ہوتا ہے؟حاشا و کلا!

غم کے وقت رونا فطری تقاضا ہے:

مصیبت کے وقت رونا اور آنسو بہانا ایک فطری تقاضا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو شخص شدتِ غم کے وقت نہ روئے اس کے دل یا دماغ کے فیل ہونے کا اندیشہ دامنگیر ہو جاتا ہے اور بڑے لطائف الحیل سے ایسے شخص کو رلانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب خوب دل کھول کر رو لیتا ہے تو اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت سنبھل جاتی ہے بنابریں اگر رونا اسلام میں ممنوع ہے تو پھر(العیاذ باللہ)دینِ اسلام دین فطرت نہیں اور اگر اسلام دین فطرت ہے(اور یقیناً ہے)تو وہ ہرگز رونے کی مخالفت نہیں کر سکتا!فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لکلمات اللہ۔

رونا بے صبری نہیں بلکہ رحمت ہے:

یہ رونا تو رقّتِ قلب کی علامت ہے جو رحمت خداوندی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ جب جناب رسولخداﷺ اپنے فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت زار و قطار رو رہے تھے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا انت و البکاء یا رسول اللہ! آپؐ روتے ہیں فرمایا!یا ابن عوف انھا لرحمۃ!اے پسر عوف!یہ تو رحمت خداوندی ہے پھر فرمایا ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزنون۔آنکھ اشکبار ہے۔دل غمناک ہے۔لیکن زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے۔اے ابراہیم!ہم تیرے فراق میں اندوہناک ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رونا بے صبری نہیں بلکہ رحمتِ ایزدی ہے۔ہاں بے صبری یہ ہے کہ زبان سے کچھ ایسے کلمات ادا کئے جائیں جن سے خدا اور اسکی قضا و رضا پر اعتراض ہوتا ہو۔

گریہ سُنّتِ انبیاءؑ ہے:

اسلامی آیات و روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب ونوائب کے وقت گریہ و بکاء کرنا انبیاءؑ ومرسلینؑ کا طریقہ ہے۔۔۔بطور نمونہ ذیل میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) تاریخ طبری ج 1 ص 72 کامل ابن الاثیر ج 1 ص 20 پر لکھا ہے کہ جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا۔ تو حضرت آدمؑ روئے اور یہ مرثیہ کہا

تغیرت البلادو من علیھا ☆ فلون الارض مغبرّ قبیحٗ

تغیرّ کل ذی طعم ولون ☆ وقلّ بشاشة الوجه الملیح

(2) حضرت یعقوبؑ فراق یوسفؑ میں اس قدر روئے کہ بینائی جاتی رہی '' وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ '' (یوسف آیت 84) مؤلف نے یہاں بھی اپنے روایتی عقل وعلم کے گل کھلاتے ہوئے لکھا ہے کہ '' حزن کی وجہ سے بصارت زائل ہوئی تھی نہ رونے سے ''۔ اس اللہ کے بندے کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایک تو حزن و ملال اور گریہ و بکا لازم وملزوم ہیں۔ دوسرے تفاسیر اہلسنت میں بڑی صراحت موجود ہے کہ اسی برس تک جناب یعقوبؑ کی آنکھ خشک نہیں ہوئی تھی اسی سال تک برابر دل میں حزن اور آنکھ میں آنسو تھے۔ حتی کہ روتے روتے بصارت زائل ہوگئی۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر ج ص () میں حسن بصری سے منقول ہے کہا '' کان منذ خرج یوسف من عند یعقوب الی یوم رجع ثماثون سنةً لم یفارق الحزن قلبه یبکی حتی ذھب بصرہٗ '' اور تفسیر کشاف ج ص () و تفسیر نیشاپوری ج ص () میں ہے '' ما جفّت عینا یعقوب من وقت فراق یوسف الی حین لقائه ثمانین عاماً '' (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ خدا نے ان کو '' کظیم '' (ضبط کرنے والا) کہا ہے! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلند آواز سے رونا ممنوع ہے! یہ خیال غلط ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے خدا کا شکوہ و شکایت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے رنج و ملال کا تذکرہ صرف اپنے رب ذوالجلال سے کرتے تھے جیسا کہ خدا نے ان کا قول نقل کیا ہے '' انما اشکو حزنی و بثی الی اللہ '' ورنہ ان کا بلند آواز سے '' وااسفاعلی یوسف '' کہہ کر ندبہ کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ فتدبر۔

(3) سیرت حلبیہ ج 2 ص 260 طبع مصر میں جناب ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ما رأینا رسول اللہ باکیاً اشد من بکائه علی حمزة وضعه فی القبلة ثم وقف علی جنازته و انتحب حتی نشق ای شھق حتی بلغ الغشی یقول یا عم رسول اللہ! و اسد اللہ و اسد رسول اللہ یا حمزة یا فاعل الخیرات یا حمزة یا کاشف الکربات یا ذاب یا مانع عن وجه رسول اللہ یعنی جس قدر جناب رسول خدا ﷺ۔ حضرت حمزہ پر روئے اتنا ہم نے کبھی آنحضرت ﷺ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا (گو پہلے بھی روتے رہتے تھے) آنحضرت ﷺ نے ان کے جنازہ کو بجانب قبلہ رکھ دیا اور پھر رونا شروع کیا۔ کثرت گریہ سے چیخیں نکل گئیں یہاں

تک کہ روتے روتے غشی تک نوبت پہنچ گئی پھر کہنا شروع کیا اے رسول کے چچا! اے خدا اور اس کے رسول کے شیر۔۔۔۔اسی طرح جب ایک ہی سال میں جناب خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابو طالبؑ کا انتقال پُر ملال ہوا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان پر اس قدر گریہ و بکا اور رنج و ملال کا اظہار کیا کہ اس سال کا نام ہی ''عام الحزن'' رکھ دیا (تاریخ طبری وغیرہ)

شہید پر گریہ و ماتم:

کہا جاتا ہے کہ شہید بنص قرآن زندہ ہوتے ہیں پھر زندہ پر گریہ و بکا اور ماتم کرنا چہ معنی دارد؟ اس ایراد کا پہلا حلی و تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ

توہین و مصائب پہ بہا لیتے ہیں آنسو ☆ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

ہاں البتہ یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ

قاتل کبھی مقتول کا ماتم نہیں کرتے

اور الزامی جواب یہ ہے کہ۔ کیا حضرت یوسفؑ زندہ نہ تھے؟ پھر جناب یعقوبؑ ان کے غم میں اسی برس کیوں روئے؟ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے حمزہ سید الشہداءؑ پر کیوں اس قدر گریہ و بکا فرمایا کہ غشی تک نوبت پہنچ گئی؟۔۔۔بلکہ صرف خود ہی گریہ و بکا کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ انصار کی مستورات کو جمع کرا کے جناب حمزہ پر گریہ و بکا کرایا۔ چنانچہ تاریخ طبری ج 3 ص 27 مسند امام احمد بن حنبل ج 2 ص 40۔ استیعاب ابن عبد البر۔ العقد الفرید، سیرت حلبیہ، مدارج النبوۃ وغیرہ کتب میں مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ جنگِ احد سے واپس مدینہ پہنچے اور انصار کے گھروں کے پاس سے گذرے اور سنا کہ انصار کی عورتیں اپنے مقتولین پر گریہ و بکا اور نوحہ و فغاں کر رہی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے روتے ہوئے فرمایا ولکن حمزۃ لا بواکی لہ کیا میرے چچا حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں ہے؟ یہ سن کر انصار نے اپنی مستورات کو حکم دیا کہ پہلے حمزہ کے گھر جا کر گریہ و نوحہ کریں۔ چنانچہ جب مسجد سے واپسی پر ان کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے گوش گذار ہوئی تو دعا دیتے ہوئے فرمایا رضی اللہ عنکن و عن اولادکن خدا تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی ہو۔ پھر حکم دیا کہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ اس واقعہ کے بعد اہل مدینہ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب بھی کسی مرنے والے پر گریہ و نوحہ کرتے تو اس کی ابتداء جناب حمزہ پر رونے سے کی جاتی (واللفظ للسیرۃ الحلبیۃ)

ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ شہید پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرنا جائز ہے! وھو المقصود۔۔۔اس امر کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شرح نہج البلاغہ (حدیدی ج 3 ص 396 طبع مصر) میں لکھا ہے کہ جناب سیدہؑ کا یہ معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے روز شہداء احد پر جا کر گریہ و بکا فرماتی تھیں۔ بایں ہمہ جن لوگوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ چونکہ شہید زندہ ہوتے ہیں اس لئے زندہ پر گریہ و ماتم جائز نہیں ہے۔ تو ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کیا زندہ کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟ کیا زندہ کو دفن

کرنا جائز ہے؟ کیا زندہ کی میراث تقسیم کرنا جائز ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب شہید زندہ ہوتے ہیں تو تم انکی جنازہ کیوں پڑھتے ہو؟ انہیں دفن کیوں کرتے ہو؟ اور انکی میراث کیوں تقسیم کرتے ہو اور ان کی بیوگان کا عقد کیوں کرتے ہو؟ فماھو جوابکم فھو جوابنا ؟ اور اگر وہاں یہ کہتے ہیں کہ وہ زندہ تو ہیں مگر ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ولکن لاتشعرون۔ تم ہم بھی عرض کریں گے کہ ہم ان زندہ جاوید کا ماتم کرتے ہیں جنکی زندگی کا ہمیں شعور نہیں! انکی زندگی ہماری ظاہری مادی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ وھو اوضح من ان یخفی۔

مرثیہ ونوحہ کا جواز:

مرثیہ اور نوحہ کیا ہے؟ نظم میں مرنے والے کے محاسن ومحامد بیان کر کے گریہ وبکا کرنا۔ گریہ وبکا کا جواز پہلے ثابت کر دیا گیا ہے اور کلام خواہ نثر ہو اور خواہ نظم۔ اگر اس میں غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے تو اس کے جواز میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ ہر چیز میں اصل جواز ہے۔ جب تک اسکی حرمت کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو۔ منصف مزاج علماء اہلسنت نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان تیسیر الباری اُردو ترجمہ صحیح بخاری پ 5 ص 64 پر لکھتے ''اور اصل یہ ہے کہ فی نفسہ مرثیہ کہنا کچھ ممنوع نہیں ہے۔'' نفسِ مرثیہ کی تالیف صحابہ سے ماثور ہے۔ حضرت فاطمہؑ فرماتی ہیں

ما ذا علی من شمّ تربة احمدﷺ ☆ ان لا یشم مدی الزمانِ غوالیا

صبّت علیّ مصائب لو انھا ☆ صبت علی الایام صرن لیا لیا

(کذافی، روضۃ الاحباب ج 1 ص 393)

(2) تاریخ طبری ج 4 ص 49 (حوادث 13ھ) میں روایت کی گئی ہے کہ ''لما توفی ابو بکر اقامت علیه عائشة النوح'' یعنی جب جناب ابو بکر کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہ نے ان پر نوحہ گر عورتوں سے نوحہ کرایا۔ بنابریں نوحہ گری کی حرمت کا فتویٰ دینے والوں کو پہلے جناب عائشہ پر فتویٰ لگانا چاہیئے مگر وہ یہ سوچ لیں کہ ان کو یہ سودا مہنگا پڑے گا۔

(3) صحابہ کرام کے مراثی سے کتب سیر وتواریخ لبریز نظر آتی ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں شہداء اُحد پر بالعموم اور جناب حمزہ پر بالخصوص جناب صفیہ بنت عبدالمطلب، کعب بن مالک انصاری، حسان بن ثابت کے مراثی موجود ہیں اسی طرح اور شہداء کے مراثی بھی انہی کتب میں مذکور ہیں لہٰذا۔ اگر شیعیان علیؑ حضرت امام حسینؑ کے مرثیے پڑھتے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ حضرت آدمؑ کا مرثیہ قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے۔ وفات پیغمبرؐ پر صحابہ کرام کے جگر گداز مراثی کتب سیر وتواریخ میں موجود ہیں جن میں ابو بکر وعمر کے مراثی بھی شامل ہیں۔ عقد فرید، استیعاب، سیرت ابن ہشام اور روضۃ الاحباب وغیرہ کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ماتم وسینہ کوبی کا جواز:

مؤلف نے دوسرے مناظرین اہلسنت کی طرح زیادہ زورِ بیاں ماتم وسینہ کوبی کے خلاف صرف کیا ہے تو اس کے متعلق پہلی قابل توجہ چیز تو یہ ہے کہ ہر چیز میں اصل جواز واباحت ہے۔ چنانچہ درمختار ج5 ص305 طبع مصر میں لکھا ہے''لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ والکراھت الذین لا بد لھما من دلیل ''یعنی یہ بات احتیاط کے خلاف ہے کہ بلا دلیل خدا پر افتراء پردازی کرتے ہوئے کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار دیا جائے۔اسی طرح تفسیر خازن ج3 ص184 طبع مصر بذیل آیت''وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ''لکھا ہے''وفی الایۃ دلیل علی ان جمیع المطعومات والمشروبات حلال الا ماخصّہ الشرع بدلیل فی التحریم لان الاصل فی جمیع الاشیاء الا باحتہ الا ما خطرہ الشارع و ثبت تحریمہ بدلیل منفصل ''یعنی اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ تمام کھانے پینے کی چیزیں حلال ہیں سوائے اس کے جسے شریعت حرام قرار دے کیونکہ ہر چیز میں اصل اباحت وجواز ہے جب تک شریعت اسے حرام قرار نہ دے اور مستقل دلیل سے اسکی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔لہٰذا جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو اس وقت تک اس فعل کو مباح سمجھا جائے گا۔ بنابریں ماتم کو مباح تصور کیا جائے گا کیونکہ اسکی حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے!

جزع فزع والے ایراد کا جواب:

اگر یہ کہا جائے کہ جو حدیثیں جزع فزع کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ وہی سینہ کوبی کی حرمت کی دلیل بھی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں عموم پایا جاتا ہے اور علم اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ''ما من عام الا وقد خص''ہر عموم قابل تخصیص ہوتا ہے۔لہٰذا یہاں بھی ان عمومی روایات کی (قطع نظر ان کی سند سے کہ ان میں ایک بھی صحیح السند نہیں ہے) دوسرے مخصص روایات موجود ہیں۔ چنانچہ وسائل الشیعہ ، الفصول المہمہ فی اصول الائمہ، امالی شیخ طوسی اور کامل الزیارۃ ابن قولویہ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے (جن سے جزع فزع کی ممانعت کی روایاتِ شیعی کتب میں مروی ہیں) منقول ہے کہ''کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین ''''یعنی ہر جزع فزع قبیح ہے۔سوائے حسینؑ مظلوم کے غم کے بنابریں مظلوم کربلا پر جزع وفزع کرنا، اس عموم سے مستثنیٰ متصور ہو گا۔''

دوسری بات یہ ہے تاریخ طبری ج3 ص197 کامل ج 2 ص123 مسند احمد بن حنبل ج6 ص274 اور سیرت ابن ہشام ص371 ج2 طبع مصر قدیم سیرۃ حلبیہ ج3 ص392 طبع مصر قدیم وغیرہ میں جناب عائشہ کا یہ فعل مروی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کا سر میری گود میں تھا''فلمّا توفی وضعت راسہ علی وسادۃ وقمت مع النساء التدم

صدری و اضرب وجھی ''جب ان کی روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو میں نے ان کا سر اٹھا کر تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو کر منہ اور سینے پر پیٹنے لگی۔اب تو ثابت ہو گیا کہ سینہ کوبی اور منہ کوبی صحابیات اور ازواج النبیؐ کا فعل ہے۔اب کم از کم کسی اہلسنت کو تو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔اب فتویٰ بازوں کو پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ

؏ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

ایک اعتراض کا جواب:

اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ جب حضرات شیعہ ان ازواج النبیؐ کے فعل کو سند نہیں سمجھتے تو پھر وہ کیونکر اس فعل کو حجت جانتے ہیں تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اگر شیعہ ان کے فعل کو سند نہیں سمجھتے تو اہلسنت تو سمجھتے ہیں۔لہٰذا ان کی تسلی کیلئے ان کا فعل کافی ہے اور شیعیان حیدر کرارؑ کیلئے شہادت امام کے بعد تاراجی خیام کے وقت علیؑ و بتولؑ کی لاڈلیوں کا ماتم کرنا سند و ثبوت کیلئے کافی ہے جیسا کہ عاشر بحار الانوار، دمعہ ساکبہ اور نفس الہموم وغیرہ کتب مقاتل میں مذکور ہے۔

وفاتِ پیغمبر خدا ﷺ پر صحابہ کبار کی حالت زار:

یہ کہنا بھی بے خبری کی دلیل ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی وفات حسرت آیات کا صحابہ کرام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔کتب تاریخ شاہد ہیں کہ اس حادثہ عظمیٰ پر صحابہ نڈھال ہو گئے تھے اور روتے روتے بے حال اور بعض تو روتے روتے نابینا ہو گئے مدارج النبوۃ ص 889، ماثبت بالسنہ ص 119 بعض صحابیات شدت صدمہ سے جاں بحق ہو گئیں (مدارج النبوۃ ص 113) بعض عقل و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھے (الملل والنحل) اور جناب بلالؓ کی حالت تو یہ تھی کہ ابھی حضور ﷺ کا وصال بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کی حالت غیر دیکھ کر یوں برآمد ہوئے کہ ''دست بر سر زنان و فریاد کناں'' (سر پیٹتے اور فریاد کرتے جاتے تھے مدارج ج 2 ص 544) مؤلف نے اس موقعہ پر جناب امیرؑ کا جو کلام پیش کیا ہے اسے گریہ کے خلاف دلیل قرار دینا عقل و خرد کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یارسول اللہ! اگر آپ نے صبر کرنے یعنی ناشائستہ کام کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو ہم وہ کام کرتے کہ بدن کی رطوبت بھی خشک ہو جاتی۔مگر بوجہ ممانعت ہم کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے۔اسے بھلا رونے کے ناجائز ہونے سے کیا تعلق معترض کی معتبر کتاب روضۃ الاحباب ج 1 ص 398 میں وفات پیغمبرؐ کے موقع پر جناب امیرؑ کی زبانی جو کچھ نقل کیا ہے اس سے آنحضرت ﷺ پر جزع فزع کا جواز واضح و آشکار ہوتا ہے۔لکھا ہے ''وبثبوت پیوستہ کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ بر سر قبر رسول بایستاد و بگریست بابی انت و امی ان الجزع لقبیح الا علیک و ان الصبر لجمیل الا منک''

شبیہہ ذوالجناح وتعزیہ کا جواز:

مراسم عزاداری سیدالشہداءؑ میں سے ایک اہم رسم شبیہہ روضۂ سیدالشہداءؑ بھی ہے جو اس واقعہ ہائلہ کی یاد تازہ کرنے کیلئے بنائی جاتی ہے جس کا جواز ثابت کرنے کیلئے صرف یہی بات کافی ہے کہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اور ابھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی محکم دلیل قائم نہ ہو۔ اس وقت تک اسے جائز سمجھا جاتا ہے اس کے خلاف من مثل مثالاً او جدّد قبراً والی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس مثال سے بلا اختلاف جاندار شئی کی بے جان مثال بنانا مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ تعزیہ بیجان چیز (قبر اطہر) کی شبیہہ ہے اور نہ ہی اسے اس شبیہہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے جسے عرفِ عام میں "شبیہہ ذوالجناح" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جاندار کی جاندار شبیہہ ہے نہ بے جان کی یعنی سرکار سیدالشہداءؑ کے راہوار کی شبیہہ ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر کشی کے جواز پر سب مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے۔ خواہ مجسم ہو اور خواہ غیر مجسم۔ اور قرآن میں ان کے جواز پر نص صریح موجود ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں مذکور ہے۔ "يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ" (سبا آیت 13) "وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے تھے جو ان کو بنوانا منظور ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن ایسے بڑے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) اگر یہ شرک ہے تو کیا یہ شرک ایک نبی کے زمانہ میں جائز تھا؟ حاشا و کلا۔ اور نہ ہی اس شبیہہ کو "بت" کا نام دیا جاسکتا ہے (جیسا کہ بعض نواصب کہا کرتے ہیں) کیونکہ بت اس تصور مجسم کو کہا جاتا ہے جس کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کی جائے؟ حالانکہ تعزیہ کو کوئی نہ معبود سمجھتا ہے نہ قاضی الحاجات بلکہ ہر باخبر آدمی اسے سرکار سیدالشہداءؑ کی قبر کی شبیہہ ہی سمجھتا ہے اور اسے کربلا کے ہیرو کی عظیم قربانی کی یاد تازہ کرکے بغرض بکاء بنا دیا جاتا ہے وبس لہٰذا اس کا جواز لاکلام ہے اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ **کمالا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام۔**

آئمہ اطہار کا گریہ وبکا اور اقامۂ مجالس عزا:

کتب سیر وتواریخ پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ شہادتِ شہید کربلا کے بعد امام زین العابدینؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک برابر تمام آئمہ اہلبیتؑ اپنے اپنے حین حیات میں اس واقعہ ہائلہ کو یاد کرکے رویا کرتے تھے اور رونے وُرلانے کے ثواب بے حساب بھی بیان فرماتے رہتے تھے اور ان کے ہاں باقاعدہ مجالس عزا کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان میں شعراء کرام غم والم میں ڈوبے ہوئے مرثیے پڑھ کر خود روتے اور حاضرین کو رُلاتے تھے۔ جیسا کہ کتاب ارشاد شیخ مفیدؒ، مناقب شہر بن آشوب، بحارالانوار، کامل الزیارۃ، امالی شیخ صدوق، رجال کشی، ثواب الاعمال اور عیون اخبار الرضا وغیرہا کتب معتبرہ میں یہ تمام حقائق پوری

تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔فراجع۔

ایک شبہ کا ازالہ:

ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔اسکا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بوجہ مخالف قرآن ہونے کے نا قابل اعتبار ہے۔قرآن میں ہے۔''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ''(فاطر آیت 18)''کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''اگر بالفرض رونا ناجائز ہوتا توسزا رونے والے کوملنی چاہیئے تھی یہ کیا اندھیر گردی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی فاضل شبلی نعمانی سیرت النبی ج1 ص53 طبع اوّل میں لکھتے ہیں۔''حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے توانہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ اورکوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یہ مؤلف آفتاب کا سراسر افتراء ہے کہ شیعہ نجات کیلئے صرف ماتم وغیرہ مراسم عزا کو کافی سمجھتے ہیں جس قدر واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کی تاکید مذہب اہلبیت میں وارد ہے اتنی کسی مذہب میں نہیں ہے واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کئے بغیر ولایت آل محمد علیہم السلام کی دولت مل ہی نہیں سکتی (اصول کافی) لہٰذا ہماری یہ سب گریہ وزاری اور تمام عزاداری ہے ہی مقصد شہادت حسینؑ کوزندہ رکھنے کیلئے۔اوروہ مقصد احیاء شریعت ہے

؎ افعال یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے پیدا الفت ہو ☆ اس واسطے تیرے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں

رُسول پاک کی وصیّت دربارۂ ممانعت جزع وفزع:

اس بارہ میں ناطق فیصلہ آنحضرت ﷺ کی آخری وصیت ہے جو بوقتِ وفات۔۔۔حضرت فاطمہؑ کوفرمائی۔۔جلاء العیون ص66 اردو ج1 میں لکھا ہے''اے فاطمہؑ! واضح ہو کہ پیغمبر کیلئے گریبان چاک نہ کرنا چاہیئے اور بال نہ نوچنے چاہیں اور واویلا نہ کرنا چاہیئے لیکن وہ کہنا جو تیرے باپ نے۔۔۔کہا آنکھیں روتی ہیں اور دل درد میں آتا ہے اور میں نہیں کہتا جو موجب غضب پروردگار ہو۔''(بعدازاں اسی کتاب کے ص67 سے اور حاشیہ پر فروع کافی ج2 ص214 سے اسی مضمون کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا)اس سے زیادہ صریح ممانعت ماتم کے متعلق کیا ہوسکتی ہے؟ کہ حضور ﷺ اپنی پیاری بیٹی جناب سیّدہ کو وصیت فرماتے ہیں کہ میری وفات کا۔تم کوصدمہ عظیم ہوگا۔لیکن جُہّال کی طرح جزع فزع مت کرنا نہ سرپیٹنا، نہ گریبان چاک کرنا۔۔۔اگر یہ امور باعث ثواب ہوتے تو حضور علیہ السلام بجائے ممانعت کے جناب سیّدہؑ کو اذنِ عام دیتے کہ اپنے والد سردار دو عالمؐ کا ماتم خوب زور شور سے کرنا

۔۔۔جب آپ نے ان امور سے سخت ممانعت فرمادی تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ حرکاتِ ممنوع داخل معصیت ہیں۔۔میت کو بھی اذیت ہوتی ہے جلاء العیون ص 77 میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو آخری وصیت اہلبیت و اصحاب کو فرمائی اس میں یہ الفاظ بھی تھے ''پس تم لوگ فوج فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوات بھیجنا اور سلام اور مجھ کو نالہ و فریاد و گریہ و زاری سے آزار نہ دینا''۔۔۔

امام جعفر صادقؑ کا فتویٰ کفر:

ماتمیوں کیلئے فتویٰ کفر صادر فرمایا ہے۔ چنانچہ فروع کافی ج 1 ص 121 میں ہے (بحذف عربی) (ترجمہ) امام صادقؑ نے فرمایا صبر و مصیبت مؤمن کے پیش آتے ہیں اسے مصیبت آتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور گھبراہٹ اور مصیبت کافر کے پیش آتی ہے۔۔اور وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے۔۔۔دوسرے لفظوں میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت پر صبر کرے وہ مومن اور جو جزع فزع کرے وہ کافر۔

جزع کی تعریف:

دوسری حدیث میں ہے عن جابر (بحذف عربی) جابر کہتا ہے میں نے حضرت صادقؑ سے پوچھا جزع کیا ہے؟ فرمایا انتہائی جزع ویل وعویل کہہ کر پکار کرنا اور منہ پر طمانچے مارنا۔ سینہ زنی کرنا۔ بال نوچنا اور جس نے نوحہ (ماتم) کیا۔ اس نے صبر چھوڑ دیا اور غیر شرع کام کیا۔ (فروع کافی ج 1 ص 121) یہ بات الم نشرح ہے کہ ماتمی لوگ یہ جملہ حرکات ویل و عویل کیا کرتے، منہ پیٹتے، سینہ کوٹتے۔۔۔۔ہیں۔ اس لئے حسب فتویٰ امامؑ۔۔۔یہ کافر ہیں۔۔کیا ماتمی لوگ ان صریح احادیث آئمہ اہلبیتؑ کو بغور پڑھ کر اس فعل شنیع سے باز آئیں گے؟۔۔۔جناب امام حسینؑ نے بھی اپنے عمل سے بتا دیا ہے کہ خواہ کیسی ہی مصیبت پیش آئے صبر کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے چنانچہ فروع کافی ج 1 ص 119 میں ہے (بحذف عربی)۔ (ترجمہ) جب جناب امیرؑ کی شہادت کا واقعہ ہوا حضرت امام حسنؑ نے اپنے بھائی حسینؑ کو آپ کی وفات کی اطلاع بھیجی جب امام حسینؑ نے خط پڑھا فرمانے لگے۔ کیسی بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ میرے واقعہ ہائلہ مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وفاتِ رسولؐ سے بڑھ کر مسلمانوں کیلئے کوئی بڑی مصیبت نہ ہوگی اور حضور علیہ السّلام نے سچ فرمایا ہے۔ یعنی حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے اس خبر وحشت اثر کو سن کر ذرہ جزع فزع نہ کی بلکہ صبر و شکیب سے کام لیا۔

امام حسینؑ کی آخری وصیّت :

شیعہ کی معتبر کتاب انارۃ البصائر ص 297 میں ہے کہ جناب سیّد الشہداءؑ امام حسینؑ نے کربلا معلّٰی میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا اے بہن! جو میرا حق تم پر ہے اس کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبتِ مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا تم فاطمہ زہراؑ کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا۔ اس طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔۔۔۔۔۔اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کہ شہداء کربلا کی مصیبت میں پیٹنا، سینہ کوبی کرنا ناجائز ہے اور کیا ہوسکتی ہے؟

فی زمانہ جو رواج ہوگیا ہے کہ مجلس ماتم جوان مرد اور جوان عورتیں زرق برق پوشاکیں پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے بالوں کو معطر تیل لگا کر کنگھی پٹی کئے ایک دوسرے کی دید بازی کیلئے جمع ہو جاتے ہیں اور راگ ممنوع میں سر اور تال سے مرثیہ خوانی ہوتی اور سینہ زنی کی جاتی ہے اور تعزیہ پر نذر و نیاز چڑہائے جاتے ہیں سجدے ہوتے عرضیاں گذاری جاتی یہ سب شرک و بدعت ہے۔۔۔شیعہ کی ایک نہایت معتبر تفسیر عمدۃ البیان ص 328 میں بذیل آیت و لنبلو نکم الایۃ یوں لکھا ہے "یہ آیت حقیقت میں امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس واسطے کہ جو کچھ آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتا ہے اور دوسرے شخص کو ہم ایسا نہیں کہتے اور یہ معرکہ آنحضرت ﷺ کا بڑا معرکہ ہے۔ رونا رُلانا ان کی مصیبت پر ثواب عظیم رکھتا ہے۔ لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعت کر کے ثواب کو ضائع کرتے ہیں باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تنقیص کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کر کے لوگوں کے ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں اور جو راگ کہ شرع میں ممنوع ہیں اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں ان امور سے مومنین کو اجتناب لازم ہے اور تعزیوں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں اور یا کاغذ کی روٹی کتر کر باندھتے ہیں اس سے مراد ہے کہ اگر میری آسودگی اور فراغت ہوتی تو میں چاندی کی روٹی گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھاؤں گا اور بے اولاد آدمی کاغذ کا لڑکا کتر کر تعزیہ پر باندھتے ہیں اس ارادہ سے کہ اگر ہمارے بیٹا پیدا ہوتو ہم چاندی کا لڑکا گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھائیں گے۔ اوّل تو یہ تصویر انسانی ہے اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا اس کے حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہئے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ غیر اس کا۔ ہاں حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام سے شفاعت کا چاہنا کہ خدا تعالیٰ ہماری شفاعت (حاجت) کو برلائے اور ان کے واسطے سے دعا مانگنا موجب قضائے حاجت اور موجب حصول مقصد ہے۔ جیسے کہ حدیث میں وارد ہے اور بعض جہلاء تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کفار و مشرکین کا ہے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے اور تعزیہ و علم پر زیارت کا پڑھنا نہ چاہیئے۔

البتہ اگر کربلا معلّیٰ کی طرف منہ کر کے حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی نسبت سے زیارت پڑھے تو مضائقہ نہیں ''۔۔۔یہ ماتم بھی عجیب ہے کہ ڈھول بجا کر گتکہ بازی کی جاتی ہے۔تعزیہ کے ساتھ شاہدان بازاری کا اجتماع ہوتا ہے جو سر و پا برہنہ تعزیہ کے آگے سلامی کرتی جاتی ہیں دیدہ باز لوگ اس دلفریب منظر کو غنیمت سمجھ کر حظ اٹھاتے ہیں (آفتاب ص 325)

الجواب:

بفضلہ تعالیٰ ہم سطور بالا میں عقلی و نقلی دلائل سے مراسم عزاداریٔ سرکار سیّد الشھداءؑ کا جواز بطریق احسن ثابت کر چکے ہیں۔ ان حقائق پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد مؤلف کے پیش کردہ تمام وساوس و توہمات کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور تار و پود بکھر جاتا ہے اس لئے کسی مزید خامہ فرسائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب سابقہ اوراق میں اسی شریعت مقدسہ کے قواعد و قوانین کی رو سے جو سرکار خاتم الانبیاءؐ لائے تھے۔نہ صرف گریہ و بکا۔ بلکہ مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کا جواز بھی کتب فریقین کے ناقابل ردّ دلائل سے پیش کر دیا گیا تو بعد ازاں اگر کسی روایت میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے بعض آئمہ ہدیٰؑ کا اپنے پسماندگان کا بظاہر ان امور کی ممانعت فرمانا ثابت ہو جائے تو قابل غور و تدبر بات یہ ہوگی کہ اس ممانعت کا مطلب کیا ہے؟ آیا ان امور کے ناجائز اور داخل معصیت ہونے کی وجہ سے ایسا فرمایا ہے؟ یا اس ممانعت سے صرف اعزا و احباب کو تسکین و تسلی دینا مقصود ہے؟

پیغمبر اسلامؐ اور امام حسینؑ کی وصیّت کا مطلب؟:

جہاں تک ہم نے غور و فکر کیا ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ ممانعت صرف تسکین و تسلی کی خاطر فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ جلاء العیون کی اسی پیش کردہ روایت سے پہلی روایت میں مذکور ہے کہ جب جناب سیّدہؑ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضعف و نقاہت کو دیکھ کر آپ کی یہ کیفیت ہوئی کہ ''گریہ در گلویش گرہ شد و آب دیدہ اش بر رو مبارکش فرو ریخت'''' یعنی گریہ ان کے گلو گیر ہو گیا اور آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے''۔ ظاہر ہے کہ وفات پیغمبرؐ سے اس حالت میں اضافہ ہی ہوتا ارباب عقل سمجھ سکتے ہیں کہ جب خاندان رسول کی بزرگ خاتون کی یہ حالت ہوتی تو پھر اطفال خورد سال کا کیا حال ہوتا؟ جناب زینبؑ وام کلثومؑ اور شہزادگانِ کونین امام حسنؑ و حسینؑ کی کیا کیفیت ہوتی؟ یہ سب کچھ سوچ کر رحمۃ للعالمینؐ جیسے شفیق پدر عالی قدر نے جناب سیّدہؑ کی تسلی و تسکین کیلئے وہ جملے ارشاد فرمائے جو مؤلف نے پیش کئے ہیں بعینہٖ یہی پس منظر اس وصیّت کا ہے جو امام حسینؑ نے اپنی بہن ام المصائب جناب زینبؑ عالیہ کو فرمائی تھی چنانچہ امام زین العابدینؑ سے روایت ہے۔فرمایا کہ جب شب عاشورا میرے والد ماجد (امام حسینؑ) نے اپنے خیمہ میں یہ اشعار پڑھے

یا دھر اُفٍ لک من خلیلٖ ☆ کم لک بالاشراق و الاصیل

اور میری پھوپھی زینب عالیہؑ نے سنے تو اس وقت ان کو تاب ضبط نہ رہی سیدھی بھائی کے خیمہ میں پہنچیں اور بے تابانہ انداز میں عرض کیا یا اخی ھذا کلام من ایقن بالموت ؟ بھائی جان ! ایسا کلام تو وہ شخص کرتا ہے جسے اپنی موت کا یقین ہو جائے؟ امامؑ نے فرمایا نعم یا اختاہ! ہاں بہن حقیقت یہی ہے ! یہ سن کر شریکۃ الحسینؑ نے کہا یا ویلتاہ افتغصب نفسک اغتصاباً فذلک اقرح لقلبی و اشدّ علی نفسی ! ہائے افسوس ! کیا آپ مجھ سے چھین لئے جائیں گے؟ یہ بات تو اور بھی میرے دل کو زیادہ مجروح کرنے والی ہے اور مجھ پر سخت گراں ہے ۔۔ یہ کہا اور پھر تاب ضبط نہ رہی ہاتھوں سے منہ پیٹ لیا اور گریباں چاک کر دیا۔ بعد ازاں غش کھا کر گر گئیں ۔ امامؑ نے اٹھ کر ان کو افاقہ میں لانے کی کوشش کی جب قدرے افاقہ ہوا تو وہ وصیت ارشاد فرمائی جو مؤلف نے نقل کی ہے ملاحظہ ہو ارشاد ص 252۔ عاشر بحار ص 192 نفس المھموم ص 124۔ سعادۃ الدارین ص 271 تا ص 272 وغیرہ۔ امام علیہ السلام نے دیکھا کہ جس شخصیت نے میرے بعد قافلہ سالار بننا ہے۔ جب اسکی حالت یہ ہے کہ میری موجودگی میں صرف شہادت کی خبر سن کر غش کھا رہی ہیں تو شہادت کے واقعہ ہائلہ کے بعد ان کی کیا حالت ہوگی؟ اور اگر ان کی یہ کیفیت ہوئی تو خورد سال یتیم بچوں اور بچیوں کا کیا حال ہوگا ؟ ۔۔ اہل دل کیلئے اس بات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ ایسے موقع پر ہمیشہ بزرگ لوگ اپنے پسماندگان کو ایسے ہی تسلی آمیز کلمات کہا کرتے ہیں۔ جن سے ان کا مقصد صرف ان پسماندگان کی تسکین و تسلی ہوتی ہے اور پسماندگان کے بوجھ کو ہلکا کرنا و بس۔

اور جہاں تک امام جعفرؑ صادق کے فتوائے کفر اور جزع کی تعریف ''بال نوچنے اور سینہ کوبی کرنے'' کا تعلق ہے یہ مؤلف کے موقف پر بدو وجہ دلالت کرنے سے قاصر ہے۔ اوّلاً: امامؑ نے ماتم کرنے والے کو کافر نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس فرمان میں مؤمن و کافر کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ بلاءِ مصیبت کے نزول کے وقت مؤمن صابر اور کافر جازع ہوتا ہے ۔۔ اور ہم سابقہ اوراق میں (جہاں صبر کے معنی بیان کئے ہیں) بیان کر چکے کہ گریہ و بکا جزع اور بے صبری میں داخل نہیں ہے ۔۔ ثانیاً: محولہ بالا مقام پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جن آئمہ اطہارؑ نے جزع فزع کی مذمت و ممانعت فرمائی ہے انہی نے حضرت امام حسینؑ کے غم میں اسے جائز قرار دیا ہے (وسائل الشیعہ ، کامل الزیارۃ، فصول مہمہ وغیرہا) لہٰذا مظلوم کربلا کے غم میں ان امور کا مظاہرہ ان کے ارشاد کے خلاف نہیں بلکہ ان کی عین مراد ہے۔ فروع کافی سے امام حسینؑ کے متعلق مؤلف نے جو روایت نقل کی ہے وہ قانونَ روایت و درایت کی رو سے ناقابل استدلال ہے۔ قانون روایت سے اس طرح کہ وہ ضعیف السند ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول ج 3 ص 90 پر تصریح فرمائی ہے اور قانون درایت سے اس طرح کہ اس میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ نے جناب امیرؑ کی شہادت کی مدائن میں امام حسینؑ کو اطلاع دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی شہادت کے وقت امام حسینؑ کوفہ میں موجود نہ تھے! حالانکہ تمام کتب سیر و تواریخ میں اس وقت آپ کے کوفہ میں موجود ہونے کی صراحت موجود ہے اور یہ کہ دونوں شہزادوں نے اپنے عظیم والد کے سانحہ شہادت پر اس قدر

گریہ وبکا فرمایا کہ ان کی گریہ وزاری سے ساکنانِ آسمان میں بھی گریہ وزاری و بے قراری پیدا ہوگئی (اس سلسلہ میں جلاء العیون، منتہی الآمال، بحار الانوار وغیرہ کتب دیکھی جاسکتی ہیں)۔

ڈھول وشرنا وغیرہ آلاتِ لہو کا عزاداری میں استعمال جائز نہیں ہے:

باقی رہا ڈھول شرنا وغیرہ کا عزاداری میں استعمال کرنا تو یہ چیزیں شریعت مقدسہ کی رو سے حرام اور ناجائز ہیں ہم ان کے ارتکاب کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر کسی جگہ ان ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کا انفرادی اور ذاتی فعل ہے اسکی وجہ سے تمام مذہب کو بدنام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اصلاح احوال کے سلسلہ میں ہم صاحب تفسیر عمدۃ البیان مولانا سید عمار علی مرحوم کے بیان واجب الاذعان کی حرف بحرف تائید مزید کرتے ہوئے اپنے ابناء مذہب سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے مراسم عزاداری کو غلط اور ناجائز امور سے ملوث نہ ہونے دیں تاکہ انہیں اغیار کے طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بننا پڑے اور مقصد شہادت بھی پائمال نہ ہو وھو حفظ قواعد الشرع المقدس والحق احق ان یتبع۔

جہاں تک ہمارے ناقص معلومات کا تعلق ہے۔ بڑے سے بڑے گنہگار مرد اور عورتیں مجالس عزا میں اپنے گناہوں کی بخشش اور کوتاہیوں سے درگذر کرانے کی خاطر شرکت کرتے ہیں لہٰذا اس میں وہ تصویر تلاش کرنا جس میں مؤلف نے رنگ بھرا ہے آگ میں پانی یا پانی میں آگ تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ ممکن ہے مؤلف نے کبھی اس رنگ میں اپنے ابناء مذہب کو کسی عرس یا محفل میلاد میں شرکت کرتے دیکھا ہو اور پھر اپنے آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کی کوشش کی ہو تو ان کا قیاس بے اساس ہے۔ اور اگر بالفرض کبھی کسی بدبخت نے اس بات کا مظاہرہ کیا بھی ہو تو اس کی اصلاح کرنا چاہیئے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ عزاداری ہی ختم کردی جائے فرض کرو۔ اگر کسی باغ میں خودرو پودا اُگ آئے تو اس کا قلع قمع کرنا چاہیئے یا اسکی وجہ سے باغ ہی اکھاڑ پھینکنا چاہیئے؟ اور کیا ایسے ایمان سوز یا بقول مؤلف ''دلفریب نظارے'' انہیں صرف مجالس عزا میں ہی نظر آتے ہیں یا کبھی اپنے مجالس مواعظ اور محافل سماع اور اپنے ولیوں کے مزاروں پر منائے جانے والے عرسوں میں بھی اس دلفریب اور ایمان شکن نظارہ سے لطف اندوز ہوئے ہیں؟ غالباً مولوی صاحب نے اپنی انہی محافل سماع پر ہماری مجالس عزا کا قیاس کیا ہے جو قیاس مع الفارق ہے

؎ چہ نسبت خاک رابعالم پاک

؎ سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ☆ ببیں تفاوتِ راہ کجا است تا بکجا؟

مفتی صاحب ان عرسوں کی بندش کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟

؏ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سچ ہے

؎ چشم بد اندیش کہ بر گندہ باد ☆ عیب نماید ہنرش در نظر

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ مرشدوں کی تربتوں پر ناچنا گانا روا ☆ مطربوں کے شوق میں اجمیر کو جانا روا

ان کے کلیر عرس پر رقص فرمانا روا ☆ تھاپ پہ طبلے کی فوراً حال کا آنا روا

سخت بدعت ہے نہ جاؤ ماتم شبیرؑ میں ☆ پر یہ فتویٰ ہو گیا ہے عہد عالمگیر میں

قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے:

شیعہ کی کتابوں میں بالتصریح لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو اہل کوفہ نے جو شیعیان علیؑ کا مولد و مسکن تھا لاتعداد تاکیدی خطوط لکھ کر بلوایا۔۔۔ آپ نے پہلے۔۔۔ حضرت مسلم کو روانہ کیا انکو شہید کیا گیا پھر امام۔۔۔ پہنچے آپ کو بھی انہی شیعوں نے۔۔۔ شہید کیا۔

شیعیان کوفہ کی خط و کتابت:

شیعہ کی مستند کتاب اخبار ماتم مطبوعہ رام پور ص 258 میں لکھا ہے بلغ اھل الکوفۃ (بحذف عربی) جب امیر معاویہ کی خبر وفات اہل کوفہ کو پہنچی اور امام حسینؑ کی ہجرت مکہ کا حال معلوم ہوا تو تمام شیعہ نے مجتمع ہو کر بالاتفاق آپ کی طرف خط لکھا۔۔۔ یہ دونوں قاصد دوڑے ہوئے مکہ معظمہ میں 10 رمضان کو امام۔۔۔ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔۔۔ بالآخر ان کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔۔۔ اور شعبی نے روایت کی ہے کہ۔۔۔ یعنی چالیس ہزار کوفہ کے شیعیان نے امام صاحب کی بیعت اس بات پر کی۔۔۔ آخر الامر امام صاحب نے مجبور ہو کر ان کی آرزو کے مطابق خط روانہ کیا۔ شیعہ کی معتبر کتاب خلاصۃ المصائب ص 41 میں ہے کہ جب امام حسین عظلم اعداء سے تنگ آ کر مرقد مطہر رسول خدا ﷺ سے جدا ہوئے تیسری تاریخ شعبان کو مکہ معظمہ میں کوفیان پُر دغا نے نامے علی الاتصال حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ بعض ناموں کا مضمون یہ تھا لیس علینا امام۔۔ یعنی اے حضرت ہم امام۔۔ نہیں رکھتے جلدی تشریف لایئے شاید خدا حق کو ہمارے ہاتھ جاری کر دے۔ شبث بن ربعی وغیرہ شیعہ نے بایں طور خط۔۔۔ روانہ کیا اما بعد۔۔۔ صحراء و بیابان سبز و خرمی میں ہیں اور درخت میوہ جات بارور ہیں۔۔۔ نیز کتاب مذکور ص 56 میں ہے کہ جب امامؑ کو راستہ میں خبر شہادت امام کی ہوئی تو۔۔۔ فرمایا و خدعنا شیعتنا۔۔۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کو ذلیل و خوار کرنے والے شیعہ ہی

لوگ تھے ۔امامؑ نے بعد نماز جو خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ تھے ۔یا ایھا الناس انی لم آتکم حتی اتتنی کتبکم ۔۔۔اے اہل کوفہ! میں نہیں آیا۔مگر جب تمہارے بہت نامے میری طلب کو پہنچے۔۔۔اگر تم میرے آنے کو ناپسند کرتے ہوتو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پھر جاؤں۔

شیعہ کا ایک خط:

شیعہ کی مستند کتاب جلاء العیون ص 340 میں ایک خط شیعیان کوفہ کا بدیں مضمون مسطور ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔یہ نامہ سلمان بن صرد مسیب بن نخبہ۔حبیب بن مظاہر اور جمیع شیعیان ومومنین ومسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسینؑ بن علی ابن ابی طالب علیہم السلام ۔آپ پر سلام ہو۔۔۔۔اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے دشمن جبار ومعاند کو جو بغیر رضامندی امت ان پر حاکم ہوا تھا۔ہلاک کیا۔۔۔اور واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام وپیشوا نہیں ہے پس آپ ہماری طرف توجہ کیجئے۔۔۔ہم سب آپ کے مطیع ہیں۔۔۔

دوسرا خط:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں۔۔۔کی طرف سے بخدمت امام حسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ ہے اما بعد بہت جلد اپنے دوستوں ہوا خواہوں کے پاس تشریف لایئے کہ جمیع مردمان ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں۔

امام حسینؑ کا جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔یہ خط حسین بن علیؑ کا مؤمنوں مسلمانوں شیعیان کی طرف ہے اما بعد قاصدوں اور بے شمار خطوط آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی اور سعید کے ہاتھ بھیجا۔مجھے پہنچا۔۔۔تم نے خطوط میں لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ۔آپ بہت جلد تشریف لایئے۔واضح ہو میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر وپسر عم محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں ۔اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے بمشورہ عقلاء واشراف وبزرگان قوم لکھا ہے اسی وقت انشاء اللہ بہت جلدی تمہارے پاس چلا آؤں گا۔۔۔(جلاء العیون ص 431)اس تمام خط وکتابت کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ شیعیان کوفہ نے کس منت سماجت سے۔۔خطوط لکھ کر امام علیہ السلام کو بلوایا اور آخر انہی بلانے والے مخلص شیعوں نے آپ کو تیغ جفا سے شہید کیا کہ جلاء العیون ج 1 ص 479 میں تصریح ہے۔۔۔۔اسی کتاب کے ص 469 میں لکھا ہے کہ امام نے شیعیان کوفہ کو میدان کربلا میں کہا کہ تم نے مجھے طلب کیا اور اظہار محبت کے دم بھرے اور اب میری جان کو قتل کرنا چاہتے ہو ۔۔۔(آفتاب ص 328)

الجواب:

قدیم الایام سے اس موضوع پر سنّی وشیعہ کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ ہر فریق خواہ مخواہ ایک دوسرے کو چڑانے کیلئے قاتلان امام کو شیعہ یا سنّی کہا کرتا ہے۔ ورنہ خدا لگی بات تو یہ ہے کہ نبی و امام کے قاتلوں کے متعلق اس بحث کی ہرگز گنجائش ہی نہیں ہے کہ ان کا اسلام کے کس فرقے سے تعلق تھا؟ کیونکہ وہ ملحد و زندیق کہ بے دینی جن کا دین اور طلب دنیا جن کا آئین ہو ان کے دین کی بحث چہ معنیٰ دارد؟ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ اس گفتگو کی گنجائش ہے کہ ان کے اس کافرانہ اقدام یعنی قتل امامؑ سے قبل بظاہر ان نام نہاد مسلمانوں کا اسلام کے کس فرقے کے ساتھ تعلق تھا؟ چنانچہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بالخصوص رسالہ شریفہ '' قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' قابل دید ہے۔ ہم نے اس رسالہ شریفہ اور دیگر کتب معتبرہ کی روشنی میں اس موضوع پر اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں بڑی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کر دیا ہے۔ اب وہیں سے لیکر چند حقائق یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ جن کے دیکھنے کے بعد یہ حقیقت ۔۔۔ الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے سواد اعظم کے ساتھ تھا۔ اصل مقصد میں وارد ہونے سے بیشتر یہاں دو تنقیحیں قائم کرنا ضروری ہیں۔

دو ضروری تنقیحیں:

(1) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟ (2) اس بنیاد کی جگہ کس فرقہ کے اصول میں نکالی جا سکتی ہے؟

(اوّل) تنقیح اوّل کے متعلق یہ بات نا قابل انکار حد تک ثابت ہے کہ شہادت امام کی بنیاد معاویہ کے بعد یزید کا ادعائے خلافت اور اسی کا امام سے اپنی بیعت لینے پر اصرار اور امام کا انکار ہے۔

(دوم) اور دوسری تنقیح کے متعلق اس بات میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یزید کی خلافت صرف اور صرف مذہب اہلسنت کی وجہ سے ہی درست ہو سکتی ہے۔ ورنہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید کیا اس سے بڑھے چڑھے افراد کی خلافت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ شیعہ اس سلسلہ خلافت کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ جس کی چھٹی کڑی یزید لعین ہے بلکہ یہ شرف ہمارے مولوی کرم الدین صاحب کے مذہب کو ہے کہ اس کے خلفاء کی تعداد اس وقت تک مکمل ہو سکتی ہی نہیں جب تک چھٹے نمبر پر یزید کا نام نہ لیا جائے (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص 9 و 205 طبع جدید مصر۔ شرح فقہ اکبر ص 178 طبع لاہور۔ شرح عقائد ص 111 طبع لکھنو۔ سیرۃ النبی ج 3 ص 482 وغیرہا)

قاتلانِ حسینؑ کے مذہب پر تاریخی شواہد:

اگرچہ مذکورہ بالا دو تنقیحات سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قاتلانِ امام عالیمقام بظاہر سنّی المذہب تھے مگر ذیل میں ہم ان

کے تسنن پر چند مزید تاریخی شواہد پیش کرتے ہیں۔

پہلا شاہد:

جب جناب مسلم کوفہ میں تشریف لائے اور لوگوں نے ان کے ہاتھ پر امام کیلئے بیعت شروع کی اور نعمان بن بشیر (گورنر کوفہ) نے کوئی مزاحمت نہ کی تو یزید کے پاس نعمان کی نرم پالیسی کی شکایت میں ایک خط پہنچتا ہے اور یزید اس سے متاثر ہو کر ابن زیاد کو خط لکھتا ہے (جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا) اس کی یہ عبارت قابل دید ہے ''**اما بعد فانه كتب الى شيعتى من اهل الكوفة يخبرونني ان ابن عقيل بالكوفة يجمع الجمرع**''' ''میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں فوجیں جمع کر رہا ہے''۔ ان خط لکھنے والوں میں یہ تین نام نمایاں نظر آتے ہیں (1) عمر بن سعد (2) عمار بن عقبہ (3) عبداللہ بن مسلم بن سعد (تاریخ طبری ج 6 ص 199 تا 200) یہ وہی عمر بن سعد ہے جسے فوج یزید کا سپہ سالار بنا کر امام حسینؑ کو شہید کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔۔۔ اور جس نے سب سے پہلا تیر لشکر امام کی طرف رہا کیا تھا (طبری ج 6 ص 245)

دوسرا شاہد:

فرزند رسول کربلا پہنچے۔ دشمن نے محاصرہ کر لیا۔ ساتویں محرم کو ابن زیاد کا قاصد عمر بن سعد کے نام خط لاتا ہے۔ **اما بعد فحل بين الحسين و اصحابه و بين الماء لا يذو قوا من قطرةً كما صنع بالتقى الزكى المظلوم امير المومنين عثمان بن عفان** الخ۔ حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پانی بند کر دو تا کہ وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکیں۔ جس طرح تقی، زکی، مظلوم امیر المومنین عثمان کے ساتھ کیا گیا تھا (تاریخ طبری ج 6 ص 234) قاتلان امام کو شیعہ کہنے والے بنظر غائر اس عبارت کو پڑھیں اور بتائیں حضرت عثمان کا مرثیہ خوان اور ان کو تقی و زکیؔ اور امیر مؤمناں کہنے والا کون ہو سکتا ہے؟

تیسرا شاہد:

عزرہ بن قیس احمسی (جو فوج مخالف میں تھا) جناب زہیر بن قین (صحابی امامؑ) سے کہتا ہے **یا زهير ! ما كنت عندنا من شيعة اهل هذا البيت انما كنت عثمانياً** ! زہیر ! تم اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے۔ بلکہ عثمانی مذہب تھے ! جناب زہیر نے کہا۔ **افلا تستدل بموقفى هذاتى منهم** کیا تم میرے یہاں ہونے سے نہیں سمجھے کہ میں شیعیان اہلبیتؑ سے ہوں ؟ (تاریخ طبری ج 6 ص 235) یہ مکالمہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس وقت جو لوگ امام کے ہمراہ تھے وہ شیعہ جماعت سے تھے اور جو ان کے مدمقابل تھے وہ عثمانی تھے۔

چوتھا شاہد:

اصحاب امام میں سے ایک بزرگ نافع بن ہلال جملی یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں نکلتے ہیں

ءانا الجملی انا علی دین علی علیہ السلام

میں قبیلۂ جمل سے ہوں اور علیؑ کے دین پر ہوں ان کے مقابلہ میں ایک شخص مزاحم بن حریث نکلتا ہے اور کہتا ہے انا علی دین عثمان میں عثمان کے دین پر ہوں جناب نافع یہ کہتے ہوئے کہ انت علی دین الشیطان اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اسے قتل کر ڈالتے ہیں (طبری ج6 ص249) اس سے بڑھ کر فریقین کے مذہب کی اور کس طرح صراحت و وضاحت ہو سکتی ہے اب تو تاریخ نے کوئی ابہام باقی نہیں رکھا۔

پانچواں شاہد:

شہادت امام، اہل حرم کی اسیری اور ان کی دربار کوفہ میں رسیدگی کے بعد ابن زیاد نے جو تقریر کی اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے الحمد للہ الذی اظہر الحق و اھلہ و نصر امیر المومنین یزید بن معاویہ و حزبہ و قتل۔۔۔الحسین بن علی و شیعتہ الخ خدا کا شکر ہے جس نے حق و اہل حق کو فتح دی اور خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ کی نصرت کی اور حسینؑ بن علیؑ کو انکے شیعوں سمیت قتل کیا (طبری ج6 ص263) اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسینؑ کے ہمراہ شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کرنے والے وہ تھے جنکے مذہب میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفۂ وقت تھا۔!

دو غلط فہمیوں کا ازالہ:

جو لوگ قاتلان امام کو شیعہ کہتے ہیں وہ اپنی تائید میں دو چیزوں کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلان امام کوفی تھے اور کوفہ شیعیان علیؑ کا مرکز تھا (2) دوسرا اہل کوفہ کے خطوط جو انہوں نے طلب امام میں والہانہ انداز میں لکھے تھے۔ اس لئے یہاں ان دونوں باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

اہل کوفہ کے تشیّع پر تبصرہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافت قرار دیا اور شیعیان علیؑ کا۔۔ مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعیان علی کہلاتے تھے وہ صرف اس معنی کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیرؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفۂ بلا فصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علیؑ تھے۔ (و قلیل من عبادی الشکور)

حضرت امیرؑ کے بعد شیعیان کوفہ کی حالت:

دوسرے شیعیان کوفہ جیسے کچھ بھی تھے۔ معاویہ کو تو ان سے ازلی بغض تھا کہ انہوں نے اس کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جب معاویہ کو اسلامی ممالک پر تسلّط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہل کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور سرزمین عراق ان پر تنگ ہوگئی۔ مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی یوں مرقع کشی کی ہے۔ کان اشد الناس بلاء حینئذٍ اھل الکوفة الخ (ترجمہ) یعنی معاویہ کے دور حکومت میں سب سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے اس لئے کہ وہاں شیعیان علی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا۔ اس نے پوری جستجو سے شیعوں کو تلاش کر کے گرفتار کیا اور وہ ان کو پہنچانتا بھی خوب تھا کیونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں وہ انہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو جہاں پایا۔ قتل کیا۔ ہاتھ پاؤں قطع کئے۔ آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں، درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلاوطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی مشہور شخص ان میں سے باقی نہ رہا (بحوالہ نصائح کافیہ ص70) اور یہ صورتحال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ پورے بیس سال تک قائم رہی۔ شیعیت اب صرف ایک مخصوص بامعرفت جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ بڑے بڑے رؤسائے عشائر، شیوخ قبائل اور بااثر لوگ سب حکومت وقت کے ساختہ پرداختہ اور اس کے حلقہ بگوش و عقیدت کیش تھے ان حالات میں بھلا کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص ایک لحہ کیلئے بھی یہ باور کرسکتا ہے کہ تیس ہزار کا لشکر جرار شیعیان کوفہ سے تیار کیا گیا تھا؟ حاشا و کلا!

دعوتی خطوط لکھنے والوں کی حقیقت:

ان حالات میں یہ خیال کرنا کہ یہ خطوط لکھنے والے اور حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر امام کیلئے بیعت کرنے والے سب شیعہ تھے۔ تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ عام خلقت بقول شخصے بھیڑ چال ہوتی ہے۔ جدھر ایک حلا دادھر سب

ع ہر کسے سکہ زند خطبہ بنا مش خوانند

ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوتی ہے۔ یزید کی خلافت سے بسبب اس کی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف۔ حسینؑ ابن علیؑ کی ہر دل عزیزی دوسری جانب اور کل جدید لذیذ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت و جذب ہوتا ہے وہ تیسری جانب ان سب باتوں کا نتیجہ تھا کہ کئی ہزار خطوط امام کو روانہ کئے گئے اور جب امام کے نمائندہ جناب مسلم کوفہ تشریف لائے تو کئی ہزار لوگوں نے بیعت کی! لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیاد آل زیاد کی بیس سالہ حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں اور جلاّدوں کے ہاتھ برابر اپنی سفا کی میں مشغول رہے اور دست و پا اور سرو

زبان کی قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کیا ان حالات میں کوفہ میں اٹھارہ بیس ہزار کی تعداد میں شیعہ ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! کسی آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ بن نہیں جاتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ امامؑ کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا جب ہی تو جناب مسلم کو حالات کی جانچ پڑتال کیلئے روانہ کیا۔

طریقہ:

البتہ ان تمام دعوتی خطوط لکھنے والوں کی تحریر سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مذہب شیعہ تھا اور معاویہ وغیرہ کے متعلق امامؑ کا نظریہ وہی تھا۔ جو موجودہ شیعیان علیؑ کا ہے۔ کیونکہ جس شخص نے بھی خط لکھا ہے اس نے اپنے آپ کو شیعہ اور معاویہ کی مذمت کرنے والا ظاہر کیا ہے۔ کمالا یخفی!۔ بہرحال جو رائے عامہ سطحی اور عارضی حالات سے ہموار ہوئی ہو۔ اس میں کوئی وزن اور ثبات نہیں ہوتا اسی کا نتیجہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوا۔۔

لمحہ فکریہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی شیعہ تھے ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی بھی واقعہ کربلا میں امام کے مقابلہ میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے جناب حبیب بن مظاہرؓ، سعید بن عبداللہؓ، عبدالرحمن بن عبداللہؓ، وامثالھم) امام کے ہمرکاب ہو کر شہید ہوئے اور دوسرے بعض بعض موانع وعوائق کی وجہ سے (جن کی تفصیل ہم نے سعادۃ الدارین ص 189 تا 190 پر بیان کر دی ہے) نصرت امام کا فریضہ انجام نہ دے سکے۔ اور بعد میں انتقام امام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھے۔ اور ''توابین'' کہلائے۔ بہرکیف ان خطوط میں یا کلام امام میں جہاں جہاں لفظ ''شیعہ'' موجود ہے اس سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کیا تھا۔ نہ واقعی و حقیقی شیعہ۔ وہ تو امام کے ہمرکاب تھے اور جام شہادت نوش کیا۔ یا پھر گھروں کی چاردیواری میں محصور اور بعض اعتبار سے مجبور تھے۔

؎ چہ خوش رسمے بنا کر دند بخاک و خون غلطیدن ☆ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یالیتنا کنّا معھم ففوز فوزاً عظیماً۔

ماتم حسینؑ کی ابتداء:

کتب شیعہ میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ امام مظلوم کو شہید کر دینے کے بعد ماتم حسینؑ کرنے والے بھی وہی آپ کے قاتل غداران کوفہ تھے۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب اخبار ماتم ص 802 میں ہے ''جب امام شہید ہو گئے تو اہل کوفہ وغیرہ نے اس قدر ماتم کیا کہ کسی کو ضبط کرنے کی تاب نہ رہی''۔۔۔ امام زین العابدینؑ نے باریک آواز سے فرمایا اب تم لوگ روتے

اور چلاّتے ہو ہمارے لئے یہ تو بتاؤ کہ ہمیں ذبح کس نے کیا۔۔۔اسی کتاب کے ص 818 میں ہے کہ حضرت ام کلثومؑ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ چپ رہو۔اے کوفیو! تمہارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ عجب ہے۔ بروز قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان خدا خود فیصلہ کرے گا۔اخبار ماتم ص 122 میں ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔۔۔یعنی اے گروہ مرداں قسم ہے پروردگار کی تم کو سچ کہو۔ جو میں کہتا ہوں کہ تم نے کس قدر خط میرے والد کے نام تحریر کیے تھے۔ پھر تم نے میرے والد کا ساتھ چھوڑ دیا اور ظلم وستم پر کمر باندھ لی۔۔۔

حضرت زینبؑ کا خطبہ:

اخبار ماتم ص805 میں ہے کہ حضرت زینبؑ نے اہل کوفہ کا رونا پیٹنا دیکھا تو آپ نے ایک خطبہ پڑھا مائی صاحبہ نے فرمایا بعد حمد وصلوۃ کے۔ اے اہل کوفہ !اب تم روتے اور رقت کرتے ہو۔اللہ کی قسم روتے پھرو تم بہت روؤ اور تھوڑا ہنسو۔۔کسی پنجابی شاعر نے مائی صاحبہ کے خطبہ کا ترجمہ پنجابی شعروں میں حسب ذیل کیا ہے

جس دن قائم کیتا کوفیاں بے ایماناں ☆ خاطر کارن اہل البیتاں کھولیاں خوب زباناں

پہلا ماتمی یزید ہے:

اخبار ماتم میں لکھا ہے کہ سب سے اوّل ماتم یزید عنید کے گھر ہوا اس لئے گویا ماتم یزید کی سنّت ہے۔۔ چنانچہ اخبار ماتم ص 967 میں ہے (بحذف عربی)۔۔۔ترجمہ: جب اہلبیتؑ یزید کے سامنے لائے گئے بڑی نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اہلبیت کیلئے حکم کیا کہ میرے گھر میں داخل کئے جائیں۔ جب مستورات یزید کے گھر داخل ہوئیں تو ابوسفیان کی تمام عورتیں چیخنے لگیں۔ امام حسینؑ پر نوحہ شروع کر دیا ہندہ زوجہ یزید پردہ پھاڑ کر برہنہ بدن باہر نکل پڑی اور کہنے لگی۔اے یزید! جگر گوشۂ فاطمہ۔۔۔کا سر نیزہ پر تانا ہوا۔ میرے گھر کے دروازہ پر۔۔۔یزید۔۔کود کر گیا۔اس کو کپڑوں سے ڈھانکا اور کہا تم اس پر ماتم کرو۔ کپڑے اور زیور۔۔اتار پھینکو اور تین دن تک صف ماتم بچھائے رکھو۔اس پر اہل کوفہ ماتم کرنے اور رونے پیٹنے لگے۔ تو حضرت زینبؑ نے کہا یہ شور وفغاں کیسا ہے؟ (تا او پر جو مذکور ہے۔۔۔ناقلؔ) شیعہ غور کریں کہ وہ ماتم کرنے میں کس کی اتباع کرتے ہیں اور پہلا ماتمی کون شخص ہے اور کس کے گھر سے پہلے یہ رسم شروع ہوئی؟ ایک شخص نے کیا عبرت آموز مضمون اس کے متعلق نظم میں بیان کیا ہے۔

بے ادب کون تھا اور ظلم کمایا کس نے ☆ ابن حیدر کو تھا کوفہ میں بلایا کس نے ؟
کس نے خط بھیجے ذرا دیکھو کتابیں اپنی ☆ سچ کہو جھوٹ نہ کہنا کہ رُلایا کس نے؟

آل سرور کے دولارے پہ چلا کر خنجر ☆ دشت پر کرب و بلا میں تھا لٹایا کس نے؟
وہ حسینؑ ابن علیؑ لختِ جگر پاک نبیؐ ☆ نور زہرا کی شعاؤں کو بجھایا کس نے؟
تھا جو گلزارِ محمدؐ کا وہ تازہ پودا ☆ آتشِ جو روجفا سے تھا لٹایا کس نے ؟
فخرِ اسلام کو بل یوسفؑ ثانی کو وہاں ☆ قتل کر کے رتبہ اسلام گھٹایا کس نے؟
قتلِ احمدؐ تھا وہ لاریب جو تھا قتلِ حسینؑ ☆ سچ کہو خون پیغمبرؐ کا بہایا کس نے ؟
کس نے تشنوں پہ کیا بند تھا پانی پینا ☆ بہتی ندیوں سے پھر مار ہٹایا کس نے؟
خانہ زہراؑ کے جلانے کی ہے تہمت کن پر ☆ خیمہ کو کرب و بلا میں تھا جلایا کس نے ؟
حضرت فاطمہؑ زہرا کے جگر کی دولت ☆ دشتِ پُرخار میں لی لوٹ ،لٹایا کس نے؟
ایک کو ایک سے دعویٰ تھا محبت بڑھ کر ☆ حیف اس عہد محبّت کو بھلایا کس نے؟
اہل تطہیر جو تھیں پردہ نشینانِ امامؑ ☆ دربدر خاک بسر ان کو پھرایا کس نے؟
گھر میں بیٹھے تھے بہ آرام جو مردانِ خدا ☆ لکھ کے خط مکہ سے ان کو بلایا کس نے؟
پر جبرئیل کے سایہ میں جو رہتے تھے سدا ☆ خاک اور دھوپ میں تھا ایک گوایا کس نے؟
ہو گیا تیروں سے چھلنی تھا وہ جسم اطہر ☆ دوشِ نورانی پہ تھا گھوڑا دوڑایا کس نے؟
بوسہ گاہِ پاک محمدؐ تھے جو انور شفتین ☆ پے بہ پے لکڑی کو تھا ان پہ چلایا کس نے؟
دوش سرورؐ پہ سواری تھے جو کرتے رہتے ☆ بیچ پاؤں کے گرا ان کو روندایا کس نے؟

دیگر

ع یہ تھا شیعیان علیؑ کا سب جوروجفا ☆ معتبر ان کی کتابوں میں جو ہے لکھا ہوا

(آفتاب ص332)

الجواب:

سابقہ اوراق میں کتب فریقین کے معتبر حوالہ جات سے یہ امر ثابت کیا جاچکا ہے کہ گریہ وبکا سنت ابنیاء اور اولیاء ہے اور ماتم شریعت مقدسہ محمدیہ کے قواعد کی رو سے مباح اور جائز ہے۔ بعد ازیں اس بحث کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ مظلوم کربلا پر سب سے پہلے ماتم کس نے کیا؟ کیونکہ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ جائز کام جائز ہے اگر چہ اس کے کرنے والا کوئی انتہائی گھٹیا اور بدکار آدمی ہو اور ناجائز کام ناجائز ہے۔ اگر چہ اس کا مرتکب بہت ہی بلند اور نیکوکار ہو۔ مخالفت حق نے مؤلف کے حواس کو ان کے خیالات کی

طرح کچھ اس طرح پراگندہ و پریشان کر دیا ہے کہ ایک صفحہ پر کچھ لکھتے ہیں اور دوسرے صفحہ پر کچھ اور؟

مثلاً وہ عنوان ''ماتم حسینؑ کی ابتداء'' کے ذیل میں ص 329 پر لکھتے ہیں کہ ''ماتم کی ابتداء کرنے والے غدارانِ کوفہ تھے'' اور ص 330 پر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ''پہلا ماتمی یزید ہے'' اور پھر ص 331 پر جو روایت اخبار ماتم سے نقل کی ہے اس میں یزید کے گھر ماتم کراتے ہوئے۔ اچانک کوفہ میں ماتم شروع کرا دیتے ہیں۔ الغرض مؤلف کی بدحواسی کا یہ عالم ہے کہ گویا زبان حال سے پکار رہے ہیں

مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں ☆ کبھی جھکتا ہوں مینا پر کبھی گرتا ہوں ساغر پر

سچ ہے: دروغگو را حافظہ نباشد۔

اخبار ماتم پر تبصرہ:

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مؤلف نے اس بحث میں جس کتاب پر اپنے بودے استدلال کی دیوار کھڑی کی ہے اور بار بار اسے ''شیعہ کی معتبر کتاب'' کہہ کر پیش کیا ہے یعنی ''اخبار ماتم'' یہ وہ کتاب ہے۔ جس کے ٹائٹل پر اس کے مؤلف کا نام ہی مذکور نہیں ہے۔ کیا مؤلف کی اصطلاح میں اسی کتاب کو معتبر و مستند کتاب کہا جاتا ہے جس کے مؤلف کا پتہ ہی نہ ہو کہ وہ کون ہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

مظلوم کربلاؑ پر سب سے پہلے دخترانِ علیؑ نے ماتم کیا:

اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ مظلوم کربلا پر سب سے پہلے ماتم کس نے کیا؟ تو آیئے! ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ مظلوم کربلا کی شہادتِ عظمیٰ پر سب سے پہلے علیؑ و بتولؑ کی لاڈلیوں اور یثرب کی شہزادیوں نے ماتم کیا۔ خرجن من الخیام لاطمات الوجوہ ناشرات الشعور۔ شہادت امامؑ کی آواز سن کر مخدرّاتِ عصمت وطہارت اس طرح خیام سے باہر نکلیں کہ مونہوں پر طمانچے مار رہی تھیں اور سروں کے بال کھلے ہوئے تھے (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج 22۔ ششم ناسخ التواریخ۔ تقمام ذخّار، ذخیرہ الدارین وغیرہا)۔۔۔اس سے ثابت ہوگیا کہ مظلوم کربلاؑ کا ماتم کرنا علیؑ و بتولؑ اور خود مظلوم نینوا کی شہزادیوں کی سنّت ہے اور ماتم کرنے والے ان کی اتباع میں ماتم کرتے ہیں۔ اگر کوفہ و شام میں بھی ماتم ہوا ہے تو وہ اس کے بعد مخدّ رات کی تقلید وتاسی میں ہوا ہے بلکہ خود انہی نے کیا ہے مکان جس کا ہو اس سے کیا غرض؟ شیعیان حیدر کرار کو یزید عنید اور اس کے کردار سے کیا واسطہ؟ یزید اگر جائز بلکہ واجب الاتباع خلیفہ ہے تو مذہب اہلسنت میں کل اس شقی ازلی نے امام اوران کے خاندان کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی (مگر ناکام رہا) اور آج اسکے اتباع میں ذکر شہادت امام اور انکے مراسم عزا کو ختم کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ مگر وہ یہ حقیقت اچھی طرح

ذہن نشین کرلیں کہ ان کے پھونکوں سے چراغ ہدایت کبھی گل نہیں ہوسکے گا

ے سبط نبی کا نقش مٹایا نہ جائے گا ☆ یہ پرچم بلند جھکایا نہ جائے گا
نورِ نگاہِ بنتِ پیغمبرؐ کا مرتبہ ☆ کوئی بھی ہو کسی سے گھٹایا نہ جائے گا
جن ظالموں نے ظلم کیا اہلبیتؑ پر ☆ قہر خدا سے ان کو بچایا نہ جائے گا
دلداد گان خنجر کوفہ سے حشر میں ☆ ابن علیؑ کا خون چھپایا نہ جائے گا
واجب ہوئی ہے ہم پہ عزادارئ حسینؑ ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
زہراؑ کے خانوادہ عظمت کو لوٹ کر ☆ کوفہ کی آبرو کو بڑھایا نہ جائے گا
اس کربلا میں اب کسی ابن زیاد سے ☆ عباسؑ کے علم کو گرایا نہ جائے گا
مجھ کو خبر ملی ہے شہِ مشرقین سے ☆ ذرّوں کو آفتاب بنایا نہ جائے گا
سن لیں میری طرف سے یزیدانِ عصر نو ☆ نام حسینؑ ان سے مٹایا نہ جائے گا

(شورش کاشمیری مرحوم)

پنجابی نظم کا جواب پنجابی میں درج کر کے ہم علمی کتاب کو بٹہ نہیں لگانا چاہتے۔ البتہ اردو نظم کا جواب حسبِ دستور اسی ردیف قافیہ میں مولوی صاحب اور ان کے ہم مشربوں کی ضیافتِ طبع کیلئے حاضر ہے

ے گر قبول افتدز ہے عزّ و شرف

آلِ محمدؐ پر ظلم۔۔۔۔۔۔کس نے؟

بے ادب کون تھا اور ظلم کمایا کس نے؟ ☆ قلب اسلام پہ خنجر کو چلایا کس نے؟
تو ہی کہہ دے کہ اسلام کے منبر پر ☆ جگر خوارہ کے پوتے کو بٹھایا کس نے ؟
نخلِ اسلام کی شاخوں کو کس نے کاٹا ☆ تیشۂ الحاد سے قصر دین کو گرایا کس نے ؟
بیتِ زہراؑ کے جلانے کی دی دھمکی کس نے ☆ تاریخ سے پوچھو کہ مصاحف کو جلایا کس نے؟
مصداق یوحیٰ پہ لگائی کس نے تہمت ☆ سرورؐ پر ہذیان کا بہتان لگایا کس نے؟
کس نے محروم کیا زہراؑ کو وراثت سے ☆ آیات الٰہی کو تھا دل سے بُھلایا کس نے؟
لاریب تھا حقدار خلافت تو حسینؑ ☆ فاسق کیلئے راستہ ہموار بنایا کس نے؟

کہتے ہیں سقیفہ میں ہوا قتل حسینؑ ☆ یہ بات صحیح ہے تو خون بہایا کس نے؟
سبط اکبر کو کیا زہر سے کس نے شہید ☆ اور ان کے جنازے پہ تیر چلایا کس نے؟
وہ حسینؑ ابن علیؑ لختِ دل بنتِ نبیؐ ☆ نور زہراؑ کی شعاعوں کو بجھایا کس نے؟
کس نے کربل میں خیموں کی طنابیں کاٹیں ☆ اور عابد بیمار کو طوق پہنایا کس نے؟
اہل تطہیر جو تھیں پردہ نشینان امام ☆ دربار شرابی میں انہیں بلوایا کس نے؟
منظورؔ یہ سب لوگ نہ مشرک تھے نہ کافر ☆ تھے سرورؐ کونین کی اُمت کے اکابر

(سید منظور بخاری مرحوم)

ایک اور دلیل:

ماتم کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم پارہ (2) میں ہے ''وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ '' (البقرہ آیت 154) ''یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں ان کو مردے مت کہو'' نیز پارہ (4) میں ہے ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا '' (آل عمران آیت 169)۔۔۔۔پھر سیّد الشہداءؑ کو مردہ قرار دے کر ان کا ماتم کرنا قرآن پاک۔۔۔کی تکذیب کرنا ہے۔تعزیہ کے عدم جواز پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ص 37 میں ہے ''من جدّد قبراً و مثلّ مثالاً فقد خرج من الاسلام'' یعنی جس شخص نے کسی قبر کی تجدید کی یا اس کی مثال بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ جب بحکم حدیث قبر کی تجدید اور اس کی مثال بنانا بھی کفر ہے تو پھر تعزیہ بنانا بطریق اولیٰ موجب ضلالت ہوا۔ (آفتاب ص 333)

الجواب:

قبل ازیں ماتم و تعزیہ کے خلاف کافی زہر اگل چکنے اسکے بعد کئی غیر متعلق باتیں لکھ چکنے کے بعد مؤلف کو اب پھر ماتم کے عدم جواز پر دو دلیلیں یاد آئی ہیں مگر ہم پیش بندی کے طور پر ان دونوں دلیلوں کا مکمل جواب قبل ازیں مقام مذکور پر پیش کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جہاں تک حیات شہداء کا تعلق ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے

؎ کافر ہے جو قائل ہے ممات شہداء کا

مگر ہم ان کی زندگی جاوید پر ماتم نہیں کرتے بلکہ ان کے مصائب و شدائد پر ماتم کرتے ہیں۔

؎ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے ☆ توہین و مصائب پہ بہا لیتے ہیں آنسو

اور جہاں تک من لا یحضرہ الفقیہ والی حدیث کا تعلق ہے ہم مذکورہ بالا مقام پر ثابت کر آئے ہیں کہ (مثل مثالاً) سے ذی روح (جاندار) چیز کی بے جان تصویر کشی مراد ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔مؤلف نے "یا اس (قبر) کی مثال بنائے" کس جملہ کا ترجمہ کیا ہے؟ "مثل مثالاً کا ترجمہ یا قبر کی مثال بنائے" مؤلف کی ذاتی اپج ہے ورنہ حدیث میں قبر کی مثال بنانے کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں ہے

ع آفریں باد بریں عقل و بریں دانش تو

بلکہ قبر کی مثال بنانا بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے خدمت رسولؐ میں عرض کیا میں نے باب جنّت اور حور العین کی پیشانی چومنے کی قسم کھائی ہے اب کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔باپ کے قدم اور ماں کی پیشانی چوم لو۔سائل نے عرض کیا وہ تو وفات پا چکے ہیں! فرمایا ان کی قبروں کو چوم لو۔۔۔عرض کیا قبریں معلوم نہیں ہیں؟ فرمایا ان کی قبروں کی مثال بنا کر اسے چوم لو۔منت پوری ہو جائے گی (فتاویٰ عالمگیری وخزانۃ الروایات) لہٰذا اس آیت و روایت سے اگر ماتم اور تعزیہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا تو ان کی حرمت بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔افسوس

ع بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

کم علم مولویوں کی روش پر علامہ وحید الزمان کا تبصرہ:

یہ کم علم مولویوں کا غلو فی الدین ہے جو بات بات پر کفر کا فتویٰ لگاتے اور ہر جائز بات کو حرام بناتے ہیں۔علامہ وحید الزمان ایسے ہی مولویوں کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" جس نے کسی بزرگ کی قبر پر بوسہ دے دیا بس اس کو قبر پرست اور اسلام سے خارج کر دیا۔جس نے مولود شریف کی مجلس کی اس کو بدعتی قرار دے کر اس سے سلام کلام رک گیا۔حالانکہ گانے بجانے کے جواز و عدم جواز میں سلف سے اختلاف چلا آتا ہے اور قبر کے بوسہ کی اباحت امام احمد سے منقول ہے اور مجلس میلاد کو جائز کہنے والے بڑے بڑے حفاظ حدیث جیسے ابن حجر، اور سیوطی اور ابو شامہ اور نووی وغیرہ۔جاہل سنی مرثیہ خوانی اور تعزیہ اور علمبرداری کو شرک بتلا رہے ہیں

ع ایں چہ شور یست کہ دور قمر می بینم"

(انوار اللغۃ پ 19 ص 67 طبع بنگلور) مولوی صاحبان تلخ نوائیاں بہت ہو چکی ہیں۔اب مہر و محبت کی شرینی کی ضرورت ہے۔معمولی مسائل کو مدار کفر بنا کر مسلمانوں کو کافر نہ بناؤ۔بلکہ ہو سکتا ہے تو کافروں کو مسلمان بناؤ اور متحد ہو کر سلام پر ہونے والی یلغار کفر والحاد کا مقابلہ فرماؤ۔

حدیث ''من مثل مثالاً'' کا صحیح مفہوم:

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں ''من مثل مثالاً خرج من الاسلام'' جو شخص (جاندار کی) مورت بنائے وہ اسلام سے نکل گیا۔ مجسم جاندار کی مورت بنانا تو بالاتفاق حرام ہے اس کو توڑ ڈالنا شیوہ اسلام ہے لیکن نقشی تصویر میں یا فوٹوگراف کی تصویر میں اختلاف ہے غیر جاندار کی تو بالاتفاق درست ہے اور جاندار کی بعضوں نے جائز رکھی بعضوں نے مکروہ۔ بعضوں نے حرام اور احتراز کرنا اس سے بہتر ہے (لغات الحدیث ج 5 کتاب المیم ص 16 طبع کراچی) اس بیان سے ہمارے مدعا کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔ اور تعزیہ و ذوالجناح کا جواز بے غبار ہو جاتا ہے کیونکہ تعزیہ بے جان کی تصویر ہے جو بالاتفاق جائز ہے اور ذوالجناح جاندار کی شبیہہ ہے جس کا جواز لا کلام ہے؟

شیعہ کا استدلال:

جب قرآن وحدیث اور کتب شیعہ پیٹنے اور سینہ کوبی کو حرام قرار دیتے ہیں اور شیعہ کو اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ وہ عجیب مضحکہ خیز دلائل پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو جب بشارت فرزند دی گئی تو ''فَصَكَّتْ وَجْهَهَا'' (الذاریات آیت 29) ''اس نے منہ پر ہاتھ رسید کیا''۔۔۔کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ فرزند پیدا ہونے کی بشارت پر لوگ خوشی کرتے ہیں یا ماتم۔۔۔سب لوگ جانتے ہیں کہ عورتوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ بات کرنے لگتی ہیں منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہیں۔ اسی طریق کے مطابق بیوی صاحبہ نے منہ پر ہاتھ رکھا۔۔۔

دوسری دلیل:

شیعہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یعقوبؑ فراق یوسفؑ میں بہت روئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ'' (یوسف آیت 84) (یعقوب علیہ السلام کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں اور ان کو بہت رنج تھا) معلوم نہیں اس آیت میں رونے پیٹنے کا کس لفظ سے استدلال کیا جاتا ہے۔۔۔آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق کا اس قدر رنج وغم تھا کہ ان کا دماغ کمزور ہو کر بصارت جاتی رہی تھی اگر شیعہ کا خیال صحیح ہو تو ''من الحزن'' کی جگہ ''من البکاء والصراخ'' ہونا چاہیئے تھا۔۔۔۔اگر رونا پیٹنا بصارت کے زوال کا باعث ہوتا تو آج دنیا کے کل ماتمی شیعہ۔۔۔۔تمام اندھے نظر آتے حالانکہ ہم نے کوئی ماتمی ماتم کی وجہ سے اندھا نہیں دیکھا۔۔۔ان کا یہ گریہ و بکاء ان کی سینہ کوبی۔۔۔صرف چاول پلاؤ ٹرخانے کی خاطر ہے وبس حقیقت یہ ہے کہ کارنامۂ یزید کو اس شان وشوکت سے

ہمیشہ تازہ کیا جاتا ہے کہ روح یزید کو اس سے کمال خوشی ہوگی اور یوں تو ذاکروں، مرثیہ خوانوں پر یزید علیہ ما علیہ کا احسان عظیم ہے۔۔۔اگر یزید لعین یہ کرتوت نہ کرتا تو ان ٹکر گداؤں کو کون پوچھتا۔ ماہ محرم ان لوگوں کیلئے گویا ماہ عید ہوتا ہے۔ پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔۔اُدھر ماہ محرم نمودار ہوا ادھر ان پر چاندی برسنے لگی۔ جا بجا ان کی آؤ بھگت ہونے لگی۔ روٹیاں مفت کی ملتی ہیں اور روپے پیسے الگ۔ ان کو تو یزید کے نام کی ماہ بماہ شرینی دینی چاہیئے اور اس کے نام کا سجدہ کرنا چاہیئے۔غرض کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ماتم کی ایجاد کس پیغمبر یا کس امام کی ایجاد ہے۔۔۔جب ایسا نہیں تو اسے شیطانی ایجاد سمجھنا چاہیئے۔(آفتاب ص335)

الجواب:

مظلوم کربلا کے غم میں رونا پیٹنا نہ قرآن کی رو سے حرام ہے اور نہ حدیث کی رو سے ناجائز۔البتہ مؤلف نے جن آیات و روایات سے اس کے عدم جواز کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ہم نے ان کے مضحکہ خیز استدلال کا تارو پود فضائے آسمانی میں بکھیر کر اس کا جواز واضح وآشکار کر دیا ہے۔شیعہ خیر البریہ ایسے بے مایہ نہیں کہ وہ اپنے مذہبی مراسم وشعائر کے سلسلہ میں مضحکہ خیز دلائل کا سہارا لیں بلکہ بفضلہ تعالیٰ ان کے دلائل و براہین اس قدر مضبوط اور محکم ہوتے ہیں کہ تمام ارباب باطل اپنی متحدہ کاوشوں سے بھی ان کا ابطال نہیں کر سکتے۔ یہاں مؤلف نے جس بات کو''شیعہ کا پہلا استدلال'' ظاہر کیا ہے۔ یعنی زوجہ ابراہیم کا فعل ذمہ دار شیعہ مبلغین و مناظرین نے اثبات ماتم میں کبھی اس آیت کا سہارا نہیں لیا۔غیر ذمہ داروں کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔علاوہ بریں یہ بھی واضح رہے کہ اگر شیعہ کا اس آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں تو مؤلف کا بیان کردہ ترجمہ''منہ پر ہاتھ رکھنا'' بھی یقیناً درست نہیں ہے''صکّت وجھھا'' کا ترجمہ منہ پر ہاتھ رکھنا کرنا مولوی کرم الدین کی علمی تہی دامنی کا غماز ہے''صکّ'' کے معنی کوٹنا اور پیٹنا ہیں۔جس طرح ''وضع'' کے معنی رکھنا ہیں۔اگر وہ مفہوم ہوتا جو موصوف نے بیان کیا ہے تو بجائے صکّت وجھھا کے وضعت یدھا علی وجھھا ہوتا۔عوام کی تسلی کیلئے ذیل میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور مولانا نذیر احمد دہلوی کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین صاحب اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں''پس ہاتھ مارا منہ اپنے پر'' اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں رقمطراز ہیں''اور اپنا منہ پیٹ لیا'' اب تو یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جناب سارہ نے یہ غیر متوقع بات سنکر منہ پیٹا تھا۔منہ پر ہاتھ نہیں رکھا تھا۔

زوجہٴ خلیل تولد فرزند کی بشارت پر ممکن ہے خوش ہوئی ہوں۔مگر جب بشارت ایسے ہنگام (شیب طبعی) میں دی گئی کہ نظر بعالم اسباب اس وقت اولاد ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔اس لئے یہ خوشخبری سنتے ہوئے منہ پر ہاتھ مار کر کہا۔ ہیں؟ میرے ہاں کس طرح فرزند پیدا ہوگا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بالکل خلاف توقع ہو (جیسے شہادت امام مظلوم) تو اس کے وقت از راہ تعجب ہی سہی۔ منہ پر ہاتھ مارنا بدعت نہیں بلکہ معصوم نبی کی والدہ اور معصوم نبی کی زوجہٴ محترمہ کی سنّت ہے جو معصوم فرشتہ کے روبرو بجالائیں مگر اس

نے روکا ٹوکا نہیں اور وہ خود اس قدر عظمت وجلالت کی مالک تھیں کہ انکی تقلید میں خالق نے آج تک حجاج پر صفاومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دے دی ہے۔

ہاں البتہ مؤلف نے جس چیز کو شیعہ کی دوسری دلیل قرار دیا ہے وہ ایسی مضبوط ہے کہ تمام اہلسنت ملکر بھی قیامت تک اس کو ردّ نہیں کر سکتے۔ ہم سابقہ اوراق میں معتبر تفاسیر اہلسنت کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں ک فراق یوسفؑ میں رو رو کر حضرت یعقوبؑ کی بصارت زائل ہوگئی تھی۔ حزن وبکا لازم وملزوم ہیں۔ ان کے درمیان علیحدگی کا تصور کرنا ہی حماقت کی دلیل ہے اور نبی کے دماغ پر کمزور ہونے کا الزام کوئی نیا نہیں۔ بلکہ یہ مولوی صاحب کو اپنے بعض بزرگوں (عمر) سے ورثہ سے ملا ہے تلک شنشنة اعرفها من اخزم با وجود یکہ حضرت یوسفؑ زندہ موجود تھے۔ مگر پھر بھی ایک نبی ان کے فراق میں اسی برس تک یوں بلند آواز سے رویا (وااسفا علی یوسف) کہ قوت بصارت جاتی رہی۔ مگر خداوند کریم پھر بھی ان کو صابر کہہ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گریہ وبکا کرنا بے صبری نہیں ہے بلکہ بے صبری یہ ہے کہ خدا کی قضاوقدر پر زبان اعتراض دراز کی جائے۔ شیعہ سال بھر بالعموم اور ماہ محرم الحرام میں بالخصوص جس شان وشوکت کے ساتھ مظلوم کربلا کی عزاداری قائم کرتے ہیں اس سے یزید پلید کی نجس روح خوش ہونے سے تو رہی بلکہ قعرِ جہنم میں بھی اس کی بے قراری اور شدت گریہ وزاری میں اور اضافہ ہوجاتا ہوگا۔ البتہ اگر خوش ہوں گی تو سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی ارواح مقدسہ ہونگی جن کے وہ مثالی کارنامے بیان کئے جاتے ہیں جن کی بدولت آج اسلام وایمان کا نام ونشان باقی ہے۔۔۔ ہاں البتہ اگر یزید کی خبیث روح کو فی الجملہ تسکین ہوتی ہوگی تو اپنی روحانی ذریت کے کارناموں سے جو آج بھی تقریر وتحریر کے ذریعہ حسینؑ کا نام مٹانے اور یزیدی مشن کو زندہ رکھنے کیلئے دل وجان سے شب وروز برابر مصروف کار ہیں سچ ہے

یک حسینے نیست گو گردو شہید ☆ ورنہ بسیار اند در عالم یزید

شیعہ مذہب میں غیر خدا کو کسی قسم کا سجدہ کرنا روا نہیں ہے ورنہ وہ عالم انسانیت کے محسن اعظم حسینؑ ابن علی علیہما السلام کی بارگارہ معلیٰ میں ہزاروں سجدہائے نیاز پیش کرتے۔ جن کی عظیم اور عدیم المثال قربانی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ سجدہ کو بقا نصیب ہوئی بلکہ اسلام وایمان موجود ہے۔ بلکہ آج کرۂ ارضی پر انسانیت کی بقا اور اسکا دوام بھی انہی کا مرہون منت ہے

انسانیت کے نام پر کیا کر گئے حسینؑ ☆ ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

لہٰذا اگر شیعہ سجدہ نہیں کر سکتے تو کم از کم شرینی یا نیاز تو اسی محسن اعظم کے نام کی ہی دیں گے۔ جن سے ان کا دین ودنیا وابستہ ہیں۔ نیز وہ مجالس عزا کو نجات دارین کا ذریعہ سمجھ کر۔۔۔ منعقد کرتے ہیں۔ بھلا شیعیان علیؑ کو یزید پلید اور اس کے اعوان وانصار سے کیا سروکار؟ اگر شیعیان حیدر کرارؑ اپنے آئمہ اطہارؑ کی محبت ومودت میں ان کے نام لیواؤں کی خدمت وتواضع اور آؤ بھگت کرتے ہیں تو مولوی کرم الدین اور ان کے ہمنواؤں کو کیوں تکلیف ہوتی ہے؟ البتہ مولوی کرم الدین اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ مولوی

صاحبان کو یزید کے نام پر نہ صرف یہ کہ شرینی تقسیم کرنی چاہیئے بلکہ اس کے لئے سجدہ بھی کرنا چاہیئے (کیونکہ مؤلف کے مذہب میں غیر خدا کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔۔۔۔جیسا کہ بریلوی اہلسنت کی کتب اس پر شاہد ہیں) کہ آج ان کے حلوے مانڈے اور انڈے پراٹھے یا روپے کا جو بھی انتظام ہے وہ سب حق واہل حق اور بالخصوص عزاداری سید الشہداءؑ کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ادھر ہلال محرم نمودار ہوا اُدھر یزید کی روحانی اولاد کے سنان قلم وزبان تیز ہوگئے اور تقریر وتحریر کے ذریعہ عزاداری کی مخالفت میں طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا اور پھر سادہ لوح مسلمانوں کو آپس میں لڑا لڑا کر روٹیاں مفت کی توڑیں اور روپے پیسے الگ کمائے اور جا بجا دعوتیں اور آؤ بھگت اس کے علاوہ ۔ دین مِلانی سبیل اللہ فساد۔۔

؎ زحمت بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے ☆ آئینہ دیکھیئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ہم نے سابقہ اوراق میں ثابت کر دیا ہے کہ گریہ وبکا سنت انبیاء واولیاء ہے اور ماتم کرنا قواعد شرعیہ کی رو سے مباح ہے اسے شیطانی ایجاد قرار دینا کچھ انہی لوگوں کو زیب دیتا ہے جو شیطانی قیاس کرنے کے عادی ہیں نیز ہم قبل ازیں تاریخ طبری، کامل، مسند احمد اور سیرت ابن ہشام کے حوالہ جات سے وفات النبیؐ پر حضرت عائشہ ودیگر ازواج وصحابیات النبیؐ کا ماتم کرنا ثابت کر آئے ہیں۔کیا وہاں بھی مولوی کرم الدین صاحب یہی فتویٰ صادر فرمائینگے کہ رسول اسلامؐ کے گھر میں ازواج النبیؐ نے شیطانی ایجاد پر عمل کیا تھا اور صحابہ دیکھ رہے تھے؟

؎ گل وگلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر ☆ تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

شہداء کربلا کے اسماء گرامی:

یہاں مؤلف آفتاب ہدایت نے النجم لکھنؤ کے کربلا نمبر 1356ھ سے ایک سو چھ عدد شہداء کربلا کے اسماء گرامی کی ایک فہرست دی ہے۔صرف اس مقصد کے پیش نظر کہ ''حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حضرت علیؑ کے دوسرے صاحبزادگان مسمی بہ ابوبکر، عثمان اور حضرت حسن کے صاحبزادہ عمر نے بھی جام شہادت نوش فرمایا حالانکہ مدعیان محبت اہلبیت نے اپنی مجلسوں میں کبھی ان کا نام تک نہیں لیا۔۔۔اصحاب ثلاثہ کے مبارک ناموں پر اولاد کے نام رکھنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ وحضرت حسنینؑ کو اصحاب ثلاثہ سے غایت درجہ کی محبت وعقیدت تھی''۔۔۔(آفتاب ص 535)

الجواب:

مؤلف کا اس فہرست کے درج کرنے سے جو مقصد وابستہ تھا اس کے واضح کر دینے کے بعد ہم نے بنظر اختصار اس فہرست کو درج نہیں کیا۔شہداء کربلا کے تفصیلی حالات مع ذکر ہائے شہادت دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف

رجوع فرمائیں ۔ہمارے علماء مؤرخین نے کبھی حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ جہاں کتب تواریخ و مقاتل میں جناب سید الشہداءؑ کے حالات مسطور ہیں وہیں دوسرے تمام نام بردہ شہدا کربلا کے حالات بھی مذکور ہیں (اس سلسلہ میں تمام شیعی کتب مقاتل دیکھے جاسکتے ہیں) باقی رہا مجالس ومحافل میں بیان۔تو ظاہر ہے کہ جس قدر جس شہید کا واقعہ شہادت زیادہ رقت خیز ہوگا اسی قدر اس کے بیان پر زور بھی زیادہ دیا جائے گا۔

اس میں نام سے زیادہ کام کا دخل ہے ۔۔۔اور جہاں تک ناموں کے اس اشتراک سے حضرت علیؑ وثلاثہ کے باہمی میل و محبت کے اثبات والے مضحکہ خیز استدلال کا تعلق ہے،ہم قبل ازیں بڑی تفصیل کے ساتھ اس استدلال کی رکاکت وکمزوری ظاہر کر چکے ہیں۔وہاں رجوع کیا جائے اس مقام کے دیکھنے سے واضح ہوگا کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کو جو کچھ اختلاف ہے وہ ان اسماء کے مسمیان سے ہے نہ کہ اسماء سے علاوہ بریں جب ان اسماء کے اچھے مسمیان بھی موجود تھے تو یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ان کے ناموں کو سامنے رکھ کر یہ نام رکھے گئے ہیں؟ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔

بعض اختلافی مسائل:

اب ہم اختلافی مسائل پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو ہمارے اور شیعہ کے مابین متنازعہ فیہا ہیں اور شیعہ کی کتابوں سے ہی ان کے خلاف استدلال کریں گے۔چونکہ شیعہ کو ہر ایک امر میں اہلسنت والجماعت کی مخالفت کا حکم ہے چنانچہ پہلے یہ حدیث نقل ہو چکی ہے کہ اگر اہلسنت کا قول مطابق کتاب اللہ بھی ہو تو بھی حتی الوسع ان کی مخالفت کرنا چاہیئے۔ اس لئے معاملات میں،عبادات میں ہر ایک بات میں شیعہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد دنیا سے الگ ہی بنانا چاہتے ہیں۔ہم ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو وہ کھول کر، ہم چار تکبیر جنازہ پڑھتے ہیں تو وہ پانچ ، ہم وضو میں پاؤں کو دھوتے ہیں اور وہ مسح کرتے ہیں ، ہم سلام مسنون ، السلام علیکم کہتے ہیں وہ بجائے اس کے یا علیؑ مدد کہتے ہیں ۔ ہم لبوں کے بال کٹاتے اور داڑھی بقدر قبضہ رکھتے ہیں وہ مونچھیں بڑھاتے اور داڑھی چٹ کرا دیتے ہیں۔ہم مساجد میں نماز پڑھنے کیلئے جاتے ہیں وہ دائرہ میں بیٹھ کر بھنگ گھوٹتے اور حقہ گڑگڑاتے ہیں اور مسجد کے مقابلہ میں امام باڑہ جاتے ہیں (آفتاب ص 337)

الجواب:

سچ ہے اذالم تستح فاصنع ماشئت یعنی بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔مؤلف اکثر مقامات پر ایسی روش اختیار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کسی مبداء ومعاد پر کوئی اعتقاد نہیں ہے!اگر ان کے اندر زندہ ضمیر ہوتا تو ایسی بے جا تحریر پر ضرور ان کی ملامت کرتا۔مگر آہ انھا لاتعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور (مؤلف کی ایسی ہی تحریریں دیکھنے کے بعد ان بعض

پنجابی مقولوں کی تصدیق ہوتی ہے جوان کے متعلق مشہور ہیں ۔مگر چونکہ ان سے ذاتی حملہ کی بوآتی ہے اس لئے ہم انہیں درج کر کے اپنے دامن کواس سے ملوث نہیں کرنا چاہتے۔) اکبرؔ نے کیا خوب کہا ہے

مذکرّ کیلئے ''ہی'' اور مؤنث کیلئے ''شی'' ہے ☆ مگر حضرت مخنّث ہیں نہ ہیّوں میں نہ شیّوں میں
بلکہ یہ مال صرف ''روپے ویہہ'' میں مل جاتا ہے

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

شیعہ خیر البریہ کا طغرائے امتیاز ہے کہ ان کے مذہب میں رائے وقیاس حرام ہے۔ وہ ہر دینی اور دنیوی معاملہ میں خدا اور رسولؐ کے حکم کی اتباع کو واجب و لازم اور اس سے سرمو انحراف کرنے کو ناجائز و حرام سمجھتے ہیں وہ اگر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے یا وضو میں پاؤں کا مسح کرتے یا جنازہ پانچ تکبیر پڑھتے ہیں تو کسی کی ضد میں ہرگز ایسا نہیں کرتے (سبحان اللہ ھذا ابہتان عظیم) بلکہ صرف اور صرف اسے ہی حکم خدا اور رسول سمجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ اگر انہیں مخالفت برائے مخالفت کرنا ہی مقصود ہوتی تو وہ سرے سے نماز نہ پڑھ کر اور جنازہ میں پانچ کی بجائے تین یا چھ تکبیریں پڑھ کر اور پاؤں کے مسح کی بجائے سر کے مسح میں بھی۔ نیز روزہ وحج وغیرہ عبادات میں بھی کی جاسکتی تھی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ عنقریب کتب فریقین سے ثابت کیا جائے گا کہ خدا اور رسول کا حکم وہی ہے جس پر شیعہ کاربند ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ مؤلف نے اپنے آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کی ناپاک جسارت کی ہے کیونکہ اہل حق کی ضد میں حق کی مخالفت کرنا مؤلف اور ان کے ہم مذہبوں کا شیوہ وشعار ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں (بذیل عنوان ''اہل حق سے اہلسنت کی اندھی عداوت کی مثالیں'') پر متعدد مثالیں دے کر ثابت کیا جاچکا ہے کہ وہ اہل حق کی ضد میں حق کے خلاف عمل کرتے ہیں جیسے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا، حضرت امیرؑ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' نہ کہنا۔ اور روز عاشورہ کو روز مسرت قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔ یا پھر حق کی مخالفت یہ ہے کہ باوجود یہ جاننے کیلئے نماز تراویح پڑھنا، چار تکبیر نماز جنازہ مقرر کرنا اور نماز صبح کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا بدعت عمر ہے مگر اہلسنت کہلانے والے سنت کو چھوڑ کر بدعت پر عمل پیرا ہیں۔ کیوں؟ محض اہل حق (شیعہ) کی ضد میں باقی رہا سلام اور داڑھی وغیرہ کا مسئلہ تو شیعوں کا اسلامی سلام وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے اور داڑھی رکھنا معترض کے مذہب میں صرف سنت ہے مگر ہمارے مذہب میں رکھنا واجب ہے اور منڈوانا حرام ہے اسی طرح بھنگ وغیرہ کی حرمت ہمارے نزدیک ان سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔ اسی طرح مذہب شیعہ میں مونچھیں بڑھانا سخت۔۔۔ مکروہ اور کٹوانا سنت ہے اگر کوئی شیعہ کہلا کر ان احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ اس کا انفرادی فعل ہے اسکی وجہ سے سب اہل مذہب کو مطعون کرنا روا نہیں ہے۔ امام باڑہ کو مسجد کا مد مقابل قرار دینا بھی مولوی صاحب کی دقیقہ شناس طبیعت کا خاصہ ہے ورنہ اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس حدیث کا موصوف نے یہاں اشارۃً حوالہ دیا ہے، ہم نے اسکی اپنے مقام پر پوری تشریح کر کے اسکے زعم فاسد کا فساد آشکار کر دیا ہے۔ بہر حال اب جبکہ

موصوف نے آخر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کو چھیڑا ہے تو ہم بھی جواب میں حسبِ دستور کتب فریقین سے حلی اور الزامی جوابات پیش کر کے واضح وآشکار کریں گے کہ صحیح اسلامی روش ورفتار وہی ہے جس پر شیعیان حیدر کرار گامزن ہیں باقی

ع جو کچھ بھی ہے وہ بندش و ہم و خیال ہے

پہلا مسئلہ (نماز دست بستہ):

شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے نماز ہوتی ہی نہیں اسلئے اس مسئلہ پر عقلی و نقلی بحث کر کے قرآن وحدیث اور کتب شیعہ سے استدلال کر کے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عقلی دلیل:

نماز عجز و نیاز کا نام ہے اس میں جلسہ، قعدہ، قیام اور رکوع وسجود وغیرہ جملہ حرکات وسکنات اظہار انکسار کیلئے کئے جاتے ہیں **قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون** ۔۔۔دوسری جگہ ہے **قوموا للہ قانتین** ۔خدا کے حضور ادب و انکسار سے کھڑے ہو غرض نماز کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے معبود کے سامنے مؤدبانہ کھڑا ہو کر ذات کبریائی کی عظمت ۔۔کا اعتراف کرتے ہوئے زبان سے۔۔۔جوارح سے اپنی عاجزی۔۔۔کا اظہار کرے۔۔۔ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ طریق عجز ونیاز یہی ہے کہ دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے رب العباد کے سامنے عرض ومعروض کیا جائے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کرتے ہیں۔ ہر ایک شاہی دربار کا یہی آئین ہے۔۔۔کوئی چھوٹا بڑے۔۔۔کو خط لکھنا شروع کرے تو یوں لکھتا ہے کہ دست بستہ سلام کے بعد یوں عرض ہے۔۔پھر جب اعلیٰ سرکار۔۔۔کے دربار میں۔۔کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگیں تو عرفاً و اخلاقاً وشرعاً طریق ادب یہی ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یہ کوئی طریق ادب نہیں کہ ہاتھ کھولے ہوئے اکڑ کر کھڑے ہو جائیں۔۔۔ہاتھ کھولے اکڑ کر سیلوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے۔۔۔۔

نقلی دلائل:

پہلی دلیل:

قرآن میں ہے **فصل لربک وانحر** (خدا کی نماز ہاتھ باندھ کر پڑھ) نحر کے معنی کتب لغت میں ہاتھ باندھنے کے ہیں ۔چنانچہ کتاب قاموس ج 1 ص 332۔۔۔میں ہے **نحر الرجل فی الصلوۃ انتصب و نهر صدره و وضع یمینه علی شماله** (نماز میں نحر کے معنی یہ ہے کہ سینہ قبلہ رو سیدھا کر کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ کر کھڑا ہو)۔۔۔آیت فصل میں چونکہ نماز پڑھنا قرینہ موجود ہے اس لئے یہاں نحر کا معنی یہی ہے۔۔۔امام فخر رازی نے تفسیر کبیر ج 8 ص 712 میں

۔۔۔حضرت علی المرتضیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے والا شھر و ضعھا علی النحر علی عادۃ الخاشع (وانحر کا اشہر واظہر معنی یہی ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے جیسے خشوع وخضوع کا طریق ہے) ایسا ہی تفاسیر درمنثور۔معالم التنزیل ۔۔۔اور کتب حدیث بخاری وترمذی۔۔۔میں حضرت علی اور ابن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کی روایات سے یہی معنی لکھا گیا ہے۔۔۔۔۔

دوسری دلیل:

جب حضرت موسیٰ کوہ پر خدا کے حضور میں پیش ہوئے تو جوتیاں اتار کر نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور طریق ادب بھی بتایا گیا ۔۔''وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ '' (القصص آیت 32) اس واقعہ کا قرآن کریم میں دو جگہ ذکر ہے سورۂ قصص میں اس واقعہ کا بیان ہوا ہے جہاں عصا ڈالنے،گریبان میں ہاتھ ڈالنے۔۔۔کا بھی ذکر ہے اسی جگہ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ بھی مذکور ہے۔چونکہ بعض آیات سے بعض کی تفسیر ہوتی ہے۔اسلئے اگرچہ اس جگہ اقم الصلوٰۃ مذکور نہیں لیکن حکماً گویا وہی حکم یہاں بھی موجود ہے۔۔ضم ایک چیز کو دوسری کے ساتھ جمع کرنے کو کہتے ہیں۔۔جناح کا معنی ہاتھ ہے۔۔۔رہب کا معنی عاجزی ہے۔معنی آیت واضمم کا یہ ہے کہ اپنے جسم سے اپنا ہاتھ ضم کر کے عاجزانہ شکل بنا کر۔۔۔سو چونکہ داہنا بائیں سے افضل ہے اسلئے بحکم الیدء العلیا خیر من الید السفلیٰ۔۔داہنے کو اوپر اور بائیں کو نیچے رکھنا بھی ثابت ہو گیا۔

تیسری دلیل:

شیعہ معتبر کتاب فروع کافی ج1 ص198 میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ''زرارہ سے روایت ہے کہا جب عورت نماز میں کھڑی ہو اپنے دونوں پاؤں ملا رکھے اور ان میں فاصلہ نہ ہو اور دونوں ہاتھ پستانوں کی جگہ پر باندھ لے۔'' (کذا فی علل الشرائع ص135۔تہذیب الاحکام ج4 ص161) پھر جب عورت کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا صریح حکم کتب شیعہ میں موجود ہے تو مرد کیوں کھول کر پڑھیں۔۔۔احکام قرآن مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں ہیں۔ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔

چوتھی دلیل:

شیعہ کی کتابوں سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب لمعۃ البیضاء ص405 میں تصریح موجود ہے تو اس وقت مشکل یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی ہو جبکہ دیگر امور میں بقول شیعہ تقیہ سے اوقات بسر کرتے تھے۔۔۔پھر شیعہ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔۔۔شیعہ کی معتبر کتاب من لا

یحضرہ الفقیھہ ۔۔۔میں لکھا ہے کہ شیعہ کو چاہیئے کہ اہلسنت ۔۔۔کے پیچھے تقیہ کر کے نماز پڑھا کریں اس سے ان کو پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔۔۔

استدلال شیعہ:

شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن میں لکھا ہے کہ" وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ "(النور آیت 41)(پرندے صف باندھے عبادت خدا کرتے ہیں خدا ہر ایک کی نماز وتسبیح کو جانتا ہے)اور ظاہر ہے کہ پرندے ہاتھ کھول کر عبادت کرتے ہیں۔

جواب:

انسان اشرف المخلوقات ہو کر پرندوں کی اتباع کرے یہ از بس عجیب بات ہے پرندے تو بازوؤں کو ہلاتے ہیں پھر شیعوں کو بھی بازو ہلانے چاہئیں۔پرندے اڑتے ہوئے پنجال بھی کرتے ہیں ۔۔۔پرندے ۔۔قبلہ کے پابند نہیں۔۔۔یہ نہ کوئی دلیل ہے بلکہ مضحکہ اطفال ہے۔۔

دوسری دلیل:

کہ صلوۃ الخوف میں مسلمانوں کو حکم ہے۔" وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ "(النساء آیت 102)اور اپنے ہتھیاروں کو پکڑ رکھیں۔یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہاتھ کھولے ہوئے ہوں۔

جواب:

اوّل تو نماز خوف پر دوسری نماز کا قیاس نہیں ہو سکتا وہ بحالت مجبوری ہوتی ہے۔۔دوم شیعہ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ سپاہی ہاتھوں میں ہتھیار پکڑے نہیں رکھتے بلکہ اکثر بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔تلوار کمر سے۔۔تیر ترکش۔۔میں پڑے ہوئے۔۔۔ایسی صورت میں ہاتھ باندھ کر نمازی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ ہتھیار پکڑنے کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے شیعہ کو ایسا استدلال کرنے سے شرم آنی چاہیئے۔۔شیعہ ایک یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔جواب: یہ بھی شیعہ کا ایک دھوکہ ہے کیونکہ حقیقت میں یہ امام مالک مجتہد مذہب نہیں بلکہ ایک اور صاحب مالک بن عطیہ شیعہ ہیں۔۔ہمنامی کی وجہ سے اس مسئلہ کو امام مالک کی طرف منسوب کر بیٹھے ہیں۔امام مالک کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک موجود ہے اس میں "وضع الیدین احدا ھما علی الاخریٰ" حدیث موجود ہے۔امام موصوف بھی نماز میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں علاوہ ازیں ہم امام ممدوح کے مقلد نہیں کہ قول امام ہم پر حجت ہو سکے

۔ یہ سب بودے دلائل ہیں شیعہ کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ ہماری کتب صحاح و معتبر کتب فقہ سے آئمہ اہلبیت حضرت علی، امام حسنؑ امام حسینؑ کا مذہب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ثابت کریں بلکہ وہ اپنی کتابوں سے بھی ثابت نہیں کر سکتے ہم نے قرآن وحدیث و کتب شیعہ سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت پیش کر دیا ہے کیا شیعہ حضرات سے کوئی صاحب انصاف ہے جو ضد چھوڑ کر راہ راست پر آجائے؟ (آفتاب ص 343)

الجواب:

اسلام کی موجودہ حالت زار کا بیان:

ہائے اسلام تیری رام کہانی نہ اب سنی جا سکتی ہے اور نہ سنائی جا سکتی ہے تیرے اپنے نام نہاد نام لیواؤں نے اس طرح تیرا حلیہ بگاڑا کہ تجھے پہچانا جا سکتا ہے نہ غیروں کو پہنچوایا جا سکتا ہے

عجب سوزیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد ☆ وگر خاموش بنشینم ترسم استخوان سوزد

ارکان اسلام میں سے ایک رکن اعظم نماز ہے خدائے رحمٰن نے قرآن میں کم وبیش سو مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ترک کو کفر وشرک قرار دیا ہے۔

بعثتِ نبیؐ کی غرض وغایت:

خدا نے اپنے احکام قرآن میں نازل فرمائے اور عملی تعلیم وتلقین کے لئے پیغمبر اسلامؐ کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ مسلمان احکام قرآن میں پڑھتے جائیں اور ان کی عملی تصویر رسول اسلامؐ کے عمل وکردار میں دیکھ کر اپنے عمل وکردار کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالتے جائیں۔ چنانچہ خود آنحضرت ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں صلوا کما رائیتمونی اصلی۔ یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (تفسیر کبیر ج 6 ص 19 و ج 1 ص 146، 410 بخاری ج 1 ص 69 تسہیل القاری پ 3 ص 25، 419 وغیرہ) مگر افسوس بجائے اس کے کہ مسلمان رسول دوجہان ﷺ کی اتباع واقتداء کر کے سعادت دارین حاصل کرتے انہوں نے اسلامی احکام کو اپنے ذاتی قیاسات وخیالات کی آماجگاہ بنا کر اسلام کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔

نماز کے متعلق اسلامی اختلاف کا اجمالی نقشہ:

اسی نماز کو لے لیجئے جسے جناب رسول خدا ﷺ پورے تیئس (23) سال تک ہر شب وروز میں پانچ مرتبہ سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں اور ہزاروں کے مجمع عام میں پڑھتے رہے مگر مسلمان آج تک اس بات کا فیصلہ بھی نہیں کر سکے کہ آنحضرت کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ آیا ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے یا باندھ کر۔۔۔۔ اور اگر باندھ کر پڑھتے تھے تو ہاتھ کہاں باندھتے تھے؟

(1)اس سوال کے جوابات ملاحظہ فرمایئے! ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے۔(امام مالک[1])(2)باندھ کر پڑھتے تھے اور ناف کے نیچے باندھتے تھے(امام اعظم)(3)باندھ کر پڑھتے تھے مگر ناف کے اوپر یعنی پیٹ پر(امام شافعی)(4)باندھ کر پڑھتے تھے مگر سینہ کے اوپر(امام احمد)ایک غیر جانبدار شخص یہ اختلاف دیکھ کر کیا خیال کرے گا؟ یہی نہ کہ اگر یہ سب اقوال درست ہیں تو حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ نبی ورسول تھے یا بھروپیوں کی طرح سوانگ رچاتے رہتے تھے؟(معاذ اللہ)امام شعرانی نے بموجب زاد فی الطنبور نغمۃ یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ(5)کامل اور عارف لوگ ہاتھ باندھ کر پڑھیں اور عوام الناس کھول کر(کبریت احمر ج1ص57 میزان الکبریٰ ج1ص130 طبع مصر)(6)اور ابن منذر صاحب نے یہ افادہ فرمایا ہے کہ ''لم یثبت من النبی فی ذالک شئی فھو مختیر''یعنی اس سلسلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے اس لئے نمازی کو اختیار ہے کہ خواہ کھول کر پڑھے اور خواہ باندھ کر۔(نیل الاوطار ج2ص78 طبع مصر)افسوس

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

یہ اختلاف دامنِ اہلبیتؑ کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے:

یہ اختلاف نتیجہ وثمرہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں نے ان ذوات مقدسہ سے اسلامی احکام اور بانیٔ اسلامؐ کے اخلاق واطوار

[1] مؤلف نے دیگر افادات عالیہ کی طرح یہ افادۂ جدیدہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مالک جو کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کے قائل ہیں وہ امام مالک مجتہد نہیں بلکہ مالک بن عطیہ کوفی ہیں جو شیعہ ہیں ع جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

حالانکہ مذاہب اسلامیہ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ان مالک سے مراد امام مالک بن انس مدنی ہیں جو اہلسنت کے آئمہ اربعہ میں سے چوتھے امام ہیں اور وہ نماز میں ارسال الیدین کے قائل ہیں اہلسنت کی تمام فقہی کتابوں میں ان کا یہ قول موجود ہے(1)شیخ عبدالحق محدث دہلوی فتح المنان میں لکھتے ہیں''مذھب مالک ارسال الیدین وھو عزیمۃ عندہ والوضع رخصۃ''یعنی امام مالک کا مذہب نماز میں ارسال الیدین ہے یہ ان کے نزدیک عزیمت ہے۔اور باندھنا رخصت(2)عینی شرح کنز الدقائق ص250 طبع نولکشور میں ہے''قال مالک العزیمۃ فی الارسال والرخصۃ فی الوضع والاخذلان النبی کان یفعل کذالک وکذا اصحابہ حتی ینزل الدم من رؤس اصابعھم''یعنی امام مالک کا قول یہ ہے کہ عزیمت ہاتھ کھولنے میں ہے ہاں باندھنے میں بھی رخصت ہے کیونکہ جناب رسولخداؐ اور ان کے اصحاب اسی طرح کھول کر نماز پڑھتے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔(3)نووی شرح مسلم ج1ص73 میں لکھتے ہیں عن مالک رواتیین احداھما یضعھا تحت صدرہ والثانیۃ یرسلھا۔وھذہ روایۃ جمھور اصحابہ وھی الاشھر عندھم یعنی مالک سے دو روائتیں ہیں ایک یہ کہ سینہ کے نیچے باندھے۔دوسری یہ کہ کھول کر پڑھے اور یہ روایت ان کے اصحاب کے نزدیک زیادہ مشہور ہے۔(4)المیزان الکبریٰ للشعرانی ج1ص130 تا 131 طبع مصر میں ہے قول مالک فی اشھر روایتہ انہ یرسل یدید ارسالاً الخ۔یعنی مالک سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ ارسال الیدین کیا جائے۔امید ہے کہ اس مطلب کے اثبات کے لئے یہ چار شہادتیں کافی ہوں گی اور اگر کسی کی اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو وہ مالکیوں کے عمل کا مشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہے سوڈان اور مصر میں کافی تعداد میں مالکی آباد ہیں۔نیز امام مالک نے مؤطا میں ہاتھ باندھنے کے متعلق کوئی حدیث درج نہیں کی بلکہ صرف قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ دائیاں ہاتھ بائیں پر رکھیں۔فراجع۔۔۔(منہ عفی عنہ)

اور کردار کو حاصل نہ کیا جن کے گھروں میں قرآن اترا تھا سفر وحضر اور خلوت اور جلوت میں رسول اسلامؐ کے دمساز وہمراہ تھے بلکہ ان سے رسول اسلامؐ کا اسوہ وعمل معلوم کیا جن کی ولادتیں ہی وفات رسولؐ کے قریباً ایک صدی یا اس سے بھی کچھ عرصہ بعد ہوئیں ۔۔۔(چنانچہ امام اعظم کی ولادت 80ھ میں، امام مالک کی 93 یا 95 میں۔امام شافعی کی 150ھ میں اور امام احمد کی 164ھ میں ہوئی ہے۔)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے:

بہرحال اس سلسلہ میں قیاسات وخیالات کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے اسوہ نبوی کی اتباع وپیروی ضروری ہے اور اس کے لئے پہلے آپؐ کے طریقہ کار کا تعین لازم ہے سو جو کچھ کتب فریقین سے واضح وآشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے ہاتھ باندھنے کے متعلق شیعہ تو کیا کتب اہلسنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی مرفوع متصل اور صحیح حدیث موجود نہیں ہے اور نہ ہی اہلسنت کے اصول درایت کے مطابق کسی صحیح السند حدیث سے آپ کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے **قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين**۔

ع مرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

ذیل میں چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) فتاوی شیخ عبدالحی لکھنوی ج 1 ص 326 طبع اوّل میں ہے **عن معاذ ان رسول الله كان اذا قام فى الصلوة رفع يديه قبال اذينه فاذا كبر ارسلهما رواه الطبرانى** یعنی جناب معاذ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرتے اور پھر ان کو کھلا چھوڑ دیتے۔

(2) عینی شرح کنز الدقائق ص 25 طبع نولکشور سے اوپر حاشیہ ص 654 یہ قول نقل کیا جا چکا ہے کہ ''**لان النبى كان يفعل كذلك وكذا اصحابه حتى ينزل الدم من رؤس اصابعهم**'' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔

(3) سنن ابوداؤد ص 109 میں ابن عباس سے مروی ہے اگر تو پسند کرے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھے تو ابن زبیر کی اقتداء کر۔نیل الاوطار ج 2 ص 711 تسہیل القاری پ 3 ص 830 میں مذکور ہے کہ ابن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

(4) عوارف المعارف للشیخ شہید سہروردی مطبوع بر حاشیہ احیاء العلوم غزالی طبع مصر ج 3 ص () میں نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔کہ انسان کا اوپر والا حصہ انوارِ ربانیہ، تجلیات الٰہیہ اور خیالات عالیہ کا مرکز ہے اور نچلا حصہ سفلی اور شیطانی جذبات وخیالات کا محور ہے حالتِ نماز میں دونوں قسم کے جذبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے اسلئے حکم ہے کہ

نمازی ہاتھ باندھ لے تاکہ دونوں قسم کے جذبات اپنے اپنے مقام پر قائم رہیں ہاں جن بزرگوں کے جذبات عالیہ کا پلہ بھاری ہوان کو ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر چڑھ بولے

وماذا لعد الحق الا الضلال۔

عترتِ رسولؐ کا عمل بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے:

منجملہ ان قطعی دلائل کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بانیٔ اسلامؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے ایک یہ ہے کہ عترتِ رسولؐ کا عمل بھی اسی طریقہ پر تھا۔ مؤلف نے نمعلوم کس ترنگ میں آکر شیعیان علیؑ کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ کتب اہلسنت بلکہ اپنی کتابوں سے ہی آئمہ اہلبیتؑ کا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ثابت کریں ثابت وہ چیز کی جاتی ہے تو ثابت شدہ اور بالکل واضح وآشکار نہ ہو۔ مگر عترتِ رسولؐ کا کھلے ہاتھ نماز پڑھنا تو

؏ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

کا مصداق ہے۔ تاہم شکی مزاج لوگوں کے ازالہ شکوک واوہام کی خاطر فریقین کی کتب معتبرہ سے اسوۂ اہلبیتؑ کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے

(1) علامہ وحید الزمان نے اپنی کتاب تسہیل القاری شرح بخاری پ 3 ص 840 تا 847 پر نماز میں ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”اگر واجب ہوتا تو اہلبیت کرام اس کو کیونکر ترک کرتے پس یہ ترک دلیل ہے اس کے سنت ہونے کی (پھر لکھا) بالجملہ امام مالک اور امام محمد باقرؑ اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن زبیر اور حسن بصری اور لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہم سے ارسال منقول ہے تو معلوم ہوا کہ سلف امت میں اس مسئلہ میں خلاف تھا۔ الخ ۔۔۔۔۔“ (کذا فی العینی شرح البخاری ج 3 ص 15) جس دلیل سے علامہ صاحب نے ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر واجب ہوتا تو اہلبیتؑ اس کو ترک نہ کرتے بعینہٖ اسی دلیل سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ فعل سنت بھی نہیں ہے ورنہ آئمہ اہلبیتؑ ہرگز سنتِ رسولؐ سے روگردانی نہ کرتے؟

(2) امام شوکانی نے نیل الاوطار ج 2 ص 76 طبع مصر پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عترتِ رسولؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور جہاں تک شیعی کتب سے ثبوت کا تعلق ہے وہ تو عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔

(3) فروع کافی ج 1 ص 181 بروایت صحیحہ جناب حماد سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کا دو رکعت نماز بغرض تعلیم پڑھنا مروی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ فقام ابو عبد اللہ مستقبل القلة متصباً فارسل یدیه جمیعاً علی فخدیه الخ یعنی امام قبلہ رو ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ کھول دیئے۔

(4) فروع کافی ج 1 ص 198 پر مذکور ہے امام محمد باقرؑ نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں وارسل یدیک و لا تشبک اصابعک ولیکونا فخدیک قبالۃ رکبتیک یعنی نماز پڑھتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دے اور ان کو زانوؤں کے بالمقابل رانوں پر رکھ اور انگلیاں ایک دوسرے کے اندر نہ پھنسا (کذافی تہذیب الاحکام ج 1 ص 157 و کذا فی دعائم الاسلام عن علی علیہ السلام)

(5) جناب محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقرؑ یا امام جعفرؑ صادق سے دریافت کرتے ہیں ''الرجل یضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ'' ایک آدمی نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے یعنی یہ کیسا ہے؟ فرمایا ''ذالک التکفیر فلا تفعل'' یہ تکفیر ہے ایسا مت کرو۔ فانما یضع ذالک المجوس یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ تہذیب الاحکام ج 1 ص 158 من لا یحضر الفقیہ ج 1 ص 99 لغت عرب میں تکفیر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے کئے گئے ہیں (صراح، منتہی الارب وغیرہ) ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید۔

سب سے پہلے عمر نے نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دیا:

آئمہ اہلبیتؑ کے اس فرمان ''کہ ہاتھ مت باندھو کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے''۔ سے ایک اہم سربستہ راز کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے کہ یہ رسمِ بد بدقسمتی سے مسلمانوں میں مجوسیوں سے آئی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتح قادسیہ کے موقع پر جب مجوسی جنگ ہار گئے اور جو قتل ہونے سے بچے انہیں قید کر کے دربار خلافتِ (ثانی) میں لایا گیا تو ان کی اس وقت یہ حالت تھی کہ ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ عمر کو ان کی یہ ہیئت بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسی حالت میں خدا کی بندگی کریں کہ اس سے عاجزی وانکساری ظاہر ہوتی ہے اس کے بعد ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا رواج ہوا (الاوائل از علامہ ابو ہلال عسکری خطی)

مؤلف کے بیان کردہ دلائل کے جوابات:

مذکورہ بالا حقائق کے واضح واجاگر ہوجانے کے بعد اب ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ مؤلف کے بیان کردہ دلائل یا بالفاظ مناسب قیاسات کے جوابات پیش کرتے ہیں لیھلک من ھلک عن بیّنۃٍ و یحیٰ من حیّ عن بیّنۃٍ

دلیلِ عقلی کا جواب:

شرعی احکام توقیفی وتعبّدی ہیں۔ ان میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر بقول مؤلف ''ہاتھ کھولے اکڑ کر سیلوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے''۔ ''تو ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہونا بھی'' ہر شاہی دربار کا نہیں بلکہ صرف مجوسیوں کا

آئین ہے۔ اسلئے عقلاً بھی اسلامی طریق عبادت اس سے جدا ہونا چاہیئے۔ حدیث نبویؐ میں وارد ہے کہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام کرنا نصاریٰ کا، جھک کر سلام کرنا مجوس کا طریقہ ہے اور تم ہو مسلمان اسلئے تمہارا سلام ان سب سے جداگانہ ہے (کنز العمال) عجز وانکسار کا طریقہ وہی پسندیدہ کردگار ہوسکتا ہے جو اس کے حکم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو کہ خود ساختہ ہو اگر ذاتی قیاس کو مدارِ احکام قرار دیا جائے تو کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ہاتھوں کا باندھنا ہر ملک وملّت میں مجرموں کی علامت ہے یعنی ہاتھ ہمیشہ مجرموں کے باندھے جاتے ہیں۔ نہ کہ بے قصوروں کے!

پہلی دلیل نقلی کا جواب:

اس ساری دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ''نحر'' کے معنی لغتِ عرب میں ہاتھ باندھنے کے ہیں حالانکہ یہ بات ثابت نہیں ہے۔ اسوقت لغت کی مشہور ومقبول لغت المنجد ص 797 طبع پانزدہم بیروت ہمارے پیش نظر ہے اس میں ''**نحر المصلی فی الصلوۃ**'' کے یہ معنی لکھے ہیں ''**انتصب و نہد صدرہ**'' یعنی سینہ تان کر سیدھا کھڑا ہوگیا اس میں دائیں ہاتھ کے بائیں پر باندھنے کا وہ اضافہ ندارد ہے جو قاموس میں مذکور ہے صاحبِ قاموس چونکہ سنی مسلمان ہیں اس لئے انہوں نے اپنی کتب تفسیر میں کہیں ''نحر'' کے معنی ہاتھ باندھنے کے دیکھ لئے ہوں گے۔ اور لغت نویسی کے وقت اسکو لغت میں جگہ دے دی۔ مگر المنجد کا مؤلف چونکہ عیسائی ہے۔ اسے شیعہ وسنی کے نزاعی مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلئے اس نے اس کے صرف وہی معنی بیان کئے ہیں جو لغت عرب میں ہیں۔ اس نے اس لفظ کو شیعہ یا سنی بنانے کی کوشش نہیں کی ان معنوں کی نسبت جو جناب امیر علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے وہ بناء الفاسد علی الفاسد کی بدترین مثال ہے۔ وہ باب مدینۃ العلم النبویؐ جو خود ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہوں (جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جاچکا ہے) وہ اس لفظ کے وہ معنی بیان کریں (ہاتھ باندھا) جو لغتِ عربی کی رو سے بھی درست نہ ہوں

؏ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

یہی وجہ ہے کہ علماء اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آنجناب کی طرف اس معنی کی نسبت درست نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں سورۃ الکوثر کے ذیل میں لکھتے ہیں ''**وقیل المراد بقول وانحر وضع الید الیمنیٰ علی الیسریٰ تحت النحر یروی ہذا عن علی ولا یصح**'' یعنی کہا گیا ہے کہ ''نحر'' کے معنی میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا یہ معنی حضرت علیؑ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ (2) مغنی علی دار قطنی طبع دہلی ص 106 ج 1 پر بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ (3) اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل نووی نے شرح مسلم ج 1 ص 173 میں لکھا ہے **ضعیف متفق علی تضعیف و عبد الرحمن بن اسحاق الواسطی ضعیف بالاتفاق** (4) ایسا ہی افادہ علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابی داوٗد ص 186 میں فرمایا ہے اثبات مدعا کیلئے یہ چار معتبر شہادتیں کافی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نحر سے مراد بروز عید قربان قربانی کرنا ہے (یا بطور معنی مجازی رفع

یدین) مؤلف کے فرزند نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے کہ سورہ کوثر مکی ہے اور قربانی کا وجوب مدینہ میں نازل ہوا یہ محض ان کا ذاتی خیال ہے حالانکہ تفسیر جلالین میں "نحر" کے معنی قربانی کرنا لکھے ہیں اور اس مفہوم کو عکرمہ، عطا، قتادہ، سعید ابن جبیر اور مجاہد کا قول قرار دیا ہے کیا ان تابعین کو معلوم نہ تھا کہ قربانی کب واجب ہوئی ہے؟

؎ در حیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

مالکم کیف تحکمون؟

دوسری دلیل کا جواب:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو دوسری قرآنی دلیل پیش کی ہے اور اس کے پیش کرنے میں مختلف مقامات سے مختلف آیات کے جملے باہم جوڑے ہیں اس پر بے ساختہ کسی شاعر کا یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے

؎ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ☆ بھان متی نے کنبہ جوڑا

بھلا اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے۔ سورہ طہ اقم الصلوٰۃ لذکری کا سورہ قصص کی آیت واضمم الیک جناحک من الرھب سے کیا تعلق ہے؟ جب آپ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس جگہ "اقم الصلوٰۃ مذکور نہیں"۔ تو پھر آپ کو یہ وحی کس نے کی ہے کہ لیکن "حکماً گویا وہی حکم یہاں موجود ہے"۔

؎ سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت ☆ در حیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید

تیسری دلیل:

یہ دلیل بچند وجہ علیل ہے اوّلاً۔ یہ حکم عورت کیلئے وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ثانیاً۔ اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں بلکہ سینہ کے اوپر الگ الگ ہاتھ رکھنے کا حکم ہے تاکہ مقام ستر پوشیدہ رہے۔ ثالثاً۔ عورت اور مرد کے احکام میں بہت سے فروق ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اور فرق اسی حدیث میں مذکور ہے کہ مرد کو پاؤں کے درمیان چار انگشت سے لیکر ایک بالشت تک فاصلہ رکھنا مستحب ہے مگر عورت کیلئے پاؤں ملا کر رکھنا مستحب ہے۔ الیٰ غیر ذالک من فروق۔ کثیرۃ۔

چوتھی دلیل:

یہ دلیل بدو وجہ علیل ہے۔ اوّلاً اسلئے کہ جناب امیرؑ کا ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے (جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر مفصل بحث کر کے اس خیال کا ابطال کیا جا چکا ہے) ثانیاً۔ بفرض تسلیم اگر کبھی صف میں پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی بھی ہو (اقتداء کی نیت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) تب بھی مؤلف کا پیدا کردہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابو بکر خود ہاتھ کھول کر نماز

پڑھتے تھے۔ابھی اوپر ثابت کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے عمر نے نماز میں ہاتھ باندھے اور باندھنے کا حکم دیا۔ہم اہلسنت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپنی صحاح ستہ سے ابوبکر کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت کر کے منہ مانگا انعام حاصل کریں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

مؤلف کے سوال و جواب پر تبصرہ:

مؤلف نے اس مقام پر شیعہ استدلال اور پھر اس کا جواب پیش کر کے کسی اچھی ذہانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انسان یا تو دوسرے فریق کا استدلال پیش نہ کرے اور اگر کرے تو پھر دیانتداری کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کا صحیح وزنی استدلال پیش کر کے جواب دے۔ مگر افسوس مؤلف ہر جگہ دوسرے فریق کے دلائل و براہین کو نظر انداز کر کے صرف جاہلوں سے سنی سنائی باتوں کو شیعہ کا استدلال ظاہر کر کے پہلے اس پر سوقیانہ فقرے کستے ہیں اور پھر ان کا جواب دینے پر زور قلم صرف کرتے ہیں چنانچہ اس مقام پر انہوں نے شیعوں کے جو استدلال نقل کئے ہیں وہ ہمارے اس دعویٰ کی منہ بولتی تصویر ہیں ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ ہمارے کس ذمہ دار عالم نے ان آیات سے ہاتھ کھولنے پر استدلال کیا ہے؟ اور اگر ثابت نہیں تو پھر

یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

ہاتھ کھولنے کا جواز محتاج دلیل نہیں ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کا جواز کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ پیدا ہوتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے۔الغرض ہر حالت میں فطرۃً ہاتھ کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اسلام ہے دین فطرت **فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا** فلسفہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ تحصیل حاصل محال ہے کھڑے ہوئے آدمی کو کہنا کھڑے ہو جاؤ یا بیٹھے ہوئے کو کہنا کہ بیٹھ جاؤ۔ حماقت ہے اور اس کی تعمیل محال ہے۔۔۔لہٰذا اگر خدا فرماتا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھو (جبکہ ہاتھ پہلے ہی کھلے ہوئے تھے) تو یہ امر اس کی حکمت کے منافی ہوتا۔ البتہ اگر خدا کو (فطرت کے خلاف) ہاتھ بندھوانا مطلوب ہوتے تو باندھنے کا حکم دیتا۔مگر جب اس نے کہیں ہاتھ باندھنے کا حکم نہیں دیا تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ فطرت کے مطابق کھلے ہاتھ نماز پڑھوانا چاہتا ہے۔ **وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔**

اہلسنت سے دو باتیں:

احقاق حق اور ابطال باطل ہو چکا۔اب اس سلسلہ میں ارباب انصاف کی خدمت میں صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں اوّل یہ کہ شیعہ و سنی میں جو کچھ اختلاف ہے وہ ہاتھ کھول کر یا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے متعلق ہے! اب قابل غور بات یہ ہے کہ نماز کس چیز کا نام ہے! آیا صرف قیام کا؟ یا رکوع و سجود اور قعدہ و قعود بھی اس میں شامل ہیں اور اگر یہ سب امور حقیقتِ نماز میں داخل ہیں (اور

یقیناً داخل ہیں) تو پھر حضرات شیعہ تو تمام نماز ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔لہٰذا اہلسنت کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی تمام نماز ہاتھ باندھ کر پڑھیں (اور پھر صرف دو رکعت پڑھ کر دیکھیں کہ کیا حشر ہوتا ہے؟) یا قیام کے علاوہ دوسرے ارکان کو نماز نہ کہیں؟ یہ کیا مذاق ہے کہ قیام میں تو ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ مگر باقی سب حالتوں میں کھلے چھوڑ دیے جاتے ہیں اس طرح یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا قیام ہاتھ باندھ کر عمل میں لایا گیا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی گئی۔ دوم یہ کہ اہلسنت کے آئمہ اربعہ میں سے امام مالک ہاتھ کھول کر اور باقی تینوں باندھ کر پڑھتے اور پڑھاتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ہاتھ باندھنے کو واجب نہیں قرار دیتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہاتھ کھول کر نماز پڑھے تو ان تینوں اماموں کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں۔ جبکہ آئمہ اہلبیتؑ کے نزدیک نماز میں ہاتھ کھولنا واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (مدارک الاحکام وغیرہ) دریں حالات عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ ہاتھ باندھنے میں خطرہ اور کھولنے میں یقیناً سلامتی ہے۔ اہلسنت میں سے کوئی صاحب عقل وانصاف ہے جو ضدّ اور تعصب کو چھوڑ کر کشتی نجات اہلبیتؑ پر سوار ہو جائے؟ ولنعم ما قیل

وان شئت البراۃ من سعیر ☆ واجراً من الله بالصلوٰۃ

فلا تبطل صلوتک بالضلالۃ ☆ فھا ارکب یا اخی فلک النجاۃ

ان حقائق میں ارباب دانش وبینش کیلئے لمحۂ فکریہ ہے۔

مسئلہ تکبیرات جنازہ:

چونکہ تکبیرات جنازہ دوسری نماز کی رکعات کی بجائے ہیں اور کوئی فرض چار رکعت سے زیادہ نہیں اس لئے شیعہ کا پانچ تکبیر جنازہ کا قائل ہونا قول بلا دلیل ہے ہم اس سے پہلے فروع کافی ج 3 ص 30 کتاب الروضۃ سے طولانی حدیث لکھ چکے ہیں کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے عہد میں بھی وہی امور قائم رکھے جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں نافذ تھے۔ فدک ورثاء فاطمہ کو دے نہ سکے۔۔۔تراویح موقوف کرنہ سکے نہ پانچ تکبیرات جنازہ پڑھا سکے۔۔۔تو اب شیعہ اس کے خلاف کرنے کے کس طرح مجاز ہیں؟

دوم: فروع کافی ص 95 میں حدیث ہے۔۔۔آنحضرتؐ پہلے۔۔۔پانچ تکبیر پڑھا کرتے تھے لیکن جب منافقین کا جنازہ پڑھنے کی ممانعت ہوگئی تو پھر چار تکبیر ہی پڑھا کرتے تھے یہ ہیں (پھر یہاں اسی مذکورہ بالا مضمون کی حدیث نقل کی۔۔۔آخر میں ہے بعینہٖ یہی حدیث من لا یحضرہ الفقیہ ص 50 اور علل الشرائع میں بھی موجود ہے)۔۔۔۔اس حدیث سے جو جناب صادقؑ سے مروی ہے بالتصریح ثابت ہوا کہ پانچ تکبیر نماز جنازہ کا عمل رسولؐ ابتداء میں تھا جب تک منافقین پر نماز پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آخری فعل رسولؐ ہی حجت ہوا کرتا ہے۔۔۔ہماری کتابوں میں یوں تصریح موجود

ہے صلی جبرئیل علی آدم و کبر علیه اربعاً (دارقطنی) آدم پر جبرائیل نے مع ملائکہ نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔اسی کتاب دارقطنی ج1 ص90 پر حضرت انس سے روایت ہے۔۔۔۔رسولپاک ﷺ کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھی گئیں حضرت عمر نے ابوبکر پر، صہیب نے جنازہ عمر پر حضرت حسن نے حضرت علی پر امام حسین نے حضرت حسن پر چار تکبیریں پڑھیں۔اہلسنت کی جملہ کتب حدیث میں تصریح ہے کہ آخری عمل رسولپاک ﷺ جنازہ نجاشی کے بعد چار تکبیر نماز جنازہ پڑھا۔اب شیعہ کو ضد چھوڑ دینا چاہیئے واللہ الھادی۔۔۔(آفتاب ص344)

الجواب:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے اوّلاً یہ کہنا کہ چار تکبیر چار رکعت کے قائم مقام ہے موصوف کا طبعزاد خیال ہے جس کی تائید خدا، اس کے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے ارشادات سے نہیں ہوتی۔اس لئے وہ کسی کیلئے حتی کہ صاحبِ خیال کیلئے حجّت نہیں ہے اگر عقلی دلیل پر ہی بنیاد قائم کرنا ہے تو پھر کیوں نہ آئمہ اہلبیتؑ کے فرمان کو تسلیم کیا جائے کہ چونکہ پانچ وقت کی نماز واجب ہے اس لئے نماز جنازہ میں ہر نماز کی جگہ ایک تکبیر مقرر کی گئی ہے (جیسا کہ فروع کافی ج1 ص95 سے حضرات صادقین سے مروی ہے) ثانیاً مؤلف نے جہاں فروع کافی ج3 ص30 کا حوالہ دیا ہے ہم نے بھی اس مقام پر اسپر مکمل تبصرہ کر دیا ہے یہ درست ہے کہ جناب امیر علیہ السلام حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے حسب منشا شرعی اصلاحات نافذ نہ کر سکے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ انکے بدعت ہونے کا زبانی اظہار بھی نہ کر سکے یا یہ کہ العیاذ باللہ خود بھی بدعات ثلاثہ پر عمل کرتے رہے کیا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ وارد ہے کہ آپ نماز تراویح پڑھتے تھے؟ یا چار تکبیر نماز جنازہ پڑھاتے تھے؟ حاشا وکلا!

ثالثاً: فروع کافی ج1 ص95 سے مؤلف نے جو روایت پیش کی ہے (اور زیادہ تر اسی پر اپنے استدلال کی دیوار استوار کی ہے) یہ محض ان کی خوش فہمی ہے ورنہ عند التامل اس سے ان کی تردید ہوتی ہے نہ تائید۔

آنحضرت ﷺ اہل ایمان پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے:

اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جس باب سے یہ محولہ بالا حدیث لی گئی ہے اس کا عنوان ہے ''**علّة تکبیر الخمس علی الجنازة**'' اس میں کل پانچ حدیثیں درج ہیں۔پانچ تکبیروں کے وجوب کی علت وہی بیان کی گئی ہے جو ہم نے اوپر لکھ دی ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر نماز ہائے پنجگانہ میں سے ایک نماز کے قائمقام ہے اس حدیث کا صاف اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ جب تک منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی آنحضرت ﷺ سب مرنے والوں پر پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے البتہ اس ممانعت کے بعد منافقین پر چار اور مؤمنین پر پانچ پڑھا کرتے تھے اس امر کی مزید وضاحت حدیث 2 سے ہوتی ہے۔اس

میں صراحت موجود ہے کہ ''کان رسول اللہ یکبر علی قوم خمساً و علی قوم آخرین اربعاً فاذا کبر علی رجل اربعاً اتھم ''یعنی بالاتفاق آنحضرت ﷺ کچھ لوگوں (اہل ایمان) پر پانچ اور کچھ لوگوں (اہل نفاق) پر چار تکبیریں پڑھتے تھے پس جب آپ کسی آدمی پر چار تکبیریں پڑھتے تو اسے منافق سمجھا جاتا تھا۔(فروع کافی ج 1 ص 95 طبع نولکشور) اب معلوم ہو گیا کہ پانچ تکبیریں پڑھنا علامتِ ایمان اور چار تکبیریں پڑھنا علامتِ نفاق ہے۔مبارک باشد!

اہلسنت کے ہاں تکبیراتِ جنازہ میں سخت اختلاف ہے:

تکبیرات جنازہ کی مقدار کے متعلق اہلسنت میں شدید اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے صحابہ کس قدر پڑھا کرتے تھے؟ شرح مسلم نووی ج 1 ص 309 پر حضرت علیؑ سے عمل رسولؐ اس طرح مروی ہے کہ آپ اہل بدر پر چھ اور دوسرے صحابہ پر پانچ تکبیر پڑھا کرتے تھے۔مخفی نہ رہے کہ کتاب نصب الرایہ ص 143 پر جناب امیرؑ کا اپنا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے، میزان کبریٰ شعرانی ج 1 ص 195 پر ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بعض پر نو بعض پر سات اور بعض پر چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ان حقائق کی بنا پر علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابن ماجہ ج 1 ص 508 پر لکھا ہے۔چار تکبیروں پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے صحابہ میں اختلاف مشہور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ پانچ تکبیروں پر عمل نہ کیا جائے جب حدیث صحیح اس باب میں وارد ہوئی با وجودیکہ اس میں زیادت ہے اور زیادت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

چار تکبیروں پر اجماع بدعت ہے:

ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ چار تکبیروں پر لوگوں کو عمر نے جمع کیا چنانچہ تاریخ الخلفاء ص 137 طبع مصر جدید باب ''اولیات عمر'' میں لکھا ہے و اول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات یعنی عمر پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔(کذافی الفاروق للشبلی ص 256 طبع لاہور) اب تو یہ حقیقت کھلکر سامنے آ گئی کہ اہل اسلام و ایمان پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنا سنت رسولؐ نہیں بلکہ بدعت عمر ہے۔(و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ سبیلھا الی النار کنز العمال)

رسولؐ و آل رسولؐ پر پانچ تکبیریں پڑھی گئیں:

رابعاً عمر نے ابو بکر پر یا صہیب نے عمر پر کس قدر تکبیر پڑھیں؟ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن جہاں تک جناب رسولخدا ﷺ اور آئمہ ہدیٰؑ کے جنازوں کا تعلق ہے ان پر ہماری روایات کے مطابق بالاتفاق پانچ اور برادرانِ اسلام کے مطابق پانچ یا اس سے کم و بیش پڑھی گئیں۔چنانچہ کنز العمال ج 4 ص 57 پر مروی ہے کہ جناب عباسؓ اور حضرت علیؑ نے جناب رسولخدا ﷺ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔۔اسی طرح مسک الختام شرح بلوغ المرام ص 431 میں (علی ما نقہ فی الفلک) کہ حضرت علیؑ نے جناب

سیدہؑ پر اور امام حسنؑ نے حضرت امیرؑ پر اور محمد بن الحنفیہ نے جناب ابن عباس پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔ مگر صواعق محرقہ ص 80 طبع قدیم پر جناب امام حسنؑ کا سات اور طبری ج 5 ص 86 پر 9 تکبیریں پڑھنا مروی ہے لہٰذا دار قطنی اور صواعق وغیرہ کی روایات باہمی تعارض کی وجہ سے درجۂ اعتبار سے ساقط ہوگئیں اور پانچ تکبیر پڑھنے والی روایت بلا معارض اور بے غبار واضح وآشکار ہوگئی ہے **الحمد للہ علی وضوح الحق**

؎ نہ اس پر بھی اگر سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

کیا کوئی صاحب عقل وانصاف اہلسنت ہے جو آنکھوں سے تعصب وعناد اور تقلیدِ آباؤ اجداد کی پٹی اتار کر ان حقائق پر غور وفکر کرنے کے بعد پانچ تکبیر نماز جنازہ والے صحیح قول کو اختیار کر کے سفینۂ اہلبیتؑ پر سوار ہو جائے۔

؎ ادھر آ بحرِ آلؑ مصطفیٰ میں ڈال دے کشتی ☆ جو اس میں ڈوب جائے اس کا بیڑا پار ہوتا ہے

تیسرا مسئلہ پاؤں کا مسح:

ہر مذہب کے مسلمان وضو میں پاؤں دھونا فرض سمجھتے ہیں لیکن شیعہ عقل ونقل کے خلاف پاؤں دھونے کی بجائے مسح کی فرضیت کے قائل ہیں یہ عجیب بات ہے کہ منہ ہاتھ جن پر نجاست پڑنے کا بہت کم احتمال ہے تو دھوئے جائیں لیکن پاؤں جن کے پلید ہونے کا احتمال ہے ان پر مسح کر لینا کافی سمجھا جائے جو اعضاء کھلے رہتے ہیں مثلاً منہ ہاتھ پاؤں چونکہ گرد وغبار پاک پلید اڑ کر۔۔۔ پڑا کرتا ہے اس لئے شارع نے۔۔۔ ان کا دھونا فرض قرار دیا ہے لیکن سر چونکہ ہر وقت ڈھکا رہتا ہے اس کی نجاست کا احتمال نہیں۔۔۔ اس لئے تبرید دماغ کیلئے اس کا مسح کر لینا کافی۔۔۔ ہے لیکن شیعہ چونکہ عقل کے دشمن ہیں اور پھر دوسرے مسلمانوں سے خلاف کرنا ان کا شیوہ ہے۔ پاؤں دھونے کے بجائے ان پر مسح کر لیا کرتے ہیں۔۔۔ خدا نے قرآن میں سب سے پہلے منہ دھونے کا حکم دیا ہے لیکن شیعہ۔۔۔ منہ دھونے سے اوّل پاؤں دھویا کرتے ہیں۔ کافی کلینی کی حدیث: اس کے متعلق بھی فروع کافی ج 1 ص 19 سے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے **وان نسیت مسح رأسک حتی تغسل رجلیک فامسح رأسک ثم اغسل رجلیک** (امام صادقؑ نے فرمایا اگر سر کا مسح بھول جائے اور پہلے پاؤں کو دھو ڈالے تو سر کا مسح کرلے اور بعد ازاں پاؤں دھو ڈالے) اس حدیث سے بالصراحت ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے۔۔۔ اگر پاؤں دھونا فرض نہیں بلکہ ازالہ نجاست منظور تھا۔۔۔ تو پہلے دھونے سے ازالۂ نجاست ہو چکا تھا۔ مسح سر کرنے کے بعد مکرر پاؤں دھونے کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اس حدیث کا کوئی جواب شیعہ نہیں دے سکتے!

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ☆ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

(آفتاب ص346)

الجواب:

مؤلف حسب عادت یہاں بھی گرجے تو بہت ہیں مگر برسے کچھ بھی نہیں سچ ہے کہ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں ہیں۔

مقامِ تعجب:

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ آج وہ لوگ تو قرآنی تعلیمات پر عمل درآمد کرنے کے دعویدار نظر آتے ہیں جن کے بزرگوں کو قرآن کی ایک آیت بلکہ ایک حرف کا مفہوم بھی معلوم نہ تھا (تفسیر اتقاق ج1ص115) اور جن کے مذہب کی بنیاد ہی قیاسِ بے اساس پر ہے (مسلّم الثبوت۔ نور الانوار اور توضیح تلویح وغیرہ) اور ان لوگوں کے طور وطریق کو خلافِ قرآن قرار دیا جائے جن کے امام قرآن ناطق تھے (منصب امامت شاہ اسمٰعیل دہلوی) اور جن کے مذہب حق کا دار و مدار ہی قرآن، نبی آخر الزمانؐ اور ان کی عترت علیہم السلام کے فرمان پر ہے

؎ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

بہرحال مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بالکل خلافِ واقع ہے اور بفضلِ ایزدی شیعیان حیدر کرارؑ کا عمل و کردار قرآن وسنت سید ابرارؐ اور طریقہ عترتِ اطہار کے عین مطابق ہے البتہ اہل السنہ ہونے کے دعویداروں کا عمل جہاں تعلیماتِ قرآن کے خلاف ہے وہاں سنتِ نبویہ کے بھی برعکس ہے لہٰذا ان کا اہلسنت کہلانا

؎ برعکس نہند نام زنگی کافور

کا مصداق ہے۔

منشاء اختلاف کی نشاندہی:

مذکورہ بالا اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے یا ان کے دھونے کا شیعہ وسنی اختلاف آیت وضو ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ'' (المائدہ آیت 6) میں وارد شدہ لفظ ''وارجلکم'' کی قرأت کے اختلاف پر مبنی ہے چنانچہ قراء سبعہ میں سے چار قراء ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور عاصم نے ''ارجلکم'' کی لام پر کسرہ (زیر) اور باقی تین قاریوں نے اس پر فتحہ (زبر) پڑھا ہے (تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی ص 545 ج3 طبع مصر) اہلسنت کے نزدیک یہ ہر دو قرأتیں مشہور (تفسیر کبیر

ج3ص545 منہاج السنۃ ج2ص152) بلکہ متواتر ہیں (تحفہ اثنا عشریہ ص23 طبع لکھنؤ)

قرأت اہلبیتؑ "ارجلکم" کی زیر ہے:

اگرچہ آئمہ اہلبیتؑ کے فرمان سے زیر والی قرأت کی تائید مزید ہوتی ہے (ملاحظہ ہو قرأتِ حسنین شریفین علیہما السلام جامع البیان ابن جریر ج10ص55 طبع مصر، قرأت امام محمد باقرؑ تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ تفسیر ابن جریر ج6ص74 و تفسیر جامع البیان ابن جریر ج6ص73 تا74)

آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا قول ہو وہی سب کا قول ہوتا ہے:

یہ حقیقت ارباب بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ کے قول وفعل میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ "**قول واحد منهم قول باقیهم**" یعنی ان میں سے جو ایک کا قول ہو وہی سب کا قول ہوتا ہے (دراسات اللبیب ص35 طبع لاہور) اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کا ماخذِ احکام بھی ایک ہے (قرآن وسنّت) اور سب کا علم وفضل اور فہم وادراک بھی ایک (**صغارهم و كبارهم فى الفضل سواء**۔ ہفتم بحار الانوار) بنابریں سب آئمہ اطہار کی قرأت یہی سمجھی جائیگی۔

ہر دو قرأت کی بنا پر مسح پا ثابت ہے:

بہرکیف کہا جاتا ہے کہ اگر "ارجلکم" کی لام پر زبر پڑھا جائے تو اس سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور اگر اس پر زیر پڑھی جائے تو اس سے مسح ثابت ہوتا ہے (تفسیر جامع البیان نواب صدیق حسن خان ص95۔ تفسیر وحیدی پ6ص242 حاشیہ نمبر5 طبع لاہور) مگر ہم کہتے ہیں کہ "ارجلکم" کو خواہ لام کی زبر سے پڑھا جائے اور خواہ لام کی زیر سے، بہر حال اس سے پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے نہ کہ دھونا۔ اس ابہام کی بقدر ضرورت توضیح یہ ہے کہ اگر اس پر زیر پڑھی جائے تب تو باتفاقِ فریقین اس سے پاؤں کا مسح ہی ثابت ہوتا ہے (ملاحظہ ہو۔ تفسیر کبیر ج3ص546 فتح البیان ج3ص26۔ تفسیر خازن ج1ص441۔ تفسیر بیشاپوری بر حاشیہ ان جریر ج6ص68 وغیرہا)

جرِّ جوار والا قول باطل ہے:

کیونکہ اس صورت میں "ارجلکم" کا عطف "برؤسکم" کے لفظ پر ہوگا جو کہ "فامسحوا" کے تحت واقع ہے (معنی یہ ہوں گے کہ مسح کرو سروں کا اور پاؤں کا) اور یہ بات اہل علم کیلئے محتاج بیان نہیں ہے کہ اگر مجرور پر عطف کیا جائے تو حرفِ جار کا اعادہ لازم نہیں ہوتا جیسا کہ ان آیات میں جار کا اعادہ نہیں کیا گیا

یا ایها الذین آمنوا بالله و رسوله ☆ انهم كفروا بالله و رسوله

شیخ سعدی اپنی مشہور نعتیہ رباعی میں کہتے ہیں

ے حسنت جمیع خصالہٖ ☆ صلوا علیہ وآلہٖ

اور یہ جو بعض کم علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ جرّ (زیر) جرّ جوار ہے (یعنی بروٴسکم کے پاس واقع ہونے کی رعایت سے اس پر زیر پڑھی گئی ہے ورنہ فی الواقع اس پر فتحہ (زبر) ہے) یہ قول آئمہ نحو اور خود محققین اہلسنت کی تصریحات کی رو سے غلط اور باطل ہے اور اس کے بہت سے وجوہ ہیں۔ بنظر اختصار صرف دو وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (1) وجہ اوّل: جرِّ جوار وہاں جائز ہوتی ہے جہاں معنیٰ کلام میں اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو جبکہ اس آیت میں معنیٰ کے تبدیل ہونے کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ اگر لام پر زیر پڑھی جائے تو اس سے پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ (2) وجہ دوم: جرّ جوار حرف عطف (واو) کے بغیر ہوتی ہے مگر اس جگہ حرفِ عطف (واو) موجود ہے (وارجلکم) علاوہ بریں جرِ جوار کو صرف ضرورت شعری وغیرہ کیلئے جائز سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ بلا ضرورت وہ کلام فصیح میں واقع نہیں ہوتی ۔۔۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج3 ص545 تا546 تفسیر خازن ج1 ص441 وغیرہ) اور اگر لام پر زبر پڑھی جائے تب بھی اصل مدعا پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ اس صورت میں بھی پاؤں کا مسح ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں ''ارجلکم'' کا عطف ''بروٴسکم'' کے لفظ کے بجائے اس کے محل پر ہوگا۔ جو کہ ''فامسحوا'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ چنانچہ امام نحو رضی شرح کافیہ ج1 ص21 ج2 ص273 طبع مصر میں لکھتے ہیں ''فاذا عطف علی المجرور فالحمل علی الجر الظاهر اولی من النصب المقدر وقد یحمل علی المحل کما فی قولہٖ تعالیٰ فامسحوا بروٴسکم وارجلکم علی النصب'' یعنی جب ایسے مجرور پر عطف کیا جائے جس میں (زبر پوشیدہ ہو) تو پوشیدہ زبر سے ظاہری زیر پر حمل کرنا بہتر ہوتا ہے۔ مگر کبھی اس مجرور کے محل پر بھی عطف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت وضو میں ارجلکم کا (بنا بر قرأت زبر) ''بروٴسکم'' کے محل پر عطف کیا گیا ہے (کذافی تکملۃ عبد الغفور للفاضل عبد الحکیم السیالکوٹی ص 489 طبع لکھنو) یا یہ منصوب بنزع الخافض متصور ہوگا۔ یعنی دراصل ''ارجلکم'' تھا جس سے حرفِ جار (ب) ہٹا دیا گیا جسکی وجہ سے اس پر زبر آ گئی۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔

''ارجلکم'' کا عطف ''وجوھکم'' پر کسی طرح جائز نہیں ہے:

یہ جو کہا جاتا ہے (اور اسی پر اہلسنت کے عمل کی بنیاد قائم ہے) کہ ''ارجلکم'' کا (بنا بر زبر) ''وجوھکم'' پر عطف ہے جو ''فاغسلوا'' کا مفعول ہے یہ بدو وجہ غلط ہے۔ اوّلاً اس صورت میں معطوف (ارجلکم) اور معطوف علیہ (وجوھکم) کے درمیان اجنبی جملے (فامسحوا بروٴسکم) کا فاصلہ لازم آتا ہے جو کہ نحوی نقطہ نظر سے غلط ہے چنانچہ کبیری شرح مُنیۃُ المصلی ص 15 طبع لاہور میں ''ارجلکم'' کا عطف ''بروٴسکم'' کے محل پر ثابت کرنے کے بعد ''وجوھکم'' پر اس کے عطف کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے ''لا متناع العطف علی المنصوب بالفصل بین العاطف والمعطوف علیہ بجملۃ اجنبیۃ والا عدل ان لا ینفصل بمفردٍ فضلاً عن

الجملة ولم يسمع فی الفصيح نحو ضربت زيداً و مررتُ بعمر و بكراً بعطف بكراً علی زيداً ''یعنی ارجلکم کا عطف اجنبی جملہ کے فاصلہ کی وجہ سے منصوب (وجوھکم) پر ممنوع ہے کیونکہ صحیح قانون کی بنا پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مفرد کا فاصلہ بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ جملہ کا کبھی ایسا کلام فصیح نہیں سنا گیا کہ **ضربت زيداً و مررت بعمر و بكراً**۔ بایں طور کہ بکراً کا عطف زیداً پر کیا جائے جس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ مارا میں نے زید کو اور میں گذرا عمرو کے پاس سے اور بکر کو (یعنی بکر کو مارا) ایسا کلام تو کوئی عام فصیح و بلیغ بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ خالق فصحاء ایسا کلام کرے؟ ثانیاً قاعدہ یہ ہے کہ جب دو متضاد حکم دیے جائیں اور کوئی چیز دوسرے جملہ کے تحت واقع ہو تو اس کا تعلق دوسرے جملہ سے ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہیر پھیر کر کے اسے پہلے جملے سے مربوط کیا جائے تو اس طرح کلام درجہ فصاحت سے گر جاتا ہے مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کو یوں دو حکم دے کہ اضرب زیداً و بکراً و اکرم خالداً و عمرواً تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ زید و بکر کو مارو اور خالد و عمرو کا اکرام کرو لیکن اگر عمرواً کو کھینچ تان کر اضرب کے تحت داخل کیا جائے اور مطلب یہ بیان کیا جائے کہ مارو زید و بکر کو اور اکرام کرو خالد کا اور عمرو یعنی عمرو کو بھی مارو تو اس طرح کلام درجہ فصاحت سے ساقط ہو جائے گا اگر کوئی متکلم یوں خبر دے کہ اکرمت زیداً و بکراً و مررت بخالد و عمرو یا عمرواً تو اس کا صحیح وسادہ مفہوم یہی ہوگا کہ میں نے زید و بکر کا اکرام کیا اور خالد و عمر کے پاس سے گذرا نہ یہ کہ میں نے زید و بکر کا اکرام کیا اور خالد کے پاس سے گذرا اور عمرو یعنی عمرو کا اکرام کیا۔ یہی صورتحال ہماری متعلقہ آیت میں ہے یہاں دو متضاد حکم ہیں ایک فاغسلوا (منہ ہاتھ دھونے کا) دوسرا فامسحوا (سر اور پاؤں کے مسح کرنے کا) دو چیزیں فاغسلوا کے تحت داخل ہیں (منہ اور ہاتھ) اور دو فامسحوا کے تحت (سر اور پاؤں) اب پاؤں کو کھینچ تان کر فاغسلوا کا معمول بنا کر اس کے تحت درج کرنا اسی طرح قانون فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے جس طرح مذکورہ بالا مثالوں میں وضاحت کر دی گئی ہے ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ ''ارجلکم'' کی لام پر خواہ زبر پڑھی جائے اور خواہ زیر بہر تقدیر پاؤں کا مسح کرنا ثابت ہے **والحمدلله علی وضوح الحق**

؎ اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں پر مسح کرتے تھے:

اب آیئے ہم مزید اتمام حجت کی خاطر کتب اہلسنّت سے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اہلبیتؑ عظام، صحابہ کرام، اور تابعین باحسان کا پاؤں پر مسح کرنا ثابت کرتے ہیں **ليهلك من هلك عن بينة و يحیٰ من حیّ عن بينةٍ** (1) عباد بن تمیم اپنے والد (تمیم) سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں **رايت رسول الله تو ضاءو مسح بالماء علی لحيته و رجليه** ۔یعنی میں نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے پانی سے داڑھی اور دونوں پاؤں کا مسح کیا (یعنی ہاتھ کا پانی خشک ہونے کی صورت میں ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر تری حاصل کی) (کنز العمال ج5 ص102 بحوالہ ان ابی شیبہ، احمد بخاری در تاریخ عدنی،

بغوی، ہاوردی، طبرانی اور ابونعیم، قال فی الاصابۃ رجالہ ثقات)(2)ان النبی توضأفغسل وجهه و یدیه مرتین و مسح راسه و رجلیه مرتین یعنی جناب رسولخدا ﷺ نے اس طرح وضو کیا کہ منہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا اور سر اور پاؤں کا دو بار مسح کیا (کنز العمال ج5ص108 بحوالہ مسند عبداللہ بن زید مازنی)(3) تمیم بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رأیت رسول الله یتوضا ویمسح الماء علی رجلیه میں نے جناب رسولخدا ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے دونوں پاؤں پر مسح کیا (اصابہ فی تمیز الصحابۃ ج1ص185 بذیل ترجمہ تمیم بن زید انصاری۔ اس کے بعد ابن حجر نے لکھا ہے رجالہ ثقات یعنی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ کذافی نیل الاوطار ج1ص164)

جناب رسولخدا ﷺ مسح پا کا حکم دیتے ہیں:

جس طرح جناب رسولخدا ﷺ کا اپنے پاؤں پر مسح کرنا ثابت ہے اسی طرح ان کا دوسروں کو مسح پا کا حکم دینا بھی کتب اہلسنت سے ثابت ہے (1) رفاعہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا تتم صلوة لاحد حتی یسبغ الوضوء کما امره الله تعالیٰ فیغسل وجهه ویدیه الی المرفقین ویمسح براسه ورجلیه الی الکعبین یعنی کسی شخص کی نماز اس وقت تک تمام (صحیح) نہیں ہوسکتی جب تک اس طرح مکمل طور پر وضو نہ کرلے جس طرح خدا نے اسے حکم دیا ہے یعنی یہ کہ منہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے (عینی شرح بخاری ج1ص659 طبع مصر کذافی شرح معانی الاثار ج1ص21 سنن ابن ماجہ مترجم ج1ص153 سنن نسائی ج1ص279 وسنن ابی داؤد مترجم ص209 وترمذی ج1ص40 وکنز العمال ج4ص93 تفسیر درمنثور ج2ص263 بحوالہ فلک النجات)(2) سنن دارقطنی ج1ص35 طبع دہلی مذکورہ بالا حدیث کا شان ورود یوں لکھا ہے کہ رفاعہ و مالک پسران رافع بیان کرتے ہیں کہ ہم بزم رسولؐ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر وہاں نماز پڑھی فارغ ہونے کے بعد بزم رسولؐ میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آنجنابؐ نے جواب دینے کے بعد فرمایا دوبارہ نماز پڑھو کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری نماز میں کیا نقص ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس وقت تک کسی شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی جب تک وضو اس طرح نہ کرلے جس طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور سر و پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے کی بجائے ان کو دھوتے ہیں تو وضو کے غلط ہونے کی وجہ سے انکی نماز باطل ہے اور یہی امر فرمان آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے ثابت ہے چنانچہ استبصار ج1ص33 فروع کافی ج1ص17 میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا یاتی علی الرجل ستون و سبعون سنةً ما قبل الله منه صلوة قلت و کیف ذلک قال لا نه یغسل ما امر الله بمسحه یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے ساٹھ یا ستر برس گذر جاتے ہیں مگر اس کی ایک نماز بھی خدا قبول نہیں فرماتا۔ راوی نے عرض کیا اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا خدا نے جس چیز (پاؤں) کے مسح کا

حکم دیا ہے وہ اس کو دھوتا ہے۔

حضرت علیؑ پاؤں پر مسح کرتے تھے:

جناب رسول خداﷺ کی طرح حضرت امیرؑ کا وضو میں پاؤں پر مسح کرنا بھی کتب اہلسنت سے ثابت ہے چنانچہ فتح الباری ج5 ص362 باب شرب الماء قائما میں حضرت امیر علیہ السلام کا اس طرح وضو کرنا لکھا ہے **فغسل وجهه ویدیه ومسح علی رأسه ورجلیه** یعنی آپ نے اپنا منہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں پر مسح کیا (2) معانی الاثار للطحاوی ج1 ص21 مسند احمد بن حنبل ج1 ص95 تا 116 میں حضرت امیرؑ کے متعلق لکھا ہے **انه توضا فمسح علی ظاهر القدم وقال لو لا انی رأیت رسول الله فعله لکان باطن القدم احق من ظاهره** یعنی آنجنابؑ نے وضو کیا اور پشتِ پا پر مسح کیا پھر فرمایا اگر میں نے جناب رسولخداﷺ کو اسی طرح مسح کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا (اور ذاتی قیاس پر عمل روا ہوتا) تو پاؤں کے تلووں کا مسح کرنا زیادہ موزوں ہوتا۔(3) فاضل عسقلانی نے فتح الباری ج1 ص133 پر یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ اس کے بعد ابن حجر نے بلا دلیل دعویٰ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یہ عذر تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے اس اللہ کے بندہ سے کوئی پوچھے کہ باب مدینہ علوم نبویہ نے جو کام رسولؐ خداﷺ کو پورے تیئیس سال کرتے دیکھا اور خود بھی اس پر برابر عمل پیرا رہے بعد میں اس سے رجوع کرنے کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کا پہلا عمل غلط تھا اور بعد از خرابیٔ بسیار ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا؟ (العیاذ باللہ) کیا سیرتِ علویہ میں اس بات کی کوئی اور مثال بھی ملتی ہے؟ **قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین!** کتاب کنز العمال ج5 ص108 پر ابن مطر سے روایت ہے کہ ہم حضرت علیؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ رسولخداﷺ کے وضو کا طریقہ بتلائیے! آپ نے قنبر کو پانی لانے کا حکم دیا جب پانی آ گیا تو آپ نے ہاتھ اور منہ کو دھویا پھر سر اور پاؤں پر مسح کیا۔

امام محمدؑ باقر بھی پاؤں پر مسح کرتے تھے:

اسی طرح علماء اہلسنت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ امام محمد باقرؑ بھی پاؤں کے مسح کو واجب جانتے تھے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج3 ص545 و تفسیر ترجمان القرآن نواب صدیق حسن ص842 و تفسیر ابن کثیر ج1 ص299 وغیرہ) اور یہ بات ابھی اوپر واضح کی جا چکی ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا قول و فعل ہوتا ہے وہی سب کا ہوتا ہے اور جب علماء اہلسنت نے حضرت علیؑ اور امام محمدؑ باقر کا پاؤں پر مسح کرنا تسلیم کر لیا ہے تو اب انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام آئمہ اہلبیتؑ کا اسی طریقہ کار پر عمل درآمد تھا جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے انوار اللغتہ پ10 ص55 و پ18 ص153 تا 154 پر تسلیم کر لیا ہے۔ فراجع۔

ان بعض صحابہ کے نام جو پاؤں پر مسح کرتے تھے:

کتب اہلسنت میں بہت سے صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں جو بڑی سختی کے ساتھ مسح پا کی پابندی کرتے تھے اور دھونے والوں پر بھرپور تنقید کرتے تھے جیسے انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر و امثالہم۔ انس کا قول ہے۔ "نزل القرآن بالمسح" یعنی قرآن مسح کے ساتھ اترا ہے (تفسیر خازن ج 1 ص 441) اور جناب عبداللہ بن عباس کہا کرتے تھے ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح یعنی عام لوگوں نے سوائے پاؤں دھونے کے انکار کر دیا ہے اور میں تو قرآن میں سوائے مسح کے اور کچھ نہیں پاتا (تفسیر درمنثور ج 2 ص 262) نیز ابن عباس کا یہ قول مفسرین کے نزدیک بہت مشہور ہے الوضوٗ غسلتان و مسحتان۔ یعنی وضو دو دھونے (منہ اور ہاتھ) اور دو مسح کرنے (سر اور پاؤں) کا نام ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ص 270 وتفسیر خازن ج 1 ص 441 وغیرہ) اسی طرح تفسیر ترجمان القرآن ص 842 پر عبداللہ بن عمر کا نام بھی ان لوگوں میں لکھا گیا ہے جو پاؤں پر مسح کرنے کے قائل تھے نیز تفسیر معالم التنزیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جناب سلمانؓ، ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ اور تمام آئمہ اہلبیتؑ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے۔

ان بعض تابعین کے نام جو پاؤں پر مسح کرتے تھے:

اسی طرح اہلسنت کی کتب تفسیر وحدیث میں بہت سے تابعین کے نام بھی ملتے ہیں جو پاؤں پر مسح کرنے کے قائل تھے اور سختی سے اس پر عامل تھے جیسے شعبیؒ، عامرؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، جابرؒ ابن زید، علقمہؒ اور حسنؒ وغیرہم (ترجمان القرآن ص 842 تفسیر خازن ج 1 ص 441 تفسیر ابن جریر ج 6 ص 73 تا 74 وغیرہ) چنانچہ شعبی اور عامر کا یہ قول ہے "انما نزل جبرئیل بالمسح علی الرجلین الا تری ان ما کان علیہ الغسل جعل علیہ التیمم و ما کان علیہ المسح اھمل" یعنی جبرئیل تو صرف پاؤں پر مسح کا حکم لے کر اترے تھے کیا تم غور نہیں کرتے کہ جن اعضاء کا دھونا فرض تھا انہی پر تیمم کا حکم ہے (منہ اور ہاتھ) اور جن پر مسح کا حکم تھا (سر اور پاؤں) ان کو تیمم میں نظر انداز کر دیا گیا ہے (تفسیر خازن ج 1 ص 441 ومعالم التنزیل ص 270) اور عکرمہ کا یہ قول کتب تفاسیر میں موجود ہے "لیس فی الرجلین غسل انما المسح علی الرجلین" یعنی پاؤں دھونے کا حکم نہیں بلکہ ان پر مسح کرنا واجب ہے (حوالہ مذکورہ بالا) قتادہ کا بیان ہے الوضوٗ غسلتان و مسحتان وضو دو دھونے اور دو مسحوں کا نام ہے (معالم التنزیل ص 270)

مسح پا والے نظریہ کی تائید مزید:

وضو میں مسح پا کے واجب ہونے کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ جس کا تذکرہ ابھی اوپر شعبی و عامر کے منقولہ بالا کلام میں کیا جا چکا ہے کہ تیمم جو وضو کا بدل ہے اور جو پانی کے دستیاب نہ ہونے یا اس کے ضرر پہنچانے کی صورت میں کیا جاتا ہے اس

میں سر اور پاؤں پر تیمم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بالاتفاق تیمم صرف منہ اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے یہ اس بات کی نا قابل رڈ دلیل ہے کہ سر اور پاؤں سے دھونے کا کوئی تعلق نہیں ہے کیا کوئی منصف مزاج سنی ان حقائق کا انکار کر سکتا ہے؟ اور ان کی موجودگی میں وضو میں پاؤں دھونے کی جرأت کر سکتا ہے؟ یا ان سے گلوخلاصی کرانے کیلئے کوئی معقول جواب پیش کر سکتا ہے؟ ان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا منصفانہ کلام:

اس بحث کے آخر میں ہم بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا منصفانہ کلام پیش کرتے ہیں حضرت علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ پ 10 ص 55 وپ 18 ص 153 تا 154 پر رقمطراز ہیں۔ ''نووی نے وضو میں پاؤں دھونے پر اجماع لکھا ہے میں کہتا ہوں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اجماع ثابت نہیں ہے بلکہ ابن قین نے بعض شافعیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ نمازی کو اختیار ہے خواہ پاؤں دھوئے خواہ ان پر مسح کرے اور عکرمہ کا یہ قول ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کرے اور حضرت علیؑ اور ابن عباس اور حسن اور شعبی وغیرہم سے باسانید صحیحہ مسح منقول ہے اور امامیہ نے آئمہ اہلبیتؑ سے بتواتر پاؤں کا مسح نقل کیا ہے اور یہ امر ایسا نہیں ہے کہ اس میں جھوٹ بنانے کا احتمال ہو۔ اس لئے کہ یہ کسی اعتقادی امر سے متعلق نہیں ہے جو مابین شیعہ اور اہلسنت کے مختلف ہو اور شیعوں نے پاؤں کا مسح وضو میں لازم رکھا ہے اور ظاہر قرآن سے بھی مسح نکلتا ہے اور ابن جریر نے متعدد روایات جواز مسح کے لئے ذکر کی ہیں ۔۔۔ اگر کوئی مسح کرے تو اس کو گمراہ نہیں کہہ سکتے نہ شدت کے ساتھ اس پر انکار کر سکتے ہیں کیونکہ بعض صحابہ اور تابعین سے مسح بھی منقول ہے اور امام ابن جریر نے جو بڑے مجتہد اور محدث ہیں اسی طرح صوفیوں میں سے شیخ ابن عربی نے مسح کو بھی جائز رکھا ہے۔'' انہی علامہ نے اسی کتاب انوار اللغۃ پارہ 20 ص 19 پر لکھا ہے ''بعضے نام کے سنی خواہ مخواہ شیعوں کی عداوت اور مخالفت پر ایسے تلے ہوئے ہیں کہ پاؤں پر اگر کوئی مسح کرے تو اسے رافضی اور کافر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے غلط اور افراط تفریط سے بچائے رکھے'' اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مؤلف کے ہم مذہبوں کا وضو میں پاؤں دھونے پر اس قدر زور دینا محض شیعوں کی اندھی عداوت کا نتیجہ ہے

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

لمحۂ فکریہ:

ان حقائق کی روشنی میں اس بات کا فیصلہ عقلمند اور انصاف پسند قارئین کرام کے ذوق خداداد پر چھوڑا جاتا ہے کہ آیا شیعوں کا طرز عمل خلاف عقل ونقل ہے یا اہلسنت کا؟ اور آیا دشمن عقل وخرد شیعہ ہیں یا نام نہاد اہلسنت والجماعت جو قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ وتابعین کی موجودگی میں شیطانی قیاس بے اساس پر عمل کرتے ہوئے پاؤں دھونے پر اصرار کر رہے ہیں کہ ''منہ'' ہاتھ اور پاؤں

پر گرد وغبار پڑا کرتا ہے سرڈھکا رہتا ہے پاؤں پلید ہونے کا احتمال ہے۔ کسی کو بخار ہو تو طبی علاج یہ ہے کہ پاشویہ کرایا جاتا ہے جس سے بخار دور ہو کر صحت عود کرتی ہے۔ قرآن وحدیث کے بالمقابل اس قسم کے قیاسات وخیالات بوجہ قیاس فی مقابل النص ہونے کے پر کاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے، موجودہ دور میں سب سے زیادہ کھلا ہوا عضو تو سر ہے تو کیا آج کل سر کو دھویا جائے گا؟ نیز اگر بقول مؤلف پاؤں کا دھونا اس لئے واجب ہے کہ ان کے نجس ہونے کا احتمال ہے تو وہ اعضا (قبل ودبر) جو بعض اوقات یقیناً نجس ہوتے ہیں ان کا وضو میں دھونا تو بطریق اولیٰ واجب ہونا چاہئے تھا؟ ان اللہ کے بندوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ وضو حدث (باطنی کثافت) کے رفع کیلئے کیا جاتا ہے نہ کہ خبث (ظاہری نجاست) کے ازالہ کیلئے لہٰذا اگر اعضاء وضو (جو دھوئے جاتے ہیں یا جن پر مسح کیا جاتا ہے) نجس ہوں تو وضو سے پہلے ان سے نجاست کا زائل کرنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر پاؤں نجس ہوں تو ان سے قبل از وضو ازالہ نجاست واجب ہوگا والا فلا۔۔۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ پاشویہ کرنے سے بخار تو اتر سکتا ہے مگر اس سے کمی عقل کا علاج نہیں ہوسکتا۔ فتدبر۔ اسی طرح استیعاب وغیرہ کی بحث بھی لایعنی ہے حاشیہ نویس کے اضافہ معلومات کی خاطر اتنا واضح کیا جاتا ہے کہ مسح پا میں طولاً رؤوس اصابع سے لے کر کعبین تک بالاتفاق استیعاب واجب ہے۔ چنانچہ کتاب حدائق ناضرۃ ج 1 ص 180 پر لکھا ہے "**ان اجماع فقھاء اھل البیت علیھم السلام وجوب الاستیعاب فی مسح الرجلین طولاً الخ۔۔۔**" اور جہاں تک "ارجلکم" کی نصب (زبر) کا تعلق ہے ہم قبل ازیں اس پر مفصل تبصرہ کر کے اس سے پاؤں کے مسح کا وجوب ثابت کر چکے ہیں۔ فراجع۔

فروع کافی والی روایت کا جواب:

باقی رہی فروع کافی والی وہ روایت جسے مؤلف نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے اور شیعوں کیلئے ناقابل جواب قرار دیتے ہوئے اسے ان کے خلاف بڑا حربہ ٹھہرایا ہے حالانکہ اس کا جواب بالکل آسان ہے۔ یہ روایت بدو وجہ ہمارے خلاف حجت نہیں ہوسکتی اوّلاً اس لئے کہ اس روایت کا ایک راوی حسین بن سعید ہے جو واقفی المذہب بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے متروک الروایہ ہے (رجال حائری ص 106 طبع ایران) نیز یہ روایت حسین بن سعید نے فضالہ سے۔۔۔ نقل کی ہے اور حائری نے اپنے رجال (ص 240) میں لکھا ہے "**ان الحسین لم یلق فضالۃ**" یعنی حسین نے کبھی فضالہ سے ملاقات نہیں کی اس لئے "**کل شئی رواہ الحسین بن سعید عن فضالۃ فھو غلط۔**" لہٰذا جہاں بھی یہ دیکھو کہ حسین بن سعید نے فضالہ سے کچھ نقل کیا ہے تو سمجھ لو کہ وہ غلط ہے۔ بنابریں یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ یہ روایت مسلّمہ روایات اہلبیتؑ کے خلاف ہے کیونکہ جس باب میں یہ روایت موجود ہے خود اسی باب میں پاؤں کے مسح کی متعدد روایات معتبرہ موجود ہیں۔ جن میں سے بعض میں یہاں تک درج ہے کہ ایک آدمی ساٹھ ستر برس تک نماز پڑھتا ہے مگر اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے کی بجائے انہیں دھوتا ہے (استبصار۔ فروع کافی) بنابریں عامہ کے موافق ہونے کی وجہ سے اس روایت کو تقیہ پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب حدائق ناضرۃ ج 1 ص 180 میں

بحوالہ وافی ملا محسن فیض لکھا ہے المراد بالحدیث انه ان کنت فی موضع تقیةٍ فابدأبالمسح لیتم وضؤئک ثم اغسل رجلیک یعنی اگر تم تقیہ کے مقام پر ہو تو پاؤں کو دھولو الحمد للہ! ان حقائق کی روشنی میں روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ شیعیان حیدر کرار کا عمل و کردار نہ صرف یہ کہ عقل سلیم کے موافق ہے بلکہ منشائے رب حکیم، سنّتِ رسول کریمؐ، سیرتِ صحابہ کاملین اور ارشادات آئمہ طاہرین کے بھی عین مطابق ہے اور جو شخص ان کی روش و رفتار پر زبانِ اعتراض دراز کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی عقل و خرد اور دین و دیانت کا جنازہ نکالتا ہے

؎ ہزاروں نکتے ہیں یہاں بال سے بھی باریک ☆ کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اِس کو کیا جانے؟

داڑھی چٹ مونچھیں دراز:

آجکل شیعیان علی کی نشانِ امتیاز یہ ہے کہ داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز ہوتی ہیں ۔۔۔ جس کی داڑھی مسنون ہو اور شوارب کٹی ہوں اس کو شیعہ غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے کتب شیعہ سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے ۔۔۔(1) شیعہ کی مستند کتاب من لا یحضرہ الفقیھه میں ہے قال رسول اللہ ﷺ احفوا الشوارب و اعفو اللحیٰ ولا تشبهو بالیهود ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی رکھو اور یہودیوں سے مشابہت پیدا نہ کرو '' (2) فروع کافی ج 2 ص 53 میں ہے عن بعض اصحابه عن ابی عبداللہ علیه السلام فی قدر اللحیة قال تقبض بیدک و یجز ما فضل امام صادق سے بعض اصحاب نے داڑھی کی مقدار کا سوال کیا آپ نے فرمایا بقدر قبضہ رکھو اور اس سے زائد کاٹو۔ (3) اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ہے عن علی بن جعفر عن اخیه ابی الحسن علیه السلام قال سئلته عن قص الشوارب امن السنة قال نعم علی بن جعفر نے اپنے بھائی ابوالحسنؑ سے روایت کی ہے کہ ان سے دریافت ہوا کیا مونچھوں کا کٹانا سنت ہے کہا ہاں بے شک (4) پھر اسی کتاب کے ص 53 میں ہے عن ابی عبد اللہ علیه السلام قال رسول اللہ ﷺ لا یطولن احدکم شاربه فان الشیطان یتخذه خبأًیستستربه امام صادق سے روایت ہے کہ رسولپاکؐ نے فرمایا کوئی شخص تم میں سے مونچھوں کو نہ بڑھائے کیونکہ شیطان خیمہ بناتا ہے جو اس کے پردہ کا کام دے (5) اصول کافی ص 217 میں ہے یا امیر المؤمنین وما جند بنی مروان قال کان قوم حلقوا للحیٰ وفتلو ا الشوارب (جناب سے پوچھا گیا کہ بنو مروان کا لشکر کون ہے؟ تو فرمایا وہ ایک قوم تھی جو داڑھی چٹ کراتے اور مونچھوں

کوتاؤ دیتے تھے ان کی صورتیں مسخ[1] ہوگئیں ۔)شیعہ غور کریں حدیث نمبر 1 میں موچھیں کٹانے اور داڑھی رکھانے کا صاف حکم ہے اور کہ جو ایسا نہیں کرتے وہ یہودیوں سے مشابہہ بنتے ہیں ۔ حدیث نمبر 2 میں داڑھی کی مقدار بتائی گئی ہے ۔۔ حدیث نمبر 3 میں مونچھیں کٹانا سنت نبوی قرار دیا گیا ہے حدیث نمبر 4 میں مونچھیں کٹانے کی ایسی تاکید کی گئی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا مونچھیں شیطان کے خیمہ کے کام آتی ہیں حدیث نمبر 5 میں داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز ، بنو مروان کے لشکر کا حلیہ بتایا گیا ہے جو حضرات شیعہ ان احادیث کے خلاف داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں وہ ان احادیث کی رو سے یہودی صفت سنت نبوی کے منکر شیطان کے مددگار رہیں کہاں ہیں وہ شیعہ جو جہاں کو کہا کرتے ہیں کہ لمبی مونچھیں مولیٰ علیؑ کے شاہپر ہیں غضب تو یہ ہے کہ شیعہ علماء بھی داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز نظر آتے ہیں (آفتاب ص 347)

الجواب:

عقل مندوں کا قول ہے

ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ مذہب وہ ہوتا ہے جسے خدا کے مقرر کردہ بانیانِ مذہب پیش کریں ، اس کے تعلیمات وہ ہوتے ہیں جو اس مذہب کی معتبر کتابوں میں محفوظ ہوں اور اس کے عملی نمونے بانیانِ مذہب یا ذمّہ دارانِ ملت پیش کریں ۔اور کسی مذہب پر صحیح اعتراض وہ ہوتا ہے جو اس کے مذہبی تعلیمات پر وارد ہوتا ہو یا اس کے بانیوں کے کردار پر باقی رہے عوام چونکہ وہ کالانعام ہوتے ہیں اسلئے ان کا قول وفعل کسی بھی مذہب میں حجت اور سند نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی انکی روش ورفتار کو سامنے رکھ کسی مذہب کو مطعون کیا جاسکتا ہے!

مؤلف کی روش پر تبصرہ:

مگر مؤلف کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ محض عوام کے طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر پورے مذہب کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں انکی یہ روش بلاتشبیہ ایسی ہے جیسی یہود وہنود عوام کی روش ہے ۔ جو عوام اہل اسلام کے قول وکردار کو سامنے رکھ کر اسلام کو بدنام کرتے ہیں ۔تو اگر عقلاء روزگار کی نظروں میں یہود وہنود کا یہ اعتراض اسلام پر درست ہے تو پھر تو مؤلفِ آفتاب کا یہ ایراد مذہب شیعہ پر بھی صحیح ہے

---

[1] لطیفہ: مؤلف نے جس حدیث کا سیاق وسباق چھوڑ کر صرف یہ ٹکڑا نقل کیا ہے کہ ''ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں'' یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کس شکل میں مسخ ہوئے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ملی مچھلی (غیر چھلکا دار) کی شکل میں مسخ ہوئے تھے جسے مؤلف اور ان کے ہم مذہب کھا کر ڈکار بھی نہیں لیتے حالانکہ تمام مسوخات حرام ہیں (الخصال)فاعتبروا اولی الابصار (منہ عفی عنہ)

لیکن اگر ان لوگوں کا ایراد اسلام پر غلط اور سوقیانہ ہے تو پھر مؤلف کا اعتراض شیعہ پر بھی محض غلط و بالکل عامیانہ ہے؟

؎بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جب وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ کی مذہبی کتابوں میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السّلام کے فرمان کی روشنی میں داڑھی رکھانے اور مونچھیں کٹانے کی بڑی سخت تاکید کی گئی ہے اور جس قدر مذہب شیعہ کے ذمہ دار حضرات ہیں وہ ان احکام پر سختی سے عمل بھی کرتے ہیں تو پھر محض بعض عوام جہلا کے فعل شنیع کو سامنے رکھ کر مذہبِ شیعہ کو ہدفِ ملامت بنانا کس قانون و آئین اور کس عقل و شرع کی رو سے روا ہے ؟افسوس

؎اس دور میں ظالم ہیں جتنے انصاف کا وعظ سناتے ہیں ☆ ہر بات یہاں کی الٹی ہے یاں الٹی گنگا بہتی ہے

کیا تمام اہلسنت مسنون طریقہ پر داڑھی رکھاتے ہیں مونچھیں کٹاتے ہیں؟ یقیناً نہیں تو اگر کوئی شخص ان کے فعل کے پیش نظر مذہب اہلسنت پر اعتراض کرے کہ اس مذہب میں داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا جائز ہے تو مؤلف کیا جواب دیں گے فما هو جوابکم فهو جوابنا!

مذہب شیعہ میں داڑھی رکھوانا واجب ہے:

ناظرین کرام کے اضافہ معلومات کیلئے اس قدر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مذہب شیعہ میں اس قدر داڑھی رکھنا کہ منڈی ہوئی معلوم نہ ہو واجب اور اسکا منڈوانا حرام ہے (جبکہ اہلسنت کے ہاں داڑھی رکھنا صرف سنت ہے) ہاں قبضہ تک رکھوانا سنت اور اس سے زیادہ بڑھانا مکروہ ہے اس موضوع پر متعدد علماء شیعہ نے متعدد کتب و رسائل شائع کئے ہیں جیسے المحاسن، زینۃ الرجال ،منیۃ اللحیۃ ،اللحیۃ ، وغیرہا خود راقم آثم نے اس موضوع پر ایک رسالہ بنام ''حرمت ریش تراشی قرآن وسنت کی روشنی میں'' لکھا ہے جسمیں بعض آیات قرآنیہ اور مؤلف کی پیش کردہ روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث معصومین پیش کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں حلق اللحیۃ من المثلۃ و من مثل فعلیه لعنة الله یعنی داڑھی منڈوانا مثلہ ہے اور جو مثلہ

کرے اس پر خدا کی لعنت (مستدرک الوسائل ج 1 ص 59 عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی حدائق ناضرۃ ج 1 ص 547 پر مؤلف کی پیش کردہ روایت نمبر 5 جند بنی مروان والی روایت) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں 'الظاهر کما استظهره جملة من الاصحاب کما عرفت تحریم حلق اللحیة لخبر المسخ المروی عن امیر المؤمنین فانه لا یقع الا علی ارتکاب امر محرّم بالغ فی التحریم ''' خلاصہ اینکہ ظاہر یہ ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے چنانچہ وہ روایت جو حضرت امیرؑ سے مروی ہے جس میں (داڑھی منڈوانے ،مونچھوں کوتاؤ دینے پر) ایک قوم کے مسخ ہونے کا تذکرہ ہے اس سے ظاہر ہے کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ مسخ سوائے کسی شدید

فعل حرام کے ارتکاب کے واقع نہیں ہوتا۔لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ شیعہ مذہب کا کوئی ذمہ دار اہل علم وغیرہ داڑھی منڈوائے یا موچھیں بڑھائے بلکہ جو لوگ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے بھی ہیں (خدا ان کو اس کے ترک کرنے کی توفیق دے) وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گنہگار ہیں لہٰذا یہ بات خارج از قیاس ہے کہ وہ مسنون طریقہ داڑھی رکھنے پر موچھیں کٹوانے والے حضرات کو غیظ وغضب کی نظر سے دیکھتے ہیں ہاں البتہ وہ ان لوگوں کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے۔جن کی داڑھیاں خلاف سنت سکھوں اور یہودیوں کیطرح ناف تک دراز ہوتی ہیں اور یہی مطلب ہے مؤلف کی پہلی پیش کردہ روایت کا جس میں داڑھی بڑھانے کا حکم تو ہے مگر یہود سے مشابہت پیدا کرنے کی ممانعت بھی ہے۔ کیونکہ یہود حد سے زیادہ داڑھی بڑھاتے ہیں (جس طرح مجوسی منڈواتے ہیں) لہٰذا یہودی سے مشابہہ وہ لوگ ہیں جن کی داڑھیاں قبضہ سے زیادہ لمبی ہوتی ہیں اور شتر بے مہار کی طرح ادھر اُدھر آوارہ گردی کرتی رہتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمن علیؑ ملا جن کی بے ہنگم داڑھیاں ناف سے باتیں کرتی ہیں وہ اس حدیث کی رو سے یہودی صفت، سنت نبوی کے منکر اور شیطان کے انصار واعوان ہیں

؎ بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

ایسی داڑھی کا کیا فائدہ جو ایک مسلمان کو یہودی صفت بنا دے۔ چنانچہ جناب عائشہ صاحبہ کا یہ کلام پہلے گذر چکا ہے کہ وہ جناب عثمان کو ''نعثل'' کہا کرتی تھیں (ایک لمبی داڑھی والے یہودی سے تشبیہ دیتے ہوئے) استیعاب ابن عبدالبر۔

سب سے پہلے معاویہ نے داڑھی ترشوائی:

کتاب تنبیہہ المفترین میں لکھا ہے اسلام میں سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے داڑھی ترشوائی۔

عمر کی موچھیں دراز تھیں:

باقی رہا دراز موچھوں کا مسئلہ تو ناظرین کے اضافہ معلومات کیلئے واضح رہے کہ مؤلف کے خاص بزرگ حضرت عمر کی موچھیں گھنی اور دراز تھیں (مجمع بحار الانوار ج 1 ص 93 الفاروق شبلی ج 2 ص 289)

؎ چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

بھنگ اور شراب:

ہر چند شراب کی حرمت نص قرآن سے ثابت ہے اور لحم خنزیر اور شراب حرمت میں برابر ہیں لیکن شیعہ حضرات کے بہت سے پیر فقیر شراب کے عادی ہوتے ہیں بہت سے وضعی شرابی پیر نذر و نیاز میں بھی شراب کی بوتل کی فرمائش کرتے ہیں اور بھنگ تو ملنگانِ علی کا صبح وشام کا وظیفہ ہوتا ہے۔ادھر بھنگ رگڑتے ہیں ادھر بزرگانِ دین کو لعنت وتبرا کہہ کر نامہ اعمال

سیاہ کرتے ہیں ۔۔۔اسلئے ذیل میں چند مسائل شراب و بھنگ کے متعلق ہم شیعہ کی معتبر کتابوں سے نقل کرتے ہیں ۔۔۔شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج2 ص273 سے ص 277 تک شراب کی خباثتوں، شارب خمر کی برائیوں کا مفصل تذکرہ ہے ۔۔۔ہم صرف شیعہ کی مستند تفسیر عمدۃ البیان ۔۔۔سے ایک عبارت لکھتے ہیں جو جامع و مانع ہے ۔۔جناب صادقؑ نے فرمایا کہ پینے والا شراب کا بیمار ہو تو اس کو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر مرجائے تو اس کے جنازہ میں مت جاؤ اور اگر حاجتمند ہو تو اس کو زکوٰۃ مت دو اور اگر عورت کو واسطے نکاح کے چاہے تو نکاح اس سے مت کرو اور جو شخص کہ اپنی دختر کا نکاح کسی شرابی سے کرے تو اس نے گویا اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈالا ہے اور فرمایا جناب رسولخدا ﷺ نے کہ جو کوئی شرابی کو ایک لقمہ کھانے کو دیوے یا ایک گھونٹ پانی کا دیوے تو البتہ معین کرے گا خدا اس کے قبر میں سانپ اور بچھو کو کہ طول اس کے دندان کا ایک سو گز ہو گا اور پلایا جائے گا قیامت کے روز دوزخیوں کے زخموں کا پانی اور جو کوئی حاجت روائی کرے شرابی کی ۔گویا اس نے ایک ہزار مومن کو قتل کیا یا خانہ کعبہ کو ڈھایا اور جو کوئی سلام کرے اس پر تو لعنت کریں گے ستر ہزار فرشتے اور لعنت کی ہے ۔شراب پینے والے کو اور اس کے نچوڑنے والے کو اس کے پلانے والے کو اور اس کے اٹھالے جانے والے اور جس کے پاس لے جائے اس کو اور تنبیہہ الغافلین میں لکھا ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا ﷺ نے کہ جو کوئی ایک لقمہ بھنگ کا کھائے ایسا ہے کہ گویا اس نے خانہ کعبہ کو ستر بار ڈھایا اور جو کوئی خانہ کعبہ کو ایک بار ڈھائے تو ایسا ہے گویا اس نے ستر پیغمبروں کو قتل کیا اور قرآن میں جو شجرہ ملعونہ ہے مراد اس سے بھنگ کا درخت ہے (تفسیر عمدۃ البیان ج ص 328)۔۔۔آپ غور کریں کہ کتنے بھنگی اور شرابی مولا علیؑ کے ملنگ اور پیر فقیر نکلتے ہیں جو شیعہ صاحبان کے قبلہ و کعبہ اور شیعہ کے رکن اعظم ۔۔۔سمجھے جاتے ہیں پھر کیوں نہ کہا جائے کہ اس مذہب میں روحانیت مطلق نہیں ہے (آفتاب ص349)

الجواب:

ذوق سلیم اور طبع مستقیم پر اس سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں کہ ایسے مزخرفات کا جواب دیا جائے مذہب شیعہ خیر البریہ میں پیری مریدی کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے یہ چیز مؤلف کے مذہب میں ہر مال ٹکے سیر کے حساب سے ہر جگہ تھوک مل جاتی ہے اور ان کے ہاں گدیوں کا اندرونِ ملک اور بیرون ملک جو جال بچھا ہوا ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے ۔غالباً انہوں نے ''شیعہ پیروں'' کو (بفرض تسلیم وجود) اپنے سنی پیروں فقیروں کے آئینہ میں دیکھنے کی سعی نا فرجام کی ہے پیری فقیری کے ان اڈوں (گدیوں) پر جو اللّے تللّے ہوتے ہیں جو ناٹک رچائے جاتے ہیں اور جو رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں ان کی وہ تصویر جو خلوتیاں راز سے معلوم ہوئی ہے اس قدر غلیظ اور بھیانک ہے کہ ہماری شرافت اجازت نہیں دیتی کہ اسے نوکِ قلم پر لایا جائے ۔علاوہ بریں اس تصویر کشی کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ

؏ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

باقی رہا ملنگوں کے فعل کی وجہ سے مذہب شیعہ پر اعتراض! ہم سابقہ بحث میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں کہ کسی بھی مذہب کا دارومدار اس کی تعلیمات یا اسکے بانیوں کی روش ورفتار پر ہوتا ہے نہ کہ عوام کالانعام کے قول وفعل پر کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مؤلف کے مذہب اور اسی طرح دوسرے تمام مذاہب میں تو پیشویانِ دین اور سالکین شرع متین کا قول وفعل حجت اور سند ہو اور جب مذہب شیعہ پر اعتراض کر کے بغض اہلبیتؑ کی دلی بھڑاس نکالنا ہو تو ان کے جاہلوں اور ملنگوں کا فعل سند ہو جائے انا للہ و انا الیہ راجعون جب مؤلف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ کی معتبر کتب تفسیر وحدیث شراب وبھنگ کی مذّمت سے بھری پڑی ہیں اور ہمارے پیشوایانِ دین وہ تھے کہ اغیار بھی ان کی عصمت وعفت اور پاکدامنی کا اقرار کرتے ہیں تو اگر بالفرض کوئی نام نہاد شیعہ اس ام الخبائث کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو اس میں مذہب شیعہ کا کیا قصور ہے؟ اگر مؤلف بقید حیات ہوتے تو ہم ان کو تین طلاق کی مغلظ قسم دیکر ان سے دریافت کرتے کہ کیا انکے ہم مشربوں وہم مذہبوں میں کوئی شراب، بھنگ، چرس وغیرہ منشیات کا ارتکاب نہیں کرتا؟ اور اگر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کرتے ہیں تو کیا اس کی وجہ سے اہلسنت کے مذہب پر یہ اعتراض جائز ہے؟ کہ مذہب اہلسنت میں شراب اور بھنگ جائز ہے۔ اور کتنے شرابی کبابی اور بھنگی چرسی ہیں جو اٹھتے بیٹھتے شیخ عبدالقادر جیلانی یا عمر فاروق کا نام لیتے ہیں اور اہلسنت کے قبلہ وکعبہ اور پیرو مرشد مانے جاتے ہیں اور اگر ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر کسی شیعہ کی اس حرکت سے مذہب شیعہ کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ ہے ان کا کسی سنی کے پاس کوئی جواب؟ جو حدیثیں تفسیر عمدۃ البیان سے نقل کیگئی ہیں ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ہم عمدۃ البیان کے بیان واجب الاذعان کی حرف بحرف تائید مزید کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر ہماری کتب معتبرہ میں شراب وبھنگ وغیرہ منشیات وغیرہ کی مذمت وارد ہوئی ہے مگر تعجب اس بات پر ہے کہ آج وہ لوگ بھی ہمارے بعض عوام کے اس فعل بد پر اعتراض کرتے ہیں کہ جن کے بزرگوں کو شراب اس قدر مرغوب تھی کہ قتل کے وقت پیٹ کے زخموں سے بھی نبیذ بہہ نکلی تھی (جو کہ ایک قسم کی شراب ہے)۔۔۔(مستدرک حاکم۔کشف الغطاص 555 طبع لاہور۔الفاروق ص 203 وغیرہ)

؏ کردم اشارتے ومکرر نمی کنم

حالانکہ زاد المعاد ابن القیم ج 2 ص 28 پر لکھا ہے کہ حرمت نبیذ کی احادیث حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں باقی رہا شیعہ مذہب میں روحانیت کے نہ ہونے کا طعنہ۔تو یہ بھی بالکل دروغ بے فروغ ہے ولعنۃ اللہ علی الکاذبین ہمیں فخر ہے کہ اس عالم امکان میں جہاں کہیں بھی روحانیت کے کچھ آثار موجود ہیں وہ سب شیعہ کے امام اوّل مرکز دائرہ ولایت وقطبِ آسیائے روحانیت حضرت علی بن ابی طالبؑ کا فیضان نظر ہے وبس۔(ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ج 2 ص 119 تا 120 از قاضی ثناء اللہ پانی پتی) یہ بھی نیرنگی روزگار کا شہکار ہے کہ آج گدا بھی شاہوں کے سامنے اپنی لڑائی کی بڑ ہانکتے ہیں آہ۔اے خدا!

بیت کریں دعوے خدائی کا ☆ شان ہے تیری کبریائی کی

ترکِ صلوٰۃ:

اگرچہ نماز عماد الدین ہے اور مسلمان وکافر میں مابہ الامتیاز نماز سمجھی جاتی ہے لیکن شیعہ صاحبان نماز سے ایسے بے پرواہ ہیں کہ گویا اس کی فرضیت کے قائل ہی نہیں۔۔۔۔ ہمارے ملک کے شیعہ فیصدی شاید دو شخص بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔۔۔ بلکہ شیعہ کا وہ فرقہ جو اپنے آپ کو مولا علیؑ کا ملنگ کہلاتے۔۔۔ ہیں۔۔۔ دارہ پر بیٹھ کر ہر وقت بھنگ رگڑا کرتے۔۔۔ ہیں یہ لوگ ننگد دھڑنگ دھوتی باندھے علی علی پکارتے پھرتے ہیں انہوں نے تو نماز کا عمر بھر کبھی نام ہی نہیں لیا۔۔۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ بخشش نماز نہیں بلکہ حبِ حسینؑ میں ہے اور محفل امام حسینؑ میں ماتم کرنا اور نوحہ کرنا ہزار نماز سے افضل ہے حالانکہ شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج 1 ص 513 میں ہے تارک الصلوٰۃ کافر من غیر علۃ (امام جعفرؑ صادق کا قول ہے تارک الصلوٰۃ کافر مطلق ہے)۔۔۔ شیعہ کی معتبر کتاب تحفۃ العوام ج 1 ص 21 سے ایک نظم نقل کرتے ہیں تاکہ پڑھنے سننے والوں کو عبرت ہو۔۔

نظم اُردو

بِنماز ایک جس شخص نے ترک کی ☆ تو خوں اس نے اپنا کیا بے چھری

اگر دو نمازوں کا تارک ہوا ☆ تو گویا کہ خوں ایک نبی کا کیا

ہوئی تین وقتوں کی جس سے قضا ☆ تو کعبہ کو اس شخص نے ڈھا دیا

دیا چار وقتوں کو گر ہاتھ سے ☆ تو ایسا ہے جیسا کہ اس شخص نے

زنا اپنی مادر سے ہفتاد بار ☆ کیا عین کعبہ میں اے ہوشیار

جو تارک ہوا پانچ وقت کا ☆ بیاں کیا کروں اس کے حالات کا

ندا اس کو کرتا ہے یوں بے نیاز ☆ یہ تو نے جو کی ترک میری نماز

ہوا میری طاعت سے بیزار تو ☆ غضب کا ہوا اب سزاوار تو

بہت میں بھی بیزار ہوں تجھ سے اب ☆ خدا اور اپنے لئے کر طلب

میرے آسمان و زمیں سے نکل ☆ کہیں اور رہ جاکے اے بد عمل

یہ ارشاد کرتے ہیں شاہِ حجاز ☆ سبک اور ضائع کرے جو نماز

نہیں مجھ سے اور میری امت سے وہ ☆ بہت دور ہے حق کی نعمت سے وہ

یہ تو شیعہ کی کتابی باتیں ہیں لیکن عملی حالت سخت قابل افسوس ہے۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران دارے آباد ہیں ہم نے دو جلسے مناظرہ کے دیکھے ایک کندیاں ۔۔۔ دوسرا چک بیلی خان ۔۔۔ ظہر کی نماز کا وقت میدانِ مناظرہ میں آیا تمام مسلمانوں نے نماز باجماعت پڑھی مگر شیعہ کے علماء ومقتدی سب یوں ہی کھڑے رہے ۔۔۔ لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی صرف متعہ جیسا کارِثواب کرنے سے امام حسنؑ ۔۔۔ کا درجہ مل جاتا ہے ۔عید غدیر کا ہی شیعہ کے ہاں ۔۔۔ روز متبرک ایسا آجاتا ہے کہ شیعیان علیؑ کے اس روز تمام صغیرہ وکبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نو یسندگانِ اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعیان علیؑ ۔۔ کے گناہ تین روز تک نہ لکھو ۔ تحفۃ العوام ج 2ص161 ۔۔۔(آفتاب ص350)

الجواب:

یہ ہے اہلسنت کی ''جامع اور لاجواب تصنیف'' اور'' مناظرین اہلسنت کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ'' (مقدمہ کتاب آفتاب ص 15 تا16) جس کی کوئی بات بھی قانون عقل وشریعت اور کوئی تحریر آئین انصاف وفطرت کے مطابق نہیں ہے تو ان حضرات کی دوسرے درجہ کی کتابوں کا کیا حال ہوگا؟

؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

بے شک نماز دین اسلام کا وہ رکن اعظم اور کافر ومسلم کے درمیان وہ حدِ فاصل ہے کہ اس کے وجوب کا منکر دائرہ اسلام سے خارج اور واجب سمجھ کر نہ پڑھنے والا فاسق وفاجر ہے مؤلف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ شیعہ کی کتب معتبرہ نماز پڑھنے کی تاکید اور ترک نماز کی مذمت سے لبریز ہیں ۔تو پھر بعض عوام کے ترک نماز کی وجہ سے مذہب شیعہ کو کس قانون کی رو سے مطعون کرنا روا ہے؟ علاوہ بریں یہ کہنا کہ ''شیعہ دو شخص فیصدی بھی بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں'' اتنا بڑا کذب وافترا ہے کہ قریب ہے کہ اس کی سنگینی سے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے ، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور فرش زمین پانی میں دھنس جائے ۔ بفضلہٖ تعالیٰ صرف مملکت خداداد پاکستان میں قریباً دو کروڑ سے زائد شیعیان حیدر کرارؑ موجود ہیں ہر جگہ اسکی شاندار مساجد موجود ہیں ۔جن میں جمعہ وجماعت کا مبارک سلسلہ جاری وساری ہے ۔مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں نہ صرف واجبی نماز گذار بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعیان حیدر کرارؑ موجود ہیں جو شب زندہ دار عبادت گذار ہیں ۔ بالخصوص شیعی مملکت ایران صانہا اللہ عن الحدثان میں یہ ایمان افزا اور روح پرور مناظر دیکھے جاسکتے ہیں

؎ مرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

ایضاح:

اس مقام پر مؤلف کے لائق بیٹے قاضی صاحب (جو ناصبیت میں اپنے آنجہانی باپ سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں) نے ہم پر تضاد بیانی کا الزام عائد کرتے ہوئے ہماری کتاب سعادت الدارین کے ص 574 سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جسمیں نمازیوں کی قلت اور مساجد کی ویرانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تو اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہ تضاد بیانی تب ہوتی ہے جب دونوں عبارتیں ہماری ہوتیں اور ایک ہی وقت میں ہوتیں کیونکہ

؎ در تناقص ہسنت و حدت شرط دان

جنمیں سے ایک ''وحدتِ زمان'' بھی ہے۔ مگر یہاں سعادۃ الدارین والی عبارت اوّلاً تو ہماری نہیں۔ بلکہ مولانا سید شاکر حسین صاحب امروہوی مرحوم کی کتاب مجاہد اعظم سے نقل کی گئی ہے۔ جو سعادت کے ص 573 سے شروع ہو کر ص 575 پر ختم ہوتی ہے۔ اور خاتمہ پر نیچے کتاب کا نام بھی درج ہے اور (ثانیاً) یہ کتاب جس سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے آج سے قریباً نصف صدی پہلے سیزدہ صد سالہ یادگار حسینیؑ کے سلسلہ میں لکھی گئی تھی۔ جس کی عبارت کو قوم میں جوش عمل پیدا کرنے کی غرض سے نقل کیا گیا ہے۔ اور تجلیات صداقت کا پہلا ایڈیشن صرف چند سال پہلے شائع ہوا ہے۔ چند مہینوں بلکہ چند ہفتوں میں حالات کا نقشہ بدل جایا کرتا ہے۔ اور یہاں تو تقریباً نصف صدی کا فاصلہ موجود ہے۔ لہٰذا دونوں تصویروں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ فقط معترض کی کم عقلی و کم علمی کا نتیجہ ہے جو ہم پر تضاد بیانی کا الزام عائد کر رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے ''ذوالجناح'' کے نام پر ہمیں تضاد بیانی کا طعنہ دیا ہے کہ سعادۃ الدارین میں اس کے اس نام کا انکار کیا ہے۔ اور یہاں اسے ذوالجناح لکھا ہے۔ حالانکہ اقرار و انکار کا مورد مقام جدا جدا ہے۔ یعنی انکار مقام تحقیق میں ہے کہ امام کے گھوڑے کا یہ نام تاریخی طور پر ثابت نہیں۔ اور اقرار مقام عرف عام میں ہے کہ مشہور نام یہی ہے۔ افسوس

؎ ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ ☆ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

ملنگوں کا تذکرہ:

باقی رہے ملنگ صاحبان خدا کا شکر ہے کہ علماء کرام اور مبلغین عظام کی شبانہ روز کی محنتوں سے روز بروز ان کی غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور ان میں سے بہت سے حضرات رفتہ رفتہ پابندی وقت کے ساتھ نماز و روزہ وغیرہ مذہبی فرائض کی پابندی کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو ان ملنگوں کے نماز پڑھنے کا رنج نہیں بلکہ ان کو جو کچھ صدمہ ہے وہ ان لوگوں کے علیؑ علیؑ کرنے سے ہے سبحان اللہ

؎ علیؑ کا نام بھی کیا اسم اعظم ہے کہ جس کسی نے لیا اسی کے کام آیا

یہ مقدس نام کسی ناصبی کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتا اور مؤلف کا یہ رنج والم بجا ہے کہ جس نام کے مٹانے کیلئے ان کے بزرگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا حتیٰ کہ خود حرف غلط کی طرح مٹ گئے وہ نام آج بھی ؎ عصائے پیر ہے۔تیغ جوان ہے حرزِ طفلاں ہے یہ اس نام اور اس کے مسمیٰ کی قبولیت تامہ اور زعامتِ عامہ کی بیّن دلیل ہے کہ ہر مذہب وملّت کے بچے بوڑھے اور جوان ہر وقت اٹھتے بیٹھتے علیؑ علیؑ پکار رہے ہیں۔اور مؤلف اور اسکے ہمنواؤں کے اس رنج وغم کا علاج بجز مرگِ مفاجات کے اور کوئی نہیں ہے

؎بمیر تابرہی اے حسود کیں رنجیست ☆ کہ از مشقتِ اوجز بمرگ نتواں رُست

مؤلف جیسے لاکھوں اسی غم میں گھل گھل کر مر گئے اور نہ معلوم کتنے اور ہلاک ہو جائیںگے لیکن نام علیؑ نہ مٹا ہے اور نہ آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک مٹ سکے گا بھلا

؎وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

بغض علیؑ دل میں رکھ کر نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا برابر ہے۔ولنعم ما قیل

؎من لم یوال فی البریۃ حیدراً ☆ سیّان عند اللہ صلیٰ اوزنیٰ

اور اگر سچ پوچھیے تو بغض اہلبیتؑ دل میں رکھ نماز پڑھنے والوں سے وہ ملنگ ہزار درجہ بہتر ہیں جو جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کے گھر جا جا کر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔اور ''علیؑ دا پہلا نمبر'' کی صدا لگاتے ہیں۔ماتم حسینؑ ہو یا نوحہ ومرثیہ یا گریہ وبکا۔یہ تمام چیزیں بخشش گناہان کے بہترین ذرائع ہیں مگر شیعی عقیدہ کے مطابق تمام اعمال صالحہ کی قبولیّت کا دارومدار نماز کی قبولیّت پر ہے کیونکہ

؎روز محشر کہ جان گداز بود ☆ اوّلیں پُرسشِ نماز بود

لہٰذا اگر نماز قبول ہوگئی تو دوسرے سب اعمال قبول ہو جائیں گے اور اگر وہ ردّ ہوگئی (خدا نکند) تو کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا ہاں البتہ نماز وغیرہ سب اعمال کی قبولیت کا دارومدار ولایت محمدؐ وآل محمدؐ پر ہے۔۔۔متعہ والے طنز کا مکمل جواب بحثِ متعہ میں دیا جا چکا ہے اور عید غدیر کے متعلق وارد شدہ ایک روایت مرسلہ کی وجہ سے اگر شیعوں کو نماز پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر اہلسنت کو بھی اس کے پڑھنے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ اس کے ہاں صرف کلمہ شہادت پڑھ لینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔خواہ زنا کریں اور خواہ چوری اور خواہ سینہ زوری کا مظاہرہ فرمائیں (بخاری شریف) لیجئے

؎یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

اور اگر وہاں یہ ارشاد ہے کہ کلمہ فائدہ تو دے گا مگر جب اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا تو ہم بھی عرض کریں گے کہ عید غدیر والے

ثواب بے حساب بھی تب ملیں گے جس انسان واجبات کو ادا کریگا اور محرمات سے اجتناب کریگا۔ قد بیننا الآیات لقوم یعقلون۔

سیّد جنتی ہے:

شیعہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اولاد سادات کیلئے تو جنّت واجب ہو چکی ہے سیّد عبادت کرے نہ کرے۔۔۔ جنت ہاتھ سے نہ جائے گی گو یا رب العزت سے جنّت کا ٹھیکہ مل چکا ہے۔ زنا کرے۔ چوریاں کرے، واردات قتل و ڈکیتی کرے۔۔ ہم کتب شیعہ سے یہ مسئلہ بحوالہ احادیث بیان کر کے اس غلط فہمی کو رفع کرتے ہیں فروع کافی ج 3 کتاب الروضۃ ص 89 میں ہے عن ابی جعفر علیہ السلام (بحذف عربی)۔۔۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسولخدا ﷺ کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں خدا کا رسول ہوں اور تم پر شفقت کرنے والا ہوں لیکن میرے عمل میرے لیے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہوں گے یہ نہ کہنا کہ محمدؐ ہم میں سے ہیں اسلئے ہم انکی جگہ جنت میں جائیں گے۔ بخدا میرا دوست اے بنی عبد المطلب تم میں سے اور دوسروں میں سے نہیں۔ مگر پرہیز گار۔ یہ تو حضور ﷺ کا اپنے قبیلہ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب سے اعلان ہے۔۔۔ اب حضور ﷺ کا وہ فرمان سنیئے جو آپ نے مرض الموت میں اپنی دختر فاطمۃ الزہراؑ کے خطاب میں فرمایا چنانچہ حیات القلوب ج 2 ص 651 میں لکھا ہے اے فاطمہؑ عمل کن طاعت بجا آور کہ بدون عمل من فائدہ نتوانم بخشید (اے فاطمہؑ نیک اعمال کرنا اور عبادت الٰہی سے غافل نہ ہونا کہ نیک اعمال کے بغیر میری قرابت کا تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔) کیا سیّدوں کا رتبہ جگر گوشۂ رسولؐ۔۔۔ سے زیادہ ہے کہ ان کو تو یہ ارشاد ہو کہ۔۔۔۔ اور بعض لوگ جنہوں نے مدت سے حسب نسب کھو دی ہوئی ہے اور تیلی کشمیری سب سیّد ہونے کے دعویدار ہیں اس امر کی امید رکھ سکتے ہیں کہ چوری زنا۔۔۔ کرتے رہیں جنّت کا تحفہ مل جائے گا؟ حاشا و کلا حضرت نوح کے بیٹے کو۔۔۔ رسول کی فرزندی نے کوئی فائدہ نہ بخشا رسول (نوح) نے بھی التجا کی ان ابنی من اھلی یا اللہ میرا بیٹا میری اہل سے ہے۔۔۔ لیکن دربار ایزدی سے تنبیہہ کے ساتھ جواب ملا انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح (یہ تمہارا بیٹا نہیں اس کے اعمال اچھے نہیں) پھر آج کے مشتبہ سیّد کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ بدون عمل صالح جنت کے مالک ہو جائیں گے؟ آئمہ عظام بھی ایسے شیعوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو بُرے اعمال کر کے امید رکھتے ہیں کہ صرف محبت اہلبیتؑ ہمارے لئے کافی وسیلہ ہے۔۔ اصول کافی ص 402 میں ہے عن جابر عن ابی جعفر (بحذف عربی)۔۔۔ (ترجمہ) جابر نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اے جابر! شیعہ پن یہ نہیں ہے کہ کہہ دیا جائے کہ ہم محب اہلبیت ہیں! بخدا ہمارے شیعہ وہی لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ شیعہ کی پہچان عجز و نیاز اور امانت اور یاد الٰہی ہے اور نماز روزہ اور ماں باپ سے بھلائی کرنا اپنے غریب پڑوسیوں کی امداد کرنا، مقروضوں اور یتیموں کی اعانت کرنا،

سچ بولنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے اور لوگوں کی بدگوئی سے اپنی زبان کو روکنا ہے اور کہ وہ بڑے امین ہوں اپنے قبائل میں جابر نے کہا اے فرزند رسول! اس صفت کے شیعہ آج کل نظر نہیں آتے! آپ نے فرمایا اے جابر! ہم مذہبی پابندی سے بچا نہیں سکتے کوئی شخص گمان کرتا ہے کہ محب علی و اہلبیت ہوں پھر ان کے طریقہ پر نہیں چلتا اگر وہ شخص کہے کہ میں محب رسول ہوں اور رسول صلعم سے بہتر ہیں پھر رسولؐ کی سیرت پاک کی اتباع نہ کرے نہ نیک عمل کرے تو یہ محبت اسے نفع نہ دے گی۔ خدا سے ڈرو اور یہ سمجھو کہ خدائے پاک کی کسی شخص سے قرابت نہیں ہے خدا کو وہی لوگ پسند ہیں جو بڑے متقی اور پر ہیز گار ہیں دیکھو اس حدیث میں امام والا مقام نے سچے شیعوں کی شناخت کا معیار مقرر کر دیا ہے کہ جو منکسر المزاج اور امین ہوں۔۔۔ حضرت امام نے کھول کر فرما دیا کہ نرا محبت علی و اہلبیت کا ادعا کوئی فائدہ نہ دے گا جبکہ اعمال یزید کے سے ہوں۔۔ اب شیعہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان میں اوصاف بالا میں سے کوئی ایک صفت بھی پائی جاتی ہے؟ اتقا و ورع تو کجا۔ نماز و روزہ کا کبھی نام بھی نہیں لیا۔ سچ تو کیا بولیں گے تقیہ (جھوٹ) عبادت سمجھ رکھی ہے۔ بدگوئی کا یہ حال ہے کہ شام و صبح اصحاب و ازواج رسول پر لعنت و تبرا زبان پر جاری رہتا ہے۔ تلاوت قرآن کی بجائے سر تال سے مرثیہ خوانی میں مصروف رہتے ہیں۔۔ کیا ان لوگوں کو دعویٰ حب علیؑ و حسنینؑ کچھ فائدہ دے سکتا ہے؟ کلا و حاشا

ع این خیال است و محال است و جنوں

ایسے لوگ قیامت میں امام حسینؑ نہیں بلکہ یزید کے گروہ میں اٹھیں گے سیّد گیری کسی کام نہ آئے گی۔ جبکہ اعمال درست نہ ہوں۔

نظم

خدا جانے روافض کا بُرا انجام کیا ہو گا ☆ بُرا ہوگا ، بُرا ہوگا ،بُرا ہوگا ، بُرا ہوگا

خدا کے پاک بندوں کو بُرا کہتے ہیں دنیا میں ☆ قیامت میں خدائے پاک بس ان سے خفا ہوگا

بُرا کہتے نبی کے دوستوں کو اور احباء کو ☆ خفا ان سے یقیناً شافعِ روزِ جزا ہوگا

نبی کی بیویوں کو گالیاں دینا جفا کیا ہے ☆ مسلماں کب بھلا ایسا یہ بندہ بے حیا ہوگا

بُرا کہتے ہیں حضرت غوث الاعظم کو یہ بد باطن ☆ مگر حضرت کے والا شان کا نقصان کیا ہوگا

زباں پر ہے سدا دنیا میں ان کی ورد لعنت کا ☆ قیامت کو گلے میں طوق لعنت کا پڑا ہوگا

پیمبر ہیں ہمارے رحمۃ اللعالمین یارو ☆ انہی پیارا وہی ہو گا جو لعنت سے بچا ہوگا

نبی کے سخت دشمن ہیں جو دشمن ہیں صحابہ کے ☆ جو مومن ہے سدا دل سے خوش صحابہ پر فدا ہوگا

عقیدت مومنوں کو ہے خدا کے پاک بندوں سے ☆ جو بد خواہ ان کا ہے بندہ وہ دوزخ میں پڑا ہو گا

بُرا کہتا جو نامعقول حضرت کے خلیفوں کو ☆ بھلا کب اس سے خوش یارو علی المرتضیٰ ہوگا

رسولپاکؐ کی ازواج کو ہیں جو بُرا کہتے ☆ نہ خوش ان سے کبھی روح بتول فاطمہؑ ہوگا

عجب بے باک دیکھا ہم نے ہے فرقہ روافض کا ☆ نہ کوئی پاک بندہ شر سے ان کی بچا ہوگا

جو اہلبیت کی توہین کرتے ہیں سر اجلاس ☆ یزیدی فوج نے ہرگز نہیں ایسا کیا ہوگا

محرم میں نکلتے سوانگ بھر کر جب روافض ہیں ☆ تماشا رام لیلا کا نہ ایسا دل رُبا ہوگا

مسلماں ہو کے یہ بدعات کرتا ہے بہت افسوس ☆ کبھی راضی نہ ان بدعات سے ربّ الوریٰ ہوگا

نہ سکھلائی کبھی اسلام نے بدعات ہیں ایسی ☆ یہ شیطانی طریقہ ہے وہی موجد بنا ہوگا

عَلَم اور تعزیہ دُلدُل نئی بدعات ہیں ساری ☆ رسوم شرک ہیں یہ سب نہ کچھ ان میں بھلا ہوگا

قلندر،ڈوم ، کنجر ماتم حسینؑ کرتے ہیں ☆ نہ کیوں خوش پھر بھلا رُوحِ شہید کربلا ہوگا

عمر گذری برائی اور برائی کی کمائی میں ☆ عمر میں اپنی استنجا نہیں ہرگز کیا ہوگا

وہ کیسی نا مبارک اور ہو گی ناسزا مجلس ☆ کہ شامل جس میں یہ پراز خباثت طائفہ ہوگا

وہ نام پاک لینے کے نہ یہ ناپاک ہیں لائق ☆ نہ اس ماتم کا تم کو دوستو کچھ فائدہ ہوگا

پڑھو قرآن اور ارواح کو بخشو یہ نیکی ہے ☆ اسی سے خوش خدا اور سرورِ ہر دوسرا ہوگا

اسی سے خوش ہوں گے اہلبیت اور شہدا کے ارواح ☆ یقیناً فائدہ یارو تمہیں اس سے بڑا ہوگا

الٰہی کر ہدایت اپنے بندوں کو زفضلِ خود ☆ بجز تیری ہدایت کے نہ کوئی رہنما ہوگا

دبیرؔ اب ختم کر دو نظم پُر تاثیر کو اپنی ☆ اثر ہو گا اُسے دل درد سے جس کا بھرا ہوگا

اخلاقی مسائل پر ہم بحث کر چکے اور کتب شیعہ کے حوالہ جات سے اپنا مدعا ثابت کیا جا چکا ہے امید ہے کہ اہل انصاف ناظرین کی اس سے تسلی ہوجائے گی (آفتاب ص355)

الجواب:

ان لوگوں کی عقلی و عملی حالت نہایت قابل رحم ہے جو ان لوگوں سے تو محبت کا دم بھرتے ہیں جنکو جناب رسولخدا ﷺ کی صحبت میں چند روز رہنے کا شرف حاصل تھا۔لیکن وہ لوگ جن کے رگ و ریشہ میں آنحضرت ﷺ کا خون مقدس دوڑ رہا ہے ان کی توہین وتذلیل میں تقریر وتحریر کا ہر تیر رہا کرتے ہیں۔ یاللعجب ؟اس کے باوجود امیدوار شفاعت رسولؐ بھی ہیں؟ کیا ایسے لوگوں سے

رسول مقبول ﷺ زبانِ حال سے یہ نہیں کہتے ہوں گے؟

ربط غیروں سے ہے اور ہم سے وفا چاہتے ہو ☆ دل میں سوچو یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو؟

اس تحریر سراپا تعزیر میں سادات کرام کے حسب ونسب اور سیرت وکردار پر جو تابڑ توڑ حملے کئے گئے ہیں وہ کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں۔۔

سادات کے نسب پر لابینہ حملہ کرنے والا واجب القتل ہے:

حالانکہ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ "من سب ابا احدٍ من ذریتہ ولم یُقم قرینۃ علی اخراجہ من ذلک قتل" جو شخص ذریتِ رسولؐ میں سے کسی کو باپ کی گالی دے (اس کے نسب پر حملہ کرے) اور اس کے پاس اس بات کا کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو تو اسے قتل کیا جائے گا (ملخص صواعق محرقہ ص 104 طبع مصر بحوالہ شفا قاضی عیاض)

بنی ہاشم کا بغض علامت نفاق ہے:

یہ امر بھی کتب اہلسنت والجماعت سے واضح ہے کہ بنی ہاشم (خاندان رسولؐ) سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے "عن طلحۃ بن مصرف قال کان یقال بغض بنی ھاشم نفاق" (اخرجہ ابوبکر بن یوسف بہلول) طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ عہد صحابہ میں کہا جاتا تھا کہ بنی ہاشم سے عداوت رکھنا منافقت کی علامت ہے (ارجح المطالب ص 230 باب 3)

بروز قیامت نسب رسولؐ کے سوا باقی سب نسب ختم ہو جائیں گے:

مؤلف نے اس تحریر میں جو کچھ ظاہر کیا ہے کہ "سید گیری کسی کام نہ آئے گی" یعنی قرابت رسولؐ کچھ فائدہ نہ دے گی یہ اعتراض کوئی نیا نہیں مؤلف کے بزرگوں نے بھی عہد رسالت میں اسی فاسد نظریہ کا اظہار کیا تھا جس کی رد خود رسولخدا ﷺ کو کرنا پڑی تھی۔ چنانچہ کسی آدمی نے جناب صفیہ (جناب رسولؐ خدا کی پھوپھی) سے کہا۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی قرابت سے آپ کو کچھ نفع نہیں ملے گا۔ وہ (یہ سنکر) رونے لگیں جب آنحضرت ﷺ نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے تمام ماجرا بیان کیا اس پر آنحضرت ﷺ بہت خفا ہوئے اور بلال کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز کیلئے بلائیں جب لوگ جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا "ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب ونسب ینقطع آدم القیامۃ الا سببی ونسبی وان رحمی موصولۃ فی الدنیا والآخرۃ" (اخرجہ الطبرانی والبیہقی) کیا حال ہے اس گروہ کا جو خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت قیامت کے دن نفع نہیں دے گی بہ تحقیق کہ ہر ایک سبب اور نسب قیامت کے دن میرے سبب اور نسب کے سوا منقطع ہو جائے گا ہاں میری قرابت دنیا و آخرت میں ملنے والی ہے (ارجح المطالب ص 237) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا بنی ھاشم والذی بعثنی بالحق

نبیاً لو اخذت بحلقة باب الجنة ما بدأتُ الا بکم (اخرجہ احمد فی المناقب) جناب علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ فرماتے تھے اے گروہ بنی ہاشم! اس ذات پاک کی قسم جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر میں نے جنت کے دروازہ کی کنڈی پکڑی تو میں ہرگز تمہارے سوا کسی سے اندر داخل کرنے کا آغاز نہیں کروں گا۔ (ارجح المطالب ص 229)

آل رسولؐ سے محبت کرنا واجب اور ان سے بغض رکھنا حرام ہے:

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آل رسولؐ کی محبت و مؤدت واجب اور انکی عداوت حرام ہے۔ جناب رسولخداؐ فرماتے ہیں من مات علی حب آل محمد مات شهیداً جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مرے وہ شہید مرتا ہے (تفسیر کشاف ج 3 ص 403 طبع مصر)

اولادِ رسولؐ کا اکرام لازم ہے:

اگر اس سلسلہ میں قرآن و حدیث بالکل خاموش بھی ہوتے تب بھی عقل سلیم مجبور کرتی کہ رسولخداؐ سے قرابت رکھنے کی وجہ سے اولاد رسولؐ کا احترام واجب ہے چہ جائیکہ خود آنحضرتؐ کا ارشاد موجود ہے اکرموا اولادی الصالحین لله والطالحین لی میری اولاد کا احترام کرو۔ اگر نیک ہوں تو خدا کے لئے اور اگر برے ہوں تو میرے لئے۔ (جامع الاخبار)

اعانت سادات افضل حسنات ہے:

جناب رسولخداؐ فرماتے ہیں اربعة انا لهم شفیع یوم القیامة ولو اتوا بذنوب اهل الارض معین اهلبیتی والقاضی لهم حوائجهم عند ما اضطروا الیه والمحب لهم بقلبه ولسانه والدافع عنهم بیده یعنی چار شخص ایسے ہیں کہ اگرچہ تمام اہل زمین کے گناہوں کے برابر گناہوں کا بوجھ لے کر بروز حشر میرے پاس آئیں جب بھی میں ضرور ان کی شفاعت کروں گا ایک وہ جو میرے اہل خاندان کی اعانت کرے۔ دوسرا وہ جو اضطرار کے وقت ان کی حاجات پوری کرے۔ تیسرا وہ جو قلب و زبان سے ان کے ساتھ محبت کرے چوتھا وہ جو ہاتھ سے ان کا دفاع کرے۔ (صواعق محرقہ ص 237) کبریت احمر ص 50 پر امام جعفرؑ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آل رسولؐ کی صلہ رحمی ترک نہ کرو۔ غنی اپنے غنا اور فقیر اپنے فقر کے مطابق ان سے حسن سلوک کرے جو شخص چاہتا ہے کہ خداوند عالم اس کے مشکلات و مصائب حل فرمائے تو اسے چاہیئے کہ سادات و مومنین کی ضرورتیں پوری کرے۔

سادات کو دوگنا ثواب اور دوگناہ عذاب ہوگا:

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے کہ ''شیعہ کا اعتقاد ہے کہ اولاد سادات کیلئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ کیسے ہی جرائم کبیرہ کا ارتکاب کرے'' یہ صرف عوام جہلا کا خیال ہے جسے انہوں نے حسب عادت مذہب شیعہ کے سر منڈھنے کی ناکام کوشش کی

ہے۔حالانکہ شیعی لٹریچر تو اس قسم کے ارشاداتِ معصومین سے چھلک رہا ہے کہ ''الجاحد منالہ ذنبان و المحسن لہ حسنتان ''یعنی اولاد رسولؐ میں سے جو منکر و بدکار ہے اس کا گناہ دوگنا ہے اور جو نیکو کار اس کا ثواب بھی دوگنا ہے (اصول کافی ص 192 طبع ایران)المحسن منالہ کفلان من الثواب و المذنب منالہ ضعفان من العذائب (سفینۃ البحار ج2ص254)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب وگناہ کے معاملہ میں سادات کا معاملہ عام لوگوں جیسا نہیں ہے اور بھلا ہو بھی کیونکر سکتا ہے جبکہ وہ ازواج نبی جن کا جناب رسولخداﷺ سے سببی رشتہ ہے ان کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ''يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ ''(الاحزاب آیت 32)اے رسولؐ کی بی بیو!اگر تم تقویٰ خداوندی اختیار کرو تو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو یعنی تمہارا مرتبہ بلند اور ثواب دو چند ہوگا۔اس کے برعکس بداعمالی کی صورت میں ان کے لئے یہ تہدید وارد ہے ''يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ''(الاحزاب آیت 30)اگر تم میں سے کسی نے کھلم کھلم بدعملی کی تو تمہارا عذاب بھی دوگنا ہوگا۔سچ ہے

جنکے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

فضیلت جو بڑی تھی تو مصیبت بھی بڑی ہے

صحیح النسب سیّد تائب ہوکر مرتے ہیں:

ہاں البتہ ہماری بعض روایات میں یہ ضرور وارد ہے کہ جو صحیح النسب سادات کرام ہیں اگر ان سے بتقاضائے بشریت کچھ غلطیاں سرزد بھی ہوجائیں تو وہ ان پر اصرار نہیں کرتے بلکہ مرنے سے پہلے توبتہ النصوح کرکے مرتے ہیں (سفینۃ البحار ج2ص254وغیرہ)ارشاد قدرت ہے ''قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ''(الزمر آیت 53)

اولاد جناب سیّدہؑ جنتی ہے:

ہمارے جن عوامی نظریات کے پیش نظر مؤلف نے مذہب شیعہ کو مطعون کیا ہے خود یہی نظریات ان کی مذہبی کتب میں موجود ہیں عن ابن مسعود قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فاطمة احصنت فرجھا و ان اللہ ادخلھا باحصان فرجھا و زرّیتھا الجنة (اخرجہ الطبرانی)ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ بہ تحقیق فاطمہ علیہا السلام نے اپنے آپ کو نگاہ رکھا ہے اور اس نگاہ رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اور اس کی ذرّیت کو جنت میں داخل کیا ہے (ارجح المطالب ص263)

اولادِ جناب سیّدہؑ پر دوزخ حرام ہے:

جناب رسولخدا ﷺ نے فرمایا ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها الله و ذريتها على النار یعنی جناب فاطمہؑ نے اپنے آپ کو نگاہ رکھا اس لئے خدا نے ان کو اور ان کی ذریت کو آتش دوزخ پر حرام کر دیا۔(صواعق محرقہ ص 97 طبع مصر قدیم) عن علی عليه السلام قال قال رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم يا فاطمة تدرين لم سميت فاطمة قال على عليه السلام يا رسول الله ! لم سميت فاطمة قال ان الله فطمها و ذريتها من النار (اخرجہ ابو القاسم الدمشقی ونقلہ محب الطبری عن مند علی بن موسیٰ الرضاؑ) جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اے فاطمہؑ! تم جانتی ہو کہ میں نے تمہارا نام فاطمہؑ کیوں رکھا؟ علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ نے کیوں فاطمہؑ نام رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پروردگار نے ان کو اور ان کی ذریت کو دوزخ کی آگ سے بچایا ہے۔(ارجح المطالب ص 263)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض کوتاہ اندیش ہمیشہ پسرِ نوحؑ کے قصہ سے دھوکہ کھاتے ہیں یا دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بدعملی سے نسب منقطع ہو جاتا ہے حالانکہ معمولی سے غور و فکر کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ پسر نوحؑ کا شرف اسلئے ختم ہوا تھا کہ وہ بدعقیدہ تھا اور جناب نوحؑ کی نبوت کا قائل نہ تھا۔ لہٰذا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو شخص سیّد کہلا کر اپنے آباؤ اجداد طاہرین۔۔کی۔۔ولایت و محبت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کا یہ شرف ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر عقیدہ صحیح ہو تو صرف بعض عملی کمزوریوں کیوجہ سے یہ مجد و شرف ختم نہیں ہوتا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر بدعمل ہوں تو میرا لحاظ کر کے ان کا احترام کرنا۔(کما مّر تفصیلہ)

اہلسنت کے نزدیک ہر کلمہ گو جنتی ہے خواہ کیسا ہی گنہگار ہو:

مؤلف نے تو محض اپنے ذہنی مفروضہ یا عوامی نظریہ کو برگ و بار لگا کر یوں پیش کیا ہے کہ ''ان (سادات) کو رب العزت سے جنّت کا ٹھیکہ مل چکا ہے زنا کرے، چوریاں کرے، واردت قتل وڈکیتی کا مجرم بنے دوزخ کی آگ سیّد پر حرام ہے ۔۔۔'' اگر مؤلف کی اپنی مذہبی کتابوں پر نظر ہوتی اور آنکھوں میں شرم اور دل میں انصاف بھی ہوتا تو ہرگز یہ بودا ایرادنہ کرتے کیونکہ ان کی معتبر کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ صرف کلمہ شہادت پڑھنے سے جنت کا ٹھیکہ مل جاتا ہے اگر چہ کلمہ گو زنا کاری، چوری چکاری وغیرہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرتا پھرے۔ جناب ابو درداء روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولخدا ﷺ نے فرمایا من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له دخل الجنة قلت و ان زنى و سرق۔۔على رغم انف ابى الدرداء یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک کہہ دے وہ ضرور جنّت الفردوس میں داخل ہوگا ابو درداء کہتے ہیں میں نے کہا اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے آپؐ نے فرمایا ہاں تین بار

میں نے اس بات کا تکرار کیا آخر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابو درداء کی ناک رگڑتے ہوئے ضرور جنت میں داخل ہوگا (تفسیر درمنثور ج 2 ص 170 طبع مصر) جب مذہب اہلسنت میں عام کلمہ گو یان توحید کیلئے سخاوت کے اس طرح دروازے کھلے ہوئے ہیں تو پھر سادات کرام کیلئے بخل کیوں ہے۔؟

مؤلف کی پیش کردہ روایات کا صحیح مفہوم:

ضرورت عمل کے متعلق مؤلف نے جو شیعی روایات پیش کی ہیں ان کا مطلب بالکل واضح ہے جناب رسولخدا ﷺ ہوں یا آئمہ ہدیٰ ؑ انکی ہرگز یہ منشا نہ تھی کہ لوگ صرف ان کی محبت کے کھوکھلے دعوؤں پر بھروسہ کر کے عمل و کردار کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر ان کیلئے باعث ننگ و عار بن جائیں۔ علاوہ بریں ظاہر ہے کہ جب تک محبوب کی اتباع نہ کی جائے اسوقت تک محبت کامل ہوسکتی ہی نہیں ہے کیونکہ

ع ان المحب لمن یحب مطیع

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اسلام میں عمل پر بہت زور دیا گیا ہے اور آئمہ اطہار نے تو اپنا سچا حبدار قرار ہی انہی لوگوں کو دیا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اتنا مؤلف نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ علیؑ کے سچے شیعوں کے صفات و علامات بہت بلند ہیں اب اگر کسی شپرہ چشم کو موجودہ شیعیان علیؑ میں ایسی کوئی صفت نظر نہیں آتی تو اس میں چشمہ آفتاب کا کیا گناہ ہے؟ ورنہ خدا کے فضل و کرم سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں ان صفات جمیلہ کے حامل شیعیان حیدر کرارؑ موجود ہیں

ے خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ☆ توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ہر گروہ کا حشر ونشر اس کے امام کے ساتھ ہوگا:

شیعیان علیؑ کا حشر و نشر تو ان کے آئمہ اطہارؑ کے ساتھ ہوگا کیونکہ ''ان المرء یحشر مع من احب'' ہر آدمی کا حشر و نشر اس کے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کا حشر ونشر ضرور یزید عنید لعین کے ساتھ ہوگا جن کا چھٹا خلیفہ اور امام یزید پلید ہے (شرح فقہ اکبر ص 84 طبع دہلی) یوم ندعو کل اناسٍ بامامھم یہ تبرا وغیرہ مسائل پر اس سے پہلے کسی مناسب مقام پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ جس طرح اچھوں سے محبت اور تولاّ واجب ہے اسی طرح بروں سے تبرا و بیزاری بھی لازم ہے بلکہ سب سے بڑی اسلامی عبادت (نماز) کی ابتداء ہوتی ہی تبرا سے ہے اور تولاّ اس کے بعد کیونکہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پہلے پڑھا جاتا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد

ع نہ اس پر بھی اگر سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

(نوٹ) مؤلف نے اپنی کتاب کے صفحہ 256 پر یہ عنوان ''نقشہ اسلام حسب عقائد شیعہ'' قائم کر کے دوبارہ بعض انہی مطالب کا اعادہ کیا ہے جن کو وہ اسی کتاب کے ص 28 تا 32 میں پیش کر چکے ہیں یعنی یہ کہ وفات النبیؐ کے بعد سوائے چند اشخاص کے باقی لوگ مرتد ہو گئے وغیرہ وغیرہ چونکہ ہم ان باتوں کا مکمل و مدلل جواب مذکورہ بالا مقام پر پیش کر چکے ہیں لہٰذا مؤلف کی طرح انہی مطالب کی بار بار تکرار کر کے اپنا اور اپنے قارئین کرام کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ قارئین محترم مقام مذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔۔

پھر ص 357 پر تمام صحابہ کی محبت کے دعویدار نے شیعوں کی ضد میں بعض جلیل القدر صحابہ رسولؐ کی توہین کرتے ہوئے درج ذیل عنوان قائم کر کے زہر چکانی کی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار خدا بُرا کرے مذہبی تعصب و عناد کا کہ یہ آدمی کو نہ دنیا کا چھوڑتا ہے اور نہ دین کا خسر الدنیا والآخرۃ و ذلک ھو الخسران المبین۔ بھلا

؎ ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین اپنا چھوڑ کر ☆ ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

نظم کا جواب نظم میں

سرِ محشر خدا کے رُوبرو جب سامنا ہو گا ☆ خدا جانے نواصب کا وہاں کیا فیصلہ ہو گا

وکالت جو یہاں کرتا ہے زہراؑ کے مخالف کی ☆ خصومت کے لئے اس کی محمدؐ مصطفیٰ ہو گا

امیرالمؤمنینؑ کی ذات اقدس جس کی دشمن ہو ☆ بقول مصطفیٰؐ وہ حشر میں بے آسرا ہو گا

علیؑ والے لبِ کوثر پئیں گے جام کوثر کے ☆ مگر دشمن بصد حسرت وہاں پر دیکھتا ہو گا

سرِ منبر تو جن کا نام لے کر رقص کرتا ہے ☆ قیامت میں تو اُن پر تبرا بھیجتا ہو گا

علیؑ کا بغض دل میں ہو کہاں کی ہے مسلمانی؟ ☆ زمانے میں تو اے واعظ نہ تجھ سا بے حیا ہو گا

ہماری سینہ کوبی سے تمہیں کیوں درد ہوتا ہے ☆ جفا کاروں میں شاید کوئی تیرا پیشوا ہو گا

ارے ظالم مٹانے سے یہ ماتم مِٹ نہیں سکتا ☆ تو جتنا ہی مٹائے گا یہ اتنا ہی سِوا ہو گا

غزالی کی طرح تو بھی حقیقت کو چھپاتا رہ ☆ مگر سبطِ پیغمبرؐ کا یہ ماتم جا بجا ہو گا

تیری اس فحش گوئی سے ہمیں تو اَجر ملتا ہے ☆ بُرا انجام آخر میں کرم دینا تیرا ہو گا

یہ دیں گے داد علیؑ والے تو کیا ہوگا ☆ صدائے مرحبا مولا نجف میں کہہ رہا ہو گا

تعاقب چھوڑ دے منظورؔ اب اس مؤلف کا ☆ سزا اپنے کئے کی حق سے اب وہ پا رہا ہو گا

(سید منظورؔ بخاری)

سلمان ومقداد کی ایمانی حالت:

حیات القلوب ج2 ص600 میں سلمان ومقداد کے ایمان کی کیفیت عجیب لکھی ہے کتاب اختصاص میں معتبر سند سے امام صادق سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے سلمان! اگر تیرا ایمان مقداد پر پیش کیا جائے تو ضرور وہ کافر ہو جائے۔ کیا خوب مسلمانی ہے۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہادئ اسلام نے ایسے بمشکل تین مسلمان پیدا کئے تھے جو بعد وفات رسولؐ مسلمان رہے ان میں سے بھی دو ایسے ڈھلمل یقین تھے کہ ایک کی حالت پر دوسرا مطلع ہو جائے تو اسلام کو خیر باد کہہ دے اب صرف ابو ذر رہ گئے۔ اس سے نہ صرف رسولؐ اور قرآن پاک ہی پر بلکہ خدائے پاک پر بھی حرف آتا ہے کیا اتنا بڑا کارخانہ اسلام قائم ہوا۔۔۔ اور نتیجہ اس تمام کارگذاری کا یہ ہوا کہ صرف ایک مسلمان پیدا ہوا کیا کوئی شخص شیعہ کا یہ عقیدہ درست مان کر مخالفین اسلام کے سامنے ایک منٹ بھی کھڑا ہو کر صداقت اسلام پر بحث کر سکتا ہے۔ تف ہے ایسے عقیدہ پر --

شیعہ سے سوال:

شیعہ برائے مہربانی ہمیں یہ بتائیں کہ ان برائے نام مسلمانوں نے (جن کو تم معاذ اللہ کافر و مرتد کہتے ہو) تو وہ خدمات کیں کہ ملک کے ملک فتح کر کے زیر نگین اسلام کئے۔ لاکھوں کروڑوں نفوس کو مسلمان کیا۔۔ ہزروں مساجد تعمیر کرائیں قرآن کی جمع و ترتیب میں اسقدر اہتمام کیا کہ اصلی قرآن ۔۔ یکجا کر کے سورتوں، رکوعوں اور آیات کو ترتیب دی ۔۔۔ لیکن تمہارے ان مخلص مسلمانوں، ابوذر، سلمان فارسی، نے کون کون سی خدمات اسلام کیں۔ کن کن ۔۔ کفار کو مسلمان کیا۔ کون کونسے ملک فتح کیئے؟

یہی بتایا جائے کہ جناب امیرؑ کی انہوں نے کون سی مدد کی؟ کیا اس وقت میں ان کی امداد کو پہنچے جب ۔۔ گلے میں رسی ڈال کر ۔۔ بیعت ابو بکر کیلیئے لے جا رہے تھے ۔۔ یا فدک جو ۔۔ چھین لیا گیا تھا واپس دلایا ۔۔۔ اگر ان تمام امور سے ایک بھی ۔۔۔ نہیں کیا تو ان کی مسلمانی سے اسلام اور علی المرتضیٰ کو کیا نفع؟ ۔۔ ہاں یہی بتاؤ کہ کفار کو تہ تیغ کر کے وسعتِ ممالک ِاسلام کی ۔۔۔ آپ کے وقت میں مسلمانوں پر تلوار چلی۔ ہزاروں جلیل القدر صحابی ۔۔ شہید ہوئے آپ کا زمانہ خانہ جنگیوں ہی میں گذرا اور خدمت قرآن کا تو یہ حال ہے کہ قرآن جمع کر کے ایسا غائب غلّہ کیا کہ شیعوں کی نظر سے بھی اوجھل ہے اگر ان برائے نام چند مسلمانوں (خلفاء ثلاثہ) کا وجود نہ ہوتا تو دنیا میں آج ایک بھی سیّد جو اولاد حسینؑ بطن حضرت شہر بانو سے پیدا ہوئے صفحہ دہر پر نہ ہوتے ۔۔۔۔ (آفتاب ص359)

الجواب:

اسلامی برادری ہمیشہ شیعیان علیؑ کو اس طعن و تشنیع کا ہدف بناتی ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ کو نہیں مانتے حالانکہ یہ ان پر سراسر تہمت ہے کہ وہ کل اصحاب کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صرف منافقین اور فاسقین کو اچھا نہیں جانتے باقی رہے صحابہ مومنین تو ان کو تو وہ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور جانتے ہیں اس موضوع پر کتاب کے ابتدائی حصہ میں مفصّل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام نے تحریر بالا میں ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ ''الصحابة کلهم عدول'' کا دعویٰ کرنے والے اصحاب کو کس طرح مانتے ہیں؟ اس کلام باطل التیام میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعض جلیل القدر صحابہ کرام کو جس طرح ہدف طعن و تشنیع بنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امیر علیہ السلام جیسے امام عالیمقام کی صاف و شفاف روش و رفتار پر جس ناصبیانہ چھینٹے ڈالنے کی کوشش ناتمام کی گئی ہے وہ عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے مؤلف کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہروانی خارجی اپنی ناصبیت و خارجیت کی بھڑاس نکال رہا ہے!

مابہ النزاع صرف ثلاثہ کی شخصیت ہے:

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ و سنّی میں فضیلت صحابہ کے بارے میں جو نزاع ہے وہ صرف اور صرف اصحاب ثلاثہ کے متعلق ہے کہ اہلسنت صرف انہی کی فضیلت بلکہ افضلیت پر زور دیتے ہیں اور شیعہ ان کے ان مزعومہ فضائل کو تسلیم نہیں کرتے ورنہ اہلسنّت بھی شیعوں کی طرح سب اصحاب کو ہرگز اچھا اور ایک جیسا نہیں سمجھتے بلکہ بعض اصحاب پر شیعوں سے بھی بڑھ کر تنقید کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف آفتاب کی مذکورہ بالا تحریر اس پر شاہد صادق ہے۔ علاوہ بریں جناب سعد بن عبادہ بدری ساری کا تازیست ابوبکر کی بیعت نہ کرنا اظہر من الشّمس حقیقت ہے اور تحفہ اثنا عشریہ اور فتاویٰ عالمگیری میں منکرِ خلافت ثلاثہ کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ شیعوں کو کافر قرار دینے کے محبوب مشغلہ کے جوش میں صحابہ رسولؐ کو بھی دھر لیا ہے۔

؎ شادم کہ بارقیباں دامن کشاں گذشتی ☆ گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد

صاحب تحفہ کے نزدیک منکرِ ثلاثہ صحابی نہیں ہے:

بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تو اس سلسلہ میں اسقدر غلو کیا ہے کہ ایسے حضرات پر صحابہ رسولؐ کی صف سے خارج ہونے کا فتویٰ عائد کر دیا ہے فرماتے ہیں ''ہیچکس از اہلسنت آں جماعت را صحابہ نمی داند و معتقد خوبی و بزرگی آنہا نیست'' ان حقائق کی روشنی میں وہ نظریہ کہاں گیا کہ

؎ ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں؟

معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھلانے کے اور!!

مؤلف کی بے جا تنقید کا جواب:

عقلائی قاعدہ ہے کہ

؏ شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!!

مؤلف نے جناب سلمانؓ ومقداد کے ایمان پر جو ناروا حملہ کیا ہے وہ ان کے فہم سقیم وعقل غیر سلیم کی پیداوار اور انکی بے شعوری کا شاہکار ہے۔ حقیقت الامر صرف اس قدر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سب حضرات اگرچہ مؤمن کامل ہیں مگر چونکہ ایمان کے دس درجے ہیں کوئی کسی درجہ پر فائز ہے اور کوئی کسی پر ''کل له مقام معلوم'' جس کی جو منزل ہے وہ اسی سے خاص ہے۔ دوسرا اس مقام کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہ درجات کا تفاوت واختلاف کائنات کی نہ صرف ہر ہر جنس ہر ہر نوع اور ہر ہر صنف کے اندر بلکہ ہر ہر فرد کے اندر مشاہدو محسوس ہے اور ان میں فاضل ومفضول اور راجح ومرجوح کا سلسلہ موجود ہے تلک الرّسل فضلّنا بعضهم علی بعض۔۔ جب یہ اختلاف درجات کا سلسلہ انبیاء مرسلین ملائکہ مقربین شہدا وصدیقین اور آئمہ طاہرین میں بھی موجود ومسلّم ہے تو اگر یہی اختلاف مدارج ایمانیہ صحابہ رسولؐ میں تسلیم کیا جائے تو اس میں کیا تعجب اور ایراد ہے؟ اگر جناب موسیٰ جیسا اولی العزم پیغمبر جناب خضرؑ کے علوم باطنیہ کا تحمل نہیں کرسکتے اور بار بار ان کی روش ورفتار پر ایراد کرتے ہیں۔۔ تو کیا اس بات کو کوئی مسلمان جناب موسیٰ کے ڈھلمل یقین ہونے پر محمول کرسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔ افسوس

؏ سخن شناس نہٗ دلبرا خطا اینجا است

باقی رہا یہ سوال کہ وفات نبویؐ کے بعد پیش آمدہ مشکلات ومصائب میں انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کی کیا مدد کی؟ سو اس کا جواب واضح ہے کہ ہم صرف اسلئے انکی مدح وثنا کرتے اور ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں کہ انہوں نے ان جانگداز حالات وواقعات میں بھی علیؑ واولادِ علیؑ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور عہد رسولؐ کو ہرگز نہیں توڑا بلکہ ہر دکھ سکھ میں خاندان نبوت کا ساتھ دیا جناب امیرؑ کب اپنی خلافت یا فدک کو واپس لینے کیلئے شمشیر بکف ہو کر میدان میں نکلے تھے کہ وہ ان کا ساتھ دیتے؟ جناب امیرؑ کے جنگ نہ کرنے کے علل واسباب پر پہلے تبصرہ کیا جاچکا ہے بہرحال جس دینی وعقلی مصلحت وحکمت کے ماتحت جناب امیر علیہ السلام نے اس پر آشوب دور میں صبر وسکوت اختیار فرمایا بعینہٖ انہی مصلحتوں کے پیش نظر آنجناب کے ان مخلصین نے بھی صبر وتحمل کو اپنا شیوہ وشعار قرار دیا۔ اور شمشیر بکف ہو کر میدان میں نہیں نکلے۔

عار وشنار:

اگر مؤلف کچھ بھی عقل وانصاف اور دین ودیانت سے کام لیتے تو جناب امیر علیہ السلام پر خانہ جنگیوں میں مشغول رہنے

اور کوئی کارِ نمایاں انجام نہ دینے کا بے جا اعتراض کر کے اپنی خارجیت کا ثبوت فراہم نہ کرتے مگر صحیح ہے

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

کاش کہ انہوں نے آنجناب کو خانہ جنگی کا الزام دیتے وقت یہ سوچ لیا ہوتا کہ اس خانہ جنگی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ آیا ام المؤمنین عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ ان کے چہیتے صحابہ وصحابیات پر یا جناب امیرؑ خیبر گیر پر؟

؏ نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

یہ درست ہے کہ معترض کے بزرگوں کی کرم فرمائیوں سے جناب امیرؑ کا زیادہ تر وقت خانہ جنگیوں کو موقوف کرنے، داخلی سازشوں کو ختم کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں صرف ہو گیا اور اسطرح آنجناب اسلامی حدودِ مملکت کی توسیع نہ کر سکے (اور مقام شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی جناب امیرؑ کی یہ خواہش تھی کیونکہ ان کے پیش روؤں اور بعد میں آنے والے امراء اسلام کی انہی حدود مملکت کی توسیعوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے اور اغیار کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ اسلام دنیا میں بزورِ تلوار اور ہوس اقتدار کی وجہ سے پھیلا ہے) مگر آنجناب نے اپنی عدیم النظیر حکمت عملی سے اسلام کی بنیادوں کو اسقدر مستحکم ومضبوط بنا دیا کہ آج تک کوئی منافقانہ و کافرانہ طاقت نہ اس کی بنیادوں کو ہلا سکی ہے اور نہ ہی آئندہ قیام قیامت تک ہلا سکے گی انشاء اللہ جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے

؎ ولو لا ابو طالب وابنه ☆ لما مثل الدين شخصاً فقاما

(قصائد سبع علویات) یعنی اگر (مکہ کی سرزمین میں) جناب ابو طالبؑ کی (خدمات) اور (مدینہ میں) انکے فرزند حیدر کرارؑ کے (مثالی جہاد) نہ ہوتے تو کبھی اسلام اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا اور اگر ہنوز اس کی استقامت یا پروان چڑھنے میں کچھ کمی تھی تو آپ کے عظیم فرزند سیّد الشہداءؑ نے اپنے خون مقدس سے سینچ کر اسے ایک زندۂ جاوید حقیقت بنا دیا سچ ہے

؏ اسلام زندہ ہو گیا بس کربلا کے بعد

بنابریں آج اقطاع الارض میں جہاں کہیں بھی اسلام اور مسلمان نظر آتے ہیں یہ سب سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا فیضان ہے اگر اس خاندان کی عظیم الشان قربانیاں نہ ہوتیں تو عمر یا عمری تو کجا آج پورے عالم میں کہیں اسلام اور کسی مسلمان کا نام ونشان نہ ہوتا مگر اس کفرانِ نعمت کی بھی کوئی حد ہے کہ آج ابوبکر وعمر کے پرستار جملہ سادات ومومنین کو عمر کا ممنون احسان ثابت کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔۔ کبرت کلمة تخرج من افواههم ۔۔ان یقولون الا کذباً۔۔ یہ بات ایک نہیں کئی بار سابقہ مباحث میں واضح کی جا چکی ہے کہ ممالک فتح کرنا۔ اور حدود سلطنت کو وسعت دینا کسی شخص کے مومن ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض اوقات خدا یہ کام ان لوگوں سے بھی انجام دلوا دیتا ہے جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (بخاری وکنز العمال وغیرہ) اگر دعویدارانِ ایمان ثلاثہ

میں جرأت ہے تو ان کے ایمان کے دلائل پیش کریں ان بھول بھلیوں سے کام نہیں بنتا کیونکہ

؎ بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی!

شیعیان علیؑ:

اب ہم شیعیان علیؑ سے مخاطب ہوتے ہیں ذرا تم ہی بتاؤ کہ تم نے اسلام یا آئمہ اہلبیتؑ کی کیا کچھ امداد کی اپنے عہد میں علیؑ المرتضیٰ تمہارا ہی رونا روتے رہے آئمہ اہلبیتؑ اپنے وقت میں تمہارے شاکی رہے تم نے ہی جناب امیرؑ کو کوفہ میں جام شہادت پلایا۔تم نے ہی حضرت مسلم بن عقیل کو۔۔ ذبح کیا۔تم نے سید الشھداء۔۔کو خطوط عقیدت لکھ کر دھوکہ۔۔۔سے بلوایا۔۔نمونۃً ہم آپ کا ایک خطبہ نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ سے درج کرتے ہیں جو اس کتاب کے ص 260 میں ہے۔

خطبہ امیر علیہ السلام اپنے شیعوں کی مذمت میں:

جو امر کہ گذر گیا۔۔اس پر خدا کی حمد کرتا ہوں۔۔اے میرے حکم کی اطاعت نہ کرنے والے۔۔۔گروہ اگر تمہیں محاربہ دشمن سے مہلت دی جاتی ہے تو مقابلے میں ضعیف سُست ہو جاتے ہیں۔۔خدا کی قسم اگر میرا روز موعود آجائے۔۔میں تمہاری مصاحبت کے لئے دشمن ہوں گا اور تمہارے سبب سے کسی قسم کی قوت وشوکت مجھے حاصل نہ ہوگی تم میری زندگی تک مجھ سے برگشتہ رہو گے مجھے دشمن سمجھو گے۔۔۔اپنے امثال واقران کو بھی دیکھ کر حمیت وغیرت نہیں آتی۔۔کیا مقام نصیحت نہیں کہ معاویہ نہایت۔۔ہی سفیہہ ستمگاروں کو بلاتا ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے احسان وانعام۔۔۔کے اسکی متابعت کرتے ہیں اور میں تمہیں انعام اور احسان کے ٹکڑوں کی طرف بلا رہا ہوں۔۔مگر پھر بھی مجھ سے متفرق ہوتے ہو اور برابر مجھ سے اختلاف کئے جاتے ہو۔۔اور یاد رکھو کہ بہترین شئی جس کی ملاقات کا مجھے اشتیاق ہے میرے نزدیک موت ہے۔۔۔میں نے تمہیں کتاب خدا کا سبق دیا تمہاری تعلیم میں حجت و برہان کے ساتھ ابتداء کی۔۔(نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص 243)اس خطبہ اور ہمچو دیگر خطبات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب امیرؑ اپنے وقت کے شیعوں سے کس قدر نالاں تھے۔

شیعہ کا امام حسنؑ سے سلوک:

جو سلوک شیعہ حضرات نے حضرت امام حسنؑ سے کیا اسکا ذکر جلاء العیون ج 1 ص 276 میں امام ممدوح کی زبانی یوں ہے۔یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا۔میرا مال لوٹ لیا۔بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے عہد لوں اور اپنا خون حفظ کروں۔۔۔اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔اسی کتاب کے ص 277 ایک شیعہ کی گستاخی کا حال

یوں درج ہے شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ایک سوار آیا کہ اسے سفیان ابن لیلی کہتے تھے اس نے کہا السلام علیکم !اے ذلیل کنندہ مومناں کے ص 268 میں لکھا ہے کہ آنجناب نے معاویہ سے صلح کا ارادہ کیا تو شیعوں نے چراغ پا ہو کر حرکت کی ۔۔۔اور کہا (معاذ اللہ) یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر بلوا کیا اور اسباب امام حسنؑ لوٹ لیا۔۔۔

امام حسینؑ سے سلوک:

خود فخر الشہداء جناب امام حسینؑ سے تو شیعوں نے وفاداری کی حد کر دی صاحب جلاء العیون ج 1 میں یوں رقمطراز ہیں پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؑ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسینؑ پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے امام حسینؑ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسینؑ کو شہید کیا۔اس سے پہلے ہم اخبار ماتم کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان نے ہی نہایت بے دردی سے حضرت امام حسینؑ کو دشتِ کربلا میں بھوکا پیا سا معہ بال بچوں کے شہید کیا۔۔یہ ہیں ماتمیوں کے کرتوت خدا بچائے۔۔۔اگر خدانخواستہ آج کوئی مخالف اسلام ۔اسلام پر حملہ کر دے اور پلاؤ زردہ پکا کر ماتمیوں کے سامنے رکھ دے تو یہ محبان حسینؑ جو صرف چاولوں کے ماتمی ہیں ۔بیت اللہ کعبہ پاک پر گولیاں چلانے سے کبھی دریغ نہ کریں جب اس وقت یہ حالت تھی جب آئمہ عظام کی مقدس صورتیں سامنے تھیں ۔۔تو اب سینکڑوں سال کے بعد ان حضرات نے کیا حمیت اسلام دکھانی ہے۔۔

بعد کے شیعہ:

بعد کے شیعوں کی نسبت اصول کافی ص 369 میں ہے (بحذف عربی) حضرت امام باقر سے پہلے شیعوں کی یہ حالت تھی کہ وہ احکام حج سے نابلد۔۔۔تھے۔۔

شیعہ کی تعداد حضرت صادقؑ کے وقت:

اب شیعیت کی ترقی کا زمانہ لیجئے ۔شیعہ کے نزدیک ان کے مذہب کی ترویج حضرت امام جعفرؑ کے وقت ہوئی ۔۔۔لیکن آپ نے جو اپنے وقت کے شیعوں کی حالت بتائی ہے وہ سخت مایوس کن تھی اصول کافی ص 496 میں ہے (بحذف عربی) (راوی کہتا ہے کہ امام صادقؑ ابوبصیر سے کہنے لگے اگر میں تم میں سے تین مومن بھی ایسے دیکھوں جو میری حدیث کو مخفی رکھ سکیں تو میں کبھی یہ روا نہ رکھوں کہ اپنی حدیث ان سے چھپا رکھوں)اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب صادقؑ کے عہد میں ۔۔۔یہ حالت تھی کہ جناب امام ۔۔کو ایسے تین شیعہ بھی نظر نہ آتے تھے جو خالص الایمان اور قابل اعتماد

ہوتے ۔۔اسی صفحہ پر دوسری حدیث یوں ہے ۔۔عن سدیر الصیر فی قال (بحذف عربی)۔۔۔۔(ترجمہ) سدیر صیرفی سے روایت ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس گیا ۔۔کہا بخدا آپ کو بیٹھ نہیں رہنا چاہیئے فرمایا کیوں؟ میں نے کہا اس لئے کہ آپ کے پاس غلام اور شیعہ ۔۔کثرت سے ہیں ۔۔آپ نے فرمایا سدیر کتنے ہونے چاہئیں! میں نے کہا ایک لاکھ ۔امام نے کہا ایک لاکھ؟ میں نے کہا ہاں دو لاکھ امام نے کہا اور دو لاکھ؟ میں نے کہا ہاں نصف دنیا۔ پھر آپ خاموش ہو گئے ۔پھر کہا کیا تجھے گنجائش ہے کہ میرے ساتھ باہر چلو؟ میں نے کہا ہاں!۔آپ نے گدھے اور خچر کسنے کا حکم دیا ۔میں ۔۔خچر پر سوار ہو گیا۔آپ گدھے پر سوار ہو گئے ۔ہم چل دیئے ۔نماز کا وقت ہو گیا ۔۔آپ نے ایک لڑکا دیکھا جو بھیڑیں چرا رہا تھا امامؑ فرمانے لگے اگر میرے پاس ان بھیڑوں جتنے بھی شیعہ ہوں تو بیٹھ نہ رہوں ۔پھر ہم نے اتر کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان بھیڑوں کا شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ نکلی ۔اب آپ غور کریں کہ جہاں شیعہ کی تعداد لاکھ دو لاکھ بلکہ نصف دنیا سمجھی جاتی تھی وہاں خالص مخلص شیعے سترہ نکلے ۔۔وہاں آج کل کے شیعہ کی ایمانی حالت کا کیا ٹھکانا ۔یہ سب ڈوم ،مراثی ،قلندر ،مصلی ،کنجر جو شیعہ بنکر محرم میں رونق افزا مجلس ماتم ہوا کرتے ہیں یہ سب چاولوں کے شیعہ ہیں ۔۔(آفتاب ص364)

الجواب:

ایک فارسی ضرب المثل ہے کہ "یک من علم راوہ من عقل باید" اور جہاں عقل وعلم دونوں ہی عنقا ہوں وہاں لایعنی گفتگو کرنے سے خاموش رہنا بدرجہا بہتر ہوتا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب کا معاملہ بھی عجیب ہے اگر خاموش رہنے کی کوشش کرتے ہیں تو اہل حق کا عناد چین نہیں لینے دیتا اور اگر بولتے ہیں تو ڈھول کا پول کھلتا ہے!

ع خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں ؟

یہ بات کسی تشریح وتوضیح کی محتاج نہیں ہے کہ ہر مذہب وملّت میں اکثریت بدعقیدہ ، بداصول اور بدعمل بدکردار لوگوں کی ہوا کرتی ہے دوسرے مذاہب کو چھوڑیئے خود تاریخ انبیاءؑ شاہد ہے کہ ان کے کلمہ گویوں میں ہمیشہ اکثریت خراب لوگوں کی رہی ہے اس سلسلہ میں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں پیغمبر آخر الزمانؐ کے مسلمانوں کو ہی دیکھ لینا کافی ہے جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں کیا وہ واقعاً اس طرح مسلمان ہیں جس طرح ان کو خدا اور رسولؐ دیکھنا چاہتے ہیں؟؟ اوروں کا تو ذکر ہی کیا خود صحابہ رسولؐ میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ نظر آتے ہیں قرآن مسلمانوں کی اکثریت کی مذمت سے لبریز ہے (اس قسم کی آیات اور ایسے واقعات کی کافی مقدار کسی مناسب مقام پر اسی کتاب میں پیش کی جا چکی ہے) تو اگر کوئی غیر مسلمان اس قسم کی آیات وروایات کو جو مسلمانوں کی مذمت اور سرزنش میں وارد ہوئے ہیں پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی جسارت کرے کہ اسلام غلط ہے تو ہمارے مولوی صاحب اور ان کے ہمنوا کیا جواب دیں

گے؟ یہی نا کہ اس میں اسلام کا قصور نہیں قصور نام نہاد مسلمانوں کا ہے کیونکہ جو شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے وہ فی الواقع مسلمان بن نہیں جاتا۔ جب تک اپنے قول و کردار سے اس کا ثبوت فراہم نہ کرے۔۔ اگر زبان سے کہا کچھ اور جائے اور مقام عمل میں کیا کچھ اور جائے تو اس اسلام کا کیا فائدہ؟

ے زبان سے گر گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل ☆ بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تونے

ہم مؤلف کی تمام طول طویل تقریر کے جواب میں صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص شیعہ کہلانے سے حقیقی شیعہ بن نہیں جاتا جب تک اس معیار پر پورا نہ اترے جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السّلام نے اپنے شیعوں کے لئے مقرر فرمایا ہے جس کا کچھ تذکرہ خود مؤلف اپنی اسی کتاب کے ص 353 پر کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر اہل مذہب کی طرح شیعوں میں بھی ہمیشہ نام نہاد لوگوں کی کثرت اور حقیقی شیعوں کی قلت رہی ہے (وقلیل من عبادی الشکور) مگر اس سے نہ مذہب شیعہ پر زد پڑتی ہے اور نہ حقیقی شیعوں پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے اور امام محمدؑ باقر سے قبل ان کا احکام حج سے نابلد ہونا ایک استعارہ ہے۔۔۔ مطلب صرف یہ ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ میں سے سب سے زیادہ امام محمدؑ باقر (اور ان کے بعد امام جعفرؑ صادق) کو اپنے جدِّ نامدار کی شریعت مقدسہ کے معارف و احکام کی نشر و اشاعت کا موقع ملا ہے کیونکہ اس وقت حالات قدرے اسلئے سازگار تھے کہ بنی امیہ اپنی حکومت بچانے اور بنی عباس اپنی حکومت بنانے میں مشغول تھے۔ اگر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں منافقین کی بھرمار تھی (جس کے ثبوت کیلئے قطع نظر دیگر شواہد و دلائل کے صرف سورۃ المنافقون ہی کافی ہے) مخالفتِ رسولؐ کرنے والوں کی کثرت تھی اور میدان دغا میں دغا دے جانیوالوں کی بہتات تھی جن کی مذمت سے پورا قرآن اور دفتر حدیث چھلک رہا ہے مگر بایں ہمہ حقیقی صحابہ کرام اور حقیقی مسلمانوں کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو جو لوگ فی الواقع شیعہ نہ تھے صرف کہلاتے شیعہ تھے اگر آئمہ اطہارؑ نے ان کی مذمت فرمائی ہے تو اس سے حقیقی شیعوں پر کیا طعن و تشنیع وارد ہوتا ہے؟ شیعۃ الرجل اتباعۃ کسی کا شیعہ تو وہ ہوتا ہے جو اسکے نقش قدم پر چلتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے قول و فعل میں اپنے امام کی مخالفت کرتا ہے وہ شیعہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس معیار پر پورے اترنے والے مثالی و حقیقی شیعہ حقیقی مسلمانوں کی طرح کبریت احمر کی طرح بہت ہی تھوڑے ہوں گے

ع یہ رتبہٗ بلند ملا جس کو مل گیا

جن لوگوں کی حضرت امیرؑ نے مذمّت فرمائی ہے، ہم عنوان ''قاتلان امام حسینؑ کا مذہب'' کے ذیل میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کے ساتھ تھے وہ تمام لوگ حقیقی معنوں میں شیعہ نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت ابوبکر و عمر و عثمان کو خلفاء رسولؐ جانتی تھی کہ فقط معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علیؑ کہلاتے تھے۔ بالفاظ دیگر وہ موجودہ اہلسنت کی طرح حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ سمجھتے تھے اس لئے نہ انکا عقیدہ صحیح تھا اور نہ عمل اسلئے اکثر و بیشتر آنجنابؑ انکا شکوہ و شکایت

فرماتے رہتے تھے۔لہٰذا درحقیقت یہ اہلسنّت کی مذمت ہے نہ شیعوں کی ورنہ جولوگ ان کے حقیقی شیعہ تھے انکی مدح وثنا سے نہج البلاغہ لبریز ہے جیسے محمد بن ابی بکر، مالک اشتر، اصبغ بن نباتہ، کمیل بن زیاد، رشید ہجری، حجر، عثمان بن حنیف عمار بن یاسر اور میثم تمارؔ وامثالھم رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز امام حسنؑ کے ساتھ جن لوگوں نے بدسلوکی کی تھی امامؑ نے ان کی مذمت فرمائی وہ منافق لوگ تھے۔ چنانچہ مؤلف نے جلاء العیون ج 1 ص 276 سے جو روایت نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں الخ۔۔۔۔۔تو جب امامؑ نے ان کے دعویٰ شیعیت کو قبول نہیں کیا تو ہم اسے کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یہ روایت فارسی جلاء العیون کے ص 130 پر مذکور ہے اس سے چار صفحے پہلے 126 پر مذکور ہے کہ ''جب امام نے مصلحتِ وقت کے تحت معاویہ سے صلح کر نے کا ارادہ ظاہر کیا تو منافقاں۔۔ گفتند او مثل پدر کافر شد'' منافقوں نے کہا یہ (امام حسنؑ) اپنے والد (حضرت علیؑ) کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔(العیاذ باللہ) پھر کچھ گستاخیاں کیں ارباب عقل وانصاف کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ جو شخص امام کو (معاذ اللہ) کافر سمجھے اسے بھی اس امامؑ کا شیعہ کہا جا سکتا ہے؟ اس موضوع پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جاچکا ہے کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ نہ تھے بلکہ وہ لا مذہب اور کافر تھے اور اگر بالفرض ان کا کوئی مذہب تھا تو وہ اہلسنّت والجماعت تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے الغرض وہ ماتمی نہ تھے بلکہ ماتم کو بدعت کہنے والوں کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور یہ سارا کرتوت انہی کا تھا جو لوگ صحیح معنوں میں شیعہ اور صحابی امام تھے وہ ایسے مخلص اور باوفا تھے کہ خود سیّد الشہداءؑ کو ناز تھا۔ کہ جیسے باوفا صحابی خدا نے مجھے عطا فرمائے ہیں ایسے تو میرے جد واب کو بھی نصیب نہیں ہوئے تھے (ارشاد شیخ مفید وتاریخ طبری وغیرہ)۔۔ مؤلف جہاں بھی مقدس مذہب شیعہ خیر البریہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہاں ضرور ڈوم اور کنجر وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں سو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کنجر کسی شخص کی ذات نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی کنجروں والے برے کام کریگا وہ کنجر سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کنجر کہلا کر بھی شریف ہو اور دوسرا مولوی اور قاضی کہلا کر بھی کنجر کا کنجر ہو! اور اگر بالفرض ''ڈوم''، ''میراثی''، ''قلندر''، ''مصلی'' اور کنجر کوئی ذاتیں ہیں تو ان ذواتِ عالیہ کی جنس مؤلف کے مذہب میں بھی نایاب نہیں ہے بلکہ وہاں بہت ارزاں نرخوں پر مل جاتی ہے

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے پندرہ روپے ماہوار کی ملازمت پر انگریزی عہد سلطنت میں واقعاً نجف وخراسان کے روضہ ہائے مقدسہ کو بلکہ بغداد میں اپنے پیرانِ پیر کے گنبد کو بھی توپوں کا نشانہ بنانے میں دریغ نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب پیسہ اور پیٹ کے مسلمان ہیں جو حلوے مانڈے کی خاطر عرسوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور ماہ رمضان میں نمازِ تراویح بھی پڑھ لیا کرتے ہیں ورنہ یہ حقیقی اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ یہ صرف حلوے کے مولوی اور پیسے کے مسلمان ہیں۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ☆ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

امام مہدی کے نہ ظاہر ہونے کا سبب:

چونکہ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ امام غائب علیہ السلام اسوقت تشریف لائیں گے جب ان کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی جو ان کے محافظ ہوں گے۔۔۔باوجودیکہ مدعیان شیعیت کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے مگر ۔۔۔سب چاولوں کے شیعہ ہیں اگر سچے شیعہ ہوتے تو کب کے امام منتظر تشریف لے آتے۔

امام کے ظہور کا وقت:

چونکہ اسوقت شیعوں پر سخت اعتراض ہو رہا ہے کہ انکا قرآن جمع کردہ علیؑ کہیں نظر نہیں آتا۔۔شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن صاحب الامر۔۔کے پاس موجود ہے۔شیعہ یہ بھی کہتے ہیں امام علیہ السلام بمعہ اپنے فرزندوں کے ایک غائب ملک میں حکمرانی کر رہے ہیں۔۔۔کتاب غایۃ المقصود میں بہت سی حکایات درج ہیں کہ لوگوں نے وہاں جا کر آپ کی زیارت بھی کی ہے چنانچہ کتاب کے ص 25 سے ص 30 تک ایک ایسا قصہ لکھا ہے کہ ''چند کس دریائی سفر کرتے ہوئے اس ملک میں جا پہنچے اور وہاں بڑے بڑے شہر دیکھے جو امامؑ کے فرزندوں کے زیر حکومت تھے ان میں سے بعض کا طول وعرض دو ماہ کا راستہ بعض کا چار ماہ کا راستہ ہے وہاں بڑے بڑے شہر اور تجارت کی منڈیاں دیکھی گئیں اور عجیب وغریب۔۔۔''(معلوم نہیں اتنی بڑی آبادی جغرافیہ والوں کی آنکھوں سے آج تک کیوں مخفی ہے۔۔۔یہ سب داستانیں فرضی۔۔۔یا شیخ چلی کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں) بہر حال اگر اتنی بڑی سلطنت کے مالک دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہیں۔۔۔تو کیا وجہ ہے کہ اس وقت کے شیعہ اس نعمت سے (زیارت امام) سے محروم ہیں اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ سب حلوے مانڈے اور چاولوں کے شیعہ ہیں اصلی شیعہ کی ان میں بو تک نہیں ہے اگر اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی سچا شیعہ موجود ہوتا تو اس آڑے، وقت میں حضرت امام اس کی ضرور دستگیری کرتے اور اصلی قرآن۔۔نہیں۔۔تو اس کی نقل ہی کرا کر کسی مخلص شیعہ کی معرفت دنیا میں بھیج دیتے۔۔۔۔

ایک عجیب حکایت:

اسی کتاب غایۃ المقصود کے ص 70 تا 71 میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔۔۔کہ ایک اجل فاضل اہلسنت جو علامہ حلی کے استادوں میں سے تھا اس نے مذہب شیعہ امامیہ کے رد میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی۔۔اس خوف سے کہ کوئی شیعہ اسکی تردید نہ کردے کسی شیعہ عالم کے ہاتھ میں۔۔نہ دیتا تھا شیخ حلی ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ کتاب ہاتھ آئے۔۔ایک روز۔۔عاریۃً دینے کی استدعا کی استاد نے کہ صرف ایک رات کیلئے۔۔شیخ نے اسکو بھی غنیمت سمجھا۔۔گھر میں لے گئے

تا کہ کچھ نہ کچھ رات میں نقل کرلیں۔ جب لکھنے لگے تو نیند نے غلبہ کیا اور سو گئے۔ جناب مہدی علیہ السلام نمودار ہو گئے۔ شیخ کو فرمانے لگے کہ کتاب مجھے دے دو اور تم سو رہو جب شیخ نیند سے جاگے تو دیکھا کہ کتاب ساری لکھی ہوئی موجود ہے حالانکہ وہ کتاب ایک سال سے کم عرصہ میں نہ لکھی جا سکتی تھی۔۔۔اس قسم کی حکایات۔۔۔اس لئے وضع کی گئی ہیں کہ شیعوں کا اس بات پر اعتماد ہے کہ ضرور امام مہدی علیہ السلام اسوقت موجود ہیں۔۔میں کہتا ہوں کہ یہ باتیں درست ہیں تو اسوقت شیعیان علیؑ کیوں کوشش نہیں کرتے کہ مل کر شب بیداری کریں اور مناجاتیں کر کے امام کی زیارت سے مستفید ہوں اور۔عرض کریں۔۔۔حضرت جی ! اس وقت بڑا آزادی کا وقت ہے آپ ظہور فرمائیں تو کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور اگر خود تشریف نہیں لا سکتے تو قرآن تو ہمیں مرحمت فرمائیں تا کہ مخالفین کو دکھا کر ہم سرخروئی حاصل کریں ۔۔لکھنؤ کے بڑے مجتہدین شیعہ کوئی حیلہ کریں۔۔۔ایران کے بڑے بڑے جبہ پوش مشائخ شیعہ ہی جدوجہد کریں اگر ایسا نہیں کر سکتے۔۔تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اس وقت ان ہزاروں لاکھوں نمائشی شیعوں میں خالص مخلص اصلی شیعہ ایک بھی نہیں۔ شیعو! کوشش کرو اپنے سے یہ دھبہ دور کرو ورنہ ان عقائد شیعہ سے باز آجاؤ۔ ضد چھوڑ دو۔۔۔اسی قرآن کے کامل و مکمل ہونے کے قائل ہو جاؤ۔ طریق اہلسنت اختیار کر کے مسلمانوں کے سواد اعظم میں مل جاؤ تا کہ نجات حاصل ہو۔ وما علینا الا البلاغ۔۔۔کتاب بہت طویل ہوگئی ہے اب ختم کرتا ہوں۔ درگاہ رب العالمین میں دعا کرتا ہوں کہ میری اس ناچیز تحریر کو قبول عامہ کا شرف عطا ہو اور قیامت میں مغفرت کا وسیلہ ہو آمین ثم آمین۔۔۔

(راقم خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین دبیرؔ متوطن بھیں۔ ضلع جہلم)

الجواب:

مؤلف نے اس مقام پر اور اس سے قبل ص 42و43وغیرہ پر اگر چہ بظاہر شیعہ خیر البریہ کو رگیدا ہے مگر درحقیقت یہ سارا زہر امام العصر حضرت حجۃ بن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ شریف کے خلاف اگلا ہے اور ان کے وجود ذی جود اور ان کی غیبت کبریٰ کا مذاق اڑا کر اپنی باطنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔

عقیدۂ مہدیؑ اتفاقی ہے:

حالانکہ مذاہب و ادیان عالم پر سرسری نگاہ رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں ایک مصلح اعظم کے آنے کا تخیّل موجود ہے بالخصوص اہل اسلام کا تو حضرت مہدیؑ کے ظہور فرمانے پر اتفاق ہے اگرچہ بعض خصوصیات میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

احادیث ظہور مہدیؑ:

اس سلسلہ میں کتب فریقین میں احادیث شریفہ حدّ تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اسوقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک حضرت مہدیؑ ظہور نہیں فرمائیں گے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطوّل اللہ ذلک الیوم حتی یبعث رجل من اھلبیتی اسمہ اسمی یملاء الارض قسطاً و عدلا کما ملئت ظلماً و جوراً'' اگر (بالفرض) زندگانی دنیا کا صرف ایک دن ہی باقی رہ جائے تو خداوند عالم اسے اسقدر دراز کردے گا کہ میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسطرح بھر دیگا جس طرح پہلے ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی (ترمذی، مشکوۃ، سنن ابوداوٗد وغیرہا)

حضرت مہدیؑ کی ولادت:

ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ عقیدہ ظہور مہدیؑ پر اتفاق ہے جس کا خود ہمارے مخاطب نے بھی آفتاب ہدایت کے ص 41 پر بایں الفاظ اقرار کیا ہے ''اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے منتظر اور انکی زیارت کے مشتاق ہیں'' مگر ساتھ ہی اشارہ بھی کیا جا چکا ہے کہ بعض خصوصیات میں فی الجملہ اختلاف ہے منجملہ ان خصوصیات کے ایک مسئلہ ولادت بھی ہے کہ آیا آنجنابؑ کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے اور اسوقت آپ حجاب غیبت میں مستور ہیں یا یہ کہ آخری زمانہ قریب بظہور میں آپکی ولادت ہوگی؟ سو تمام شیعہ خیر البریہ اور بعض منصف مزاج اعلام اہلسنّت اس بات کے قائل ہیں کہ آپؑ کی ولادت 255ھ بمقام سامراء (عراق) میں واقع ہو چکی ہے اور اسوقت باذن اللہ پردہ غیبت میں روپوش ہیں۔ چنانچہ درج ذیل کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج 1 ص 93 ج 2 ص 490۔ اسعاف الراغبین مطبوع بر حاشیہ نور الابصار ص 104 تا 116۔ شواہد النبوۃ جامی ص 213۔ ینابیع المودّہ ص 182 ج 2۔ فصول مہمہ، تذکرہ خواص الامہ، مطالب السوٗل وغیرہا)

کتب اہلسنت درحالات امام مہدیؑ:

بعض انصاف پسند علماء اہلسنت نے تو امام زمانہؑ کے حالات میں مخصوص کتب ورسائل لکھ کر اور آپکے وجود ذی جود کا اثبات کر کے اس سلسلہ میں جملہ شکوک وشبہات کا بڑے اچھے انداز میں ازالہ کیا ہے جیسے (1) البیان تالیف حافظ محمد بن یوسف گنجی (2) کشف المخفی فی مناقب المہدی (3) التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر المہدی للشوکانی (4) العرف الوردی فی اخبار المہدی للسیوطی وغیرہا

وجود امامؑ کا ایک فائدہ بقاء دنیا بھی ہے:

یہ کہنا کہ ایسے امامؑ غائب کا کیا فائدہ جسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان سے مسائل دریافت کر سکتے ہیں کوتاہ اندیشی کی دلیل

ہے کیونکہ نبی وامامؑ کے وجود کا فائدہ صرف مسائل بیان کرنا ہی نہیں ۔ بلکہ ان کے وجود مسعود کا بہت بڑا فائدہ عالم ارضی کی بقاء بھی ہے جسے خدا نے وجود حجت کیساتھ اپنی حکمت بالغہ سے وابستہ کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر و مشہور ہو یا خالف ومستور چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ۔''**اھلبیتی امان لاھل الارض کما ان النجوم امان لاھل السماء**''میرے اہلبیتؑ کا وجود اہل زمین کیلئے اسیطرح باعث امن وامان ہے جس طرح اہل آسمان کیلئے ستاروں کا وجود باعث امن ہے جب ستارے نہیں رہیں گے ۔تو اہل آسمان کی ہلاکت واقع ہو جائیگی اور جب دنیا میرے اہلبیتؑ سے خالی ہو جائیگی تو اہل دنیا کی ہلاکت واقع ہو جائے گی (صواعق محرقہ ص 85 طبع جدید مصر) ولنعم ما قیل

قدم سے مہدی دیں کے زمین قائم ہے پانی پر ☆ قرار کشتیٔ دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

ہدایت کیلئے ہادی کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے:

علاوہ بریں ارباب دانش وبینش پر یہ حقیت پوشیدہ نہیں ہے کہ ہدایت یا گمراہی کے لئے ہادی کا آنکھوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے خداوند عالم حواس سے مخفی رہ کر ہدایت فرماتا ہے اور دشمن شیطان آنکھوں سے اوجھل رہ کر گمراہ کرتا ہے تو بلاتشبیہ امام زمانہؑ پردہ غیبت میں رہ کر کیوں فریضۂ ہدایت انجام نہیں دے سکتا؟ خود امام زمانہؑ سے یہی سوال کیا گیا تھا۔فرمایا **کالشمس اذا غیبتھا السحاب** میری غیبت کے زمانہ میں لوگ میرے وجود سے اسطرح فائدہ حاصل کریں گے جس طرح آفتاب سے حاصل کرتے ہیں جبکہ وہ بادل کی اوٹ میں چلا جائے (بحار ج13۔۔۔ینابیع ج2ص169 وغیرہا)

غرض وغایت ظہور امامؑ:

مؤلف نے جابجا شیعیان حیدر کرارؑ پر یہ طعن توڑا ہے کہ وہ صرف اسلئے امام زمانہؑ کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ انکا قرآن لائیں گے اسوقت انکا کوئی قرآن نہیں ہے ہم اس موضوع پر کتاب کی ابتداء میں مفصل گفتگو کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ خیر البریہ کا موجودہ قرآن پر مکمل ایمان ہے اور وہ اسے خدا کی آخری الہامی کتاب مانتے ہیں ۔حضرت امیرؑ کا جمع کردہ قرآن مجید جو امام العصرؑ کے پاس موجود ہے وہ صرف تنزیل کیمطابق مرتب کردہ ہے اور اسکے ساتھ ساتھ اسمیں قرآن کی تفسیر وتاویل بھی درج ہے وبس ۔ بہرحال یہ آمد امامؑ کا جزوی فائدہ ہے امامؑ کی تشریف آوری کی اصلی غرض وغایت دو چیزیں ہیں ۔(1) ایک جناب رسولخدا ﷺ کی شریعت مقدسہ کی صحیح نشر واشاعت اور اسکی ترویج وترقی اور اسکا غلبہ (2) دوسرے زمین سے ظلم وجور کا خاتمہ کر کے اسے عدل وانصاف سے لبریز کرنا۔اور ادیان باطلہ پر دین اسلام کو غالب کرنا جیسا کہ اوپر درج کردہ احادیث صحاح ستہ وغیرہا سے واضح وآشکار ہے کہ **یملا الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً**۔۔۔

تاخیر ظہور کے بعض حکم ومصالح:

باقی رہی یہ بات کہ "امام مہدیؑ کب ظہور فرمائیں گے"۔ یہ خدا کے محکمہ قضاوقدر سے متعلق ہے اور خدا کے ان اسرار مکنونہ میں سے ہے جنہیں اسی علام الغیوب کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

؎ حدیث از مطرب و مئ گو وراز دہر کمتر جو ☆ کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمّہ را

حضرت امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں کہ **کذب الوقاتون کذب الوقانون۔** کذب الوقاتون امام کا وقتِ ظہور معین کرنے والے جھوٹے ہیں جھوٹے ہیں (اصول کافی) خواہ اس کی وجہ وہ ہو جو مؤلف نے آفتاب کے ص 42 پر اصول کافی سے نقل کی ہے یا وہ وجوہ ہوں جو موصوف نے ص 43 تا 44 پر علامہ حائریؒ کی غایۃ المقصود سے پیش کی ہیں یا وہ اسباب ہوں جو ثالثِ عشر بحار، العبقری الحسان، نجم ثاقب اور اکمال الدین واتمام النعمۃ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارا کام تو بموجب ارشاد امام زمانہؑ "**اکثروا الدعا لتعجیل الفرج فان فیہ فرجکم**" (جسقدر ہوسکتا ہے۔ میرے ظہور کی تعجیل کی دعائیں کرو کیونکہ اسی میں تمہاری کشائش ہے) (احتجاج طبرسی) انکے تعجیل ظہور کی دعا کرنا ہے وبس۔

؎ در بند ایں مباش کس شنید یا نشنید

بہرکیف

؎ اسرار خدا رانہ تو دانی و نہ من ☆ ایں حرف معمانہ تو خوانی و نہ من

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

مگر مؤلف کا صفحہ 42 پر بیان کردہ وجہ سے یہ استنباط کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ خدا شیعہ پر ناراض ہے کیونکہ امام کے ظہور کا فائدہ صرف شیعوں کو نہیں بلکہ تمام اہل اسلام بلکہ تمام اہل عالم امکان کو پہنچتا ہے۔ اسلئے انکے عدم ظہور میں بھی سب کو دخل ہے حقیقت یہ ہے کہ **وجود الامام لطف وتصرّفہ لطف آخر وعدمہ منا۔** (شرح تجرید) آہ۔ شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت۔

بہر حال اس تاخیر وتعویق کا سبب ہم ہی ہیں اس میں خدا اور امامؑ کا ہرگز کوئی قصور نہیں ہے از ماست کہ بر ما است

؎ اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

ایک ضروری وضاحت:

مؤلف نے محافظین امامؑ کی تعداد تین سو سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہنوز تمام دنیا میں اتنے شیعہ موجود نہیں ہیں اسکے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ روایت میں یہ کہیں درج نہیں ہے کہ جب اسقدر شیعہ ہو جائیں گے تو اسوقت فوراً امامؑ ظہور فرمائیں گے بلکہ حدیث

میں صرف اسقدر وارد ہے کہ امامؑ کے ظہور کے وقت انکے مخصوص اصحاب کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کیمطابق 313 ہوگی وبس اور اس سے یہ نتیجہ ہرگز برآمد نہیں ہوتا جو مؤلف برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ دوم یہ کہ ہم اس سے پہلے مبحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ ہرگروہ وجماعت میں نام نہاد آدمی زیادہ اور حقیقی باعمل بہت قلیل ہوا کرتے ہیں اسمیں کسی فرقہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے قرآن شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ نے میقات پروردگار کیلئے ستر ہزار کلمہ گویوں سے انتخاب در انتخاب کر کے صرف ستر آدمی چنے تھے جو عندالامتحان سب ناکام ہوئے۔ سچ ہے۔ عندالامتحان یکرم الرجل اویھان۔۔۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔۔

ملاقاتِ امامؑ:

زمانہ غیبتِ کبریٰ میں ملاقاتِ امامؑ کا دعویٰ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آجکل کسی آدمی کو یہ شرف حاصل ہوسکتا ہی نہیں؟ سینکڑوں خوش قسمت اہل ایمان وایقان گذرے ہیں اور کئی اسوقت بھی موجود ہوں گے جو اس شرف سے مشرف ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں

؎ خاکسارانِ جہاں رابحقارت منگر ☆ توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس قسم کے بیسیوں واقعات بذیل عنوان "تاخیر ظہور کے مصالح" میں نام بردہ کتابوں میں مذکور ہیں فراجع۔ مؤلف کا غایۃ المقصود کی بیان کردہ حکایت دریائی پر یہ اعتراض کس قدر بودا ہے کہ "اتنی بڑی آبادی جغرافیہ والوں کی آنکھوں سے آج تک کیوں مخفی ہے"۔ جغرافیہ پر اسقدر ایمان وایقان؟ اللہ اللہ! ایسے ہی مادی جغرافیہ پر ایمان لانے اور عرش خدا کا انکار کرنے والے مغرب زدہ نوجوانوں کے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا تھا

؎ قائل خدا کے عرش کے کیونکر ہوں یہ عزیز ☆ جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

اگرچہ مغرب زدہ لوگوں کو اس ایراد میں معذور سمجھا جا سکتا ہے مگر ایک مولوی ایسا بودہ اعتراض کرنے میں۔ کسی رنگ سے معذور نہیں اگر امریکہ دواڑھائی سو سال پہلے تک جغرافیہ نویسوں سے مخفی رہ سکتا ہے اور کوئی تعجب نہیں کرتا تو اگر جزیرۃ الخضراء آج تک انکی آنکھوں سے مخفی رہے تو اسمیں کیا جائے تعجب ہے؟

؏ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

حکایت عجیب کا جواب عجیب:

مؤلف نے غایۃ المقصود والی اس حکایت پر بھی بڑے زور سے ایراد کیا ہے جس میں امام زمانہؑ کا ایک رات میں اس کتاب کو نقل کرنا مذکور ہے جو ایک سال سے کم عرصہ میں نقل نہ ہوسکتی تھی نہ معلوم ایک مسلمان کیلئے اسمیں کیا جائے ایراد ہے؟ اگر خدا کا ایک

برگزیدہ بندہ (آصف بن برخیا) اسم اعظم کے ایک حرف کی برکت سے چھ ماہ کے راستہ سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو لا سکتا ہے۔ (الذی عندہ علم من الکتاب) تو جس بزرگ کے پاس اسم اعظم کے پورے بہتر حرف موجود تھے (و من عندہٗ علم الکتاب) اگر وہ ایک سال میں لکھی جانے والی کتاب کو صرف ایک رات میں لکھدے تو اسمیں کیا جائے تعجب ہے؟ حالانکہ کتابت کی سرعت و سستی ایک اضافی چیز ہے جو کاتب کی حیثیت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ آج تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو یہ بتائے کہ ہر کاتب اتنے وقت میں اتنی مقدار لکھ سکتا ہے آج کے مشینی دور نے تو یہ سب عقدے حل کر دیئے ہیں پہلے جو کام ایک کاتب سالوں میں کرتا تھا اب وہ گھنٹوں میں کیا جا رہا ہے! وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ لانہ علی کل شیئ قدیر و لا یجحد قدرتہ الا کل مرتاب شریر۔

طریقہ:

جب مؤلف کتاب بقول خود حضرت مہدیؑ کے منتظر اور انکی زیارت کے مشتاق ہیں تو پھر وہ شیعیان علیؑ حیدر کرار کو کیوں کوسنے دیتے ہیں اور ان سے کیوں ظہور امامؑ کی استدعا و التجا کراتے ہیں خود سارے اہلسنت اجماع کر کے (جن کی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے) بارھواں امام منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟ اور اگر آج کروڑوں مسلمان ملکر رسولؐ کی سند کے بارھویں وارث کا انتخاب نہیں کر سکتے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وفات نبویؐ کے بعد چند آدمی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیٹھ کر اقلیم امامت کے پہلے تاجدار کا انتخاب بھی نہیں کر سکتے ربک یخلق یا یشاء و یختار۔ ما کان لھم الخیرۃ۔

خاتمہ کتاب در جواب ''فتنہ تکفیر روافض'':

مؤلف کتاب ختم کر چکے دعائے خاتمہ کر چکے، اپنا نام اور تاریخ اختتام رقم کر چکے پھر یاد آیا کہ ہنوز ان کے ترکش ظلم و جور اور جعبۂ اتہام و الزام میں ایک تیر باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے ''فتویٰ تکفیر روافض'' چنانچہ اس سلسلہ میں اپنے نامہ اعمال کی طرح پورے آٹھ صفحات سیاہ کر ڈالے اور شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات، شیخ عبدالقادر جیلانی اور دربار گولڑہ شریف سے بے بنیاد الزامات کی بناء پر صادر شدہ کفر کے فتوے نقل کئے اور اس سلسلہ میں ''حضرت امام جعفرؑ صادق کا فتویٰ'' بھی پیش کیا۔ جو سراسر انکے خلاف ہے کیونکہ اسمیں اہل بدعت کی مذمت ہے اور وہ ہم نہیں بلکہ اہل بدعت وہ ہیں جن کے خلفاء و پیشوا بدعتی تھے جنکی بدعتوں سے کتب سیر و تواریخ لبریز ہیں صرف تاریخ الخلفاء میں باب اوّلیات فلاں و فلاں و فلاں ہی دیکھ لینا کافی ہے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ جب اس مبحث کو بھی ص 376 پر ختم کر چکے اور اپنا نام و نشان اور تاریخ اختتام بھی درج کر چکے تو پھر ایکا ایکی نہانخانہ دماغ سے خیال محال کی ایک لہر اٹھی اور ''قرآن کا معجزہ کوئی شیعہ حافظ نہیں ہو سکتا'' عنوان قائم کر کے قریباً ایک صفحہ اور سیاہ کر ڈالا۔ مؤلف کی اس روش و رفتار سے انکے ذہنی انتشار کا اندازہ لگانا اہل دانش کیلئے چنداں مشکل نہیں ہے۔ گویا وہ زبانِ حال سے پکار رہے ہیں کہ

ے کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھلکتا ہوں ساغر پر ☆ میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

یہ عداوتِ اہلبیتؑ کا تازیانہ عبرت ہے جس کے درد کی شدت سے موصوف کو یوم القرار تک ہرگز قرار نہیں آئیگا۔ انشاء اللہ القہار۔۔ دنیا میں بڑے بڑے مشکل کام ہیں مگر کسی مسلمان کو کافر قرار دینے سے مشکل تر کوئی کام نہیں ہے اور کسی کافر کو مسلمان بنانے سے برتر کوئی عمل وعبادت نہیں ہے مگر افسوس خدا رحم کرے ملاؤں پر کہ (دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد۔ والفتنۃ اشد من القتل) جن سے اپنے غلط قول وکردار کی وجہ سے کوئی کافر تو مسلمان ہوتا نہیں۔ اسلئے وہ مسلمانوں کو کافر بنا کر اپنے حلوے مانڈے اور زردہ وپلاؤ کا انتظام کر رہے ہیں

ع روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

افسوس

ے خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ☆ ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

بہرحال مؤلف کا شیعیان علیؑ کو کافر قرار دینا جہاں انکے جاہل بہ قرآن وحدیث ہونیکی دلیل ہے وہاں انکے اپنے آئمہ اور فقہا کے کلام و فتاویٰ سے بھی ناواقف ہونے کا ناقابل ردّ ثبوت ہے۔

قرآنی معیارِ اسلام:

ارشاد قدرت ہے "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا" (النساء آیت 94) جو شخص تم پر سلام کرے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے اس ارشاد خداوندی سے واضح ہے کہ جو شخص اسلامی طریقہ پر سلام کرے یعنی خدا ورسولؐ اور انکی تعلیمات کا قائل ہو اسے کافر کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ جب تک ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے۔

اسلام کیا ہے؟:

بخاری پ 1 ص 26 کتاب الایمان۔ مشکوۃ کتاب الایمان فصل اوّل ج 1 ص 7 پر عمر بن الخطاب کی زبانی روایت ہے کہ ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو زانو بیٹھ کر سوال کیا اخبرنی عن الاسلام؟ مجھے بتائیے اسلام کیا ہے؟ فرمایا **ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ وتقیم الصلوۃ وتوتی الزکاۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً**۔ اسلام یہ ہے کہ گواہی دو خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں اور یہ کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو، زکوۃ دو اور اگر استطاعت ہو تو حج بھی کرو۔۔

ایمان کیا ہے؟:

پھر سائل نے عرض کیا اخبرنی عن الایمان ؟ مجھے بتایئے ایمان کیا ہے؟ فرمایا ان تؤمن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم والآخر تو من بالقدر خیرہ و شرہ۔ خدا، اس کے ملائکہ، اسکی کتابوں، اسکے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ اور تقدیر کی بھلائی و برائی پر ایمان رکھو۔ ان حقائق سے واضح ہے کہ صحابہ رسولؐ بالخصوص اصحاب ثلاثہ کا ماننا نہ رکن اسلام ہے اور نہ شرط ایمان اور نہ ہی ضروریات اسلام میں داخل اور بفضلہٖ تعالیٰ۔ اہلسنت کے مقرر کردہ معیارِ اسلام و ایمان پر شیعیان علی علیہ السلام صدفی صد پورے اترتے ہیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مسلمان کون ہے؟:

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی صلو اتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ و ذمہ رسولہ الخ۔ انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جناب رسولخداﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے وہ مسلمان ہے اسکے لئے خدا اور رسولؐ کا ذمہ وعہد ہے (بخاری پ 2 ص 134 باب فضل استقبال القبلۃ مشکوۃ ص 11 کتاب الایمان) اس حدیث شریف سے بھی شیعوں کا اسلام و ایمان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

امام اعظم کا فتویٰ:

اہلسنت کے امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی کا فتویٰ ہے۔ ان لا نکفر احداً من اھل القبلۃ ہم قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے والے کسی بھی شخص کو کافر نہیں کہتے (شرح فقہ اکبر ص طبع دہلی) نیز امامؒ صاحب فرماتے ہیں لا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ ہم کسی مسلمان کو کسی گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو (شرح فقہ اکبر ص 86)

امام شافعی کا فتویٰ:

کتاب الیواقیت والجواہر ص 274 پر امام شافعی کا بھی یہی فتویٰ درج ہے کہ وہ کسی ہم قبلہ کو کافر نہیں سمجھتے۔

اکابر اہلسنت کے فتاویٰ:

(1) مولانا عبدالحی بحر العلوم لکھنوی کے فتاویٰ ج 2 ص 91 تا 92 پر لکھا ہے ''تبرائی شیعہ کافر نہیں گو سبِ صحابہ کرتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں ذبیحہ انکے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہیں مناکحت بھی انکے ساتھ درست ہے۔''

(2) علامہ وحید الزمان سنن ابن ماجہ مترجم اردو ج 1 ص 28 و 218 پر لکھتے ہیں ''ایمان فقط اقرار کا نام ہے یعنی جس

نے اقرار کیا اللہ کی توحید کا اور رسول صلعم کی رسالت کا پس اس پر احکامِ اسلام دنیا میں جاری کئے جائیں گے اور اس پر کفر کا حکم نہ لگایا جائیگا۔''

(3) مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے اخبار اہلحدیث مجریہ 22 جون 1923ء میں لکھتے ہیں ''شیعہ اور سنی میں اختلاف شدید ہے لیکن اجمالی طور پر اصولی اتفاق بھی ہے مثلاً کلمۂ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق دونوں کرتے ہیں پس اس اصولی اتفاق کی وجہ سے میل ملاپ جائز ہے۔''

(4) علامہ عبد العلی حنفی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں ''الصحیح عند الحنفیہ ان الرافض لیسوا بکفار۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ رافضی کافر نہیں ہیں'' (از فتاوی عبد الحی ج2 ص240) انہی چار عدد شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

سبِّ شیخین موجب کفر نہیں ہے:

مؤلف نے اس فتویٰ میں جو چند بے بنیاد الزامات شیعوں پر عائد کئے ہیں۔ ان میں سے ایک ''قذفِ عائشہ'' ہے حالانکہ شیعیانِ علیؑ ہرگز اس صاحبہ پر یہ الزام نہیں لگاتے اس الزام تراشی کا سہرا مؤلف کے پیارے بعض صحابہ رسولؐ کے سر ہے دوسرا الزام سبِّ صحابہ ہے، ہم کئی مرتبہ واضح کر چکے ہیں کہ ہم کفار و مشرکین کو بھی سب کرنا روا نہیں سمجھتے اور اگر بالفرض کوئی شخص اس فعل کا ارتکاب کرے تو اہلسنت کے اصول مذہب کے مطابق یہ گناہ باعث کفر نہیں ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر ص 86 پر ملا علی قاری لکھتے ہیں ''ان سبّ الشیخین لیس بکفر'' ''یعنی شیخین (ابوبکر و عمر) کو گالی دینا کفر نہیں ہے'' اسی طرح علامہ عبد الحی اپنے فتاویٰ ج1 ص3 پر لکھتے ہیں ''وسبّ شیخین موجب کفر نمی شود ہمیں مذہب موافق قولِ امام اعظم است'' یعنی سبّ شیخین موجب کفر نہیں ہے اور یہی نظریہ امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔ امام مذہب کے اس ناطق فتوی و فیصلہ کے بالمقابل کسی اور شخص کے فتویٰ کی کیا وقعت ہے؟ خواہ وہ مولوی ہو یا مولانا اور خواہ مفتی ہو یا علامہ؟

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اگر عبد القادر جیلانی (جو کہ حنبلی المذہب ہیں) نے شیعیانِ علیؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس سے ہمارے مؤلف کو خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انکے سنانِ قلم کی زد سے حنفی سنی حضرات بھی محفوظ نہیں رہے بلکہ انہوں نے جہنمی فرقوں کی فہرست میں نعمان بن ثابت کوفی (امام اعظم) کے نام لیواؤں کو بھی شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ص 208 کذافی شرح فقہ اکبر ج1 ص67 تاریخ بغداد ج13 ص373 میں لکھا ہے ''کان ابو حنیفۃ رأس المرجئۃ کہ ابوحنیفہ مرجۂ کا رأس و رئیس تھا'') (جنہیں شیخ عبد القادر نے جہنمی قرار دیا ہے)

ے ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ☆ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آخری عنوان ''کوئی شیعہ حافظِ قرآن نہیں ہوسکتا'' کا جواب باصواب:

جہاں تک شیعوں میں حافظ قرآن نہ ہونے کے بے بنیاد الزام کا تعلق ہے ہم اس موضوع پر اوائل کتاب میں تفصیل سے گفتگو کر کے اس کا بے اصل ہونا ثابت کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ قطع نظر دوسرے ممالک کے شیعہ حفاظ قرآن کے اور قطع نظر پاکستان کے دیگر صوبوں کے صرف اسکے صوبہ پنجاب میں اسوقت بیسیوں اجل حافظِ شیعہ خیر البریہ موجود[1] ہیں اور پرستان ثلاثہ جو یہ راگ الاپا کرتے ہیں کہ ثلاثہ شیعہ کے حافظہ سے قرآن بھلا دیتے ہیں وہ یہ کہہ کر ثلاثہ کی مدح نہیں بلکہ اپنی نادانی سے انکی قدح کرتے ہیں کیونکہ خداوند عالم نے قرآن میں شیطان کی یہ صفت بیان کی ہے ''فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ'' (المجادلة آیت 19) کہ وہ لوگوں کو ذکر خدا (قرآن) بھلا دیتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو قرآن بھلانا شیطان کا کام ہے نہ کہ عباد الرحمٰن کا خداوند عالم ان لوگوں کے عقل وخرد اور رشد و ہدایت کی دولت سے نوازے اور اہلبیتؑ کی کشتی پر سوار ہو کر بحر حیات میں خط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیعیان حیدر کرارؑ کو جادۂ حق پر ثابت قدم رکھے اور انکو ہر قسم کے شیاطین انسی وجنی سے کے شرور ووساوس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہماری اس ناچیز سعی وکوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو اسکے نام کیطرح قیام قیامت تک گم گشتگان وادیٔ ضلالت کیلئے تجلی طور اور ہمارے لئے مرنے کے بعد قبر وحشر میں شمع نور قرار دے۔ انہ قریب مجیب۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرینؑ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وانا المتمسک بالثقلین 6 دسمبر 1973ء
الاحقر محمد حسین عفا عنہ رب المشرقین منمقام سرگودھا

---

[1] جنکی ایک اجمالی فہرست اوائل کتاب میں درج کی جا چکی ہے۔ شیعیان علیؑ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے فقط مرد ہی حافظ وقاری قرآن نہیں بلکہ ان کی عورتیں بلکہ ان کی بچیاں بھی حافظ قرآن ہیں اور وہ بھی صرف اصلاح معاد کی خاطر نہ کہ طلب معاش کی خاطر۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشا۔ چنانچہ اس وقت صرف چک 21 جنوبی ضلع سرگودھا جسے قدوۃ السالکین سرکار پیر سیّد فضل شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کا مسکن ومدفن ہونے کی سعادت حاصل ہے چار عزیزیاں مکمل طور پر قرآن مجید حفظ کر چکی ہیں (1) عزیزہ سیّدہ عظمت زہرا (2) عزیزہ سیّدہ عترت زہرا ہر دو دختران کوکب فلک سیادت جناب الحاج سیّد محمد علی شاہ صاحب شیرازی (3) تسلیم فاطمہ۔ دختر چوہدری خدا بخش پسر جناب الحاج چوہدری بھائی خان صاحب مرحوم (4) عزیزہ عذرا بتول دختر شرافت مآب مولوی غلام حسین صاحب زید مجدہ خدا ان کے مساعی جمیلہ کو شرف قبول سے نوازے۔ اور ان کے توفیقات خیر میں اضافہ وازدیاد فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(منہ عفی عنہ)

اہل ایمان کے لئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصہ شہود پر آچکی ہیں۔

قرآن مجید مترجم اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کیلئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن کی مکمل 10 جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔

زاد العباد لیوم المعاد اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومینؑ کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔

سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین زیور طبع سے آراستہ ہوکر مومنین کیلئے آگئی ہے۔

اعتقادات امامیہ ترجمہ رسالہ لیلیہ علامہ محمد باقر مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظر عام پر آگئی ہے۔

اثبات الامامت آئمہ اثنا عشر کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا نیا ایڈیشن

اصول الشریعہ کا نیا ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔

تحقیقات الفریقین اور اصلاح الرسوم کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ (دو جلد)

وسائل الشیعہ کا ترجمہ سولہویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

اسلامی نماز کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

تنزیہہ الامامیہ جواب تحفۃ الحسینیہ منظر عام پر آچکی ہے۔

اقامۃ البرہان علی بطلان التصوف والعرفان تصوف کے رد میں لکھی گئی کتاب منظر عام پر آچکی ہے۔